ISSN 2320-8600

اپریل — دسمبر 2021

عمدۃ المتوکلین نمبر

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

خصوصی اشاعت بیاد

عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

تصوف، اسلام میں کا ایک عملی اور اخلاقی پہلو ہے بلکہ تصوف دین کے ظاہری و باطنی اعمال کی جامعیت کا نام ہے، اسلام سے الگ کوئی چیز نہیں ہے جیسا کہ تصوف کے معاندین و مخالفین ظاہر کرتے ہیں —— تصوف کی ایک بڑی خدمت، وحدت کلمہ کی بنیاد پر اتحاد بین المسلمین کی دعوت دینا ہے۔ مسلمانوں کی بدنصیبی ہے ان میں فرقے اور جماعتیں بن گئی ہیں جو سراسر اسلامی اسپرٹ کے خلاف ہیں — ان فرقوں اور جماعتوں کے بعض خیالات و نظریات ایک دوسرے سے متصادم ہیں، اس تصادم کے نتائج بیشتر اوقات اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا سبب بنتے ہیں — صوفیائے کرام نے ملت اسلامیہ کو شکست و ریخت سے بچانے کی ہمیشہ کوشش کی ہے۔ آج بھی اتحاد بین المسلمین اور اتحاد بین الملل کی کامیاب کوشش اہل تصوف ہی کر سکتے ہیں —— اس لئے مسلکی عصبیت اور رواداری میں اہل تصوف کا ایک موقف متعین ہونا ضروری ہے — یہ واضح رہے کہ مذہب و مسلک کیلئے عصبیت کا ہونا لازمی ہے۔ بغیر حمیت و عصبیت کے کوئی مسلک و مذہب اپنی اصل ہیئت پر باقی نہیں رہ سکتا اور اس کے ماننے والے اپنے افکار و نظریات کو محفوظ نہیں رکھ سکتے — مگر اس کی بھی ایک حد ہے —— ہندوستان کے مشائخ مسلک اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں اور بالعموم حنفی ہیں — یہ ان کا مذہب و اعتقادی مسلک ہے، اپنے مسلک کی بقا کیلئے ضروری حد تک حمیت و عصبیت ان کیلئے لازمی ہے

دوسری طرف مذہبی رواداری، اتحاد ملی کیلئے ضروری ہے — مذہبی رواداری اہل تصوف کے یہاں اعلیٰ درجہ کی رہی ہے۔ تنگ نظری، ان کے مسلک و مشرب کے منافی بھی ہے اور ان کے صوفیانہ مشن کی راہ میں بڑی رکاوٹ بھی ہے —— اسلئے ضروری ہے کہ مشائخ اس پر غور فرمائیں کہ دوسرے مسالک و مذاہب کے متبعین سے کس حد تک راہ و رسم مناسب ہے۔ ضرورت ہے کہ محل اختلاف کو نظر انداز کرکے اتحاد کے وہ نکتے تلاش کیے جائیں جن پر سب کا اتفاق ہو ——

عکس تحریر: حضرت عمدۃ المتوکلین رحمۃ اللہ علیہ

مدیر ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

اظہارِ تشکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

اس شمارے کی اشاعتِ خاص عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے، جن کا واحد مقصد خانقاہ کی ترویج واشاعت تھا، اپنے اسلاف واکابر کے مشرب کی اور خانقاہ کی تعمیر وترقی میں نمایاں کارنامہ انجام دیا، جس اجلاس میں آپ شریک ہوئے خانقاہ مجیبیہ کی باوقار نمائندگی فرمائی۔ المجیب کا وہ خصوصی شمارہ جو ایک دہائی کی تکمیل پر قارئین کی قابلِ تحسین نظروں سے گذرا وہ حضرت علیہ الرحمہ کا تنہا کارنامہ تھا۔

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ آج بھی آپ علیہ الرحمہ کی رہینِ منت ہے کہ دار الاشاعت کے منتظمین آپ کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کے ساتھ اسی مقصد کو لے کر چل رہے ہیں اور سہ ماہی مجلہ المجیب کے اراکین ان کے شروع کئے ہوئے سفر پر استحکام کے ساتھ گامزن ہیں، یہ ہمارا اہم فریضہ ہے کہ بہ طور خراج عقیدت حضرت پر خصوصی نمبر پیش کریں۔

میں نہایت ممنون ومتشکر ہوں ان حضرات کا جنہوں نے میری دعوت پر عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں المجیب کی خصوصی اشاعت کے لیے اپنی نگارشات، قیمتی تاثرات اور تعزیتی پیغامات سے نوازا اور ان کا بھی سپاس گذار ہوں، جنہوں نے میری مکرر درخواست کے باوجود کچھ لکھنے سے اعتذار پیش کیا— فجزاھم اللہ خیرا و الحمدللہ اولاً وآخرًا.

یہ اشاعت خاص آپ کی خدمت میں نذر کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہوں کہ یا اللہ! عم مکرم علیہ الرحمہ کے حسنات کو قبولیت سے نواز اور انہیں زمرۂ صالحین میں شامل فرما۔ آمین!

یا خدا از بہرِ تاج العارفین
خواب گاہش را بکن جنت نشاں

رہینِ منت

محمد آیت اللہ قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھو العزیز المجیب ولی النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المُجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

سرکولیشن منیجر : محمد مقصود عالم مجیبی

رابطہ : +91-9006306098

ماہ : شوال المکرم - جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲/۴۳ھ

ماہ : اپریل — دسمبر ۲۰۲۱ء

جلد نمبر ۶۱ ✦ شمارہ نمبر ۲-۴

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

زرتعاون

فی شمارہ	:	-/50 روپے
سالانہ	:	-/200 روپے
سادہ ڈاک	:	-/250 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/400 روپے
پاکستان وبنگلہ دیش	:	-/500 روپے
دیگر ممالک	:	-/25$ امریکی ڈالر

خصوصی شمارہ

اس شمارہ کی قیمت : **-/500** روپے

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

ایڈیٹر "المجیب" دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, Cell No. : +91-7250433562, 9006306098

ترتیب مضامین

● **لمعات** ظفر حسنین ۹

نقوش حیات

(۱۱-۷۶)

● عم مکرم حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ اور حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی ۱۲
● علم و تحقیق اور تصوف و سلوک کی جامع شخصیت حضرت مولانا شاہ...... — مولانا شاہ بدر احمد مجیبی ۲۲
● جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے — مولانا شاہ مشہود احمد قادری ۲۵
● ترے دم سے تھیں مری محفلیں — مولانا شاہ محمد منہاج الدین مجیبی ۳۰
● حیف! رفت از میکدہ آں ساقی مینا بدوش — پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید ۳۳
● حیات جس کی امانت تھی اس کو لوٹا دی — ام یمین ۵۰
● نہ ہے بحر تلاطم میں کوئی لعل و گوہر ایسا — امیمہ بنت ہلال احمد ۵۷
● اسلاف کی عظمتوں کا عکس جمیل — وصیت رباب ۶۴
● آسمانِ علم و عرفاں کے نیر تاباں — شفا جعفری ۶۹
● میرے نانا ابا رحمۃ اللہ علیہ — قدوۃ الدین محمد یمین اللہ ۷۴

اہل تصوف کی نگاہ میں

(۷۷-۱۱۸)

● حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی عالم باعمل فصیح البیان.. — جناب ڈاکٹر سید شاہ تقی الدین احمد فردوسی ندوی ۷۸
● قلم خاموش ہے اور آنکھیں اشک بار — جناب شاہ محمد تسنیم عثمانی فردوسی سملوی ۸۵
● حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ — جناب مولانا ابوالحسن نظام الدین محمد فرنگی محلی ۸۷
● علم و عمل کے پیکر شاہ ہلال احمد قادری — جناب شاہ مشاہد اصدق چشتی قادری ۹۰
● حضرت شاہ ہلال احمد قادری اساطین پھلواری میں سے ایک تھے — جناب مولانا سید شاہ محمد رکن الدین اصدق چشتی ۹۶

● مولاناشاہ ھلال احمد قادری	جناب شاہ ظفرالیقین صاحب	۱۰۶
● باتیں ان کی یاد رہیں گی	ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی	۱۰۸
● ذکر خیر حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری	شاہ محمد ریان ابوالعلائی	۱۱۲
● ویراں ہے میکدہ خم وساغر اداس ہیں	شاہ مسرور عثمانی	۱۱۶

امتیازات و خصوصیات

(۱۱۹-۲۴۲)

● دگر دانائے راز آید کہ ناید۔ خانقاہ مجیبیہ کے علمی ترجمان مولانا......	مفتی اختر امام عادل قاسمی	۱۲۰
● حضرت شاہ ھلال احمد قادری اور خانوادہ دیورہ سملہ کے روابط	شاہ مبشر ابن طاہر عثمانی فردوسی	۱۳۶
● خانقاہ مجیبیہ کی شام غم۔ صوبے کے ایک جلیل القدر عالم دین...	مولانا نورالحق رحمانی	۱۴۱
● حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادریؒ- حیات وخدمات کا مختصر تعارف	مولانا لطیف احمد سراجی قادری	۱۴۶
● خانقاہ، دارالعلوم، دارالاشاعت اور سہ ماہی المجیب......کی خدمات	مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی	۱۵۵
● حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادری	جناب سید صدرالحسن صاحب مرحوم کراچی	۱۹۲
● مولانا شاہ ھلال احمد قادری ایک اچھے انسان، معیاری مصنف...	ڈاکٹر محمد عتیق الرحمن	۱۹۵
● سرزمین پھلواری کا ھلال علم وفضل مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری	مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی	۱۹۹
● معروف عالم دین مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری اور عالم ربانی......	مولانا ارشاد عالم نعمانی	۲۰۵
● بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا	سہیل اختر شاہنواز کراچی	۲۲۴
● مولانا شاہ ھلال احمد قادری- باتیں ان کی یاد آتی ہیں	مولانا طلحہ نعمت ندوی	۲۲۸
● اے وقت اجل تجھ کو بھی کیا جلدی تھی اتنی؟	ڈاکٹر محمد ضیاء الحق	۲۳۴
● مولانا شاہ ھلال احمد قادری	مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی	۲۴۱

اوصاف وکمالات

(۲۴۳-۲۹۷)

● الحاج شاہ ھلال احمد قادری- کچھ یادیں کچھ باتیں	پروفیسر اعجاز علی ارشد	۲۴۴
● حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادریؒ کے ساتھ گذارے ہوئے...	ڈاکٹر قاضی عبدالوارث	۲۴۷
● مولانا سید شاہ ھلال احمد قادریؒ- بہت سی خوبیاں تھیں......	پروفیسر ڈاکٹر سید فضل اللہ قادری	۲۵۲

یادوں کے آئینے میں	مفتی محمد اسلم احمد القادری الامانی	۲۵۷
آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے	مولانا سید لطف اللہ قادری فلاحی	۲۶۰
جامع صفات وکمالات حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادریؒ	مفتی نیر اسلام قاسمی	۲۶۳
حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادریؒ کی مثالی شخصیت	مصباح حسن فخری	۲۷۰
حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری علیہ الرحمۃ میرے عظیم محسن	قاری محمد رمضان علی مجیبی	۲۷۵
ستارہ جو ٹوٹ گیا- حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادری قدس سرہ	ابو ذر عثمانی	۲۸۱
حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادری مرآت ملاقات وترقیمات میں	سید نور عالم	۲۸۶
حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادریؒ دور حاضر کی ایک عظیم شخصیت	صوفی محمد صابر حسین قادری مجیبی	۲۹۴

احوال وآثار

(۲۹۸-۳۴۳)

فخر المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری ایک عبقری شخصیت	ڈاکٹر سید شمیم احمد قادری امانی	۲۹۹
خادم شرع مبین	پروفیسر عزیز احمد مرحوم	۳۰۱
مولانا شاہ ھلال احمد قادری- صاحب علم ومعرفت شخصیت	جناب نعیم اختر مجیبی کراچی	۳۰۳
عم مکرم حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادریؒ	سید جعفر احمد مجیبی	۳۰۵
آہ! فخر بہار نازش پھلواری جاتا رہا	سید عمار احمد قادری	۳۰۹
تصوف اور شاہ ھلال احمد قادری	ڈاکٹر مسعود الرحمن	۳۱۱
حضرت عمدۃ المتوکلین کی ذات عطیۂ خداوندی	مولانا عبد المنعم مجیبی	۳۱۳
درجات عشق کے مسافر حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادریؒ	عمر عبد القادر	۳۱۵
ترجمان مجیبیت اور اکابرین پھلواری کی مثالی یادگار	مولانا محمد شہزاد علی مجیبی	۳۱۹
استاذ جلیل- حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادریؒ	محمد فیروز	۳۲۷
کھو گئے وہ جن سے سجتی تھی ہماری انجمن	شاہ فہد ناصر آیتی	۳۳۱
مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری اور ترسیل ایمان وایقان	ڈاکٹر سید اعجاز احمد قادری	۳۳۵
حکمت اور دانائی کی باتیں اور حضرت مخدومنا الحاج مولانا......	ڈاکٹر سید ایاز احمد قادری	۳۳۸
حضرت مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ھلال احمد قادریؒ	ڈاکٹر سید نیاز احمد قادری	۳۴۰
Hzt. M. S. S. Helal Ahmad Quadri (R.A.)	Syed Wasim Ahmad Quadri	۳۴۳

تالیفات و تصنیفات

(۳۴۴-۴۶۸)

- ایک صاحب دل شخصیت کا سفرنامۂ حج بعنوان ایک بے مایہ...... مولانا عبدالباسط ندوی ۳۴۵
- ''ایک بے مایہ کا سفرحج'' ندرت اسلوب کا کشش اتصال مولانا سید نورین علی حق ۳۵۸
- حضرت مولانا...اور''اشارات الکتاب'' کی تسہیل و تعلیق مولانا محمد عاصم قادری ۳۷۲
- سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ......ایک فکری تجزیہ مولانا ذیشان احمد مصباحی ۳۸۴
- سوانح نگاری کا فن اور سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری... سید محمد نیر رضوی ۳۹۴
- نغمات الانس فی مجالس القدس-ایک تعارف، ایک تجزیہ ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی علیگ ۴۰۸
- مقدمہ نغمات الانس-مسئلہ سماع پر معتدل صوفیانہ روش کا نمائندہ ڈاکٹر محمد عباس حیدر چشتی ۴۲۶
- حب اہل بیت کے پیکر اور ان کی تالیف ''یزید حقائق کے آئینے میں'' مفتی محمد رمضان علی قادری ۴۳۵
- حضرت علامہ......اپنی تصنیف ''خانوادہ سیدہ زینب'' کے تناظر میں سید محمد ظفر اقبال ۴۵۱
- ''خانوادہ سیدہ زینب'' میں علم الانساب کی اہمیت ڈاکٹر سید نور الہدیٰ شمسی ۴۶۰
- سیرت پیر مجیبؒ - ایک مطالعہ ڈاکٹر سید شاہد اقبال ۴۶۳

مکاتیب و پیغامات تعزیت

(۴۶۹-۴۹۵)

- مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری کا انتقال خانقاہ مجیبیہ کا بڑا علمی خسارہ امارت شرعیہ پھلواری شریف ۴۷۰
- علما اور خانقاہی بزرگوں کا وصال ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی نقصان تنظیم خانقاہی آواز ۴۷۱
- موت العالم موت العالَم خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ ۴۷۲
- معروف عالم دین شاہ ھلال احمد قادری کی وفات عظیم سانحہ خانقاہ منیر شریف ۴۷۳
- آہ! مولانا سید ھلال احمد قادری مجیبی شاہ عمار احمد احمدی نیر میاں ۴۷۴
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی امیر شریعت مولانا محمد ولی رحمانیؒ ۴۷۵
- مکتوب تعزیت بنام مولانا شاہ بدر احمد مجیبی مدظلہ مولانا سید حمزہ حسنی ندوی ۴۷۶
- شاہ ھلال احمد قادری کا انتقال ناقابل تلافی نقصان سید شاہ طارق عنایت اللہ فردوسی ۴۷۶
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی مولانا وارث ریاضی ۴۷۷
- مولانا شاہ ھلال احمد قادری کا سانحہ ارتحال سید شاہ سیف اللہ ابو العلائی ۴۷۸

- مولانا شاہ ھلال احمد قادری خوش مزاج اور مہمان نواز تھے — سید شاہ خالد امام ابوالعلائی — ۴۷۸
- شاہ ھلال احمد قادری جید عالم عاشق رسول پیکر تصوف وتفقہ — ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر — ۴۷۹
- اولاد سیدہ زینب کو قرب سیدہ زینب ؓ میسر ہو — پروفیسر حسین الحق — ۴۷۹
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی — جناب نتیش کمار صاحب وزیر اعلیٰ بہار — ۴۸۰
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی — جناب قیام الدین صاحب مرحوم کراچی — ۴۸۰
- مولانا شاہ ھلال احمد قادری ؒ کی رحلت ایک پرکشش دور کا خاتمہ — سید محمد خالد قادری — ۴۸۱
- پیغام تعزیت — مولانا ریاض احمد قادری خانقاہ سراجیہ — ۴۸۲
- پیغام تعزیت — سید معصوم علی رحمانی — ۴۸۲
- مشائخ صوفیہ کے سچے محب اور ان کے دافع وترجمان — مولانا محمد مجیب الرحمن علیمی — ۴۸۳
- صوفیت وسنیت کے ترجمان شاہ ھلال احمد قادری — مولانا ناصر مصباحی رامپور — ۴۸۴
- عصر حاضر کی مشہور ومعروف شخصیت — سید عمران غنی — ۴۸۴
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی — مولانا منتظم علی امانی مرحوم — ۴۸۵
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی — فرزندگان مولانا فضل القدیر ندوی ؒ کراچی — ۴۸۶
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی — سید اخلاق احمد علی گڑھ — ۴۸۶
- شاہ ھلال احمد قادری کا انتقال ملت کا عظیم خسارہ — مولانا رضوان احمد اصلاحی — ۴۸۷
- مولانا شاہ ھلال احمد قادری علم وعمل کے پیکر تھے — ڈاکٹر امتیاز احمد کریمی — ۴۸۷
- بعض اللمحات مع عمی الکریم — علی احمد عثمانی ازہری — ۴۸۸
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی — حافظ نعیم الدین قادری امانی — ۴۹۱
- آہ! وہ علم وعمل کا شہسوار چل دیا — مولانا غلام مصطفےٰ نور القادری — ۴۹۳
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی — محمد طلحہ مجیبی کراچی — ۴۹۵
- مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی — محمد نوید الدین مجیبی کراچی — ۴۹۵

قطعات تاریخ واظہار غم

(۴۹۶-۵۲۳)

- فقرات وقطعات تاریخ بروفات حسرت آیات — جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی — ۴۹۷
- قطعۂ تاریخ وفات — مولانا شاہ بدر احمد مجیبی — ۵۰۰

● قطعۂ تاریخ وصال	مولانا محمد عاصم قادری	۵۰۱
● قطعۂ تاریخ وصال	پروفیسر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برقؔ	۵۰۳
● قطعۂ تاریخ وصال	پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید	۵۰۴
● تاریخ رحلت شاہ ھلال احمد قادری پھلواروی مرحوم ومغفور	عین تابش / سراج اجملی	۵۰۶
● قطعۂ تاریخ رحلت سید شاہ ھلال احمد قادریؒ	پروفیسر عبد المنان طرزیؔ	۵۰۷
● قطعۂ تاریخ برارتحال پرملال	مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی	۵۰۸
● قطعۂ تاریخ بروفات حسرت آیات	منیر سیفی	۵۰۹
● مرثیہ	پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید	۵۱۰
● مرثیہ	امیمہ بنت ھلال احمد	۵۱۱
● نوحۂ غم	وارث ریاضی	۵۱۳
● مرحوم شاہ ھلال احمد قادری صاحب کی نذر چند تعزیتی اشعار	شکیل سہسرامی	۵۱۴
● حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادریؒ کے سانحۂ ارتحال کے موقع پر	جمال احمد جمالؔ	۵۱۵
● حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادریؒ کی رحلت پر	امان خان دلؔ	۵۱۶
● رباعیاں	ڈاکٹر شاہ التفات امجدی	۵۱۷
● رباعیاں	ظفر کمالی	۵۱۹
● منقبت	غلام سعدی قادری	۵۲۱
● منقبت	غلام سعدی قادری	۵۲۲
● My Beloved Grandfather	Wafiatur Rasool Shahba	۵۲۳

گوشۂ کلامِ عمدۃ المتوکلین

(۵۵۱-۵۲۴)

● تضمین بر کلام حسان ثانی علامہ جامیؔ رحمہ اللہ	توئی مولائے ماسلطان عالم	۵۲۵
● نعت شریف	مرا دل ہی نہیں قرباں مری جاں ہی نہیں...	۵۲۸
● نعت شریف	ثنا تیری جو کرسکتا ہے وہ بس ہے خدا تیرا	۵۲۹
● نعت شریف	وہ رسول ختمی مرتبت کوئی ان سا رتبہ رسا نہیں	۵۳۰
● نعت شریف	دل مضطرب تو ہے نا سمجھ یہاں حاضری کا...	۵۳۱

● نعت شریف	ہمارا دل مدینے کی زمیں ہے	۵۳۲
● نعت شریف	محمد مصطفیٰ جن کو کہ حق کا مدعا کہیے	۵۳۳
● سلام	تم شہ کون و مکاں ہو	۵۳۴
● تضمین برکلام جناب حضور مدظلہ العالی	داستان سرفروشاں داستان کربلا	۵۳۵
● نذر عقیدت بہ بارگاہ امام علیہ السلام	جن پہ قرباں ہو کے ملتی ہے حیات سرمدی	۵۳۶
● منقبت در شان حضرت تاج العارفین رضی اللہ عنہ	شیخ عالم قطب دوراں حضرت پیر مجیب	۵۳۷
● منقبت در شان حضرت تاج العارفین رضی اللہ عنہ	نکہت گل چمن چمن بوئے شہ مجیب سے	۵۳۸
● قطعۂ تاریخ وفقرات تاریخی	زیب سجادۂ خانقاہ مجیب	۵۳۹
● قطعۂ تاریخ اردو	حضرت رضوان عارف جانشین پاک ذات	۵۴۰
● قطعہ تاریخ سجادہ نشینی	بعد از وفات حضرت رضوان عارف جانشیں	۵۴۱
● قطعۂ تاریخ وفات عمی مکرم حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ	فغانِ دلم راچہ گویم سبب	۵۴۲
● قطعۂ تاریخ وفات حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندوی پھلوارویؒ	آہ! رحلت کرد مولانائے عبد اللہ ندوی	۵۴۳
● قطعۂ تاریخ وفات حضرت مولانا سید شاہ عماد الدین قادری پھلوارویؒ	دریغا رفت آں کز سرِّ حق آگاہ بود	۵۴۴
● قطعۂ تاریخ بموقع تکمیل دورۂ دس سال سہ ماہی المجیب......	فیض تاج العارفیں ہے المجیب	۵۴۵
● مبارک ہمیں تم کو حج سی عبادت	چلے سوئے طیبہ یہ ٹکڑے جگر کے	۵۴۶
● نظم — خودنمائی	عجب چیز ہے لذت خودنمائی	۵۴۸
● تضمین برنعت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	ڈاکٹر شاہ التفات امجدی	۵۴۹

وفیات —(۵۵۲-۵۵۳)

● آہ! میری قدسیہ پھوپھی	امیمہ بنت ہلال احمد	۵۵۲

کوائف وحالات —(۵۵۴-۵۶۰)

● صراحت فاتحۂ چہلم	ادارہ	۴۵۴
● فہرست مطبوعات دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ	ادارہ	۵۵۹

"بدرکامل" کا خاکۂ خام —(۵۶۱-۵۶۴)

● بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا	جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ	۵۶۱
● فہرست کتاب کہ مقصود تحریر از ان است	حضرت عمدۃ المتوکلین رحمۃ اللہ علیہ	۵۶۲

❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊

لمعات

• ظفر حسنین

حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کو ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا۔ ماہ و سال کے اعتبار سے حقیقت میں اتنے دن گز ر گئے۔ دن گذر ہی جاتے ہیں، گذرنے کے لیے ہی آتے ہیں، لیکن ان گذرے ہوئے دنوں میں بعض لمحات ایسے ہوتے ہیں جنہیں فراموش کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ لاکھ کوشش کی جائے انہیں فراموش کرنے کی وہ سانس کی ہر ساعت کے ساتھ یاد آتے رہتے ہیں — ایسے ہی لمحات میں ایک لمحہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا وصال بھی ہے۔ جس طرح اہل خانقاہ، متوسلین، معتقدین، عزیز و اقارب ہر چھوٹے بڑے کے دل میں بس گئے تھے، یقین نہیں ہوتا تھا کہ وہ کبھی ان سے جدا بھی ہو جائیں گے۔ لیکن وہ جدا ہو کر مالک حقیقی سے ملنے چلے گئے۔ اب صرف ان کی یاد ہے۔ گذرے ہوئے لمحات کے ماہ و سال جس میں ہر طرف ان کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے قول کی، ان کے فعل کی، ان کے کردار و عمل کی اور سب سے بڑھ کر خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ سے ان کی وابستگی اور والہانہ لگاؤ کی خوشبو، وہ خانقاہ عالم پناہ کے لیے جزو لاینفک تھے۔ ایک طرح سے خانقاہ مجیبیہ ان کے لیے تھی اور وہ خانقاہ مجیبیہ کے لیے۔ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ خانقاہ سے علاحدہ بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن موت کے بھیانک پنجہ نے ایسا کر کے دکھا دیا۔ وہ دور چلے گئے، بہت دور نہیں، بس چند قدم کے فاصلے پر باغ مجیبی میں بزرگوں کے پہلو میں آسودہ ہو گئے، ہمیشہ کے لیے۔ لیکن آج بھی ان کی نگاہیں مغرب کی طرف خانقاہ مجیبیہ پر ٹکی ہوئی ہیں، جیسے وہ وہاں کے روز و شب کے مشاغل پر اپنا کردار ڈھونڈ رہے ہوں۔

ادارۂ المجیب نے ان کے قول و فعل اور ان کے کردار و عمل کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لیے اہل قلم کے مضامین جمع کئے ہیں۔ عام لوگ، خاص لوگ، دانشور، اہل علم اور ان کی زندگی سے بہت قریب رہے لوگوں سے ان کے خیالات اور ان کی آرا مضامین کی شکل میں حاصل کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے، تا کہ زمانہ انہیں بھلا نہ دے۔ اب یہ آپ پر

منحصر ہے کہ ان کے لکھے ہزارہا مضامین، مختلف موضوع پر ضخیم کتابیں اور نہ معلوم کتنے علمی مقالے کی موجودگی میں ادارۂ المجیب کی اس حقیر پیش کش کو کیا درجہ دیتے ہیں۔ بہر حال ہم نے ایک ادنیٰ کوشش کی ہے۔سہ ماہی المجیب کی ادنیٰ کوشش حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو بہترین ہدیہ اور ان کی علمی و عرفانی خدمات کا بہترین اعتراف اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک دستاویزی سرمایہ ہو۔آپ کو بلاشبہ ایک سال کا طویل عرصہ انتظار میں گذارنا پڑا،لیکن سال کا یہ طویل عرصہ ہم نے بیکار نہیں جانے دیا۔تلاش وجستجو اور سعی پیہم میں گذارا ہے، دن رات محنت کرکے ہم نے اسے سنوارا اور نکھارا ہے اور اس امید کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے کہ آپ اسے شرف قبولیت بخشیں گے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

اِدھر کچھ سالوں سے ملک کے جو حالات رہے ہیں اور جو ہیں وہ حد درجہ تشویش ناک اور حیرت انگیز ہیں۔موجودہ حکومت بھاری اکثریت سے اقتدار پر قابض ہے اور جو فیصلے کررہی ہے اکثر اس پر نہ صرف پورا ملک بلکہ خود حکومت بھی نادم و شرمسار ہے،لیکن طاقت کے زعم میں نہ صرف وہ ہٹ دھرمی دکھا رہی ہے، بلکہ ملک کو انتشار کا شکار بنا رہی ہے۔زراعت کی اصلاح کے لیے تین زرعی قوانین بنائے گئے اور آدھے ادھور پارلیامنٹ سے پاس بھی کروالیا گیا۔یہ قوانین پورے ملک کے لیے اور خاص طور پر کسانوں کے لیے حد درجہ نقصان دہ اور خطرناک تھے۔پورے ملک میں اس کے لیے ہنگامہ ہوا اور زبردست احتجاج شروع ہوگیا، خاص کر پنجاب اور یوپی کے علاقوں میں تو سمجھو آگ لگ گئی۔کسانوں نے تو ایسا زبردست پرامن احتجاج کیا جس کی مثال صرف گاندھی وادمیں مل سکتی ہے۔جن قوانین کو رائج کرنے کے لیے حکومت ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھی، اسے جھک کر اور مجبور ہو کر واپس لینا پڑا، یہ کسانوں کے ہاتھوں حکومت کی بہت بڑی شکست تھی، اس کے علاوہ ایک اور قانون جس نے پورے ملک کو ہلا کر رکھا ہے وہ CAA ہے، جس کی ضرب سیدھے سیدھے صرف مسلمانوں اور نچلے طبقے کے دبے کچلے لوگوں پر پڑتی ہے، ان کی شہریت ختم ہونے والی ہے، اب یہ حکومت کی ضد اور انا کا مسئلہ ہے۔ زرعی قوانین کے خلاف اتحاد، طاقت اور یکجہتی تھی، لیکن CAA کے خلاف بزدلی، نفاق اور پیچیدگی اور ساتھ ہی بہتر رہنمائی کی کمی ہے، اب دونوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے اور جیت کی امید کہاں سے ہو۔ بہر حال اس کی بھی زبردست مخالفت ہورہی ہے اور دوسری قوموں کے دبے کچلے اور کمزور طبقے کی حمایت کی وجہ سے امید کی جاسکتی ہے کہ یہ مسئلہ بھی ایک سلگتا مسئلہ بن جائے اور حکومت کو زرعی قوانین کی طرح یہاں بھی منہ کی کھانی پڑے۔

❃❃❃❃❃❃❃❃❃❃❃

نقوش حیات

عم مکرم حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادریؒ اور حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

● محمد آیت اللہ قادری

حضور اکرم ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کا عشق ایمان کی بنیاد اور اساس ہے، بغیر حب نبوی ﷺ کے نہ ایمان مقبول ہے اور نہ کوئی عبادت ۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی امت مسلمہ کے ایمان کا مرکز و محور ہی نہیں بلکہ محبوب حقیقی خدائے عزوجل تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے، حق تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان آپ سے تعلق اور وابستگی کے بغیر معتبر نہیں ہے، بعثت نبوی کے بعد سے رہتی دنیا تک کوئی راستہ حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات شریفہ اور ان کی شریعت کو بغیر اپنائے ہوئے اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا، آپ کے بغیر زندگی بے مقصد اور ایک لایعنی شے ہے، ایک عاشق دل عارف کامل نے اس حقیقت کو عاشقانہ انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

بے تو اے ختم رسل زیست حرام است مرا ❁ ہر سحر بے رخ تو ظلمت شام است مرا
گر گزارم در تو بر در کوئے کہ روم ❁ جز تو مقصود ز کونین کدام است مرا

اس لئے امت مسلمہ کی بقا و سلامتی اور ترقی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ ذات نبوی ﷺ کو اپنی تمام عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز و محور سمجھے، ہمارے ایمان و اسلام کا استحکام ذات رسالت پناہی ﷺ سے تعلق عشقی مستحکم کرنے کے ساتھ مشروط ہے، اگر ذات نبوی ﷺ کے ساتھ ہمارا رشتۂ محبت مستحکم و استوار ہو جائے تو پھر ایمان بھی کامل ہو جائے گا اور عبادات و اعمال بھی با مقصد و بامراد ہوں گے اور ذات اقدس کے ساتھ تعلق جس قدر مضبوط و مستحکم ہوگا، اسی قدر ایمان بھی مضبوط و مستحکم ہوگا اور اعمال کو بھی اسی قدر درجۂ قبولیت حاصل ہوگا۔

عم مکرم مخدوم معظم حضرت مولانا سید شاہ بلال احمد قادری رحمہ اللہ تبارک وتعالیٰ وغفرلہ بجاہ حبیبہ محمد المصطفیٰ ﷺ کا وصف خاص جو آپ کی زندگی میں خوب نمایاں اور واضح تھا، وہ تھی آپ کی حق گوئی و بے باکی، اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ہمہ وقت بلند ہمتی، اولوالعزمی اور جاں نثاری کا جذبہ بے کراں، اس سے بھی عظیم و برتر وصف یہ تھا کہ آپ کی حیات طیبہ محبت و الفت نبوی ﷺ سے سرشار اور سنت وسیرت رسول ﷺ کا کامل نمونہ تھی۔ آپ کو اپنے آبا و اجداد کی طرح حب نبوی ﷺ کی دولت بے بہا سے حصہ وافرہ ملا تھا، آپ کی ذات سراپا برکت حب نبوی ﷺ کی عظیم صفت سے بہ تمام و کمال متصف تھی، ذات رسالت ﷺ کے ساتھ محبت وعقیدت آپ کی حیات کا ماحصل اور مقصود اصلی تھی، حب نبوی ﷺ آپ کا سب سے عظیم سرمایہ تھا، آپ کا سینہ عشق و محبت رسول ﷺ کا گنجینہ تھا، عشق نبوی ﷺ کے انوار سے آپ کا قلب مطہر مجلّٰی و منور تھا۔

حب نبوی ﷺ پر آپ کا ایک طویل ومبسوط اور نہایت تحقیقی مضمون ''حب نبوی ﷺ اور اس کے آثار و علامات'' کے عنوان سے ''المجیب'' میں قسط وار شائع ہو کر مقبول عام ہو چکا ہے، اس طویل مضمون میں محبت رسول ﷺ کا وجوب، اس کے اصول وآداب اور اس کے اسباب وعوامل پر جتنی بحثیں معرض وجود میں آئی ہیں، ان سے آپ کے حب نبوی اور تعلق بالرسول ﷺ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آپ حب نبوی ﷺ کی اہمیت اور اس کے وجوب کے متعلق رقم طراز ہیں:

''رسول اکرم ﷺ سے محبت کرنا اور آپ کا احترام واجب ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادات میں فرائض و واجبات ہیں، اپنے نبی ﷺ سے محبت اور عقیدت واحترام امت پر نبی ﷺ کے حقوق میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذات رسالت کی توہین وتنقیص کفر ہے اور شاتم رسول اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس کی سزا شریعت نے قتل رکھی ہے، علمائے احناف کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے لیکن علمائے حنابلہ تو اس کی توبہ قبول ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک شاتم رسول کی سزا ہر حال میں بصورت قتل واجب ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے ''الصارم المسلول'' میں اس پر طویل بحث کی ہے اور شاتم رسول کو واجب القتل قرار دیا ہے''—(المجیب ۲۰۱۴، شمارہ:۱)

آگے فرماتے ہیں:

''رسول اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کا ادب جزو دین ہے، اس کے بغیر ایمان کی تکمیل ممکن نہیں ہے''
—(المجیب ۲۰۱۴، شمارہ:۱)

جس محبت میں ادب واحترام محبوب کا لحاظ نہ ہو، وہ باعث توہین اور ناقابل قبول سمجھی جاتی ہے، لہذا رسول اللہ ﷺ سے جس قدر محبت لازمی وضروری ہے، اس سے زیادہ ادب اور احترام بھی واجب ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت اور آپ ﷺ کے ادب واحترام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''محبت کے عام فلسفے میں عظمت و احترام کی شرط شامل نہیں ہے، لیکن محبت رسول میں عظمت و احترام،

توقیر و اجلال، لازم اور ضروری ہے، شرعاً بھی اور عقلاً بھی، قرآن کریم نے احترام رسول کو مسلمان پر فرض اور واجب قرار دیا ہے۔ اور بے ادبی پر سزا بھی سنادی ہے۔ دیکھئے سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات۔ علامہ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے تعظیم رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجوب پر پانچ آیات سے استدلال کیا ہے“—(المجیب ۲۰۱۱، شمارہ: ۱-۲)

آیات کریمہ اور ان کی تشریحات پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”صاحب شفا ان آیات مذکورہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعزیر و توقیر کو مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے اور اکرام و تعظیم کو لازم ٹھہرایا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس نے تعزیر کے معنی اجلال بتایا ہے یعنی غایت درجہ کی تعظیم اور مبرّد کا قول ہے: تُعَزِّرُوْهُ يعني تُبَالِغُوْ فِيْ تَعْظِيْمِهٖ. ان کی تعظیم بے حد کرو۔ اخفش کہتے ہیں تعزروه کا معنی ہے تنصرونه، ان کی مدد کرو۔ طبری کا قول ہے تُعِيْنُوْنَهٗ، تم ان کی اعانت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ممانعت فرمائی ہے گفتگو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی۔ اور گفتگو میں سبقت بے ادبی کے زمرے میں آتی ہے۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن عباس کا ہے۔ ثعلب نے اسی قول کو لیا ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نبی کی گفتگو سے قبل گفتگو نہ کرو اور جب وہ کہیں تو خاموشی کیساتھ سنو“—(المجیب ۲۰۱۱، شمارہ: ۱-۲)

محبت واحترام رسالت کا تعلق فقط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری سے نہیں تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ظاہری کے بعد بھی وہ تعلق برقرار رہا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مکمل پاس ولحاظ رکھا، حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”سلف صالحین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام و ادب، بعد وفات بھی ویسے ہی کرتے تھے۔ ادب واحترام کا تعلق اصلاً دل سے ہے، عقیدت ومحبت اور احترام و ادب کے جذبات جب دل میں جگہ بنا لیتے ہیں تو آدمی ہر جگہ ادب ملحوظ رکھتا ہے پھر اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کہاں ادب کرنا ہے اور کس قدر احترام کرنا ہے؟ جیسا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال اوپر گذرا وہ آپ کی عدم موجودگی میں بھی غائبانہ ادب ملحوظ رکھتے تھے، حضرت خالد بن ولید کے مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کا واقعہ مشہور ہے اور اس قتل کے اسباب تھے، لیکن اس کا اہم سبب یہ تھا کہ حضرت خالد نے مالک بن نویرہ کو قائل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا حوالہ دیا، مالک نے کہا: ”ہاں“ تمہارے صاحب تو یہی کہتے ہیں: ”اتنا سننا تھا کہ حضرت خالد نے غصے میں تلوار کھینچ لی اور کہا: تو نے یہ کیوں کہا ”تمہارے صاحب“ کیا وہ تیرے صاحب نہیں تھے“ اسی بنا پر انہوں نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا، حالانکہ مالک اسلام لا چکے تھے“—(المجیب ۲۰۱۱، شمارہ: ۴)

حب نبوی اور عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہر ایک شئ سے محبت کی جائے، خصوصاً ان ذوات وشخصیات سے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی محبت فرمائی اور امت کو بھی ان سے محبت کرنے کی تاکید فرمائی اور انہیں

سب وشتم کرنے سے سخت منع فرمایا، جیسے اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہ ان نفوس قدسیہ کی محبت وعظمت بھی ہمارے ایمان کا حصہ اور جزو لاینفک ہے، عم مکرم علیہ الرحمہ محبت رسول ﷺ کے ساتھ محبت اہل بیت، محبت ازواج مطہرات اور محبت صحابہ کرام پر بھی تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپ سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کی تعظیم علی حسب مراتب کی جائے، اوران کے مقام ومرتبہ اور نسبت کی رعایت کی جائے۔ آپ سے تعلق رکھنے والے کئی قسم کے حضرات ہیں۔ آپ سے نسبی تعلق رکھنے والے آپ کی ذریات اور آپ کے اہل بیت واہل خاندان اور آپ سے ازدواجی تعلق رکھنے والے یعنی آپ کی ازواج مکرمات اور آپ کے اصہار یعنی ازواج مطہرات کے والدین اور بھائی اور اصحاب جنہوں نے آپ کی صحبت کا شرف پایا۔ ان تینوں قسم کے حضرات سے محبت رکھنا ان کی تکریم کرنی، اوران کے حقوق کی رعایت محبت رسول ﷺ کا ایک حصہ بلکہ محبت واحترام نبوی کا تکملہ ہے''— (المجیب ۲۰۱۲ء شمارہ:۱)

اہل بیت عظام سے حضرت علیہ الرحمہ کو کمال درجہ کی محبت تھی، آپ نہایت احترام اور عقیدت کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے تھے، خاص کر ذکر کربلا اور بیان شہادت کے وقت آپ پر گریہ اور رقت طاری رہتی تھی، حق تو یہی ہے کہ اسی درد کے صدقے میں انہیں عشق نبوی کا سرمایہ عطا ہوا، کیوں کہ آل نبی کا درد ہی نبی کے درد سے آشنا کراتا ہے، بقول شاعر:

آں درد کو بہ درد نبی آشنا کند ❁ بے شبہ درد و الفت آل محمد است

جولائی ۲۰۱۹ء میں سفر بغداد کے موقع پر جب کربلائے معلی حاضری ہوئی، سیدنا امام ہمام حسین علیہ السلام کے روضے پر باریاب ہوئے اور وہاں آپ پر جو رقت طاری رہی، ان تمام احساسات وکیفیات کو حضرت علیہ الرحمہ نے مجھ کو بذریعہ واٹس ایپ ارسال کیا تھا، حضرت کی محبت وعقیدت ملاحظہ کریں:

''کل بعد مغرب امام علیہ السلام کے آستانہ پر سب لوگ حاضر ہوئے، موبایل اندر لے جانے کی اجازت نہیں تھی سب کے موبایل جمع ہو گئے، مجمع کثیر تھا لوگ ضریح مقدس سے لپٹے ہوئے تھے ہم لوگوں کو بھی قریب ہونے کا موقع ملا، مواجہہ میں جگہ مل گئی ضریح مبارک کی زیارت اور اس کے لمس وبوسہ سے سخت گریہ طاری ہوا، ہندستان میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ امام علیہ السلام کے ذکر کے وقت آنکھیں خراج عقیدت نہ پیش کریں وہاں پہنچ کر یہ کیفیت دیر تک رہی، میں نے اور نشاط نے قدرے بلند آواز سے سلام پیش کیا، اس کے بعد پورا قل پڑھا، عبدالمنعم بھی ساتھ تھے، پھر ایک بار آپ کی طرف سے سلام پڑھا اور ایک بار گھر کے لوگوں کی طرف سے سلام پیش کیا، مواجہہ میں سرہانے کی طرف ایک گوشے میں کھڑے ہونے کی جگہ مل گئی تھی وہیں پر بیٹھ گئے، زائرین کا ازدحام تھا، روضہ مبارک کی زیب وآرائش ناقابل بیان ہے، ہوٹل میں کھانے کا وقت متعین ہونے کی وجہ سے بادل ناخواستہ واپس ہوئے، ابھی اہل بیت اور دیگر جاں نثاران

امام علیہ السلام کے مزارات کی زیارت باقی ہے، آج حاضری میں زیارت کریں گے ان شاءاللہ، پیروں کی تکلیف اپنی جگہ پر ہے، دیر تک چلنے اور کھڑے رہنے میں بہت تکان ہو جاتی ہے۔‘‘

عمی المکرم مخدوم معظم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال ہمارے خانوادے اور منتسبین سلسلہ مجیبیہ کے لیے نہایت عظیم اور دردناک حادثہ ہے، خاص طور سے میرے قلب و دماغ پر اس حادثہ فاجعہ کے رنج وغم کی جو کیفیت گزر رہی ہے، وہ الفاظ میں بیان کرنے کے قابل نہیں، آپ کی رحلت سے ہم بے سایہ و سائبان ہو گئے، بلکہ ہم دوبارہ یتیم ہو گئے، حضرت والد ماجد قدس سرہ کی وفات کا غم بے شک عظیم واندوہ گیں تھا مگر آپ کی دائمی جدائی کا غم بھی کم نہیں، ہم آپ کی علمی و روحانی شفقت و سرپرستی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے، آپ کا سایۂ رحمت ہمارے سر پر ظل ہما سے کم نہیں تھا، افسوس کہ وہ سایہ بھی ہمارے سر سے اٹھ گیا۔

حضرت عم مکرم رحمۃ اللہ علیہ کی کمی سے ہماری ہمت پست ہو گئی ہے، ہم ہر اعتبار سے بے سہارا اور بے یار و مددگار ہو گئے ہیں، ہمارے دینی و دنیوی، علمی و عملی تمام معاملات میں آپ ہی مرجع و ماوی تھے اور ہمارے فخر تھے، خصوصاً امور خانقاہ کے مشکلات میں زیادہ تر آپ سے ہی رجوع کیا کرتے تھے، وائے اسف! کہ اب ہمارا مشیر و معاون نہ رہا، خدایا! ہمیں صبر و سلوان کی توفیق نصیب کر۔

حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت اور علمی وعرفانی وجاہت مسلّم اور اظہر ہے۔ آپ نے اپنی ترسٹھ سالہ حیات میں علم وعرفان، سلوک وتصوف، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں وہ سب پر عیاں ہیں۔ آپ کی ذات میں ایک بہترین مرشد، ایک متبحر عالم، ایک مشفق استاد، ایک مستند محقق، ایک معتبر مصنف اور ایک بے مثال مقرر کے تشخّص کا حسین امتزاج تھا۔ مختلف فنون مثلاً تاریخ، سیرت، انساب اور فقہ وحدیث میں آپ نے متعدد گراں قدر اور پر ارزش تصنیفات اور گراں بہا اور نفیس تحقیقی و علمی مقالات اپنی یادگار چھوڑے ہیں اس کے علاوہ شعر گوئی و سخن سنجی میں بھی آپ کو ملکۂ خداداد حاصل تھا۔

خانقاہ اور بیرون خانقاہ حضرت عم مکرم علیہ الرحمۃ والرضوان کی علمی و ادبی، دینی و ملی کارکردگی کا شہرہ تھا، عہد حاضر میں جو علمی و ادبی کارنامے دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی طرف سے معرض وجود میں آئے ہیں، سب انہیں کی رہین منت ہیں، علمی و ادبی دنیا بالخصوص خانقاہ اور سلسلہ مجیبیہ کو ان کی مزید ضرورت تھی، مگر قدرت کو ان کا زندہ رہنا منظور نہ تھا، قربت حق ان کی منتظر تھی، جنت اپنی آغوش میں ان کو لینے کے لیے مشتاق تھی، ملائکہ رحمت آئے اور ان کو بصد عزت و احترام ملأ اعلیٰ کی طرف لے گئے اور وہ عِنۡدَ مَلِيۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ مقام قرب پر فائز ہو گئے:

اب کہاں واصف ملیں گی وہ گزشتہ صحبتیں ❁ اب وہ باتیں سر بہ سر خواب پریشاں ہو گئیں

حضرت مخدومی علیہ الرحمہ نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خانقاہ مجیبیہ کی علمی وراثت کو تدریس وتصانیف کے ذریعہ اوج کمال تک پہنچایا، خانقاہ کی باوقار نمائندگی فرمائی اور سلسلۂ قادریہ وارثیہ مجیبیہ کے روحانی فیضان کو بیعت و ارادت، وعظ وارشاد کے ذریعہ وسیع تر کردیا۔

عمی الکریم رحمۃ اللہ علیہ حضرت اقدس فیاض المسلمین قدس سرہ کے صاجزادہ حضرت امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہ کے حفید سعید تھے، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا شاہ عین احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ عین عالم جوانی میں ۳۲رسال کی عمر پاکر وفات پاگئے تھے، آپ نے پانچ سال کی عمر میں یتیمی کا داغ اٹھایا اور اپنے جد مکرم کی کفالت وتربیت اور ان کے سایۂ عاطفت وسرپرستی میں پلے بڑھے، پروان چڑھے، تعلیم کا زیادہ تر حصہ بھی آپ نے انہیں سے حاصل کیا، ان کے علاوہ اپنے پیر ومرشد حضرت امان المستجیرین قدس سرہ اور اپنے خال مکرم حضرت مولانا شاہ محمد عماد الدین قادری علیہ الرحمہ سے اکتساب علم کیا، بخاری شریف اور حدیث کی دیگر کتابیں اپنے عم مکرم حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ کر درسیات کی تکمیل کی اور دارالعلوم مجیبیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ نے اپنی حیات مستعار کا تمام تر حصہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد اور دینی وملی، علمی وادبی خدمات میں صرف کیا، خانقاہ کی خدمت اور اس کے عروج وارتقا کی فکر میں ہمہ تن مصروف رہے اور تمام خدمات میں خلوص ووفا کارفرما رہا، بالخصوص زیارت شریف کی خدمت نہایت اخلاص قلب کے ساتھ انجام دیتے رہے، آثار شریفہ لانے کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی تھی اور یہ سعادت آپ کو حب وعشق نبوی ﷺ کی بدولت حاصل تھی، حسن اتفاق کہ آپ کا وصال زیارت کے دن ۱۱رمحرم الحرام کو ہوا، ادھر زیارت تمام ہوئی اور مراسم زیارت کا اختتام ہوا، اُدھر آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز ہوئی۔

مخدوم مکرم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے جو خاندانی قرابت وتعلق ہے، وہ تو تھی اور رہے ہی، مزید برآں کاتب تقدیر نے مجھ ناچیز کی تعلیم وتربیت اور میری دینی وعلمی ترقیات کا رشتہ بھی روز ازل ہی آپ سے جوڑ دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ بدوشعور سے قبل ہی میں نے آپ کی آغوش علم میں پناہ لی اور آپ کی وفات تک آپ کے علمی وعرفانی بحر ناپیدا کنار سے سیراب ہوتا رہا، میری علمی وتحقیقی کاوشیں آپ سے منسلک رہیں اور مجھے ہمیشہ آپ کی رہبری ورہنمائی حاصل رہی۔

میں اپنے عہد طفولیت میں حضرت جدنا الکریم امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ کو دارالعلوم مجیبیہ کے طلبہ کو تفسیر وحدیث کی کتابیں پڑھاتے ہوئے دیکھا کرتا تھا، ایک بار آپ اپنی درس گاہ میں بڑے بڑے طلبہ کو درس دے رہے تھے، ہمارے چھوٹے ماموں حضرت مولانا سید شاہ مشہود احمد قادری کو بھی آپ سے فارسی کی کتابیں پڑھتے ہوئے دیکھا، ایک بار میں نے بھی اپنے لاابالی انداز میں عرض کیا: میں بھی آپ سے پڑھوں گا، آپ نے مسکرایا اور فرمایا: کیا پڑھئے گا؟ میں دوڑ کر گھر آیا اور اپنی ہمشیرہ کی ایک کتاب بغل میں دبا کر دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کیا: یہ کتاب پڑھوں گا، آپ نے نہایت

شفقت و پیار سے فرمایا: اچھا! آپ بشریٰ پڑھئے گا؟ (بشریٰ سیرۃ النبی ﷺ پر مولانا عثمان غنی صاحب کی ایک کتاب تھی، جس کو خانوادہ کے بچے پڑھا کرتے تھے) پھر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: آپ ہلال میاں سے پڑھئے گا۔

جب میں نے اپنے بڑے ماموں حضرت مولانا سید شاہ نصر احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قرآن مجید کا ناظرہ شروع کیا تو آپ نے بھی فرمایا کہ ہلال احمد کا تلفظ بہت اچھا ہے، وہ مخارج کی رعایت کے ساتھ پڑھائیں گے، تم ان سے قرآن مجید پڑھ لو، پھر ہمارے جد مکرم امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ نے ہماری تعلیم وتربیت کے لیے آپ ہی کا انتخاب فرمایا، ہمارے والد بزرگوار حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری قدس سرہٗ نے بھی میرا تعلیمی معاملہ آپ ہی کو تفویض کیا، چنانچہ جس امید کے ساتھ ان بزرگوں نے مجھ ناچیز کو آپ کے حوالے کیا اسی کے مطابق رحمت وشفقت اور کرم و سخاوت کے ساتھ آپ نے مجھے اپنی صحبت میں اکتساب علم کا موقع عنایت کیا اور میں نے آپ کے سایۂ عاطفت میں رہ کر ناظرہ سے دورۂ حدیث تک کی تعلیم پائی، آج جو بھی ہوں آپ کی عنایات کا مرہون ہوں۔

حضرت علیہ الرحمہ نے ایک عرصۂ دراز تک دارالعلوم مجیبیہ میں اسلامی علوم کی امہات کتب میں خصوصیت کے ساتھ حدیث شریف کا درس دیا، حدیث شریف کی خدمت نے ان کے اندر عشق ومحبت کو فروغ بخشا اور ایسا کیوں کر نہ ہوتا حدیث شریف کی مزاولت اخلاق الٰہی سے خود کو آراستہ کرنے کا بہترین سامان ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ سراپا اخلاق الٰہی کا آئینہ تھی آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا کر ہی ایک طالب حق اوصاف واخلاق الٰہیہ کا مصداق بن سکتا ہے اور حضرت نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے تمام پہلوؤں سے وضاحت کے ساتھ واقف ہونے کے لئے حدیث شریف سے بہتر دوسری کوئی چیز نہیں ہوسکتی ہے، حدیث کی خدمتیں کر کے اسوۂ نبوی سے صراط مستقیم کو روشن وتابناک بنانا ہی متقدمین ومتاخرین تمام محدثین کرام کا مقصد اور ان کا شیوہ رہا ہے، ہمارے خاندان کے بزرگوں نے بھی سلف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حدیث کی خدمتیں سرانجام دے کر محدثین سالفین کے اسی مقصد کو فروغ دینے کی سعی مشکور فرمائی ہے، حدیث شریف کی خدمت کر کے عوام میں عدم تقلید کا فتنہ برپا کرنا کسی زمانے میں بھی اہل حق کا شیوہ نہیں رہا، مگر تقلید بیزار تحریک کاروں نے حدیث کی خدمت سے تقلید بیزاری کو فروغ بخشنے کا کام شروع کیا جو اب تک جاری ہے، ہمارے خاندان کے بزرگوں میں حضرت صاحب سجادۂ مجیبیہ مصباح الطالبین مولانا سید شاہ محمد علی حبیب نصرؔ قادری پھلواروی رحمہ اللہ جس زمانے میں حدیث شریف کی تعلیم اپنے عم زاد برادر گرامی حضرت مولانا سید شاہ محمد آل احمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے حاصل کر رہے تھے وہ ان کی سجادگی کا دور تھا مخالفین اور فتنہ پرست ذہنیت رکھنے والوں نے اپنے مشن کو فروغ دینے کے لئے ان پر کبھی وہابیت تو کبھی روش آبائی سے منحرف ہوجانے کی تہمتیں لگائیں، حضرت نصرؔ نے جواباً اس سلسلے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ خصوصاً اہل تصوف حضرات محدثین کے لئے ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل اجتہادی نظریہ کہا جاسکتا ہے اس مناسبت سے یہاں اس کا ذکر کرنا بے حد مناسب معلوم ہوتا ہے، ان کی تحریر کے اس اقتباس کو پڑھ کر

جہاں ان پر لگائے گئے اتہام کی تردید ہوتی ہے وہیں مشغولیت حدیث کا مقصد بھی آشکار ہو جاتا ہے، حضرت نصر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''......جس نے یہ غلط بات مشہور کی ہے اوس نے مجھ پر بہتان باندھا ہے میں نے نہ اذکار و اشغال چھوڑے ہیں اور نہ چھوڑوں گا اور نہ میرے خیالات بدلے ہیں اور نہ آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ بدلیں گے میں جس طرح اپنے پیران آباء واجداد کے عقائد وروش پر پہلے تھا اب بھی ہوں اور آئندہ بھی رہوں گا بلکہ سابق سے کہیں زیادہ میرے عقائد سابقہ میں پختگی اور استحکام ہوتا جارہا ہے کیوں کہ حدیث کے دیکھنے کے بعد تمام مراسم خاندانی کی سندیں مجھے ملتی جارہی ہیں ایسی حالت میں مجھ سے یہ رسوم سلوک ترک ہو جائیں تعجب ہے اور لوگوں نے کیوں کر سمجھا کہ میں نے اذکار و اشغال چھوڑ دیے ہیں کیا میں اون کی بدگمانی مٹانے کو اونہیں دکھا کر اذکار و اشغال کیا کروں؟

فی الحال چوں کہ تحصیل علم حدیث میں مصروف ہوں اور شروح وحواشی کے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور زیادہ وقت اس میں صرف ہوتا ہے اس لئے معمولات میں فی الجملہ کمی ضرور آگئی ہے جس کا مجھے اعتراف ہے مگر میرے عقیدے میں اس کا نعم البدل حدیث شریف کی مزاولت ہے...... مجھے تو حدیث شریف کی مشغولیت نے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ میں یہ کہوں کہ اگر اصول تصوف کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف حدیث شریف ہی کی مشغولی کی جائے تو سلوک کے تمام مراتب و مدارج طے ہو سکتے ہیں خصوصاً ہمارے طریقۂ اویسیہ درودیہ میں تو یہ مشغلہ غایت درجہ حصول مدعا کے لئے موید ومعاون ہوسکتا ہے بلکہ شغل درود کا فائدہ مجرد تلاوت حدیث شریف سے حاصل ہوسکتا ہے مگر معترض کو اس کی سمجھ کہاں؟......میں یہ کہتا ہوں کہ اشغال و اذکار و افکار و مراقبہ کی اصلی غرض کیا ہے؟ خدا اور اوس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح تعلق اور رابطہ پیدا کرنا تو کیا یہ بات حدیث شریف کی مزاولت سے نہیں ہوسکتی ہے؟ میں کہتا ہوں بوجہ احسن ہوسکتی ہے اور ہوتی ہے کسی اہل نظر اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھنے والوں سے پوچھو کہ جس وقت وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ شریف اوس کی نظر کے سامنے آجاتی ہے یا نہیں بلکہ کچھ دنوں کے بعد بہت ممکن ہے کہ ہر حدیث کی روایت کے وقت اوس کو حضوری حاصل ہو جائے۔

صوفی متخلق باخلاق اللہ ہوتا ہے اور تخلق باخلاق اللہ تخلق باخلاق الرسول سے حاصل ہوتا ہے اب غور کرو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات وشمائل وخصائل کی بہتر تعلیم دینے والی حدیث شریف سے بڑھ کر کون چیز ہوسکتی ہے......محدث نے اگرچہ صحبت نہ پائی مگر عالم جزئیات زندگانی ضرور رہے اور ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ اگر لقائے جسمانی کے شرف سے مشرف نہ ہوسکا ہو تو لقائے روحانی سے کبھی محروم نہیں رکھا جاتا...... پھر ترقیات باطنی کے نہ ہونے کے کیا معنی کیا اذکار و اشغال مشائخ کے مشق کرنے والے اس سے زیادہ بات حاصل کرتے ہیں جس کو اتنی سمجھ نہ ہو وہ کیوں صوفی ہونے کا دعویٰ کرے''—(قلمی بیاض)

یہ ہماری خانقاہ کے بزرگوں کا طریقہ ہے وہ اسی انداز اور اسی مقصد کے تحت حدیث شریف کی خدمت کیا کرتے تھے، ہمارے عم مکرم مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمہ اللہ بھی جب درس دیتے تھے تو اپنے روش آبائی کو ملحوظ رکھتے اسی وجہ سے ان کے درس کا انداز بیرونی اساتذہ کے انداز درس سے مختلف ہوتا تھا حدیث شریف پڑھاتے وقت اگر کسی روایت سے اپنے طریقے کی تائید ہوتی تو اس کی مکمل وضاحت فرماتے خواہ وہ فقہی مباحث مختلفہ ہوں یا عقائد کی باتیں ہوں سب پر مختصر مگر جامع تقریر فرماتے تھے حدیث شریف کی خدمت سے ان کے علمی افکار وخیالات میں غیر معمولی اضافہ ہوا تھا، نقد حدیث کا سلیقہ جس قدر ان میں موجود تھا اس کی نمائندگی ''نغمات الانس'' کے مقدمے میں مسئلۂ سماع سے متعلق مذکور احادیث کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے، دوران درس حدیث آپ نہایت مہذب ومؤدب ہوجاتے، مکمل انہماک اور سراپا خلوص وادب ہوکر درس دیتے تھے، حدیث پڑھاتے وقت آپ کے چہرۂ اقدس پر حب وعشق رسالت ﷺ کے آثار نمایاں طور پر دیکھے جاتے تھے، بسا اوقات دوران درس آپ پر رقت طاری ہوجاتی تھی، ایک دن سبق کے درمیان یہ حدیث آئی:

"عن عبد الله، قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يصلي عند الكعبة وجمع قريش في مجالسهم، إذ قال قائل منهم: الا تنظرون إلى هذا المرائى، ايكم يقوم إلى جزور آل فلان فيعمد إلى فرثها ودمها وسلاها فيجيء به، ثم يمهله حتى إذا سجد وضعه بين كتفيه فانبعث اشقاهم، فلما سجد رسول الله صلى الله عليه وسلم وضعه بين كتفيه، وثبت النبي صلى الله عليه وسلم ساجدا، فضحكوا حتى مال بعضهم إلى بعض من الضحك، فانطلق منطلق إلى فاطمة عليها السلام وهي جويرية فاقبلت تسعى، وثبت النبي صلى الله عليه وسلم ساجدا، حتى القته عنه واقبلت عليهم تسبهم، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة، قال: اللهم عليك بقريش، اللهم عليك بقريش، اللهم عليك بقريش.... الخ"

ترجمہ : حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش اپنی مجلس میں (قریب ہی) بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ان میں سے ایک قریشی بولا: اس ریاکار کو نہیں دیکھتے؟ کیا کوئی ہے جو فلاں قبیلہ کے ذبح کئے ہوئے اونٹ کا گوبر، خون اور اوجھڑی اٹھالائے۔ پھر یہاں انتظار کرے۔ جب یہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جائے تو گردن پر رکھ دے (چنانچہ اس کام کو انجام دینے کے لیے) ان میں سے سب سے زیادہ بدبخت شخص اٹھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک پر یہ غلاظتیں ڈال دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ہی کی حالت میں سر رکھے رہے۔ مشرکین (یہ دیکھ کر) ہنسے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ ایک شخص (غالباً ابن مسعود رضی اللہ عنہ) فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ وہ ابھی بچہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا دوڑتی ہوئی آئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی سجدہ ہی میں تھے۔ پھر (فاطمہ رضی اللہ عنہا نے) ان غلاظتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے ہٹایا اور مشرکین کو برا بھلا کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرکے فرمایا

یااللہ! قریش پر عذاب نازل کر۔ یااللہ! قریش پر عذاب نازل کر۔ یااللہ! قریش پر عذاب نازل کر۔

اس حدیث شریف کو پڑھاتے وقت آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آپ کافی دیر تک روتے رہے، اسی طرح اثنائے درس ایک بار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کا ذکر آیا تو آپ پر خوب گریہ طاری رہا، بہت دیر تک آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے، اس سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے اندر حب رسول و آل رسول کے ساتھ حب صحابہ بھی بدرجۂ اتم کارفرما تھا اور آپ کا قلب مبارک اہل بیت و اصحاب رسول ﷺ کی محبتوں کا منبع و مرکز تھا۔

اللہ و رسول کی محبت کا مدار اہل بیت و اصحاب رسول کی محبت پر ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا طرۂ امتیاز ہے، ہمارا اور ہمارے اکابر و اسلاف کا یہی موقف رہا ہے، الحمدللہ ہم اسی منہج پر قائم ہیں، حضرت عمی المحترم رحمۃ اللہ علیہ بھی افراط وتفریط سے اجتناب کرتے ہوئے اسی مسلک اعتدال پر تاحیات گامزن رہے، ایک مرتبہ دوران درس ایمان ابوطالب پر آپ نے بڑی سلجھی ہوئی بات بیان فرمائی کہ جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک پر ہمیشہ قائم رہنا چاہئے، اکابر ائمۂ امت نے ہمیشہ سے ایسے مسئلوں پر خاموش رہنے کی تلقین فرمائی ہے اسی میں ہماری نجات ہے، البتہ اگر کسی کا ایمان ثابت ہوجائے تو اس سے زیادہ اور کیا خوشی کی بات ہوسکتی ہے؟ میرے خیال میں اس سے زیادہ اعتدال کی اور کیا روش ہوسکتی ہے، یہ ان کی متعدل مزاجی کی عمدہ مثال ہے، یہی ہمارے مشائخ کا طریقہ ہے، عم مکرم کے افکار و نظریات کا کوئی مزید مطالعہ کرنا چاہے تو اس کو حضرت کی تصنیف ''یزید حقائق کے آئینے میں'' کا ضرور مطالعہ کرلینا چاہیے۔

حضرت عم مکرم رحمۃ اللہ علیہ سے میری آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب میں ۱۰/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ کو عیادت کے لیے حاضر ہوا، آپ کی طبیعت ہفتہ عشرہ سے مضمحل تھی، شدید بخار اور کھانسی کی شکایت تھی، نقاہت کے باعث کئی دنوں سے خانقاہ تشریف آوری نہیں ہوسکی تھی، ۹/ذی الحجہ کو نماز جمعہ میں بھی نہیں آسکے تھے، جب ہم حاضر خدمت ہوئے آپ آرام دہ کرسی پر بیٹھے تھے، نقاہت اور کمزوری چہرے سے عیاں تھی، ڈاکٹر کے مشورہ پر خون ٹسٹ کے لیے نکالا جارہا تھا، میں قریب ہی کھڑا تھا، حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ، ہمارے ساتھ ہمارا منجھلا بھانجہ ڈاکٹر سید عمیم احمد (جو پٹنہ ایمس میں ڈاکٹر ہے) بھی گیا ہوا تھا، اس نے اوکسی میٹر سے آپ کا آکسیجن دیکھا اور کافی تشویش کا اظہار کیا، اسی وقت آکسیجن کا انتظام گھر پر کیا گیا طبیعت سنبھلی نہیں تو اسی روز اسپتال میں داخل کیا گیا، پھر ایمس میں داخل کرایا گیا، وہاں ایک ماہ کامل زیرِ علاج رہے اور دوران علاج ہی ۱۱/محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱/اگست ۲۰۲۰ء روز پیر دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے — اناللہ وانا الیہ راجعون۔

چوں کہ گل بگذشت و گلشن شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

علم وتحقیق اور تصوف وسلوک کی جامع شخصیت

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ

● مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے قابل فخر فرزند اور صوبہ بہار کے ممتاز عالم دین اور نامور مصنف ومحقق حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری نے اس دنیائے فانی سے رحلت کی۔

مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی ولادت شعبان ۱۳۷۷ھ (مطابق ۱۹۵۷ء) کو پھلواری شریف میں ہوئی۔آپ کا خاندان علم وتصوف میں نہایت ممتاز تھا۔ بدرالکاملین حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادری امیر شریعت اول بہار قدس سرہ کے آپ حفیدزادہ تھے۔حضرت مولانا شاہ قمر الدین قادری قدس سرہ امیر شریعت ثالث کے آپ نواسے اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادری قدس سرہ کے آپ حفید تھے۔آپ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عین احمد قادری علیہ الرحمۃ تھے۔آپ نے پانچ سال کی عمر میں یتیمی کا داغ اٹھایا۔اس کے بعد جد مکرم علیہ الرحمۃ نے اپنی کفالت وتربیت میں لے لیا اور آپ کی تمام تربیت و نگہداشت کی ذمہ داری اٹھائی۔تعلیم کا زیادہ حصہ جد معظم سے ہی حاصل کیا۔دارالعلوم مجیبیہ کے اساتذہ سے بھی تحصیل علم کیا۔خصوصاً اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ اور اپنے خال مکرم حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادری علیہ الرحمۃ سے فقہ واصول اور تفسیر وحدیث کی کتابیں پڑھیں۔بخاری شریف اور حدیث کی دیگر کتابیں حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری علیہ الرحمۃ سے پڑھ کر درسیات کی تکمیل کی۔بیس سال کی عمر میں ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم مجیبیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد سے ہی اپنے آباء واجداد کے طریقہ پر علوم دینیہ کی تدریس شروع کی۔آپ کے آباء و اجداد دس پشتوں بلکہ اس سے زیادہ سے علوم دینیہ کی تدریس کے فریضہ سے منسلک رہے ہیں۔طالبان علوم نبوت کو علوم اسلامیہ سے

آراستہ کرتے رہے ہیں۔آپ نے بھی اسی مشغلہ کو اختیار کیا۔دارالعلوم مجیبیہ میں ابتدائی کتابوں سے درس دینا شروع کیا اور کچھ ہی عرصہ میں اپنی محنت ومطالعہ سے اتنی صلاحیت پیدا کرلی کہ منتہی کتابیں بھی پڑھانے لگے۔حالیہ وقت میں دیگر کتابوں کے ساتھ صحیحین کی تدریس بھی آپ کے ذمہ تھی۔آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نے درسیات سے فراغت کے بعد قرآن کریم حفظ کیا تھا۔

علوم اسلامیہ کی تحصیل کے بعد آپ نے علوم باطنی بھی اپنے بزرگان سے حاصل کیے۔اس سلسلے میں اپنے پیر ومرشد حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادریؒ، اپنے عم مکرم مولانا شاہ عون احمد قادریؒ اور اپنے خال معظم مولانا شاہ عماد الدین قادریؒ سے باطنی استفاضہ کیا۔علوم اسلامیہ کی تدریس کے ساتھ تصوف وسلوک کی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہتیں۔مزاج تحقیقی تھا،سرسری مطالعہ کے قائل نہ تھے۔آپ کی تصنیفات تحقیق وریسرچ کی اعلی معیار پر ہیں۔اپنے پیر ومرشد سے آپ کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔

مختلف موضوعات پر آپ کے مضامین تو پہلے سے ہی شائع ہورہے تھے لیکن پہلی مکمل کتاب سوانح مولانا شاہ محمد امان اللہ قادریؒ ہے جو تقریباً تیس سال کی عمر میں اپنے پیر ومرشد کے وصال کے بعد ان کے حالات وکمالات پر آپ نے تالیف کی، یہ تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔اس پر حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ کا طویل مقدمہ ہے جس میں انہوں نے مصنف کے طرز نگارش کی تحسین وتعریف کی ہے۔اس کتاب سے آپ کی تصنیفی خدمات کا آغاز ہوتا ہے۔

آپ کی دوسری تصنیف ایک اہم ترین خدمت ہے۔خانوادہ مجیبیہ پر دوصدیوں سے ایک ایسا قرض تھا جو ادا نہیں ہوسکا تھا یعنی بانی خانقاہ کی سیرت کی تالیف۔آپ نے اس قرض کو احسن طریقے سے ادا کیا۔بانی خانقاہ مجیبیہ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہ کے سوانح وحالات پر مفصل ومکمل کتاب ’’سیرت پیر مجیب‘‘ کے نام سے تالیف فرمائی۔یہ تقریبا پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔یہ تحقیق وتدقیق کا اعلی نمونہ ہے۔اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

آپ کی دیگر تالیفات یہ ہیں۔خانوادہ سیدہ زینب، نغمات الانس فی مجالس القدس، یزید حقائق کے آئینے میں، القول السدید، یہ سب تالیفات تحقیق کے اعلی معیار پر ہیں۔ان کے علاوہ آپ کے مضامین خانقاہ مجیبیہ کے مجلہ ’المجیب‘‘ میں برابر شائع ہوتے رہے ہیں، ان کو جمع کیا جائے تو وہ دو ضخیم کتابوں پر مشتمل ہوں گے۔ان کے علاوہ آپ نے دارالافتاء خانقاہ مجیبیہ سے فتوی بھی دئے ہیں۔ان کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ریڈیو اسٹیشن سے مختلف موضوعات پر آپ کے مضامین کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔الغرض آپ کی مختصر عمر علم وتحقیق کی گوناگوں خدمات سے بھری ہوئی ہے۔

آپ اعلی درجہ کے خطیب بھی تھے۔اللہ تعالی نے آپ کو قادر الکلامی سے نوازا تھا۔آپ کی تقریریں عوامی اور سطحی درجہ کی نہیں ہوتی تھیں۔بلکہ علمی مواد اور نکتوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔آپ کی ایک تقریر سے متعدد مضامین تیار ہوسکتے تھے۔عوام کے

ساتھ اہل علم حضرات بھی آپ کی تقریروں سے استفادہ کرتے تھے۔خانقاہ کے حلقوں میں کثرت سے آپ کے اسفار ہوتے تھے، آپ کے رشد و ہدایت اور وعظ و نصیحت سے لوگ فائدہ اٹھاتے تھے۔

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے سجادہ نشیں حضرت مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری دامت برکاتہم آپ کے بھانجے اور داماد ہیں۔خانقاہی امور میں آپ ان کی سرپرستی فرماتے رہتے۔آپ کی حیثیت ایک مصلح و مربی کی تھی۔مختلف مجالس و محافل میں خانقاہ مجیبیہ کی نمائندگی کرتے۔

اللہ تعالی نے آپ کو بہت ساری خوبیوں اور عمدہ اوصاف و کمالات سے نوازا تھا۔خوش اخلاقی و ملنساری ایسی تھی کہ پہلی بار ملنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور آپ کا گرویدہ ہوجاتا۔لبوں پر تبسم، آنکھوں میں چمک، روشن نورانی چہرہ، اخلاص و مروت کے پیکر،حلم و بردباری سے متصف۔نہ جانے کتنے اوصاف سے مزین تھے۔

ذی القعدہ ۱۴۴۱ھ کے آخر میں بخار میں مبتلا ہوئے۔گھر پر علاج ہوتا رہا۔ ۱۵؍روز سے زیادہ اس کا سلسلہ رہا۔ پھر سانس میں تکلیف ہونے لگی۔ ۱۰؍ذی الحجہ کو علاج کے لئے ایک کلینک میں ایڈمیٹ کیا گیا، دو روز کے بعد جب طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی تو پٹنہ ایمس میں ایڈمیٹ کیا گیا۔تقریباً ایک ماہ وہاں علاج ہوتا رہا۔ ہر جگہ دعائیں ہو رہی تھیں۔مگر تقدیر الٰہی غالب آئی۔ ۱۱؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ کو یہ سرمایہ قوم و ملت سب کو گریہ کناں چھوڑ کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوگیا۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ ﴿۲۹﴾ وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ ﴿۳۰﴾—(الفجر)

آہ! علم و تحقیق کا نیر تاباں نہیں رہا۔تصوف و سلوک کا گوہر آبدار چلا گیا۔پھلواری شریف ہی نہیں بلکہ پورا صوبہ بہار جن کے علوم و فنون سے مستفید ہو رہا تھا وہ ماہر کامل آج رخصت ہوگیا۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عشق و محبت کا فیض و نتیجہ تھا کہ وفات دوشنبہ کے روز ہوئی اور عمر عیسوی حساب سے ۶۳ سال ہوئی۔اللہ تعالی غریق رحمت فرمائے۔اپنے جوار رحمت میں مقام عطا فرمائے۔اسی نے صراط مستقیم پر ان کو چلایا تو انعام یافتہ حضرات انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کی مرافقت کی سعادت بھی نصیب فرمائے۔آمین

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے

● مولانا شاہ مشہود احمد قادری — پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

پیکر علم وعمل تھے علم کے مینار تھے
صاحب رشد وہدایت خُلق کا معیار تھے
انکساری عاجزی کی انتہار کھتے تھے وہ
زہد وتقویٰ سے مزین صاحب کردار تھے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ — (الطور:۲۱)

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ان مومنین صالحین کا ذکر فرمایا ہے، جو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر تقویٰ و طہارت کے ساتھ زندگی گزار کر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے، فرمان الٰہی کے مطابق عالم برزخ سے ہی ارواح طیبات کے ساتھ رہنے اور ان کی ہم نشینی کا اشارہ ملتا ہے، برادر بزرگ مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی صالحیت، پاکیزہ فطرت اور جذبۂ خدمت خلق اس بات کے غماز ہیں کہ آج وہ ہم لوگوں سے تو دور، لیکن سلف صالحین کے تقرب سے ہمکنار ہیں، رب کریم درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔

مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی شخصیت ہندوستان اور خصوصاً بہار میں محتاج تعارف نہیں تھی، آپ نے اپنے علمی مشغلے کو روز افزوں ترقی سے ہمکنار کیا اور اپنے عہد میں خانقاہ مجیبی کے لیے نیر تاباں بن کر چمکے، آپ کی صلاحیت وصالحیت سے زمانہ مستفید ہورہا تھا علمی وادبی حلقے آپ کے ذخائر علمی اور تحقیقی ذوق سے فیض پارہے تھے، مگر ہائے افسوس ؏

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

موصوف علیہ الرحمہ کی تربیت و پرداخت آپ کے جد مکرم حضرت امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ کے آغوش تربیت میں ہوئی، حضرت امام المتقین عدیم المثال شخصیت کے طور پر مشہور و معروف ہوئے، بے مثال تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ نایاب تدریسی کمال بھی حاصل تھا، تشنگانِ علوم نبوت آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے، جن کی درس گاہ میں ابتدائی کتابوں سے لے کر منتہی درجات تک کا درس لینے والے موجود رہا کرتے تھے۔

خانوادۂ مجیبی سے تعلق رکھنے والوں میں حضرت امام المتقین کا میں آخری شاگرد تھا، یہ وہی دور تھا جب میں فارسی کی گلستاں اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا اور بھائی صاحب علیہ الرحمہ آخری درجات کی کتابوں کی تکمیل کر رہے تھے، بھائی صاحب سے متعلق ماضی کی اور میری کمسنی کی اتنی ساری یادیں ہیں جن کا اس مضمون میں احاطہ ناممکن ہے۔

خانقاہ مجیبیہ اور خانوادۂ مجیبی جعفری، زینبی پر صدمات بارہا آئے اور ہر دفعہ اللہ رب العزت نے اپنی آزمائش و امتحان میں رضائے الٰہی کے مطابق ثابت قدم رکھا، صدمات کے بارگراں نے وقتی طور پر دل کی کیفیت بدلی اور بروقت فرمان باری تعالیٰ:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۵ (البقرۃ)

نے صبر و تحمل اور مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ پر کاربند کیا۔

برادر مکرم و معظم مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری برد اللہ مضجعہ کی وفات حسرت آیات نے سکون و اطمینان کے وہ پل ہمیشہ کے لیے چھین لیے، جس میں ہم لوگ باہم ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے اور علمی مناقشہ کے ساتھ تصوف کی دنیا میں بھی سیر کیا کرتے تھے، قدرت کی طرف سے ہر ایک کے لیے وقت موجود و متعین ہے، مگر بھری مجلس سے اٹھ کر چلے جانے پر اہل مجلس کی جو کیفیت ہوتی ہے، وہ ناقابل بیان ہے، برادر مکرم نے کچھ اسی انداز سے جدائی کا غم دیا:

لطف مے نوشی کہاں اے ساقیا تیرے بغیر
میکدہ سونا ہے جان میکدہ تیرے بغیر

ان کی محفل علم و آگہی سے پر ہوا کرتی تھی، تھوڑی دیر کی بھی ملاقات نئی واقفیت اور علمی اضافے کا سبب بنا کرتی تھی، کسر شان اور انکساری بے مثال تھی، بھائیوں، بھانجوں، بھتیجوں سے حسب مراتب بات کرتے تھے، ان کے اخلاق و محبت نے بنی اعمام کو گرویدہ کر رکھا تھا۔

میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے بھائیوں میں تین کو بہت قریب سے دیکھنے، ان کے ساتھ رہنے اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا سید شاہ نصر احمد

قادری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ آخر الذکر سے انسیت وقربت بایں معنی زیادہ رہی کہ جب جد مکرم امام المتقین حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کرتا تھا تو میں ایک مبتدی درجہ کا طالب علم تھا اور بھائی صاحب بیضاوی شریف کا درس لیا کرتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب جد مکرم قدس سرہٗ کی صحت اچھی تھی اور صبح سے سہ پہر تک مختلف کتابوں کا درس جاری رہا کرتا تھا، اسی زمانے میں بھائی صاحب نے اپنے شوق اور جذبے سے ازخود قرآن حفظ کرنا شروع کیا اور مکمل بھی کرلیا تھا— ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

مولانا شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمہ جامع الکمالات تھے، علمی، ادبی، سماجی، فلاحی ورفاہی کاموں میں ہر وقت حصہ لیتے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازتے تھے، اکثر وبیشتر گزارشات کو بغور سنتے اور اس پر ازخود کام شروع کردیتے تھے یا متعلقہ لوگوں کی توجہ مبذول کراتے، ہر وقت تصنیف وتالیف کا مشغلہ رہتا، بیک وقت مختلف موضوعات اور اصناف پر تحریر وجود میں آتی رہتی، کبھی تصوف، کبھی اصلاح معاشرہ اور کبھی بزرگوں کے احوال پر کام جاری رہتا، سیرت النبی اور احادیث پر مکمل دسترس تھی، بخاری ومسلم کے حوالے سے اپنی باتوں کو مدلل فرماتے تھے۔

ان کی تمام علمی کاوشیں اپنی جگہ پر ایک شاہکار ہیں اور مستقبل میں علمی کام کرنے والوں کے لیے مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں، خصوصاً ''سیرت پیر مجیب''، ''خانوادہ سیدہ زینب''، ''یزید حقائق کے آئینے میں'' تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک سرمایہ ہے، مولانا علیہ الرحمہ کے اندر خاندانی وقار تھا، جو جد مکرم، عم مکرم اور خال مکرم سے ورثے میں ملا تھا، ارشاد نبوی اور سنت نبوی ''ان تلقی اخاك بوجه طليق'' کے مطابق ہر ملنے والے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، عزیز ہو یا غیر تبسم کے ساتھ ملتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، اتباع سنت نبوی وحب نبوی ان کی سرشت میں شامل تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی نشست وبرخاست، اخلاق واطوار میں رشتہ داروں اور ہمسایوں کے ساتھ تعلقات میں سنت نبوی کی جھلک نظر آتی تھی، مواعظ اور تقریر وتحریر میں حب نبوی کا واضح پتا چل جایا کرتا تھا، ایسی جامع الصفات شخصیت جس کی خدمات مختلف طریقے سے دین وملت کے لیے رہی ہوں، منصۂ شہود پر خال خال ہی نظر آتی ہے، آپ کی ذات اپنے آپ میں ایک انجمن تھی، جہاں بیٹھنے والے علمی وعرفانی معلومات کے ساتھ سلوک وطریقت کی باتوں سے بھی واقفیت حاصل کیا کرتے تھے اور آپ کی ذات تشنگانِ علوم نبوت کے لیے سیرابی کا سبب بنا کرتی تھی، مگر افسوس آپ کے داعی اجل کو لبیک کہہ کر دنیا سے رخصت ہونے نے سجے سجائے میکدۂ عرفاں کو ہمیشہ کے لیے سونا کردیا:

اس محفل کیف ومستی میں اس انجمن عرفانی میں
سب جام بکف بیٹھے ہی رہے، ہم پی بھی گئے چھلکا بھی گئے

صوبۂ بہار اور خصوصاً خانقاہ مجیبیہ میں اعراس کے مواقع پر محفل سماع کا انعقاد ہوتا ہے، جس میں نعت ومنقبت کے چنندہ اور منتخب اشعار پڑھے جاتے ہیں، جو مستند وقدیم شعرا سے زیادہ اخذ کئے گئے ہیں، یہ تمام نعتیں اور منقبتیں ایک جگہ کتابی شکل

میں موجود نہ تھیں صرف قوال کے حافظے میں یا نایاب کتابوں کے اندر ملتی تھیں، رفتہ رفتہ قوالوں کے گزرنے کی بنا پر بہت سی نعتیں اور منقبت ان کے حافظے کے ساتھ چلی گئیں، مستقبل کے لیے اندیشہ کا امکان تھا، شاہ ہلال احمد صاحب علیہ الرحمہ نے اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور ’’نغمات الانس فی مجالس القدس‘‘ کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب کی شکل میں پڑھی جانے والی متقدمین ومتاخرین کی چنندہ نعتوں اور منقبتوں کو جمع کر دیا، ساتھ ہی جواز سماع پر تفصیلی مضمون سے اپنی کتاب کو مزین فرمایا، سماع اور سماع بالمزامیر طبقۂ علما میں اختلاف کا موضوع رہا ہے، اس کے جواز اور عدم جواز پر بارہا خامہ فرسائی ہوتی رہی ہے اور ہر طبقے نے دلائل کی روشنی میں اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، سلسلۂ چشتیہ میں سماع بالمزامیر کے جواز پر اور اس کے انعقاد پر عمل ہوتا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن خانقاہوں میں سلسلۂ چشتیہ کی ترویج واشاعت کا کام چل رہا ہے، وہاں معرفت الٰہی اور عشق نبوی کو مہمیز دینے کے لیے محفل سماع کا انعقاد عمل میں آتا ہے، شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا جواز سماع پر یہ مضمون بہت ہی مدلل اور مبرہن ہے اور عدم جواز کے قائل لوگوں کے لیے یہ ایک چشم کشا تحریر ہے۔

دور حاضر میں ایک فتنہ نے سر ابھارا اور جابجا یزید کے ساتھ القاب وآداب اور مغفورلہ کے الفاظ لکھے جانے لگے، رفتہ رفتہ یہ فتنہ بڑھا اور ہندوستان اور بیرون ہند کے ایک خاص طبقہ نے اس معاملہ کو عوام الناس تک لے جا کر ان کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے ’’یزید حقائق کے آئینے میں‘‘ کے عنوان سے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے دلائل کے ساتھ ایک کتاب پیش کی جس میں یزید کی بدکرداری کو ظاہر کیا گیا اور اس کے مغفورلہ ہونے کی تردید کی گئی، اس کتاب کی ہر طرف پذیرائی ہوئی اور خانقاہ مجیبیہ کی طرف سے احقاق حق وابطال باطل پر ایک مستند کتاب مانی گئی۔

ملک ہندوستان اور صوبۂ بہار میں ایک ایسا بھی طبقہ ہے جو صرف حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کے وجود وبقا کی بات کرتا ہے، بقیہ آل جعفر وزینب کے بارے میں یہ گمان پیدا کیا گیا کہ سب کربلا میں شہید ہو گئے تھے اور ان کی نسل نہیں چلی، جب یہ بات عام ہونی شروع ہوئی تو شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا پر ایک ضخیم کتاب تحریر فرمائی، جس میں انساب کی تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا کہ ہندوستان اور خصوصاً صوبۂ بہار میں آل جعفر وزینب کی بڑی تعداد موجود ہے اور الحمدللہ ان کا سلسلۂ نسب بھی جاری ہے۔

علمی، دینی، تبلیغی، دعوتی اسفار کا بھی سلسلہ جاری رہا کرتا تھا، ادھر دو دہائی سے باضابطہ طور پر خانقاہ مجیبیہ کی نمائندگی بھی آپ کے ذمہ تھی (واضح ہو کہ حضرت صاحب سجادہ مدظلہ کے خلوت نشینی کی بنا پر خانقاہ کی اہم شخصیت ہی ملک وبیرون ملک اور صوبے میں نمائندگی کے لیے تشریف لے جاتی ہے) ملک وبیرون ملک میں سمینار اور علمی مجلسوں میں شرکت فرماتے تھے، دو سال قبل ارض پاک میں سلسلۂ چشتیہ کی مشہور خانقاہ گولڑا شریف کی طرف سے خصوصی طور پر مدعو کیے گیے، جہاں بین الاقوامی کانفرنس میں کثیر تعداد میں علما ومشائخ سے ملاقات کا سلسلہ رہا۔ اللہ رب العزت نے عمرہ کے علاوہ دو مرتبہ حج کی سعادت سے

بہرہ ور فرمایا اور ایک خاص سفر کر کے بغداد، نجف، کربلا معلّیٰ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے، ان کی صحبت میں بیٹھنے کے بعد واقعات وحالات کے تذکرے کے تسلسل میں وقت کا پتا نہیں چلتا تھا، اور بہت کارآمد معلومات بھی فراہم ہوجایا کرتی تھیں، اپنی سروس کے سلسلہ میں پھلواری شریف سے دور رہنے کی بنا پر مجھ کو موقع کم ملتا تھا لیکن ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو شام کے وقت پابندی سے ان کی خدمت میں حاضری ہوجایا کرتی تھی، بلکہ تاخیر پر منتظر رہا کرتے تھے تھوڑی دیر کی گفتگو اور ملاقات کے بعد خندہ پیشانی سے یہ کہتے ہوئے رخصت کرتے کہ اب آپ اگلے مہینے ہی ملاقات کریں گے؟ میں ہنس دیتا اور کہتا دعا فرمائیں درمیان میں ملاقات ہوتی رہے۔

یہ دنیا فانی ہے اور ہر شخص کو اپنے وقت موعود پر سفر آخرت کے لیے تیار رہنا ہے، جانے والوں میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی جدائی کا غم وقتی اور عارضی ہوا کرتا ہے، لیکن انہیں میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے، جو اپنی شخصیت اور کارہائے نمایاں کی بنا پر زندۂ جاوید ہوجایا کرتے ہیں اور ان کی نیکیاں اور ان کے اوصاف ہمیشہ لوگوں کو ان کی یاد دلایا کرتے ہیں اور جدائی کا غم کبھی ماند نہیں پڑتا:

سعدیا مرد نکو نام نمیرد ہرگز
مردہ آنست کہ نامش بہ نکوئی نبرد

اس قحط الرجال اور قحط العلما میں خانقاہ مجیبیہ اور ملت کو ان کی سخت ضرورت تھی، کاش زندگی نے وفا کی ہوتی اور کچھ مدت تک ملت کو ان کی صحبت سے مزید استفادہ کا موقع ملتا رہتا۔

ع کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

تدبیر کو اپنانا انسان کا خاصہ ہے اور تقدیر مرضیٔ الٰہی پر منحصر ہے، ہر بندہ اپنی صحت وسلامتی کے لیے کوشاں وسرگرداں رہتا ہے، لیکن وقت موعود پر رب کریم کا بلاوا ہمیشہ تدبیر پر غالب آتا ہے اور تقدیر کے مطابق مرضیٔ مولیٰ پر راضی برضا رہنا بندۂ مومن کا شیوہ ہے۔

ع ما در چہ خیالیم وفلک در چہ خیال

رب کریم حضرت کے حسنات کو قبول فرمائے، ان کے علمی ذخیرے کو صدقۂ جاریہ کے طور پر توشۂ آخرت بنائے اور اکابرین وسلف صالحین کے زمرے میں شامل کرتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

ترے دم سے تھیں مری محفلیں

● مولانا شاہ محمد منہاج الدین مجیبی —— خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

موت اس زمین پر تمام مخلوقات کا آخری انجام ہے، اس دنیا میں ہر ذی روح چیز کی انتہا موت ہے، اللہ تعالیٰ نے موت فرشتوں پر بھی لکھ دی ہے، چاہے وہ جبرئیل، میکائیل و اسرافیل علیہم السلام ہی کیوں نہ ہوں، حتی کہ ملک الموت بھی موت کے منہ میں چلے جائیں گے، موت دنیاوی زندگی کی انتہا اور اخروی زندگی کی ابتدا ہے، موت کے ساتھ ہی دنیاوی راحتیں ختم ہو جاتی ہیں، موت اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، موت سے اللہ کی قدرت اور تمام مخلوقات پر اس کا تسلط عیاں ہو جاتا ہے، موت کو کوئی دربان روک نہیں سکتا، کوئی پردہ اس کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا، موت کے سامنے مال، اولاد، دوست و احباب سب بے بس ہوتے ہیں، موت انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی سے اجازت نہیں لیتی، کیوں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا مقام و مرتبہ ہوتا ہے، اس لیے موت نبی سے اجازت طلب کرتی ہے، ایک روایت میں ہے کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہمیشہ رہنے یا موت کا اختیار دیتا ہے، تو انبیائے کرام علیہم السلام موت کو پسند کرتے ہیں، کیوں کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم ہے اور دنیا کو وہ معمولی چیز جانتے ہیں۔

دنیا میں کسی فرد کے لیے دوام نہیں ہے، ہر ایک شخص وقت مستعار لے کر دنیا میں آتا ہے اور وقت موعود کے آنے پر رب ذوالجلال کے بلاوے پر سرمدی ٹھکانہ کی طرف روانہ ہو جاتا ہے، بعض اللہ کے وہ بندے ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کو شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلاتے ہیں، رضائے الٰہی کو مقصد زندگی بناتے ہیں، اپنی جان و مال اور وقت کو اعلائے کلمۃ الحق کے لیے صرف کرتے ہیں، خلق خدا کی خدمت کو متاع زیست سمجھتے ہیں، دین و مذہب کی ترویج و اشاعت کو منشور حیات اور قوم و ملت کی ہدایت و رہنمائی کو اپنا نصب العین بناتے ہیں، اپنی کامل بندگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور دنیاوی زندگی کو آخرت کی تیاری کا ایک قیمتی موقع تصور کرتے ہیں، انہیں خوش نصیب اور سعادت مندوں میں عم مکرم استاذ محترم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جن کا ذکر خیر ہماری تحریر کا عنوان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت علیہ الرحمہ کو مختصر زندگی دے کر دنیا میں بھیجا، مگر آپ نے اسی قلیل عمر میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے، جو رہتی دنیا تک نگاہ رشک سے دیکھے جائیں گے، آپ کی زندگی کے تمام کام، خواہ ان کا تعلق علم وادب سے ہو، یا دین ومذہب سے، خواہ قومی وملی ہو، یا سماجی ومعاشرتی، قابل صد رشک ہیں، تحریر وتقریر اور تصنیف وتحقیق میں آپ کو امتیازی مقام حاصل تھا، آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اشاعت دین اور اس کی نصرت وحمایت میں لگایا، آپ اپنی علمی، ادبی، دعوتی مشغولیات میں منہمک اور بے ہمہ ہو کر بھی باہمہ تھے، آپ کی ذات چراغ انجمن تھی، محفل کی زینت بلکہ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، آپ نہایت خوش خو، خوش ادا، پاک طینت، نیک اطوار، اخلاق کے پیکر، مجسم وفا، تقویٰ وطہارت کے خوگر، تواضع و انکساری اور عاجزی وخاکساری میں بے مثال تھے، احترام اکابر، چھوٹوں پر شفقت آپ کی عادت کریمہ تھی، عجب وخودغرضی، حب جاہ، ریا ونمود، نفرت وعداوت، کبر ونخوت اور دیگر اوصاف ذمیمہ سے آپ کی ذات پاک تھی، سب کے ساتھ خندہ پیشانی، خوش اخلاقی اور نرم گفتاری سے پیش آتے، سب کے ساتھ محبت وشفقت کا اظہار فرماتے، جو بھی آپ سے ملتا وہ آپ کی ملنساری، خوش مزاجی اور نرم گوئی کا قائل ہو جاتا اور آپ کے اخلاق کریمانہ کا اسیر ہو جاتا۔

آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ پوری زندگی اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دی، ہر ایک پر آپ کا احسان رہا، مجھ ناچیز پر تو آپ کے اَن گنت احسانات ہیں، ایک کیا؟ ہزار زندگی بھی میسر ہو تو آپ کے احسانات کا بدلہ ادا کرنا ناممکن ہے، میری تعلیم ابتدا سے انتہا تک آپ کے ہی ذمۂ کرم میں ہوئی، آپ نے نہایت انہماک، محنت اور شفقت سے پڑھایا، ہمیشہ میری پڑھائی کا خاص خیال فرمایا، کمی اور کوتاہی پر تادیب وتنبیہ بھی فرماتے اور سخت نگرانی فرماتے تھے۔

میں شروع سے ہی تقریری میدان میں پیچھے رہا، حالاں کہ حضرت نے مجھے تقریر کے لیے بارہا ترغیب دلائی، فرماتے تھے: تقریر کیا کرو، کہیں بھی جلسے میں جاؤ تو کچھ نہ کچھ ضرور بولا کرو۔ تقریر کے بہت سارے فائدے ہیں، مگر میری کم نصیبی رہی کہ آپ کی تاکید وتنبیہ پر عمل پیرا نہ ہو سکا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ میری دینی وعلمی ترقیات کے لیے ہمیشہ متفکر رہتے تھے، مدرسہ میں اوقات تعلیم کے علاوہ بھی اپنے دولت کدہ پر خصوصی توجہ اور اپنی خاص نگرانی میں درس دیا کرتے تھے، حضرت کی عنایات کا بار میرے کندھوں پر اس قدر ہے کہ زندگی بھر اس سے سبکدوشی نہیں ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ہماری طرف سے اجر جزیل عطا کرے۔

میری سعادتوں میں ایک بڑی سعادت یہ بھی ہے کہ آپ کے ساتھ حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا، ارکان کی ادائیگی میں آپ کی وجہ سے خاص سہولت میسر آئی، آپ کی رہنمائی میں شعائر ومقامات مقدسہ کی زیارت بھی بحسن وخوبی نصیب ہوئی، بہت سی نئی معلومات بھی حاصل ہوئیں، مجھے اس پر فخر وناز ہے، جس طرح مکہ ومدینہ، منی ومزدلفہ اور میدان عرفات میں آپ کی معیت وہمراہی حاصل رہی، ان شاء اللہ میدان محشر میں بھی آپ کی صحبت ومعیت نصیب ہوگی۔

آپ کا ارتحال خانوادہ کے لیے عظیم سانحہ تو ہے ہی، میرے لیے ذاتی طور پر بھی ناقابل تلافی خسارہ ہے، آپ میرے لیے

والد گرامی قدس سرہ کے بعد بہترین محسن و مربی اور سرپرست تھے، آپ کے انتقال پُر ملال سے میرے سینے میں درد و کرب اور غم و الم کی جو آگ لگی ہے، وہ تا حین حیات سرد پڑنے والی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں صبر و سکون دے اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

حضرت ماموں جان رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کبھی علاج و معالجہ کا باضابطہ سلسلہ نہیں رہا، زندگی میں کبھی کسی اسپتال میں ایڈمٹ نہیں ہوئے، مگر خدا کی مشیت تھی کہ عید الاضحیٰ سے ہفتہ عشرہ قبل آپ کو بخار کی شکایت ہوئی، گھر پر ہی دوائیاں لی گئیں، ۱۰؍ذی الحجہ کو اچانک آپ کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی، پھلواری میں ہی ایک اسپتال میں آپ کو داخل کرایا گیا، دو دن وہاں رہے، طبیعت میں کچھ افاقہ بھی ہوا، تیسرے دن چھٹی ملنے والی تھی کہ آپ کی طبیعت پھر سے بگڑ گئی، ہم لوگوں کو جیسے ہی خبر ملی فوراً وہاں پہنچے اور اسی وقت پٹنہ ایمس میں ایڈمٹ کرایا، وہاں بھی آپ کی حالت اسی نہج پر رہی، کبھی بہتر، کبھی نازک، حتیٰ کہ ایک ماہ کامل گزر گیا اور ۱۱؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ بروز پیر عصر اور مغرب کے درمیان انتقال پُر ملال کی خبر جانکاہ ملی:

کس کی رحلت کی خبر لائی ہے یہ زرد ہوا ❁ کون خلوت کدۂ علم و ہنر سے اٹھا

بس کیا تھا؟ خانقاہ ماتم کدہ بن گئی، خانوادہ و خاندان اور رشتہ داروں میں قیامت بپا ہوگئی، حلقۂ ارادت و عقیدت میں بجلی سی کوند گئی، اہل علم و دانش میں ہلچل مچ گیا اور آن واحد میں انتقال کی روح فرسا خبر دنیا کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔

حضرت کی تجہیز و تکفین خانقاہ ہی میں انجام پائی، نماز جنازہ اسی دن تقریباً ۱۱؍بجے رات مسجد مجیبی کے سائبان میں جناب حضور مدظلہ العالی نے پڑھائی اور نہایت خاموشی کے ساتھ علم و عمل کے اس بلند بام مینارۂ نور کو احاطۂ قبلۂ حاجات حضرت فرد الاولیا میں حضرت شاہ محمد ہادی قدس سرہما کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا، جس خلوص کے ساتھ تا عمر خانقاہ کی خدمات انجام دی اور جو آخری آرام گاہ آپ کے لیے قرار پائی، گویا کہ ؏

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

حضرت علیہ الرحمہ سے میری آخری ملاقات اور آپ کا آخری دیدار ۱۰؍ذی الحجہ قربانی کے دن ہوا، جب آپ کی طبیعت ناساز تھی، کئی دنوں سے بخار اور سردی کی شکایت تھی، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے چاہا کہ مصافحہ اور دست بوسی کروں اور آپ نے بھی خیال فرمایا مصافحہ کی سعادت سے فیضیاب کرنے کا، مگر چاہتے ہوئے بھی اس سعادت سے میں محروم ہی رہا اور پھر وفات تک بار دیگر آپ سے مصافحہ کا شرف ہی ملا اور نہ آپ کا دیدار نصیب ہوا اور ہم ہمیشہ کے لیے آپ کے سایۂ رحمت و شفقت سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند تر فرمائے اور ہم سبھی پسماندگان کو صبر کی توفیق رفیق مرحمت کرے، آمین۔

ترے دم سے تھیں میری محفلیں
تو کہاں چلا مجھے چھوڑ کر

✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲

حیف! رفت از میکدہ آن ساقی مینا بدوش

● پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید—ڈائریکٹر، مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

موت ایک ایسی تلخ اور مبرم حقیقت ہے جس سے کسی ذی نفس کو مفر نہیں۔ خالق کائنات نے ہر جاندار کے لیے موت کا وقت اور مقام متعین فرما دیا ہے جس میں ذرا بھی تقدم و تاخر بعید از گمان و وہم ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون کی گیارہویں آیت میں اعلان فرمادیا ہے: ''وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُہَا ؕ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۱﴾'' جس کا مفہوم یہ ہے کہ اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہے۔

موت کی حقیقت کے سبھی معترف ہیں چاہے وہ علماء ہوں یا عوام، چاہے وہ پارسا ہوں یا دنیادار، چاہے وہ کافر و فاجر اور مشرک ہوں یا زاہد و عابد اور مومن، کیوں کہ موت کے سامنے سبھی عاجز و بے بس اور لاچار ہیں۔ یہ موت ایسی شئے ہے جس کا طریان ہلاکت کا موجب ہے، جو یتیم کرنے والی ہے، جو بیوگی کا لباس پہنانے والی ہے، جو ظاہری اور دنیاوی سہاروں کا ریخت و تاراج کرنے والی ہے، جو دلوں کی حرکت کو ساکت کردینے والی ہے، جو بستیوں کو ویران کردیا کرتی ہے، جو لذتوں کو نابود کردیا کرتی ہے، جو رجاء اور امید کے بطلان کا باعث بنا کرتی ہے، جو ظالموں اور اشقیا کے لیے جرعۂ ناگوار ہے اور جو متقیوں اور صالحین کے لیے وصال حق کا شیریں و گوارا جام ہے جو انھیں ''چو مرگ آید تبسم برلب اوست'' کا مصداق بناتی ہے۔

لیکن بعض موتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں دست بردِ اجل سے دوچار ہونے والی شخصیتوں کا رخصت ہوجانا ساری زندگی کے لیے سوہان روح ہوجاتا ہے اور دل ہمیشہ ان کی کسک اور تڑپ کو محسوس کرتا ہے، جن کا سفر آخرت اختیار کرلینا نہ صرف ان کے اہل و عیال کے لیے زیاں ہوتا ہے بلکہ جمیع عیال اللہ ان کی رحلت کو اپنا خسارہ مانتی ہے اور پورا کا پورا خانوادہ ان کی وفات پر بنیادی طور پر ہل جاتا ہے اور اسی لئے موت العالم موت العالم مشہور ہے اور ایسی ذات کا جدا ہوجانا اس شعر کے

مصداق ہوتا ہے کہ:

اک شخص کم ہوا ہے حساب نگاہ سے ❁ لیکن شمار عقل میں بیش از ہزار تھا

حضرت سیدی و مرشدی عمدۃ المتوکلین مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ العزیز کی ذات بابرکات بھی ایسی ہی شخصیات میں شمار ہوتی ہے جن کی رحلت نے منتسبین و متوسلین خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ کو بری طرح تہہ و بالا کر ڈالا۔ ۱۱رمحرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱راگست ۲۰۲۰ء دوشنبہ کی وہ عصر کتنی اندوہناک و الم آور اور افسردہ و غمگین تھی جب حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلین علیہ الرحمۃ والرضوان نے داعی اجل کو لبیک کہہ کر ”اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے“ کا ایک جاں سوز و دلخراش منظر نامہ نگاہوں کے سامنے پیدا کر دیا اور ہم وابستگان دامن پیر مجیب ہمیشہ کے لیے ایک دلنواز و پرسوز اور جامع علوم وعرفان مربی کے سایہ سے قضاو قدر کے ہاتھوں مجبور کر دیئے گئے۔

حضرت عمدۃ المتوکلین سیدی و مرشدی مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری نور اللہ مضجعہ کے تشخص کا مرقع اگر کھینچا جائے تو بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ رخسار کی وجاہت و اصالت، آواز کی شیرینی و حلاوت، لہجے کی شرافت و متانت، آنکھوں کی حیاو نجابت، فطرت کا توکل و قناعت، گفتار کی عفت و صداقت، مزاج کی طراوت و نفاست، کردار و افعال کی راستی و دیانت، افکار و اذہان کی شہامت و شجاعت، آہنگ اور ارادوں کی رشادت و متانت، تحریر کی سلاست و جزالت، تقریر و مواعظ کی درایت و فراست، حلم و بردباری اور اخلاق کی بلندی و رفعت اور عجز و انکسار کی جذابیت و ملاحت ان کی ذات کا ایسا جزو لاینفک تھیں جو پورے خانوادے میں ان کے تشخص کو منفرد و ممتاز بناتا تھا۔

حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ نے شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں خانقاہ مجیبیہ کے ایک عظیم المرتبت علمی و عرفانی خانوادے میں آنکھیں کھولیں۔ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی علمی و عرفانی مرکزیت اور بے لوث خدمات کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے اور اس خانوادے کے علما و فضلا نے مدونین فتاوائے عالمگیری سے لے کر شمس العلماء بدر الکاملین حضرت فیاض المسلمین قدس سرہم تک ایسے لآلی و مرجان پیدا کیے جنھوں نے علم وعرفان کی دنیا میں اپنی استعداد اور ظاہری و باطنی صلاحیتوں کا بخوبی اعتراف کرایا۔ ایسے ہی علم و فضل کے گہوارے میں حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلین قدس سرہ نے نہ صرف یہ کہ آنکھیں کھولیں بلکہ اپنے وقت کی آفتاب و ماہتاب علمی و عرفانی شخصیتوں کے زیر سایہ رہ کر ابتدا سے انتہا تک تربیت پائی اور لائق استناد مراجع علمی سے وفور کے ساتھ علمی و روحانی اکتساب کیا۔

حضرت سیدی و مرشدی عمدۃ المتوکلین مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کا تاریخی نام ”محمد فضل رسول زینبی“ تھا جس سے ان کا سن ولادت ۱۳۷۷ھ برآمد ہوتا ہے لیکن حضرت علیہ الرحمۃ نے ”شاہ ہلال احمد قادری“ کے نام سے شہرت پائی اور اسی نام سے تصنیفات و تالیفات کیں۔ آپ حضرت فیاض المسلمین مولانا الحاج سید شاہ محمد بدر الدین قادری قدس سرہٗ کے پر پوتے،

استاذ الاساتذہ نظام الملۃ والدین مولانا الحاج سید شاہ محمد نظام الدین قادریؒ کے پوتے، امیر شریعت ثالث حضرت قمر طلعت مولانا سید شاہ محمد قمر الدین قادریؒ کے نواسے اور حضرت مولانا شاہ عین احمد قادریؒ کے صاحبزادے تھے۔ جب عمر پانچ سال کو پہنچی تو آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ نے عین شباب میں رحلت فرمائی اور آپ نے یتیمی کا داغ اٹھایا۔ لیکن آپ کے دادا حضرت نظام الملۃ والدین مولانا الحاج شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ، جو اپنے زمانے کے ایک نہایت مستند و محقق عالم اور نہایت مرتاض روحانی پیشوا تھے، نے آپ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور اس عظیم مربی نے کبھی آپ کو احساس محرومی سے دو چار ہونے نہیں دیا۔ اپنے سفر نامۂ حج میں اپنی زیست کے اس نا قابل تلافی نقصان اور نعم البدل کے عطیۂ الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمدۃ المتوکلین قدس سرہٗ یوں رقم طراز ہیں:

”......آج سے تقریباً ۴۵ سال قبل ایک علمی و دینی گھرانے کا ایک پانچ سالہ بچہ باپ کے سائے سے محروم ہوتا ہے۔ اس کے باپ کا جنازہ صحن خانہ میں رکھا ہے۔ وہ بچہ چار پائی کی پٹی پکڑے کھڑا ہے۔ عزیز و رشتہ دار چاروں طرف سے گھیرے ہیں۔ آہ و فغاں کا ایک شور بپا ہے، ہر آنکھ اشکبار ہے۔ اس بچے کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اس کے بابا کو کیا ہوا ہے؟ اس کے بابا اس طرح کیوں سو رہے ہیں؟ لوگ کیوں رو رہے ہیں؟ وہ گھبرائی گھبرائی آنکھوں سے کبھی لوگوں کو دیکھتا ہے، کبھی اپنے بابا کو جو سپید کپڑوں میں لپٹے ہوئے سب ہنگاموں سے بے نیاز، بہت خاموش، پرسکون (ہیں)۔ حسین چہرہ، گھنی سیاہ داڑھی، تر و تازگی گویا چہرے سے ٹپک رہی ہے۔ اس بچے کو کچھ شعور نہیں کہ اس پر کیسی قیامت گزری ہے، اس سے کتنی بڑی نعمت و دولت چھن چکی ہے اور اب زندگی کس طوفان و حوادث کی زد میں آنے والی ہے...... اس کے شعور نے جب قدم آگے بڑھائے تو اس نے خود کو ایک بزرگ شخصیت کی آغوش میں پایا۔ تقدیر نے اس کو باپ کے سایہ سے محروم کیا تو فضل رحمانی اور کرم یزدانی نے اس کا نعم البدل عطا فرمایا اور تربیت کی بہترین آغوش منتخب فرمائی......“—(ایک بے مایہ کا سفر حج، مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری، مرتبہ ام یمین، دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ، ص: ۳۳-۳۴)

اپنے جد مکرم کی کفالت و تربیت میں آنے کے بعد حضرت عمدۃ المتوکلینؒ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور ان کے ہی ظل عاطفت میں آپ نے تعلیم حاصل کرنا شروع کیا اور بیشتر کتابوں کی تعلیم ان سے حاصل کیں۔ حضرت عمدۃ المتوکلین کے دیگر اساتذہ میں ان کے شیخ و مرشد حضرت امان المستجیرین مولانا الحاج سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ، ان کے چچا حضرت سیدی و مرشدی عون السالکین مولانا الحاج سید شاہ عون احمد قادری قدس سرہٗ اور ان کے ماموں مولانا الحاج سید شاہ محمد عماد الدین قادری قدس سرہٗ شامل ہیں جن کے زیر سایہ حضرت عمدۃ المتوکلین نے فقہ و اصول، تفسیر، بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث بالاستیعاب پڑھ کر بیس سال کی عمر میں ۱۹۷۷ء میں دار العلوم مجیبیہ سے دستار و سند فراغ حاصل کی۔

اکتساب علم اور رفاتحۂ فراغ کے بعد حضرت عمدۃ المتوکلین نے اپنے اجداد کی روش کے مطابق دار العلوم مجیبیہ میں

مسند درس آراستہ کی اور علوم دینی کی تدریس کی خدمات نہایت انہماک اور ذوق وشوق سے انجام دینے لگے۔شروع میں آپ ابتدائی کتابوں کی تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا آپ نے اپنی لگن، اشتیاق و رغبت اور میل وعلاقہ کی بنیاد پر ایسی استعداد اور ایسا قریحہ پیدا کرلیا کہ منتہی درجات کی کتابیں بالخصوص صحیحین کی تدریس کی خدمات بھی آپ سے وابستہ کردی گئیں۔

تحصیل علوم نقلی و عقلی کے بعد آپ جلائے باطن اور تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہوئے۔حضرت امان المستجیرین مولانا الحاج سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر سلسلۂ قادریہ وارثیہ میں بیعت ہوئے اور اپنے شیخ و مرشد نیز اپنے چچا حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ اور ماموں مولانا شاہ عماد الدین قادریؒ کی رہبری میں استفادہ و استفاضہ اور سیر و سلوک کی منازل طے کیں۔پھر بعد میں اپنے شیخ سے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کئے گئے۔درسیات کی تکمیل کے بعد اپنے ذہنی میلان اور ذاتی شوق کی بناء پر حضرت عمدۃ المتوکلین نے حفظ قرآن کریم کی سعادت بھی حاصل کی۔

حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلینؒ کا مزاج محققانہ تھا،سطحی اور سرسری مطالعے سے اجتناب کرتے تھے۔کسی بھی علمی اور تحقیقی مسئلے میں نہایت ڈوب کر تحقیق کرتے اور علم وفضل کے دُرِ ثمین تلاش کرنے کے عادی تھے،چنانچہ آپ کے محققانہ اور عالمانہ میلان طبع کا مشاہدہ آپ کی تصانیف میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔علم وفضل میں اپنی یگانگیت اور انفرادیت کے باوجود حضرت علیہ الرحمۃ کے مزاج وسرشت میں فروتنی اور عجز وانکسار کوٹ کوٹ کر بھرا تھا،حد درجہ خاکسار اور متواضع تھے۔شخصیت میں ایسی سحر انگیزی تھی کہ دلوں کو موہ لیتی تھی اور خیال خاطرِ ہرکس وناکس ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے۔گویا کہ انھیں اپنے بزرگوں کا پڑھایا یہ سبق از بر تھا کہ

درکنز و ہدایہ نتوان یافت خدا را ❁ برصفحہ دل بین کہ کتابی بہ ازین نیست

راقم کے حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلین مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ سے بہت گہرے اور قریبی تعلقات تھے۔اپنے ذاتی مشاہدے میں راقم نے انھیں ایک بہترین عالم، لائق ترین مرشد، خوب ترین محقق، عالی ترین مقرر اور سب سے بڑھ کر نیکوترین اور زیباترین شخص پایا۔خوش خلقی، منکسر المزاجی، دائمی بشاشت وخوش روئی وابتسام ان کی طینت وسرشت میں شامل تھا، سراپا خلق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر تھے۔ہمیشہ خندہ پیشانی، کشادہ روئی اور مخلصانہ تبسم کے ساتھ ملتے۔میں نے کبھی کسی مسئلے میں انھیں غنچہ پیشانی نہ دیکھا اور نہ ہی کبھی ترش رو پایا۔ہر کہ ومہ سے نہایت خندہ پیشانی سے مسکرا کر ملتے اور وہ ملنے والا شخص کچھ ہی دیر میں ان کا گرویدہ اور ان کے اخلاق کا فریفتہ ہوجاتا۔وہ علمی مجلسیں ہوں یا ذاتی محفلیں ہر جگہ نہایت باوقار انداز میں جلوہ گر ہوتے اور ایک منفردانہ شان کے ساتھ گفتگو فرماتے۔بے تکلفانہ محفلوں میں مزاح وخوش طبعی اور علمی مجالس میں عالمانہ شان کا اظہار ہوتا۔ان سے ملنے والا ہر شخص اپنے تئیں یہ گمان کرتا کہ وہ حضرت کا بہت چہیتا ہے۔

۲-۴ مارچ ۲۰۱۶ء کو راقم نے شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک سہ روزہ بین الاقوامی سمینار ”نکہت عرفان و

شعرھای فارسی شبہ قارہ ھند“ کے عنوان سے منعقد کیا اور اس بین الاقوامی سمینار میں کلیدی خطبہ پیش کرنے کے لیے حضرت عمدۃ المتوکلین مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کو دعوت دی۔ حضرت نے از راہ کرم دیرینہ اس دعوت کو قبول فرما لیا۔ یونیورسٹی کا سمینار جس میں ہمیشہ کلیدی خطبات پیش کرنے کے لیے نام آور اور اپنے موضوع پر چیرہ دست پروفیسران کو ہی مدعو کیا جاتا رہا تھا، اس میں راقم نے ایک خانقاہی ماحول کے سر برآوردہ عالم اور صوفی و عارف کو مدعو کر لیا تھا، لہٰذا دل میں کچھ تذبذب بھی تھا۔ بہر حال وقت مقررہ پر حضرت علیہ الرحمہ تشریف لے آئے۔ ۲؍مارچ کو جلسۂ افتتاحیہ منعقد ہوا جس کی صدارت سابق وائس چانسلر لیفٹیننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ کر رہے تھے اور ایران کے کلچرل کاؤنسلر ڈاکٹر علی دھگاھی اور انجمن ارتباطات اسلامی تہران کے ڈپٹی ڈائریکٹر ڈاکٹر قہرمان سلیمانی مہمانان خصوصی تھے اور ایرانی اساتذہ، مندوبین کی حیثیت سے موجود تھے۔ حضرت علیہ الرحمہ نہایت کسر نفسی سے انگر کھا اور دوپلی ٹوپی پہنے شریک جلسہ ہوئے۔ میں نے التماس بھی کیا کہ عمامہ بھی زیب سر فرما لیا جائے لیکن حضرت نے اعتناء نہ فرمایا اور ”فارسی شعرائے ہند کے کلام میں تصوف وسلوک کے مضامین“ کے عنوان سے اپنا نہایت پر ارزش اور گراں قدر کلیدی خطبہ ارشاد فرمایا۔ حضرت کے کلیدی خطبہ کو تمام حاضرین بزم نے بہت سراہا اور حضرت کے خطاب کی بہت پذیرائی ہوئی۔

سفر و حضر دونوں میں راقم نے انھیں بہت قریب سے دیکھا تھا۔ فون پر برابر طویل گفتگو ہوا کرتی تھی، بالخصوص اگر علمی موضوع زیر گفتگو آ گیا تو یہ مدت ایک ایک گھنٹے طویل ہو جاتی۔ کچھ دنوں تک اگر اپنی مشغولیتوں کے باعث میں فون نہ کر سکا اور وقفہ زیادہ ہو گیا تو خود ہی فون کرتے اور فرماتے کہ ”بہت دنوں سے آپ سے گفتگو نہیں ہوئی تھی۔“ ایک مرتبہ فجر کے کچھ دیر بعد میں نے فون کیا۔ خلاف معمول فون ریسیو نہ ہوا۔ پھر میں نے دوسرے نمبر پر کیا تو بھی جواب ندارد تھا۔ تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد خود حضرت کا فون آیا اور فرمایا:

”آپ کا فون آ رہا تھا، میں اس وقت بخاری شریف کا درس دے رہا تھا۔ جب میں بخاری پڑھاتا ہوں تو ہر چیز سے انقطاع کر لیتا ہوں۔ ابھی فارغ ہوا ہوں تو آپ کو فون کر رہا ہوں۔“

بظاہر ہے تو یہ معمولی سی بات لیکن اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ان کے دل میں احترام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کس حد تک پیوست و جاگزیں تھا اور عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کیسا راسخ تھا کہ دوران تدریس بخاری شریف کسی طرح کے دنیاوی کام کو روا نہیں سمجھتے تھے اور نہایت یکسوئی و استغراق سے اس کام میں مشغول ہوتے تھے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے۔

بے عشق نبی جو بھی پڑھتا ہے بخاری ❁ آتا ہے بخار اس کو بخاری نہیں آتی

حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلینؒ کے ساتھ کئی بار سفر کا بھی اتفاق ہوا۔ ۲۰۰۹ء میں مجھے اپنے والد ماجد حضرت جمال المقربین مولانا الحاج سید شاہ محمد خورشید جمال قادری علیہ الرحمۃ والغفران کے ساتھ عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں

تقریباً دس دنوں کے قیام کے بعد ہم لوگ ۲۷ ؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ کو مدینہ شریف حاضر ہوئے۔ ہمارے مدینہ شریف کے قیام کے دوران حضرت مرشدی علیہ الرحمہ بھی براہ دبئی عمرہ کے لیے تشریف لائے۔ وہ براہ راست مدینہ منورہ آئے پھر وہاں کے قیام کے بعد انھیں عمرہ کے لیے جانا تھا۔ ایک دن ہم لوگ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم میں عصر کے بعد بیٹھے تھے کہ دیکھا کہ حضرت علیہ الرحمہ تشریف لائے۔ ملاقات ہوئی اور معلوم ہوا کہ حضرت اسی روز تشریف لائے ہیں۔ حضرت کا قیام دوسرے ہوٹل میں تھا اور ہم لوگوں کا قیام دوسرے ہوٹل میں۔ لیکن ہم لوگ جب تک مدینہ شریف میں رہے روزانہ عصر سے عشاء تک صحن مسجد نبوی شریف میں ایک ساتھ بیٹھتے۔ اس ملاقات کا ذکر میں نے اپنے منظوم فارسی سفرنامہ ’’تحفہ سفر السعادۃ‘‘ میں بھی کیا ہے جو کلچرل کاؤنسلر ایران کے توسط سے چھپ چکا ہے۔ یہ ملاقات اور باہم حضوری اور مواجہہ شریفہ میں ساتھ حاضری واقعاً ایک یادگار اور فراموش ناشدنی ہے۔

۲۰۱۰ء میں والدۂ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ سفر حج کی سعادت اندوزی بھی نصیب ہوئی۔ اس سفر مبارکہ میں بھی پھلواری شریف سے ہی حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلین نور اللہ مضجعہ کی ہم رکابی میسر تھی۔ بلکہ اس سفر حج میں خانقاہ شریف کے جن متعلقین و منتسبین کی معیت حاصل رہی ان میں حضرت عمدۃ المتوکلین، ان کی اہلیہ محترمہ، ان کی چھوٹی صاحبزادی، سیدی مولانا شاہ عمید الدین قادری مدظلہ، ان کی اہلیہ، شیخ زادہ سیدی منہاج بابو مدظلہ، سنجھلے چچا مولانا سید محمد محفوظ الباریؒ، چچا جناب نظام الدین رحمانی (برادر نسبتی حضرت عمدۃ المتوکلین)، نہال خالو (ہمزلف حضرت علیہ الرحمہ)، انور ماموں و خالد ماموں، (ہر دو حضرت علیہ الرحمہ کے برادران نسبتی) وغیرہ شامل ہیں۔ گویا حضرت مخدومنا تاج العارفین رضی اللہ عنہ کے نسبی و روحانی کنبے کا ایک بڑا وفد اس سفر حج میں شریک تھا۔ اس سفر مبارکہ پر ہم لوگ ۱۳؍اکتوبر ۲۰۱۰ء کو روانہ ہوئے اور ۲۳؍نومبر ۲۰۱۰ء کو واپسی ہوئی۔ تقریباً چالیس بیالیس روز کا یہ سفر یادگار سفر تھا۔ اس حیثیت سے بھی کہ فریضۂ حج کی ادائیگی ہو رہی تھی اور اس اعتبار سے بھی کہ خانوادۂ مشائخ کے نفوس بالخصوص مرشد گرامی حضرت عمدۃ المتوکلینؒ کی معیت حاصل تھی۔ چنانچہ اس سفر مبارکہ کا سرور و کیف دوآتشہ تھا۔ مکہ معظمہ میں ہم چار نفوس یعنی راقم اور اس کی والدہ اور سیدی عمید بابو اور ان کی اہلیہ جرول میں عمارت الحفائر میں پانچویں منزل پر ٹھہرے تھے اور اسی عمارت کی تیسری منزل پر حضرت مرشدی علیہ الرحمہ اور ان کے اہل و عیال قیام پذیر تھے۔ حرم شریف کی روزانہ کی عصر سے عشاء تک کی حاضری حضرت سیدی مرشدی علیہ الرحمہ کی ہم رکابی میں ہوتی تھی۔ اس سفر میں بھی حضرتؒ کی مرشدانہ سرپرستیوں اور عنایتوں نے راقم عاجز کو بالوفور سرفراز کیا۔ ۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۰ء مطابق ۹؍ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ کو ہم لوگ ایک ہی بس سے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ وہاں مرکز الیاس میں ہم سب لوگوں کا قیام تھا۔ آٹھویں منزل پر میں تھا اور چودھویں منزل پر حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلینؒ قیام پذیر تھے۔ ہم لوگ مغرب بعد دیار محبوب زمن صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہوئے تھے۔ قیام وغیرہ کے انتظامات کے بعد ہم لوگ تیار ہو کر مواجہہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں غلامی کا باج و خراج ادا کرنے

کے لیے حاضر ہوئے ۔اشکوں کے ہجوم اور گریہ زاری کے انبوہ میں حضرت جامیؒ کے اس شعر کے

یا شفیع المذنبین بارگناہ آوردہ ام ۞ بردرت من بار با پشت دوتاہ آوردہ ام

کا مصداق بنے کافی دیر تک حاضر رہے اور عرض ومعروض کا سلسلہ جاری رہا۔غلامی کا ہدیہ،صلوٰۃ وسلام کی شکل میں پیش کرنے کے بعد ہم لوگ صفّہ کے قریب آئے اور حضرت عمدۃ المتوکلینؒ کی رہبری میں دیر تک ایستادہ دعاؤں میں مشغول رہے۔دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرتؒ مئذنہ بلالی کے قریب بالین مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور اس راقم آثم پر ان کی خاص عنایتیں ہوئیں اور وہیں بیٹھ کر حضرتؒ نے اس گنہگار کو ’’دلائل الخیرات‘‘ اور ’’الباقیات الصالحات‘‘ کی اجازت مرحمت فرمائی۔قارئین باذوق کے لیے ذیل میں اجازت نامہ کی نقل پیش ہے:

’’بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی فضلنا بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم علی سائر الامم والصلوۃ والسلام علی من انزل فیہ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ، وعلی من انزل فی شانہ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا النبی العربی المکی المدنی التہامی القرشی الہاشمی مالک رقاب الامم سید العرب والعجم وعلی الہ صحبہ وبارک وسلم

ان العزیز الصالح السعید السید اسد علی خورشید القادری المجیبی قد طلب منی الاجازۃ ’’لدلائل الخیرات و شوراق الانوار‘‘ و ’’الباقیات الصالحات فی الصلوات علی سید الکائنات‘‘ اولھما للشیخ العارف باللہ السید محمد بن السید سلیمان الجزولی الحسنی قدس سرھما و اخرھما من تالیف سیدنا الامام بدر الکاملین فیاض المسلمین السید الشاہ محمد بدر الدین القادری الفلواروی قدس سرہ ...وکنت مجاوراً فی الحرم النبوی الشریف ومشاھدا الی الروضۃ المنیفۃ لتقر عَینَیَّ، عقیب الصفۃ - فاجزتہ اجازۃ عامۃ فلہ ان یداوم الصلوۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ھذین الکتابین المذکورین و یجیز ھما لمن شاء۔ اسال اللہ العظیم ان ینفعہ بالصلوۃ علی النبی الکریم صلی اللہ علیہ والہ و اوصلہ الی کمال القرب والحضور عند الحبیب اللبیب علیہ التحیۃ والتسلیم و ازدادہ حباً و شوقاً الیہ صلی اللہ علیہ وسلم و ارجوا من العزیز السعید ان لا ینسانی فی دعاءہ عقیب تمام الدلائل و الباقیات- والحمد للہ اولاً و اخراً ظاھراً و باطناً۔

الحقیر الفقیر المفتقر الی اللہ

محمد فضل رسول زینبی الشھیر ھلال احمد

۹/ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ

فی المسجد النبوی الشریف زادھا اللہ شرفاً و تکریماً

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ہی ایک دن ہم مسجد نبوی شریف میں ایک صف میں سنتوں سے فارغ ہو کر ظہر کی جماعت کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ حضرت مرشدی علیہ الرحمہ نے مجھے اشارے سے اپنی بغل میں بلا کر بٹھالیا اور وہیں بیٹھے بیٹھے اس حال میں کہ گنبد خضرا پیش نظر تھا مجھے شغل درود کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ہم لوگ تقریباً نو روز مدینہ طیبہ کی پرنور فضاؤں میں رہے اور تقریباً روزانہ حضرت علیہ الرحمہ کی ہم رکابی میں مواجہہ اقدس میں حاضر ہو کر صلوۃ وسلام کی سعادتوں سے سرفراز ہوتے رہے۔ حضرت کے ساتھ جب بھی صلوۃ وسلام کے لیے حاضری ہوتی تو حضرت علیہ الرحمہ پر بے حد گریہ طاری ہوتا۔ ایک دن میں نے صلوۃ وسلام کا جواب سماعت کرنے والے خوش نصیبوں پر رشک کرتے ہوئے اس موضوع کو چھیڑا تو حضرت عمدۃ المتوکلین ؒ نے فرمایا:

''صلوۃ وسلام کا جواب سماعت کرنا ہم جیسوں کا مقدر نہیں ہمارا تو صرف سرکار دو جہاں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ سے ان کی نگاہ پاک کے سامنے سے گزر جانا ہی سرمایہ سعادت ہے۔''

مدینہ منورہ کے قیام کے بعد ہم لوگ مکہ معظمہ واپس آئے اور پھر جب ایام حج قریب آئے تو ساتھ منیٰ کو روانگی شارع سوق العرب میں خیمہ نمبر ۱۱؍ میں ایک ساتھ قیام، منیٰ میں حضرت علیہ الرحمہ کی اقتدا میں نمازوں کا سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ وقوف عرفہ کا دن آ پہنچا۔ نصف شب کے بعد سے ہی خیمہ سے لوگوں کو میدان عرفات لے جایا جانے لگا۔ اس وقت بہت بھیڑ تھی اس لیے ہم لوگوں نے رات میں آرام کرنے اور نماز فجر کے بعد عرفات روانگی کا پروگرام بنایا۔ نماز فجر کے بعد جب ہم لوگ اپنے مکتب الخدمۃ ۷۲ کی معینہ بس کے پاس پہنچے تو وہاں بہت بھیڑ تھی اور صرف دو تین بسیں تھیں۔ اس لیے ہم لوگوں نے منیٰ کے شارع سوق العرب سے عرفات تک پیدل جانے کا ارادہ کیا اور نکل پڑے۔ یہ فاصلہ تقریباً تیرہ کلو میٹر کا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ فجر کے بعد روانہ ہو کر دوپہر کے دو، ڈھائی بجے پاپیادہ ہلکان و پریشان عرفات پہنچے۔ وہاں پہنچ کر ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔ حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ والغفران نے وہیں میدان عرفات میں راقم آثم کو زبانی ''استغفار منقذۃ من النار'' تالیف حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس طرح اس سفر حج میں حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلین قدس سرہ العزیز کی اس حقیر پر بڑی نوازشیں اور عنایتیں رہیں۔

پھر سیدی و مرشدی عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ کی ہم رکابی میں جولائی ۲۰۱۹ء میں عراق کے سفر کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ بغداد شریف، کربلا معلی، نجف اشرف، سلمان پاک، مدائن اور کوفہ وغیرہ کے مقامات مقدسہ کی حاضری اور باز دید کا موقع ملا۔ ہر جگہ حضرت علیہ الرحمہ کی مرشدانہ رہبری حاصل رہی، خصوصاً آستانۂ حضرت سیدنا غوث الثقلین رضی اللہ عنہ، کربلائے معلی اور نجف اشرف کی حاضریاں حضرت ؒ کی سربراہی میں بڑی روح پرور اور فیض بخش رہیں۔ راقم آثم نے اس سفر عراق کا ایک مفصل سفرنامہ ''مرا چون گذر بر عراق اوفتاد'' کے عنوان سے قلم بند کیا ہے جو متواتر

قسط وار المجیب میں شائع ہو رہا ہے اور جلد ہی کتابی شکل میں ان شاء اللہ دستیاب ہوگا۔ اس سفرنامہ کا مقدمہ حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ والغفران کو لکھنا تھا اور انھوں نے وعدہ بھی فرمایا تھا لیکن قزاق اجل نے مہلت نہ دی اور حضرت نے سفر آخرت اختیار فرما لیا ع

مادر چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

یہ تو تھیں حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ والغفران کے ساتھ راقم کی سفر و حضر کی کچھ یادیں۔ آئیے اب ذرا حضرتؒ کی علمی فتوحات پر اجمالاً ایک نظر ڈال لیں کہ نصف صدی سے کم پر محیط اپنی علمی و قلمی زندگی میں حضرتؒ نے دامن علم و تحقیق میں کیسے کیسے مروارید و مرجان شامل کر کے اپنی تحقیقی صلاحیت خداداد کا نقش مرتسم کیا ہے۔

یوں تو حضرت مرشدی ہلال بابو علیہ الرحمہ نے اکتساب علم سے فراغت کے بعد ہی قلم سے اپنا تعلق پختہ کرنا شروع کر دیا تھا اور فتاویٰ و دوسرے علمی مضامین ان کے خامۂ گہربار سے تراوش کرنے لگے تھے، لیکن ان کی پہلی مستقل تصنیف ''سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ العزیز'' ہے۔ ۱۹۸۵ء میں حضرت علیہ الرحمہ کے شیخ و مرشد حضرت امان المستجیرین مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس اللہ سرہ نے وصال فرمایا۔ حضرت مرشدی علیہ الرحمہ نے اپنے شیخ کے سوانحی حالات پر مشتمل اس کتاب کی تصنیف کا کام ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں شروع کر دیا تھا لیکن بعض موانع کی بنیاد پر یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں کسوت طباعت سے آراستہ ہو سکی۔ اگرچہ یہ کتاب تصنیف و تالیف کے میدان میں ان کا کام اول تھی اور نقش اولین کی مانند منصۂ شہود پر آ رہی تھی لیکن اس کے باوجود حضرتؒ نے اس سوانحی کتاب کا جو خاکہ متعین کیا تھا اور جس طرح استناد کے ساتھ یا اپنے مشاہدوں کی بنیاد پر اس کتاب میں مواد فراہم کیے ہیں وہ ان کی ذہنی پختگی کی علامت ہے اور خواہ زبان و بیان ہو، خواہ ترتیب ان میں بہت حد تک ہم آہنگی نظر آتی ہے۔

''سوانح حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری'' کا مقدمہ مولانا عبداللہ عباس ندوی پھلواروی، سابق استاذ جامعہ ام القریٰ، مکہ معظمہ نے تحریر کیا ہے۔ اپنے مبسوط مقدمہ میں حضرت عمدۃ المتوکلینؒ کے کم سنی میں قابل ذکر قریحہ و استعداد کی تحسین و آفرین کرتے ہوئے مقدمہ نگار نے لکھا ہے:

> ''اس سوانح کے مرتب برادر مخدوم مکرم مولانا شاہ عون احمد قادری مدظلہ کے حقیقی بھتیجے ہیں اور خانقاہ مجیبیہ کے ہونہار نوجوان ہیں۔ انھوں نے جب مجھ سے اپنی تالیف پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی ضخیم کتاب تالیف کر چکے ہیں۔ سوانح نگاری کے اصول پر یہ کتاب پوری اترتی ہے۔ مفید حواشی بھی ہیں جس میں ان تمام شخصیات کے مختصر حالات آ گئے ہیں جن کا صاحب سوانح سے تعلق تھا۔ ان میں خود ان کے والد ماجد مولانا شاہ عین احمد مرحوم بھی تھے (جو) اپنے خاندان کے لیے دولت مستعجل ثابت ہوئے۔ اللہ کی مرضی، عین جوانی میں وفات پا گئے۔ بہت ہی ہونہار، ذی علم اور صاحب استعداد تھے۔ مصنف کو اللہ نے ان کا بدل بنایا ہے ابقاہ اللہ وحفظہ۔ انھوں نے اس کتاب کو صرف

صاحب سوانح کی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ پورے خاندان کا جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرقع پیش کر دیا ہے جس میں بعد کے مقالہ نگاروں و مصنفین کو کام کی چیزیں ملیں گی اور وہ اس کو علمی ماخذ کے طور پر استعمال کریں گے“

—(سوانح حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی، ہلال احمد قادری، مقدمہ مولانا عبداللہ عباس ندوی ص ۹-۸)

حضرت مخدومی علیہ الرحمہ کی ایک دوسری تصنیف ”سیرت پیر مجیب“ ہے۔ اس تصنیف کو حضرت کی شاہکار تصنیف قرار دیا جاسکتا ہے۔ حضرت مرشد گرامیؒ نے یہ کتاب بانئ خانقاہ مجیبیہ حضرت اقدس سیدنا و مولانا مخدوم زماں نائب رسول اللہ تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ قادری رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ اور سیرت پر نہایت مبسوط اور ضخیم تصنیف فرمائی ہے۔ یہ کتاب صرف حضرت تاج العارفین کے ذکر کا منبع نہیں ہے بلکہ اپنی اہمیت و افادیت کے اعتبار سے ایک انسائیکلو پیڈیا کی شکل اختیار کر گئی ہے جس میں حضرت مصنف نے پھلواری شریف کی تاریخ کے علاوہ حضرت تاج العارفین سے قبل کے بزرگان کے احوال، حضرت تاج العارفین کے احوال و کوائف، سلسلہ قادریہ کی ہندوستان میں آمد و اشاعت، مختلف سلاسل کی نسبت سے ان کے سرخیل بزرگوں کے احوال، خانقاہ مجیبیہ کی بنیاں گزاری، حضرت تاج العارفین کے خلفا و مجازین کے احوال اور معاصر علما و مشائخ کے تذکروں کی استناد اور تحقیق کے ساتھ جمع آوری فرما کر اس کو مرجع اور مصدر کی حیثیت عطا کر دی ہے۔ اس کتاب میں حضرت کی محققانہ صلاحیتوں کی بہترین عکاسی نظر آتی ہے اور ان کے مبلغ علمی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

سیرت پیر مجیب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس کتاب میں شامل حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کی تقدیم سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں اپنی تقدیم میں مولانا عبداللہ عباسؒ مصنف کتاب حضرت عمدۃ المتوکلین علیہ الرحمۃ والغفران کی اس کاوش جگر کی تحسین و آفرین کرتے ہوئے راقم ہیں:

”پیش نظر کتاب (سیرت پیر مجیب) کے مؤلف اسی چمن کے گل نورستہ ہیں۔ عزیز گرامی مولوی شاہ ہلال احمد سلمہ اللہ اپنے جواں مرگ والد مولانا شاہ عین احمد مرحوم کی یادگار، اپنے جد امجد امام المتقین مولانا شاہ نظام الدینؒ کی آغوش تربیت کا نمونہ ہیں۔ اپنے چچا مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کے دست گرفتہ اور مجاز ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا ذوق فطری بھی ہے اور اکتسابی بھی۔ جب ان کی پہلی کتاب ”سوانح مولانا شاہ امان اللہ قادری“ دیکھی تھی تو اس عاجز کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ یہ بزرگوں کی کرامت ہے کہ اس دور میں اور خانقاہ کے محدود ماحول میں رہ کر شگفتہ زبان میں سلیقہ کے ساتھ بغیر کسی مدد کے ایک کامیاب سوانح پیش کر سکتے ہیں۔ اب عزیز موصوف نے اپنا ایک فرض ادا کیا ہے اور ہم جیسے ناکاروں کے سر سے ایک قرض اتارا ہے کہ حضرت تاج العارفین کی سوانح مرتب کر ڈالی جو ابھی تک نہیں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب بزرگوں کی کشف و کرامات اور محیر العقول داستان کی طرح واقعات کی کھتونی نہیں ہے یا سنی سنائی روایات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ مستند حالات و واقعات کا مجموعہ ہے، جس کی حیثیت ایک کامیاب ریسرچ کی ہے۔ یہ ایک تحقیقی کتاب ہے جو

حوالوں کے کام آئے گی۔ اس سے مصنفین فائدہ اٹھائیں گے، سلسلہ کے وہ افراد جن کو علوم سے دلچسپی نہیں ہے وہ صرف تبرک سمجھ کر اس کو الماری میں سجائیں گے، لیکن اہل علم اس سے اپنی آنکھیں روشن کریں گے‘‘۔— (سیرت پیر مجیب، ہلال احمد قادری پھلواروی، تقدیم عبداللہ عباس الندوی، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، ص ۳-۲)

حضرت مرشدی نوراللہ مرقدہ کی ایک اور قابل قدر اور بیش قیمت تصنیف ’’خانوادۂ سیدہ زینب‘‘ بھی ہے۔ یہ کتاب بھی حضرتؒ کی اعلیٰ تحقیقی صلاحیتوں کا بہترین نمونہ ہے جس میں حضرت نے دلائل و براہین اور کہنہ و قدیم اور نایاب مصادر سے تحقیق کر کے حضرت سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے نسب کی بقا اور ان کی نسل کے جاری ہونے کو ثابت کیا ہے اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے نسل زینب کے انقطاع کے دعویٰ کو باطل ٹھہرایا ہے۔ کتاب ’’خانوادۂ سیدہ زینب‘‘ علم و ادب اور تاریخی تحقیق میں حضرت کا ایک نہایت وقیع اور گراں قدر کارنامہ اور اضافہ ہے۔

حضرت کی تصنیفات و تالیفات کے ضمن میں ’’نغمات الانس فی مجالس القدس‘‘ اور ’’القول السدید لدفع المتعصب العنید‘‘ کا نام بھی شامل ہے۔ پہلی کتاب تو اساتید شعر وسخن کے ان کلاموں کا مجموعہ ہے جو خانقاہ مجیبیہ کی سماع کی مجلسوں میں قوالوں کے ذریعہ گائے جاتے ہیں۔ جب کہ دوسری کتاب میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ذریعہ، خانقاہ سے منسوب بعض گمراہ کن دعووں کا رد و ابطال کیا گیا ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی ایک تحقیقی اور پر از معلومات تصنیف ’’یزید حقائق کے آئینے میں‘‘ بھی ہے جو دارالاشاعت سے ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب حضرتؒ کے عشق اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حاکی ہے اور اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی بھی ناحق اور باطل وغیر عادلانہ علمی مبحث پر وہ بے چین ہو جاتے تھے، پھر اظہار حق کے لیے حتی الامکان سعی فرماتے۔ چنانچہ یہ کتاب بھی اسی مزاج اور سرشت اور حب اہل بیت کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی۔ چنانچہ عرض مؤلف میں حضرتؒ نے اس تالیف کے سبب کی جانب اشارہ کر دیا ہے کہ اخبار میں پھر اس طرح کا فتنہ سال گذشتہ نظر آیا۔ لہٰذا میں نے ان حالات میں یہ حقیر سی سعی، احقاق حق کی کی ہے اور ضرورت کے اعتبار سے اختصار اور استدلال کے ساتھ سنجیدہ پیرائے میں حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ حضرت عمدۃ المتوکلین نے اس کتاب میں یزید کے سیاہ کارناموں کے مدلل بیان کے ساتھ اس کے فسق و فجور اور اس کے ملعون ہونے کو ثابت کیا ہے اور علمائے حق مثلاً امام غزالی، امام احمد بن حنبل، امام کردری، ائمہ بخارا، ابن جوزی، مجدد الف ثانی، ملا بحر العلوم، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز اور علامہ ابن کثیر وغیرہ کی آراء بھی پیش کر دی ہیں۔

ان مستقل تصنیفات و تالیفات کے علاوہ حضرت علیہ الرحمہ تواتر کے ساتھ علمی و تحقیقی مضامین لکھتے رہتے تھے۔ مضامین کی شکل میں ان کے رشحات قلم کا ایک نمونہ ان کا سفرنامۂ حج ہے جو ’’ایک بے مایہ کا سفر حج‘‘ کے عنوان سے سلسلہ وار سہ ماہی

المجیب میں ’’رجل من المسلمین‘‘ کے قلمی نام سے شائع ہوتا رہا اور حضرت مرشد گرامیؒ کی لائق و فائق صبیہؒ اولی نے ’’ام یمین‘‘ کے قلمی نام سے اپنے نہایت مفید اور ادیبانہ مقدمہ کے ساتھ کتابی شکل میں دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے شائع کر کے حضرت علیہ الرحمۃ کو بہترین خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ گرامی قدر مرتبہ نے اپنے پیش گفتار میں اس سفرنامہ کے متعلق جو اظہار خیال کیا ہے وہ نہایت نپا تلا اور مبنی بر حقیقت ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

’’اس سفرنامے میں انہوں نے (حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلین نے) عشق اور آداب عشق، وارفتگی و نیازمندی کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ شاید ہی آپ کو کہیں نظر آئے۔ سفرنامہ کا جو بھی صفحہ الٹیے تحریر سے حب الٰہی، حب مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حب اہل بیت علیہم السلام جھلکتا ہے۔ اس میں نہ صرف حج و مناسک کے اصول و ہدایات اور عازمین حج کے لیے رہنمائیاں ہیں بلکہ یہ متفرق حیثیتوں کی عمدہ جامعیت ہے۔ اس میں غالباً وہ سب کچھ ہے جس کی حاجی کو اپنے سفر کی مختلف حالتوں میں ضرورت پیش آتی ہے۔ سفر کی ضروری ہدایات، سفر کے وسائل، سواری، مکانات، حج و مناسک کے واضح اور مدلل مسائل، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے شہری حالات، روحانی مناظر و مشاہدات اور وہاں کے ضروری آداب، مصنف کے ذاتی تجربات و کیفیات یہ تمام اس سفرنامہ میں موجود ہیں۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، احسان و تصوف، ادب و انشا سے مزین اور عشق حقیقی کے سوز و ساز سے لبریز باباجانؒ کے اس سفرنامہ میں ایک سحرانگیز تازگی اور شگفتگی ہے۔ اگر اس کو شغف و انہماک سے پڑھا جائے تو اس کے مختلف مباحث میں اس کے مصنف کہیں مفسر، کہیں محدث، کہیں فقیہ، کہیں صوفی، کہیں ادیب نظر آئیں گے‘‘۔ — (ایک بے مایہ کا سفر حج، عمدۃ المتوکلین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری، ترتیب و تدوین ام یمین، ص ۱۳-۱۲)

حضرت علیہ الرحمۃ کا یہ سفرنامۂ حج زبان و بیان کی شستگی اور جزالت و سلاست اور برمحل چست و درست استشہاد اور تلمیحات کی بنیاد پر ایک بہترین ادبی کاوش شمار کیا جا سکتا ہے جس میں ثقہ اطلاعات قاری کے لیے مشعل راہ ہیں۔

حضرت علیہ الرحمۃ کا ایک اور سلسلہ وار تحقیقی و علمی مضمون ’’حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے آثار و علامات‘‘ کے عنوان سے کئی قسطوں میں سہ ماہی المجیب میں شائع ہوتا رہا ہے۔ یہ محققانہ اور عالمانہ مضمون اپنے عنوان کے اعتبار سے منفرد نوعیت کا ہے جس میں صاحب مقالہ نے نہایت استناد اور دلائل کے ساتھ موضوع سے متعلق مباحث بیان فرمائے ہیں۔ کتاب و سنت اور سلف صالحین کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے خاندان کی وہ روایات و مراسم جو حب نبوی اور عشق رسول ﷺ پر دال اور احترام و پاسداریِ کمال رسالت پناہی کی حاکی ہیں، بیان کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ حب و عشق مصطفوی کے علائم و آیات کیا ہیں اور ان کے اسلاف صالحین احترام شئون نبوت میں کیسے محتاط اور مآل اندیش تھے۔ آج کے مادہ پرست دور میں حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرقت و حرارت میں جو تقصیر و اہمال کی صورت پیدا ہوئی ہے اس زہر کو دفع کرنے کے لیے حضرت علیہ الرحمۃ کا یہ مضمون تریاق

اور نو شدار و کی حیثیت رکھتا ہے۔محبت کی تعریف وتوضیح کرتے ہوئے ابتداء مقالہ میں حضرت راقم ہیں:

''محبت دراصل ان چیزوں کی طرف دل کا مائل ہونا ہے جو آدمی کو اس کی طبیعت اور مزاج کی بناء پر اچھی لگتی ہوں اور موافق ہوں۔یہ موافقت دو طرح کی ہوتی ہے۔یا تو وہ فرحت بخش اور لذت آمیز چیزیں ہوں مثلاً حسن،صورت میں ہو یا آواز میں ہو،اچھے کھانے،عمدہ مشروبات وغیرہ۔بہت سی چیزیں ہیں جو ہر باذوق کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اور آدمی کو محبوب ہو جاتی ہیں۔

یا وہ ایسے اشخاص ہوں جن کی سیرت و اخلاق کی خوبیاں دل کو مائل کریں اور ان کی محبت دل میں پیدا ہو جائے۔یہ محبت جب گہری ہوتی ہے تو محبت کرنے والے کے اندر عصبیت اور حمیت پیدا کرتی ہے۔

یا میلان قلب کا سبب احسان و انعام ہو،کسی کے احسان کی بناء پر اس کی طرف دل مائل ہو جائے کیوں کہ محسنین کی طرف طبیعت کا جھکاؤ انسانی فطرت و جبلت ہے۔

یہی تین صورتیں محبت پیدا ہونے کا سبب ہیں۔علامہ قاضی عیاض مالکی نے ''شفا'' میں محبت کی یہی تشریح کی ہے۔بہ نظر حقیقت دیکھا جائے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تینوں صورتوں کو مکمل طور پر جامع ہے۔

آپ کا جمال ظاہری بے مثال ہے،تو جمال باطنی بے نظیر،پوری انسانیت آپ کے احسانات عظیم سے زیر بار ہے اور یہ الگ موضوع ہے،اس کے لیے ان صفحات میں گنجائش نہیں۔بہر حال اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہی کی ذات والاصفات محبت کیے جانے اور محبوب بنائے جانے کے لائق ہے۔شرعاً تو آپ سے محبت فرض ہے،عقلاً اور طبعاً بھی محبوبیت کے منصب پر آپ کے سوا کوئی دوسرا قدم رکھنے کے لائق نہیں''—(سہ ماہی المجیب،حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے آثار وعلامات،مولانا شاہ ہلال احمد قادری،قسط اول)

حضرت علیہ الرحمۃ اپنے اس مضمون میں آگے چل کر حالات زمانہ اور بدعقیدہ فرقوں کے پھیلائے ہوئے فتنوں کی بنیاد پر عشق وحب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کاہش و تقلیل پر،اسف اور نکوہش کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں کہ:

''زمانے کے بدلتے ہوئے حالات و رجحانات اور مادیت کے طوفان بلاخیز نے عصر حاضر میں رسالت پناہی ﷺ سے محبت وعظمت میں وہ گرمی باقی نہیں رہنے دی ہے جس کی ضرورت ہے۔فرقہ ہائے ضالہ خوارج ونواصب نے مقام نبوت کو گھٹانے اور توحید کے پردے میں عظمت شان رسالت کی تنقیص میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی کہ نبی ہمارے جیسے بشر ہیں،یا ہمارے برابر ہیں۔صحابہ کا شب و روز کا ساتھ تھا لیکن جب ملتے تو ذوق وشوق اور عشق ومحبت کی وہ کیفیت ہوتی کہ گویا برسوں کے بعد مل رہے ہیں۔تعظیم وتوقیر کا یہ عالم تھا کہ آپ کے لعاب دہن اور غسالہ وضو تو کجا؟ قارورات کو بھی پاک ومطہر سمجھتے تھے،آپ کا قارورہ

پی لینے کی روایت موجود ہے۔ یہ عمل ایک صحابیہ کا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے اس عمل پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ اس لیے علمائے حق کا فیصلہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فضلات وقارورات پر ناپاکی کا حکم نہیں لگایا جاسکتا''۔۔۔(ایضاً، ساتویں قسط جنوری تا مارچ ۲۰۱۴ء)

حضرت عمدۃ المتوکلین کا ایک رسالہ کا حجم رکھنے والا یہ مدلل و مفصل مضمون حب نبوی کی بادۂ ناب سے سرشاری اور قلب و روح کے ساکت و جامد سمندر میں ارتعاش اور تلاطم و تموج پیدا کرنے کے لیے ممد و معاون ہے اور اس قندیل تاباں کی روشنی میں عشق رسول میں شوریدگئ بلال سے حصہ پایا جاسکتا ہے۔

حضرت مرشد گرامی متعنا بفیوضہ کا ایک اور نہایت عالمانہ اور محققانہ مضمون جو قسط وار سہ ماہی المجیب کے زینت صفحات ہوا وہ ''امام ملت و دیں، آفتاب شہر و دیار'' ہے۔ یہ مبسوط اور گرانقدر مضمون حضرت اقدس سیدنا الامام فیاض المسلمین بدر الکاملین مولانا الحاج سید شاہ محمد بدر الدین قادری قدس سرہ العزیز کے عالمانہ و فاضلانہ تشخص اور جلالت و شوکت کا حاکی اور بیانگر ہے۔ اس عالمانہ مضمون سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت فیاض المسلمین کی ذات بابرکات علم و فضل، حکمت و دانش اور عرفان و معرفت میں اپنے زمانے کی کیسی نادر و نایاب اور نغز و بدیع شخصیت تھی۔ حضرت علیہ الرحمہ کا ایک رسالے سا حجم رکھنے والا یہ عالمانہ مضمون حضرت فیاض المسلمین کی علمی وجاہت و سطوت کو سمجھنے اور ان کے مبلغ علمی کے درک میں بہترین مشعل راہ ہے اور حوالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے ''سیرت پیر مجیب'' کے طرز پر حضرت اقدس فیاض المسلمین قدس سرہ کے احوال و آثار اور عرفان و تصوف میں ان کی رشاقت و خوش قامتی کا تفصیلی ذکر قلم بند کرنے کا بھی ارادہ فرمایا تھا اور ان کی ڈائری سے اس کتاب کا ایک خاکہ حضرت زیب سجادہ پیر مجیب مولانا الحاج سید شاہ محمد آیت اللہ قادری زید مجدہ کی عنایت سے راقم کے باصرہ نواز ہوا تھا لیکن حضرت ابھی اس کام کو شروع بھی نہیں کر پائے تھے کہ سفر آخرت اختیار فرمالیا اور زبان حال سے یہ فرما گئے۔

سرآمد روزگار این فقیری
دگر دانای راز آید کہ ناید؟

جناب حضور زیب سجادہ پیر مجیب حضرت مولانا الحاج سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی سے راقم درخواست کرتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کے ان دونوں مضامین یعنی ''حب نبوی اور اس کے آثار و علامات'' اور ''امام ملت و دیں، آفتاب شہر و دیار'' کو دارالاشاعت کے اشاعتی منصوبے میں شامل فرما کر انھیں عمومی استفادے کے لیے کتابی شکل میں شائع کرنے کی جانب بھی توجہ فرمائیں تا کہ انتفاع کی دیرپا اور عام صورت قائم ہوسکے۔

حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلینؒ کو سخن گوئی و سخن سنجی کا بھی بہترین ذوق و قریحہ ودیعت ہوا تھا۔ چنانچہ خود شعر کہتے بھی تھے اور شعرا کے کلام پر اظہار نظر بھی فرماتے تھے۔ ان کے شاعرانہ مذاق پر ان کی تالیف ''نغمات الانس'' بین دلیل ہے جس

میں انھوں نے خانقاہ مجیبیہ کی سماع کی مجالس میں گائے جانے والے اساتذہ کے عربی و فارسی کلام کو یکجا فرما دیا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نعتیہ اور منقبتی شاعری کرتے تھے۔ ان کا کلام اگر چہ کمیت کے لحاظ سے مختصر ہے لیکن کیفیت اور سرور و وجد میں بہت بڑھ کر ہے اور اساتذہ سی پختگی کا آئینہ دار ہے۔ ذیل میں عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی ایک نعت سے نمونتاً کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ رسولِ ختمی مرتبت کوئی ان سا رتبہ رسا نہیں ❁ وہ خدا نہیں بخدا مگر وہ خدا سے اپنے جدا نہیں
وہ بشر بھی ہیں وہی نور بھی، ہے انہی سے سب کا ظہور بھی ❁ جو بشر کہیں تو خطا نہیں، کوئی ہم سا کہدے روا نہیں
وہ علیمِ غیب و خبیر ہیں، وہی شانِ رب قدیر ہیں ❁ ہیں یہ رب کی ان پہ عنایتیں کوئی شک بھی اس میں ذرا نہیں
وہ تمام جلوۂ ذات حق، وہ صفات رب کا کمال ہیں ❁ کسے ہمسری کی مجال ہے، کوئی ہمسر ان کا ہوا نہیں
جو نبی کہیں وہ خدا کرے، یہ عجیب شانِ حبیب ہے ❁ ہو قضا کا تیر بھی بے اثر جو کماں سے ان کے چلا نہیں
وہ کبھی مَلک وہ کبھی بشر، وہ کبھی ہیں دونوں سے ماورا ❁ وہ عیاں بھی ہیں وہ نہاں بھی ہیں، یہ حقیقت ان کی پتا نہیں
وہ دوامِ ذاتِ حبیب ہے کہ فنا کا اس میں گذر نہیں ❁ جو فنائے عشق حبیب ہے، تو بقا ہے اس کو فنا نہیں
جو ادب کی حد سے گذر گیا، نہیں دین اس کے نصیب میں ❁ یہ وہ فضل خاصِ کریم ہے، کسی بے ادب کو ملا نہیں
وہی کم نظر وہی در بدر وہی دین حق سے ہے دور تر ❁ جو نبی کے رتبے سے بے خبر، جو درِ نبی پہ جھکا نہیں
یہ کرم حضور ہے آپ کا کہ گذر رہی ہے یہ زندگی ❁ ذرا غمزدوں پہ نظر رہے، کوئی غم بھی ہم سے جدا نہیں

یہ ہلالؔ کشتۂ عشق ہے، یہ قتیل ہجر و فراق ہے
وہ حبیب اِس کے طبیب ہیں، کہیں اور اِس کی شفا نہیں

ایک اور نعت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو دراصل خانقاہ مجیبیہ کے ایک استاد شاعر کے کلام پر تضمین ہے، وہ بھی سرور و کیف سے لبریز ہے۔ پہلے اصلی شاعر کے اشعار ملاحظہ ہوں پھر حضرت علیہ الرحمہ کی تضمین:

مرا دل ہی نہیں قرباں، مری جاں ہی نہیں صدقے ❁ دو عالم آپ پر یا رحمۃ للعالمین صدقے
ترے الفقر فخری پر شہا میں ہی نہیں قرباں ❁ جنید و شبلی و عطار، تاج العارفین صدقے

اب حضرتؒ کی تضمین کے اشعار ملاحظہ ہوں:

جہانِ حسن و خوبی میں نہیں تم سا حسیں کوئی ❁ ترے اس روئے روشن پر تو یوسف سے حسیں صدقے
سوادِ موئے گیسو پر ترے قرباں شب ہجراں ❁ بیاض رخ پہ تیرے صبح کی روشن جبیں صدقے
لب لعلیں کا صدقہ ہے یہ اعجاز دم عیسیٰ ❁ مسیحائی ہو قرباں تم پہ، ہوں روح الامیں صدقے
قد زیبا پہ ہے آقا ترے سرو چمن قرباں ❁ ہے طوبیٰ بھی قد دلجو پہ تیرے بالیقیں صدقے

عنادل ہیں چمن میں خوش بیانی پر ترے شیدا ❁ لب شیریں پہ ہیں قند و نبات و انگبیں صدقے
ترے اس بوریائے خواب راحت پہ شہ عالم ❁ ہزاروں کشور و تخت شہاں، تاج و نگیں صدقے
تیری اس شان عالی کے مناسب ہی نہیں کچھ بھی ❁ کہ ہو تم پر مرے سلطاں، مرے اے دلنشیں صدقے
ترا علم لدنی باعث صد رشک ہے شاہا ❁ کہ ہیں جس پر علوم اولین و آخریں صدقے
معطر جن کی خوشبو سے مشام جاں ہے اس بو پر ❁ گلاب و عود و صندل، نافہ ہائے عنبریں صدقے
ہلالؔ کمتریں جس کی عبادت ہے ثنا تیری ❁ ہوا قربان تم پہ کر کے یہ قلب حزیں صدقے

مذکورہ بالا نمونوں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کو سخن گوئی و سخن سنجی میں نہ صرف یہ کہ دسترس حاصل تھی بلکہ کامل مہارت تھی۔ اگرچہ شاعری ان کا مشغلہ نہ تھا اور انھوں نے بہت زیادہ کلام نہیں کہے ہیں، لیکن جو کچھ کہا ہے وہ پوری استادانہ مہارت کے ساتھ کہا ہے۔ انھوں نے نعت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مناقب اہل بیت کی ہی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور عشق رسول اور اہل بیت اطہار کی محبت ہی ان کا حرز جاں تھی۔

مختلف موضوعات پر حضرتؒ کی علمی میراث اور شاعرانہ اثاثے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم و فضل کا ایک کمیاب جوہر اور ملکہ عطا فرمایا تھا اور چار دہائیوں سے کچھ زیادہ کی اپنی علمی و ادبی زندگی میں انہوں نے اپنی استعداد اور صلاحیتوں کا بیش بہا نقش مرتسم فرمایا ہے اور علم و عرفان دونوں میدانوں میں شہسواری دکھائی ہے۔ وہ تشخص کی سحر انگیزی اور طلسم ہو یا علم و فضل و کمال کی نیرنگی و افسونی، وہ پیر و مرشد یا مربی کی حیثیت سے جلوہ نمائی ہو یا خطیب و واعظ کی حیثیت سے منبر رسول پر بزم آرائی ہر جگہ ایک جلال و حشمت منفردانہ کے ساتھ حضرت مرشدی عمدۃ المتوکلین نور اللہ مرقدہ نے اپنے تب و تاب کا ایک دل آویز نقش یادگار چھوڑا ہے۔

جذبات دلی شبدیز قلم کو مہمیز کرتے رہے اور گفتگو طویل ہوگئی، لیکن اب وقت ہے کہ رہوار خامہ کو لگام لگائی جائے اس لیے راقم حضرت علیہ الرحمہ کی شان میں اپنے اس تازہ مرثیہ کے ان اشعار پر اپنی باتیں ختم کر رہا ہے:

حیف! رفت از میکدہ آن ساقیِ مینا بدوش ❁ رندگان محروم لطفش گشتہ می آرند خروش
مئی بنوشیدند دستش مئی گساران دمبدم ❁ پیالہ نوشان پُر خمار، از مہر آن بادہ فروش
یاد ایامی کہ بودہ ساقی و خم، لعل ناب ❁ زہد و تقویٰ پارہ گشتہ از نگاہش، رفتہ ہوش
رندھا گردیدہ مست و دل ہمہ درباختند ❁ چون بہ بزم مئی پرستان گشت رقصان مئی فروش
محرم اسرار بودہ ساقیِ رندان نواز ❁ کو سرورِ مئی بدوش؟ کو نشاطِ ناونوش؟
لذتِ نطقِ تو ای شیرین دھن، جان باختیم ❁ از تبسم ھای دلکش گوش ما دارد نقوش

بادہ سنجان در فغانند وھمہ گریان مدام ❁ نیست تنہا این اسدؔ، در ہجر آن پشمینہ پوش
در فراقش نیست دستم جز دعا، پس ربنا ❁ تربتش را سبز گردان، رحمتت وی را پوش
عاقبت آرم دعا بھر بقای میکدہ ❁ خم بہ بادا ہم کدو پُر، باد بانگِ نوش، نوش
تا ابد میخانہ و پیر مغان آباد باد ❁ این دعای قلب محزون، باد آمین از سروش

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت سیدی و مرشدی عمدۃ المتوکلین مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری ؒ کے درجات و مراتب میں بلندی عطا فرمائے، ان کی مرقد کو مہبط انوار بنائے اور حضرت علیہ الرحمہ جس طرح اپنی ساری زندگی دو تار گیسوئے مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیہم خدمات انجام دیتے رہے اس کے صلہ میں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں انھیں تقرب نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و اصحابہ و اولیاء امتہ اجمعین.

منابع :

(۱) یاد داشتہائے راقم
(۲) سیرت پیر مجیب، ہلال احمد قادری، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۲۰۰۵ء
(۳) سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ العزیز، ہلال احمد قادری، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، ۱۹۸۹ء
(۴) خانوادہ سیدہ زینب، ہلال احمد قادری، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، ۲۰۱۵ء
(۵) نغمات الانس فی مجالس القدس، ہلال احمد قادری، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، ۲۰۱۶ء
(۶) القول السدید لدفع المتعصب العنید، ہلال احمد قادری، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، ۲۰۱۹ء
(۷) ایک بے مایہ کا سفر حج، ہلال احمد قادری، مرتبہ ام یمین، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، ۲۰۲۰ء
(۸) یزید حقائق کے آئینے میں، ہلال احمد قادری، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، ۲۰۰۹ء
(۹) حب نبوی اور اس کے آثار و علامات، سہ ماہی المجیب مختلف جلدیں
(۱۰) امام ملت و دیں آفتاب شہر و دیار، سہ ماہی المجیب مختلف جلدیں

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

حیات جس کی امانت تھی اس کو لوٹا دی

● ام یمین —— خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

میں اپنے مشفق مربی مرشد والد ماجد حضرت عمدۃ المتوکلین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ لکھنا چاہوں تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا، بلکہ ایک حقیقت ہے کہ میری تحریر ان کی عزت افزائی نہیں کرے گی، بلکہ میری تحریر کی عزت افزائی ہوگی، ہمارا لکھنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، ان کی یادیں میرے قلم کو جلا بخشیں گی۔

اپنے پیارے باباجان کے بارے میں اپنے جذبات و احساسات کو ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں پرونے سے پہلے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں سربسجود دعا گو ہوں کہ یارب العالمین یا ارحم الراحمین میرے بابا پر اپنا خاص فضل و کرم فرما اور ان کی قبر مبارک کو اپنے نور سے منور فرمادے، ان کی مغفرت فرمادے اور اعلیٰ علیین میں اپنا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب خاص عطا فرمادے اور ان کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص غلاموں میں شامل فرمادے۔ آمین!

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار نعمتوں اور انعامات میں عظیم ترین نعمت شفیق ماں باپ ہیں، جن کا متبادل ناممکن ہے، یہ وہ عظیم رشتہ ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنی صفت یکتائی عطا فرمائی ہے کہ دنیا کی ہر شئے کا متبادل ہوسکتا ہے، لیکن ماں باپ کے رشتے میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا، اسی لیے اللہ رب العزت نے بار بار ماں باپ کی عظمت کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے مقام و مرتبہ کی نشان دہی فرمائی ہے کہ والدین کو مسکرا کر دیکھنا بھی عبادت ہے اور اجر عظیم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

یہ دنیا فانی ہے، ہر چیز کو فنا ہے، باقی صرف اللہ پاک کی ذات ہے، جو اس دنیائے فانی میں آیا ہے اس کو ایک دن واپس رب کائنات کے حضور جانا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نظام ہے، ہم سب اپنے رب ذوالجلال کی کبریائی اور حکم کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق تمام انسانوں کو برابر پیدا نہیں کیا ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کو تمام بنی آدم میں خصوصی شرف عطا کیا ہے، ان کے بعد اہل بیت اطہار ہیں، ان کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ ہے، ان کے بعد خصوصی مرتبہ اولیاء اللہ کا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا مقرب بنالیتا ہے تو زمین میں اس کی مقبولیت عام ہو جاتی ہے، اللہ کے مقرب بندوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کی صحبت اللہ کی یاد دلاتی ہے، ان کی گفتگو سے علم حاصل ہوتا ہے اور دین کی محبت پیدا ہوتی ہے، یہ اللہ کے ولی کی پہچان ہے، ہمارے والد بزرگوار عمدۃ المتوکلین بھی اللہ کے مقرب بندوں میں تھے، ان کو دیکھ کر بے شک خدا یاد آتا تھا، ان کی گفتگو سے علم حاصل ہوتا تھا اور دین کی باتیں معلوم ہوتی تھیں، ان کی صحبت میں اللہ کی یاد آتی تھی، حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کا ایک مضمون سہ ماہی المجیب میں ''اولیاء اللہ'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا، جس میں انہوں نے ایک حدیث تحریر کی تھی:

''الا اخبرکم بخیر جلسائکم؟ من ذکرکم اللہ رؤیتہ وزاد کم فی علمکم منطقہ و ذکرکم فی الآخرۃ عملہ''۔ (الاولیاء لابن ابی الدنیا، رقم الحدیث:۲۵)

ترجمہ: کیا میں تم کو ایسے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں جو بہترین ہم نشیں ہیں، (پھر) فرمایا جن کی رویت تم کو اللہ کی یاد دلاتی ہے اور ان کی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرتی ہے اور ان کا عمل تم کو آخرت یاد دلاتا ہے۔''

یہ حدیث حضرت بابا علیہ الرحمہ پر صادق آتی ہے، جب بھی گفتگو فرماتے وہ دین سے متعلق ہوتی تھی، ہم لوگ بہت انہماک سے ان کی باتیں سنا کرتے تھے، ان کی گفتگو سے علم میں اضافہ ہوتا تھا، کبھی ان کی گفتگو سے اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوا، حضرت علیہ الرحمہ ہمیشہ علمی و ادبی کاموں میں مشغول رہتے تھے، ان کا زیادہ وقت عبادت اور تحریری کاموں میں صرف ہوتا تھا، کبھی کبھی نصف شب تک لکھنے میں مشغول ہوتے تھے، بچپن سے ہم لوگوں نے ان کو اسی کام میں مصروف دیکھا، ہر وقت ہاتھ میں قلم دیکھا، صوفین ہاسپٹل میں جب ان کے ہاتھ میں کینولا اور مشین لگی دیکھی عجیب احساسات اور قلبی تکلیف ہوئی جو بیان سے باہر ہے، بس ان کے ہاتھوں کو ہی دیکھتے رہے، بہت ہی گراں قدر تصانیف آپ کے ہاتھوں سے معرض وجود میں آئیں، وہ زیارت شریف کا بستہ لانے والے متبرک ہاتھ تھے۔

ہمارے بابا جان علیہ الرحمہ کو دو بار حج کی سعادت حاصل ہوئی تھی، پہلا حج ۲۰۰۶ء میں ادا کیا، دوسرا حج ۲۰۱۰ء میں ادا کیا، تین بار عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی، ۲۰۱۹ء میں بغداد، نجف اور کربلا بھی تشریف لے گئے تھے، اس سفر کی تفصیلات برادر محترم اسد علی خورشید صاحب علی گڑھ کے مضمون سے ملیں گی جو سہ ماہی المجیب میں سلسلہ وار شائع ہو رہا ہے، وہ بابا جان کے ہمراہ اس سفر میں تھے۔

جس دن حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے روضے پر حاضری ہوئی، ہمیں پیغامات مع تصاویر بھیجے گئے، حضرت عباس علمدارؓ کے روضے پر حاضری ہوئی، حضرت مسلم بن عقیل کے صاحبزادگان محمد اور ابراہیم کے مقبرہ پر بھی تشریف لے گئے تھے، ہم نے پیغام کے ذریعہ پوچھا کہ حضرت زینبؓ کے صاحبزادے عون اور محمد کی مزار کہاں پر ہے؟ جواب دیا گیا کہ ''وہ ابھی تک معلوم نہیں ہوا ہے، امام حسین کے قریب ایک ضریح ہے، جس میں کئی شہدا مدفون ہیں، قرینہ ہے کہ اسی میں ہوگی اس کے اوپر شہداء طف لکھا ہے، وہیں پر حبیب بن مظاہر کی ضریح بنی ہوئی ہے، اسی سے کچھ فاصلہ پر امام علیہ السلام کی شہادت کی

جگہ ہے اس پر لکھا ہے ’’المذبح المقدس‘‘ ایک طرف ہے ’’السلام علیک یا مقطوع الوتین‘‘ یہ سب دیکھ کر اور پڑھ کر رونا آتا ہے‘‘۔

حضرت علیہ الرحمہ کو اہل بیت اطہار سے بے انتہا محبت تھی، ۱۰ رمحرم الحرام کو خانقاہ میں بیان شہادت کرتے ہوئے ان پر کافی رقت طاری رہتی تھی۔

ہمارے والد علیہ الرحمہ اکثر پاکستان کے سفر پر جاتے تھے، وہاں کافی تعداد میں مریدین، متوسلین اور رشتہ دار ہیں، آپ کا قیام ’’المجیب‘‘ ناظم آباد کراچی میں عم مکرم نعیم اختر صاحب مدظلہ العالی کے دولت کدہ پر ہوتا تھا، ہمارے عم محترم امام المتقین حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے نواسے ہیں، ان کی منجھلی صاحبزادی کے بڑے صاحبزادے ہیں، عم محترم نے بزرگوں کی روایت کو قائم رکھا ہوا ہے، بزرگوں کا قل و فاتحہ ہوتا ہے۔’’المجیب‘‘ میں متوسلین کی آمد و رفت لگی رہتی ہے، قل و فاتحہ کا سارا انتظام الحمد للہ عم محترم مدظلہ العالی کی نگرانی میں ہوتا ہے، ہمارے والدؒ عم محترم سے بہت محبت اور خلوص رکھتے تھے۔

پاکستان کے ایک سفر میں وہاں سے واپسی میں بابا جان علیہ الرحمہ دہلی تشریف لائے، جس دن ان کو دہلی سے پٹنہ واپس آنا تھا، اس دن ۱۱ رتاریخ تھی، خانقاہ میں موئے مبارک کی زیارت ہوتی ہے، اس روز صبح سے موسم کی خرابی کی وجہ سے ساری پروازیں منسوخ ہوگئی تھیں، اس وقت بابا بہت پریشان تھے، ہمارے پاس فون آیا ’’ایئر پورٹ آگئے ہیں ہم اور پروازیں منسوخ ہورہی ہیں دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے، ڈر ہے زیارت سے محروم نہ رہ جائیں آج‘‘ ان کی وجہ سے ہم لوگ بہت پریشان ہو رہے تھے، عشق رسول ﷺ کا نتیجہ تھا کہ جب ان کے جہاز کا وقت ہوا جہاز گیٹ پر آلگا اور وقت پر گھر تشریف آوری ہوگئی اور زیارت موئے مبارک ﷺ سے فیض یاب ہوئے۔

پاکستان کا ایک سفر آپ نے ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لیے کیا تھا، پروگرام گولڑہ شریف خانقاہ کے زیر اہتمام تھا، بابا جان علیہ الرحمہ خانقاہ کے صاحب سجادہ کی دعوت پر تشریف لے گئے تھے، وہاں ان کی بہت عزت افزائی ہوئی، وہاں کے لوگ ان سے مل کر بہت متاثر ہوئے، ان کی سادگی، اخلاق اور علم سے بہت متاثر ہوئے، وہاں کالج و یونیورسٹی کے طلبہ واساتذہ کے درمیان علمی مذاکرہ میں شاہ نیر میاں ردولوی سجادہ نشیں خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف اور جناب سید عبد الرؤف چشتی برادر اصغر متولی درگاہ اجمیر شریف موجود تھے۔

آپ کو اپنے بزرگوں سے بے انتہا محبت وعقیدت تھی، حضرت فیاض المسلمین سے بے انتہا عقیدت تھی، اپنی تقریروں میں اکثر حضرت کا ذکر کرتے تھے۔

حضرت بابا علیہ الرحمہ کا بچپن امام المتقین حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادریؒ کی صحبت میں گذرا، انہوں نے ہی آپ کی تعلیم وتربیت کا خیال رکھا، پرورش کی، حضرت امان المستجیرین کی بھی سرپرستی آپ کو حاصل تھی، ان سے بیعت بھی تھی اور اجازت وخلافت بھی ملی تھی اور حضرت کی سوانح لکھنے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔

ہمارے حضور (شاہ رضوان اللہ قادری) علیہ الرحمہ بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا خلوت شریف آپ کو طلب کرتے تھے، ہر موقع پر حضور علیہ الرحمہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے ہر مشورے کے لیے آپ کو طلب کرتے تھے، ہمیں یاد ہے کہ جب بھی خلوت سے آپ کو طلب کیا گیا کوئی ضروری کام بھی کر رہے ہوتے تو ملتوی کر کے خلوت کی طرف روانہ ہو جاتے تھے، خلوت کی بہت عزت واحترام آپ کے دل میں تھی، آپ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ''حضور رحمۃ اللہ علیہ جب سجادۂ مجیبی پر رونق افروز ہوئے تھے تو خلوت نشینی کے بعد ہم تمام برادران تبرکات وخرقہ سجادگی تہہ کر کے رکھ رہے تھے تو حضور نے ہم سے فرمایا تھا'' آپ میری قوت ہیں ہمیں چھوڑئے گا مت''۔

باباجانؒ کی خواہش تھی کہ موئے مبارک کے بالاخانے کے زینے کی ازسرنو تعمیر کیا جائے تاکہ بزرگ خواتین کو آنے جانے میں اور زیارت لانے میں سہولت ہو، زینہ بہت قدیم اور پرانے طرز کا بنا ہوا تھا، ہماری جدہ مدظلہا فرماتی ہیں کہ ان کو بھی یاد نہیں کب بنا ہے، ایک روز ہم باباجانؒ سے ملنے گئے تو فرمایا گیا'' کب زینہ بنے گا مخدوش ہو رہا ہے'' ہم نے کہا ان شاء اللہ جلدی بنے گا، ہم نے اسی وقت حضور سے ذکر کیا، انہوں نے فوراً انجینئر نواز سلمہ کو بلوایا اور زینے کا نقشہ بنانے کو کہا، فوری سارے مراحل طے ہوئے اور کام شروع ہو گیا، جس دن کام شروع ہوا میرے بابا دیکھنے آئے تھے اور بہت خوش ہوئے'' اچھا ہے جلدی سے تعمیر ہو جائے، ضرورت تھی اس کی''۔ لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آپ کی طبیعت علیل ہوگئی اور آپ آخری سفر پر روانہ ہو گئے، رب کی مرضی یہی تھی کہ آپ بزرگوں کے اسی قدیم زینے پر ہی خدمت کریں جس پر ہمارے عالی مرتبت بزرگوں نے زیارت لانے کی خدمت انجام دیں، آپ کے وصال تک ان کے ہی حکم سے زینہ بن کر تیار ہو گیا۔ آخری خدمت آپ کی ذیقعدہ کی ۱۱ر تاریخ کو ہوئی تھی، جس میں زیارت لانے کے وقت آپ پر بہت رقت طاری تھی، اس دن یہ ہمارے لیے خاص بات نہیں تھی، اس لیے کہ ہم نے ان کو زیارت کی خدمت میں گریہ وزاری کے ساتھ ہی دیکھا تھا، لیکن ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ ان کی آخری خدمت ہے۔

آپ کی شخصیت سچی موتیوں جیسی صاف شفاف تھی، ہر ایک سے خلوص سے ملنا آپ کی عادت تھی، ہر مشکل وقت میں ہمیں حوصلہ انہیں کی ذات سے ملتا تھا، ان کی نورانی صورت دیکھ کر ہم ساری پریشانیاں بھول جایا کرتے تھے، بس یہی تقویت رہتی تھی کہ دعا کرنے والی ذات موجود ہے جو ہمہ وقت ہمارے لیے دعاگو رہتی ہے، وہ ہمارے قریب ہوتے تھے تو ہم بے فکر ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ حب نبوی ﷺ سے سرشار تھی اور سنت وسیرت رسول ﷺ کا مکمل نمونہ تھی، جس کا نتیجہ تھا کہ آپ کا وصال ۱۱ر تاریخ کو موئے مبارک کی زیارت کے روز ہوا، اس طرف زیارت کے مراحل کا اختتام ہوا، اس طرف آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آغوش رحمت میں لے لیا۔ ۹ر محرم کو جب میرے بابا ہاسپٹل میں تھے ہمیں صبح سے بہت پریشانی تھی، ایک پل کے لیے چین نہیں تھا ہمیں ڈر تھا کہ میرے باباجانؒ کو اہل بیت اطہار سے بہت محبت ہے، کہیں وہی تاریخ نہ مل جائے، ہم

دعا کر رہے تھے کہ ۱۰ر محرم خیر و عافیت سے گذر جائے، لیکن اللہ نے ان کے لیے وہی تاریخ مقرر کر رکھی تھی، ۱۱ر محرم کو ہمارے مشفق بابا ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہو گئے ؂

حشر ہو اپنا بھی یارب ساتھ اہل بیت کے
اپنا سر ہو زیر سنگ آستان کربلا

زیارت موئے مبارک کے دن آپ خاص اہتمام کرتے تھے، عمامہ اور لباس بہت اہتمام سے زیب تن کرتے تھے، عطر بہت اہتمام سے لگایا کرتے تھے، جب نماز جمعہ اور زیارت کے لیے اہتمام سے تیار ہو کر نکلتے تھے تو اطراف کی گلی تک ان کے عطر سے معطر ہو جاتی تھی۔

جب سے موئے مبارک کی خدمت ان کو حاصل ہوئی تھی ہمیں یاد نہیں کہ کبھی زیارت سے محرومی ہوئی ہو، جب طبیعت علیل تھی اور صوفین ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے، ۱۱ر ذی الحجہ کو زیارت سے قبل ہم لوگ دیکھنے گئے تھے، مجھے اور حسین بہجت کو خاص تاکید کی گئی کہ ”آج زیارت ہے تم لوگ یہاں آگئے ہو، جاؤ زیارت کے لیے تیاری کرو“۔

انہوں نے ساری زندگی عشق نبوی ﷺ اور اللہ کی اطاعت میں گذاری، انھوں نے نبی کریم ﷺ کے عشق کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنایا تھا، جس وقت انتقال کی خبر ہمیں ملی اس وقت ابی مرشدی کی نعت شریف کا یہ مقطع یاد آیا تھا ؂

یہ ہلالؔ کشتۂ عشق ہے یہ قتیل ہجر و فراق ہے
وہ حبیب اس کے طبیب ہیں کہیں اور اس کی شفا نہیں

کبھی آثار شریف کا بستہ لاتے ہوئے، کبھی منبر پر خطبہ دیتے ہوئے، کبھی عشق نبوی سے سرشار تقریر کرتے ہوئے، یہ مناظر جب بھی یاد آئیں گے ہمارے دل رنج و غم سے بھر جائیں گے، حب نبوی سے سرشار ان کا پرنور چہرہ کبھی نہیں بھول پائیں گے، ان کا مسکراتا چہرہ، ان کی شفیق سرپرستی کبھی نہیں بھول پائیں گے، جس سے اللہ تعالیٰ نے بہت جلد ہمیں محروم کر دیا۔ ایک قیامت تھی جو ہم پہ گذر گئی، بس اللہ تعالیٰ ہمیں صبر سے نوازنے والا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے چہلم میں تعزیتی نشست ہوئی، اس کی صدارت عم محترم مولانا شاہ بدر احمد مجیبی مدظلہ العالی نے کی، آپ نے صدارتی بیان میں فرمایا کہ ”ایسے غم انگیز حالات سے نکلنے میں ہمیں حدیث شریف سے رہنمائی ملتی ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! کسی مسلمان کے یہاں کوئی مصیبت یا حادثہ ہو جائے تو وہ میری مصیبت سے تعزیت حاصل کرے، کیوں کہ میرے بعد میری امت میں سے کسی کو میری مصیبت سے زیادہ سخت مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی الصبر علی المصیبۃ ص: ۱۱۵)

حضور ﷺ کے اس ارشاد سے دل کو تھوڑی سی تسلی ہوئی۔ حضرت کا جانا صرف ہمارا ہی نہیں پوری قوم کا خسارہ ہے، ایک عہد کا خاتمہ ہوا ہے، برسوں لگ جاتے ہیں ایسی شخصیت کا ظہور ہونے میں ؂

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

خاکساری، عاجزی اور انکساری آپ کے مزاج کا خاصہ تھی، آپ ہر خاص و عام سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، چہرے پر ہر وقت نرم مسکراہٹ ہوتی تھی، بڑوں کی بہت عزت اور احترام کرتے تھے، بچوں سے آپ کو خاص انسیت تھی، نواسے نواسیوں پر آپ کی محبت اور نوازشیں بہت زیادہ تھیں، دوسرے بچوں سے بھی آپ بہت شفقت رکھتے تھے، بچے بھی آپ سے جلدی گھل مل جاتے تھے، مسجد قباء کی ایک تصویر ہمیں ملی ہے جس میں والد محترم کے سامنے ایک بچہ بیٹھا ہے، آپ اس سے مسکرا کر گفتگو کر رہے ہیں۔

آپ کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی، ہمیشہ ان کی خدمت میں لگے رہتے تھے، اکثر فرصت کے اوقات میں اپنی والدہ کے پیر دباتے تھے، ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتے تھے، جب لمبے سفر پہ جاتے تو اپنی والدہ کی قدمبوسی کر کے جاتے تھے، جب وہ بیمار ہوتیں تو ان کو خود سے کھانا اور دوائیں کھلاتے تھے، اپنے بھائیوں سے بھی آپ بہت محبت کرتے تھے، خاص کر عم محترم مولانا شاہ بدر احمد مجیبی مدظلہ العالی سے آپ کو بہت محبت تھی، بہت محبت سے ان کا تذکرہ کرتے تھے، صوفین ہاسپٹل میں ہم دیکھنے گئے تو باباؒ نے مسکرا کر فرمایا: ”منصور بھی آگئے تھے ہمیں دیکھنے“ ہم نے کہا آپ ہاسپٹل میں داخل ہوئے تو سب لوگ پریشان ہو گئے ہیں، جلدی سے اچھے ہو جائیے تو گھر آجائیے گا، ان شاء اللہ۔ میری اس بات پر بس مسکرایا گیا، بیماری میں بھی ان کے چہرے پر اطمینان ہی دیکھا، پریشانی اور تکلیف کے آثار نہیں دیکھے، ایک بار بھی انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ گھر لے چلو، جس دن ایمس لے جایا جا رہا تھا، اس دن بھی کوئی تکلیف چہرے سے ظاہر نہیں ہو رہی تھی، مگر ڈاکٹر کے مطابق ان کو بڑے اور اچھے ہاسپٹل کی ضرورت تھی۔ ایک اطمینان اور سکون ان کے چہرے پر تھا، ایسا لگتا تھا کہ بس اللہ کی رضا میں راضی ہیں اس کے حکم پر سر جھکا دیا ہے۔

خاکساری، سادگی، عاجزی اور انکساری ہماری خانقاہ کے بزرگوں کا وصف رہی ہے، نمود و نمائش اور ریا سے دور رہے ہیں، ہمارے بزرگوں کو کبھی حسب نسب پر کسی کو فخر نہیں رہا، نہ شہرت کی خواہش رہی، بس سادگی سے زندگی گذاری ہے، یہی وجہ رہی ہے کہ ہماری خانقاہ ہمیشہ ممتاز مقام پر رہی ہے۔

ہمارے باباؒ نے بھی ساری زندگی سادگی سے گذاری، نمود و نمائش سے دور رہے، ان کے اخلاق اور حسن سیرت سے لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے، دور دراز سے لوگ آپ سے ملنے آتے تھے، ایک بار ملاقات کرنے والا دوبارہ ملنے کی خواہش ضرور رکھتا تھا، جب بھی حضرت اقدس کے ساتھ سفر کیا تو دیکھتے تھے کہ غیر مسلم بھی آ کر دعا کے لیے کہتے تھے۔

جب تک بابا علیہ الرحمہ کا علاج صوفین میں ہوتا رہا ہم لوگ ان کی عیادت کرتے تھے، حسین بہجت نے مثالی خدمت کی، اس موقع پر منہاج الدین اور عمود الدین عامر سلمہما نے ہم لوگوں کا بہت ساتھ دیا، ناصر حسین قادری نے بھی بہت خدمات انجام دیں،

ایمس میں داخل ہونے کے بعد دیکھنے کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا، ہسپتال کے اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں تھی، سید وسیم احمد مجتبیٰ اور حسین بہجت باہر سے دوائیں اور ضرورت کی چیزیں اندر بھیجتے تھے، باہر سے ہی یہ لوگ خیریت دریافت کرتے رہتے تھے، ڈاکٹر عمیم احمد سلمہ کی تقرری کچھ ہی دن قبل ایمس میں ہوئی تھی، وہ ماشاء اللہ ایمس میں لائق وفائق ڈاکٹر ہیں، ان کو اندر جانے کی اجازت تھی، ان کے اندر جا کر دیکھ بھال کرنے سے ہم لوگوں کو تسلی ہوتی تھی، اس بچے نے میرے باباؒ کی بہت خدمت کی اپنی فرصت کے اوقات میں ان کے پاس ہی جاتے تھے، دوائیں اور دیگر چیزوں کی دیکھ ریکھ وہی کرتے تھے، ڈاکٹروں سے بات بھی ڈاکٹر عمیم کرتے تھے، آخری وقت میں بھی عمیم سلمہ تھے، وہاں پر انہوں نے بتایا کہ اس وقت ان کو تکلیف اور بے چینی نہیں تھی، چہرے پر سکون تھا، بس لب ورد کے انداز میں ہل رہے تھے، جب آپ کی یاد تازہ ہوتی ہے بس ایک شعر ذہن میں آکر دل کو غمزدہ اور مضطرب کر دیتا ہے۔

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

اتنی پیاری اور دلگیر شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے آسانی سے اور جلدی اپنے پاس بلالیا، اب اس پرنور چہرے کو ہم کبھی نہیں دیکھ سکیں گے، آپ گفتگو فرماتے تھے اور ہم آپ کے مسکراتے چہرے کو محویت سے دیکھتے رہتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب لبیب ﷺ کے صدقہ وطفیل ابی ومرشدی قدس سرہٗ کی مغفرت فرمائے، ان کی دینی، علمی وروحانی خدمات کو ان کے حق میں رفع درجات کا سامان بنائے اور ہم سب پس ماندگان کو ایصال ثواب ودعائے مغفرت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

آستانہ حضرت پیر مجیب میں حضرت فرد الاولیاء کے چابوترے پر گہوارۂ مستجاب الدعوات میں تدفین عمل میں آئی، حضرت فرد الاولیاء، حضرت ابوتراب آشنا، حضرت مولانا شاہ احمدی، حضرت مولانا شاہ ہادی قدست اسرارہم کے پہلو میں آرام فرما ہوگئے۔ انہی بزرگوں کے پہلو اور قدموں میں زیر فلک وہ گوہر نایاب محو خواب ہے، جس کی زندگی انہیں اکابرین کی زندگیوں کا عکس تھی، جو زندگی بھر ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے رہے، جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خانقاہ پیر مجیب کے لیے وقف کر دیا تھا، سخت ترین حالات میں بھی ان کے پائے ثبات میں ذرا لغزش نہیں آئی، جو اپنے اسلاف کا نمونہ اور ہمت وحوصلے کا پیکر تھے۔

ہم اپنے پیارے باباجانؒ کا جنازہ دیکھ کر یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ ہمیں تسلی دے رہے ہیں اور زبان حال سے فرمارہے ہیں ؎

حیات جس کی امانت تھی اس کو لوٹا دی
میں آج چین سے سویا ہوں پاؤں پھیلا کر

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

نہ ہے بحر تلاطم میں کوئی لعل وگہر ایسا

● امیمہ بنت ہلال احمد —— دار الشرف اوپر کلی جھریا، دھنباد

خانوادۂ مجیبی علم وعرفان کا سرچشمہ رہا ہے، اس خانوادے کو اللہ نے یہ انفرادیت عطا کی ہے کہ ہر دور میں عالم اور صوفی بزرگ اس خانوادے میں موجود رہے، فقر و درویشی اس خانوادے کا خاصہ ہے اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کی بدولت علم و درویشی اس خاندان میں ہمیشہ موجود رہے گی۔

حضرت مولانا احمدی رحمۃ اللہ علیہ کو شب عاشورہ میں جاگتی آنکھوں سے امام حسن مجتبیٰ علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی تھی اور امام حسن نے مولانا احمدی کو جن دعاؤں سے نوازا تھا، اس میں علم و درویشی بھی شامل تھی، یہ واقعہ میں نے اپنے عزیز از جان و دل والد گرامی سے سنا تھا، جن کے لیے ’’تھے‘‘ کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے آج میرا قلم نوحہ خواں ہے۔

جس طرح زندگی اللہ کی بخشی ہوئی عظیم نعمت ہے، اسی طرح موت بھی انسانی زندگی کی اٹل حقیقت ہے اور ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، ہر ذی روح کو عالم جاں کنی سے گزرنا ہے، کچھ زندگیاں قابل رشک ہوتی ہیں، تو کچھ اموات بھی قابل صد رشک ہوتی ہیں، جن پر موت بھی ناز کرتی ہے ؎

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
اس جان کا یارو ذکر ہی کیا یہ جان تو آنی جانی ہے

والد کے سایۂ شفقت سے محرومی کاتب تقدیر نے ہر انسان کے مقدر میں لکھ دی ہے، ہر انسان ان قیامت خیز لمحات سے گزرتا ہے، جو عالم جاں کنی سے کم نہیں، باپ کی دائمی جدائی ایک ایسا کاری زخم ہے جسے وقت کا مرہم بھی بھر نہیں سکتا، ایک ایسا خلا جو کبھی پر نہیں ہوسکتا، ایسا عظیم خسارہ جس کی تلافی کسی صورت ممکن نہیں، اس درد و کرب کو وہی سمجھ سکتا ہے، جس نے یہ کوہِ غم اپنے دل پر اٹھا رکھا ہے۔

۱۱؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ کو ہم بھی اس قیامت سے گزرے، ہم اپنے شفیق والد کے سایۂ عاطفت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے، ان کا مسکراتا ہوا نورانی چہرہ ہماری نظروں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہوگیا، دل کو کسی صورت یہ یقین نہیں آتا کہ وہ اب ہمارے درمیان موجود نہیں، کبھی وہ مسکراتے ہوئے سیڑھیوں سے اترتے نظر آتے ہیں، کبھی چائے کا فنجان پکڑے اپنی کرسی پر تشریف فرما نظر آتے ہیں، کبھی ہمارے بچوں کو صحن میں بھاگتے دوڑتے دیکھ کر قہقہہ لگاتے نظر آتے ہیں، کبھی انہیں دعائیں یاد کرواتے، کبھی نعتیہ اشعار سنتے اور سناتے۔ نظریں ہمہ وقت انہیں ڈھونڈتی ہیں، کان ان کی آواز سننے کے منتظر رہتے ہیں، مگر افسوس وہ چہرہ، وہ آواز بہت جلد خواب وخیال ہوگئے، اتنی جلد ان کا دامن محبت وشفقت ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ جائے گا، ہم نے تصور بھی نہیں کیا تھا، ہم نے جب ہوش سنبھالا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا تو ہماری دادی امد ظلہا (اللہ انہیں صبر عطا کرے) نے ہمیں ابو کی درازیٔ عمر اور رزق میں برکت کی دعا کرنا سکھایا، یہ دعا ہم بہنوں کی ایسی عادت بن چکی تھی کہ ازدواجی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد اپنی ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے بھی ابو کی خوشیوں اور درازیٔ عمر کی دعا ہماری زبان پر جاری رہتی تھی، یہاں تک کہ کعبۃ اللہ پر پہلی نظر پڑنے پر بھی ہم نے اپنے شفیق ومہربان والد کو یاد کیا تھا۔

زندگی ایک سبک روندی کی مانند، ان کی معیت میں رواں دواں تھی، نہ دھوپ کی تمازت ستاتی تھی، نہ گرم ہواؤں کے تھپیڑے، سر پر جیسے ایک تاروں بھرا آسمان تھا، جس کی کرنیں ہمہ وقت ہمیں اپنے حصار میں لیے رہتی تھیں اور یہ حصار اتنا وسیع اور مضبوط تھا کہ فقط ان کے اہل خانہ ہی نہیں، نہ جانے کتنے لوگ اس میں خود کو محفوظ ومامون تصور کرتے ہوں گے۔

آج جب میں اپنے پیارے ابو کے لیے چند الفاظ لکھنے کے لیے قلم اٹھا رہی ہوں، تو مجھے بھی وہ حسین اور مبارک ساعتیں یاد آرہی ہیں، جو وقت کے ایک ولی کامل کی آغوش میں گزریں، جس کا ذکر انہوں نے ''سوانح امان المستجیرین'' میں کیا ہے، جن کی آغوش الفت میں میرے والد نے پرورش پائی، بقول ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی علیہ الرحمہ '' قصہ ایک ولی کا نہیں، ولی اللہی خاندان کا ہے'' ایک گلاب نے بہتیرے گلاب پیدا کئے، ایک رنگ نے رنگ برنگ کے پتے دکھائے'' ایسی ہی ایک ہمہ رنگ اور ہمہ جہت خوبیوں والی شخصیت تھی میرے والد گرامی عمدۃ المتوکلین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کی جو امیر شریعت ثالث حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین قمر طلعت قادری قدس سرہ کے نواسے اور امام المتقین حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہ العزیز کے پوتے تھے، پانچ سال کی عمر میں یتیمی کا صدمہ اٹھایا، اللہ جل شانہ نے آپ کو نسبتوں میں عظیم نسبتیں عطا کیں، کم سنی میں والد سے محرومی کا غم اور شفیق ومہربان دادا کا آپ کو اپنی کفالت میں لینا ذات رسالت مآب ﷺ سے عشق کی کڑی تھی، جس نے تاعمر آپ کو مرکز عشق ومحبت سے جوڑے رکھا، آپ کے والد مولانا سید شاہ عین احمد قادری علیہ الرحمہ نے صرف بتیس سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کیا وہ نہایت خوش مزاج خوش اخلاق اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کے پاسدار تھے، حضور امان المستجیرین عارف باللہ حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ العزیز کے عم زاد اور برادر نسبتی تھے، حضور امان المستجیرین ان پر بہت

بھروسہ کیا کرتے اور نہایت شفقت ومحبت سے آپ کو اپنا دایاں بازو کہا کرتے تھے، ہمیں اپنے دادا ابا کی شفقت ومحبت تو نہیں نصیب ہوئی لیکن جن جن لوگوں سے ان کا ذکر سنتے آئے ہیں وہ نہایت خلیق ومہربان بذلہ سنج طبیعت کے مالک تھے، تمام عزیز و اقارب سے ملنا اور مزاج پرسی کرنا اور خاندانی روابط کا خیال رکھنا، ان کے مزاج کا خاصہ تھا بتیس سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے ان کی وفات ہوئی، ان کی وفات صدمۂ جانکاہ ان معنوں میں تو تھی ہی کہ وہ عالم جوانی میں رخصت ہوئے، صدمۂ عظیم یہ تھا کہ وہ اپنے ضعیف العمر والد کی موجودگی میں عالم بالا کو روانہ ہوئے، آج اس صدمۂ عظیم سے میری دادی امدظلہا بھی گزر رہی ہیں، ان کی بے قراری دیکھ کر مجھے دادا میاں امام المتقین حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہ کی یاد آتی ہے، کس طرح انہوں نے جوان بیٹے کی میت لحد میں اتاری ہوگی، کم سن پوتے اور پوتی کو دیکھ کیسا کرب محسوس کیا ہوگا، ہاں مگر صبر کرنے کو ان کے خلف اکبر (ہمارے بڑے دادا ابا) حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری علیہ الرحمہ اور چار محبت کرنے والی صاحبزادیاں موجود تھیں، ہماری دادا کے پاس صبر کرنے کے لیے ان کی کوئی اولاد موجود نہیں، آج سے پانچ سال پہلے میری پھوپھی جان اس دنیا سے رخصت ہوگئیں، وہ میرے والد کی اکلوتی بہن تھیں، نیک خو، خاموش طبع صابر و شاکر سی میری پھوپھی جان نے جو داغ یتیمی کم سنی میں اٹھایا، اللہ نے اس صبر کا یہ اجر دیا کہ انہیں بعد وفات اپنے والد کا قرب نصیب ہوا، آج وہ باغ مجیبی میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں مدفون ہیں۔

آپ کے جد امجد نے آپ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا تو آپ کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، خاندانی دستور کے مطابق نہ تو آپ کو تحصیل علم کے لیے کہیں باہر روانہ کیا گیا اور نہ کسی اور استاذ کے حوالے کیا گیا، آپ نے جو تعلیم حاصل کی وہ اپنے ہی مدرسے میں اپنے بزرگوں سے حاصل کی، اپنے عم مکرم ومحترم مولانا سید شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے شفیق ماموں مولانا سید شاہ حکیم عماد الدین قادری علیہ الرحمہ کے زیر سایہ آپ نے اپنا علمی سفر طے کیا، آپ کے جد مکرم نے بذات خود آپ کی تعلیم وتربیت کا بیڑہ اٹھایا، آپ کے شب و روز اپنے دادا ابا کی خدمت میں گزرتے، ہمہ وقت ان کا حکم بجالانے کے لیے مستعد رہتے، ان کا روشن چہرہ آپ کے سکون قلب کا باعث تھا تو ان کی خدمت واطاعت آپ کی زندگی کا ماحصل۔

آپ کی نانی اماں کو آپ سے بہت محبت تھی، (ان کا تعلق سملہ کے عثمانی خانوادے سے تھا اور وہ امیر شریعت ثالث حضرت قمر طلعت قادری قدس سرہ کی اہلیہ تھیں) انہوں نے آپ کے دادا ابا سے عرض کیا کہ سب لوگ اپنے بچوں کو باہر پڑھنے کے لیے بھیج رہے ہیں، آپ ہلال احمد کو نہیں بھیجئے گا تو انہوں نے جواب میں فرمایا ”یہ چلے جائیں گے تو عافیہ اکیلی ہوجائیں گی، جتنا ہم نے ان کو پڑھا دیا ہے اس میں اللہ ان کو عزت اور شہرت دے گا۔“ امام المتقین کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے کلمات نے خوب اثر دکھایا، بیس سال کی عمر میں دار العلوم مجیبیہ سے فارغ التحصیل ہوئے اور اپنے آباو اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی مدرسہ میں درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے، بہت جلد آپ کے مضامین اور مقالے ضیاء وجیہ اور معارف

جیسے ماہ ناموں میں چھپنے لگے، آپ کے مقالات ریڈیو پر اردو پروگرام کے تحت نشر ہوتے تھے، آپ سب نے ایسی اولادیں تو بہت دیکھی ہوں گی جو باپ کی پروموشن سالگرہیں اور ریٹائرمنٹ کی خوشیاں منائے، ایسی اولاد شاید ہی دیکھی ہو، جس نے باپ کو علمی سفر طے کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، انہیں ترقی کے مدارج طے کرتے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا قلم کا حق ادا کر دیا، آپ کی کوئی تحریر تحقیق سے خالی نہیں ہے، مقالے اور مضامین بھرپور تحقیق کے بعد ہی معرض وجود میں آتے، انداز تحریر شگفتہ اور دلچسپ ہوتا تھا، جو قارئین کو اپنی گرفت میں لئے رکھتا، آپ کے علمی اور تحقیقی کارناموں پر روشنی ڈالنے کی میں اہل نہیں ہوں، حضور زیب سجادہ اور عم محترم مولانا شاہ بدر احمد قادری مجیبی آپ کے تمام علمی اور ادبی کاموں میں آپ کے معاون ہوتے تھے۔

آپ کی پہلی تصنیف سوانح حضرت امان المستبصرین ہے جو آپ نے اپنے پیر و مرشد عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ کے حالات زندگی پر تحریر کی تھی، فرماتے تھے:

> ’’حضرت کے اس گنہگار پر بڑے احسانات ہیں اور غیر معمولی شفقت وتوجہ تھی، مزید برآں حق رشتۂ ارادت سب سے اہم ہے، یہی دو اسباب محرک ہوئے۔‘‘—(ص: ۱۳)

آگے تحریر کرتے ہیں:

> ’’عاجز راقم نے صاحب سوانح قدس سرہ کو بہت قریب سے دیکھا لڑکپن میں دل و دماغ نے ان کی شخصیت کا اور ان کے بزرگانہ اخلاق و اوصاف کا جو تاثر قبول کیا، وہ آج تک قائم ہے، شعور آنے کے بعد ان کی عظمت کا نقش اور گہرا ہوتا گیا۔‘‘—(ص: ۱۵)

حضور صاحب سوانح آپ کے والد کے عم زاد اور آپ کے پھوپھا ابا تھے، جتنی شفقت ومحبت وہ آپ سے فرماتے تھے آپ کو بھی ان سے والہانہ عشق تھا، اپنے پیر و مرشد سے کس غایت درجہ کی محبت تھی کہ جب ان کا ذکر کرتے تو چہرہ روشن ہو جاتا تھا، لہجے میں اتنی وارفتگی ہوتی کہ ہم بس آپ کو دیکھا کرتے، ہر بات کے آخر میں یہ جملہ ضرور کہتے: ’’ہمارے حضور کی کیا ہی بات تھی۔‘‘ بلکہ صرف ابو ہی کیا ہماری والدہ بھی حضور دادا ابا سے بیعت ہیں، کہتی ہیں ان کا مسکراتا چہرہ نظر کے سامنے آجاتا ہے، تو تشفی ہوتی ہے، یہ ایک صاحب کرامت بزرگ کی پہچان ہے کہ انہیں واصل بحق ہوئے ایک عرصہ گزر گیا، آج بھی فقط ان کا تصور ہی حیات آفریں ہے۔

آج ان سب لوگوں کی یاد آرہی ہے، جن سے میرے ابو کو محبت تھی اور جنہیں میرے ابو بہت عزیز تھے، خصوصاً ان کی وہ تین پھوپھیاں جو اس جہان فانی سے رخصت ہو چکی ہیں اور ایک وہ جو باحیات ہیں کراچی میں مقیم ہیں، اس ضعیفی میں اپنے عزیز بھتیجے کی جدائی میں مغموم وملول ہیں۔

حضور شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کی اہلیہ امام المتقین کی صاحبزادی تھیں اور میرے ابو کی بڑی پھوپھی، ابو کو بہت عزیز رکھتی تھیں، وہ ایک عہد رفتہ کی یادگار تھیں، انہوں نے بزرگوں کا زمانہ دیکھا تھا اور خانقاہ کے انتظامی امور بخوبی سنبھالتے تھے، ابو کی تین پھوا اماں کراچی میں مقیم تھیں، جن میں ایک بقید حیات ہیں الحمد للہ، دو کا وصال ہو چکا ہے، ان سے ملنے کے لیے آپ کراچی کا سفر اکثر و بیشتر کیا کرتے تھے، ہند و پاک کی آپسی کشیدگی کی وجہ سے حالات ناساز گار ہوتے، ہمیں آپ کی فکر ہوتی لیکن آپ ارادہ کر لیتے تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی، آج جب ہم ان کی خوشبو سے محروم ہوئے تو محسوس ہوتا ہے کہ اسی خوشبو کی چاہ آپ کو وہاں کھینچے لیے جاتی تھی، اپنی پھوپھیوں کی صورت میں یقیناً اپنے والد کی شباہت نظر آتی ہوگی، ان کی محبت میں اپنے شفیق و مہربان دادا کی شفقت ملتی ہوگی۔

آپ کے مزاج میں شگفتگی تھی، تمام عزیز و اقارب خصوصاً اپنے بھائی بہنوں سے بہت محبت اور خوش مزاجی سے پیش آتے، ان کی خبر گیری کرتے، بچوں سے خصوصی محبت اور شفقت سے پیش آتے، حرم شریف میں آنے والے زائرین کے بچوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے، انہیں پاس بلاتے اور پیار کرتے تھے، بچے بھی آپ کی طرف ملتفت ہوتے تھے، آپ کی شگفتہ مزاجی اور خوش خلقی اور لبوں پر موجود رہنے والے جاندار تبسم کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ آپ نے صدمات اور مصائب کے دریا عبور کیے ہیں، مشکلات دنیاوی ہوں یا من جانب اللہ، انسان کے مزاج پر اثر انداز ہوتی ہیں، حالات کی سختی مزاج کو سخت اور زبان کو ترش کر دیتی ہے، تمام شیریں بیانی و خوش گفتاری حالات کی نذر ہو جاتی ہیں، بلکہ بعض اوقات تندی اور تلخی کا ماخذ اہل خانہ ہوتے ہیں، گھریلو ماحول متاثر ہوتا ہے، یعنی ایک شخصیت کے دو پہلو ہوتے ہیں، عام ملاقات کرنے والوں کے لیے ایک خوش مزاج متبسم چہرہ اور درون خانہ ایک سخت گیر باپ، سخت مزاج شوہر اور ایک بے پرواہ بیٹا، کچھ اہل دل ایسے بھی ہوتے ہیں جو مصائب و آلام کی آگ میں تپ کر کندن بن جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے آپ کو محبت و مروت، شفقت و رحمت کی مٹی سے تخلیق کیا تھا، آپ جتنے شفیق و خوش گفتار باہر والوں کے لیے تھے اپنے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کے لیے اس سے زیادہ تھے، جتنے دن آپ گھر سے باہر رہتے گھر میں خاموشی اور سناٹا رہتا جیسے ہی آپ کی تشریف آوری ہوتی جیسے بہار کا موسم واپس آجاتا، یا یوں کہیے کہ موسم بہاران کے ہمراہ ہوتا تھا، ان کی آمد کے ساتھ ہی ملنے والوں کا آنا جانا شروع ہو جاتا تھا، گھر کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھلے رہتے تھے، ابو کے پاس آنے والوں میں ہر طبقے، ہر مکتب فکر کے لوگ موجود ہوتے تھے، ہر عمر اور ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے طالب علم آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے اور آپ کی خوش اخلاقی اور خوش مزاجی اور علمی لیاقت کے معترف ہو کر واپس ہوتے تھے، اور گفتگو کس طرح کی ہوتی تھی، یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں، نہ فلسفیانہ ہوتی، نہ شاعرانہ، نہ اس میں سیاسی رنگ نمایاں ہوتا تھا، صرف صوفیانہ اور عارفانہ گفتگو ہوتی تھی، کسی سفر کے احوال سناتے یا کسی شخصیت کے متعلق بات کرتے، گفتگو کا رخ گھوم پھر کر اپنے مرکز و محور کی طرف مڑ جاتا تھا یعنی ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب،

اور جب ذکر ملجا و ماویٰ کا شروع ہوتا تو جس طرح اشہب قلم حضور ﷺ کے ذکر پر اٹھکیلیاں کرتا تھا، اسی طرح خوش گفتاری اور خوش بیانی بھی عروج پر ہوتی اور یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا، رسول اللہ ﷺ کے معجزات، آپ کی مدنی زندگی کے حالات اور مکی زندگی کے مصائب و آلام، اصحاب رسول کے دل چسپ قصے اور ایمان افروز واقعات تا دیر جاری رہتے اور ہم بنا پہلو بدلے آپ کے چہرے کو تکا کرتے تھے، یہ ذکر آپ کو تھکنے نہیں دیتا تھا، یقیناً رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت اطہار کے ذکر سے علم و دانش کو جلا ملتی ہے، نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جاں بخش تصور کوسوں میل دور موجود امت عاصی کے غموں سے چور دل پر مرہم کا کام کرتا ہے، ابو نے اپنے سفرنامے میں تحریر کیا ہے کہ ہمارے خاندان میں حضور ﷺ کی محبت بچپن سے دل میں گھر کرتی ہے اور اس بات پر مسرت کا اظہار کیا ہے اور ان باتوں پر فخر وہی شخص کرسکتا ہے خود جس کے دل میں حضور رسالت مآب ﷺ کی محبت کی جڑیں گہری اور مضبوط ہوں، مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے تھے ابو ہمیں لوری بھی سنایا کرتے تھے اور نعتیہ اشعار بھی، خصوصاً وہ چند اشعار جو ان کی زبان پر اکثر رہتے تھے۔

نام اسی کا باب کرم ہے ❁ دیکھ یہی محراب حرم ہے
دیکھ خم ابروئے محمد ❁ صلی اللہ علیہ و سلم

بچوں کو لوریاں اکثر مائیں سنایا کرتی ہیں، ہمیں ہمارے ابو نے بھی سنائیں، چھوٹی چھوٹی دلچسپ کہانیاں اور ہمارے بچپن کے واقعات مزے لے لے کر سنایا کرتے، خاندان کی خواتین کو میلاد پڑھتے، دیکھ کر جب ہم نے اس کی نقل کرنی شروع کی تو اسے بچوں کا کھیل سمجھ کر نظر انداز کرنے کے بجائے ہمیں دولائن کی روایتیں اور دو دو نعتیہ اشعار لکھ کر پڑھنے کے لیے دییئے، جس سے بچوں کی محفل میلاد کا آغاز ہوا۔

حضور زیب سجادہ مجیبی مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی جب اپنے پہلے سفرحج کے لیے روانہ ہوئے تو آپ کی پرلطف ضیافت فرمائی گئی اور فارسی میں تحریر شدہ ایک کاغذ عنایت کیا گیا، جس کو مواجہہ شریف میں پڑھنے کی تاکید بھی کی گئی، چند سال بعد جب میں سعودی عرب میں مقیم ہوئی اور حضور زیب سجادہ عمرہ وزیارت کے لیے تشریف لائے تو بوقت رخصت وہ کاغذ مجھے عنایت کیا اور فرمایا کہ ''اب تم یہیں ہو، جب حاضری کے لیے یہاں آؤ گی اس کو پڑھ لیا کرنا۔'' وہ کاغذ ہر سفر میں میرے ساتھ رہا، آج بھی محفوظ ہے۔

جب تک بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے آپ کو اذن باریابی نہیں ملا، آپ بے چین و مضطرب رہے، بالآخر آپ کی، ہم سب کی دعائیں مستجاب ہوئیں، آپ کو حج کا بلاوہ آگیا، ابو، ددا، امی اور بہجت، ساتھ میں عزیز چچا اور چچی (پروفیسر عزیز احمد شریف کالونی اور ان کی اہلیہ) بھی شامل حج تھے، چھ حاجیوں کا یہ قافلہ جب مکہ مکرمہ پہنچا تو معلوم ہوا قیام کا بندوبست عزیزیہ کے ایک ہوٹل میں ہے۔

اللہ نے اپنے مہمان کی ضیافت کا انتظام مہمان کی مہمان نواز طبیعت کے عین مطابق کیا تھا، ہوٹل بالکل نیا تھا اور اس میں پہلی بار حاجیوں کو ٹھہرایا گیا، بڑے بڑے کشادہ کمرے، طویل اور وسیع راہ داریاں، کمرے کے باہر کشادہ اور کھلی ہوئی جگہ تھی، جہاں فرش لگا دیا گیا تھا، ابو کے پاس محفل سجی رہتی تھی، امی یہاں بھی مہمان داری میں مصروف ہوگئیں، ہم بھی دمام سے عمرہ کے لیے حاضر ہوئے اور عزیزیہ میں ٹھہرے، تقریباً ۲۵/دن کا وقت ہم نے ابو کے ساتھ گزارا، ہم سب لوگ ساتھ حرم شریف جاتے تھے، ڈیڑھ سالہ نواسے کے لیے ہندوستان سے اچکن سلوا کر لے گئے تھے، اپنے ہاتھوں سے اس کو پہنایا، اس کے سر پر عمامہ باندھا، حرم میں اس کو بھاگتے دوڑتے دیکھ کر خوش ہوتے تھے، حرم کے صحن میں سیڑھیوں پر بیٹھ کر ابو کے ساتھ میں نے بیت اللہ شریف کو دیکھا تو اس وقت میرے سامنے دو مقدس چیزیں تھیں، ایک کعبۃ اللہ کی عظیم پرشکوہ عمارت، دوسرے میرے والد محترم کا نورانی چہرہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کا گھر اپنے تمام تر جاہ و جلال کے ساتھ قائم و دائم ہے اور ان شاء اللہ العزیز ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کو منظور ہوگا تو وہ سہانہ منظر پھر نظر نواز ہوگا، لیکن میرے والد کا مقدس چہرہ اور شفقتوں سے بھرا وجود ہمیشہ کے لیے ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ وہ دل فریب منظر اب کبھی میری نظروں کو سیراب نہیں کرے گا، وہ قیمتی لمحے جو ہمارے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل گئے، اب کبھی واپس نہیں آئیں گے، کاش کہ کوئی ترکیب ہوتی، کوئی ایسا رسم ہوتا جو جانے والے کی ان کے پیاروں کو ایک جھلک دکھا دیتا۔ واحسرتا۔

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

بہر حال! ہمارے ابو جان رحمۃ اللہ علیہ کو جس نوع و کیفیت سے دیکھا جائے، آپ کی شخصیت ہر اعتبار سے منفرد و یکتائے زمانہ تھی، ہم نے زندگی میں آپ کی طرح والد مشفق، تابع فرمان بیٹا، محسن و مہربان شوہر، عزیز و شفیق بھائی، نیک خو پڑوسی، رحم دل رشتے دار، غمگسار سرپرست، عالم باعمل، صوفی صافی، باکمال شیخ، غمخوار استاد و مربی، پاکباز عارف اور عظیم محقق اب تک نہیں دیکھا، آپ کی ذات یقیناً اس کے مصداق تھی ۔

سلوک و معرفت میں آپ کا ہمسر نہیں کوئی
نہ ہے بحر تلاطم میں کوئی لعل و گہر ایسا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روئے گی
نہ ہوگا اب چمن میں کوئی پیدا دیدہ ور ایسا

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

اسلاف کی عظمتوں کا عکس جمیل

● وصیت رباب — گورکھپور (یوپی)

''کوئی شخص اس وقت تک صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے دل میں میری محبت اپنی ذات سے اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر نہ ہوجائے''—(صحیح بخاری، ص:۱۵)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ہی محبت کر کے دکھائی تھی، ایسا ہی حب رسول ﷺ کا سچا جذبہ ہم نے اپنے والد محترم عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھا ہے، ہمارے دلوں میں بھی بچپن سے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو پروان چڑھایا ہے، ان کی پوری زندگی سنت نبوی ﷺ اور سیرت طیبہ کا روشن نمونہ تھی، وہ سچے عاشق رسول تھے، ان کا دل حب رسول ﷺ سے معمور تھا، بمصداق اس شعر کے:

روزم بیاد روئے محمد بسر شود
شب در خیال موئے محمد بسر شود
در ہر نفس چو یاد محمد بدل مرا
ہر دم بہ جستجوئے محمد بسر شود

—(حضرت نصر قدس سرہٗ)

ترجمہ : میرے دن محمد ﷺ کے روئے روشن کی یاد میں بسر ہوتے ہیں۔ راتیں زلف نبوی ﷺ کے خیال میں بسر ہوتی ہیں۔

چوں کہ میرے دل میں ہر لمحہ محمد ﷺ کی یاد موجود ہے۔ اس لیے میرا ہر لمحہ آپ ﷺ کی یاد میں گزرتا ہے۔

ہر کام بطریق سنت ہوا کرتا تھا دو بار حج بیت اللہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے اور کئی بار عمرہ بھی کیا، ان کے ساتھ

جانے والے زائرین کو مناسک حج کی ادائےگی کے آداب میں بھی بڑا فائدہ ہوا، حضرت کی ایک تحریر ’’المجیب‘‘ جون ۲۰۰۷ء کے شمارے میں بہ نام ’’ایک بے مایہ کا سفرِ حج‘‘ شائع ہوئی تھی، جس میں آپ نے حج کے ارکان و مناسک اور حرمین شریفین کے مقدس مقامات اور ان کے آداب و فضائل کے ساتھ اپنے مبارک سفر کی مکمل روداد نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کی ہے، وہ تحریر زائرین اور عازمین حج کے لیے ایک معلوماتی تحریر ہے۔

المجیب کے اس معیاری اور خاص نمبر میں حضرت کی علمی، ادبی، دینی اور دیگر خدمات پر معلوماتی تحریریں شامل ہوں گی، اس ناچیز کی تحریر نامکمل ہے، جو ان کی شخصیت کا احاطہ تو نہیں کر سکتی، لیکن حقیر نذرانہ وخراج عقیدت ضرور پیش کر سکتی ہے۔

ایک باپ اپنے بچوں کے لیے ایک سائبان کی طرح ہوتا ہے، جس کی ذات اُس کو ہر طرح کی تکالیف اور پریشانیوں سے بچاتی ہے، ہر عمر میں ہمیں اس کی شفقت ومحبت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اگر یہ نعمتِ عظمیٰ ہم سے چھن جائے تو دلی کیفیت بیان کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، گیارہ محرم الحرام کا دن ہمارے لیے ایک قیامت بن کر ٹوٹا، عصر و مغرب کے درمیان کا وقت تھا، ہمیں یہ جانکاہ خبر سننے کو ملی کہ ہمارے ابُو نہیں رہے، دل و دماغ اس حادثہ کے لیے بالکل راضی نہیں تھے، تیس دن کی طویل علالت کے بعد ہمیں یقین تھا کہ اب ہماری دعائیں ضرور مستجاب ہوں گی، ہم نے جو دعائیں مانگی تھیں، وہ رائیگاں نہیں جائیں گی، لیکن جس نے ہمیں عالم فانی میں بھیجا ہے، جب اُس کی مرضی ہوگی، وہ بلا بھی لے گا، ہم تو اس کی امانت ہیں، جس طرح کوئی خریدار اپنے لیے کچھ خریدنے نکلتا ہے تو سب چیزوں میں سے بہت ہی بہترین اور عمدہ چیزیں اپنے لیے پسند کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے بے شمار بندوں میں اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کو چن کر اپنے پاس بلا لیتا ہے، بہر حال زندگی کے کچھ تلخ حقائق ایسے ہوتے ہیں، جن کو قبول کرنا دل و دماغ کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے، بار بار ان کا مسکراتا چہرہ نگاہوں کے سامنے آتا ہے، بے ساختہ نگاہ ان کی مخصوص کرسی پر جاتی ہے، لگتا ہے کہیں سے آواز آئے گی ’’چائے ملے گی‘‘ کھانے کا وقت ہوگیا اور پھر مسکرا کر کہیں گے ’’لگتا ہے آج کھانا نہیں ملے گا‘‘ اور اپنی کرسی پر تشریف فرمائیں گے، لیکن افسوس صد افسوس ایسی عظیم و شفیق ہستی جن کی فیض رسانی اور شفقت و محبت بے مثال تھی، اب ہم لوگوں کے درمیان نہیں رہی اور ہم لوگ ان کے سایۂ شفقت سے محروم ہوگئے، خوش لباسی ان کی شخصیت کا خاصہ تھی، جب پڑھانے کے لیے تیار ہوتے یا عید گاہ جانے کو تیار ہوتے، مخصوص عبا اور دستار پہنتے تھے، ہم لوگ ذوق وشوق سے دیکھا کرتے تھے: ع

تیری صورت سے نہیں ملتی کسی کی صورت
ہم جہاں میں تیری تصویر لیے پھرتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ —(سورۂ آل عمران)

ترجمہ : اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

کچھ لوگ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، اللہ کی مرضی پر قانع اور متوکل رہتے ہیں، اپنا ہر معاملہ اللہ پر چھوڑ کر راضی بہ رضا رہا کرتے ہیں، جو کچھ ان کے ساتھ ہوتا ہے، مشیت الٰہی سمجھ کر اپنا سر جھکا دیتے ہیں، ایمان دار اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں، ان کا دل عظمتِ الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتا ہے، اللہ کے سوا وہ کسی اور سے ایسی محبت نہیں کرتے، نہ کسی سے التجا کرتے ہیں، نہ دوسروں کی طرف جھکتے ہیں، ان کی زبان گلے شکوے سے پاک، عجز وانکساری شخصیت کا حصہ ہوا کرتی ہے، صرف اس ذات برحق پر توکل کرتے ہیں، مشکل ونامساعد حالات میں بھی صبر وضبط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، ایسے لوگوں پر اللہ کا خاص کرم وعنایت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کو مختلف آزمائشوں سے گزارتا ہے اور آزمائشیں اُس کے قلب کو عشقِ الٰہی سے اور معمور کر دیتی ہیں، وہ اپنے رب سے اور قریب تر ہو جاتا ہے، ان کے ساتھ بیٹھ کر انسان واقعی اپنے آپ کو اللہ سے نزدیک سمجھنے لگتا ہے، یہاں پر ان باتوں کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس رسالہ کے خاص نمبر میں جس عظیم المرتبت شخصیت عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی جائے گی، ان میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں، خودداری، صبر، استقلال اور توکل ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

بچپن میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا، محض پانچ سال کی عمر میں یتیمی کا داغ سہا ہے، والد محترم (شاہ ہلال احمد قادریؒ) کی پرورش و پرداخت آپ کے جد امجد حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سایۂ عاطفت میں ہوئی، جو ایک صاحب کرامت بزرگ اور صوفی تھے، شعور کی آنکھیں کھولیں تو خود کو اپنے جد امجد کی آغوش میں پایا، اللہ نے آپ کو بہت بہتر نعم البدل عطا فرمایا تھا، وہ آپ کے جد امجد، مربی وسرپرست تھے، آپ کو اپنے دادا (حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ) سے بے پناہ محبت تھی، ہمہ وقت ان کی خدمت کو تیار رہتے تھے، آپ کا بیشتر وقت ان کی خدمت میں گزرتا تھا۔ خانقاہ مجیبیہ میں ہی آپ نے تعلیم حاصل کی، وہیں سے فارغ التحصیل ہوئے، حدیث کی تعلیم اپنے ماموں جان (حضرت مولانا سید شاہ عماد الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ) اور چچا جان (حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ) سے حاصل کی، فارغ التحصیل ہونے کے بعد خانقاہ مجیبیہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، آخر وقت تک دار العلوم مجیبیہ میں قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم دیتے رہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو لاتعداد صلاحیتوں سے نوازا تھا۔

والد گرامی ہمیشہ فرمایا کرتے تھے "لکھنے کے لیے مطالعہ کرنا پڑتا ہے اور بہت کرنا پڑتا ہے" اور ہم نے ہمیشہ ان کو لکھنے پڑھنے میں مصروف پایا، اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ کی سوانح محض ۲۵ سال کی عمر میں مرتب کی، دیگر تصانیف جو علم وادب کی دنیا میں گرانقدر سرمایہ ہیں، وہ یہ ہیں: خانوادہ سیدہ زینب، یزید حقائق کے آئینے میں، نغمات الانس فی مجالس القدس اور سیرت پیر مجیب۔

سیرت پیر مجیب کی تالیف کے زمانے میں ہمہ وقت ان کو لکھنے میں مصروف پایا، کئی کئی گھنٹے لکھنے میں مصروف

رہتے تھے، بسا اوقات کھانے پینے کا وقت بھی نکل جاتا تھا، فرماتے تھے کسی طرح سوانح کو مکمل کرنا ہے، بیچ میں بعض وجوہات کی بنا پر سلسلہ لکھنے کا منقطع ہو گیا تھا، پھر سے دوبارہ شروع کیا تھا، اہل علم کے لیے یہ ایک کامیاب ریسرچ کی سی حیثیت رکھتی ہے، یہ کتاب خانقاہ کے بزرگوں کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے ایک انمول تحفہ ہے، ان کی زبانی وقلمی خدمات کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، ان کے جانے سے علم وادب کی دنیا میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا ہے، بقول برادر معظم:

تیرے دم سے تھیں مری محفلیں
تو کہاں چلا مجھے چھوڑ کر

برادر معظم (زیب سجادہ) سے آپ کو بے حد محبت تھی، ان کی معمولی سی تکلیف پر بھی پریشان ہو جایا کرتے تھے، ہر وقت ان کے لیے دعا گو رہتے تھے، صاحب سجادہ بھی آپ کا بے حد اکرام واحترام کرتے تھے، اپنے والد ماجد (حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ) کی رحلت کے بعد سے آپ کو ہی اپنا سرپرست اور معاون ومددگار سمجھتے تھے۔

عمدۃ المتوکلین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کو خانقاہ میں زیارت کی خدمت کا شرف بھی حاصل تھا، کئی سال انہوں نے زیارت کی خدمت بھی انجام دی، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کی زیارت چھوٹی ہو، گیارہ کی زیارت کو ہمیشہ اولیت دیتے تھے، گیارہ کو سفر کرنا موقوف کر دیتے، علالت کی حالت میں پہلی بار زیارت موئے مبارک سے محروم ہوئے، جس کا انہیں بے حد افسوس تھا، جس کا اظہار بذریعہ میسیج کیا تھا:

"میں اپنی شدید علالت کی وجہ کر عید الاضحیٰ کی مسرت میں شریک نہ ہو سکا، محرومی سے محرومی اور بدنصیبی سے بدنصیبی ہے اور موئے مبارک کی زیارت سے بھی محروم ہوا۔"

حفاظ کرام کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن صاحب قرآن (حفاظ) سے کہا جائے گا، قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا، بس تیرا مقام وہیں ہوگا، جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہوگی"—(ترمذی شریف)

عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کی شخصیت کا ایک ایسا پہلو جو وہ ہمیشہ لوگوں سے مخفی رکھا کرتے تھے، یا کبھی ذکر نہیں کرتے تھے کہ انہوں نے قرآن کریم حفظ کر رکھا ہے یا وہ صاحب قرآن ہیں، والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ اکثر فارغ اوقات میں قرآن حفظ کرتے تھے، اکثر ہم لوگوں نے بھی قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا ہے، پوچھنے پر مسکرا کر ٹال دیا کرتے تھے، یہ ان کی عجز وانکساری تھی، بڑائی کرنا اپنی کبھی پسند نہ تھا، فن خطابت میں مہارت حاصل تھی، ملک میں جب حالات بہت کشیدہ تھے اور CAA اور NRC کی اندرون ملک کافی تحریک چل رہی تھی، آپ اس وقت بھی کافی متحرک تھے، کئی جگہوں

پر بذات خود تشریف لے گئے تھے اور اپنی خطابت سے نوازا تھا اور بھر پور تعاون کا یقین دلایا، جہاں جہاں لوگوں نے دھرنا دیا تھا، وہاں وہاں جا کر لوگوں کی حوصلہ افزائی کی، حالاں کہ اس وقت ان کے پیروں میں کافی تکلیف رہا کرتی تھی، انہیں بچوں سے بے حد محبت تھی، گھر کے بچے ہوں یا کسی عزیز کے، سب کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آتے تھے، خاندان کے کسی بھی بچے کے علمی و ادبی کارنامے سے بہت خوش ہوتے تھے، کسی بچے نے اگر کسی امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہو تو اسے جا کر مبارک باد اور دعاؤں کے ساتھ تحائف ضرور دیا کرتے تھے۔

خوش مزاجی و خوش اخلاقی شخصیت کا حصہ تھی، ہمہ وقت چہرے پر مسکراہٹ رہا کرتی تھی، انداز گفتگو بہت دلکش ہوا کرتا تھا، شخصیت میں ایک خاص مقناطیسی کشش تھی، جو ہر چھوٹے یا بڑوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کی وجاہت و متانت، اخلاق کی بلندی، علمی شغف اور مزاج کی سادگی کی وجہ کر قدر دانوں اور محبت کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، پوری زندگی خانقاہ کی خدمت اور اس کے عروج و ارتقا کی فکر میں ہمیشہ کوشاں رہے، خانقاہ عالم پناہ کے پیغامات کو دور دراز کے علاقوں میں پہنچانے کی کوشش کی اور اس میں ان کو نمایاں کامیابی بھی ملی، موصوف کے اوصاف و محاسن اور دینی سرگرمیوں کا ایک بڑا طبقہ دلدادہ ہے، حضرت کے بے شمار عقیدت مند اور مرید آج بھی آپ کی یاد میں گریہ کناں ہیں۔

آپ کی خانقاہ مجیبیہ سے بے پناہ عقیدت و محبت ہی تھی کہ تمام آخری رسوم تجہیز و تکفین کی ادائے گی برادر معظم (صاحب سجادہ) کی موجودگی و نگرانی میں خانقاہ میں ہی ہوئی اور چابوترہ فرد الاولیاء میں حضرت شاہ محمد ہادیؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ خانقاہ مجیبیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے جیسا جاں نثار، باوفا، مخلص، خانقاہی روایات کا امین اور سچا و بے باک محافظ عطا فرمائے۔ آمین!

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

آسمانِ علم وعرفان کے نیرتاباں

• شفا جعفری —— میرا روڈ، ممبئی

خوب بستی ہے قصبہ پھلواری ❁ سوز وعشق اس مکاں سے اٹھتا ہے
ہے یہ عشاق خیز جا کہ مدام ❁ دردمند اک یہاں سے اٹھتا ہے
—(حضرت نعمتیؔ پھلواروی)

پھلواری شریف ہزاوں سال سے آباد ہے، اس سرزمین میں بہت سے صوفی اور عالم آرام فرما ہیں، یہ ایسی جگہ ہے جہاں سے ہمیشہ اولیاء اللہ اور صاحب علم وفہم، صاحب ذوق افراد پیدا ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے، حضرت رسول نما بنارسی علیہ الرحمہ، پھلواری شریف کو ''قصبۂ ناجیہ'' کہا کرتے تھے۔

اسی پھلواری شریف سے ایک روشن ستارہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملا، عمدۃ المتوکلین مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ، آپ حضرت اقدس فیاض المسلمین قدس سرہٗ کے صاحبزادے حضرت امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ کے حفید سعید تھے، آپ کے والد حضرت مولانا شاہ عین احمد قادری عالم جوانی میں وفات پا گئے تھے، آپ بہت ہی ہونہار، ذی علم اور صاحب استعداد تھے، اس خانوادہ کا ایک شگفتہ پھول تھے، آپ حضرت امیر شریعت ثالث مولانا شاہ محمد قمر الدین قادری قدس سرہٗ کے نواسے تھے۔

آپ نے کم عمری میں یتیمی کا داغ اٹھایا اور اپنے دادا امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہ کی سرپرستی میں تعلیم وتربیت پائی، ان کی نگہبانی آخر تک آپ کے ساتھ رہی۔

والدہ بتاتی ہیں کہ ان کی وفات کے بعد آپ بہت مغموم اور بیمار رہنے لگے تھے، آپ کو اس مشکل دور میں سہارا دینے والے آپ کے پیرومرشد حضرت امان المستجیرین قدس سرہٗ تھے، آپ اپنی تحریر ''سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی

قدس سرہ العزیز“ میں فرماتے ہیں:

”حضرت کی شفقت ومحبت میرے والد کی شفقت ومحبت سے کم نہ تھی، میری لغزشوں اور کوتاہیوں سے ہمیشہ صرف نظر فرمایا کبھی عتاب نہیں فرمایا، مجھ کو اپنا امام نماز بنایا، دارالعلوم مجیبیہ میں درس وتدریس کا موقع عطا فرمایا، میری علمی ترقیوں سے بہت خوش ہوتے، ایک مرتبہ ایک مضمون لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا، دیکھ کر پسند فرمایا اور کہا اس کو چھپوا دو، میرے ذوق کو دیکھتے ہوئے ملفوظات حضرت مخدوم شاہ نعمت اللہ قدس سرہٗ کا قلمی نسخہ عنایت فرمایا کہ اس کا ترجمہ کرو، حضرت کی ذات میرے لیے دینی و دنیوی نعمتوں کا سرچشمہ تھی، حضرت کی کن کن باتوں کو یاد کروں؟ حضرت کی محبت و شفقت یاد آتی ہے تو کہنا پڑتا ہے ؎

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے“۔

آپ کی پیدائش شعبان ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں پھلواری شریف میں ہوئی، تاریخی نام محمد فضل رسول زینبی ہے، تعلیم کا زیادہ حصہ آپ نے اپنے جد مکرم کی سرپرستی میں حاصل کیا، اپنے ماموں حضرت مولانا شاہ محمد عماد الدین قادری علیہ الرحمہ سے اکتساب علم کیا، بخاری شریف اور حدیث کی دوسری کتابیں اپنے عم مکرم حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، آپ نے ایک طویل وقت اپنے بزرگوں کی رفاقت، عبادت اور ریاضت کے سائے میں گزاری، حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کا خاص کرم رہا آپ پر، آپ اپنے بزرگوں کی روایت کے امین تھے، اپنے دادا ابا کی خدمت میں دل و جان سے لگے رہتے تھے، وہ بھی آپ کو سب سے عزیز رکھتے۔

آپ نے بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں، المجیب اور دیگر رسالوں میں مسلسل ومتواتر آپ کے مضامین چھپتے رہے، ریڈیو میں بھی بہت سے مضامین نشر ہوئے، اپنی تعلیم خانقاہ مجیبیہ سے مکمل کی اور وہیں مدرسہ میں درس دیتے رہے، آپ ایک بے مثال مقرر اور خطیب تھے، نہایت سلیس اور عام فہم الفاظ میں تقریر کرتے، تاکہ لوگوں کو با آسانی سمجھ آسکے، آپ کی متعدد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں، جو کافی مقبول ہیں، جن سے آنے والی نسلیں استفادہ کریں گی۔

اعلیٰ مزاج تو ورثہ میں ملا تھا، شفیق، ملنسار، انکسار، پرتبسم چہرہ، میں نے اکثر دیکھا تھا کہ آپ جب طویل سفر پر جاتے تو اپنی والدہ کی قدم بوسی ضرور کرتے، ایسے بھی کہیں جانا ہوتا تو بغیر ملاقات کے اور ان کے ہاتھ سے پان کھائے بغیر نہیں جاتے، اپنا مسئلہ ہو تو ہر کوئی پریشان ہوتا، آپ دوسروں کے مسئلہ سے پریشان ہوتے، فوری طور پر اسے دور کرنے کی کوشش کرتے، کسی کو کچھ ضروری مسئلہ پوچھنا ہوتا، وہ کال کرتا، آپ فون پر ہی جواب مرحمت فرماتے، بزرگ ہو یا بچہ ہر فرد آپ سے ایک دفعہ ملاقات سے ہی آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا، آپ کے اخلاق سے لوگ اس قدر متاثر تھے کہ بہت دور سے لوگ تھوڑی دیر کے لیے آپ سے ملاقات کے لیے ضرور آتے اور آپ خود بہت ہی محبت اور عزت سے پیش آتے اور بنا تواضع کے جانے نہیں دیتے،

شکوہ شکایت، حسد، عیب جوئی وغیرہ سے آپ کا دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا، نمائش اور خود ستائش بالکل پسند نہیں تھی، اپنے خانقاہی ہونے کا فائدہ کبھی نہیں اٹھایا، نہ ہم لوگوں نے یہ امید رکھی، ان کی نظم ’’خودنمائی‘‘ کا ایک شعر پیش نظر ہے:

دکھاوے سے اللہ محفوظ رکھے
نہیں اس سے عقبیٰ میں کچھ بھی بھلائی

کتابوں سے عشق تھا، آپ کی آرام گاہ کے چاروں طرف کتب خانہ جیسا منظر نظر آتا ہے، بہت سے لوگ فارغ اوقات میں کتابیں دیکھتے نہیں، آپ کتابوں سے فارغ ہوتے تو کچھ اور کام کرتے، تعلیمی عمل سے بہت خوش ہوتے، اپنے گھر کے بچوں کی تعلیمی کامیابی سے تو خوش ہوتے ہی، خاندان کے بچوں کی کامیابی سے بہت خوش ہوتے، خصوصاً امتحانات میں پاس ہونے پر قلم ضرور تحفہ میں دیتے، آپ بہت باہمت اور مضبوط انسان تھے، کسی طرح کی بھی پریشانی اور مسئلوں سے گھبراتے نہیں، ڈٹ کر مقابلہ کرتے، دوسروں کی بھی حوصلہ افزائی کرتے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل یقین رکھتے تھے، الغرض آپ نے اپنی پوری حیات محبت والفت نبوی ﷺ سے سرشار اور سنت وسیرت رسول ﷺ کی پیروی میں گزاری، آپ کے ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہیں تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے عالم، مصنف، محقق اور صوفی ہی نہیں، بلکہ ایک دردمند دل رکھنے والے عظیم انسان بھی تھے۔

یادیں اور باتیں والدمحترم کی دل پر نقش ہیں، جن کا تذکرہ کرنا مجھ جیسی نااہل کے لیے مشکل ہے، یہ ایک ادنی سی کوشش ہے بطور خراج عقیدت، اس عظیم وشفیق مہربان والد کے لیے جن کا سایہ ہمارے سر سے ہٹ گیا، یہ المناک حادثہ صرف خاندان مجیبیہ کا ہی نہیں، بلکہ ہر ایک کا ذاتی خسارہ ہے۔

مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ والدمحترم کے دوسرے حج میں میں بھی شامل تھی، پہلا حج ۲۰۰۶ء میں ادا کیا اور دوسرا ۲۰۱۰ء میں، اس سال خاندان کے اور بھی بہت سے لوگ شامل تھے، ہم لوگوں کے گروپ میں نو لوگ شامل تھے، سبھی حجاج والدمحترم کی سرپرستی ونگرانی میں تھے، آپ سب کو حج کے ارکان کی تفصیل بتاتے رہتے، وظائف کی فوٹو کاپی کرا کر دی گئی تھی ہم لوگوں کو، اتنے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنا اور ایک ذرا پیشانی پر شکن نہ آنا سب کے بس کی بات نہیں، ارکان حج کے دوران گرمی اور دھوپ کی وجہ سے تھوڑی بہت پریشانی ہوئی، لیکن ابو نے کبھی کسی چیز کو برا نہیں کہا، کہتے: ’’ہم یہاں اللہ کے مہمان ہیں‘‘ چہرے پہ عجیب سی خوشی نظر آتی تھی، میں خود کو خوش نصیب سمجھتی ہوں کہ میری کعبۃ اللہ پر پہلی نظر اپنے والدین کے ساتھ پڑی، دوران طواف ابو باآواز بلند دعا پڑھتے جاتے اور روتے جاتے، میرا ہاتھ اپنے والد کے بازو میں تھا، مجمع کی وجہ سے مجھے پہلے ہی تنبیہ کر رکھی تھی ’’ہاتھ پکڑے رہو گی ادھر ادھر نہ ہو جانا‘‘ آہ! وہ زندگی کا خوبصورت ترین لمحہ اب میسر نہ ہوگا۔

پھلواری شریف میں تو ملنے والوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا لیکن مکہ شریف ہوٹل میں بھی ملنے والوں کی کمی نہیں تھی، یہ آپ کا

حسن اخلاق تھا کہ جہاں جاتے زمانہ آپ کے پیچھے ہوتا، اکثر ہوٹل میں ملاقات کے لیے لوگ آتے یا حج سے متعلق مسئلہ دریافت کرتے، چائے کا سلسلہ وہاں پر بھی چلتا رہتا، چائے کا سامان ہم لوگ اپنے ساتھ لے گئے تھے، میٹھے کے بہت شوقین تھے، چائے پلائے بغیر کسی کو جانے نہیں دیتے، میٹھی چائے میٹھا لہجہ ہر ایک کو اپنا گرویدہ کرلیتا۔

آپ کی حیات طیبہ محبت والفت نبوی ﷺ سے سرشار اور سنت وسیرت رسول ﷺ کا کامل نمونہ تھی، جمعہ، عید میلاد النبی ﷺ، زیارت موئے مبارک شریف، عرس اور قل و فاتحہ کے لیے ضروری سے ضروری کام چھوڑ دیتے، جب سے زیارت شریف کی خدمت آپ کے ذمہ ہوئی تھی مجھے یاد نہیں کہ کبھی ناغہ بھی ہوا ہو، موئے مبارک شریف کی زیارت کی خدمت آپ کی زندگی کا اہم جزو تھی، بے پناہ محبت وعقیدت سے آپ یہ خدمت سرانجام دیتے، غرض کہ جو عمل آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف لے جاتا، اسے بے حد محبت واحترام کے ساتھ ادا کرتے، ایسے ہی مدینہ منورہ کے قیام میں پہلی حاضری کے لیے جانا تھا، اس رات تین بجے شب سے ہی آپ کی تیاری شروع ہوگئی تھی، غسل وغیرہ سے فارغ ہوئے اور پھر اپنی وہ مخصوص ٹوپی جو کہ اوپر سے سبز اور اندر کی طرف نعلین شریف بنی ہوئی تھی، نعلین شریف ڈھاگہ سے خاص کرا بو نے بنوایا تھا، اہتمام سے وہ صرف زیارت شریف میں ہی پہنتے تھے اور آج تو بات ہی کچھ اور تھی، آج اپنے آقا ومحبوب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے روضۂ انور پہ حاضری دینے جارہے تھے، عبا پہنی اور نعلین شریف بنی ہوئی ٹوپی اور اس کے ساتھ عمامہ باندھا خود کو خوشبو میں بسایا، آئینہ میں بار بار اپنا عمامہ صحیح کرتے اور زیرلب درود شریف کا ورد کرتے رہے، عشق نبوی ﷺ میں سرشار ان کی تیاری مکمل تھی۔

یہ دیار پاک نبی ہے یاں چلو تو پاس ادب رہے
جو یہاں کہیں پہ بھی خار ہے تو نظر نظر میں وہ پھول ہے

ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ کی گیارہ تاریخ کو زیارت موئے مبارک نصیب نہ ہوئی، کیوں کہ آپ ۱۰/ذی الحجہ عید الاضحیٰ کے روز ہی ہاسپیٹل میں ایڈمٹ ہوئے، گیارہ تاریخ کو طبیعت کچھ بہتر تھی، آپ خود آنے سے معذور تھے، لیکن بچوں کو خاص تاکید سے زیارت کے لیے بھیجا کہ جاؤ زیارت کرکے آؤ، موئے مبارک کی زیارت نہ کرنے کا بہت افسوس رہا، اس کا ذکر آپ نے اپنے آخری میسج میں اس طرح کیا ہے:

''اللہ آپ لوگوں کے لیے بھی عید الاضحیٰ مبارک کرے، میں عید الاضحیٰ کی پہلی تاریخ کو ہی مبتلائے مرض ہوا، اس کے بعد کمزوری شروع ہوئی، میری برداشت سے معاملہ باہر ہونے لگا تو بچوں نے پھلواری کے ایک ہوسپیٹل میں ایڈمٹ کیا اور احتیاطاً کرونا ٹسٹ کرایا، نہیں نکلا تو ایڈمٹ کرلیا، اتنا ساواٹس ایپ کرنے سے بھی تھک گیا، دعاؤں میں یاد رکھیں، میں اپنی شدید علالت کی وجہ کر عید الاضحیٰ کی مسرت میں شریک نہ ہوسکا، محرومی سے محرومی اور بدنصیبی سے بدنصیبی اور موئے مبارک کی زیارت سے بھی محروم ہوا۔''

مکمل ایک ماہ آپ ہاسپیٹل میں ایڈمٹ رہے، آخر کار محرم الحرام کی گیارہ تاریخ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلالیا۔

حشر ہو اپنا بھی یارب ساتھ اہل بیت کے
اپنا سر ہو زیر سنگ آستانِ کربلا

جس وقت یہ خبر ہم لوگوں کو موصول ہوئی اس وقت میں اور والدہ ہم دونوں ہی درود شفا اور دعا وغیرہ پڑھ رہے تھے، جو خلوت شریف سے دی گئی تھی، دعا کے بعد چہرے پہ ہاتھ پھیرا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، ایک مہینہ کا انتظار ایک سیکنڈ میں ختم ہوگیا، ابو چلے گئے، کبھی سوچا نہیں تھا کہ اتنی جلدی یہ وقت بھی آجائے گا اور آ کر گزر جائے گا اور ہم خالی دامن رہ جائیں گے، بس اتنی ہی مدت لے کر آئے تھے، اب کبھی ہم انہیں ہنستے مسکراتے نہیں دیکھ سکیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے، ان کی قبر پر رحمتوں کی بارش ہوتی رہے، آمین ثم آمین۔ اور جناب حضور زیب سجادہ مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ اپنے حفظ وامان میں رکھے، فیضان تاج العارفین ہمیشہ قائم ودائم رہے۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم، اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

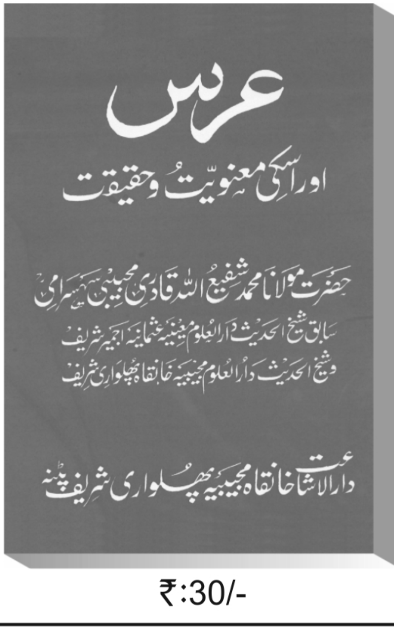

₹:30/-

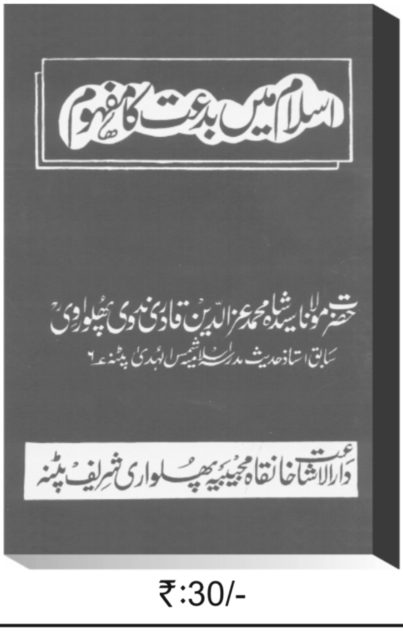

₹:30/-

میرے نانا ابا رحمۃ اللہ علیہ

● قدوۃ الدین محمد یمین اللہ — خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

اک قیامت ڈھائے گا دنیا سے اٹھ جانا مرا
یاد کر کے روئیں گے یارانِ میخانہ مجھے

قصبہ پھلواری شریف میں خانوادہ زینبی جعفری کے علما و مشائخ نے انسانی زندگی بالخصوص علمی و عرفانی متعدد میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، خانقاہ مجیبیہ کی چار سو سالہ تاریخ کا ورق ورق اس بات پر گواہ ہے کہ قوم و ملت کو جب جب رہنمائی، قیادت و امارت کی ضرورت پڑی تاریخ شاہد ہے کہ اکابرین خانقاہ نے قوم کی اس اہم ضرورت کو پورا کیا۔

اکابرین پھلواری کی طرح میرے نانا ابا حضرت عمدۃ المتوکلین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نام آسمان میں سورج کی حیثیت سے تھا یہ سورج اپنے بزرگوں کے طرز پر چھوٹے بڑے ستاروں کو روشنی فراہم کر رہا تھا، بظاہر وہ آفتاب عالم تاب اپنی حیات مستعار کو مکمل کر کے غروب ہوگیا ہے، لیکن وہ روحانی، علمی و عرفانی دنیا میں اپنی تمازت سے ہر ایک کو آج بھی گرما رہا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں نیک صفات، مخلص و باصفا، روشن ضمیر و عالی ہمت، با کمال و بے مثال ہستیوں کی مخلصانہ کاوشوں اور دینی، علمی و روحانی کوششوں سے ارض کائنات ہمیشہ سرسبز و شاداب اور لہلاتی رہی ہے، جن کی بے لوث اور پرخلوص خدمات سے کشت انسانیت گل گلزار میں تبدیل ہوتی رہی ہے، ظلم و ناانصافی کی جڑیں کھوکھلی اور باطل قوتوں کی تدبیریں پست ہوتی رہی ہیں، حیات انسانی جن کے فیض سے سیراب اور فہم و فراست سے تاریکی روشنی کا رخ کرتی رہی ہے، جن کی دعوت و ارشاد سے دین مصطفوی اور دبستان تصوف کی شاخیں پھلتی پھولتی رہی ہیں، غیرت مندانہ اقدام اور غیر جانبدارانہ اعمال سے حریف مخالف میں کھلبلی مچتی رہی ہے، باطل سرنگوں ہوتا اور حق کو بلند و کامیابی نصیب ہوتی رہی ہے، پاکیزہ نفس ہستیوں کے وجود کو ہر زمانے میں باعث تسکین و اطمینان اور سبب رحمت سمجھا جاتا رہا ہے اور جن کی موت کو سارے عالم کے لیے عظیم خسارہ تصور کیا جاتا رہا ہے۔ ہمارے جد کریم رحمۃ اللہ علیہ کی پاک زندگی اور آپ کی ذات بابرکت بھی ان تمام صفات سے متصف رہی۔

آپ کی ذات سے علم وادب،تصوف وسلوک اور مذہب وملت کے وہ کارہائے نمایاں انجام پائے جو دوسروں سے شاذ ونادر ہی انجام پاتے ہیں، میں ایک نو آموز طالب علم آپ کے علمی وادبی کمالات اور آپ کی دینی وملی خدمات کا احاطہ کس طرح کرسکتا ہوں، جب کہ مجھے تو آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا صحیح طور پر اندازہ بھی نہیں ہے، کیوں کہ میں نے آپ کی صحبت وسایہ شفقت میں غیر شعوری کے ایام گزارے ہیں، آپ کی آغوش رحمت میں کھیلنا، مچلنا، دوڑنا، بھاگنا ہی سیکھا،تعلیم وتربیت،علم وآگہی کا دور ابھی شروع ہی ہوا تھا،عربی کی چند ابتدائی کتابیں پڑھنے کی سعادت ہی میسر آئی تھی کہ آپ کی ذات گرامی سے ظاہری استفادہ کا باب ہمیشہ کے لیے مسدود ومقفل ہو کر رہ گیا،افسوس! کہ مجھے تو اپنے ارمانوں کا پتہ نہیں،مگر آپ کے دل میں میرے لیے کتنے ارمان رہے ہوں گے، مجھے کس کس طرح سجاسنوارنا چاہتے تھے، مجھے کس بلندی پر پہچانا آپ کا منشا تھا،آپ کی ساری خواہشیں آپ کے ساتھ روپوش ہوگئیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ومحبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل وکرم اور بزرگوں کے طفیل مجھے ۲۰۰۷ءکو ایام شیرخوارگی میں اپنے والدین کریمین دام ظلہما کے سایہ عاطفت میں ایک بار حج بیت اللہ اور بارگاہ نبوی ﷺ پر حاضری کی گراں بہا دولت نصیب ہوئی ہے، اس وقت میں صرف ایک سال کا تھا، وہیں حرم شریف میں مطاف کے اندر میں نے چلنا سیکھا،اس کے علاوہ دو بار عمرہ کی فضیلت بھی حاصل رہی ہے،فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

میری اس عظیم سعادت پر جہاں خاندان کے سبھی بزرگ شاداں وفرحاں اور میرے حق میں دعاگو تھے، وہاں میرے نانا ابا رحمۃ اللہ علیہ بھی حد درجہ خوش تھے اور اپنی نیک دعاؤں سے نواز رہے تھے، آپ کی خوشی اور مجھ ناچیز نواسے پر آپ کی شفقت و پیار کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس موقع پر فرط مسرت سے آپ نے ایک طویل نظم لکھ دی، جو المجیب ۲۰۰۷ء شمارہ نمبر: ۴ میں شائع ہو چکی ہے اور اس خصوصی شمارہ میں بھی حضرت عمدۃ المتوکلین کے کلام کے ضمن میں شامل ہے، اس کا عنوان ''مبارک ہیں تم کو حج سی عبادت'' ہے۔اس نظم کے اوپر حضرت نے جو نوٹ لکھی ہے وہ ملاحظہ کریں:

''الحمدللہ! اس سال میرے نواسے نورچشم قدوۃ الدین یمین اللہ سلمہ اور نواسی نور دیدہ وفیۃ الرسول شہباء سلمہا اللہ وانبتہا بناتاً حسناً نے حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ انور کی سعادت پائی، دونوں بچوں نے اپنی والدہ اور والد گرامی حضرت زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ، مولانا الحاج سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ کی معیت میں تمام ارکان ومناسک حج ادا کئے، میری نواسی دو سال کی ہیں اور نواسے ایک سال کے ہیں۔ بارك الله في اعمارهم. ذیل کے اشعار،خصوصیت کے ساتھ نوردیدہ وراحت دل یمین اللہ سلمہ اللہ وحفظہ، کے سفر حج کے تاثرات بہجت ومسرت ہیں، میرے نواسے سلمہ نے اب ماشاءاللہ صحن حرم میں چلنا سیکھ لیا ہے، یہ بھی باعث مسرت ہے کہ ایام شیرخوارگی میں حج کی سعادت خاندان میں پہلے ان ہی کو حاصل ہوئی اور یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ مدینہ طیبہ کے لئے ان کی روانگی ان کی پیدائش کی تاریخ میں ہوئی اور وہ اسی دن پورے ایک سال کے ہو رہے تھے—بارك الله في عمره و رقاه الى مدارج الكمال.''

اسی طرح ۲۰۱۳ء میں نانا ابا رحمۃ اللہ علیہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تھے اور ۲۶/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ کو میرا اور میری ہمشیرہ کا ناظرۂ قرآن مکمل ہوا تو اس موقع پر میری والدہ نے ایک تقریب رکھی اور اس کی اطلاع نانا ابا کو دی گئی تو آپ نے نہایت فرحت و مسرت کا اظہار فرمایا اور اسی وقت حرم شریف سے ہی دو شعر بذریعہ موبائل ارسال فرمایا:

یمیں کرد تعلیم قرآں تمام ❁ شنیدم این مژدہ بہ بیت الحرام
یمینم کہ نور دو چشمم از اوست ❁ عروجش دہد بہ ہر خاص و عام

نانا ابا رحمۃ اللہ علیہ نے میری طفلگی کی مختصر اور قلیل مدت میں جس شفقت و کرم کے ساتھ میری تربیت فرمائی وہ تا حین حیات یاد رہے گی، اور آپ کی انمول تربیت میری آنے والی زندگی کے لیے بہترین رہنما ثابت ہوگی، مجھے بدو شعور سے قبل کی باتیں یاد نہیں ہیں، لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا اور آپ کے فیض صحبت میں حاضری کا شرف حاصل کیا تو آپ مجھے انبیا و مرسلین علیہم السلام کے واقعات، صحابہ و اہل بیت عظام اور اولیائے کرام بالخصوص اکابرین خانقاہ کے حالات سنایا کرتے اور کبھی خاندان کی تواریخ بھی بیان کرتے تھے، مجھے آپ کے بتائے ہوئے چھوٹے چھوٹے قصے اور کہانیاں اچھی طرح یاد ہیں۔

میرے نانا ابا رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے بہت محبت و شفقت فرماتے تھے، کہیں سے آتے تو مجھے ”قدوہ“ کہہ کر آواز دیتے اور میرے لیے جو تحفہ لاتے عنایت فرماتے، بچپن میں میرے ساتھ کھیلتے، دوڑتے اور حد درجہ لاڈ کرتے تھے، گھر کے دیگر بچوں کو میرے ساتھ جمع کر کے میلاد کی محفل کرواتے اور مجھ سے بیان کرواتے مجلس سماع قائم کرواتے، الغرض نانا ابا کی ان اداؤں پر ابھی غور کرتا ہوں تو آپ کی اداؤں میں سیرت نبوی ﷺ کا عکس جمیل بطور اتم نظر آتا ہے، یعنی اپنے نواسوں کے ساتھ پیارے نبی ﷺ کا جو معمول تھا، وہی میرے نانا ابا کا میرے ساتھ تھا، اے کاش! وہ وقت مسعود دوبارہ لوٹ کر آتا، وہی آغوش رحمت ہوتی، وہی کنار عاطفت نصیب ہوتا، آپ کا حسین اور پر نور چہرہ مسکراتا، قہقہے مارتا نظروں کے سامنے ہوتا تو میں سو جان سے آپ پر قربان ہو جاتا اور اپنا سب کچھ آپ پر نثار کر دیتا۔

اللہ رب العزت میرے نانا ابا کو اپنی خاص رحمت میں جگہ نصیب کرے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے فیوض و برکات روحانی سے ہمیں مستفیض فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

آپ کی ذات کثیر التصانیف تھی، لوگوں نے آپ کی قیمتی و تحقیقی تحریروں اور تقریروں سے خوب استفادہ کیا۔ بابا جان حضور مدظلہ العالی کی غزل کا یہ شعر نانا ابا رحمۃ اللہ علیہ پر حرف بہ حرف صادق آتا ہے ؂

مجھے پڑھنے والے نے بہت پڑھا، مجھے سننے والے نے بہت سنا
مرا باب زندگی طویل تھا، مگر چند صفحے میں سمٹ گیا

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

اہل تصوف کی نگاہ میں

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبیؒ

عالم باعمل فصیح البیان تصوف وسلوک کی بلند پایہ شخصیت

● جناب ڈاکٹر سید شاہ تقی الدین احمد فردوسی ندوی منیری — خانقاہ منیر شریف، پٹنہ

محرم الحرام ۱۴۴۲ھ کی گیارہ تاریخ تھی جب مجھے شام کے وقت عزیز گرامی حافظ سید شاہ حسین بہجت قادری سلمہ اللہ نے اپنے والد ماجد صاحب حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کی اطلاع دی — انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ خبر سن کر میری عجیب کیفیت ہوگئی اور میں رونے لگا، کیوں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے بہت ہی عزیز بھائی تھے، میں ان کے بہت قریب تھا اور وہ بھی میرے بہت ہی قریب تھے، حضرت شاہ صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۹۷ء کو ہوئی، جب میں ڈاکٹر عبدالحیؔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں درس قرآن دے رہا تھا، یہ اتوار کا دن تھا اور تاریخ دسویں محرم الحرام تھی، اس لیے حضرت شاہ صاحب بھی ذکر و بیان شہادت امام حسین علیہ السلام کے لیے یہاں تشریف لائے تھے، گرمی کا زمانہ تھا اسی میں حضرت تشریف لائے، جب کہ وہ یوم عاشورہ کا روزہ بھی رکھے ہوئے تھے اور جب حضرت شہادت امام عالی مقام کا ذکر و بیان شروع کیا تو سامعین بہت ہی توجہ اور خاموشی سے ذکر شہادت امام عالی مقام علیہ السلام سنتے رہے، اسلوب ایسا پُر اثر تھا کہ راقم الحروف سنتا رہا، ظہر کی نماز سے پہلے وعظ ختم ہوا اور میں اپنے گھر واپس آیا، میری کیفیت عجیب ہو رہی تھی، جس کا اظہار میں نے مدح امام عالی مقام علیہ السلام میں کیا جو مندرجہ ذیل ہے اور عاشورہ کے دن کہی گئی ہے:

مدح عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام

غموں کی گر ہے صبح تو مصیبتوں کی شام ہے وہ دیکھو دیکھو کربلا میں آج ازدحام ہے
وہ مرتضیٰ کا لاڈلا وہ متقی وہ باصفا وہ داستان کربلا کا بالیقیں امام ہے

بحکم رب کبریا تھے صف بصف ملائکہ امام کے حضور میں کیا یہ عرض مدعا
نبی کے نور عین کو امام کو حسین کو تحیت و سلام ہے تحیت و سلام ہے
حنین و بدر کی زمیں پہ معرکے کی ابتدا رسول کی حیات کے ورق کو تو پلٹ ذرا
پڑھے گا بار بار تو مؤرخوں کا فیصلہ یہ داستانِ کربلا اُسی کا اختتام ہے
یہ امر بالیقین ہے کہ شمر جو لعین ہے قسم خدا کی دوستو یزید کا معین ہے
تقی کا انکشاف ہے عدو کا اعتراف ہے یہ بات صاف صاف ہے جو بر زبان عام ہے
عزیمت حسین یعنی مدحِ شاہِ کربلا بیاں کرے ہے کو بکو بیاں کرے ہے برملا
بفضل رب ذوالمنن بفیض نام پنجتن عطا ہوا تقی کو ہے بیان و گفتگو کا فن یہ شکر کا مقام ہے

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد سے دوسری ملاقات مسجد عبدالحئی ہی میں اس وقت ہوئی جب درس قرآن کے لیے آپ تشریف لائے تھے، درس قرآن کریم کے بعد ہم دونوں کی باتیں شروع ہوئیں، انہوں نے دریافت فرمایا کہ سعودی عرب کب واپسی ہوگی؟ میں نے تاریخ بتائی تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ ’’آپ کی بہار کو زیادہ ضرورت ہے‘‘ میں نے عرض کیا کہ والدہ ماجدہ کی بھی یہی خواہش ہے، حضرت شاہ صاحب سے اس ملاقات کے بعد میں سعودی عرب واپس چلا گیا لیکن سعودی عرب میں بھی حضرت شاہ صاحب اور والدہ ماجدہ کی باتیں مجھے یاد آتی رہیں اور بالآخر میں نے وطن واپسی کا پروگرام بنا لیا، پھر حضرت شاہ صاحب سے میری تیسری ملاقات خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ داناپور میں ہوئی، جب ہم دونوں حضرت سید شاہ اکبر داناپوری کی صدسالہ تقریب میں شرکت کے لیے داناپور گئے تھے، حضرت شاہ صاحب نے مجھ سے بہار آنے کی خواہش کا پھر ذکر کیا، میں نے انہیں اطلاع دی کہ ان شاء اللہ ملازمت کی مدت ختم ہونے کے بعد میں بہار ہی واپس آؤں گا، اور پھر ۳۰/اپریل ۲۰۱۱ء کو میں ہندوستان واپس آ گیا، ہندوستان واپس آنے کے بعد میں نے عظیم آباد (پٹنہ) میں رہنے کا پروگرام بنایا جیسا کہ میرا شروع سے ارادہ تھا۔ پٹنہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور بذریعہ موبائل بھی گفتگو ہوتی تھی، حضرت شاہ صاحب سے مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی تھیں، علمی گفتگو کے علاوہ گھریلو موضوعات پر بھی باتیں ہوتی تھیں، کئی بار حضرت شاہ صاحب نے میری طلب پر تعویذیں بھی لکھ کر مجھے بھیجیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں دست شفا بنایا تھا، جب بھی انہوں نے تعویذیں دیں، الحمدللہ میرے مقاصد پورے ہوئے، ۲۰۱۲ء میں جب ان کی صاحبزادی کی شادی تھی، مجھے حضرت شاہ ہلال صاحب نے مدعو کیا تھا اور خاص بات یہ تھی کہ انہوں نے الگ سے میری پسند کی چیزیں بنوائی تھی، اللہ اللہ! یہ ہے ان کی مجھ سے محبت کی ایک مثال، حضرت شاہ صاحب کو مجھ سے کتنی محبت تھی اگر میں ان کا ذکر شروع کروں تو پورا ایک مضمون بن جائے گا، چند سال قبل حضرت کا صبح صبح فون آیا کہ کیا آپ پٹنہ ہی میں ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، فرمانے لگے کہ

"میں حاضر خدمت ہو رہا ہوں" میں نے عرض کیا: "اھلاً و سھلاً" حضرت تقریباً گیارہ بجے تشریف لائے، ساتھ میں ان کے ایک صاحب بھی آئے تھے، آنے کے بعد حضرت نے فرمایا: "ایک کمپیوٹر پروگرام ساتھ لایا ہوں، جس کا نام ہے "المکتبۃ الشاملۃ" وہ پروگرام آپ کے کمپیوٹر پر منتقل کروا دوں گا اور جو صاحب حضرت کے ساتھ آئے تھے، ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ صاحب یہ کام کردیں گے، پھر یہ بھی فرمایا کہ اس پروگرام میں تقریباً ۳۰؍ہزار کتابیں ہیں، اس طرح وہ قیمتی خزانہ میرے کمپیوٹر میں منتقل ہوگیا اور وہ خزانہ میرے علمی سفر کا رفیق بن گیا، اس خزانہ میں سارے فنون کی کتابیں ہیں، جن سے مجھے فائدہ پہنچتا رہا، چند سال پہلے مملکت سعودی عرب کے ایک پروفیسر نے حکومت سعودی عرب کو ایک بدبختانہ مشورہ دیا کہ نعوذ باللہ گنبد خضرا ہدم کردیا جائے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اطہر اور صاحبین رضوان اللہ تعالیٰ علیہما کے جسم اطہر کو منتقل کردجائے، پروفیسر مذکور کے اس بدبختانہ مشورہ کے خلاف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں نثاروں نے صدائے احتجاج بلند کی، صوبہ بہار کے اصحاب خانقاہ اور علما و مشائخ نے بھی صدائے احتجاج بلند کی اور انجمن اسلامیہ پٹنہ میں ایک اجتماع کا پروگرام بنایا، تاکہ مملکت سعودی عرب کے بادشاہ کو ایک خط لکھ کر یہ مطالبہ کیا جائے کہ پروفیسر مذکور کے مشورہ کو فوراً منسوخ کیا جائے، حضرت شاہ صاحب نے بادشاہ سلامت کو بھیجے جانے والے خط کی ایک کاپی اردو زبان میں مجھے بھیجی کہ میں اس خط کا عربی زبان میں ترجمہ کردوں، حضرت شاہ صاحب کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں نے عربی زبان میں ترجمہ کردیا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بادشاہ سلامت نے شاہی فرمان کے ذریعہ پروفیسر کے مشورے کو منسوخ کردیا۔ الحمدللہ اس طرح یہ مسئلہ حل ہوگیا، ایک بار درمیان گفتگو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ "میں چاہ رہا ہوں کہ حسین بہجت میاں سلمہ اللہ کو آپ کے پاس استفادہ کے لیے بھیجوں" میں نے حضرت شاہ صاحب کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے اپنی خوش قسمتی بتایا، اس طرح حسین بہجت بابو میرے یہاں آنے لگے، حسین بہجت بابو دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں پڑھ رہے تھے، لیکن صحت کی وجہ سے وطن واپس آگئے اور پٹنہ میں ہی اپنی تعلیم جاری رکھی ہے۔

چند سال پہلے کا ذکر ہے، جن دنوں میں دہلی میں تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فون آیا کہ آپ کہاں ہیں؟ میں نے بتایا کہ دہلی میں ہوں، آپ نے فرمایا کہ خانقاہ مجیبیہ میں محرم الحرام کی مناسبت سے ایک مشاعرہ منعقد ہوگا، مصرعہ طرح ہے: "خون سے لکھی گئی ہے داستان کربلا" اس مصرعہ طرح پر آپ بھی لکھیں، حضرت شاہ صاحب کی خواہش پر میں نے چند اشعار لکھے جو حسب ذیل ہیں:

نور عین مصطفیٰ نام و نشان کربلا ❁ آپ ہی کے دم سے ہے سب آن و بان کربلا

آپ سردار شہیداں اور فرزند علی ❁ آپ جان فاطمہ اور جانِ جانِ کربلا

سخت گرمی راہ میں دشواریاں بھی بے شمار ❁ اور پھر تھیں ہر طرف ریگ تپان کربلا

سیم و زر سے قیمتی سبط نبی کا ہے لہو ❁ رقم جس سے کی گئی ہے داستان کربلا

کربلا کا معرکہ ہے اختتام جنگ بدر ❁ یہ بتاؤ واعظو! وقت بیان کربلا

آپ کا جسم مطہر کربلا کی ریت پر ❁ یہ نظارہ مومنو! تھا امتحان کربلا
ان شہیدان وفا کا ذکر تم ہر دم کرو ❁ خون سے جن کے سجی ہے داستان کربلا
مولوی جوہر نے کی تفسیر ہے قرآں کی خوب ❁ ''زندۂ جاوید ہیں پیر و جوان کربلا''
خواہش شاہ ہلال قادری یہ اے تقیؔ ❁ ہوں شریک محفل ذکر و بیان کربلا

مجلہ''المجیب''(جو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا ترجمان ہے) کے خاص نمبر میں یہ اشعار شائع ہو چکے ہیں۔

ہندوستان میں شہریت (قومیت) کے جو نئے قوانین حکومت ہند نے بنائے ہیں، ان پر تبادلہ خیال کے لیے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ایک محفل منعقد کی گئی، جس میں صوبہ بہار اور جھارکھنڈ کے سجادہ نشیں حضرات یا ان کے نمائندے شریک ہوئے، حضرت سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری مجیبی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس محفل میں شرکت کی دعوت دی، تاکہ میں اختتام محفل سے پہلے دعائیں کروں، اس طرح اس تاریخی اجتماع میں میری بھی شرکت ہوگئی، یہ میری اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آخری ملاقات تھی، اس ملاقات کے بعد فون سے اکثر باتیں ہوتی رہیں، ہسپتال میں داخل ہونے سے چند دنوں پہلے بھی باتیں ہوئیں اور انہوں نے بتایا کہ''مجھے کئی دنوں سے بخار ہوگیا ہے''بوقت گفتگو ایسا معلوم ہوا کہ شاہ صاحب بہت کمزور ہو گئے ہیں، اس لیے میں نے فوراً اجازت لے کر گفتگو ختم کر دی، میری حضرت شاہ صاحب سے آخری گفتگو تھی، اس دن کے بعد میری ان کی بات چیت نہیں ہوئی، پھر کئی دنوں کے بعد حضرت شاہ صاحب کے صاحبزادے عزیز گرامی شاہ حسین بہجت سلمہ اللہ کا فون میرے پاس آیا کہ:''ابو پھلواری شریف کے ایک ہسپتال میں داخل ہیں، ہسپتال والے کہہ رہے ہیں ان کے یہاں وینٹیلیٹر (Ventlilator) نہیں ہے، اس لیے ہم لوگ ان کو دوسرے ہسپتال لے جارہے ہیں'' پھر تھوڑی دیر میں ان کا فون آیا کہ الحمدللہ وہ ایمس میں داخل ہوگئے، اس طرح حضرت کا باقاعدہ علاج شروع ہوگیا، ہم روزانہ بہجت بابو سلمہ سے حضرت شاہ صاحب کی خیریت معلوم کر لیتے تھے، میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ حضرت شاہ صاحب سے اب ملاقات نہیں ہوگی، اس لیے جب عزیزی بہجت بابو نے ۱۱ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ کو حضرت شاہ صاحب کی رحلت کی مجھے اطلاع دی یقین کرنے کو دل میرا راضی نہیں تھا لیکن چوں کہ بہجت بابو سلمہ نے یہ اطلاع دی تھی، اس لیے میں رونے لگا، اور چوں کہ میں خود ہی عرق النساء کے درد کی وجہ سے ذی فراش تھا، اس لیے خانقاہ مجیبیہ نہیں جاسکا، بلکہ بہجت بابو سے کہہ دیا کہ وہ حضرت سید شاہ آیت اللہ قادری حفظہ اللہ اور دوسرے اکابرین کو میرا سلام پہنچا کر میرے نہ آنے کی وجہ بتادیں اور میری طرف سے معذرت کر لیں۔

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادی مجیبی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ماہِ شعبان ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو پھلواری شریف میں ہوئی، آپ امیر شریعت ثالث حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حفید (پوتے) تھے، کم عمری یعنی جب پانچ سال کے تھے اس

وقت سے یتیمی کا داغ اٹھایا، اور پھر جد مکرم حضرت سید شاہ نظام الدین صاحب کی کفالت میں آگئے، پھر جد مکرم نے تربیت و نگہداشت کی ذمہ داری اٹھائی اور جد مکرم سے تعلیم کا زیادہ حصہ حاصل کیا۔

نیز دارالعلوم مجیبیہ کے اساتذہ کرام سے بھی استفادہ کیا، خاص طور سے خال گرامی حضرت سید شاہ عماد الدین صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ اور عم محترم حضرت سید شاہ عون احمد صاحب قادری علیہ الرحمۃ۔

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری مجیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت سید شاہ محمد امان اللہ صاحب قادری قدس سرہ سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا اور بیس سال کی عمر یعنی ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم مجیبیہ سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد سے ہی علوم اسلامیہ کی تدریس کے آبائی واجدادی مشغلہ کو اختیار کیا، رموز تصوف اور علوم باطنی میں بھی اپنے بزرگان سے استفادہ کیا، اسی لیے تصوف و سلوک کی کتابیں ہمیشہ آپ کے زیر مطالعہ رہیں، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ جو دارالمصنفین کا ترجمان ہے، اس میں ایک مقالہ تصوف کے بارے میں شائع ہوا، جس میں تصوف اور اہل تصوف کے بارے میں کچھ ایسی باتیں تھیں جو دارالمصنفین کے مزاج سے الگ تھیں، حضرت شاہ صاحب نے علمی اسلوب میں ان کا جواب دیا، کیوں کہ آپ کا مزاج تحقیقی تھا، آپ کا یہ مقالہ تحقیق و ریسرچ کے اعلیٰ مقام و معیار پر تھا، اسی لیے علمی حلقوں میں اسے پسند کیا گیا، سب سے خوبی کی بات تھی کہ جن صاحب کے مقالہ کے جواب میں حضرت شاہ صاحب نے اپنا مقالہ لکھا تھا، انہوں نے بھی حضرت شاہ صاحب کے علمی اور تحقیقی اسلوب کو پسند کیا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کم عمری سے ہی مختلف موضوعات پر لکھنا شروع کر دیا تھا اور بقول حضرت مولانا شاہ بدر احمد قادری مجیبی ''آپ کی پہلی کتاب سوانح مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ہے، جو تقریباً ۲۳ رسال کی عمر میں اپنے پیر و مرشد کے وصال کے بعد ان کے حالات و کمالات پر آپ نے تالیف کی، آپ نے دوسری تصنیف بانی خانقاہ مجیبیہ حضرت مخدومنا شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہ کے سوانح و حالات پر مفصل و مکمل کتاب ''سیرت پیر مجیب'' کے نام سے تالیف فرمائی۔

آپ کی دیگر تالیفات میں ''خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا'' اور ''نغمات الانس فی مجالس القدس'' ہیں، ان دونوں کتابوں کو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے مجھے میرے غریب خانہ پہ آ کر عنایت فرمائیں اور مندرجہ ذیل کلمات تحریر فرمائے:

(۱) خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نامی تصنیف ۲۰۱۵/۸/۴ء کو عنایت فرمائی، جس میں آپ نے یہ تحریر فرمایا تھا:

''بخدمت گرامی منزلت!

برادر مکرم و معظم سراپا اخلاص و مودت مصدر علم و فن حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ تقی الدین فردوسی ندوی دامت برکاتہم

از مؤلف حقیر — ہلال احمد قادری''

(۲) نغمات الانس فی مجالس القدس نامی تصنیف ۲۳؍ ۴؍ ۲۰۱۶ء کو عنایت فرمائی، جس میں تحریر کیا تھا:

"بخدمت گرامی!

محترم ومکرم حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ تقی الدین احمد فردوسی مدظلہ العالی

از ھلال احمد قادری

۱۲؍ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ"

مذکورہ تصانیف کے علاوہ آپ کی کئی اور کتابیں بھی ہیں، جیسے "یزید حقائق کے آئینے میں"، "القول السدید" وغیرہ، شاہ صاحب کی تالیفات سب کی سب تحقیق کے اعلیٰ معیار پر ہیں، مذکورہ تصانیف کے علاوہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین خانقاہ مجیبیہ کے ترجمان مجلہ "المجیب" میں شائع ہوتے تھے اور مجلہ "معارف" اعظم گڑھ میں بھی آپ کے مضامین شائع ہو چکے ہیں، نیز ریڈیو کے ذریعہ بھی آپ کے مضامین نشر ہوا کرتے تھے، دارالافتاء خانقاہ مجیبیہ سے آپ نے جو فتوے دیئے ہیں، ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، آپ کے تصنیفی و تالیفی مزاج کے بارے میں جناب ڈاکٹر محمد شرف عالم صاحب مدظلہ العالی سابق وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی نے اپنے مقالہ میں کچھ اس طرح لکھا ہے:

"سید شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کثیر الجہات اوصاف کا مجموعہ تھی، وہ بیک وقت عالم باعمل، صاحب بصیرت بزرگ، ادیب وانشا پرداز اور پختہ مشق محقق بھی تھے، دینیات پر لائق استناد عبور رکھتے تھے۔"

مولانا طلحہ نعمت ندوی سلمہ اللہ حضرت شاہ صاحب کی سیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"وہ بہار کی سب سے معروف خانقاہ مجیبیہ کے سب سے ممتاز ذی علم اور معزز بزرگ تھے، وہ اس کی روایتوں کے امین تھے، بہار کے صوفیہ کی تاریخ پر تو ان کی نظر تھی ہی، علوم شرعیہ اور انساب و تاریخ پر بھی بہت عالمانہ نظر رکھتے تھے، وہ صوفیائے کرام سے گہری عقیدت ہی نہیں، بلکہ ان کے ہر فکر و عمل پر پورا اطمینان رکھتے تھے اور اس دور میں جب کہ صوفیا کو مورد الزام قرار دیا جا رہا ہے، وہ ان کے وکیل تھے۔"

حضرت مولانا شاہ بدر احمد صاحب قادری مجیبی اپنے مقالہ میں حضرت سید شاہ ھلال احمد صاحب قادری مجیبی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے سجادہ نشیں حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری دامت برکاتہم آپ کے بھانجے اور داماد ہیں، خانقاہی امور میں آپ ان کی سرپرستی فرماتے رہتے، آپ کی حیثیت ایک مصلح و مربی کی تھی مختلف مجالس ومحافل میں خانقاہ مجیبیہ کی نمائندگی کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری خوبیوں اور عمدہ اوصاف و کمالات سے نوازا تھا، خوش اخلاقی و ملنساری ایسی تھی کہ پہلی بار بھی ملنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا"—(شاہ بدر احمد صاحب قادری مجیبی کے مقالہ سے ماخوذ)

حضرت مولانا الحاج شاہ آیت اللہ قادری صاحب مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

’’ویسے تو کسی کی بھی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، کب وفا کرے نہ کرے؟ ہمارے عم مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ’’سیرت پیر مجیب‘‘ کی تالیف کے زمانہ میں ہی اپنی حیات مستعار کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا: (دعوت نامہ برائے فاتحہ چہلم سے ماخوذ) میں نے ارادہ کیا کہ اب اس کتاب کو جلد مکمل کر لینا چاہیے، زندگی مہلت دے یا نہ دے، کیا معلوم؟ والد ماجد کو تو صرف ۳۲؍سال کی زندگی ملی تھی، بیٹے کو کتنی ملتی ہے؟ اللہ ہی کو معلوم، مشیت الٰہی میں کسی کا دخل نہیں، محنت و عرق ریزی سے جمع کئے ہوئے یہ اوراق منتشر نہ ہو جائیں۔

اس کتاب سے کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہو گا کہ وابستگان سلسلہ مجیبیہ اپنے سر سلسلہ کے حالات اور نقوش حیات سے محروم تو نہ رہیں گے، یہی احساس بعد میں ’’سیرت پیر مجیب‘‘ کی تکمیل کا سبب ہوا۔ الحمد للہ کہ کتاب مکمل ہو گئی‘‘— (دیباچہ سیرت پیر مجیب، ص: ۴، ۵)

ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ کے ابتدائی ہفتہ کی بات ہے، میں نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو فون کیا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے باتیں ہوئیں، حضرت فرمانے لگے گھر میں بیماری کا سلسلہ چل رہا ہے اور میں سب کی تیمارداری کر رہا ہوں، میں نے اپنی گفتگو مختصر کی ورنہ ہم دونوں کی گفتگو بڑی طویل ہوتی تھی، پھر میں نے دو چار دنوں کے بعد اہل خانہ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں بیمار ہوں، مجھے بخار آگیا ہے اور کمزوری بہت ہے، یہ میری حضرت سے آخری گفتگو تھی، پھر کئی دنوں کے بعد عزیزی حسین بہجت بابو کا فون آیا جس کا تذکرہ میں نے اپنے مضمون کے ابتدا میں کیا ہے اور اس طرح حضرت شاہ صاحب ۱۱؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ کی شام کو سب کو گریہ کناں چھوڑ کر دار فانی سے مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے— انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾ —(الفجر)

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قلم خاموش ہے اور آنکھیں اشک بار

● جناب شاہ محمد تسنیم عثمانی فردوسی سملوی —— خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ سملہ اورنگ آباد

قلم خاموش ہے اور آنکھیں اشک بار، وہ جس نے صفحات کے صفحات اپنے بزرگوں کی سیرت اور خوبیاں اپنے خوبصورت الفاظ کے موتیوں سے جگمگا دیئے، آج ہم ان کی مدح کے لیے اپنے آنسوؤں میں الفاظ تلاش کر رہے ہیں، یہ وقت اتنا جلد آجائے گا یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا، ابھی کل ہی کی تو بات ہے وہ ہمارے گھر اور اپنی والدہ محترمہ کے نانیہال ''سملہ'' میں اپنی شخصیت کے مختلف جلوے بکھیر رہے تھے، ایک جانب اپنی نواسی حرا سلمہا کی بسم اللہ خوانی میں شریک ہو کر قرابت داری نبھا رہے تھے تو دوسری جانب خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ سملہ میں حضرت مولانا الحاج شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہید فردوسی سملوی قدس سرہ کے عرس (۶، ۷، ۸ ر رجب المرجب ۱۴۴۰ھ) کے موقع پر خانقاہ کے مریدوں کو وعظ و نصیحت سے نواز رہے تھے اور پھر مجلس میں شریک ہو کر حال وقال سے رونق محفل بنے ہوئے تھے، یہ وہ شخصیت تھی جس کی بزرگی پر مشفقانہ و برادرانہ روش حاوی تھی، لبوں پر تبسم، آنکھوں میں چمک، طبیعت میں مزاح، چہرہ روشن، دیدہ زیب لباس، انگرکھا جو پھلواری کی خاص پہچان ہے زیب تن، اخلاق سے پرُ اپنائیت اور خلوص بھرا لہجہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رہا تھا اور ایک بار ملنے والا شخص بار بار ملنے کا متمنی تھا، ہم بھائیوں کے ساتھ ملاقات میں اپنے اسی پرانے رشتے کو ترجیح دینا اور بڑوں سے اسی عزت و احترام سے ملنا ان کی شخصیت کی نمایاں خوبی تھی، نام لیتے ہوئے اب بھی قلم کانپ جاتا ہے۔ ہلال بھائی، ہاں! ہم سب بچپن سے انہیں ہلال بھائی ہی تو کہتے تھے اور وہ ہمیں اسی شفقت سے ہمارا نام لے کر ہمیں بلاتے۔ برادرم مبشر سلمہ ان کے منجھلے داماد ہیں، ابا جان حضرت تاج العرفان حکیم شاہ محمد طاہر عثمانی فردوسی سملوی قدس سرہ اس نسبت سے اتنے خوش تھے کہ وہ بیان سے باہر ہے، ہم سب محترمہ پھوپھی جان مدظلہا، محترمہ بھابھی مدظلہا، عزیزی بہجت سلمہ اور گھر کے سبھی افراد کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ محترمہ امی مدظلہا آج بھی بیان کرتی ہیں کہ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری کے والد حضرت مولانا شاہ عین احمد قادریؒ کے انتقال کی خبر نے ابا جانؒ کو

اس درجہ غمزدہ کردیا تھا کہ وہ برسوں تک پھلواری جانے کی ہمت نہیں جُٹا پائے۔ اختلاج قلب کا عارضہ سملہ والوں کی خاص پہچان ہے۔ حضرت مولانا شاہ عین احمد قادریؒ کی باغ و بہار شخصیت کا رخصت ہو جانا، ہلال بھائی کی کم عمری اور اپنی بہن کے بیوہ ہو جانے کے غم نے انہیں حد درجہ متاثر کیا تھا کہ کئی برسوں بعد سب لوگوں کے بہت سمجھانے پر آپ خانوادے میں ایک شادی کی تقریب میں پھلواری آنے پر آمادہ ہوئے۔ ہلال بھائی کے وصال کے بعد آج بھی کچھ ویسی ہی حالت میری ہے۔ دل یہ سوچ کر ہی کانپ جاتا ہے کہ پھلواری جاؤں اور وہاں ہلال بھائی نہ ہوں تو دل کی کیا حالت ہوگی۔ میں اپنی غمزدہ پھوپھی کو کس طرح دلاسا دوں گا، جنہوں نے اپنے شوہر کا غم اس وقت سہا جب ان کا بیٹا صرف پانچ سال کا تھا اور آج ان کا یہ سہارا بھی داغ مفارقت دے گیا۔ ہلال بھائی کے علمی و ادبی کاموں پر بہت ساری گفتگو ہوگی، بلاشبہ وہ عشق رسول ﷺ میں سرشار اور اپنے بزرگوں کی محبت سے لبریز ایک بڑے عالم وزاہد تھے، جن کی تربیت ان کے دادا حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادریؒ، نانا حضرت مولانا شاہ قمر الدین قادریؒ اور پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ نے کی تھی اور جنہوں نے حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ اور ماموں حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادریؒ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تھا، آپ نے اپنی مختصر زندگی میں وہ علمی و ادبی کارنامے انجام دیئے جن کی مثال برسوں دی جاتی رہے گی۔ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری، اللہ ان پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، جنہوں نے اپنے بزرگوں کی سیرت تحریر کرکے ان کی نسبت سے اپنی غلامی کا حق ادا کردیا۔ جس نے سماع پر "نغمات الانس فی مجالس القدس" جیسی کتاب لکھ کر اپنے اور بزرگان خانقاہ مجیبیہ کے حضرت محمد ﷺ سے بے پناہ عشق کو دوام عطا کیا۔ دنیا جب تک اس کتاب اور ان نغمات سے فیض یاب ہوتی رہے گی اس کا ثواب آپ کی روح کے درجات کو بلند کرنے کا ضامن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رنج و غم کے موقع پر ہم سب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آج میں حضرت سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ اور دیگر محبان و برادران وعزیز کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا کرے اور برادر مکرم حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کی مغفرت فرمائے ان کے درجات کو بلند کرے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ اجمعین۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

● جناب مولانا ابوالحسن نظام الدین محمد فرنگی محلی — سجادہ نشین آستانہ نعیمیہ فرنگی محل لکھنؤ

پھلواری شریف کے خانوادۂ مجیبیہ اور خاندان فرنگی محل کے باہمی روابط کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنے یہ دونوں خانوادے، بانیٔ خانقاہ مجیبیہ حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی قدس سرہ کے شیخ حضرت مولانا وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ اور حضرت ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی قدس سرہٗ کے درمیان نہ صرف روابط، بلکہ باہمی مراسلت کے ثبوت موجود ہیں، جن میں حضرت رسول نما بنارسی کا ایک مفصل خط بنام حضرت ملا نظام الدین کا حوالہ ان کے نبیرۂ کلاں مولوی شیخ ابوالفرح عبدالاعلی فرنگی محلی مرحوم کی تالیف محاسن رزاقیہ میں بھی مذکور ہے، نیز حضرات پھلواری کے بیان کے مطابق حضرت ملا عبدالعلی محمد بحرالعلوم قدس سرہ نے ۱۱۹۲ھ یا ۱۱۹۳ھ میں اپنے سفر بوہار ضلع بردوان کے دوران بھی خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ایک شب قیام کیا تھا، بعد کے ہر دور میں ان روابط کی تجدید ہوتی رہی، حتیٰ کہ حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری، حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری علیہما الرحمۃ نے تو مدرسہ قدیمہ فرنگی محل میں ایک برس تعلیم بھی حاصل کی تھی، جب کہ اسی خاندان کے ایک اہم فرد مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم نے تو تین برس مدرسۂ قدیمہ میں تعلیم حاصل فرمائی، یہ تینوں ہی حضرات مولانا ابوالقاسم محمد عتیق صاحب فرنگی محلی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید تھے، نیز خاکسار کو بھی مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔

جہاں تک مولانا شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمہ کے فرنگی محل سے روابط کا تعلق ہے، تو جیسا کہ انہوں نے بیان فرمایا تھا کہ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء کی درمیانی مدت میں وہ پہلی بار فرنگی محل تشریف لائے تھے اور والد ماجد حضرت مولانا محمد فاخر میاں فرنگی محلی قدس سرہ سے بھی ملاقات کی تھی، اس وقت فرنگی محل میں مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی مرحوم و مولانا مفتی محمد حبیب الحلیم فرنگی محلی مرحوم بھی موجود تھے، لہٰذا امید قوی ہے کہ ان دونوں بزرگوں سے بھی ان کی ملاقات ہوئی ہوگی۔

بہرحال ۲۰۰۰ء یا ۲۰۰۱ء میں مولانا جب لکھنؤ تشریف لائے تو مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم نے حضرت والد ماجد کو فون کیا اور فرمایا کہ مولانا شاہ ہلال احمد صاحب پھلواری سے لکھنؤ تشریف لائے ہوئے ہیں اور وہ فرنگی محل آنا چاہتے ہیں، چنانچہ اسی روز انہوں نے مسجد فرنگی محل میں نماز عصر ادا کی، اور پھر والد ماجد قدس سرہ سے ملاقات کی اور بتایا کہ یہ ان سے والد ماجد کی دوسری ملاقات ہے، پھر ان کی فرمائش پر ان کے ہمراہ حضرت ملا نظام الدین محمد قدس سرہ کے مزار مبارک پر حاضری ہوئی، جہاں پائیتیا نہ کی طرف سے انہوں نے مزار کا بوسہ بھی لیا اور فرمایا کہ ہم لوگ بزرگوں کے مزارات کے بوسہ کے قائل ہیں، پھر قبل مغرب یا بعد مغرب وہ ندوۃ العلما واپس چلے گئے، یہ ان کی اولین ملاقات تھی، پھر ۲۰۰۳ء میں ان سے ندوۃ العلما میں دوبارہ ملاقات ہوئی، اس وقت جناب مفتی شاہ بدر احمد صاحب مجیبی بھی موجود تھے، پھر ہم تینوں بعد مغرب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جہاں کافی دیر تک نشست رہی، چوں کہ مولانا مفتی بدر احمد صاحب کو اسی وقت واپس روانہ ہونا تھا، لہٰذا مولانا نے اپنے مکان میں ان کو اسی وقت کھانا کھلوایا، اس ملاقات کی جو چند باتیں یاد ہیں ان میں ایک تو یہ دیوان حافظ کے ایک عربی مصرعہ میں ''وادی الاراک'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ جس کے جواب میں مولانا عبداللہ عباس ندوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے مکہ معظمہ کا مقام تنعیم مراد ہے، نیز مولانا شاہ ہلال احمد صاحب نے ایک سرد آہ کے ساتھ فرمایا کہ ''آج کی خانقاہیت میں جمود بہت ہے'' جس کے جواب میں مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب نے فرمایا کہ آپ اس جمود کو توڑ دیئے۔

پھر مولانا بدر احمد صاحب تو وطن کے لیے روانہ ہو گئے اور مولانا شاہ ہلال احمد صاحب احقر کو لے کر ندوہ کی کینٹین گئے اور مختصر چائے اور ناشتہ کروایا اور طویل گفتگو فرمائی، اب یہ یاد نہیں کہ اسی سفر میں یا کسی دیگر سفر میں جب وہ لکھنؤ تشریف لائے تھے تو انہوں نے ''سیرت پیر مجیب'' کا مسودہ دکھایا، جس کی تالیف وہ اس زمانہ میں فرما رہے تھے، اس کے بارے میں طویل گفتگو ہوئی تھی، نیز ندوہ کے مہمان خانہ میں ایک مرتبہ جب وہ مقیم تھے تب بھی ان سے مفصل ملاقات رہی، پھر غالباً ۲۰۰۸ء میں جب وہ لکھنؤ تشریف لائے اور اندرا نگر میں اپنی خانقاہ کے ایک مرید کے مکان پر مقیم ہوئے، جن کے ہمراہ وہ فرنگی محل تشریف لائے، نیز ناچیز کی گزارش پر انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی تناول فرمایا اور والد ماجد قدس سرہ سے ملاقات بھی کی۔ پھر ۲۰۱۱ء میں والد ماجد حضرت مولانا محمد فاخر میاں قدس سرہ کے وصال کے بعد جب غالباً ۲۰۱۲ء یا ۲۰۱۳ء میں ان کا لکھنؤ آنا ہوا تو وہ ازراہ تعزیت یہاں تشریف لائے تھے، جس کے بعد ان سے پھر ملاقات نہیں ہو سکی، اس کے علاوہ چند مرتبہ ان سے خط وکتابت کی نوبت بھی آئی تھی، ۲۰۰۱ء میں ان کا تحریر کردہ ایک مفصل مکتوب آج بھی محفوظ ہے جو حضرت ملا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی قدس سرہ کے سفر پھلواری کی تاریخی حیثیت سے متعلق ہے، ان کی جو بھی کتاب شائع ہوتی تھی عموماً وہ بذریعہ ڈاک ہم کو پہنچا کرتی تھی، استاذ محترم مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم ان کے بہت قدر دان تھے اور ان کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ

پھلواری میں سب سے زیادہ علمی اور تحقیقی ذوق انہیں کا ہے، ویسے تو خانوادۂ مجیبی کے متعدد بزرگوں سے احقر کو بچپن ہی سے تعلق رہا، جن میں سے استاذ محترم مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی مرحوم کے علاوہ حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری علیہ الرحمۃ کو ۱۹۷۸ء میں پہلی بار مدراس میں دیکھا، جس کے بعد سے ان کی وفات تک ان کی شفقتیں حاصل رہیں، ان کے صاحبزادے مولانا شاہ نصر احمد قادری علیہ الرحمۃ کو بھی خوب دیکھا، پھر جناب مولانا مفتی بدر احمد مجیبی صاحب اور جناب مولانا شاہ مشہود احمد صاحب سے تو طالب علمی کے زمانہ ہی سے ملاقات کا شرف حاصل ہے، جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم وتحقیق اور صلاح وتقویٰ کے ساتھ خاندانی شرافت جیسے گوناگوں اوصاف اس خانوادے کے بیشتر افراد میں ودیعت کیے گئے ہیں، جو مولانا شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ میں بھی بھرپور طریقہ سے موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خاکسار پر بے حد شفقت فرماتے تھے، وہ اپنے کمال تبحر علمی کے ساتھ صلاح وتقویٰ کا پیکر تھے، شرافت اور سادگی کا مجسمہ تھے، ویسے تو ان کی ہر تصنیف، تحقیق کے اعلیٰ معیار پر ہے، مگر ان کی تالیف ''سیرت پیر مجیب'' ان کی تمام تصنیفات میں انفرادی شان رکھتی ہے، جو خانقاہ مجیبیہ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ہمیشہ توجہ اور دلچسپی کا مرکز رہے گی، مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی علیہ الرحمۃ کے ترجمہ ''الأدب المفرد'' کی رسم اجرا کے موقع پر کتب خانہ شبلی نعمانی ندوۃ العلما کے زیریں ہال میں بعد مغرب دیگر لوگوں کے علاوہ انہوں نے بھی مختصر تقریر کی تھی، جس کے بعد فرمایا تھا کہ اگر پہلے سے معلوم ہوتا کہ ہم کو تقریر کرنا ہے تو لکھ کر لاتے، ان کی شخصیت بہت دلچسپ تھی اور مزاج میں بذلہ سنجی تھی، ایک بار اپنی دو پلی ٹوپی کے بارے میں فرمایا تھا کہ ہم پورے بھیگ جائیں، مگر بس یہ ٹوپی محفوظ رہے یعنی اس کا کلف نہ ختم ہو، مزاج میں بے انتہا تواضع اور سادگی تھی، تکبر کا شائبہ بھی نہ تھا، ہر شخص سے بے تکلفی اور یگانگت سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اتفاق سے ہم کو مولانا کی وفات کی بروقت اطلاع نہیں مل سکی پھر ''البعث الاسلامی'' کے ذریعہ ان کی خبر وفات معلوم ہوئی، جس کے بعد تصدیق وتعزیت کے لیے جناب مولانا مفتی شاہ بدر احمد صاحب کو فون کیا، جس سے تفصیلات کا علم ہوا، مولانا کی وفات سے خانوادۂ مجیبی میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا عرصہ دراز تک پر ہونا ممکن نہیں نظر آتا ہے، لیکن ہم جیسے چند بار کے ملنے والوں کے لیے بھی یہ صدمہ کم نہیں ہے، ان کی نرم خو شخصیت ہمیشہ یاد آتی رہے گی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے درجات اخروی کو بلند فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادے کو ان کی توقعات کے مطابق ان کا خلف الصدق بنائے۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

علم وعمل کے پیکر شاہ ہلال احمد قادری

● جناب شاہ مشاہد اصدق چشتی قادری —— سجادہ نشیں خانقاہ اصدقیہ چشتیہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف

کوئی راجہ تھا جس نے رنگ برنگ کے پھول اور قسم قسم کی سبزیاں اور جڑی بوٹیوں کے تختے اگانے کے لیے ایک بستی بسائی تھی اور اس کو ’’پھلواری‘‘ کا نام دیا تھا، وہ راجہ کیسا تھا اور کہاں تھا، وہ راجا فنا ہوا اور اس کا راجواڑہ بھی زمین سے ناپید ہوا، مگر تھا وہ خوش قسمت کہ جس خطہ زمین کو اس نے پھلواری بنایا تھا، وہ اللہ کا نام لینے والوں کے صدقہ میں واقعی پھلواری بن گیا، معرفت کے پھول، عبادتوں کی کلیاں، ذکر و مراقبہ کے گل دستے اُگے، بڑھے، پھیل گئے اور ابھی تک وہاں سے جاں بخش عطر کے جھونکے چل رہے ہیں، کتنے اللہ والے جن کے نام ونشاں زمین پر نہیں ہے، عاشق شہید، حاجی حرمین اور مخدوم الہ داد اور ۷۸۷ھ سے لے کر گیارہویں صدی کے آخر تک اس زمین کے پیوند ہوتے رہے۔ غالب نے کہا تھا ع

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

لیکن اللہ والوں کی ذات ہر جگہ نرالی ہوتی ہے، اس سرزمین سے اللہ والوں کے اٹھنے اور کلمہ لاالہ الااللہ کی اشاعت کرنے والوں کا سلسلہ ایسا جاری رہا، جن کو دیکھ کر ان کے معاصرین نے اور جن کو سن کر ان کے لاحقین نے یہی گواہی دی کہ اگر سب کچھ نہیں تو بہت کچھ لالہ وگل میں وہ شخصیتیں نمایاں ہوگئیں، جن کے نقش قدم سے یہ چمن آباد تھا اور جن کے نقش قدم سے یہ چمن آباد ہے اور جن کے دم سے راجہ کی پھلواری ’’پھلواری شریف‘‘ بن گئی —(تقدیم سیرت پیر مجیب، ص: ۱، مولانا عبداللہ عباس الندویؒ)

اسی پھلواری شریف خانوادہ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ سے کئی ہستیوں کا ظہور ہوا، جن میں حضرت نعمت اللہ قادریؒ، حضرت ابوالحسن فردؒ، حضرت علی حبیب نصر قادریؒ، حضرت شاہ بدرالدین قادریؒ، حضرت شاہ محی الدین قادری، حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادریؒ، حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ اور حضرت مولانا شاہ رضوان اللہ قادریؒ اور دیگر عابد و زاہد

صاحب علم وعمل اور صاحب ادراک ہوئے، وہیں ایک ’’ہلال اور بدر منیر، ایک عظیم ہستی، عالم باعمل، جید عالم دین، صوفی باصفا، عابدوزاہد، اخلاق حسنہ کا علمبر دار، معتبر مصنف با کمال، ادیب وشاعر، خطیب شیریں مقال، مستند محقق، ذمہ دار مفتی شرع متین، عاجزی و انکساری کے پیکر، شفیق استاذ جناب مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

شاہ ہلال احمد قادری صاحب بڑی خصوصیات کے حامل تھے، خوش اخلاقی کے مظہر تھے، مہمان نوازی اور خانقاہی روایات کے امین تھے۔ بڑی دلنشیں گفتگو کرتے تھے، گفتگو کرنے والے کی علمی لیاقت کا خیال رکھتے تھے، جو ایک بار ملتا تھا گرویدہ ہو جاتا تھا، اخلاق کا عالم یہ تھا کہ سبھی سمجھتے تھے کہ مجھ سے بہت قریب ہیں اور بہت عزیز رکھتے ہیں، مجھ غریب احقر الخلائق سے دیرینہ تعلقات تھے، تعلقات کا سلسلہ چالیس برسوں پر پھیلا ہوا ہے، ویسے تو خانقاہ مجیبیہ سے اور خانقاہ اصدقیہ سے دیرینہ تعلقات رہے ہیں۔ حضرت خواجہ سیدنا شاہ قیام اصدق قدس سرہٗ متوفی ۱۳۰۱ھ کے وقت سے ہی تعلقات اور گاہے بہ گاہے آمدورفت کا سلسلہ رہا ہے۔ شاہ ہلال احمد قادریؒ کتاب مشہود ولایت ’’بعنوان حضرت شاہ مشہود اصدق — نمونہ سلف بزرگ‘‘ میں رقم طراز ہیں:

’’خانقاہ مجیبیہ اور پیر بیگھہ کے درمیان روابط قدیم تھے، جناب شاہ مشہود اصدق صاحب کے جد امجد حضرت شاہ شہود الحق چشتی اصدق رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہٗ کے زمانے میں پھلواری تشریف لائے تھے، اس سلسلہ میں روایت ہے کہ وہ آستانہ حضرت تاج العارفین پر فاتحہ پڑھ کر بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت تک حضرت شاہ بدرالدین صاحب سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی تھی، ایک دوسرے کے نام اور خانقاہ سے تعارف یقیناً ہوگا۔ بعد نماز عصر حضرت معمول کے مطابق فاتحہ کے لیے آستانہ پر تشریف لائے تو شاہ شہود الحق صاحب کو کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ایک نظر میں پہچان گئے کہ کوئی خاص بزرگ ہیں، ملاقات ہوئی تو تعارف ہوا، وہاں سے ان کو خانقاہ لائے اور ان کی ضیافت کی، جن لوگوں نے وہ منظر دیکھا تھا، ان کا بیان ہے کہ بہت پر لطف ملاقات رہی۔ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی ملاقات سے بہت محظوظ ہوئے، اس کے بعد چشتی چمن پیر بیگھہ شریف سے روابط میں اضافہ ہوا، اخلاص ومحبت زیادہ بڑھی۔ ۱۳۵۵ھ میں حضرت شاہ مشہود اصدق صاحب کی رسم جانشینی میں حضرت محی الملۃ مولانا شاہ محی الدین قادری قدس سرہٗ نے اپنی طرف سے دستار دے کر اپنے منجھلے بھائی حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا۔ اس جانشینی میں دوسری دستار خانقاہ مجیبیہ کی طرف سے حضرت شاہ نظام الدین صاحب نے باندھی۔

خانقاہ مجیبیہ سے ربط وتعلق میں ایک نئی جہت اور نئے رشتے کا اضافہ اس وقت ہوا، جب شاہ مشہود اصدق صاحب کی صاحبزادی سے مولانا شاہ عون احمد قادری کے صاحبزادے شاہ نصر احمد صاحب کی شادی ہوئی۔ اس رشتے سے بزرگوں کو خوشی ہوئی اور جناب شاہ مشہود اصدق صاحب نے بڑے اہتمام سے بارات کا استقبال کیا اور ضیافت کی۔

حضرت پیر و مرشد مولانا شاہ امان اللہ صاحب قدس سرہٗ سے جناب شاہ صاحب کو غایب درجہ الفت و محبت تھی، حضرت پیر و مرشد کی جس شب وفات ہوئی، صبح میں جناب شاہ صاحب ہوسپیٹل میں عیادت کے لیے تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے۔ شدید علالت کی بنا پر حضرت ان سے گفتگو نہیں کرسکے، صرف یہ فرمایا: ''میرے لیے حسن خاتمہ کی دعا کیجیے'' اس طرح کی بات حضرت سب سے نہیں کہتے تھے، اخیر وقت میں ایسی دعا کی فرمائش کا یہی مطلب ہے کہ حضرت پیر و مرشد، جناب شاہ مشہود اصدق صاحب کو اس کا اہل سمجھتے تھے۔ بہرحال اہل اللہ ایک دوسرے کے مقام و مرتبے سے واقف ہوتے ہیں''—(مشہود و لایت، ص: ۵۳، ۵۴)

کتاب کرامات اصدقیہ کی تقریظ میں جناب شاہ ہلال احمد قادریؒ رقم طراز ہیں:

''تیسرے باب میں مؤلف نے حضرت شاہ قیام اصدق صاحب کے پیر و مرشد سید شاہ صادق علی مونس اللہ چشتی قادری کے احوال درج کئے ہیں۔ حضرت موصوف خانوادۂ قمیصیہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے، وہ نسبتاً قادری تھے اور بیعتاً چشتی تھے اور خاندانی سلسلہ قمیصیہ قادریہ کے مجاز بھی تھے۔ آپ کا وصال جزیرۂ سراندیپ سے متصل جزیرہ بنام پلانگ (انڈمان نیکوبار میں ''سونا پہاڑ'' ہے، اسی پہاڑ پر حضرت آرام فرما ہیں۔ احقر دو بار بارگاہ میں حاضری دے چکا ہے۔ مشاہد اصدق) میں ہوا، اس جزیرہ میں آپ اکثر قیام فرماتے تھے، تاریخ وصال ۲۷ر صفر ۱۲۴۸ھ ہے۔ درمیان علالت انہوں نے ایک دن فرمایا: ''نعمت از جہاں رفت'' مؤلف کرامات اصدقیہ کا بیان ہے:

سرکار حضرت شاہ قیام اصدق فرماتے تھے: میں نے اس روز اور تاریخ کو لکھ لیا، وہ تاریخ و روز و سن، بست و نہم شہر شعبان روز پنجشنبہ ۱۲۴۷ھ تھا۔ اور بعد مراجعت جب اپنے وطن مالوف سے علاقہ عظیم آباد میں بارسانی پہنچا تو عندالتحقیق معلوم ہوا کہ اسی تاریخ اور روز کو جناب حضرت شاہ نعمت اللہ صاحب قادری پھلواروی نے وفات فرمایا۔

حضرت کا یہ کشف بالکل صحیح تھا، حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ کے صاحبزادہ و جانشین حضرت مخدوم شاہ نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ کا وصال اسی تاریخ میں ہوا۔ پھلواری شریف کی خانقاہ اور سلسلہ قادریہ قمیصیہ وارثیہ کا حضرت کو بخوبی علم ہوگا، کیوں کہ آپ خود قمیصی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔

نقل: ایک دفعہ چند قوالان بہار شریف کے بقصد حاضری عرس پھلواری شریف کے آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ میں حاضر ہوئے اور بوقت حضوری زیارت سرکار کے قوالان نے عرض کیا کہ غالباً حضرت سرکار بھی تشریف لے جائیں گے۔ سرکار نے فرمایا کہ ہاں گدی نشیں صاحب کا خط بھی آیا ہے، اگر اتفاق ہوا تو ہم بھی آئیں گے۔ صبح کو قوال لوگ روانہ ہوکر پھلواری پہنچے، عین تاریخ عرس قل کے وقت سرکار رضی اللہ عنہ مجلس میں داخل ہوئے، حاضرین مجلس اور نیز قوالوں نے برأی العین دیکھا، آخر شب کو سرکار رخصت ہوئے۔

مولف کی روایت کے مطابق بعد میں قوال پیر بیگھہ پہنچے اور حضرت شاہ قیام اصدق صاحب کے پھلواری عرس میں تشریف لے جانے کا ذکر چھڑا تو معلوم ہوا کہ حضرت کا یہ سفر ظاہری نہ تھا، بلکہ طے ارض کر کے ہوا تھا اور وہ ان کی کرامت تھی۔

اس واقعہ سے پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبیہ سے حضرت کا تعلق ظاہر ہوتا ہے، لیکن ظاہری اسباب و ذرائع کا پایا جانا کوئی ضروری نہیں، یہ حضرات ظاہری آنکھ والوں سے زیادہ ایک دوسرے سے واقف اور مرتبہ شناس ہوتے ہیں''

—(کرامات اصدقیہ، ص: ۶۰-۶۲)

جناب شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ اس خاکسار احقر العباد کی دستار بندی میں جناب مولانا بدر احمد مجیبی، جناب مولانا مشہود احمد اور جناب مولانا منہاج الدین صاحبان کے ساتھ خانقاہ اصدقیہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف تشریف لائے تھے۔ اس کے بعد دو چار بار حضرت تشریف لائے تھے، چوں کہ یہ خاک پائے درویشاں بھی پھلواری شریف میں مقیم ہوگیا تھا، اس لیے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت نے متعدد بار غریب خانہ کو رونق بخشی اور اپنی صحبت سے فیض یاب کیا۔ دینی اور اس وقت کے موجودہ حالات پر طویل گفتگو ہوتی تھی، میں بھی حضرت کے دولت کدہ پر برابر حاضر ہوا کرتا تھا، بڑی خندہ پیشانی سے ملتے اور اپنی خوشی کا اظہار کرتے، بڑی اچھی ضیافت کرتے۔ گفتگو میں وقت کا اندازہ نہیں رہتا تھا، اپنی تصنیفی مشغولیت کا بھی ذکر کرتے اور کتاب چھپنے کے بعد عنایت کرنے کا وعدہ بھی کرتے۔ مسلمانوں (عالم اسلام) کے گرتے ہوئے وقار، تعلیم و تہذیب، سیاسی، معاشی اور سماجی بدحالی پر رنجیدہ رہتے۔

جناب شاہ ھلال احمد صاحب اسلاف کے یادگار تھے، تصوف کے علمبردار تھے، خانقاہی نظام کے اور خانقاہی روایات کے پاسدار تھے۔ خانقاہ مجیبیہ کے نمائندہ خصوصی تھے، ہر جگہ نمائندگی میں نمایاں کردار ادا کرتے، خانقاہ مجیبیہ کے محافظ بھی تھے، خانقاہ مجیبیہ اور وراثت اسلاف و تصوف کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو مجاہدانہ طور پر وقف کر دیا تھا، چنانچہ ان کی تصانیف اس بات پر گواہ ہیں۔

تصانیف :

(۱) سیرت پیر مجیب (۲) سوانح حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری (۳) خانوادہ سیدہ زینب (۴) نغمات الانس فی مجالس القدس (۵) یزید حقائق کے آئینے میں (۶) القول السدید۔

حضرت شاہ ہلال صاحب کی تصنیف ''سیرت پیر مجیب''، سوانح حضرت شاہ امان اللہ قادری'' اور ''خانوادہ سیدہ زینب'' خانقاہ مجیبیہ کے لیے نادر کتاب ہے جو تاقیامت تاج العارفین کے نسبی اور روحانی خاندان کو زندہ اور تابندہ رکھے گی، خانقاہ مجیبیہ کی مکمل تاریخ ان شاء اللہ ہر آنے والے دور میں تصوف اور بزرگوں سے عقیدت رکھنے والوں کے لیے مشعل راہ ہوگی۔ ان کتابوں پر خانقاہ مجیبیہ جتنا فخر کرے کم ہے۔

جمعہ کی نماز کے لیے خاکسار ملی مسجد نیوملت کالونی سیکٹر ۲ گیا ہوا تھا، نماز کے بعد جناب حق صاحب تشریف لائے اور میرا دونوں ہاتھ پکڑ کر روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ شاہ ہلال صاحب نہیں رہے۔ داغ مفارقت دے گئے، جناب حق صاحب کا تعلق اور وابستگی خانقاہ مجیبیہ سے دیرینہ رہی ہے، ان کو معلوم تھا حضرت شاہ ہلالؒ مجھ غریب کو عزیز رکھتے تھے، اس لیے مسجد میں شاہ ہلال صاحب کو یاد کر کے رو دیئے، یہ تھی حضرت شاہ ہلال صاحبؒ کے اخلاق کی خوبی۔

NRC,CAA وغیرہ قانون کا پورے ملک میں بڑا شہرہ تھا، ہر طرف سے اس کالے قانون کی مذمت ہو رہی تھی اور مخالفت بھی زروں پر تھی، مسلمان اس میں بہت آگے آگے تھے، ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں سڑکوں پر مظاہرے ہو رہے تھے، تقریباً ہر مکتب فکر کے لوگ اس میں حصہ لے رہے تھے، میں نے محسوس کیا خانقاہ کی نمائندگی متفقہ طور پر نہیں ہو رہی ہے، حالاں کہ احتجاج خانقاہوں سے انفرادی طور پر شروع ہو چکا تھا، خانقاہ معظم، خانقاہ میتن گھاٹ، خانقاہ چشتیہ شیخ پورہ، خانقاہ اصدقیہ اور دیگر خانقاہیں علم اٹھا چکی تھیں، خانقاہوں کی طاقت اور آواز کو متحد ہو کر بلند کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور میں نے جناب شاہ ہلال صاحب، جناب شمیم منعمی صاحب، جناب شاہ سیف الدین فردوسی صاحب، جناب عین الدین چشتی اور بہار و جھارکھنڈ کی تمام خانقاہوں کے سجادگان سے رابطہ قائم کیا اور تجویز رکھی، سبھوں نے لبیک کہا۔ جناب شاہ شمیم احمد منعمی صاحب قبلہ اور جناب شاہ ہلال احمد صاحبؒ نے بڑی دلچسپی لی اور آگے بڑھ کر پہلی میٹنگ کی کامیابی و کامرانی کے لیے کوشاں ہو گئے۔ سید شاہ شمیم احمد منعمی صاحب کے مشورہ اور دیگر حضرات کی رضامندی سے درگاہ شاہ ارزاںؒ میں پہلی کامیاب میٹنگ ہوئی۔ اگر یہ دونوں حضرات ذاتی طور پر دلچسپی نہیں لیتے تو ''خانقاہی آواز'' کی میٹنگ کامیاب نہیں ہوتی۔ حضرت صاحب سجادہ شاہ ارزاں جناب سید شاہ انظار صاحب نے بڑی اچھی ضیافت فرمائی۔

میٹنگ کے بعد سب حضرات یکے بعد دیگرے رخصت ہو گئے، میں آخر میں خانقاہ شاہ ارزاں سے باہر آیا تو دیکھا برادر محترم جناب شاہ ہلال احمد صاحب قبلہ اپنی گاڑی سے تشریف لائے اور گاڑی رکوائی، اگلی سیٹ سے اتر کر زبردستی اس حقیر فقیر کو اگلی سیٹ پر بٹھایا اور خود دو لوگوں کے ساتھ پیچھے بیٹھے۔ یہ اخلاق کی بلندی تھی، اخلاق حسنہ کے علمبردار ایسے ہی ہوتے ہیں اور ایسا دو تین بار ہوا۔

اسی مقصد کے پیش نظر دوسری اہم اور فیصلہ کن میٹنگ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں جناب شاہ ہلال احمد قادری صاحب کی سربراہی میں منعقد ہوئی، جس میں بہار و جھارکھنڈ کے تقریباً تمام مشائخ اور نمائندگان کی شرکت ہوئی اور متعدد تجاویز مرتب ہوئیں، جو اخبارات میں شائع ہوئیں۔ حضرت مولانا شاہ آیت اللہ قادری مدظلہ زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ کی طرف سے میٹنگ کا بہترین انتظام کیا گیا تھا اور پرتکلف ضیافت کی گئی تھی۔

نہ جانے کیوں مجھے گمان تھا کہ جو میں شاہ ہلال احمد صاحب سے عرض کروں گا وہ مان جائیں گے اور وہ بھی سمجھتے تھے کہ

مشاہد میرے ہر حکم کو بخوشی مانیں گے، چنانچہ میں نے عرض کیا سبزی باغ میں NRC,NPR اور CAA کی مخالفت میں دھرنا ہو رہا ہے، اور لوگ شریک ہو رہے ہیں، ہم خانقاہ والوں کو بھی عوام کے درمیان چل کر ان کا ساتھ دینا چاہیے اور ان کے عزائم کو تھوڑی بہت طاقت فراہم کرنی چاہیے، وہ (شاہ ہلال صاحب) فوراً تیار ہو گئے اور سبزی باغ کے احتجاجی جلسہ میں بڑی اچھی تقریر فرمائی، جس سے لوگوں کو بڑا حوصلہ ملا، خاکسار نے بھی لب کشائی کی، یہ حضرت کی عملی مجاہدانہ صفت کی ادنیٰ مثال ہے۔

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی رحمہ اللہ کی رحلت سے بہت گہرا صدمہ ہوا ہے، اب تک دل بے چین و بے قرار ہے، حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی رحمہ اللہ ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، حضرت جہاں بڑے عالم باعمل، متقی، صوفی باصفا، منفرد مقرر، محقق، مایہ ناز مصنف، شاعر اور شفیق استاد تو تھے ہی، وہیں سب سے بڑھ کر بہت ہی اچھے انسان تھے، خلوص ومحبت اور اعلیٰ اخلاق ان کی شخصیت کا خاص پہلو تھا، بڑی دلپذیر شخصیت تھی، باتوں سے پھول جھڑتے تھے، جو ایک بار ملتا تھا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

کیا کہوں کیا کیا لکھوں دل ودماغ ساتھ نہیں دیتا، سوگوار اور اشکبار ہوں۔ افسوس صد افسوس میرا دیرینہ رفیق ہمدم محترم بھائی دعا گو داغ مفارقت دے گیا۔

تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی رحمہ اللہ دین وملت اسلامیہ اور خانقاہی روایات کے علمبردار تھے، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے نمائندہ خاص تو تھے ہی، بہار کی تمام خانقاہوں کی معظم ومکرم اور اعلیٰ شخصیات میں ممتاز مقام رکھتے تھے، شاہ ہلال صاحب کا انتقال خانقاہیت اور ملت اسلامیہ کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

حضرت شاہ ہلال احمد قادری

اساطین پھلواری میں سے ایک تھے

● جناب مولانا سید شاہ محمد رکن الدین اصدق چشتی—خانقاہ بشیریہ پیر بیگھہ شریف

بزرگانِ پھلواری سے ہمارے بزرگوں کے روابط بہت قدیمی ہیں۔ میں نے اپنے بزرگوں سے بار ہا سنا ہے اور صاحب کراماتِ اصدقیہ نے بھی نقل فرمایا ہے کہ قیام انڈمان کے زمانے میں امام التارکین سید السادات ابوالعباس سید سعید الدین التمیمی القادری المعروف بابا صادق علی شاہ مونس اللہ الچشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان حق ترجمان سے یکا یک یہ جملہ صادر ہوا۔ ”آہ! نعمت از جہاں رفت“

عرفان العارفین شیخ الجن والانس حضور سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق الصادقی الچشتی علیہ الرحمۃ الرضوان خدمت بابرکت میں حاضر تھے مگر کچھ استفسار نہ کرسکے۔ البتہ دن، تاریخ اور وقت بیاض میں درج کرلیا۔ جب آپ ۱۲۵۲ھ میں شہر عظیم آباد پٹنہ وارد ہوئے تو آپ کو یہ علم ہوا کہ حضرت سید شاہ نعمت اللہ قادری مجیبی فرزند اصغر حضرت تاج العارفین اور خانقاہ مجیبیہ کے پہلے سجادہ نشیں کا اسی دن وصال ہے۔ ۲۹ رشعبان ۱۲۴۷ھ۔

اس کے چھ ماہ بعد ۲۶ رصفر المظفر ۱۲۴۸ھ میں ایک سو آٹھ سال عمر پا کر آپ راہی ملک بقا ہوئے۔ جزیرۂ انڈمان میں مدفون ہیں۔ قبر شریف پوشیدہ اور آستانہ مرجع خلائق ہے۔ فقیر آستانہ ملک آستانہ پر حاضر ہو چکا ہے۔ آپ کا اصحابِ استتار میں سے ہونا سب کو تسلیم ہے۔ یہ بات بداہتہً سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے واقعہ کا صدور بغیر قلبی تعلق کے ممکن نہیں ہے۔ چاہے قلب و روح کے وہ تعلقات ہمارے علم واطلاع میں ہوں یا نہ ہوں۔

یہ پھر قدم بوسی کو دنیا اپنا سر جھکائے گی
اگر اسلاف کے کردار سے خود کو جواں کرلیں

عرفان العارفین حضور سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق الصادقی الفخری قدس اللہ سرہ سے متعلق حضرت مولانا حکیم شاہ محمد شعیب مجیبی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''تجلیات انوار فی شیوخ بہار قلمی'' میں یہ اطلاع دیتے ہیں کہ حضرت خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی نے جب بہار میں نزول فرمایا تو آپ نے بہار کے معاصرین مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف بھی تشریف لائے ہیں۔

کرامات اصدقیہ میں بھی ایک دوسری روایت یہ مذکور ہے کہ آستانہ چشتی چمن میں ۲۶ ؍صفر کو اعلیٰ حضرت بابا صادق علی شاہ مونس اللہ چشتی کا عرس تھا۔جس میں قوالان پھلواری آئے ہوئے تھے۔رخصت ہونے کے وقت انھوں نے حضرت سرکار کے حضور عرض کیا۔پھلواری کا عرس قریب ہے۔حضور کی شرکت ہوگی؟

جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ارادہ تو ہے۔سجادہ نشیں حضرت شاہ علی حبیب نصر قادری کا خط بھی آیا ہے۔روابط مضبوط ہونے کے ثبوت کے لئے اتنا بہت کافی ہے کہ ان بزرگوں کے درمیان دعوتی مراسلت تھی اور ''الاولیاء کنفس واحد'' کے تحت باہم محبت استوار تھی ؎

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

خانقاہ اصدقیہ چشتی چمن اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری کے تعلقات میں جوابال آیا۔اس کے معتمد راوی حضرت مولانا حکیم شاہ محمد شعیب مجیبی علیہ الرحمہ ہیں۔اپنی کتاب ''تجلیاتِ انوار فی شیوخ بہار'' غیر مطبوعہ میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''عصر کی نماز کے بعد صاحب سجادہ پھلواری معمولاً فاتحہ کو تشریف لے جاتے ہیں۔ہمارے حضرت پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ محمد بدرالدین قدس سرہ تشریف لے گئے۔فاتحہ سے فراغت کر کے جب واپس ہوئے تو ایک فقیر صورت بزرگ کو وہاں بیٹھا دیکھا آپ اخلاقاً ان کے پاس تشریف لے گئے۔

صاحب سلامت کے بعد مزاج پرسی کر کے نام ونشان دریافت کیا۔آپ نے محض وارفتگی کے شان سے جواب دیا کہ حضرت شاہ قیام اصدق قدس سرہ کے درگاہ پر دیا بتی کرتا ہوں۔حضرت پیر و مرشد سمجھ گئے کہ آپ وہاں کے سجادہ نشیں ہیں۔

شاہ صاحب نے جب حضرت کو دیکھا کہ ایک گورے رنگ کے خوبصورت بزرگ نورانی چہرہ تشریف لائے ہیں تو اپنے جذبۂ حسن پسندی کے تحت آپ کے اس فرمان پر کہ فقیر خانہ قریب ہے۔تکلیف فرمائیں،فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ خانقاہ تشریف لائے۔

اس دن سے آپ کو حضرت پیر و مرشد سے محبت ہوگئی اور اکثر پھلواری تشریف لانے لگے۔دو دن،چار دن خانقاہ میں جلوہ فرما رہتے۔حضرت پیر و مرشد قدس سرہ آپ کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور آپ کی طبیعت کے مطابق آپ کی مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرماتے تھے۔

جس کی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے دل میں بڑی قدر تھی اور اپنے مریدوں میں حضرت کے محامد وفضائل اور خلق محمدی کا تذکرہ بیشتر کیا کرتے تھے۔“

بزرگانِ سلف کا ”ایک جان دو قالب“ مزاج تھا۔ ان کے اخلاق میں کبھی گراوٹ نہیں دیکھی گئی۔ برتری کا تصور تو کبھی انہیں چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی لئے تمام خانقاہوں کے بزرگوں کے درمیان باہم تعلقات خوش گوار دیکھے جاتے تھے۔ آج بھی قدیمی خانقاہوں کے اکثر وارثین اپنے اسلاف کی روش کو نظر میں رکھ کر بڑی حد تک اسے برتنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہ طفیل بزرگان ان کے حوصلوں کو توانائی بخشے۔

مرآۃ المحبوبین حضرت مولانا الحافظ شاہ محمد شہود الحق اصدقی الچشتی قدس سرہ کو اپنے معاصرین میں بالخصوص دو بزرگوں سے تعلق خاطر تھا ایک فیاض المسلمین حضرت مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے۔ دوسرے عمدۃ السالکین حضرت مولانا شاہ امین احمد ثبات فردوسی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشیں خانقاہ معظم بہار شریف سے۔

ان دونوں جگہوں پر آپ کی آمد ورفت رہا کرتی تھی۔ علمی مجلسیں جمتی تھیں اور عارفوں کے ہاتھوں مئے عرفان بٹتی رہتی تھی اور تشنگانِ معرفت بادۂ توحید پی کر مسرور دیکھے جاتے تھے ۔

گر بادۂ توحید پئیں اہل مشارب
ہفتاد دوملت کی ہو تکرار فراموش

——داتا نیاز بریلوی

ابی وشیخی حضرت الحاج سید شاہ بشیر الدین اصدق چشتی کو بھی پھلواری خانقاہ سے خاص لگاؤ تھا۔ جناب حضور شاہ امان اللہ قادری سجادہ نشیں اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری سے کافی قربت تھی۔ عرس کے موقع پر گاہے گاہے جانا ہوتا رہتا تھا اور اکثر بزرگانِ پھلواری کا تذکرہ بھی کرتے تھے۔

پیر بیگھہ شریف سے متصل موضع جموانواں کے ایک میر صاحب جناب حضور کے مرید تھے۔ بیعت کے کچھ عرصہ بعد بذریعہ خط وہ حضرت سے خلافت کے طالب ہوئے۔ حضرت نے کچھ شرائط لکھ بھیجے اور تحریر فرمایا کہ خلافت کے لئے پہلے ان شرائط پر عامل ہونا ضروری ہے۔ انہوں نے دوسرا خط لکھا کہ حضرت کی شرطوں پر عمل میرے لئے مشکل ہے۔ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں کسی دوسرے پیر سے خلافت حاصل کرلوں۔

بدنصیبی یہ ہے کہ آج کے کچھ ناعاقبت اندیش پیروں نے خلافت کو حکیم جی کے چورن کی پڑیا بنا ڈالا ہے۔ جسے چاہا تھما دیا۔ اسلاف کے یہاں اہلیت پہلے پیدا کرائی جاتی تھی اور قدیمی خانقاہوں میں آج بھی اس پر پابندی دیکھنے میں آتی ہے۔ المختصر یہ کہ وہ دونوں مکتوب لے کر میری موجودگی میں والد بزرگوار کے پاس تشریف لائے اور خلافت کے طالب ہوئے۔

جناب حضور نے ان کے دوسرے مکتوب کا یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ میری طرف سے اجازت ہے۔آپ جس پیر سے چاہیں خلافت حاصل کرلیں لیکن میرے خیال میں آپ کو مالیخولیا کا مرض ہوگیا ہے۔ پہلے اس کے علاج کی طرف توجہ دیں۔

ابا حضور اس دوسرے خط کو پڑھ کر بہت ہنسے۔اس کے بعد فرمایا کہ بھائی حضرت شاہ امان اللہ صاحب نے آپ کے مرض کی بہت صحیح تشخیص فرمائی ہے۔آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی سوظنی سے توبہ کیجئے اور ان کی ہدایات پر عمل کیجئے۔پھر خلافت سے سرفراز کردیئے جائیں گے۔یہ جواب سن کر وہ مایوس ہو کر اٹھے اور گھر چلے گئے۔اس کے کچھ زمانہ بعد ان پر جذب طاری ہوا اور جذبی کیفیت میں جان بحق ہوئے ؎

ہر مصیبت سے بچے گا وہ یقینا آسیؔ
اپنے مرشد کو جو ہر درد کا درماں سمجھے

علم کی تحصیل کے بعد جب میں پہلی بار خانقاہ مجیبیہ پہونچا تو پہلے حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے سے پہچان تھی، بڑی محبت سے ملے اور فرمایا کہ آپ کے والد تشریف لاتے ہیں آج آپ کی آمد سے بڑی خوشی ہوئی۔آداب خانقاہ اور پذیرائی کے انداز سے میں کافی متاثر ہوا۔جب بقیہ السلف حضرت مولانا شاہ نظام الدین صاحب قادری سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو فوراً خادم کو بلا کر کہا کہ والد صاحب کے پاس لے جاؤ اور کہنا کہ پیر بیگھہ شریف سے تشریف لائے ہیں۔

خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو حضرت نے بڑی تکریم فرمائی۔شفقت سے ملے، اپنے پہلو میں جگہ دی۔چائے کا دور چل رہا تھا مگر میرے لئے بسکٹ اور چائے الگ سے منگوائی۔تحصیل علم کی تفصیل معلوم کر کے مسرت کا اظہار فرمایا۔ایک قابل تقلید بزرگ کی زیارت سے شرفیاب ہو کر میں خوشی محسوس کر رہا تھا۔

آخر میں نمونہ سلف حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری سجادہ نشیں کی دہلیز پر حاضر ہوا۔محمد یوسف خان قوال مرحوم نے تعارف کرایا کہ آپ حضرت بشیر بابو صاحب پیر بیگھہ شریف کے صاحب زادہ مولانا شاہ رکن الدین اصدق ہیں۔حضرت مصلی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مصافحہ فرمایا اس کے بعد داہنی طرف آراستہ مسند پر بیٹھنے کا حکم صادر کیا۔

خواص کی اس جگہ پر بیٹھنے میں مجھے کسی قدر تامل ہوا۔چونکہ سامنے کچھ لوگ بنچ پر بیٹھے تھے۔یوسف چچا نے فوراً اشارہ کیا کہ تکلف نہ کیجئے بیٹھ جائیے۔میں سمجھ گیا کہ یہ میری نہیں نسبت پیرزادگی کی قدر ہے۔سامنے بیٹھنے والے اس اعزاز کے مستحق نہیں ہیں۔

بزرگ زادگی بڑی نعمت ہے۔کاش! صاحب زادگان اس خصوص کی قدر و قیمت جاننے کی کوشش کریں اور اپنے اندر اس کی کماحقہ اہلیت پیدا کرنے کا جذبہ بھی بیدار فرمائیں ؎

جو بندہ خاص ہیں، وہ بندہ عام نہیں
یوسف ہزار بار بکیں، پر وہ غلام نہیں

پٹنہ کے دورانِ قیام میں پھلواری شریف ہر دو چار ماہ میں جانے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔خانقاہ بھی پہنچتا اور جناب حضور کی خلوت میں بھی حاضر ہوتا۔آپ ادارۂ شرعیہ کی دینی سرگرمیاں معلوم کرتے اور صوفیاء کی تعلیمات عام کرنے کے لئے مفید مشوروں سے نوازتے بھی تھے۔پھلواری کی بڑھتی ہوئی بداعتقادی پر آپ کئی بار شکوہ سنج نظر آئے۔آپ کے سینے میں دین و سنیت کا کافی درد تھا، جسے میں نے بہت قریب سے بار بار محسوس کیا ہے۔ ع

تھی زندگی ان کی مہتاب سے تابندہ تر

۱۹۸۰ء میں علماء حق اور علماءِ سُو کے درمیان جھریا مناظرہ کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد دوسرے فریق کی طرف سے ستّر سوالات اس شرط کے ساتھ بھیجے گئے کہ ان سوالوں کے جوابات تاریخ مناظرہ سے پہلے مل جانا ضروری ہے۔سوالات چوں کہ استفتاء کی صورت میں تھے اس لئے جواب کی ذمہ داری حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمن مضطرؔ پورنوی کے سر ڈالی گئی۔اس وقت وہ ادارہ شرعیہ پٹنہ کے صدر مفتی تھے۔

کچھ سوالات تو ادارہ شرعیہ کے کتب خانے کی مدد سے حل کر لئے گئے اور باقی کے لئے حضرت مفتی صاحب نے خدا بخش لائبریری کی طرف رجوع فرمایا۔لیکن ایک سوال کے مبرہن جواب کی ضرورت اب بھی باقی رہی۔مفتی صاحب نے کہا کہ خانقاہ پھلواری شریف کی لائبریری اس سوال کے حل میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔مگر وہاں تک آپ کے بغیر میری رسائی ممکن نہیں، وہ سوال یہ تھا۔

”شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کس امام کے پیرو تھے اور قرآن خوانی کے ذریعہ وہ ایصال ثواب کے قائل تھے یا نہیں۔اگر نہیں تھے تو قادریہ سلسلہ والے جو مجلس فاتحہ اور قل کا اہتمام کرتے ہیں اس کا جواز کیا ہے؟“

دوسرے ہی دن مفتی صاحب کے ساتھ میں پھلواری روانہ ہوا۔راستے کی دشواری کے سبب ہم لوگوں کو پہنچنے میں دیر ہوگئی۔مغرب کے بعد جناب حضور کی خلوت میں باریاب ہوا۔میں نے پہلے مفتی صاحب کا تعارف کرایا۔پھر مسئلے کی نوعیت بتا کر اپنی حاضری کی غرض بیان کی۔حضرت نے عطر سے نوازنے کے بعد خادم کو حکم دیا کہ اندر سے دودھ کی چائے بنوا کر لاؤ۔اس کے بعد حضرت شاہ امین اللہ قادری بلوائے گئے۔انہیں حکم ہوا کہ شاہ صاحب بڑی اہم ضرورت کے تحت تشریف لائے ہیں۔آپ لائبریری کھلوائیے اور گیس بتی جلوا کر کتاب تلاش کرنے میں ان دونوں کی مدد کیجئے۔یہ اپنا ہی کام ہے اور اس آخری جملے کی تین بار تکرار فرمائی۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ردّ و ابطال اگرچہ صوفیاء کا مزاج نہیں لیکن کتمانِ حق ہر گز ان کا شیوہ نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہم دونوں شاہ امین اللہ قادری کے ساتھ لائبریری پہنچے اور کتاب کی تلاش و جستجو میں لگ گئے، بالآخر محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی ایک کتاب دستیاب ہوگئی، جس میں مطلوبہ جواب موجود تھا۔مفتی صاحب نے نقل حوالہ کی تیاری شروع کی تو ایک طالب علم بول پڑا۔حضرت شاہ رضوان اللہ قادری آپ لوگوں کا اپنے کمرے میں نیچے انتظار کر رہے ہیں۔

ہم لوگ نیچے اترے اور طالب علم کی رہنمائی میں برادر مخلص حضرت مولانا شاہ رضوان اللہ قادری کے کمرے میں پہنچے۔ کافی کشادہ کمرہ تھا۔تخت پر سرخ قالین بچھی تھی اور موصوف مسند لگائے منتظر بیٹھے تھے۔جوں ہی میں اندر داخل ہوا۔اٹھ کر بغل گیر ہوئے۔مجھے اپنی مسند پر بٹھایا اور مفتی صاحب کو سلام ومصافحہ کے بعد نقل حوالہ کے لئے میز پیش کی۔

مفتی صاحب نے ابھی قرطاس وقلم سنبھالا ہی تھا کہ سامنے دسترخوان بچھ گیا۔حضرت نے فرمایا، پہلے مجھے میزبانی کی کچھ سعادت نصیب ہو جائے پھر کام کا آغاز ہو۔دسترخوان شیریں ونمکین اور خشک وترنعمتوں سے بھر گیا۔خانقاہ میں تکریم مہمان کا یہ اعلیٰ نمونہ دیکھ کر مفتی صاحب بے حد متاثر ہوئے۔

مفتی صاحب خورد ونوش سے فارغ ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے اور ہم دونوں کے درمیان خوش گوار ماحول میں گفتگو کا سلسلہ چل پڑا۔موصوف خوش گو بھی تھے اور ہم عمری کی بے تکلفی بھی تھی۔کچھ دیر بعد یکا یک اداس ہو گئے اور میرے زانو پر ہاتھ رکھ کر دل شکستگی کے انداز پر پوچھا۔شاہ صاحب! آپ نے ”برق آسمانی...... برمانی“ نامی مفسد کتاب دیکھی ہے۔ اس میں تو کوثر حسن چھپروی نے والد صاحب کو کھلے الفاظ میں معاذ اللہ! کافر لکھ دیا ہے۔

میں ایک آلودہ عصیاں کے کتاب کی آلودگی دیکھ چکا تھا۔اس لئے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔میں نے کہا بھائی! آپ ذرا بھی ملول خاطر نہ ہوں۔صوفیا آئینہ ہوتے ہیں، یہ بدنصیب ان کے آئینے میں اپنی آلودگی کو دیکھ کر حکم لگا بیٹھا ہے۔یہیں سے اس کے برے دن کا آغاز ہے۔حضور والا کے دامن تقدس پر کبھی کوئی آنچ نہیں آسکتی اور بے ساختہ میری زبان پر یہ شعر آگیا ۔

غالبؔ برا نہ مان، گر دشمن برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے، جسے اچھا کہیں سبھی

مفتی صاحب کا کام پورا ہوا۔انھوں نے شکریہ کے ساتھ کتاب واپس کی اور میں اجازت کا طالب ہوا۔آپ نے دو جوان لڑکوں کو بلا کر فرمایا کہ رات اندھیری ہے اور گلیاں تاریک ہیں، ٹارچ کی روشنی کافی نہیں ہوگی۔آپ دونوں گیس بتی اٹھائیے اور اپنے معزز مہمانوں کو اسٹینڈ تک پہنچائیے اور یہ ہدایت فرمائی کہ سوار کرنے کے بعد ہی واپس آنا ہے۔خبردار روڈ پر کھڑا چھوڑ کر نہیں چلے آنا ہے۔

حضرت مولانا شاہ رضوان اللہ قادری (بردا للہ مضجعہ) اللہ تعالیٰ ان کے کریمانہ سلوک کی بہترین جزا پیران سلسلہ کے طفیل انہیں عطا فرمائے۔مشیت الٰہی کو کوئی نہیں جانتا۔انھوں نے جلد ساتھ چھوڑ دیا۔مگر ان کی ادائے دل ربا مجھے اب تک بے چین کرتی ہے ۔

یادیں کس کی لائی ہیں پھر موسم بہار
غنچے کھلے ہیں گوشۂ خانہ خراب میں

کچھ اہم مسائل پر تبادلہ خیال کی غرض سے قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے قاضی شریعت حضرت مولانا محمد فضل کریم حامدی علیہ الرحمہ کو ساتھ لے کر خانقاہ مجیبیہ جانے کا ارادہ بنایا۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ مہتمم صاحب! آپ کی معیت ہم لوگوں کے لئے معاون ثابت ہوگی، چوں کہ خانقاہ میں آپ کی ایک الگ پہچان ہے۔ میں نے کہا کہ آپ اگر میری ضرورت سمجھتے ہیں تو مجھے کوئی انکار نہیں ہے۔

دوسرے دن ہمارا سہ نفری وفد ناشتہ کے بعد پھلواری شریف روانہ ہوا۔ خانقاہ میں پیشگی کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ لیکن جب ہم پہونچے تو حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری علیہ الرحمہ اپنی نشست گاہ پر موجود ملے۔ انھوں نے شایان شان خیر مقدم کیا اور پذیرائی میں کچھ کمی ہونے نہیں دی۔ پھر حساب دوستاں کا سلسلہ شروع ہوا اور گلہ وشکوہ کے دروازے کھلے۔

آخر میں علامہ ارشد القادری صاحب نے کہا کہ ہم یہاں صوبائی سطح کا ایک اجلاس کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد سنیت کی بیداری کے لئے باضابطہ مہم چلائیں گے۔ آپ لوگوں کی مجھے اس امر میں سرپرستی درکار ہے۔ حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری نے جواباً کہا کہ ہم اپنے اثر سے اس کام کے لئے جامع مسجد کا وسیع گراؤنڈ فراہم کرائیں گے اور اپنی مفید تجاویز کے ساتھ شریک اجلاس ہوں گے۔

اس امید افزا گفتگو کے بعد ہم خلوت میں داخل ہوئے اور حضور سجادہ نشیں سے ملے انھوں نے مختصر گفت وشنید کے بعد فرمایا کہ شاہ عون احمد قادری یہاں کی نمایندگی کریں گے اور میری نصرت آپ لوگوں کے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔ مگر حسرت و افسوس ہے کہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا نہ جاسکا۔ جس کے کچھ عوامل ہیں۔

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ تصلّب کے تمام تقاضوں پر کار بند تھے۔ بایں ہمہ اپنوں کو توڑنے کا نہیں جوڑنے کا ہنر جانتے تھے۔ جو لوگ جداگانہ ذہنیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے جماعت کو کبھی کچھ دیا نہیں ہے۔ البتہ جماعت اہل سنت کا قیمتی اثاثہ گنوایا ضرور ہے۔ نبّاض فطرت شاعر کی زبان میں ؎

اے چشم اشک بار، ذرا دیکھ تو سہی
ہوتا ہے جو خراب، وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

جماعتِ اہل سنت کے ایک معتمد کی حیثیت سے میں شریک وفد تھا۔ اس لئے ضمناً یہ تذکرے آگئے ورنہ میرا موضوع خانقاہ اصدقیہ اور خانقاہ مجیبیہ کے مابین دیرینہ روابط کو ہی دکھلانا ہے۔

آمدم برسر مطلب :

یہ ۱۹۸۱ء سے قبل کی بات ہے۔ اس وقت تک میں شاہ ہلال احمد قادری سے آشنا نہ تھا۔ وہ مجھے خانقاہ آتے جاتے دیکھتے ہوں گے یا رسماً علیک سلیک بھی ہوئی ہوگی۔ باقاعدہ تعلقات استوار ہونے کی کہانی بہت عجیب ہے۔ ۱۹۷۰ء کے بعد

جمپلا حسین آباد، حیدر نگر کے علاقوں کے دینی جلسوں میں میرا جانا آنا ہونے لگا تھا۔

حیدر نگر میں حافظ محمد نعیم مجیبی میرے احباب خاص میں تھے۔ انھوں نے ۱۹۹۰ء کے بعد حیدر نگر کے ایک بڑے جلسے میں مجھے مدعو کیا۔ میں اس شرط کے ساتھ شریک اجلاس ہوا کہ میں جلسہ کے بعد رات ہی میں واپس ہو جاؤں گا۔ حیدر نگر پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا کہ یہ اجلاس وابستگان پھلواری کی سرگرمیوں کے نتیجے میں ہے اور صاحب زادگان خانقاہ مجیبیہ کی قیادت وصدارت میں منعقد ہو رہا ہے۔

دسترخوان پر شاہ ہلال احمد قادری اور شاہ عمید الدین قادری سے ملاقات ہوئی۔ شاہ عمید الدین قادری کو تو اپنے والد کی طرح خاموش طبع پایا لیکن شاہ ہلال احمد قادری اپنے چچا کی طرح مجلس کی بہار نظر آئے۔ دیر تک ہم نشینی رہی۔ پھر میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

کچھ دیر احباب کے گھیرے میں رہا۔ اس کے بعد انتظامیہ کے لوگ گرفتار کر کے مجھے اسٹیج پر لے گئے۔ ۱۱ر بجے شب میں میری تقریر شروع ہوئی۔ عنوان تھا ''مقام نبوت'' ابھی میں تمہید کی سرحد پار کر رہا تھا کہ دونوں شاہزادگان کی اسٹیج پر آمد ہوئی۔ مولانا عبد الخالق مجیبی دھنباد نقیب اجلاس تھے۔ انھوں نے اپنے پیر زادگان کا نعروں کی گونج میں استقبال کیا۔ اس کے بعد میری تقریر کا سلسلہ آگے بڑھا۔

اسی موقع پر میں حضرت شاہ ہلال احمد قادری سے پورے طور پر متعارف ہوا۔ ان کی علمی لیاقت سے واقف ہوا اور ان کی روش بندہ پروری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے بعد سے وہ جب کہیں بھی مجھ سے ملتے خلوص ومحبت کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا۔ اگر کبھی کچھ کمی کا احساس ہوتا تو طبیعت کی گرانی کا اظہار کرنے کی بھی ہمت پڑتی۔ جس کی ایک مثال یہ ہے۔

ایک بار میں حضرت شاہ ہلال قادری صاحب سے کچھ اہم موضوعات پر گفتگو کے ارادے سے پھلواری شریف پہنچا، خیال تھا کہ نماز عصر خانقاہ میں پڑھوں گا لیکن کچھ دیر ہو جانے کے سبب خانقاہ میں داخل ہوا تو لوگ مسجد سے نکل رہے تھے۔ شاہ صاحب سے سامنا ہوا، سلام ومصافحہ ہوا اور میں نماز کے لئے مسجد میں داخل ہو گیا۔ بعد فراغت نماز صاحب سجادہ سے ملا۔ ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا۔ پھر اجازت لے کر باہر آیا۔

کچھ لڑکے صحن میں کھڑے تھے، ان سے پوچھا، شاہ ہلال صاحب! معلوم ہوا وہ تو گھر تشریف لے گئے۔ یہ سن کر مجھ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ بوجھل قدموں سے میں باہر نکلا، گاڑی پر بیٹھا اور پٹنہ واپس ہو گیا۔ رات میں بعد عشاء شیخ اکبر علی اصدقی سے کہا، شاہ ہلال قادری صاحب کو فون لگاؤ، انھوں نے فون لگایا اور یہ کہہ کر کہ حضرت بات کریں گے، فون مجھے تھما دیا۔

علیک سلیک کے بعد میں نے کہا، میں کوئی بیکار آدمی نہیں ہوں۔ کئی مہینے کی کوششوں کے بعد وقت نکال کر میں صرف آپ کی ملاقات کو خانقاہ پہونچا تھا۔ مگر آپ کمترین کے لئے کچھ دیر خانقاہ میں ٹھہر نہیں سکے اور مجھے ناکام ونامراد واپس ہونا پڑا۔

میرے ان جملوں پر آپ تڑپ اٹھے۔فرمایا آہا شاہ صاحب! آپ کو تکلیف پہونچی۔میں معافی کا خواستگار ہوں۔اصل میں مجھے غلط فہمی ہوئی۔میں نے سمجھا ابھی آپ صاحب سجادہ کے پاس تشریف رکھیں گے۔کچھ مہمان آئے ہوئے تھے،انھیں رخصت کرنے جلدی میں گھر چلا گیا تھا۔رخصت کرنے میں کچھ دیر ہوئی۔واپس آیا تو آپ تشریف لے جا چکے تھے۔مجھے رہ رہ کر خیال آرہا تھا کہ میری غیر حاضری حضرت کے طبع نازک پر گراں گذری ہوگی۔میں اپنی تساہلی پر اس امید کے ساتھ معذرت خواہ ہوں کہ ''بر کریماں کارہا دشوار نیست''

میں ہی نہیں،کوئی بھی اہل نظر ان جملوں سے اندازہ کرسکتا ہے کہ مرحوم کے اندر کیسی بے نفسی تھی۔کیسا خلوص اور کس درجہ انکسار تھا،بر کریماں کارہا دشوار نیست'' کہہ کر جب انھوں نے فون رکھا تو مجھے اپنے شکوہ پر ندامت کا احساس ہوا اور دیر تک یہ فکر میرا تعاقب کرتی رہی کہ اگر تم فون نہ کرتے تو انہیں اس فروتنی کے ساتھ معذرت کرنی نہ پڑتی۔یہ ان ہی کا حصہ تھا ورنہ آج کل علماء ہوں یا مشائخ،ہم چنیں دیگرے نیست'' کے خمار میں مبتلا رہتے ہیں۔

اہل علم اگر مجھے معاف فرمائیں تو میں عرض کروں کہ علمی گہرائی و گیرائی پر بحث اپنی جگہ ہے۔تقریر وتحریر کی سراہنا ایک الگ چیز ہے۔لیکن اس دور کساد میں بزرگ زادگان کے اندر ایسے اوصاف کا پایا جانا بڑے فضل کی بات ہے۔اسے اسلاف کی وراثت قرار دینا عین مطابق حق ہے ؎

تواضع کا طریقہ صاحبو! سیکھو صراحی سے ۞ کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

اس کے کچھ زمانہ بعد پھلواری شریف جانب مغرب مسلم محلہ میں ایک جلسہ تھا جس میں مجھے شریک ہونا تھا۔بالقصد بہار شریف سے پہلے روانہ ہوا اور عصر کی نماز،خانقاہ کی مسجد میں ادا کی۔بعد نماز حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری نے ایک کشادہ کمرہ میں لے جا کر بٹھایا۔جو غالباً ان کی نشست گاہ یا درسگاہ تھی۔کچھ مخلصین جمع ہو گئے ان میں مولانا شاہ مشہود احمد قادری بھی تھے۔

چائے نوشی کے دوران گفتگو چل پڑی کہ مداہنت فی الدین ہرگز روا نہیں۔لیکن اسلام میں تشدد بھی محمود نہیں ہے۔شاہ صاحب نے اس کے نقصانات کی کچھ مثالیں پیش کیں۔شاہ مشہود احمد قادری نے بھی اپنا تجربہ بیان کیا اور بلا شبہ میرے مشاہدات میں بھی دانا دشمنوں سے نادان دوستوں کے مہلکات بہت زیادہ ہیں۔''اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ ''کاش لوگ سمجھ پاتے کہ دعوت حکمت کے ذریعہ اور اصلاح حسن بیان کی راہ سے قابل قبول ہے ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے، سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی، گھر کے چراغ سے

آخری بات :

ارتباط باہمی کی سب سے گرانقدر مثال تو یہ ہے کہ مرأۃ المحبوبین حضرت مولانا الحافظ شاہ شہود الحق اصدقی الچشتی کی

رسم سجادگی میں محی الملۃ والدین حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری شریک ہوئے۔ یادگارِ اسلاف حضرت مولانا شاہ محمد ہاشم اصدق شہودی کی رسم سجادگی میں عالی مرتبت حضرت مولانا شاہ محمد قمر الدین قادری نے شرکت فرمائی۔محبوب المشائخ حضرت شاہ مشہود اصدق ہاشمی کی رسم سجادگی میں قدسی صفات حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادری نے تشریف ارزانی فرمائی۔

مجھ کمترین کی رسم سجادگی میں ذو العلم والفضل حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری نے یہ کہہ کر خود سے دستار باندھی کہ خانقاہ مجیبیہ کی طرف سے ہے اور حضرت شاہ مشاہد اصدق کی رسم سجادگی میں سعادت آثار حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری اور حضرت مولانا شاہ مشہود احمد قادری تشریف لا کر رونق بزم بنے۔

حالیہ دنوں میں خانقاہ مجیبیہ کے نیر تاباں حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمہ کے فاتحہ چہلم میں مجھ خاکسار کو بھی شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔میرے ہمراہ فرزندارجمند مولانا سید نورالدین اصدق مصباحی بھی تھے۔

عزیز والاشان حضرت مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری زیب سجادہ نے مولی علی کرم اللہ وجہہ کی تاریخ ہونے کے سبب مجلس ذکر اور مجلس سماع میں شرکت کی غرض سے شب میں قیام کی دعوت دی بلکہ اصرار فرمایا۔اس پروگرام کا پہلے سے کوئی علم نہ تھا اس لئے شب کا وقت دوسروں کو دے چکا تھا۔خانقاہ آنا جانا لگا رہتا ہے مگر کبھی شب میں قیام کا موقع نہیں آیا۔آج ٹھہر جاتا تو اپنے بزرگوں کی سنت ادا ہو جاتی۔مگر افسوس ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

گرامی قدر مولانا شاہ مشہود احمد قادری مستقل ساتھ ساتھ رہے تنگیٔ وقت کے باوجود اپنے درِ دولت پر لے جا کر چائے نوشی کرائی اور دم رخصت تک ساتھ نہ چھوڑا۔یہ لوگ اپنے اسلاف کی چلتی پھرتی تصویریں ہیں۔مولائے کریم ان کے وجود مسعود سے زمین پھلواری کو لالہ زار بنائے۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے، پیغام صبا تیرا

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

مولانا شاہ ہلال احمد قادری

● جناب شاہ ظفر الیقین صاحب — آستانہ حضرت قطب الدین بینا دل قلندر، جون پور

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے میرا تعارف مولانا بدر احمد مجیبی صاحب نے کرایا، اس وقت بنارس عرس میں دونوں حضرات کا قیام ایک ہی کمرے میں تھا اور مجھے بھی ان ہی حضرات کی خدمت میں شب گزاری کی سعادت کئی سال حاصل رہی، پھر حضرت ہلال احمد صاحب سے قربت بڑھتی رہی تا آنکہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء میں ''سیرت پیر مجیب'' شائع ہوئی جو کہ ایک طرح سے پورے خانوادہ پر قرض تھا، جسے مرحوم نے فرض سمجھ کر ادا کیا، موصوف نے مجھے یہ کہہ کر عنایت فرمائی کہ اس کے مصادر میں ''گلشن قلندریہ'' بھی ہے، میں نے بعد مطالعہ چند گزارشات بذریعہ عریضہ روانہ کیں، جسے انہوں نے قبولیت سے سرفراز فرماتے ہوئے جواب عطا فرمایا، بطور مثال چند کا ذکر پیش ہے:

قلندریہ سلسلہ کا ذکر نہیں ہونے پر تحریر فرمایا کہ ذہن میں تھا کہ ذکر کیا ہے، پتہ نہیں کیسے نہیں آیا۔ شاہ محمد فاضل قلندر سادھوروی کے انتقال کے سنہ سے متعلق فرمایا کہ چوں کہ میری نظر سے قطعہ تاریخ نہیں گزرا تھا، اس لیے تخمینہ لگایا جو کہ قریب ہی رہا۔ ان کی تصحیح کر کے دوسرے ایڈیشن ۲۰۱۲ء/۱۴۳۶ھ میں انہوں نے شامل کیا، مگر افسوس قطعہ تاریخ کا پہلا مصرع ''سید ما محمد فاضل'' کی جگہ ''سیدنا پیر محمد فاضل'' ہوگیا ہے، ''سلسلہ قادریہ ہندوستان میں'' کے بارے میں میری گزارش پر کہ ''تشنہ'' ہے، فرمایا کہ دراصل وہ مضمون میرا نہیں، حضرت امیر شریعت اول کا ہے،............ کے لیے فرمایا کہ پہلے سے نگاہ میں تھیں۔

اس کے بعد مرحوم نے اپنی تقریباً سبھی کتب تحفۃً عطا فرمائیں، یعنی (۱) حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری پھلواروی ۱۴۱۰ء/۱۹۸۹ء (۲) ''اشارات الکتاب الی اباحۃ ایصال الثواب'' از قمر طلعت مولانا شاہ محمد قمر الدین قادری پھلواروی المتوفی ۱۳۷۶ھ تشریح مضامین مولانا شاہ ہلال احمد قادری اس میں اصل عبارت قمر طلعت کی جوں کی توں رہنے دی گئی ہے اور مغلق عبارتوں پر برائکٹ کے اندر تشریحی نوٹ لکھ دیئے گئے ہیں، تا کہ مصنف کی عبارت اور تشریحی نوٹ میں امتیاز رہے، اسی

طرح اور بھی چیزیں جیسے ذیلی عنوانات اور آیات کریمہ کے ترجمے فتح الحمید سے نقل کر دیئے گئے ہیں۔(۳)''یزید حقائق کے آئینے میں''طبع اول ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء۔(۴)''خانوادہ سیدہ زینب'' ۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۵ء(۵)''نغمات الانس فی مجالس القدس'' ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۵ء(۶)''احوال مولائے کائنات'' ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء از امیر شریعت اول مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری،تحشیہ وتخریج از مولانا محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی صاحب سجادہ تاج العارفین،مقدمہ بنام سخنہائے گفتنی از مولانا شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ،اس میں حدیث''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' کے بارے میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے،میری فرمائش پر ''محی الملۃ والدین''از مولانا شاہ عون احمد قادری طبع دوم عنایت فرمائی،علاوہ بریں''بستان الاکرام ترجمہ تذکرۃ الکرام''۲۰۱۸ء، ''صحیفۂ امان''از فتح اللہ قادری ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ھ''خانقاہ تاج العارفین''از محمد سجاد حسین قادری مجیبی اور آخری ملاقات میں ''القول السدید لدفع المتعصب العنید'' ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۹ء عطا فرمائیں۔

حقیر کی آنکھ میں موتیابند کے آپریشن کے سلسلہ میں اسی سال رمضان میں فون پر گفتگو میں انہوں نے اعظم گڑھ میں ڈاکٹر معظم کے لیے فرمایا کہ میں نے ان سے ہی کرایا اور بغیر پرہیز رہا اور روشنی بھی پوری رہی،اس لیے مجھے بھی وہیں کی رائے دی جس پر میں نے عمل کیا اور بحمد اللہ تعالیٰ کامیاب رہا،روشنی بھی پوری آئی اس کے بعد نغمات الانس میں ع

غوث الاعظم بمن بے سروساماں مددے

کے متعلق نامعلوم،صفحہ:۳۲۶ تحریر پر میں نے عرض کیا کہ''برکات مارہرہ''از طفیل احمد منگلوری طبع دوم تاج الفحول اکیڈمی،صفحہ:۵۹ میں دیا ہے کہ یہ حضرت سید شاہ حمزہ عینیؔ مارہروی صاحب کی ہے تو اس کا واٹس ایپ منگایا،جسے میں نے اپنے لڑکے شاہ محمد عبداللہ سے روانہ خدمت کروایا،یہی ان سے میری آخری گفتگو بھی رہی،اس کے بعد ان کے انتقال کی خبر ملی،اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور نعم البدل ارزانی فرمائے،بطور خاص مرحوم کی والدہ ماجدہ بنت قمر طلعت جن پر جوانی میں شوہر کا غم،ابھی کچھ دن قبل بیٹی کا غم اور اب لائق وفائق صاحبزادہ کا غم،اللہ!غموں کی کوئی انتہا ہے،اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

باتیں ان کی یاد رہیں گی

● ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی—وظیفہ یاب ایسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اردو انجمن ڈگری کالج بھٹکل (کرناٹک)

گذشتہ سال وبائی مرض نے کتنی ہی علمی و ادبی اور دینی و ملی شخصیات سے ہمیں محروم کر دیا ہے، یوں تو روزانہ جانے کتنے پیارے اپنے عزیزوں سے بچھڑ کر عدم کا رخ اختیار کرتے ہیں، لیکن جب کوئی اپنا عزیز قریب، اپنا خاص حبیب اور علمی رفیق بچھڑ کر رخصت ہو جاتا ہے تو اس کا غم ظاہر ہے کہ دیر تک دیوانہ بنائے رکھتا ہے۔ جس کی یادیں، باتیں اور ملاقاتیں بھی بھلائی نہیں جاسکتیں، جس کی ایک ایک بات ہر دم یاد آتی ہے اور دل کو تڑپاتی ہے۔

چنانچہ ۳۱/اگست ۲۰۲۰ء کو جب برادرم ڈاکٹر سید شاہ فتح اللہ قادری نے بعد مغرب اپنے موبائل سے یہ دلخراش خبر سنائی کہ ابھی عصر کے وقت برادر محترم مولانا شاہ ہلال احمد قادری کا انتقال ہو گیا تو اچانک یہ افسوسناک خبر سنتے ہی دل دھک سے ہو گیا اور میری زبان سے کئی بار صرف اناللہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ نکلے اور میں کچھ کہہ نہ سکا، بلکہ پھر تھوڑی دیر بعد میں نے اپنے چچازاد بھائی مبشر عثمانی جھریا سے گفتگو کی جو ہلال بھائی مرحوم کے منجھلے داماد ہیں، جن سے ان کی اچانک علالت اور پھر رحلت کی تفصیلات معلوم ہوئیں، اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے اور درجات کو بلند فرمائے، آمین۔ انتقال سے صرف ایک ہفتہ پہلے بعد نماز مغرب ان کا ٹیلی فون آیا تھا، وہ اکثر اسی وقت بہت تفصیل سے گفتگو کیا کرتے تھے، میری صوفیانہ شاعری پر ایک کتاب جو نظر ثانی اور اس پر ایک مقدمہ کی گذارش کے ساتھ ان کی خدمت میں بھیجی گئی تھی، اس پر اظہار خیال کیا اور چند قیمتی مشورے دیئے، اس وقت میری شان وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ ان سے میری آخری گفتگو ہو رہی ہے، شاید اسی لیے آج درد وغم کا احساس زیادہ ہو رہا ہے، بلکہ یہ رنج وغم خون بن کر پورے جسم میں گردش کرنے لگا ہے اور میں ماضی کی یادوں اور سوچوں میں گم ہو گیا ہوں۔

ہلال بھائی مرحوم میرے ہم عمر تھے، ان سے ہماری پہلی ملاقات کب، کیسے اور کہاں ہوئی؟ یہ تو مجھے اب یاد نہیں، اکثر اقربا کے یہاں مختلف تقریبات میں ہو جایا کرتی تھی یا پھر سملہ خانقاہ میں عرس کے موقع پر ہوئی، کئی ملاقاتیں یاد ہیں،

تیس سال قبل بھٹکل آنے کے بعد تو گویا میں اپنے لوگوں سے بالکل کٹ کر رہ گیا، ان ایام میں مراسلت اور موبائل ہی نصف ملاقات کا ذریعہ رہے ہیں، آپ کی شخصیت میں بڑی سادگی، ملنساری، بردباری اور انکساری پائی جاتی تھی، طبیعت میں سنجیدگی و متانت کے باوجود وہ زاہد خشک بالکل نہ تھے، بلکہ مزاج میں بذلہ سنجی اور شگفتگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، لبوں پر ہمیشہ مسکراہٹ کھلتی رہتی تھی، علمی گفتگو میں بھی اکثر وہ پُر مذاق بلکہ مزاحیہ جملے کہہ کر ماحول کو بوجھل نہیں ہونے دیتے، اسی لیے ان کی صحبت میں بہت جی لگتا تھا، ان کو مجھ سے ایک تعلق خاطر تھا، جب بھی گفتگو ہوتی تو میرے والد محترم مولانا شاہ طیب عثمانی ندوی مرحوم کا ذکر بڑی عقیدت سے کرتے اور ان ہی کی طرح بننے اور لکھنے پڑھنے کی تلقین کرتے، والد مرحوم کے انتقال کے بعد جب ماہنامہ ''پیش رفت''، نئی دہلی نے ان پر ایک خاص نمبر نکالنے کا منصوبہ بنایا تو میں نے ہلال بھائی مرحوم سے ایک مضمون کی گذارش کی، انہوں نے فوراً حامی بھری اور پھر ان کی شخصیت کے ایک مخفی پہلو پر یعنی صوفیانہ افکار پر ایک تفصیلی مضمون لکھا، ظاہر ہے اس میں کچھ باتیں میرے لحاظ سے نزاعی نوعیت کی تھیں، انہوں نے اسے مدیرانہ حق کے تحت مجھے حذف کر دینے کے لیے کہا لیکن جب میں نے جواب میں ان سے کہا کہ پورا مضمون ایک ایک لفظ کے ساتھ جوں کا توں شائع ہوگا، تو بہت خوش ہوئے اور یقیناً چھپنے کے بعد وہ مضمون ہر حلقہ میں بہت پسند کیا گیا۔ دراصل ہلال بھائی مرحوم کی والدہ کی نانیہال خانقاہ سملہ کے عثمانی خاندان میں ہے اور اسی رشتے سے وہ ہم سب لوگوں سے بہت جوش و جذبے سے ملتے تھے۔ یعنی ان کے نانا حضور حضرت شاہ قمر الدین قادریؒ کی شادی ہمارے دادا حضور حضرت شاہ قاسم عثمانی فردوسیؒ کی چچازاد بہن بی بی فاطمہ بنت حضرت شاہ خواجہ محمد خلیل سملویؒ سے ہوئی تھی اور ان سے بھی ایک سیڑھی اوپر امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادری پھلوارویؒ کی پھوپھی بی بی وصیۃ النساء بنت حضرت مولانا شاہ محمد ہادی پھلوارویؒ کی شادی حضرت مولانا شاہ قاسم عثمانیؒ کے جد امجد حضرت مولانا شاہ ابوالحسن فردوسی سملوی سے ہوئی تھی، بہت ہی کم عمری میں ہلال بھائی کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، چنانچہ آپ کے دادا حضور حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادریؒ اور نانا حضور حضرت مولانا سید شاہ قمر الدین قادریؒ کی نگرانی میں آپ کی ابتدائی نشوونما اور تعلیم و تربیت ہوئی، پھر آپ کے چچا حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ اور ماموں حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادریؒ نے درسیات کی تکمیل میں خصوصی توجہ فرمائی تھی، ان بزرگوں کی خصوصی شفقت اور نظر کرم کے باعث آپ کی شخصیت میں ایک علمی و روحانی چمک اور ایک خاص خوبی پیدا ہوگئی تھی، یہی وجہ ہے کہ پوری زندگی خاندانی فقر و درویشی، ایثار و قربانی، استغنا اور توکل پر آپ عمل پیرا رہے۔

مولانا شاہ ہلال احمد قادری بلاشبہ ایک بلند پایہ ادیب، شاعر، محقق اور مصنف تھے۔ اسلامیات اور تصوف و احسان ان کا خاص موضوع تھا۔ آپ نے سیرت، سوانح، سفرنامہ، ادبی تحقیق اور تنقید پر کئی یادگار کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ملک کے مختلف علمی و ادبی رسائل اور تحقیقی مجلات میں مقالات شائع ہوتے رہے ہیں، خصوصاً ''المجیب'' میں آپ کے مضامین متواتر نظر آتے تھے۔

جب اس رسالہ کا ایک خاص نمبر شعر وادب کی ترقی میں فرزندان پھلواری کا حصہ کے موضوع پر شائع ہوا تو یہ ضخیم نمبر گیا کے پتے پر مجھے بہ طور خاص بھیجوایا، اس میں ان کے کئی بڑے قیمتی تحقیقی مقالات شامل ہیں، ان کی پہلی مکمل کتاب جو تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے اور جو تقریباً تیس سال کی عمر میں لکھی گئی تھی، وہ ’’سوانح حضرت شاہ امان اللہ قادری‘‘ ہے۔ ان کی دوسری تصنیف بانی خانقاہ مجیبیہ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری کی مکمل سوانح اور حالات زندگی پر تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ’’سیرت پیر مجیب‘‘ کے نام سے شائع ہوئی ہے، جو بلاشبہ تحقیق و تدقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ’’نغمات الانس فی مجالس القدس‘‘ دراصل ان فارسی نعتوں اور صوفیانہ شاعری کا ۳۳۶؍ صفحات پر پھیلا ہوا ضخیم مجموعہ ہے، جو عام طور سے خانقاہوں کی مجلس سماع میں پڑھی اور سنی جاتی ہیں، اس کے آغاز میں انہوں نے ’’در جواز سماع و مزامیر‘‘ کے عنوان سے ۱۱۰؍ صفحات کا مبسوط مقدمہ تحریر کیا ہے، جس میں موضوع کے تمام پہلوؤں پر مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے۔ مولانا ہلال احمد مرحوم کی دیگر کئی کتابیں مثلاً خانوادہ سیدہ زینب، یزید حقائق کے آئینے میں اور القول السدید وغیرہ بھی تحقیق کے اعلیٰ معیار پر ہیں، ان کی جب بھی کوئی کتاب شائع ہوتی، وہ بڑے اہتمام اور محبت سے میرے پتہ پر بھیجواتے تھے، جو یقیناً مجھ سے ان کے تعلق خاطر کا بین ثبوت ہے، جب ان کی پہلی کتاب ’’سوانح شاہ امان اللہ قادریؒ‘‘ شائع ہوئی تو تبصرہ لکھنے کی خواہش کے ساتھ میرے پاس بھیجی اور میں نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ایک مفصل تبصرہ ماہ نامہ ’’دعوت و عزیمت‘‘ نئی دہلی میں تحریر کیا، مناسب یہ ہے کہ آج اس موقع پر اس کے چند اقتباسات یہاں پیش کر دیے جائیں:

’’پھلواری شریف ایک مردم خیز خطہ ہے، جس میں علما اور صوفیا، قضاۃ وقت اور ادبا و شعرا ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں، اپنے علمی و روحانی خصوصیتوں کے لحاظ سے بہار کے اس قصبہ کی تاریخ بہت پرانی ہے، سب سے پہلے عہد فیروز شاہ میں حضرت مخدوم سید شاہ منہاج الدین راستیؒ جیلان سے یہاں تشریف لائے، دوسرا خاندان حضرت امیر عطاء اللہ زینبیؒ کا پھلواری میں آباد ہوا، دور حاضر میں فیاض المسلمین حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہ کی ذات والا صفات اس خانقاہ کی روح رواں ہوئی، جب علمائے بہار نے امارت شرعیہ جیسی دینی تنظیم کا قیام عمل میں لایا تو باتفاق رائے علمائے کرام نے آپ کو امیر شریعت منتخب کیا، آپ کے وصال کے بعد بڑے صاجزادے حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری خانقاہ کے سجادہ نشیں اور امیر شریعت ثانی بنائے گئے اور جن کے بعد حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری خانقاہ کے سجادہ ہوئے۔

برادر محترم جناب مولانا شاہ ہلال احمد قادری نے اپنی ضخیم تصنیف ’’سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادریؒ‘‘ کے آغاز میں قصبہ پھلواری کی مختصر دینی و علمی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آبا و اجداد اور وہاں کے چند اہم صوفیائے کرام کا بھی تعارف و تذکرہ تحریر کر دیا ہے، جس کے بعد تقریباً ۴۰۰؍ صفحات میں صاحب سوانح کی ابتدائی زندگی، تعلیم ظاہری و باطنی، دینی و علمی خدمات، اخلاق و اوصاف اور افکار و کردار کی تمام تر تفصیلات مختلف ذیلی عنوانات کے تحت تصنیف فرمایا ہے، اس سلسلہ

میں جہاں صاحب سوانح کے ذاتی اوصاف مثلاً حسن خلق ،حلم وعفو، تواضع و بے نفسی اور زہد وتقویٰ، استغنا و بے نیازی، سادگی، خوش مزاجی اور مہمان نوازی کی اعلیٰ قدریں ہر انسان کو متاثر کرتی ہیں، وہیں دوسری طرف رشد و ہدایت اور دین و دعوت کے سلسلہ میں ان کے فکر وعمل کے نقوش نئی نسلوں کے لیے نشان راہ ہیں۔ مصنف نے تبلیغ دین کی ضرورت واہمیت، غیر مسلموں میں تبلیغ اور اتحاد بین المسلمین کی کوشش کے تحت صاحب سوانح کے حوالے سے جن قیمتی باتوں کا اظہار کیا ہے، وہ لائق توجہ ہیں۔
ایک جگہ اتحاد ملت کی ضرورت واہمیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے مصنف کتاب شاہ ہلال احمد قادری لکھتے ہیں:

''اس وقت امت میں انتشار وافتراق دو بڑے گروہوں کے معارضے اور تصادم سے پیدا ہو رہا ہے، حضرت کا یہ بڑا اہم اور عظیم کارنامہ ہے کہ آپ نے ایسے نازک اور پُرفتن دور میں مسلمانوں کو متحد رکھنے کی سعی بلیغ فرمائی، حضرت کی نگاہ میں ایک گروہ کی کامیابی سے زیادہ بین الملل اتحاد کے عالمی فوائد ومصالح کی اہمیت تھی اور آپ کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ مسلکی رواداری اور اتحاد بین الملل کے بغیر ہندوستان کی فضا میں نہ صرف اہم دینی امور کی تکمیل مشکل ہے، بلکہ اس کے بغیر اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے کامیاب مستقبل کی ضمانت بھی نہیں دی جا سکتی ہے''۔—(ص:۱۶۲)

واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ نصف صدی سے ہندوستان میں جزئیات وفروعات اور مختلف فقہی اور مسلکی بنیادوں پر مذہبی گروہ جس طرح متصادم رہے ہیں اور جس شدت کے ساتھ محاذ آرائی اور ایک دوسرے کو کافر ومشرک کہنے کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے، وہ اس صدی کا سب سے بڑا المیہ ہے اور اس سلسلہ میں ہمیں بہر حال یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ افراط وتفریط کے ماحول میں حق وانصاف اور اعتدال وتوازن کی راہ ہمیشہ اہل تصوف اور ارباب طریقت نے اختیار کی اور دونوں متحارب گروہوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے عقیدہ وفکر اور مسلک ومشرب کے لیے معیار ومیزان نہیں قرار دیا، ان صوفیا کے نزدیک حق وصداقت کا معیار کتاب وسنت کے بعد سلف صالحین کا وہ طبقہ رہا ہے، جو مسلک کی حقانیت اور عقیدے کی اصابت میں امتیاز خاص کا حامل رہا ہے۔ صاحب سوانح حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادریؒ نے اپنے ایک مکتوب میں خود اس کی وضاحت فرمائی ہے:

''ہم لوگ نہ تو دیوبندی ہیں نہ بریلوی، ہم لوگ ہمیشہ سے دونوں جماعت کے علما کا احترام کرتے ہیں، ہم لوگوں کا عقیدہ وہی ہے جو ہم لوگوں کے سلف صالحین کا رہا ہے، ہمارا ذی علم خاندان دیوبندی اور بریلوی کے وجود سے پہلے سے ہے۔''—(ص:۳۲۴)

زیر نظر کتاب میں مصنف نے سوانح نگاری کے مروجہ طریقہ سے ہٹ کر نئے انداز اور نئے طرز سے واقعات کو پیش کر کے سیرت حضرت شاہ امان اللہ قادری کو پرکشش اور موثر بنانے کی کوشش کی ہے اور وہ اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہیں کہ اس کتاب کو پڑھ کر صاحب سوانح کی عظمت اور بلندی کا احساس دل میں پیدا ہوتا ہے۔

✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻

ذکر خیر حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری

● شاہ محمد ریان ابو العلائی — خانقاہ سجادیہ ابو العلائیہ شاہ ٹولی، داناپور

خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف محتاج تعارف نہیں ہے، یہاں کی عظمت و رفعت سے ہر کوئی بخوبی واقف ہے، پھلواری شریف جسے بزرگوں کی اصطلاح میں جنت نشاں کہتے ہیں کئی صدیوں سے آباد وشاد ہے، ابتدائی دور میں یہ جگہ فوجیوں کا مسکن ہوا کرتی تھی اس میں روحانی وعرفانی تعلیم کا آغاز اور مستقل اسلامی آبادی کی بنیاد حضرت مخدوم سید منہاج الدین راستی (متوفی ۷۸۷ھ) نے رکھی آپ حضرت مخدوم جہاں کے تربیت یافتہ ہیں، پھر اس خدمت کو حضرت عماد الدین قلندر (متوفی ۱۱۲۴ھ)، حضرت پیر مجیب اللہ قادری (متوفی ۱۱۹۱ھ)، حضرت مولانا شاہ عبد المغنی قادری منعمی (متوفی ۱۲۳۳ھ)، حضرت مولانا شاہ عبد الغنی منعمی (متوفی ۱۲۷۲ھ) نے اپنے اپنے عہد میں بخوبی انجام دیا تب سے یہ جگہ دعوت و توحید کی علمبردار بنی، باطنی تعلیم کے ساتھ ظاہری علوم کا بھی زور رہا، رفتہ رفتہ اولیائے پھلواری نے اس قصبہ کو تصوف کا جامہ پہنایا، دینی اور تبلیغی سلسلے کو وسعت دی جس کے ذریعہ عوام کو بڑا فضل وشرف حاصل ہوا اور شریعت وطریقت کا ایک مینار روشن ہوا، فقرا ہوں یا علما سبھی کو یہاں سے خاصی انسیت رہی ہے، خانقاہ مجیبیہ سے کئی ہستیوں کا ظہور ہوا ہے جن میں حضرت نعمت اللہ قادری، حضرت ابوالحسن فردؔ، حضرت علی حبیب قادری نصرؔ، حضرت فیاض المسلمین مولانا شاہ بدر الدین قادری، مولانا شاہ محی الدین قادری، مولانا شاہ امان اللہ قادری، اور مولانا شاہ عون احمد قادری خصوصی طور پر شمار کئے جاتے ہیں، انہی میں عہد رفتہ کی ایک عظیم ہستی، جید عالم دین، فاضل متین، مصنف، ادیب وشاعر، شفیق مدرس، شیریں بیاں مقرر، محقق اور صوبہ بہار کی ایک متحرک شخصیت مبلغ اسلام حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی نور اللہ مرقدہٗ بھی ہیں جو اپنی گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے، نہایت خوش اخلاق مہمان نواز، تواضع و انکسار اور دیرینہ روایات کے امین تھے۔

آپ کا تعلیمی دور اپنے دامن میں فضل و کمال، اوصاف ومحاسن اور تحقیق وجستجو کا غیر معمولی خزانہ سمیٹے ہوئے تھا

انہوں نے علم وادب کے حصول میں دن رات خود کو مصروف رکھا، کتب بینی میں مستغرق رہنا فطرت میں داخل تھا، بعض اہم فنون کی طرف طبیعت زیادہ مائل تھی بالخصوص علم حدیث، علم تفسیر، علم الاخلاق اور تاریخ و تذکرہ سے بے حد دلچسپی تھی، آپ نے بڑے بڑے علما وصلحا کی صحبت بھی اُٹھائی تھی، شاہ ہلال احمد قادری منفرد واعظ، بہترین مصنف اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے ترجمان اور نمائندہ خاص تھے، اس سلسلے میں مولانا عبداللہ عباس ندوی صاحب کا بیان قابل توجہ ہے:

”عزیز گرامی مولوی شاہ ہلال احمد سلمہ اللہ اپنے جواں مرگ والد مولانا شاہ عین احمد مرحوم کی یادگار، اپنے جد امجد امام المتقین مولانا شاہ نظام الدین کی آغوش تربیت کا نمونہ ہیں، اپنے چچا مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے دست گرفتہ اور مجاز ہیں، لکھنے کا ذوق فطری بھی ہے اور اکتسابی بھی“— (سیرتِ پیر مجیب، ص:۲)

حضرت مولانا شاہ بدر احمد مجیبی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

”مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی ولادت شعبان ۱۳۷۷ھ کو پھلواری شریف میں ہوئی، پانچ برس کی عمر میں یتیمی کا داغ اٹھایا، اس کے بعد جد مکرم نے اپنی کفالت و تربیت میں لے لیا اور آپ کی تمام تربیت و نگہداشت کی ذمہ داری اُٹھائی، تعلیم کا زیادہ حصہ جد مکرم سے ہی حاصل کیا، دارالعلوم مجیبیہ کے اساتذہ سے بھی تحصیل علم کیا، خصوصاً اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ اور اپنے خال مکرم حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادری سے فقہ واصول اور تفسیر و حدیث کی کتابیں پڑھیں، بخاری شریف اور حدیث کی دیگر کتابیں حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری سے پڑھ کر درسیات کی تکمیل کی، بیس سال کی عمر میں ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم مجیبیہ سے فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد سے ہی اپنے آبا و اجداد کے طریقہ پر علوم دینیہ کی تدریس شروع کی، حالیہ وقت میں صحیحین کی تدریس بھی آپ کے ذمہ تھی، آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نے درسیات سے فراغت کے بعد قرآن کریم حفظ کیا تھا، علوم اسلامیہ کی تحصیل کے بعد آپ نے علوم باطنی بھی اپنے بزرگان سے حاصل کئے، اس سلسلے میں اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری، اپنے عم مکرم مولانا شاہ عون احمد قادری اور اپنے خال معظم مولانا شاہ عماد الدین قادری سے باطنی استفاضہ کیا، آپ کو اپنے پیر و مرشد سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی“۔

شاہ ہلال احمد قادری اپنے والد شاہ عین احمد (پیدائش ۱۳۴۹ھ — وفات ۱۳۷۱ھ) کے فرزند ارجمند، مولانا شاہ نظام الدین قادری کے نبیرہ، مولانا شاہ قمر الدین قادری کے نواسہ، اور مولانا شاہ امان اللہ قادری اور مولانا شاہ عون احمد قادری کے برادرزادہ تھے۔

حکیم شاہ شعیب احمد پھلواروی آپ کے والد ماجد شاہ عین احمد صاحب سے متعلق رقمطراز ہیں:

”عین احمد سلّمہٗ تاریخ ولادت ۸؍رمضان ۱۳۴۹ھ تحصیل علوم میں مشغول ہیں، اپنے والد مولانا محمد نظام الدین سلّمہٗ

اور برادر عمزاد مولانا شاہ امان اللہ اور برادر حقیقی مولوی عون احمد سلّمہٗ و مولوی محبوب عالم صاحب سے درسیات پڑھ رہے ہیں اللہ جلد تکمیل کراوے، ۱۳۶۹ھ میں اپنے والد ماجد کی معیت میں حج و زیارت روضۂ انور سے متمتع ہوئے‘‘—(اعیان وطن، ص:۱۰۶)

حضرت شاہ ہلال احمد صاحب کی ذات نے خانقاہی انداز و اطوار کو شہرت دی، خانقاہی ماحول کے ساتھ مدرسہ و افتا کے وقار میں کبھی کمی محسوس نہیں ہونے دیا جہاں آپ ایک معتبر عالم دین، فاضل متین اور صوفی صافی بزرگ کی حیثیت رکھتے ہیں وہیں دوسری طرف سماجی کاموں میں بھی پیش پیش رہا کرتے اور دوسری تنظیم وتحریک کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نیز حوصلہ افزائی کرتے تھے وہ تعلقات نبھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھاتے تھے، ہر چھوٹے بڑے سے ملا کرتے تھے اور اپنے عمدہ اخلاق کی وجہ سے بہت جلد ان کے قریب ہوجایا کرتے، اپنے علم وعمل، تقویٰ و پرہیزگاری، عاجزی و انکساری میں اپنے اسلاف کے پیروکار تھے ان کی روایتوں کے امین تھے، انہوں نے کئی بزرگوں کا دور دیکھا تھا اور ان کی صحبت بھی اٹھائی تھی۔

وہ ایک زندہ دل انسان تھے، متنوع اوصاف وکمالات کے مالک تھے، ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا، اپنا علم وعمل سے بہتوں کو فیض پہنچایا، وہ بظاہر فرد واحد تھے لیکن درحقیقت ان کی ذات خود ایک انجمن تھی جن کے سینے میں انیک دلوں کی دھڑکنیں، ہاتھ میں بہت سے کام کرنے والوں کی قوت، دماغ میں سینکڑوں ذہنوں کی صلاحیت اور عمل میں بہت سے نیک انسانوں کی خوبیاں موجود تھیں جن سے ایک انسان کے اندر مصمم عزم وارادہ، قوت ادراک ویقین اور خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے وہ ملت کے دردمند اور پرانی قدروں کے امین تھے، مولانا شاہ ہلال احمد خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

’’پہلی بار عاجز نے تصنیف وتالیف کے میدان میں قدم رکھا ہے اس کو اپنی زندگی کی وہ حسین ومبارک ساعتیں یاد آرہی ہیں جو وقت کے ایک ولی کامل کی آغوش محبت اور سایۂ عاطفت میں گذری تھیں، اس عہد رفتہ کی یاد آرہی ہے جب یہ عاجز شفقت پدری سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوا تو مشیت الٰہی نے اپنی رحمت سے اس کی پرورش و پرداخت کے لئے بہترین آغوش منتخب کی، یعنی یہ عاجز اپنے جدامجد امام الاتقیاء حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادری قدس سرہٗ کے زیر سایہ پل کر جوان ہوا، بچپن سے جوانی تک ان کی شفقت وتوجہ کا مرکز رہا، انہوں نے اس کی اُن تمام محرومیوں اور نارسائیوں کے ازالہ کی پوری کوشش فرمائی جو ان کے نہ ہونے سے شاید اس کا مقدر ہوتیں، ان کی غیر معمولی محبت و شفقت نے اس کو اپنی زندگی کے اس عظیم خلاء (یتیمی) کا کبھی احساس نہ ہونے دیا، آج راقم الحروف کو جو کچھ حاصل ہے وہ انہی کا فیض ہے، علمی وتصنیفی میدان میں راقم کی ہر کامیابی ان کی یاد دلاتی رہے گی کیوں کہ اس کی ذات کی تعمیر ان ہی کی مرہون منت ہے‘‘—(سوانح حضرت شاہ امان اللہ قادری، ص:۱۴)

آپ حلقۂ علم و ادب اور ارباب فکر و دانش کے مابین ایک نمایاں شناخت رکھتے تھے، بزرگوں کی روایات اور خانقاہی نظام کے امین و پاسبان بن کر تا حیات تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، ان کے جانے کا غم یقینا بہت بڑا ہے جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی اہلِ خانہ، وابستگان سلسلہ اور علمی و ادبی حلقوں میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی اور کیوں نہ دوڑے آج کے اس مادیت زدہ دور میں ان جیسی شخصیت کسی نعمت سے کم نہیں تھی، ان کے قلم سے مختلف موضوعات پر علمی شہ پارے وجود میں آئے ہیں، درجنوں مقالے اور مضامین اہم موضوعات پر شائع ہوتے رہے۔

ابتدائی عہد سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور اب تک یہ سلسلہ جاری تھا جن کا احصاء اس مختصر تحریر میں دشوار ہے، ان کا قلم فقہ و حدیث کے موضوع پر بھی چلا کرتا تھا لیکن بزرگان دین کے احوال و مقامات رقم کرنے میں انہیں خاص مہارت تھی، خانقاہ مجیبیہ کے مفصل حالات بھی آپ ہی نے تحریر فرمائے ہیں، سہ ماہی 'المجیب' میں کثرت سے ان کے مضامین شائع و ذائع ہوتے رہے، چند مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) سوانح حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری

(۲) سیرتِ پیر مجیب (بانی خانقاہ مجیبیہ)

(۳) خانوادہ حضرت سیدہ زینب

(۴) القول السدید

(۵) یزید حقائق کے آئینہ میں

(۶) نغمات الانس فی مجالس القدس

آپ کا یوں رخصت ہو جانا کسی ایک شعبے کی کڑی کا ٹوٹ جانا نہیں ہے بلکہ کئی کڑیوں کا ٹوٹ کر بکھر جانا ہے وہ ایک طرف علم و حکمت کی قدیم اور مضبوط کڑیوں کے سلسلے کی مضبوط ترین کڑی تھے تو دوسری طرف روحانیت اور خانقاہیت کے سلسلے میں بھی عمدہ ترین اور مضبوط کڑی تھے، اس پر بس نہیں ہے وہ دینی علوم کے حصول اور اس کو عام کرنے کے سچے جذبے کی حامل، نظامی طریقہ تدریس کی بھی بہت معنیٰ خیز کڑی تھی۔

خدا کو یاد کر اکبرؔ سحر قریب ہے
اب نہیں ہے عمر کا کچھ اعتبار اُٹھ کر بیٹھ

——(حضرت شاہ اکبرؔ داناپوری)

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں

● شاہ مسرور عثمانی — خانقاہ شرف، ذاکر نگر، جمشید پور

علمی شمع کو جلائے رکھنے میں اور اس کی ضیاء پاشی میں خانوادۂ مجیبی تعارف کا محتاج نہیں، ہندوستان کی مشہور و معروف خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ میں ہر زمانے میں علما، ادبا، شعرا اور مشائخ پیدا ہوتے رہے اور بحمداللہ صدیوں سے علم و عرفان کا چراغ روشن ہے۔

یہ رساست بہار میں علم و عرفان کا ایک ایسا قدیم اور فیض رساں مرکز ہے، جہاں ہر زمانے میں علم و ادب کے ماہرین ہوتے رہے، نہ صرف یہیں تک، یہ دائرہ محیط رہا، بلکہ علم و ادب کے علاوہ خانوادۂ پیر مجیب قدس سرہ العزیز میں رموز تصوف، خدمت خلق، حسن اخلاق، عاجزی و انکساری، عبادت و ریاضت، ذکر و اشغال اور ورد و وظائف کی پابندی بھی پائی جاتی ہے، آج اس خانقاہ سے پوری دنیا مستفیض و مستفید ہو رہی ہے۔

۲۰۲۰ء کا سال ایک سیاہ سال ہے، اسی سیاہ سال میں ۳۱؍اگست ۲۰۲۰ء کو عصر حاضر کی مشہور و معروف شخصیت علم و ادب اور تصنیف و تحقیق کے قلم کار، بے مثال مقرر، صوفی باصفا، عارف باللہ، شیخ زمانہ، رئیس القلم، تصوف کے درخشندہ ستارے، اخی المعظم حضرت مولانا الحاج شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی قدس سرہ العزیز نے لبیک اللھم لبیک کی صدا لگائی اور اس دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ کر گئے — اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کے وصال کی خبر راقم الحروف کو مخدوم زادہ برادر مکرم جناب ڈاکٹر سید شاہ فتح اللہ قادری صاحب ''مدیر— المجیب'' نے دی، دردناک سانحے کی خبر ملی تو بہت آنسو رلا گئی، حضرت کی پوری زندگی تقویٰ اور طہارت کی زندگی رہی، تصنیف و تالیف کے کاموں میں مسلسل مصروف رہے، سلف صالحین کی زندگی کا جو طریقہ اکابرین خانقاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہ العزیز کا رہا ہے، اس پر قائم رہے، خانقاہی روایات کے عظیم علمبردار اور دور اندیش شخصیت کے حامل تھے۔

حضرت عارف باللہؒ کی ولادت باسعادت ۱۹۵۷ء بمطابق ۱۳۷۷ھ کو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ میں ہوئی، آپؒ کو بیعت وخلافت حضرت مخدوم مولانا الحاج شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ العزیز (سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ) سے تھی، حضرت نے پوری تعلیم خانقاہ کے بزرگوں سے حاصل کی۔

خدانے وہ دن لایا کہ خانقاہ دارالعلوم مجیبیہ میں ۱۹۷۷ء میں علم کی تحصیل سے فارغ ہوئے، جب آپ فارغ التحصیل ہوگئے تو شب وروز دارالعلوم مجیبیہ کی علمی وادبی خدمات اور درس وتدریس میں اپنے آپ کو وقف کردیا اور یہ سلسلہ تازندگی جاری رہا، برادر معظم حضرت مولانا الحاج شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہٗ کئی کتابوں کے مصنف رہے، ساتھ ہی ساتھ مشہور ومعروف خطیب بھی تھے، آپ کی پوری زندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد پر گزری، صوم وصلوٰۃ کے پابند ولی کامل اور فنافی الشیخ بزرگ تھے، حضرت جس خانوادے کے چشم وچراغ تھے وہ محتاج تعارف نہیں، بقول علامہ اقبال کہ ؎

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو

ہے اس کا مذاق عارفانہ

حضرت کا تعلق جس خاندان سے تھا وہ گھرانہ عارف وکامل گھرانہ تھا، آپ کی پوری زندگی شریعت وطریقت پر گزری، صاحب فکر قلم کار کے ساتھ عابد وزاہد بزرگ بھی تھے، خاندانی مزاج وتصوف کا ذوق اور طریقہ قادری مجیبی کا رنگ آپ میں شامل رہا، سبھوں کے ساتھ شفقت ومحبت سے ملتے، یہی وجہ تھی کہ آپ سے ملنے والا ہر فرد و بشر یہ تاثر لے کر اٹھتا کہ حضرت شاہ صاحب ہمیں زیادہ مانتے ہیں، آپ خانقاہ کی باوقار شخصیت تھے، راقم الحروف کو جب پھلواری جانا ہوتا تو آپ سے ضرور ملتا، کبھی آپ سے ملاقات کا شرف خانقاہ کی مسجد میں ہوتا، کبھی خانقاہ کے سماع خانہ میں ہوتا، کبھی خانقاہ کی چہار دیواری کے احاطے میں ہوتا یا پھر آپ دولت کدے پر، محترم المقام حضرت مولانا الحاج شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ سے آخری ملاقات مخدومی ومطاعی ماموں جان حضرت مولانا الحاج شاہ عماد الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے وصال پر خانقاہ میں ہوئی تھی، کیا معلوم تھا کہ ان سے آخری ملاقات ہے، لیکن مشیت الٰہی کے آگے کس کی چلتی ہے، اللہ رب العزت قرآن پاک میں اعلان عام فرماتا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط۔(اٰل عمران:۱۸۵)

ترجمہ : ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

حضرت قدس سرہ کی ایک تحریر جوان کی تالیف ''سیرت پیر مجیب'' میں موجود ہے، اس میں وہ خود لکھتے ہیں:

''.....میں نے ارادہ کیا کہ اب اس کتاب کو جلد مکمل کرلینا چاہیے، زندگی مہلت دے یا نہ دے کیا معلوم؟ والد ماجد کو تو صرف بتیس سال کی زندگی ملی تھی، بیٹے کو کتنی ملتی ہے، اللہ ہی کو معلوم.....''—(دیباچہ سیرت پیر مجیب، ص:۴-۵)

گویا حضرت اخی المعظم، محترم ومکرم قدس سرہ کو اندازہ تھا کہ زندگی کی مدت کتنی ہے، یہ تھی زندہ کرامت بھائی حضرت مولانا شاہ

ہلال احمد قادری قدس سرہ کی جنہوں نے اپنے قلم سے اپنی زندگی کے مختصر ہونے پر اظہار خیال کیا۔

حضرت کا مطالعہ وسیع تھا کہیں کوئی کتاب چھپتی خصوصاً تصوف پر آپ ضرور اس کا مطالعہ کرتے، آپ باوقار عالم دین کے ساتھ ساتھ رئیس القلم بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ بلند پایہ صوفی باصفا بھی تھے، آپ کی گفتگو میں نرمی تھی، آپ حاضر دماغ تھے، اگر آپ علمی گفتگو کرتے تو دل و دماغ کو حاضر رکھ کر سوال کرنے والوں کو عالمانہ جواب دیتے، جس کی وجہ سے ہر فرد بشر مطمئن ہو کر آپ کے پاس سے جاتا، اس کے باوجود آپ میں تکبر، تعلی اور گھمنڈ نہ ہوتا، چھوٹا ہو یا بڑا، مریدین ہوں یا متوسلین، معتقدین ہوں یا مخلصین، محبین ہوں یا دیگر خانوادے، سبھوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، فقیر حقیر جب بھی آپ سے ملاخلوص سے ملتے اور اگر ناشتے کا وقت ہوتا تو ناشتہ کراتے، کھانے کا وقت ہوتا تو کھانا کھلاتے، پھر اس کے بعد خانقاہی چائے پلاتے، یہ تھا حضرت کا انداز، آپ کی ذات خانوادۂ مجیبی میں مرجع خلائق تھی، اب ایسی شخصیتیں کہاں ملتی ہیں، آپ کی شخصیت تمام خوبیوں کی جامع تھی، جس شخصیت پر ہمارے جیسے انسان تو کیا، بلکہ فرشتوں کی جماعت بھی رشک کرے، حضرت کی کن کن خوبیوں کو اجاگر کیا جائے، میں نے آپ میں جیسی شریعت وطریقت کی پاسداری و دردمندی، ملنے والوں کی مہمان نوازی اور عالمانہ بصیرت دیکھی، ویسی اب کہاں ملے گی؟

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

ہزاروں چاہنے والوں کی خواہش تھی کہ رشد و ہدایت اور تبلیغ وارشاد کے مرکز، لطف وعنایت کے پیکر خلوص، ایک منجھے ہوئے ادیب ونقاد اور باوقار عالم دین، مرد درویش، مجاہد جلیل، جن کی پوری زندگی تصنیف وتالیف میں گزری، کاش وہ باحیات ہوتے لیکن مشیت الٰہی کو کچھ اور منظور تھا۔

تصنیف وتالیف میں آپ کا موضوع اسلامیات اور تصوف تھا، یہی وجہ تھی کہ سیرت وسوانح پر آپ نے کئی کتابیں لکھیں، حضرت کی شب و روز کی زندگی مسلک خانقاہی پر قائم تھی، تازندگی انہوں نے علمی و ادبی خدمات کا جو کارنامہ انجام دیا ہے، وہ قابل قدر بھی ہے اور قابل ستائش بھی، اس وقت اخی المعظمؒ کی یاد زیادہ آرہی ہے، صرف آنسوؤں کے چند قطرے ہیں۔

رب العالمین بطفیل رحمۃ للعالمین، فخر رسولاں، شفیع عاصیاں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجات عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ راقم الحروف نے بزرگوں کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ عارف باللہ مرتے نہیں، بلکہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں، حقیقت میں یہی قول سب سے بڑا سہارا ہے مومن کے لیے۔

مرتبہ اللہ والوں کا کوئی سمجھے گا کیا
دولت لاانتہا ہے اولیا کے ہاتھ میں

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

امتیازات وخصوصیات

دگر دانائے راز آید کہ ناید

خانقاہ مجیبیہ کے علمی ترجمان حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی ؒ

● مفتی اختر امام عادل قاسمی — مہتمم جامعہ ربانی منوروا شریف، بہار

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری مجیبی پھلواروی ؒ اس عہد کے بڑے علماء میں تھے، بہار میں وہ اس وقت تحقیق وتالیف اور بالخصوص سیرت وسوانح نگاری میں صف اول کے لوگوں میں تھے، وہ ایک ممتاز مصنف، بالغ نظر مورخ اور دیدہ ور محقق تھے، خاص طور پر پھلواری شریف کے علوم وآثار پر ان کی گہری نگاہ تھی، وہ اسلاف کے علوم ومعارف کے وارث اور روحانی اقدار وروایات کے امین تھے، اور اپنے فکر وعقیدہ میں متصلب ہونے کے باوجود دوسروں کے افکار وخیالات کے حق میں وسیع النظر تھے۔

ان کی تحقیقی کتابوں نے خانقاہ مجیبیہ کے کئی قرض چکائے :

اس عہد اخیر میں وہ خانقاہ مجیبیہ کے علمی وفکری ترجمان اور علم وتحقیق کی آبرو تھے، ان کی تحقیقی اور دستاویزی کتابوں نے خانقاہ مجیبیہ کے کئی قرض چکائے، ان کا مطالعہ وسیع اور نظر گہری تھی، علم وفضل اور قلمی خدمات کے لحاظ سے ان کی شخصیت اس دور میں خانقاہ مجیبیہ میں سب سے منفرد تھی۔

ان کی بڑی انفرادیت یہ تھی کہ انہوں نے کئی ایسے تشنہ موضوعات پر کام کئے، جن پر خانقاہ میں کام کرنے کی شدید ضرورت تھی، مثال کے طور پر بانیٔ خانقاہ حضرت پیر مجیب کی مستقل سوانح حیات پہلی بار ان کے قلم سے منصۂ شہود پر آئی، بلاشبہ حضرت پیر مجیب ؒ کے حالات پر بعض جزوی تذکرے پہلے بھی آچکے تھے، جن میں حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیوٰۃ قادری پھلواروی ؒ کی تذکرۃ الکرام اور حضرت علامہ حکیم محمد شعیب نیرؔ قادری پھلواروی ؒ کی آثارات پھلواری شریف (اعیان وطن) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اسی طرح حضرت حکیم محمد شعیب پھلواروی ؒ نے حضرت پیر مجیب ؒ کی ایک مستقل سوانح ''نفحۃ الطیب من انفاس المجیب'' کے نام

سے لکھنا شروع کیا تھا کہ بقول مولانا شاہ ہلال احمد صاحبؒ:

''جس شرح وبسط کے ساتھ محققانہ انداز میں وہ لکھ رہے تھے، نہایت عمدہ تذکرہ مرتب ہوتا لیکن افسوس وہ پورا نہ ہوسکا، ولادت سے تعلیم تک کے کچھ حالات لکھ سکے، شکر ہے کہ وہ نامکمل نسخہ کتب خانہ مجیبیہ بدریہ میں محفوظ رہ گیا''۔۔۔(۱)

اس طرح تقریباً تین صدیوں کا یہ پرانا قرض وابستگان سلسلۂ مجیبیہ کی طرف سے پہلی بار مولانا شاہ ہلال احمد صاحبؒ نے ادا کیا، یہ ان کے لئے بڑے امتیاز کی بات ہے۔

اسی طرح خاندان مجیبی کے جعفری وزینبی نسب نامہ پر بعض ناواقف لوگوں کو اشکال تھا، شاہ ہلال صاحبؒ نے ''خانوادۂ سیدہ زینب'' نامی فیصلہ کن کتاب لکھ کر اس بحث کا خاتمہ کیا، یہ شاہ ہلال صاحب کا وہ عظیم علمی اور تاریخی کارنامہ ہے جو خانقاہ مجیبیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

شاہ ہلال صاحب کا ایک بڑا کام خانقاہ کی مجلسوں میں اب تک پڑھے گئے نغمات اور غزلوں کی ترتیب وترجمہ کا ہے، اور اسی کے ساتھ سماع کے حکم شرعی پر ان کا جو بصیرت افروز تفصیلی مقدمہ ہے وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے، یہ دہائیوں نہیں صدیوں پر مشتمل تاریخی کارنامہ ہے، جو پہلی بار شاہ ہلال صاحب کے موئے قلم سے انجام پذیر ہوا۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی اہم موضوعات پر آپ کی مؤقر تصنیفات موجود ہیں، جن میں پہلی کتاب غالباً ''سوانح مولانا شاہ امان اللہ قادری'' ہے، جو تاریخ وتذکرہ نویسی کا بہترین نمونہ ہے۔

میرے رابطہ کا آغاز:

یوں تو میں ان کی شخصیت سے غائبانہ طور پر بہت دنوں سے واقف تھا، اور ان کی کئی کتابیں میرے مطالعہ میں آچکی تھیں، لیکن ان سے براہ راست رابطہ کی نوبت جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ''مولانا ابوالمحاسن سجاد سیمینار'' (منعقدہ ۱۵ر دسمبر ۲۰۱۸ء) کی مناسبت سے مارچ ۲۰۱۸ء میں آئی، حضرت مولانا محمد سجادؒ کی زندگی کے سب سے قیمتی آخری انیس (۱۹) سال خانقاہ مجیبیہ کے احاطے میں گذرے تھے، جہاں کے بزرگوں کے زیر سایہ آپ نے امارت شرعیہ جیسا بے نظیر ادارہ ملت اسلامیہ ہندیہ کو دیا، اور بالآخر اسی کی خاک میں آپ مدفون بھی ہوئے، اس لئے میری خواہش تھی کہ حضرت مولانا کی شخصیت پر خانقاہ کی طرف سے مضبوط نمائندگی ہو، چنانچہ میں نے رفیق ومحترم مولانا شاہ بدر احمد مجیبی صاحب کی وساطت سے شاہ ہلال احمد صاحبؒ سے رابطہ قائم کیا، اور پھر فون اور واٹ شاپ کے ذریعہ ان سے میرے رابطوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ''مولانا سجاد سیمینار'' میں تعاون اور مقالہ:

ابتدا میں امارت شرعیہ پٹنہ میں ہوچکے سجاد سیمینار سے متعلق بعض مسائل وتحفظات اور غلط فہمیوں کو لے کر ان کو کچھ گلے شکوے بھی رہے لیکن صحیح صورت حال جاننے کے بعد شاہ صاحبؒ تعاون کے لیے آمادہ ہوگئے پھر متعلقہ موضوع پر

انہوں نے بہترین مقالہ قلمبند کیا، جس میں امارت شرعیہ کی تاریخ کی کئی نئی جہتوں کو انہوں نے روشنی بخشی، اور کئی پوشیدہ حقائق سے پردہ اٹھایا، گو کہ کچھ خانقاہی مصروفیات کی بنا پر وہ خود سیمینار میں شریک نہ ہو سکے، اور جمعیۃ علماء ہند کی دعوت کے جواب میں انہوں نے ۱۱؍جون ۲۰۱۸ء کو میرے نام معذرت کا یہ خط تحریر فرمایا:

محترم مولانا شاہ اختر امام عادل صاحب زید مجدہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی محبت اور آپ کے پرخلوص اصرار نے مجھ سے مقالہ لکھوایا، ورنہ یہ کام مجھ سے مشکل تھا لیکن مجھے خوشی ہے کہ ملت اسلامیہ کے اس بطل جلیل کی شخصیت پر کچھ لکھنے کی سعادت حاصل کی اب آپ میری یہ مشکل بھی آسان کریں کہ شرکت سے مجھے مستثنی کر دیں، میں سیمینار میں ضرور شریک ہوتا لیکن ان تاریخوں میں میری مشغولیت ہے، اس لئے میری شرکت نہیں ہو سکے گی، امید ہے کہ میرا عذر قبول کریں گے۔

— ہلال احمد

اس کے بعد ایک دوسرے خط میں اپنے عذر کی تفصیل بیان کی:

”ان تاریخوں میں خانقاہ کی خاص تقریبات ہیں، اس موقع پر میں کہیں کا سفر نہیں کر سکتا ہوں، یہ معذوری ہے، پندرہ دسمبر سے چوبیس دسمبر تک خانقاہ اور پھر آستانہ بنارس میں عرس کی تقریبات ہیں، مقالے کی شمولیت انشاء اللہ مقالہ نگار کی شرکت کا بدل ہوگی، منتظمین مبدل منہ کی تلاش نہیں کریں گے اور یوں بھی جہاں

ع گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

کی صورت حال ہوگی دھتورے کو کون پوچھے گا فقط“

سیمینار سے واپسی پر میں نے اپنا ایک علمی مضمون المجیب میں اشاعت کے لئے ارسال کیا تو اس کی جوابی رسید (۱۸؍جنوری ۲۰۱۹ء کو) انہوں نے ان الفاظ میں بھیجی:

”جناب کا مقالہ موصول ہوا تو جمعہ اور زیارت موئے مبارک کی مصروفیت کی بنا پر جواب نہیں دے سکا، اب کل اس کا پرنٹ نکلوا کر پڑھیں گے، آپ کا علمی اور تحقیقی مضمون یقیناً المجیب میں شائع ہوگا مقالہ خالص علمی معلوم ہوتا ہے۔ جمعیت کا سیمینار کیسا رہا اس حقیر کے مضمون کو کہیں جگہ ملی؟“

میں نے جواب میں لکھا:

”جزاکم اللہ، ماشاء اللہ سیمینار بہت کامیاب رہا اور کھلے ماحول میں گفتگو ہوئی۔ آپ کا مضمون مجلہ میں شامل کیا گیا ہے، مجلہ طباعت کے لئے تیار ہے، ان شاء اللہ جلد منظر عام پر آئے گا۔“

شاہ صاحب کا مقالہ ”حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد اور تحریک امارت“ کے نام سے جمعیۃ علماء ہند سے شائع شدہ

مجموعۂ مقالات ’’تذکرۂ ابوالمحاسن‘‘ میں شامل ہے۔

میری کتاب ’’حیات ابوالمحاسن‘‘ کی تالیف کے موقعہ پر بھی انہوں نے خاطرخواہ تعاون فرمایا،حضرت مولانا محمد سجاد کی طرف سے امارت شرعیہ کا پہلا دعوت نامہ جو العدل پریس پٹنہ سے شائع ہوا تھا،اس کی فوٹو کاپی مجھے شاہ صاحب ہی کے ذریعہ حاصل ہوئی،فرحمہ اللہ۔

میری مراسلت وروابط کی سرگذشت :

اس واقعہ کے بعد میری مراسلت اور استفادہ کا سلسلہ دراز ہوگیا،خانقاہ مجیبیہ میں وہ واحد محقق تھے جن کے سامنے علمی موضوعات پر مجھے اپنے خیالات پیش کرنے میں کوئی تکلف محسوس نہیں ہوتا تھا،وہ ایک سادہ دل اور متواضع عالم دین تھے،میں نے کئی مسائل پر ان سے بات کی،جن میں زیادہ تر کا تعلق ان کی تصنیفات سے تھا،مجھے محسوس ہوا کہ ان کا علم پختہ،مطالعہ وسیع اور ذوق تحقیق بلند ہے،اپنے اکابر سے ان کا رشتہ بہت گہرا تھا،بلا شبہ وہ اپنے مسلک ومشرب کے باب میں متصلب تھے،لیکن فکروتحقیق کا دروازہ کھلا رکھتے تھے،وہ اپنی بات منوانے کی صلاحیت رکھتے تھے لیکن دوسروں کی حق بات قبول کرنے سے بھی دریغ نہیں تھا،اس کا اندازہ ان کے ساتھ میری مراسلت سے ہوا جس کا کچھ حصہ میرے پاس محفوظ رہ گیا ہے،میں چاہتا ہوں کہ وہ بچی ہوئی امانت تاریخ کے حوالے کردوں،شاید ’’داشتہ بکار آید‘‘:

حضرت قمیص اعظم قادریؒ کی والدہ کا مسئلہ :

خانقاہ پھلواری شریف کے سلسلۂ وارثیہ قمیصیہ (بنارس) کی بنیاد حضرت قمیص اعظم قادریؒ پر ہے،جو حضرت شاہ ابوالحیوٰۃ قادریؒ کے صاجزادے تھے،ان کی والدہ کون تھیں؟ اور کن کی صاجزادی تھیں؟ کتب تاریخ میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں ،حضرت مولانا شاہ ہلال احمد صاحب نے ایک روایت نقل کی ہے ، جب کہ بعض دوسری کتابوں میں دوسری روایت بھی موجود ہے،میں اپنے جد امجد حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن قادری چشتی نقشبندیؒ کی سوانح حیات’’ حیات قطب الہند‘‘ کی تالیف کے وقت سلسلۂ قادریہ پر کام کرتے ہوئے اس مقام پر پہونچا اور سیرت پیر مجیب کی یہ روایت میرے سامنے آئی ،تو مسئلہ کی تنقیح کے لئے میں نے مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کو یہ خط لکھا:

’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ آپ ہر طرح بخیر ہوں گے،رمضان کی مبارک ساعتوں میں آپ سے دعا کی درخواست ہے۔

ایک بات جس کے لیے آپ کو زحمت دے رہا ہوں،یہ ہے کہ آپ نے سیرت پیر مجیب ص:۱۳۶،۱۳۷ پر لکھا ہے کہ ’’حضرت ابوالحیات قادری کی شادی حاکم بنگال سید حسین شاہ کی صاجزادی سے ہوئی اور اس سے حضرت قمیص اعظم قادری پیدا ہوئے‘‘۔

یہ بات آپ نے کہاں سے لکھی؟ اعیان وطن وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالحیاۃ کی شادی سادھورہ میں شیخ نصر اللہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اور ان کے بطن سے حضرت قمیص پیدا ہوئے، دیکھئے خزینۃ الاصفیاء جلد اول تذکرہ حضرت قمیص الدین گیلانی۔

مسئلہ کی تحقیق مقصود ہے، براہ کرم اپنے ماخذ کی نشاندہی فرمائیں، حاشیہ میں آپ نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے شاید ان میں یہ بات ہو، ان حضرات کے سامنے کون سی تاریخ تھی؟ باقی حد ادب۔

والسلام

خاکپائے اسلاف اختر امام عادل قاسمی (۲؍فروری ۲۰۲۰ء)

شاہ صاحبؒ نے اس کا جواب دیا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

۱۳۸۰ھ / مطابق ۱۹۶۰ء میں ہمارے پیر و مرشد حضرت شاہ امان اللہ قدس سرہ نے سیدنا قمیص قادری قدس سرہ کے حالات سادھورہ ضلع ہریانہ میں قمیصی خاندان کے لوگوں سے طلب فرما کر ایک مقالہ مرتب فرمایا تھا، کچھ خاندانی حالات پھلواری میں لوگوں کو معلوم تھے، کیونکہ حضرت شاہ بدرالدین صاحب قدس سرہ کے نانا سید شاہ احمد اللہ قمیصی النسب تھے۔

یہ مقالہ ماہنامہ المجیب جمادی الاخری ۱۳۸۰ھ / دسمبر ۱۹۶۰ء، جلد: ۱، شمارہ: ۱۰ میں شائع ہوا تھا، اس مقالے کی ترتیب میں گولڑہ اسلام آباد سے بھی حضرت نے مراسلت فرمائی تھی، حضرت سید ابوالحیوۃ قادریؒ کی شادی خاندانی روایات کے مطابق سید حسین شاہ کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے حضرت قمیص تھے۔

سید نصر اللہ واسطی کی لڑکی سے قمیص قادری کی شادی ہوئی تھی اور یہ ان کا دوسرا نکاح تھا ان ہی اہلیہ کے بطن سے خاندان قمیصی ہے، خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کو اشتباہ ہوا ہے، حضرت پیر و مرشد کا وہ مقالہ میری کتاب ''سوانح حضرت شاہ امان اللہ قادری'' میں مکمل موجود ہے، سیرت پیر مجیب کے صفحہ: ۱۳۷ کے حاشیہ میں المجیب کا حوالہ موجود ہے''۔

— ہلال احمد (۵؍فروری ۲۰۲۰ء)

کچھ دنوں بعد شاہ ہلال صاحب نے حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادریؒ کا مقالہ بھی مجھے بھیج دیا، پھر تقریباً ایک ماہ کے بعد اخبار الاخیار (مؤلفہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ) کی ایک عبارت نقل کر کے بھیجی جس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سید نصر اللہ کی صاحبزادی سے مخدوم قمیص کی شادی ہوئی تھی نہ کہ ان کے والد کی، اخبار الاخیار کی عبارت یہ ہے:

''سید نصر اللہ مردی بود عالم و عامل اصحاب حال و متبع و مستقیم، جگر گوشہ خود را در عقد نکاح آورد.......''—(۲)

اس طرح تقریباً دو ماہ کی مراسلت اور تحقیق و تلاش کے بعد یہ مسئلہ پوری طرح منقح ہو گیا کہ اس باب میں حضرت مولانا

شاہ امان اللہ قادری پھلواروی ؒ کی تحقیق زیادہ درست ہے اور صاحب خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری ؒ سے تسامح ہوا ہے، چنانچہ اس مسئلہ کو میں نے اپنی کتاب حیات قطب الہند میں اسی تحقیق وتنقیح کے حوالے سے درج کیا ہے۔

سلسلہ وارثیہ قمیصیہ پر علمی طور پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے :

ایک خاص بات جو ایک عرصہ سے میرے ذہن میں تھی کہ خانقاہ مجیبیہ میں سب سے مشہور اور مروج سلسلہ ”سلسلۂ وارثیہ قمیصیہ“ کا ہے جو حضرت پیر مجیب ؒ کو حضرت رسول نما بنارسی ؒ سے حاصل ہوا تھا، خود میرے جد امجد حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منوروی ؒ بھی سلسلۂ مجیبیہ کی ایک شاخ سلسلۂ فریدیہ سے وابستہ تھے، اور سلسلۂ فریدیہ میں پہلی اور اصل نسبت سلسلۂ وارثیہ قمیصیہ ہی کی ہے، مگر میں نے محسوس کیا ہے کہ سلسلہ پر تاریخی لحاظ سے جس قدر کام ہونا چاہئے تھا، نہیں ہوسکا ہے، کئی تاریخی تقاضے ابھی تک تشنۂ تحقیق ہیں، مثلاً:

شجرہ میں حضرت رسول نما بنارسی ؒ سے اوپر بیشتر اصحاب کے احوال معلوم نہیں ہیں، بہتوں کی تاریخ وفات کا بھی پتہ نہیں ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ بعض مقامات پر اسماء کی ترتیب میں تقدیم وتاخیر پائی جاتی ہے، اور مختلف اصحاب شجرہ کے یہاں مختلف باتیں ملتی ہیں، اگر ولادت ووفات کی تاریخیں معلوم ہوں تو اس اختلاف کو حل کیا جاسکتا ہے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ سلسلۂ قمیصیہ کی بنیاد حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی ؒ کی نسبت آبائی پر ہے، اور یہ مؤرخین اور اصحاب تذکرہ کے یہاں کافی موضوع بحث رہا ہے۔

اس دور میں مولانا شاہ ہلال احمد قادری ؒ کی شخصیت چونکہ خانقاہ میں ایک بڑی علمی حیثیت کی حامل تھی، اور انہوں نے خانقاہ کے بہت سے اہم علمی مسائل پر قلم اٹھائے تھے، اس لئے میں نے ان کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ ابھی آپ کو فرصت نہیں ہے، خانقاہ سے متعلق کئی ابواب ابھی تحقیق طلب ہیں، اگر آپ نہ کریں گے تو نہیں معلوم پھر کسی مرد غیب کا کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟

ع دگر دانائے راز آید کہ ناید

اور ظاہر ہے کہ میری یہ تمام تر فکرمندی خانقاہ کے ساتھ دلی تعلق، عقیدت اور مخلصانہ رابطہ پر مبنی تھی، جس کا شاہ صاحب کو پورا احساس تھا، اس لئے انہوں نے اس مشورہ کو پوری سنجیدگی کے ساتھ قبول کیا، البتہ اس راہ کی مشکلات کا بھی ان کو بہت اندیشہ تھا۔

شجرہ میں بعض اسماء کی ترتیب کا مسئلہ :

اس پس منظر میں مولانا شاہ ہلال احمد قادری ؒ کے ساتھ میری بعض مراسلتیں ملاحظہ فرمائیں:

’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ کرے کہ مزاج گرامی بخیر ہو۔

آج پھر ایک زحمت دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں، وہ یہ کہ حضرت غوث اعظم کے آبائی سلسلے میں خانقاہ مجیبیہ کے شجرہ کے مطابق سید عبداللہ المحض اور سید عبداللہ ثانی کے درمیان سید موسی الجون کا واسطہ ہے، اور سید عبداللہ ثانی کو سید موسی جون کا فرزند قرار دیا گیا ہے، جبکہ تذکرہ مشائخ قادریہ مولفہ محمد دین کلیم قادری میں سید عبداللہ ثانی کو سید عبداللہ المحض کا فرزند کہا گیا ہے اور سید عبداللہ محض کے بعد عبداللہ ثانی کا نام دیا گیا ہے ان کے بعد سید موسی الجون ہیں۔ نیز سیرت غوث اعظم مولفہ عبدالرحیم خان قادری لاہور کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں سید عبداللہ ثانی کی جو تاریخ ولادت و وفات دی گئی ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

آپ کی کتاب سیرت پیر مجیب میں جواہر السلوک کے تکملہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے، مگر اس میں ولادت و وفات کی تاریخیں نہیں ہیں کہ اس کا کچھ اندازہ ہو سکے، خانقاہ مجیبیہ سے شائع شدہ دیگر کتابوں میں بھی حضرت غوث پاک کے آبائی سلسلے کے بزرگوں کے احوال یا کم از کم سنین وفات وغیرہ مجھے نہیں ملے۔

دوسری دقت یہ ہے کہ سید موسی ثانی کو آپ حضرات نے سید عبداللہ ثانی کا فرزند قرار دیا ہے جب کہ تذکرہ مشائخ قادریہ میں ان کو سید موسی الجون کا فرزند مانا گیا ہے۔

آپ سے گذارش ہے کہ اس سلسلے میں اگر کچھ معتبر مآخذ آپ کے پیش نظر ہوں تو رہنمائی فرمائیں، خانقاہ مجیبیہ پر یہ ذمہ داری مستزاد، اس لیے ہے کہ حضرت غوث پاکؒ کے آبائی سلسلہ کا یہ سب سے مضبوط مرکز ہے.... زحمت کے لیے معذرت خواہ ہوں، جزاکم اللہ احسن الجزاء

خاکپائے اسلاف

اختر امام عادل قاسمی (۱۳؍مئی ۲۰۲۰ء)

شاہ صاحبؒ نے میرے خط کا درج ذیل جواب دیا:

’’وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

اصل میں بات یہ ہے کہ شجرے میں نام کی تقدیم و تاخیر کی غلطی عام ہے ہر جگہ کچھ نہ کچھ کمی پائی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں سلسلۂ قمیصیہ کا شجرۂ طریقت اور شجرۂ نسب ایک ہی ہے اور شجرۂ طریقت جو سیرت پیر مجیب میں نقل کیا گیا ہے وہ حضرت رسول نما بنارسی قدس سرہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ مزید یہ کہ جن تذکروں کا آپ نے ذکر کیا ہے ان کے تذکرہ نگاروں نے تحقیق بھی کی ہے یا کسی متاخر تذکرے سے لے لیا ہے۔ امہات الکتب سے تحقیق نہ کرنے کی ایک واضح

مثال حضرت ابوسعید مبارک مخزومی کوغوث پاک کا شیخ البیعۃ قرار دینا ہے،ایک بات تمام تذکرہ نگار نقل کرتے چلے آئے ہیں کسی نے اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی (سیرت پیر مجیب میں اس پر سیر حاصل گفتگو ہے)

شیخ جیلانیؒ کے شجرۂ نسب میں ناموں کی صحیح ترتیب سمجھنے کے لئے تمام قدیم قادری خاندانوں کے شجروں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

تحقیق وجستجو کا ذوق نہیں رہا اس لئے متاخر ہندستانی (غیر منقسم) تذکرے بہت زیادہ قابل اعتماد نہیں ہوسکتے بالخصوص بریلوی عقیدت مندوں کے لکھے ہوئے۔

سیرت پیر مجیب کے صفحہ:۹۲ پر حضرت رسولنما کے اجازت نامے کی یہ عبارت دیکھیں: وله ايضا من آبائه الكرام وهو ابوه السيد... الخ اس میں وہی ترتیب ہے جو کتاب کے تیسرے باب میں ہے،شجرۂ نسب میں ناموں کی صحیح ترتیب سمجھنے کے لئے مجھے انساب کی ان کتابوں کو دیکھنا ہوگا جن کی مدد سے میں نے خانوادۂ سیدہ زینب میں آل زینب کے نسب کی تحقیق کی ہے،اس کے لئے وقت چاہئے،یہ ہوسکتا ہے کہ میں ان مآخذ کے نام بتادوں اور آپ خود ملاحظہ فرمالیں،مکتبۂ شاملہ میں وہ سب کتابیں موجود ہیں جو انساب آل ابی طالب کے ذکر میں ہیں،خانوادۂ سیدہ زینب کی تالیف کے زمانے میں میں نے انساب آل ابی طالب اور اسماء الرجال وغیرہ پر چوبیس کتابوں سے حوالے اخذ کئے تھے،حسنی خانوادے کی تفصیل بھی ان کتابوں میں موجود ہے۔"

——ہلال احمد

بہرحال شاہ صاحب کی رہنمائی کے مطابق میں نے تحقیق کی تو بعض کتب انساب میں حضرت سید موسی ثانی سے حضرت امام حسن تک بعینہ وہی ترتیب مل گئی جو خانقاہ مجیبیہ کے شجرہ میں ہے۔اور یہی حصہ زیر بحث تھا۔باقی حصہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے،گوکہ وہاں سنین ولادت ووفات کا ذکر نہیں ہے،لیکن اولاد کی ترتیب مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق ہے،مثلاً علامہ اندلسیؒ کی جمهرة انساب العرب دیکھئے،اس میں حضرت عبداللہ کی چوبیس (۲۴) نرینہ اولاد میں ایک موسیٰ بھی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ موسیٰ ثانی ہیں،ان کے والد عبداللہ ثانی،ان کے والد موسیٰ (الجون)،ان کے والد عبداللہ المحض،ان کے والد حسن مثنیٰ اور ان کے والد حضرت امام حسنؓ:

ومن ولد عبد الله بن موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن: المنتقم، والمسلط، ونكال بنو محمد بن عبد الله بن إدريس بن موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن بن على بن أبي طالب رضى الله عنه ومنهم عبد الرحمن بن أبي الفاتك عبد الله بن داود بن سليمان بن عبد الله بن موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن بن على بن أبي طالب؛ وكان له اثنان وعشرون ذكراً بالغون، وهم:

عبد الحميد، وعبد الكريم، وعبد الحكم، وعبد الله، وموسى، وعيسى، ومحمد، ويحيى، وإسماعيل، وأحمد، وعلى، والحسن، والحسين، وحمزة، ونعمة ورحمة وزيادة، ومحمود، وموهوب، والرديني، وأبو الطيب، وأبو القاسم، وعريقة، سكنوا كلهم أذنة، حاشا نعمة، وعبد الحميد، وعبد الحكم؛ فإنهم سكنوا أمج بقرب مكة۔ ومنهم: جعفر ابن محمد بن الحسن بن محمد بن موسى بن عبد الله بن موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن بن على بن أبي طالب، الذى غلب على مكة أيام الإخشيدية؛ وولده إلى اليوم ولاة مكة؛ منهم: عيسى بن جعفر المذكور، لاعقب له، وأبو الفتوح الحسن بن جعفر المذكور؛ وشكر بن أبي الفتوح؛ قد انقرض عقب جعفر المذكور، إلا أن أبا الفتوح لم يكن له ولد إلاشكر. ومات شكر، ولم يولد له قط؛ وصار أمر مكة إلى عبد كان له،مضى ولد موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن بن على بن أبي طالب۔

حضرت غوث پاکؒ کے آبائی سلسلۂ بیعت کا مسئلہ

دوسرا مسئلہ (یعنی حضرت غوث پاکؒ کے آبائی سلسلۂ بیعت کا مسئلہ) خود شاہ صاحب نے ہی میرے سوال کے ضمن میں چھیڑ دیا تھا،اوراس سلسلہ میں انہوں نے ''سیرت پیر مجیب'' میں اپنی بحث کا بھی حوالہ دیا،میں خود بھی اس مسئلہ کی تحقیق چاہتا تھا،اورسیرت پیر مجیب کا متعلقہ حصہ میری نظر سے گذر چکا تھا،جومیرے خیال میں اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے کافی نہیں تھا،چنانچہ موقعہ غنیمت دیکھ کر میں نے یہ بحث آگے بڑھائی:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے حسن توجہ کے لیے شکرگذار ہوں....

حضرت غوث اعظمؒ کے آبائی سلسلے پرسیرت پیر مجیب میں آپ کی تحقیق لطیف میں پڑھ چکا ہوں،اوروہ میرے لیے تقلیداً قابل قبول بھی ہے،تقلیداًاس لیےکہ خانقاہ مجیبیہ کے اکابرصدیوں سے اس پرعامل ہیں،اوران اکابر کاکسی غلط بات پر اتفاق بظاہر ممکن نہیں،نیزخود میرے خاندان کاایک سلسلہ حضرت شاہ عبیداللہ فریدی کے واسطے سے حضرت پیر مجیبؒ سے متصل ہوتاہے،اس لئے اتباع کے سوا چارہ کیاہے۔لیکن تحقیقاًاس پرابھی کام کرنے کی ضرورت باقی ہے،اس لیے کہ آپ نے اپنی تحقیق کی بنیاد بعض خاندانی شجرات مثلاالکوکب الظاہر،جواہرالسلوک اورمقامات دستگیری وغیرہ پررکھی ہے،جوبلاشبہ عہداخیر کی چیزیں ہیں،جب کہ ان سے ماقبل کے محققین کے یہاں والد ماجد سے بیعت واجازت کاکوئی ذکرنہیں ملتا،خود حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ جن کاذکرآپ نے بھی کیاہے وہ آپ کے جملہ مآخذ سے متقدم اورزیادہ معتبر ہیں،شاہ صاحب کواس انتساب میں کلام ہے، شاہ صاحب سے اور پہلےاورحضرت غوث پاک کے قریب ترین دور کے معتمد مورخین اوراصحاب تذکرہ نے بھی غوث پاک

کے مشائخ میں والد کا ذکر نہیں کیا ہے، مثلاً صلاح الدین خلیل ؒ نے الوافی بالوفیات میں، ابن رجب حنبلی ؒ نے طبقات الحنابلہ میں، علامہ ذہبی ؒ نے سیر اعلام النبلاء میں، ابن الملقن ؒ نے طبقات الاولیاء میں شیخ کا ذکر کیا ہے اور روحانی تعلیم کو شیخ احمد دباس ؒ یا قاضی ابوسعید ؒ سے منسوب کیا ہے، والد کا کوئی ذکر نہیں ہے، اور یہ سب آٹھویں صدی کے بزرگ ہیں، بعد کے لوگ علم و تحقیق میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتے، اور اکثر لوگوں نے آپ کی یتیمی کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو بیعت و ارشاد سے الگ دوسری جہت میں جاتا ہے، بچپن میں القاء نسبت اور فیضان روحانی تو ممکن اور معمول بہ ہے، مگر بیعت اصلاحی اور اجازت وخلافت سے اسے کیا نسبت؟ اسی لیے کسی معاصر بلکہ بعد کے بھی کسی معتبر مؤرخ نے شیخ کے والد کا بحیثیت شیخ روحانی ذکر نہیں کیا ہے۔ سلسلہ قادریہ کی بہت سی شاخیں دنیا میں موجود ہیں، مگر ان میں زیادہ تر کی بنیاد حضرت ابوسعید مخزومی ؒ والی نسبت پر ہے، جن کو آپ شیخ البیعۃ ماننے کو تیار نہیں ہیں، دوسری طرف تمام سلاسل قادریہ میں خانقاہ مجیبیہ کا سلسلہ وارثیہ قمیصیہ سب سے منفرد ہے جو یہاں بنارس سے آیا ہے، اس لیے اس سلسلہ کو پوری طرح تاریخ اور علم کی روشنی میں لانے کی ضرورت ہے۔ جس طرح خانقاہ مجیبیہ کے اکابر اور اہل علم نے پھلواری شریف کی شخصیات پر قابل قدر کام کئے ہیں، اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس سلسلہ کے مشائخ پر بھی کام ہونا چاہیے، حضرت رسول نما بنارسی ؒ سے اوپر دور تک اسی طرح حضرت غوث پاک ؒ کے والد ماجد سے اوپر حضرت حسن مثنیٰ ؒ سے قبل تک اکثر شخصیات تاریخ کی روشنی میں نہیں ہیں، ان کو محدثین کی اصطلاح میں مجہول تو نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ خاندان اور ولدیت معلوم ہے لیکن ان کے سنین وفات اور احوال پردۂ خفا میں ہیں، اس لیے وہ کم از کم مستور ضرور ہیں، ان کے نہ احوال معلوم ہیں اور نہ زمانہ کا تعین ہوسکتا ہے، جب کہ علم کی دنیا میں استناد و اعتماد کے لیے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ضرورت ہے کہ تاریخ کے اوراق کو کھنگال کر ان بزرگوں کی پوری تاریخ پیش کی جائے اور چونکہ خانقاہ مجیبیہ اس سلسلۂ آبائی کا سب سے بڑا علمبردار ہے بلکہ یہ اس کا امتیاز ہے، اس لئے یہاں کے اہل علم کو اس پر خاص توجہ کرنی چاہیے جو شاید اب تک نہیں دی جاسکی، سلسلۂ قادریہ کی دوسری شاخیں پوری طرح علم کی روشنی میں ہیں، ان پر بہت کام ہو چکا ہے اور ایک دو کا استثنا کر کے اکثر کے حالات معلوم ہیں... اس طویل اور گستاخ سمع خراشی کے لیے بصد عجز و نیاز معذرت خواہ ہوں۔ باقی حد ادب۔ والسلام

—اختر امام عادل قاسمی (۱۴/مئی ۲۰۲۰ء)

حضرت شاہ ہلال احمد صاحب ؒ نے میرے اس خط کا دو قسطوں میں جواب تحریر فرمایا:

"(قسط اول) سیرت پیر مجیب میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے وہ حضرت شاہ بدر الدین صاحب کی تحقیق ہے، اس کو توجہ سے دیکھنا چاہئے حضرت نے الانتباہ کی عبارت پر بھی گفتگو کی ہے، اگر حضرت غوث پاک کے مشائخ میں والد ماجد سے بیعت کا ذکر نہیں آتا تو متقدمین کی کتابوں میں بھی لفظ بیعت کی صراحت نہیں ملتی، حضرت نے ایک نکتہ یہ لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی ؒ نے حضرت غوث سے خرقہ پہنا اور پیر مرید سے خرقہ نہیں پہنتا، حضرت کا یہ لکھنا کہ

غوث پاک کی ان سے بیعت ثابت نہیں ہے صحبت وتعلیم ثابت ہے تو مدعی کو بیعت ثابت کرنی چاہئے، جس کے نزدیک آبائی سلسلہ کا درست ہونا مشکوک ہو، اس کے لئے اسی سلسلے کی مخزومی نسبت بھی شجرے میں موجود ہے، قادری خاندان کی دوسری خانقاہوں کو بھی ہم جانتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ان کے یہاں بھی آبائی سلسلہ ہے لیکن وہ اپنے شجرے میں لکھتے نہیں ہیں۔ اہل پھلواری نے اس نسبت کو اہمیت دی اور حضور شاہ بدرالدین قدس سرہ نے اجازت ناموں کے تسلسل کے پیش نظر اور بعض تذکروں کے حوالے سے اس کی تحقیق فرمائی۔

اس مسئلے میں اعتراض صرف آپ ہی کو نہیں ہے پٹنہ کے کچھ شاہ صاحبان کو بھی ہے، بہرحال وللناس فیما یعشقوں مذاہب۔"

(قسط دوم) رات تاخیر زیادہ ہوگئی تھی اس لئے کچھ باتیں رہ گئیں، مشائخ سلسلہ قادریہ مجیبیہ پر کام کرنے اور اس پر کتاب مرتب کرنے کا ارادہ ہوا تھا لیکن عمل نہ ہوسکا، ابھی ایک صاحب اس کام کے لئے تیار ہیں اور غالباً انہوں نے کام شروع بھی کیا ہے، اس لئے آپ کی بات درست ہے اور آپ کا مشورہ بھی مناسب ہے۔

آبائی سلسلہ قادریہ صرف پھلواری میں نہیں ہے اور بھی جگہوں میں ہے، امجھر شریف کی خانقاہ قادریہ میں بھی آبائی سلسلہ ہے، ان کی ایک کتاب میں ذکر بھی ہے لیکن شجرہ لکھا ہوا نہیں ہے، کئی سال قبل میں حضرت قمیص قادریؒ کے آستانہ پر سادھورہ گیا تھا سجادہ نشیں نے جو شجرہ دکھایا وہ مخزومی نسبت والا تھا، انہوں کہا کہ میرے والد یہی شجرہ دیتے تھے، میں نے جب ان سے آبائی شجرہ طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ آبائی سلسلے کی اجازت مجھے خاندان کے ایک بزرگ سے ملی ہے، وہ دکھایا تو وہی شجرہ تھا جو ہمارے یہاں ہے، تلاش کرنے سے دوسرے قادری خاندانوں میں بھی آبائی سلسلہ مل سکتا ہے۔

جس کسی خانقاہ قادریہ میں آبائی سلسلہ پہنچا ہے، اس خانقاہ کے لوگوں نے اسی تنقید واعتراض کے ڈر سے اس سلسلے کو چھپا کے رکھا لیکن پھلواری خانقاہ کے لوگ نہ دیوبندیوں سے ڈرتے ہیں نہ بریلویوں سے، انہوں نے اس کو خاص اہمیت دی، شجرہ لکھا گیا تو نسبت آبائی کو مقدم رکھا گیا، نسبت مخزومی اس کے بعد رکھی گئی اور جب ضرورت پڑی تو اس کی تحقیق اور اس کے صحیح ہونے کی مناسب علمی توجیہ بھی کی جس کو اس تحقیق پر اطمینان نہ ہو وہ نہ مانے اس پر کوئی گرفت نہیں،.....

میں سمجھتا ہوں کہ مشائخ سلسلہ پر کوئی کتاب لکھی گئی تو آبائی سلسلہ کی حیثیت پھر بھی مورد تنقید رہے گی کیونکہ شجروں اور اجازت ناموں کا صدیوں سے عہد بہ عہد اور نسل درنسل منتقل ہونا ہی اس کی اصل بنیاد ہے"—(۱۵رمئی ۲۰۲۰ء)

بہرحال تھوڑی شکر رنجی اور اندیشوں کے باوجود شاہ ہلال احمد صاحبؒ کو احساس تھا کہ اس موضوع پر کام کرنے کی ضرورت ہے، اور انہوں نے اس عزم کا اظہار بھی فرمایا، بلکہ ایک صاحب کے ذریعہ عملی پیش رفت کا حوالہ بھی دیا، مگر عمر فانی نے مہلت نہ دی اور وہ اپنی زندگی میں اس کام کو آگے نہ بڑھا سکے، معلوم نہیں کہ جو صاحب اس کام پر لگے تھے ان کا کام کس مرحلے تک پہونچا؟ اور وہ کام جاری ہے یا موقوف ہوگیا؟ میرے خیال میں خانقاہ کے دیگر اہل علم کو توجہ دے کر اس کام کو مکمل کرنا چاہئے۔

حضرت غوث پاکؒ کے پیران طریق کی تحقیق :

اس باب میں جہاں تک میرا نقطۂ نظر ہے وہ محض تقلیدی ہے، کہ

ع سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

ورنہ تحقیق کے لحاظ سے آبائی نسبت واجازت کا معاملہ (فیضان اور القائے نسبت سے آگے) ثابت ہونا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ اکثر اصحاب سیر وتاریخ کی تصریحات کے مطابق حضرت غوث پاکؒ نے طریقت کی تعلیم شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباسؒ (م ۵۲۵ھ /۱۱۳۱ء)، ابومحمد جعفر بن احمد السراجؒ (م ۵۰۹ھ)اور قاضی ابوسعید (یاابوسعد) مبارک بن علی بن حسین مخرمیؒ (م ۵۱۱ھ /۱۱۱۷ء) (۴) سے حاصل کی، البتہ خرقۂ خلافت حضرت ابوسعید مخرمیؒ سے حاصل ہوا۔

تقریباً تمام ہی قدیم تذکرہ نگاروں نے حضرت شیخ کے مذکورہ بالا مشائخ اور پیران طریق کا ذکر کیا ہے، مثلاً یہ حوالے دیکھئے:

صلاح الدین خلیل لکھتے ہیں:

وصحب الشيخ أحمد الدباس وأخذ عنه علم الطريق ـ(۵)

علامہ ابن رجب حنبلی رقم طراز ہیں:

وصحب الشيخ حماد الدباس الزاهد، ودرس بمدرسة شيخه المخرمي، وأقام بها إلى أن مات، ودفن بها ـ(۶)

علامہ ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وصحب الدباس، ثم إن الله أظهره للخلق، وأوقع له القبول العظيم ـ(۷)

ابن الملقنؒ نے اپنی کتاب ”کتاب الاولیاء“ میں پورا شجرۂ طریقت اس طرح نقل کیا ہے:

”ابو محمد عبد القادر بن ابی صالح الجيلي عن ابی سعيد المبارك بن على المخرمي، عن الشيخ ابي الحسن على بن محمد بن يوسف بن عبد الله القرشي، عن ابي الفرج عبد الرحمن بن عبد الله الطرسوسي، عن ابي الفضل عبد الواحد بن عبد العزيز التميمي، عن والده الشيخ عز الدين عن الشبلي عن الجنيد، عن سري السقطي، عن معروف الكرخي، عن داؤد الطائي، عن حبيب العجمي، عن الحسن البصري، عن على رضی اللہ عنہ، عن رسول الله ﷺ اوعن الجنيد عن جعفر الحذاء عن ابي عمر الاصطخري، عن ابي تراب النخشبي، عن شقيق البلخي عن ابراهيم بن ادهم عن موسیٰ بن يزيد الراعي، عن اويس القرني عن عمر رضی اللہ عنہ وعلى رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ ـ(۸)

بعض تذکرہ نگاروں نے اس میں تین مشائخ طریق کا اور اضافہ کیا ہے،

(۱) شیخ ابو یوسف بن ایوب بن یوسف بن الحسین بن وہرۃ الہمدانی ؒ (م ۵۳۵ھ)

(۲) حضرت تاج العارفین ابوالوفاء محمد بن محمد بن زید بن حسن المرتضیٰ العریضی ؒ (م ۴۷۰ھ)

(۳) آپ کے والد ماجد حضرت سیدنا ابوصالح موسیٰ جنگی دوست حسنی گیلانی ؒ —(۹)

مگر اول الذکر میں تو کوئی استبعاد نہیں، آپ نے بلاشبہ ان سے استفادہ کیا ہوگا، حضرت ہمدانی ؒ کا ذکر آپ کے حالات میں کئی مقام پر آیا ہے، حافظ ابن حجر ؒ نے غبطۃ الناظرین میں اور علامہ ظہیر الدین ؒ نے الفتح المبین وغیرہ میں اس بات کا ذکر کیا ہے، لیکن مؤخر الذکر دونوں بزرگوں سے بیعت وتربیت باطنی کا حصول بہت مستبعد ہے، اس لئے کہ حضرت ابوالوفاء العریضی کی سن وفات ۴۷۰ھ ہے، جب کہ حضرت شیخ ؒ کا یہ سن ولادت ہے۔

جہاں تک ان کے والد ماجد سے نسبت کا معاملہ ہے تو تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ شیخ کی کم سنی ہی میں انتقال کر گئے تھے، صغر سنی میں القاء نسبت باطنی، اور فیضان روحانی تو ممکن ہے، مگر باقاعدہ بیعت اورتربیت روحانی متصور نہیں ہے، بیعت کے لئے کم ازکم شعور وتمیز کی عمر درکار ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے بھی اس نسبت آبائی کو مستبعد قرار دیا ہے—(۱۰)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ؒ نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ نے اپنے شجرۂ روحانی کے بارے میں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب اور مجالس ستین میں جو کچھ لکھا ہے وہی معتبر ہے، باقی بعد میں تیار کئے جانے والے شجرے مستند نہیں ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ؒ حضرت قاضی مخرمی ؒ کو حضرت شیخ ؒ کا پیر تسلیم کرتے ہیں، حضرت شاہ صاحب کی گفتگو سے اشارہ ملتا ہے کہ خود حضرت شیخ جیلانی ؒ نے اپنی کتابوں میں اپنے والد کے سلسلہ کا ذکر نہیں کیا ہے—(۱۱)

حضرت مولانا جامی ؒ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ نے بھی آپ کے شیوخ طریق میں آپ کے والد ماجد کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف شیخ مخرمی ؒ کا ذکر کیا ہے اور والد کے تعلق سے صراحت کی ہے کہ وہ شیخ کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے—(۱۲)

لیکن مولانا شاہ ہلال احمد قادری نے حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری پھلواروی ؒ کی تحقیق کے مطابق بعض خاندانی شجرات (مثلاً: الکوکب الظاہر فی مناقب الغوث عبدالقادر، مؤلفہ سید ابوالہدیٰ آفندی رفاعی ☆ جواہر السلوک مؤلفہ سید شاہ عبداللطیف معروف بہ سید شاہ محی الدین قادری نقوی ویلوری ☆ اور مقامات دستگیری مؤلفہ مولوی عبدالرحیم ضیا حیدرآبادی وغیرہ) کی بنیاد پر حضرت شیخ کی آبائی نسبت کا ذکر کیا ہے—(۱۳)

اسی طرح مؤرخ لاہور جناب محمد دین کلیم قادری صاحب نے بھی اپنی کتاب تذکرہ مشائخ قادریہ میں اس آبائی نسبت کا ذکر کیا ہے، بلکہ حیرت انگیز طور پر انہوں نے تاریخ بیعت وخلافت بھی ماہ رجب ۴۸۸ھ درج کردی ہے—(۱۴) یعنی گویا حضرت شیخ ؒ کے اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر تک ان کے والد صاحب باحیات تھے، تب تو یتیم ہونے والی مشہور روایت ہی غلط ٹھہرے گی، مگر میرے نزدیک ان روایات کو القائے نسبت اور فیضان روحانی پر محمول کیا جانا چاہئے، واللہ اعلم بالصواب۔

ذہنی وفکری ہم آہنگی :

غرض شاہ ہلال احمد صاحبؒ سے میرے تعلقات کا زمانہ گو کہ بہت مختصر رہا، زیادہ سے زیادہ تین سال لیکن اس دوران علمی اور ذہنی طور پر مجھے ان سے بے حد مناسبت پیدا ہوگئی تھی، اور ہم ایک دوسرے سے بہت قریب آگئے تھے، چنانچہ کچھ عرصہ غائبانہ مراسلت کے بعد پھلواری شریف میں ان کی رہائش گاہ پر جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی، وہی انس جو اپنے گھر کے لوگوں سے ملنے میں محسوس ہوتا ہے، انہوں نے پوری شفقت وتواضع کا مظاہرہ کیا، میں نے اپنی تازہ تالیف ''حیات ابوالمحاسن'' ان کی خدمت میں پیش کی، اور انہوں نے قدرافزائی کا معاملہ فرمایا، تقریباً ایک گھنٹہ کی ملاقات کے بعد جب میں نے رخصت چاہی تو فرمایا کہ ضرورت ہے کہ ہم کسی موقعہ پر تفصیل اور یکسوئی کے ساتھ بیٹھیں، اور بعض اہم موضوعات پر بات کریں، وہ مختلف مسائل میں میرے مشوروں کو اہمیت دینے لگے تھے، اور چاہتے تھے کہ بیٹھ کر کچھ رہنما خطوط طے کریں، اور میں بھی ان سے بار بار ملنے کا متمنی تھا، لیکن افسوس یہ پہلی ملاقات ہی میری آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

ع روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ایک وظیفہ کی اجازت :

اس موقعہ پر ایک خاص واقعہ کا ذکر کرنے کو بھی جی چاہتا ہے، جس سے ان کی سادگی، اخلاص، وسعت ظرفی اور حسن اعتماد کا اندازہ ہوتا ہے، خاتم سلیمانی میں دفع مشکلات کے لئے ایک وظیفہ کا ذکر کیا گیا ہے، جو غالباً سلسلۂ مجیبیہ کے معمولات میں داخل ہے، اور اس کے لئے کسی شیخ مجاز کی اجازت ضروری ہوتی ہے، جدہ میں میرے ایک انتہائی کرم فرما بزرگ کو اس وظیفہ کے لئے اجازت کی ضرورت تھی، میں نے شاہ ہلال صاحب کو لکھا تو شاہ صاحب نے جواب تحریر فرمایا:

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ وظیفہ اس طرح بھی ہے جیسا خاتم سلیمانی میں منقول ہے اور اس طرح بھی ہے:

الهی بحرمة الحسين واخيه و امه وابيه وجده وبنيه نجنا من الغم الذی نحن فيه نسألك ان تنور قلوبنا بنور معرفتك ياحی ياقيوم ياذاالجلال والاكرام برحمتك يا ارحم الراحمين۔

اس گناہگار کی طرف سے آپ مجاز ہیں جیسے چاہیں پڑھیں اور جس کو چاہیں پڑھنے کی اجازت دیں۔ پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے اپنی سہولت کے مطابق وقت اور تعداد مقرر کرسکتے ہیں۔ والسلام

—— ہلال احمد (۷ رجون ۲۰۲۰ء)

ان کی اس حسن عنایت سے متاثر ہو کر میں نے کلمات تشکر تحریر کئے، تو چار دن کے بعد انہوں نے جواب لکھا:

’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اکرمکم اللہ بکرامۃ التقوی ورقاکم واصطفاکم

میں آپ کے جواب میں کچھ لکھ نہ سکا اس لئے کہ بہت سے احباب میرے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں، میں سن کر چپ ہو جاتا ہوں کیونکہ میری طرف سے انکار، ان کی طرف سے مزید تعریف کا سبب ہوگا، شاید اللہ تعالی آپ جیسے صالحین کے حسن ظن کو میرے حق میں گواہی کے طور پر آخرت میں قبول فرمالے ورنہ من آنم کہ من دانم.....‘‘—(۱۱؍جون ۲۰۲۰ء)

آخری مراسلت :

ان کا آخری خط ۱۷؍جون ۲۰۲۰ء کو وصول ہوا جس میں انہوں نے منوروا شریف کی خانقاہ کے بارے میں دریافت فرمایا تھا کہ:

’’منوروا شریف میں خانقاہ کس نام سے موسوم ہے؟ سلسلۂ طریقت آپ حضرات کا اصلاً کون سا ہے؟ سلسلۂ قادریہ مجیبیہ کی اجازت بھی آپ کے بزرگوں کو پہونچی ہے؟ شاہ اشرف مجیب صاحبؒ کے واسطے سے سلسلۂ مجیبیہ آپ کے کن بزرگ کو پہونچا ہے؟‘‘

میں نے اسی دن جواب دیا کہ:

’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خانقاہ کا کوئی مخصوص نام نہیں ہے، یہاں قادریہ چشتیہ، نقشبندیہ اور شاذلیہ کی نسبتیں ہیں، قادریہ کی پہلی نسبت اور اجازت وخلافت میرے جد امجد حضرت مولانا حکیم احمد حسن منورویؒ کو ان کے نانا حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ سے حاصل ہے، ان کے پاس بانسہ شریف والی نسبت تھی، دوسری نسبت ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبید اللہ قادری فریدیؒ سے حاصل ہوئی، ان کا شجرہ یہاں موجود ہے، نقشبندیہ کی پہلی نسبت حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ سے اور دوسری نسبت حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ سے حاصل ہوئی، وغیرہ، تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ میں کچھ تفصیل دی گئی ہے، باقی تفصیلی سوانح میرے جد امجد کی عنقریب آرہی ہے۔ ان شاء اللہ۔ (۱۷؍جون ۲۰۲۰ء)

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را :

آخری چیز جو میں نے شاہ صاحبؒ کو ارسال کی وہ حضرت شیخ سلطان لکھمنیاویؒ کے حالات پر مشتمل چار ورقی مقالہ تھا، پھلواری شریف میں ان سے میری پہلی اور آخری ملاقات میں اس بات کا ذکر آیا تھا کہ ’’سیرت پیر مجیب‘‘ میں شیخ سلطانؒ کے حالات نہیں ہیں، اس لئے کہ کسی معتبر ذریعہ سے ان کے حالات نہ مل سکے، میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ میں ان کے حالات آپ کو فراہم کروں گا ان شاء اللہ۔ واضح رہے کہ شیخ سلطانؒ حضرت پیر مجیب کے مشائخ میں ہیں، اور سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت پیر صاحبؒ کو حضرت شیخؒ سے ملی تھی، اس لئے خانقاہ مجیبیہ کے لئے ان کی شخصیت بہت اہم ہے۔

میری تالیف ’’حیات قطب الہند حضرت منورویؒ‘‘ میں شیخ سلطانؒ کا تفصیلی ذکر آیا ہے، میں نے ان صفحات کا عکس

۲۶؍جولائی ۲۰۲۰ءکوحضرت شاہ ہلال احمد کے واٹشاپ پربھیج دیا تھا،جس کوانہوں نے وصول بھی کیا،مگراس کا کوئی جواب نہیں آیا،اس کے کچھ دنوں کے بعد مجھے ان کی علالت کی خبر ملی ، پھران سے کوئی رابطہ نہ ہوسکا،یہاں تک کہ ۳۱؍اگست ۲۰۲۰ء کوہمیشہ ہمیش کے لئے وہ ہم سے رخصت ہوگئے—اناللہ واناالیہ راجعون۔

آخری دنوں میں ان سے جومحبت ہوگئی تھی ،اس کی بناپران کے جانے سےطبیعت میں ایسی افسردگی اوراداسی پیداہوئی کہ جیسے زندگی کی رونق ہی چلی گئی ہو،کبھی کبھی انہی خطوط کوپڑھ کر پرانی یادیں تازہ کرتاہوں کہ:

تازہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں قصۂ پارینہ را

۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ، ۱۴؍جنوری ۲۰۲۰ء

مآخذوحواشی :

(۱)　سیرت پیرمجیب،ص:۶مؤلفہ مولاناشاہ ہلال احمدقادریؒ،ناشر:دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ،۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

(۲)　اخبارالاخیارفارسی طبع قدیم ص:۲۳۹

(۳)　جمهرة أنساب العرب ج ۱ ص ۱۱۹المؤلف: أبومحمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي (المتوفى: ۴۵۶ھ)

(۴)　”مخرم“بغدادکاایک محلہ ہے جہاں بنوبویہ کےمحلات تھے،یزیدبن مخرم کے نام پر یہ محلہ منسوب ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے منذریؒ اورطبقات ابن رجب کے حوالے سے لکھا ہے(الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ج:۶ ص۲۳۱)اوربھی کئی مؤرخین نے اس کی صراحت کی ہے،اس لئے صحیح لفظ مخرمی ہے مخزومی نہیں۔

(۵)　الوافي بالوفيات ج ۶ ص ۲۰۹المؤلف: صلاح الدين خليل بن أيبك الصفدي (المتوفى: ۷۶۴ھ)

(۶)　ذيل طبقات الحنابلة، ج:۱ص:۱۱۸،المؤلف: عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الحنبلي (المتوفى: ۷۹۵ھ)

(۷)　سير أعلام النبلاء ، ج:۲۰ص:۴۴۴المؤلف: شمس الدين أبوعبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي (المتوفى: ۷۴۸ھ)

(۸)　طبقات الاولیاءلابن الملقن ص: ۴۹۴

(۹)　سیرت پیرمجیب،ص:۱۰۸،مؤلفہ مولاناہلال احمد قادری پھلواروی،ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف ۲۰۰۵ء

(۱۰)　الانتباہ فی سلاسل اولیاءاللہ،مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ،ج:۶،ص:۲۳۲،مرتبہ مفتی عطاءالرحمن قاسمی۔

(۱۱)　الانتباہ فی سلاسل اولیاءاللہ،مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ،ج:۶،ص:۲۳۱

(۱۲)　دیکھئے نفحات الانس للجامیؒ مترجم ص: ۷۵۵ تا ۷۵۸۔ اخبارالاخیار،ص: ۳۳ تا ۵۵ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ترجمہ:مولاناسبحان محمودومولانامحمد فاضل،مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی،۲۰۰۴ء

(۱۳)　سیرت پیرمجیب،ص:۱۰۸تا۱۱۹

(۱۴)　تذکرۂ مشائخ قادریہ،ص:۵۵

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

حضرت شاہ ہلال احمد قادری اور خانوادہ دیورہ سملہ کے روابط

● شاہ مبشر ابن طاہر عثمانی فردوسی— خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ سملہ اورنگ آباد

ناچیز کا تعلق یوں تو علمی و روحانی گھرانے سے ہے، پر کیا عجب ہے کہ یہ خود اس سے کوسوں دور ہے، لہٰذا جب زیب سجادۂ مجیبی حضرت شاہ آیت اللہ قادری مجیبی مدظلہ العالی کا حکم ہوا کہ آپ بھی حضرت پر لکھنے کا شرف حاصل کریں، تو میرے لیے عجیب کیفیت ہوگئی، لکھنے کے لیے خود کو موزوں نہیں پاتا تھا، دوسری صورت گوارہ نہ تھی کہ حکم کی تعمیل نہ کی جائے۔

بہر کیف مرتا کیا نہ کرتا، قلم بدست نتیجہ ندارد، ہفتوں گذر گئے کیا لکھوں کیا نہ لکھوں، کہاں سے شروع کروں، الجھے ہوئے تانے بانے کو کیسے سلجھاؤں، غرض کہ عجب کیفیت تھی، امڈتے ہوئے جذبات، بے چین دل سے نکلتی ہوئی آہیں، آنکھوں میں آنسوؤں کی شکل میں خون جگر کا سیلاب، سب مل کر ایک ہی صدا لگاتے ؎

نہیں زخم دل اب دکھانے کے قابل ❁ یہ ناسور ہے بس چھپانے کے قابل

انہیں لمحات میں یادوں کی اڑان ماضی کی طرف لوٹتی ہے، اپنے بچپن کا زمانہ یاد آتا ہے، سملہ عیدگاہ پر سواری سے اتر کر شمال کی طرف خانقاہ آتی ہوئی کچی سڑک پر مہمانوں کی صف میں آتے ہوئے اک منفرد شخص پر نظر جم جاتی ہے، گندم رنگت، کالی سیاہ ڈاڑھی، کج کلاہ اور اسے جلوہ بکھیرتی زلفیں، چوڑے پائینچے کا پائجامہ اور کرتا کے اوپر انگرکھا زیب تن کئے، اپنا بیگ اپنے ہاتھوں میں اٹھائے عرس حضرت شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہید رحمۃ اللہ علیہ میں شرکت اور اپنے رشتے داروں سے ملنے کی چمک آنکھوں میں لیے وہ سادہ سی شخصیت بڑی تیزی سے خانقاہ کی طرف بڑھنے لگتی ہے، ہمارے بچپن کا زمانہ تھا، کھیت کھلیان میں کھیلتے ہوئے جب ہماری نظر ان پر پڑتی تو ہم ان کی طرف دوڑ پڑتے اور اپنی بساط سے بڑھ کر ان کے

ہاتھوں سے سامان لینے کی کوشش کرتے اور وہ مسکرا کر کہتے ”آپ اٹھائیں گے“ اور پھر وہ خانقاہ تک اپنی شفیق فطرت اور میری بساط کے مطابق باتیں کرتے ہنستے مسکراتے آجاتے۔

خانقاہ کے ابتدائی حصہ میں اپنے گھر ”بیت المجیب“ کی کھپریل دالان میں شمع کی طرح پروانوں سے گھرے ابا جان (حضرت حکیم شاہ محمد طاہر عثمانی فردوسی سملوی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ، سملہ) کی نظر جب ان سے ملتی تو اس کیفیت کو میں نہ بیان کرسکتا ہوں، نہ بھول سکتا ہوں، وہ والہانہ استقبال، وہ معانقے ابا جان، بڑے ماموں جان حضرت شاہ منصور احمد عثمانی فردوسی دیوروی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشیں خانقاہ برہانیہ کمالیہ، حضرت دیورہ اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کا اپنے سے عمر میں بہت چھوٹی اس شخصیت کے لیے جو احترام میں نے دیکھا وہ بلاشرکت غیر تھا، جس سے ہم نے جانا کہ آنے والے شخص کی عمر ضرور کم ہے، لیکن رتبہ یقیناً بہت بڑا ہے، سملہ آنے والی یہ شخصیت کسی اور کی نہیں بلکہ حضرت شاہ ہلال احمد قادری مجیبی کی تھی، آپ بہاں آئے تھے، وہ آپ کی والدہ کا نانیہال تھا، خاندان کے جن بزرگوں کا تذکرہ اوپر ہوا وہ رشتے میں آپ کے ماموں تھے، ہمارے بھائیوں کے آپ ہلال بھائی تھے اور ان دو لفظوں میں کیا شیرینی تھی، کوئی ہم بھائیوں سے پوچھے۔ اور جن کے عرس میں آپ شریک ہونے آئے تھے، وہ آپ کے پردادا اور آپ کے پیر اور قبلہ وکعبہ حضرت شاہ امان اللہ قادری مجیبی پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا حضرت شاہ بدرالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے پھوپھا تھے، اس قرابت کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

”پھلواری خانقاہ سے اس قرابت قریبہ کی بنیاد پر ان دونوں خاندانوں میں گہرے تعلقات رہے اور آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہا، حضرت شاہ مجیب الحقؒ اور حضرت شاہ فدا حسینؒ (اضافہ: یہ دونوں بزرگ حضرت شاہ ابوالحسن شہید بن شاہ محمد علی سملوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے اور چھوٹے صاجزادے ہیں اول الذکر سجادہ نشیں تھے خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ سملہ کے اور ثانی الذکر سجادہ نشیں تھے خانقاہ برھانیہ کمالیہ حضرت دیورہ کے۔ اضافہ تمام شد) حضرت مخدوم بہاں کے عرس میں بہار شریف آتے تو اختتام عرس کے بعد پھلواری شریف ضرور تشریف لاتے اور موئے مبارک ﷺ کی زیارت کرکے واپس ہوتے۔ حضرت اقدس فیاض المسلمین مولانا سید شاہ بدرالدین قادری قدس سرہ اس رشتے کا بہت خیال رکھتے تھے، کیوں کہ حضرت شاہ ابوالحسن شہیدؒ آپ کے پھوپھا تھے — (۱)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت شاہ ابوالحسن شہید کی شادی بی بی وصیتہ النساء بنت شاہ ھادی بن احمدی سے ہوئی تھی، سملہ و دیورہ والوں سے آپ کی محبت دیکھئے کہ داغ مفارقت دے کر آرام فرما بھی ہوئے تو ہماری جدہ عالیہ کے والد کے پہلو میں۔

ماضی کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہر سال سملہ عرس میں آپ کا آنا جس میں کبھی کبھی وقفہ بھی ہوتا اور بصد عزت و احترام آپ کو بڑے ماموں جان کے ساتھ ان کے لیے مخصوص کمرے میں ٹھہرانا اور بڑے ماموں جان سے ان کی علمی گفتگو کا منظر ہم کیسے بھول سکتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے آپ خود کس طرح رقم طراز ہیں:

”سملہ عرس میں جب بھی خاکسار کا جانا ہوتا تھا شاہ صاحب سے ملاقات ہوتی بڑی محبت سے پیش آتے، ہمدردی

اور محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، سب کا درد محسوس کرتے اور لوگوں کی فکر سے فکرمند ہوتے تھے، خاکسار سے ان کا رشتہ خوردی اور بزرگی والا تھا، خاکسار کی نانی صاحبہ بی بی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا اسی خانوادہ کی تھیں.....‘‘—(۲)

آپ آگے لکھتے ہیں:

’’جب جب ان کی علمی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا، اندازہ ہوا کہ مطالعہ عمیق اور معلومات وسیع ہیں، راقم الحروف سے بہت محبت کرتے تھے، اس لیے راقم ان سے شوخ بھی تھا اور کبھی علمی گفتگو میں ایک فریق بن کر ہلکی پھلکی بحث بھی کر لیتا تھا، انہوں نے کبھی اس کا برا نہیں مانا، بلکہ خوش ہوتے تھے‘‘—(۳)

تفصیل: بی بی فاطمہ شاہ ابوالحسن کی حقیقی نواسی اور آپ کے بڑے بھائی شاہ عبدالعلی کی پوتی تھیں اور حضرت شاہ قمر الدین قادری پھلواروی کی اہلیہ تھیں، اس رشتے سے شاہ قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دادا ابا کے بہنوئی اور ابا جان کے پھوپھا ابا تھے، دادا ابا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ابا جان کی شادی سے پہلے کا واقعہ ہے کہ آپ ملاقات کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے اور ابا جان کی دادی اماں کے پاس بیٹھے تھے ساتھ میں نانا ابا بھی تشریف فرما تھے، امی اس وقت چھوٹی تھیں اور چائے پیش کرنے کے لیے پھوپھا ابا کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں، اس وقت نانا ابا حضرت شاہ ابراہیم عثمانی فردوسی دیوروی خانقاہ برھانیہ کمالیہ حضرت دیورہ نے فرمایا: ’’میری بیٹی ہے‘‘ یہ سنتے ہی آپ نے ابا جان کی نسبت نانا ابا کو پیش کر دیا اور نانا ابا نے اسی وقت اس رشتہ کو قبول کیا۔

حضرت شاہ ابوالحسن کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

’’حضرت مولانا شاہ ابوالحسن شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے ممتاز بزرگوں میں تھے، دیورہ اور سملہ کے لوگوں کو آپ کی نسبی و روحانی دونوں نسبتیں حاصل ہیں۔ آپ کی ذات دیورہ اور سملہ کی خانقاہ کا نقطہ اتصال ہے سلسلہ فردوسیہ کے فیوض و برکات دونوں خانقاہوں میں آپ ہی کے واسطے سے پہنچے ہیں‘‘—(۴)

سملہ عرس کے موقع پر حضرت قطب العصر حضرت شاہ محمد علی فردوسی کا قائم کردہ ابتدائی تعلیم کا مدرسہ جس کا نام شاہ مجیب الحق کمالی نے مدرسہ فرقانیہ رکھا تھا اور اسی مدرسہ کا نام دادا ابا نے اپنے دور میں مدرسہ فرقانیہ محمدیہ رکھا۔ دادا ابا کے انتقال کے بعد مدرسہ کا نام آپ کی نسبت سے مدرسہ قاسم العلوم رکھا گیا، کے سالانہ جلسہ میں آپ وعظ فرماتے اور پورے حق کے ساتھ حضرت شاہ ابوالحسن شہید رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے اور خانقاہ کے مریدین ومتوسلین کو وعظ ونصیحت فرماتے۔

عشا کی اذان کے ساتھ جلسہ اختتام کو پہنچتا، نماز ادا ہوتی اور پھر عشائیہ سے فارغ ہو کر حجرہ حضرت قطب العصر کے سامنے مسجد کے زیر سایہ سماع خانہ میں تمام بزرگان اپنی اپنی نشست اختیار کرتے اور قل و فاتحہ کے بعد محفل سماع کا آغاز ہوتا ہے، قوال ساز چھیڑتا اور ’’السلام علیک منی والصلوات یارسول‘‘ گانا شروع کرتا اس پر آپ کی کیفیت اور حالت وجد میں کج کلاہ کا گرنا اور زلفوں کا بکھرنا بھلایا نہیں جاسکتا۔ آج دل انہیں زلفوں کے دام میں گرفتار ہے، مضطرب ہوتا ہے، پھڑ پھڑاتا ہے اور پھر اور

الجھتا جاتا ہے ''وقت بہت بڑا مرہم ہوتا ہے'' کی حقانیت پر شک ہونے لگتا ہے کہ زخم دل روز افزوں تازہ تر ہوتا جاتا ہے ۔

دکھلا کے پھبن ناز و ادا دل ربایانہ ۞ دل لے کے کہاں ہو گئے اے جان روانہ

ہم خانوادہ دیورہ اور سملہ کے عنوان سے جو تذکرہ کرتے آرہے ہیں، اس کا تعارف آپ اس طرح کراتے ہیں:

''اس خانوادہ کا نسبی تعلق حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہے، نسبت روحانی حضرت سلطان المحققین مخدوم سید الشیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ سے ہے، مخدوم شاہ برھان الدین خوندمیاں اور شاہ کمال علی رحمہما اللہ کے تعلق سے دیورہ کی خانقاہ، خانقاہ برھانیہ کمالیہ سے موسوم ہوئی''۔۔۔(۵)

(اضافہ: حضرت شاہ غلام امام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ مجیب الحق کمالیؒ کی نسبت سے سملہ کی خانقاہ کو دادا اباعلیہ الرحمہ نے خانقاہ امامیہ مجیبیہ سے موسوم کیا۔ جو دور حاضر میں خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ کے نام سے مشہور ومعروف ہے)

آپ آگے تحریر کرتے ہیں:

''خانوادہ امیر عطاء اللہ جعفری زینبی پھلواروی سے اس خانوادہ کے قریبی تعلقات رہے ہیں......مولانا شاہ محمد امین کی پوتی کی شادی مولانا شاہ محمد علی سملویؒ سے ہوئی''۔۔۔(۶)

تفصیل: مولانا شاہ محمد علی سملویؒ بن شاہ غلام امامؒ، حضرت شاہ ابوالحسن شہیدؒ کے والد ہیں۔

آپ اپنی تصنیف ''سیرت پیر مجیب'' میں معاصر علماء ومشائخ کے تذکرہ میں حضرت شاہ کمال علی دیورویؒ کے متعلق رقم طراز ہیں:

''حضرت شاہ کمال علی قدس سرہٗ کی نانیہال، گیا ضلع کی قدیم بستی دیورہ کے عثمانی خاندان میں تھی۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ، دیورہ میں مخدوم برہان الدین اخوند میاں قدس سرہٗ (م: ۹۸۰ھ) ہیں۔ وہ چشتی صابری سلسلے کے مشہور بزرگ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی پانی پتی قدس سرہٗ کی اولاد میں ساتویں پشت میں آتے ہیں۔ دیورہ کا یہ خاندان صحیح النسب عثمانی خاندان ہے، اس کے ازدواجی تعلقات بہار کے دیگر شیوخ اور سادات سے قائم ہوتے رہے ہیں، خاندان امیر عطاء اللہ جعفری زینبی سے بھی ازدواجی روابط قدیم ہیں۔ حضرت شاہ کمال علی قدس سرہٗ کی ماموں زاد بہن، مُلّا فصیح الدین جعفری پھلواروی کے پوتے مولانا شاہ نصیر الدین سے بیاہی تھیں، ان کے صاجزادے مولانا شاہ محمد امین جعفری، حضرت شاہ کمال علی صاحب کے مرید وخلیفہ اور شاگرد تھے''۔۔۔(۷)

آگے آپ حضرت شاہ انور علی دیوروی قدس سرہ و بی بی وصیۃ النساء کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''حضرت شاہ کمال علی قدس سرہٗ کے بعد ان کے جانشین، مولانا شاہ محمد امین جعفری فردوسی (جن کا ذکر گزر چکا) کے صاجزادہ مولانا شاہ انور علی قدس سرہٗ ہوئے۔ ان کو اولاد ذکور نہ تھی اس لئے انہوں نے حضرت شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہید سملوی کو اپنا جانشین متعین کیا، حضرت شاہ ابوالحسن شہید قدس سرہٗ، حضرت تاج العارفین کے پرنواسے مولانا شاہ محمد ہادی قادری

پھلواروی قدس سرہٗ کے داماد تھے، اور شاہ انور علی کے ہم زلف ، شاہ انور علی صاحب نے حضرت شاہ ہادی صاحب کی صاحبزادی کو متبنیٰ کیا تھا‘‘۔۔۔(۸)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نانا ابا اپنی پھوا اماں یعنی آپ کی نانا سے دیورہ آنے کے لیے اصرار کیا، جس پر آپ کی نانا نے فرمایا: زیارت کراؤ گے تو چلیں گے، اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے نانا ابا نے حضرت شاہ کمال علی قدس سرہٗ کے عرس میں آپ کو دیورہ لایا اور خاص آپ کے لیے زیارت موئے مبارک کا اہتمام کیا۔(اس عرس میں پہلے زیارت ہوتی تھی بعد میں یہ سلسلہ موقوف ہوگیا تھا اور اب بھی زیارت موئے مبارک عرس رسول اللہ ﷺ کے موقع پر ۱۲؍ربیع الاول کو ہوتی ہے)

جب ناچیز کو حضرت شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہٗ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور شادی کے بعد جب آپ ابا جان کے سمدھی کی حیثیت سے عرس میں سملہ تشریف لائے تو ابا جان نے روایت سے ہٹ کر زیارت شریف کو حجرہ زیارت تک لے جانے کا شرف آپ کو بخشا۔

آپ کی ذات بے شمار خوبیوں کی مالک تھی، آپ اپنے اسلاف کرام کی طرح ان نادر و نایاب ہستیوں میں سے تھے، جن کا قلب عشق نبوی ﷺ سے سرشار رہتا اور آستانہ رسالت پناہی میں حضوری کے لیے مضطرب و بے چین رہتا، بلاشبہ آپ کی ذات گرامی تاریکیوں کے ہجوم میں شمع فروزاں اور گمرہیوں کی دھوپ میں سایۂ اماں تھی۔ آپ نے اپنی تحریر و تقریر سے عوام کی ظلمت آگیں زندگیوں میں ایمانی و عرفانی روح پھونک دی، آپ کی پاکیزہ حیات کے درخشاں کارنامے اور عشق و وفا کی ضیا بار کرنیں صدیوں تک نیک بخت رہ گیروں کی ہمتوں اور جذبوں کو لو دیتی رہیں گی، ان شاء اللہ۔ قسام ازل نے آپ کو کثیر صفات و کمالات سے نوازا تھا، آپ نے ان نعمتوں کو قوم و ملت کی صلاح و فلاح اور تصوف و روحانیت کی ترویج و اشاعت کے لیے استعمال کیا اور فائدہ پہنچا کر دار الفناء سے دار البقاء کی طرف کوچ کر گئے، آپ کی ترسٹھ سالہ متوکلانہ زندگی کے پیش نظر ’’عمدۃ المتوکلین‘‘ کا خطاب قرار پایا، توکل و استغناء میں آپ کا طرز عمل ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ اکبر الہ آبادی کے اس شعر کے حقیقی مصداق تھے کہ:

دنیا میں ہوں، دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گذرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

مراجع ومصادر :

۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶۔۔۔ حضرت مولانا حکیم شاہ منصور احمد فردوسی۔۔۔۔از شاہ ہلال احمد قادری (خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)۔۔۔۔۔مطبوعہ:
merikhanquah.blogspot.com/2015/04/shahmansoor.html?m=l

۷۔۔۔ سیرت پیر مجیب، ص: ۴۵۱، ۴۵۲-از شاہ ہلال احمد قادری (خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)

۸۔۔۔ سیرت پیر مجیب، ص: ۴۵۱، ۴۵۲-از شاہ ہلال احمد قادری (خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

خانقاہ مجیبیہ کی شام غم

صوبے کے ایک جلیل القدر عالم دین کی رحلت

● مولانا نورالحق رحمانی —— استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ پھلواری شریف

سال بھر کی مدت میں آسمان علم ومعرفت کے نہ جانے کتنے نجوم وکواکب نے داغ مفارقت دی اور اپنے رب حقیقی سے جا ملے اور علم دین، خدمت دین اور دعوت دین کے میدان میں ایک بڑا خلا چھوڑ گئے، انہیں بڑے علما اور برگزیدہ شخصیتوں میں ایک اہم شخصیت حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کی اقدار و روایات اور خصوصیات کے ترجمان تھے، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف کی سب سے قدیم اور مشہور خانقاہ ہے جو تاج العارفین حضرت مولانا سید شاہ پیر مجیب اللہ قادری کے اسم گرامی سے منسوب ہے، اس خانقاہ کا تزکیہ وسلوک، اصلاح وارشاد، روحانیت و معرفت اور علوم دینیہ کی نشر واشاعت میں بڑا اہم رول رہا ہے، مولانا موصوف اسی خانقاہ کے فرد فرید، رکن رکین، اس کی روایات وخصوصیات کے نمائندہ اور امین اور اسی خانوادۂ زینبی کے ممتاز چشم و چراغ تھے، انہوں نے اپنی حیات مستعار کے ترسٹھ سال علم دین، تدریس وتعلیم اور تصنیف وتالیف وغیرہ کے میدان میں گذارے۔

آج سے ایک صدی قبل جب حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے فکر وتحریک پر اس صوبہ میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا تو صوبہ کے عوام وخواص نے باتفاق رائے اس خانقاہ کے سابق سجادہ نشیں عالم ربانی حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کو پہلا امیر شریعت منتخب کیا، پھر ان کے وصال کے بعد ان کے بڑے اور منجھلے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری اور حضرت مولانا شاہ قمر الدین قادری رحمہما اللہ دوسرے اور تیسرے امیر شریعت منتخب ہوئے، آپ انہیں تیسرے امیر شریعت کے نواسے اور ان کے برادر گرامی حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حفید اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری علیہ الرحمہ کے برادر حضرت مولانا شاہ عین احمد قادری علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند تھے،

ان کی مکمل تعلیم وتربیت اسی خانقاہ اور اس کی قدیم دینی درس گاہ دارالعلوم مجیبیہ میں ہوئی، جو پچھلی کئی صدیوں سے تسلسل کے ساتھ نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

اس خانقاہ میں جن اکابر علما کی نگرانی وسرپرستی اور ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا، ان میں سرفہرست آپ کے جد امجد حضرت مولانا نظام الدین قادریؒ، آپ کے پیر ومرشد اور مربی حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادریؒ اور عم مکرم حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ کی ذات گرامی ہے، جن سے آپ نے بخاری شریف اور حدیث کی دوسری کتابیں پڑھیں اور اپنے خال مکرم حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادریؒ سے فقہ واصول فقہ اور دیگر کتابیں پڑھیں، بیس سال کی عمر یعنی ۱۹۷۷ء میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز اپنی مادر علمی دارالعلوم مجیبیہ میں درس وتدریس کے مبارک کام سے کیا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی غیر معمولی جدوجہد سے حدیث، تفسیر اور فقہ کی اونچی کتابیں پڑھانے لگے اور اس میدان میں کافی شہرت ومقبولیت حاصل کی، آپ کی تدریس کا زمانہ ۴۳ ربرسوں پر محیط ہے، جس میں آپ نے مدارس دینیہ کے نصاب کی اکثر کتابیں پڑھائیں، قابل ذکر بات یہ ہے کہ تدریس کے زمانہ میں انہوں نے حفظ قرآن کی تکمیل کی جو ان کی جاں گسل محنت و مشقت اور اللہ کی کتاب سے غیر معمولی ربط وتعلق اور عشق ومحبت کی دلیل ہے۔

حضرت مولانا شاہ رضوان اللہ صاحب قادریؒ سابق سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ کی وفات کے بعد تو خانقاہ میں ان کی حیثیت مرجع اور ذمہ دار اعلیٰ کی تھی، خانقاہ اور اس کے جملہ امور ومعاملات ان کی سرپرستی ونگرانی میں طے ہوتے تھے، موجودہ سجادہ نشیں حضرت مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری کے وہ خسر اور استاذ ومربی تھے، جن سے ان کو بڑی تقویت حاصل تھی۔

تدریس کے علاوہ مضمون نگاری، انشا پردازی، شعروشاعری، تصنیف وتالیف اور تقریر وخطابت کا بھی بہت اچھا ذوق تھا، خانقاہ کی علمی تقریبات، خصوصاً ربیع الاول کے موقع پر سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر ان کا خطاب بڑا پُر مغز اور بصیرت افروز ہوا کرتا تھا، اور جلسے جلوس، علمی محفلوں اور مختلف پروگراموں میں وہ خانقاہ کی نمائندگی فرماتے تھے اور موقع ومحل کی مناسبت سے بلیغ خطاب فرماتے تھے اور قوم کو قیمتی پیغام دیتے، پھلواری اور پٹنہ شہر کے متعدد علمی و دینی مجلسوں میں یہ عاجز بھی شریک ہوا اور ان کے خطاب سے استفادہ کا موقع ملا اور اہل مجلس کے طلب پر کبھی اس عاجز نے اپنے ٹوٹے پھوٹے انداز میں کچھ عرض کیا تو انہوں نے مخلصانہ طور پر ہمت افزائی فرمائی اور تحسینی کلمات کہے، خانقاہ کے ترجمان سہ ماہی ''المجیب'' میں کبھی کچھ لکھا تو اسے بھی سراہا، فجزاہ اللہ خیراً۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ ارباب خانقاہ جو لوگوں کی اصلاح وتربیت، تزکیہ نفس اور تطہیر باطن کا فریضہ انجام دیتے ہیں، وہاں نالۂ نیم شبی اور آہ سحرگاہی کا تو خاص اہتمام ہوتا ہے، مگر بحث ونظر اور تحقیق وتصنیف کی طرف ان کی توجہ کم ہوتی ہے،

وہاں ہاو ہو کی صدا تو بلند ہوتی ہے اور درس وتدریس کی مسند بھی سجتی ہے، لیکن بحث وتحقیق کی طرف ان کا رجحان ومیلان کم ہوتا ہے، لیکن الحمدللہ اس خانقاہ کے علما دونوں سلسلوں کے جامع رہے ہیں اور علم وتحقیق کے میدان میں بھی ان کے کارنامے قابل قدر وستائش ہیں، اسی طرح مولانا موصوف بھی اپنے اسلاف کرام کی طرح علم وتحقیق کے میدان کے بھی مرد مجاہد تھے، ان کے گہربار قلم سے سیکڑوں علمی مقالات ومضامین اور ایک درجن سے زائد معیاری کتابیں وجود میں آئیں، ان کی علمی وفکری نگارشات زیادہ تر خانقاہ کے ترجمان المجیب اور دیگر اخبارات ورسائل میں مسلسل شائع ہوتی رہی ہیں، چند سال قبل انہوں نے سفرحج سے واپسی کے بعد اپنے سفرحج کی روداد ''ایک بے مایہ کا سفرحج'' کے عنوان سے تحریر فرمائی تھی جو المجیب میں نو قسطوں میں شائع ہوئی، لوگوں نے اسے بہت پسند کیا، اس میں کئی بحثیں بہت نفیس تھیں، اس میں انہوں نے اپنا نام بھی نہیں دیا تھا، صرف ''رجل من المسلمین'' لکھا، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ وہ انہیں کا مضمون ہے، ایک ملاقات کے موقع پر میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ اگر اسے کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا جائے تو بہت بہتر ہو۔ ان کے انتقال کے بعد ادھر ہی کچھ پہلے الحمدللہ کتابی شکل میں اس کی اشاعت ہو چکی ہے، اس طرح اور بھی ان کے بہت سے قیمتی مقالات ہیں، ضرورت ہے کہ ان کا انتخاب بھی کتابی صورت میں شائع کیا جائے، تاکہ وہ محفوظ ہو جائیں اور ارباب علم کی آنکھوں کی سرمہ بنیں۔

اسی طرح کتابوں کی صورت میں انہوں نے جو امت کو تحفہ دیا ہے، وہ کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے لائق تحسین و قابل ستائش ہے، اللہ اسے ان کے لیے توشۂ آخرت بنائے، اور نئی نسل کو ان سے استفادہ کا موقع عطا فرمائے، ان کی شائع شدہ کتابوں میں ''سیرت پیر مجیب'' سب سے زیادہ قیمتی کتاب ہے جو درمیانی سائز کے تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، خانقاہ کے بانی کے حالات کتابی شکل میں مرتب نہیں تھے، ان کے حالات جستہ جستہ یہاں وہاں منتشر تھے، انہوں نے بڑے سلیقے سے انہیں یکجا کر دیا، اور خانقاہ پر جو قرض تھا اسے انہوں نے بہتر طور پر ادا کر دیا، فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اسی طرح ان کی دوسری اہم تصنیف اس خانقاہ کے سابق سجادہ نشین حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سوانح ہے، جو ان کے استاذ بھی ہیں اور مصلح ومربی بھی، ان کی تعلیم وتربیت میں ان کا بڑا اہم رول رہا ہے، اس طرح انہوں نے اپنے محسن ومربی اور پیر ومرشد کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے، حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی جیسے جلیل القدر عالم دین اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے اسلامی اسکالر کا اس پر مبسوط مقدمہ ہے، جس میں انہوں نے مصنف کی علمی کاوش کو سراہا ہے اور ان کے اسلوب نگارش کی بھی تحسین کی ہے۔

حضرت شاہ امان اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی سجادگی کا زمانہ طویل رہا ہے اور ان کی تربیت سے بہت سے افراد تیار ہوئے ہیں، ان میں سے اکثر انہیں کے ساختہ و پروردہ ہیں، حضرت شاہ صاحب پر ایک دوسری کتاب ''صحیفۂ امان'' کے نام سے ہے، جو مختلف اہل علم کے مضامین کا مجموعہ ہے۔

اسی طرح ان کی دوسری کتابوں میں: ''یزید حقائق کے آئینے میں''،''خانوادۂ سیدہ زینب، نغمات الانس فی مجالس القدس''، وغیرہ قیمتی کتابیں ہیں، رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں پر ان کا ایک مفصل مضمون ہے، جو المجیب میں قسط وار شائع ہوا ہے، ضرورت ہے کہ اسے بھی کتابی شکل میں شائع کیا جائے، یہ بھی بہت قیمتی تحریر ہے۔

اسی طرح ان کی ریڈیائی تقریریں بھی خاصی تعداد میں ہوں گی جو مختلف مناسبتوں سے ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوتی رہی ہیں، ضرورت ہے کہ انہیں بھی کتابی صورت میں یکجا کیا جائے۔

فقہ وفتاوی سے بھی انہیں اچھی مناسبت تھی اور وہ وقتاً فوقتاً خانقاہ کے دارالافتا سے فتاوی کا جواب بھی لکھتے رہے ہیں، اسی سلسلے کا ایک واقعہ یادگار کے طور پر میرے ذہن میں محفوظ ہے، واقعہ بائیس تیئس سال قبل کا ہے اور المعہد العالی کے قیام سے پہلے کا ہے، جب یہ عاجز امارت شرعیہ کے شعبۂ تربیت افتا وقضا میں مدرس تھا، تدریس کے بعد دارالافتا میں بیٹھ کر فتاوی کا جواب لکھتا تھا، عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے موقع پر اکثر علما گھر چلے گئے تھے، یہ عاجز بقرعید کی چھٹی میں یہیں تھا اور اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ دارالافتا میں بیٹھے اور جو لوگ قربانی وغیرہ سے متعلق فتویٰ پوچھنے کے لیے دارالافتا آئیں، انہیں زبانی یا تحریری جواب دیں، یا ٹیلی فون سے مسئلہ دریافت کریں تو اس کا جواب دیں، عام طور سے تو لوگ مشہور مسائل ہی دریافت کرتے، جس کے جواب کے لیے کتابوں کی مراجعت کی ضرورت نہ ہوتی، لیکن اتفاق سے ایک مسئلہ ایسا آیا جس میں اس عاجز کو کسی صاحب افتا سے مشورہ اور تبادلہ خیال کی ضرورت محسوس ہوئی، خیال آتا ہے کہ بیت المال میں بھائی عبدالسمیع صاحب کی ڈیوٹی تھی، پھر قربانی کے ذمہ دار بھی وہی تھے، میں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا تو بولے کہ اچھا میں دیکھتا ہوں، چنانچہ وہ امارت شرعیہ سے باہر نکلے ہی تھے کہ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد صاحبؒ سے ان کی ملاقات ہوگئی اور انہوں نے ان کے سامنے اس ضرورت کا تذکرہ کیا تو وہ سیدھے دارالافتا تشریف لائے، میں نے ان کے سامنے مسئلہ رکھا، فتاوی کے لیے بالعموم شامی، عالمگیری، بدائع الصنائع اور البحرالرائق وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، میں نے بھی یہی کتابیں دیکھی ہوں گی، لیکن مجھے صراحتاً وہ مسئلہ نہیں مل سکا تھا، انہوں نے الجوھرۃ النیرہ طلب کیا، میں نے کتاب ان کے حوالہ کی تو انہوں نے مختصر سے مطالعہ کے بعد وہ عبارت نکال کر میرے سامنے رکھ دی، جس میں اس مسئلے کا جواب تھا، اس بروقت رہنمائی پر میں ان کا بہت شکرگزار ہوا اور تصنیف وتحقیق کے ساتھ فقہ وفتاوی سے ان کی گہری مناسبت کا بھی علم ہوا۔

مولانا موصوف سے آخری ملاقات سال گزشتہ اسی ماہ میں لاک ڈاون سے کچھ قبل نیو پاٹلی پترا کالونی میں جناب پروفیسر محمد شفیع صاحب مرحوم سابق پروفیسر رانچی یونیورسٹی کے دولت کدہ پر ہوئی، جو میرے چچازاد بھائی اور ان کے بہنوئی کے رشتے میں تھے، اس لیے کہ پروفیسر صاحب کے خسر جناب جنید صاحب مرحوم رشتے میں ان کے چچا تھے، اس لیے پروفیسر صاحب سے ان کی بے تکلفی تھی، پروفیسر صاحب خاص موقعوں پر خصوصاً تقریبات میں خانقاہ حاضر ہوتے اور ان سے ملاقات ہوتی تو دیر

تک گفتگو ہوتی، پروفیسر صاحب مرحوم سے ان کے ربط وتعلق کی ایک اہم وجہ اس رشتہ کے علاوہ یہ بھی تھی کہ دونوں صاحب قلم تھے، تصنیف وتالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے، مولانا موصوف کی کتابیں تو ایک درجن سے متجاوز ہیں اور پروفیسر صاحب کی کتابیں بھی نصف درجن سے متجاوز ہیں اور ماشاء اللہ مشہور ومقبول ہیں، لیکن ان کا کام زیادہ تر انگریزی میں ہے، ان کی ایک کتاب اردو میں بھی ''زراعتی انکشافات'' کے نام سے ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی'' سے چھپی ہے اور انگریزی میں ان کی کئی ضخیم کتابیں ہیں، مقالات ومضامین ان کے علاوہ ہیں، رانچی یونیورسیٹی سے ریٹائر ہونے کے بعد تصنیف وتالیف کو ہی انہوں نے اپنا مشغلہ بنایا تھا اور تاوفات اسے انجام دیتے رہے یعنی تقریباً ۲۵؍سال تک ۔پروفیسر صاحب کا انتقال لاک ڈاون سے کچھ قبل ہوا، ان کے متعلقین نے مسجد میں ایصال ثواب کی مجلس رکھی تھی، دعا کے بعد ہم لوگ ان کے گھر آئے جو مسجد سے متصل دکھن جانب ہے، وہاں پروفیسر صاحب کے چھوٹے نسبتی بھائی جناب محمد زاہد صاحب سے ان کی ملاقات ہوگئی جو ان کے بچپن کے ساتھی اور دوست ہیں، وہ انہیں اپنے گھر لے گئے جو پروفیسر صاحب کے مکان سے بالکل متصل دکھن جانب ہے، وہاں سے واپسی کے بعد میں انہیں کے ہمراہ ان کی گاڑی سے پھلواری لوٹا اور تقریباً نصف گھنٹہ ان سے بات چیت کا موقع ملا، جو آخری گفتگو تھی، پھر ۱۱؍محرم ۱۴۴۲ھ کو طویل علالت کے بعد ان کا انتقال ہوا، پروفیسر شفیع صاحب کے گھر پر جو آخری نشست ہوئی، اس میں ان کے داماد انجینئر افروز صاحب برادرزادہ جناب شفیع مشہدی صاحب بھی موجود تھے، انہوں نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے میرا نکاح پڑھایا ہے، اب میری بیٹی بھی شادی کے مرحلہ میں ہے، میری خواہش ہے کہ آپ ان کا بھی نکاح پڑھائیں، مگر کسے خبر تھی کہ اس سے قبل ہی وہ ہم لوگوں سے جدا ہونے والے ہیں ۔

واقعہ یہ ہے مولانا موصوف جیسے عالم باعمل، بابصیرت اور صاحب کردار عالم دین کی وفات کا حادثہ نہ صرف خانقاہ مجیبیہ کا خسارہ ہے، بلکہ ہمارے علمی ودینی حلقوں کا بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا عظیم خسارہ ہے، اللہ رب العزت ان کی مخلصانہ علمی ودینی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور امت کو ان کا بہتر بدل عطا فرمائے ۔آمین!

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ
حیات وخدمات کا مختصر تعارف

● مولانا لطیف احمد سراجی قادری — کوثر اکیڈمی محلہ یحیٰ باغ، وارانسی

چہرہ گل خنداں کی طرح شاداب، آنکھیں نور سحر گاہی سے روشن، پلکیں دراز اور بھنویں محرابی، پیشانی سجدہ کے نور سے درخشاں، داڑھی سفید اور مفتیوں کے سکہ بند فقہی معیار کے بالکل مطابق، سفید داڑھی پر کتابی چہرہ جیسے چاندی کے رحل پر رکھا ہوا قرآن، سر پر سفید دو پلی ٹوپی جس پر ہلکی سی لکھنوی انداز کی دستکاری، جسم پر مخصوص وضع کا نفیس خانقاہی انگرکھا جو....ان پر خوب سجتا تھا، انگرکھے کی لمبان گھٹنے سے ذرا نیچے تک، پاجامہ عموماً چوڑی موری کا زیب تن کرتے تھے، رنگ گندم گوں، نہ بہت گورا نہ سیاہی مائل، پورا حلیہ نورانی دلکشی کا مرقع، لبوں پر پان کی ہلکی سی سرخی اور ان پر صبح بہار جیسا تبسم، آواز میں ایک سحر کار کھنک، سراپا علم، سراپا عمل، سراپا نشاط۔

نعم، وجدت فيه علما و عملا وحركة ونشاطا، والحركة تكون عمياء ان لم ترافقها المعرفة، والمعرفة تكون عقيما سقيما ان لم ترافقها العمل، والعمل اعظم مظهر من مظاهر العبادة، فما بقى بعدہٗ للمرء......

جانتے ہو یہ کون ہیں جن کے بارے میں یہ توصیفی کلمات لکھے جا رہے ہیں؟

یہ ہیں (خانوادۂ تاج العارفین حضرت اقدس پیر مجیب اللہ قادری قدس سرہ العزیز) خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے موجودہ گل سرسبد حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری جو اب مدظلہ العالی سے رحمۃ اللہ علیہ ہو چکے ہیں، یعنی اب اس دنیا میں نہیں رہے، ان کی روح رحمت الٰہی کے سایہ میں پہنچ چکی ہے، جو اچانک دنیائے فانی کو الوداع کہہ کر جوارِ رحمت الٰہی میں جا چکے ہیں، ان کی ناگہانی رحلت پر علم وتصوف کی دنیا کف افسوس مل رہی ہے، خویش واقارب ان کی ابدی جدائی پر غمزدہ ہیں، ان کی ایک

ایک ادا کو یاد کر کے آہیں بھر رہے ہیں، نڈھال والدہ آس لگائے بیٹھی ہیں کہ بابو آئے گا، زیب سجادہ مدظلہ العالی کی آنکھیں خشک اور لب تھرا رہے ہیں کہ اب ان آنکھوں سے ان کا دیدار نہیں ہو سکے گا اور نہ ان ہاتھوں کو بوسہ دے سکیں گے، جو انہیں بہت محبوب تھے، خانقاہ کے اکابر و اصاغر دم بخود ہیں کہ خانقاہ سونی ہوگئی، دارالعلوم مجیبیہ کے طلبہ و اساتذہ افسوس میں ہیں کہ اب ان کے لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی کون کرے گا؟ معتقدین، مریدین اور متوسلین آپس میں لگے مل مل کر ان کی ایک ایک بات اور ایک ایک ادا کو یاد کر رہے ہیں اور سرد آہیں بھر رہے ہیں، یہ آہیں، یہ کراہیں، یہ سسکیاں بالکل فطری ہیں، ایسا ہمیشہ ہوا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا، فطرت کے تقاضے کو دبانا دشوار ہے، جوش بیتابی کو مٹانا محال ہے، عقیدت و محبت کے دلی جذبات اشک رواں بن کر آنکھوں سے خود بخود جاری ہو جاتے ہیں، اس کا اظہار کبھی اشکبار آنکھوں سے ہوتا ہے تو کبھی لرزیدہ ہونٹوں سے، لوگ کہتے ہیں دل پر قابو رکھو، بالکل صحیح کہتے ہیں، لیکن اپنی محبوب شخصیت کے ذکر جمیل سے کون روکنے والا ہے؟ ان کے بارے میں اپنے قلبی تاثرات کا اظہار دل کھول کر کرو اور پیرایہ بدل بدل کر بار بار کرو، عرب کا بادیہ نشین شاعر بھی یہی کہتا ہے کہ محبوب کا ذکر مکرر کرو اور بار بار کرو، یہ نافۂ غزال کا مشک ہے، اسے جتنا رگڑو گے خوشبو اتنی ہی دور تک جائے گی۔

اعِد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ۞ ھو المسك ما کررته یتضوع

اگر حضرت مولانا شاہ ہلال احمد صاحب آپ کی محبوب ترین شخصیتوں میں ہیں تو ان کا ذکر خیر صبح و شام کیجئے اور بار بار کیجئے، محبت کا یہی تقاضا ہے اور محبت کرنے والوں کا یہی طریقہ ہے، رثائی ادب کا یہ کلاسیکی شعر ذہن میں رکھئے اور ملاحظہ کیجئے کہ سچے محبوب کا سچا عاشق محبت کا کیسا اچھوتا شعور رکھتا ہے۔

یذکرنی طلوع الشمس صخرا ۞ واذکرہ بکل غروب شمس

اگر حضرت مولانا سے جدائی کا غم ہلکان ہو رہا ہو تو ایک بات اور سن لیجئے جو بالکل حقیقت ہے، حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری صاحب ہمیں خیر باد کہہ کر اب جس حیات برزخی کی منزل میں داخل ہوئے ہیں، اس کے آگے دنیا کی حیات مستعار ہیچ ہے، وہ ہماری اس دنیا سے بہت اونچی اور بہت بڑی دنیا میں داخل ہو چکے ہیں، اس دنیا میں رہ کر ہم وہاں کی نعمت عظمیٰ کا صحیح تصور بھی نہیں کر سکتے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مشائخ کی روح مثالی سے استفادہ کی راہیں کبھی بند نہیں ہوتیں، دل اگر اپنی طلب میں سچا ہے تو اپنی متاع مطلوب تک پہنچ ہی جائے گا اور محبوب کی صورت مثالی جلوہ گر ہو کر سچے معتقد کی یقیناً راہ نمائی کرے گا، مجھے امید ہے کہ دیگر مشائخ عظام کی طرح حضرت مولانا شاہ ہلال احمد صاحب قادری سے بھی مریدین و مخلصین اور متوسلین و مسترشدین کے لیے استفادۂ باطنی کے دروازے کھلیں گے، ان کی روح مثالی سچے معتقدین کی راہ نمائی کرے گی، لیکن ایسے مثالی لقاءات اور برزخی مشاہدات کے لیے طالب کا دل زندہ ہونا چاہیے، بلکہ دل جاری ہونا چاہیے۔

مشائخ طریقت کی کتابوں میں اور ان کے ملفوظات کے مجموعوں میں برزخ شیخ کے ذریعہ شیخ سے باطنی استفادہ کے

طریقے تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، میری ان گناہ گار نگاہوں نے کئی ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے جنہیں بطریق اویسیت بزرگان سلف سے لقاء حاصل تھا اور وہ کھلی نگاہوں سے نہ صرف ان کا دیدار کرتے تھے، بلکہ ان سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے تھے، میری نظر میں کچھ ایسے برگزیدہ اشخاص بھی ہیں جو صاحب حضوری تھے اور مراقبات کے ذریعہ بارگاہ رسول انام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچ کر آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرتے تھے اور بسا اوقات آپ سے تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد صاحب قادری نور اللہ مرقدہ جس خانوادۂ عالیہ سے نسبی تعلق رکھتے تھے اسی میں کئی ایسے بزرگ گزرے ہیں جن کو اپنے شجرۂ سلسلہ کے بزرگوں کا برزخ عظیم حاصل تھا، صاحب النسبۃ الاویسیۃ حضرت اقدس مولانا محمد وارث رسول نما بنارسی قدس اللہ سرہ نہ صرف صاحب حضوری تھے، بلکہ اہل قلوب کو وہ رسول پاک ﷺ کی زیارت بھی کراتے تھے، اسی بنا پر انہیں مولانا رسول نما کہا جاتا ہے۔

اگر حضرت مولانا شاہ ہلال احمد صاحب قادری سے سچی عقیدت ومحبت ہے اور ان کی روح مثالی سے عمیق قلبی رابطہ ہے تو ان سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے، اکتساب فیض کا یہ طریقہ جماعت صوفیہ میں الحمد للہ آج بھی جاری ہے۔

یہ چند باتیں بے ساختہ نوک قلم پر آگئیں ورنہ ارادہ تھا کہ اپنے دیرینہ تعلقات کی بنا پر ان کے کچھ اوصاف حمیدہ کا ذکر کروں گا۔

کون نہیں جانتا کہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف ہندوستان کی ایک زندہ اور باوقار خانقاہ ہے، اس تاریخی خانقاہ سے متعدد صوفیائے کاملین اور علمائے ربانیین پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنے علمی وروحانی فیوضات سے ایک عالم کو مستفید کیا۔ الحمد للہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، اسی بافیض سلسلہ کی ایک کڑی حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ حضرت مولانا الحاج شاہ عین احمد صاحب قادری کے فرزند ارجمند اور حضرت اقدس مولانا سید شاہ محمد نظام الدین صاحب قادری قدس سرہ کے پوتے تھے، کم سنی ہی میں حضرت کے والد ماجد کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا تھا، جد امجد نے بیٹے کی طرح پالا پوسا اور بڑا کیا اور یتیمی کا ذرا سا بھی احساس نہ ہونے دیا، مکمل تعلیم وتربیت انہیں کی دیکھ ریکھ اور سایۂ عاطفت میں ہوئی، ابتدا سے آخر تک پوری تعلیم دار العلوم مجیبیہ میں ہوئی جو خالص خانقاہی درس گاہ ہے اور جہاں کی مسند درس پر بڑے بڑے اساطین علم وفضل اور مشائخ شریعت وطریقت نے بیٹھ کر قال اللہ و قال الرسول کی تعلیم دی ہے، یہاں آپ نے اپنے جد بزرگوار حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری، حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری اور حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری قدس اللہ اسرارہم سے کتب عالیہ کا درس لے کر سند فراغت حاصل کی۔

خانقاہ کے ان تین مرکزی بزرگوں کا تلمذ اور ان کی پرشفقت تعلیم وتربیت زر خالص کو کندن بنانے کے لیے کافی ہے، دورۂ حدیث تک کی مکمل تعلیم انہیں جید الاستعداد جامع شریعت وطریقت اساتذۂ کرام سے حاصل کی اور امان المستجیرین حضرت اقدس مولانا شاہ محمد امان اللہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا، جلد ہی انہوں نے تمام سلاسل خانوادۂ مجیبیہ میں خلافت دے کر مجاز منتخب کیا۔

اسی دوران میں آپ کا انتخاب دارالعلوم مجیبیہ میں درس وتدریس کے لیے ہوا، مسند درس پر بیٹھے تو آخر وقت تک بیٹھے ہی رہ گئے، سنا ہے کتب عالیہ کا درس بڑی عمدگی اور مہارت سے دیتے تھے، غبی سے غبی طالب علم کو بھی مشکل مباحث آسان لفظوں میں سمجھا دیتے تھے، ایسا درس وہی دے سکتا ہے جسے متعلقہ مباحث پر پورا عبور ہو اور ایک ہی بات کو پیرایہ بیان بدل بدل کر مختلف انداز سے سمجھانے کی صلاحیت ہو، ورنہ قدیم درس گاہوں میں مدرسین کی ثقیل وجزیل زبان سے سب واقف ہیں، بعض مدرسین کی اردو عربی سے بھی مشکل ہوتی ہے، بچوں کو ان کی زبان کیا خاک سمجھ میں آئے گی، ایک مدرس مولوی صاحب درس دے کر گھر جا رہے تھے، راستہ میں دیکھا کہ ایک کنجڑن کنارے بیٹھی تازہ تازہ امرود بیچ رہی ہے، لپک کر آگے گئے اور مدرسانہ انداز میں پوچھا ''او عجوزۂ نافرجام! تو ان کمثروں کی بیع کیلاً کرتی یا عدداً'' اس کے پلے کچھ نہیں پڑا، ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی اور کہا جیسے چاہیں دیکھ لیجئے، یہ خراب کام میں نہیں کرتی۔

عربی پڑھانے والے اکثر مدرسین کی اردو عرب سے بن کر آتی ہے اور فارسی کے راستے مدرسہ تک پہنچتی ہے، اگر مولانا شاہ ہلال احمد صاحب قادری خالص اردو زبان میں درس دیتے تھے اور آسان اسلوب میں باتوں کو سمجھاتے تھے تو بڑی بات ہے، آپ ایک زودنویس مصنف اور اچھے انشا پرداز تھے، وسیع النظر محقق اور صاحب درس عالم تھے، کامیاب مورخ اور سوانح نگار تھے، اردو فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے، اچھے منتظم اور معاشرتی امور کے ماہر تھے اور سب پر مستزاد یہ کہ ذکر وفکر صبح گاہی میں مشغول رہنے والے شیخ طریقت اور عارف حق آگاہ بھی تھے، اللہ نے آپ کی دعاؤں میں تاثیر رکھی تھی اس لیے مرجع خلائق بھی تھے، بنارس تشریف لاتے تو لوگوں کا ایک ہجوم ان سے دعائیں لینے کے لیے امڈ پڑتا تھا اور بقدر ظرف سب کو نوازتے تھے، کسی کو پڑھنے کے لیے کوئی ورد بتاتے، کسی کو تعویذ دیتے، کسی کو پانی پر کچھ دم کر کے دیتے کہ مریض کو پلا دو، یہ سب ان کی فیض بخشیوں کے طریقے تھے جو بزرگوں سے انہیں ملے تھے۔

ان کی جس بات نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا تھا، وہ ان کے اخلاق کی بلندی اور سیرت کی پاکیزگی تھی، میں نے ان کے اندر ذوق عبادت، خلوص وللہیت، عجز وانکساری، بے نفسی وخاکساری اور اخفاء حال دیکھا، اعجاب نفس، تقویٰ پسندی اور تمکنت سے وہ کوسوں دور تھے، پوری زندگی اتباع سنت اور جذبۂ عشق رسول (ﷺ) کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، محبت اہل بیت سے ہمیشہ سرشار رہتے، انہوں نے بڑے بزرگوں کی طویل صحبت پائی تھی، ان کے طریقۂ عبادت و بندگی اور طرز ریاضت کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور انہیں کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کئے تھے، ان کی شب وروز کی علمی وروحانی مجلسوں میں بیٹھ کر ان کے ملفوظات عالیہ کو اپنے کانوں سے سنا تھا، اس لیے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ان کے حقیقی محرم راز تھے۔

حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ملک و بیرون ملک کا انہوں نے خوب دورہ کیا، لمبے لمبے دعوتی سفر کئے اور جگہ جگہ علما وصوفیہ سے ملاقاتیں کیں، علم وعمل اور جہد مسلسل ان کی کتاب زندگی کے سب سے روشن ابواب تھے، مجھ

ناچیز کو بہت عزیز رکھتے تھے، بڑے تپاک اور خندہ پیشانی سے ملتے، ملتے ہی پوچھتے: آج کل کیا لکھ رہے ہیں؟ اور پھر گفتگو کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا، کھل کر سیر حاصل گفتگو کرتے۔

ایک مرتبہ ایمان ابو طالب پر بات ہونے لگی، اس موضوع پر میرا بالکل تازہ مطالعہ تھا، فوراً عرض کی: ان کے بارے میں ائمۂ اہل سنت کے تین اقوال ہیں: کفر، ایمان، سکوت، اور تینوں موقف کے وزنی دلائل ہیں، کہا: صحیح بخاری کی روایت میں اس بات کا ذکر ہے کہ آخری کلمات جو ابو طالب کی زبان پر وارد ہوئے، وہ یہ تھے: ''علی ملة عبد المطلب''۔ یعنی عبد المطلب کی ملت پر مر رہا ہوں، تعجب ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی وفات شرک پر ہوئی، وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے تمام اجداد موحد تھے، اس حدیث سے استدلال کرنے والوں کے لیے صرف دو آپشن ہیں، اگر وہ اس حدیث کی بنیاد پر حضرت ابو طالب کو مشرک کہتے ہیں تو حضرت عبد المطلب کو بھی مشرک کہیں اور اگر وہ عبد المطلب کو موحد کہتے ہیں تو انہیں ابو طالب کو بھی موحد کہنا پڑے گا، کیوں کہ حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت ابو طالب نے حضرت عبد المطلب کی ملت پر ہونے کی شہادت دی تھی۔

میں نے عرض کی: بے شک رسول اللہ ﷺ کے تمام اجداد موحد تھے، علما کہتے ہیں: بعثت رسول سے پہلے آدمی کے لیے موحد ہونا اس کی نجات کے لیے کافی ہے اور وہ ہرگز مشرک نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بعثت طیبہ کے بعد اقرار رسالت ضروری ہے صرف موحد ہونا کافی نہیں ہے، یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کفر ابی طالب کے قائل ہیں اور بات کسی قدر وزنی ہے۔

کہا: پھر ایمان ابی طالب کی مضبوط دلیل کیا ہے؟

میں نے عرض کی: اہل سنت کا ایک بڑا طبقہ اور تمام ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا موقف یہ ہے کہ حضرت ابو طالب ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے، ان کا استدلال کئی طریقہ سے ہے:

(۱) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ کی دعوت اسلام کے ساتھ ان کا رویہ مومنانہ اور مدافعانہ تھا، کافرانہ اور معاندانہ نہیں، ان کا رویہ ان کے اقرب الی الایمان کی دلیل ہے۔

(۲) انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں جو نعتیہ اشعار کہے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپ کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی طرح اللہ کا نبی مانتے تھے، ان اشعار سے براہ راست ان کا ایمان ثات ہوتا ہے، جیسے وہ فرماتے ہیں:

لیعلم خیار الناس ان محمدا ❁ نبی کموسیٰ والمسیح بن مریم

الم تعلموا انا وجدنا محمدا ❁ نبیا کموسیٰ خط فی اول الکتب

(۳) ابو طالب کی وصیت سے بھی اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ آپ اسلام پر تھے اور اپنے بعد اسلام کا فروغ چاہتے تھے، اسد الغابہ میں ہے:

"لما اشتد بابی طالب مرضه دعا بنی عبد المطلب فقال: انکم لن تزالوا بخیر ماسمعتم قول محمد واتبعتم امرہ فاتبعوہ وصدقوہ ترشدوا۔"

(۴) بخاری کی وہ روایت جو کفر ابی طالب کی بنیاد ہے، اس کے خلاف حضرت ابن عباسؓ سے کئی ایسی روایتیں مروی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب کو کلمہ توحید کی تلقین کی انہوں نے اسے پڑھ لیا اور اسے خود ابن عباسؓ نے سنا تھا، حضرت والد محترمؒ نے بھی اس روایت کو مناقب اہل بیت میں نقل کیا ہے۔

(۵) صحیحین کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ابوطالب کے حق میں میری شفاعت ان کو فائدہ پہنچائے گی، "لعله تنفعه شفاعتي"۔

امت کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کفار ومشرکین کے لیے نہیں ہوگی، نیز حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی حضرت ابوطالب کے لیے نرم گوشہ لئے ہوئے ہے، جب سرکار دوعالم ﷺ بذات خود حضرت ابوطالب کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں تو پھر ایک امتی کو کیا حق حاصل ہے کہ ان کے بارے میں سخت رویہ اختیار کرے۔

بڑے غور سے سننے کے بعد فرمایا: مگر مولانا احمد رضا خاں بریلوی خواجہ ابوطالب کے کفر کے قائل ہیں اور ان کے استاد حدیث علامہ سید احمد زینی دحلان کا ایمان ابی طالب پر ایک تحقیقی رسالہ ہے، کیا یہ رسالہ آپ کی نگاہ سے گزرا ہے؟ میں نے کہا: ہاں یہ رسالہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے اور میرے مطالعہ سے گزر چکا ہے، علامہ دحلان نے عدم ایمان کی روایتوں پر جو محدثانہ بحث کی ہے، وہ قابل غور اور لائق توجہ ہے، کہنے لگے: پڑھنا چاہتا ہوں، میں نے عرض کی: ان شاء اللہ زیراکس کاپی کسی کے ذریعہ بھیج دوں گا، بھیجنے میں ذرا تاخیر ہوگئی، کچھ دنوں بعد ایک آدمی کو یہ کہہ کر بھیجا کہ تم وہ رسالہ عاریۃً لے کر زیراکس کراؤ اور مجھے بھیج دو، وہ بے چارے تشریف لائے اور آپ کا پیغام پہنچایا، اتفاق سے میرے پاس اس کتاب کے جدید ایڈیشن کی PDF فائل موجود تھی، فوراً واٹس ایپ کے ذریعہ ارسال کر دی، بہت خوش ہوئے اور خصوصی دعاؤں سے نوازا۔

مجھ سے عمر میں خاصے بڑے تھے، علمی وروحانی اعتبار سے بھی وہ میرے بزرگوں میں تھے، مگر جب ملتے تو دوستوں کے انداز میں باتیں کرتے اور اپنی گل افشانی گفتار سے محفل کو زعفران زار بنا دیتے، ٹھونٹھ اور مقطع قسم کے لوگ انہیں پسند نہ تھے، ان کی خوش طبع باتوں میں بھی ایک علمی وقار ہوتا، شائستگی اور وضع داری کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

آخری ملاقات تقریباً ایک سال پہلے رات میں حضرت مولانا رسول نما رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر ہوئی تھی، سخت سردی پڑ رہی تھی، دن میں محلہ کے ایک عقیدت مند نے اطلاع دی کہ حضرت تشریف لائے ہیں، رات میں قیام رہے گا، صبح روانہ ہوجائیں گے، آپ کو سلام کہا ہے، دل میں ملاقات کا شوق پیدا ہوا، مگر کام کی مصروفیت زیادہ تھی، فارغ ہوتے ہی رات میں ملاقات کے لیے نکل پڑا، دیکھ کر بہت خوش ہوئے، مسالہ دار چائے بنوائی اور بقچہ سے ایک پوٹلی نکال کر سامنے رکھ دی جس

میں کھانے کی کئی چیزیں تھیں، کہا: جو پسند ہو کھائیے اور بے تکلفی سے کھائیے، آخر میں اپنے بٹوہ کا خاص پان عنایت فرمایا، حسب عادت فرمایا: آج کل کیا لکھ رہے ہیں؟ عرض کی: مناقب اہل بیت کا عربی اڈیشن تیار کر رہا ہوں، عربی ترجمہ کے ساتھ احادیث کی تخریج اور تعلیقات وحواشی کی وجہ سے کتاب تین گنا ضخیم ہوگئی ہے، امام حسن علیہ السلام کے فضائل ومناقب تک کا کام مکمل ہو چکا ہے، کہنے لگے: بڑے کام کا آغاز کیا ہے، آج کل میں بھی امام حسن علیہ السلام کی سیرت پر کچھ لکھ رہا ہوں، مگر آپ کی کتاب میرے مضمون سے...... ہوگی، میری گردن جھک گئی، عرض کی: دعا فرمائیں کہ جلد ہی کام مکمل ہو جائے، کہا: کتنے صفحے میں مکمل ہونے کا اندازہ ہے؟ میں نے کہا: کم از کم ۱۵۰۰ر صفحات، کہا: بہت خوب، اللہ تعالیٰ اشاعت کا بھی انتظام فرمائے۔

اس رات دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، پھر خود ہی کہا: سردی زیادہ ہے اور آپ کو دور جانا ہے، یوں ہی گفتگو ہوتی رہی تو ساری رات باتوں ہی باتوں میں کٹ جائے گی، اب آپ کی جیسی مرضی، میں سمجھ گیا اور اجازت لے کر گھر کے لیے روانہ ہوگیا، یہ آخری ملاقات تھی۔

میں نے المجیب کے ایک خصوصی شمارے میں لکھا تھا کہ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی علمی جامعیت و ہمہ گیری، فاضلانہ عبقریت اور اخلاق کریمانہ نے مجھ کم سواد کو ایک عرصہ سے اسیر کر رکھا ہے، وہ شریعت وطریقت دونوں کا اچھا علم رکھتے ہیں اور کار مشیخت کے ساتھ کار تدریس سے بھی وابستہ ہیں، اس لیے ان کے علم میں بڑی گہرائی اور پختگی ہے، میں یہ بات بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ مولانا شاہ ہلال احمد صاحب اس دور کے چند جید الاستعداد علما میں سے ہیں، ان کے اندر علمی پختگی بھی ہے اور مطالعہ کی وسعت بھی، اعلیٰ درجہ کی ذہانت و درّاکی بھی ہے اور استنباط واستخراج کا ملکہ بھی، ان کے فکر میں بلند پروازی بھی ہے اور تخیل کی وسعت وگہرائی بھی، وہ شہباز طریقت ومعرفت بھی ہیں اور واقف رموز طریقت بھی، وہ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہیں معلومات کا دریا بہا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی طرح انہیں تادیر تزکیۂ لوح وقلم کی سعادت عطا فرمائے— (سہ ماہی المجیب اردو زبان وادب میں خانقاہ مجیبیہ کی خدمات، خصوصی شمارہ جنوری تا دسمبر ۲۰۱۳ء)

اللہ نے ان کے وقت میں بڑی برکت دی تھی، بہت سارا کام تنہا کر لیتے تھے، وہ صحیح معنوں میں ایک مکمل انجمن تھے، وہ خانقاہ مجیبیہ کے لازمی جزو تھے، حضرت زیب سجادہ شاہ آیت اللہ صاحب قادری مدظلہ کی سب سے بڑی طاقت اور ان کے دست راست تھے، وہ خانقاہ کے ہر شعبہ سے وابستہ تھے، ہر تحریک ان کے دم سے تھی اور ہر شعبہ ان کا دست نگر تھا، دار العلوم کے تمام شعبوں کے نگراں اور شیخ الحدیث تھے، دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ کے روح رواں تھے، سہ ماہی المجیب کے ہر شمارے کے مضامین ان کی نظر سے گزرے بغیر شائع نہیں ہوتے تھے، وہ ایک متبحر عالم اور زبان و بیان کے رمز شناس ادیب تھے، مضامین المجیب کی نوک پلک وہی درست کرتے تھے۔

وہ ایک اچھے ناقد اور تبصرہ نگار بھی تھے، اہم کتابوں پر بے لاگ تبصرہ کرتے تھے، بنارس کے مشہور دانش ور اہل قلم

جناب شمیم طارق کی کتاب ’’تصوف اور بھکتی‘‘ ممبئی سے چھپ کر تبصرہ کے لیے المجیب کے دفتر میں آئی تو حضرت شاہ ہلال احمد صاحب قادری نے ۷ ؍صفحے کا جان دار تبصرہ لکھا اور کتاب کے حسن وقبح کو معتدل اور متوازن انداز میں بیان کیا، وہ لکھتے ہیں:

’’اس کتاب میں تصوف کے متعلق بے شمار مباحث ہیں اور بعض مشکل موضوعات پر بھی مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب مصنف کے کثرت مطالعہ اور ان کی دیدہ ریزی کا نتیجہ ہے، مصنف نے تصوف سے متعلق معترضین کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے اور مستشرقین کی تحقیقات پر بھی نظر رکھی ہے، بعض علماء تصوف مثلاً حضرت مجدد الف ثانی اور مرزا مظہر جان جاناں پر اعتراضات کا جائزہ لے کر ان کا دفاع کیا ہے، مصنف کی یہ کوشش سعید اور مستحسن ہے۔‘‘

ایک دوست سے عاریۃً لے کر میں نے بھی اس کتاب کا مطالعہ کیا، اس میں انہوں نے تصوف کی تاریخ لکھ کر اس کا تعارف کرایا ہے، کہیں تصوف اور صوفیہ کی طرف سے مخالفین کے الزامات کا دفاع کیا ہے اور کہیں مخالفین وناقدین تصوف کی تائید کی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے تصوف کا اچھا مطالعہ کر کے کتاب لکھی ہے، مگر حوالہ کی اصل کتابوں تک ان کی رسائی بہت کم ہوئی ہے، زیادہ تر انہوں نے ترجمے اور اقتباسات پر اعتماد کیا ہے، اس لیے کہیں کہیں انہوں نے ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو اصلیت کے خلاف ہیں، کچھ غلطیوں کی نشان دہی مولانا شاہ ہلال احمد صاحب نے کر دی ہے، مثلاً انہوں نے شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شہاب الدین مقتول کے درمیان فرق کو نہیں سمجھا، دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے اور قدوۃ العارفین شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی ابوحفص عمر بن محمد البکری السہروردیؒ (م ۶۳۲ھ) کے بارے میں انہوں نے وہ باتیں لکھ دی ہیں جو شہاب الدین یحییٰ بن حسن سہروردی مقتول (م ۵۸۷ھ) کی طرف منسوب ہیں، ایک اچھے اہل قلم سے ایسی غلطی باعث حیرت ہے، منکرین تصوف نے ناموں کی مماثلت سے دانستہ یہ حرکت کی ہے اور ان کی کتابیں پڑھ کر کئی اہل قلم ان کی باتوں کو نقل کر دیتے ہیں اور پھر وہ بات چل پڑتی ہے، محترم شمیم طارق اگر مولانا عبدالسلام ندوی کی کتاب حکماء اسلام پڑھ لیتے تو یہ غلطی نہ ہوتی۔

شاہ ہلال احمد صاحب مزید لکھتے ہیں:

مؤلف کتاب نے اپنے نتیجہ فکر کو بنیاد بنا کر صوفیوں کے شجرات طریقت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی غیر محتاط تحریر ہے، بعض شجروں میں ایسے بزرگوں کے نام ملتے ہیں جن کے درمیان زمانی فصل ہے لیکن ایسے لوگ کم ہیں اور مشائخ اس کو نسبت اویسی کہتے ہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے حدیث کی سند میں انقطاع ہوتا ہے، سند بیعت میں مشائخ ہرکس و ناکس کے انقطاع کو قبول نہیں کرتے۔ بہت مستند بزرگوں کے شجرے میں انقطاع ہو تو اس کو نسبت اویسی سے موسوم کر کے اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

مؤلف کتاب کے نقطۂ نظر سے اس سلسلے کو مندرس ہو جانا چاہئے، حضرت مجدد الف ثانی کے شجرۂ نقشبندیہ میں خواجہ ابوالحسن خرقانی اور حضرت بایزید بسطامی کے درمیان دو سو سال کا عصری اور زمانی فرق ہے، نہ صحبت ملی نہ بیعت ہوئی، مؤلف کے

نزدیک سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کو سوخت ہو جانا چاہیے جس طرح انہوں نے اس کتاب میں سلسلۂ مداریہ کے سوخت ہونے کا دعویٰ کیا ہے، مشائخ تو اس کو بطریق روحانیت درست مانتے ہیں، علامہ جامی نے نفحات میں شیخ ابوالحسن خرقانی کے متعلق لکھا ہے :

''وانتساب شیخ ابوالحسن در تصوف بہ سلطان العارفین شیخ ابویزید بسطامی قدس سرہ است، وتربیت ایشاں در سلوک از روحانیت شیخ ابویزیداست''—(نفحات فارسی، صفحہ : ۱۹۱)

مشائخ مجددیہ نقشبندیہ کا عظیم الشان سلسلہ اسی انقطاع والے شجرے کے ساتھ آج تک جاری ہے اور لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو کر مجددی نقشبندی کہلاتے ہیں، مولانا شاہ ہلال احمد صاحب فرماتے ہیں:

''مولف کتاب جناب شمیم طارق وہاں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں، جہاں اس کی گنجائش نہیں، اگر ان کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرلیا جائے تو سب سے زیادہ سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ مجروح ہوگا، کیوں کہ یہاں انقطاع ظاہری کے ناقابل تردید شواہد موجود ہیں۔''

کتاب میں حضرت شیخ اکبر کو کہیں ''ابن العربی'' اور کہیں ''ابن عربی'' لکھا گیا ہے، جب کہ شیخ ابوبکر ابن العربی صاحب ''العواصم والقواصم'' کو ''ابن العربی'' اور شیخ اکبر کو ''ابن عربی'' لکھا اور بولا جاتا ہے، مؤلف نے اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جب کہ تراجم کی تمام بڑی کتابوں میں شیخ اکبر کو ابن عربی لکھ کر یہ مرقوم ہوتا ہے: بدون الف واللام، وجہ اس کی یہ ہے۔

زبان یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم

اگر قلم کا رخ مولانا شاہ ہلال احمد صاحب مرحوم کی تالیفات کی روشنی میں ان کی شخصیت کا مطالعہ کرنے کی طرف کرتا ہوں تو مضمون خاصا طویل ہو جائے گا، اس لیے بس اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کو تصنیف وتالیف کا ذوق فطری تھا، آپ کی کتابوں میں علمی عمق، فکری بصیرت، محکم طرز استدلال اور ادبی دلکشی ہوتی تھی، کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، حضرت تاج العارفین، عمدۃ الواصلین، مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہ کی ضخیم سوانح حیات ''سیرت پیر مجیب'' اور ''سوانح حیات مولانا شاہ امان اللہ قادری'' شخصیت نگاری کے جدید فنی لوازمات سے مزین دو عظیم دستاویزی سندیں ہیں، آنے والی نسلیں انہیں ڈھونڈ کر پڑھیں گی اور تحقیقی مقالوں میں ریسرچرز ان کا حوالہ دیں گے۔

''سیرت پیر مجیب'' کو میں نے جا بجا سے پڑھا ہے، گراں قدر اور مایہ ناز کتاب ہے، حضرت تاج العارفین کے علمی و روحانی کمالات اور تزکیۂ نفوس کے طریقے کو بہترین انداز میں تحریر کیا گیا ہے، پوری کتاب نادر ونایاب کتب ورسائل اور قلمی نسخہ جات کا جامع مجموعہ اور واقعات وحالات کا دلچسپ مرقع ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی ان خدمات کو قبول فرمائے اور ان کی بہترین جزا عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

خانقاہ، دارالعلوم، دارالاشاعت اور سہ ماہی المجیب کے لیے

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کی خدمات

● مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی — استاذ دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

اگر کسی انسان میں خودنگری، خود گری اور خودگیری کی صفات پیدا ہو جائیں یعنی اس کو خودی کی معرفت حاصل ہوجائے، وہ خودکو مکمل طور پر پہچان لے، اسے اپنے گرد وپیش کی پوری جانکاری مل جائے، اپنے آپ کو ہر طرح سے لائق وفائق کرلے کہ دوسروں سے بے نیاز ہو کر خودکفیل زندگی کا مالک ہوجائے اور دوسروں کا محتاج ہونے کے بجائے لوگوں کی حاجت روائی اپنی حیات کا نصب العین بنالے تو وہ مر کر بھی نہیں مرتا ہے۔ اس کی عظمت، شہرت، کارنامے، اخلاق ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں، دنیا میں ہر جگہ اسی کے حسن عمل، حسن خلق، حسن سیرت کے تذکرے ہوا کرتے ہیں، جس طرح اس کی حیات میں ہوتے تھے۔ اس کی تائید عربی کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے:

لعمرك ماواری التراب فعاله
ولکنه واری ثیابا واعظما

ترجمہ : خدا کی قسم! مٹی اس کے کارناموں کو چھپا نہیں سکتی ہے، وہ تو فقط اس کے جسم اور کفن کو چھپاتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس کے اندر یہ تینوں صفات جمع ہو جاتی ہیں، اس کو خوف وخشیت الٰہی، تقویٰ وطہارت، تزکیہ وتصفیہ، رجوع وانابت الی اللہ، توکل وتبتل، ایثار ووفا، اخلاق ومروت اور تمام اوصاف وکمالات حمیدہ کی دولت سرمدی حاصل ہوجاتی ہے۔

ہمارے ممدوح مشفق ومحسن ومربی، عالم وعامل وصوفی، مفسر ومحدث وفقیہ، مصنف ومحقق ومفتی، خطیب وادیب ومدرس، آقائے نعمت عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمہ اللہ وغفرلہ وادخلہ الجنۃ واعلی مقامہ کی ذات مقدسہ میں مذکورہ تینوں اوصاف بہ تمام وکمال پائے جاتے تھے۔آپ خودنگر تھے، خودگر تھے اور خودگیر بھی تھے، آپ ان تینوں صفات کے جامع تھے اور آپ کی حیات مستعار مذکورہ اوصاف ثلاثہ کا مجموعہ تھی۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت مخدوم مکرم رحمۃ اللہ علیہ زہد وورع، امانت و دیانت، تواضع وانکساری، حلم وبردباری، رحم وکرم، خوش خلقی ووفاشعاری، قناعت وتوکل جیسی عظیم صفات میں یکتائے روزگار نظر آتے تھے۔آپ کی کتاب زندگی کا ہر باب روشن و تابناک تھا، چند خاص اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔

شفقت ومحبت :

حضرت رحمہ اللہ کی شفقتیں اور عنایتیں یاد آتی ہیں تو دل رو پڑتا ہے، آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں۔مجھ ناچیز پر حضرت کی بے شمار مہربانیاں ہیں، آپ نے مجھے خانقاہ عالم پناہ میں پناہ دلائی، اپنے سایہ رحمت وشفقت میں رکھا، میرے علمی وادبی اور دینی و دنیاوی امور میں بہترین رہنمائی فرمائی۔میری تحریر وتقریر میں جو بے اعتدالیاں تھیں، انہیں دور کرنے کی آپ نے بڑی کوشش کی، یہ اور بات ہے کہ میری کم علمی وکج فہمی کے باعث میری تقریر وتحریر میں اب بھی بے شمار کمیاں موجود ہیں۔ایمان و عقائد کے تزکیہ وتصفیہ میں بھی حضرت کا بڑا فضل رہا، خاص طور پر مجھ میں جو مسلکی بے راہ روی تھی، حضرت نے اس کا مکمل ازالہ فرمایا۔مزاج میں اعتدال وتوازن پیدا کیا، تعصب، بے جا تشدد، مسلکی اختلاف اور فتنہ وفساد کی ضلالت سے نکال کر ہدایت کی راہ دکھائی۔آپ کی صحبت بابرکت میں حاضری سے پہلے میرا وجود ایک پیتل کے مانند تھا، آپ کے فیض صحبت نے اسے کندن بنادیا۔

اخلاق حسنہ :

حضرت رحمہ اللہ کے حسن اخلاق سے ایک میں ہی نہیں، بلکہ ایک جہان متاثر رہا ہے، آپ سے ملنے والا شخص آپ کے حسن اخلاق کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔آپ کی خوش مزاجی، تبسم ریزی، مسحورکن ادا، ہنستا مسکراتا چہرہ، علمی وتحقیقی گفتگو، احترام اکابر، خوردنوازی، لطف وکرم اور شفقت ومحبت کا سارا زمانہ گواہ ہے، آپ کا دشمن جاں بھی آپ کے ان خصائل حمیدہ سے انکار نہیں کرسکتا۔ آپ نے ہمیشہ خوش خوئی کا مظاہرہ فرمایا، کبھی ترش وتندمزاجی اور غصہ کا اظہار نہیں ہوا، نامناسب اور ناگوار باتوں کا جواب بھی آپ ہنس کر ہی دیا کرتے تھے اور سامنے والے کو مسکراتے ہوئے ایسی بات کہہ دیتے، جس سے وہ ناراض ہونے کے بجائے خوش ہوجاتا۔دوسرے فکرواعتقاد کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ان سے نفرت نہیں کرتے، بلکہ ان کے لیے بھی سراپا اخلاق بن جاتے اور نہایت عاجزی وانکساری سے پیش آتے۔جب آپس میں بات چیت ہوتی تو اثنائے گفتگو اپنے مسحورکن انداز میں اپنا عقیدۂ حقہ بھی ثابت کرتے جاتے، دلائل دیتے اور مخالفین کے دلائل کا بہترین انداز میں رد بھی کرتے، مدمقابل آپ کی

باتوں کا ہرگز برا نہیں مانتا، حالاں کہ وہی بات دوسرے شخص کی زبان سے نکلتی تو غیظ وغضب کی انتہا ہو جاتی۔ حضرت رحمہ اللہ کا یہ انداز مجادلہ حکم خداوندی کی تعمیل کا آئینہ دار تھا، کیوں کہ اللہ رب العزۃ نے اپنے نیک بندوں اور دین کے مبلغین کو مجادلہ ومباحثہ کا احسن طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، کاش کہ حضرت رحمہ اللہ کی طرح ہم جیسوں میں بھی حسن خلق کی صفت پیدا ہو جاتی تو علما کے مابین منافرت کا وجود ہی ختم ہو جاتا اور اختلاف امت کی آتش سوزاں بھی کسی حد تک سرد پڑ جاتی۔

انداز تخاطب :

حضرت مخدوم گرامی رحمہ اللہ تعالی اپنے ملنے والوں سے کشادہ جبینی وفراخ دلی کے ساتھ ملتے، گرم جوشی اور مکمل توجہ کے ساتھ مخاطب ہوتے تھے۔ آپ کا یہ انداز تخاطب اور حسن سلوک فقط علما و دانشوران کے لیے نہیں تھا، ہر خاص و عام کے ساتھ آپ یہی سلوک کیا کرتے تھے۔ کسی کو آپ سے ملنے میں کوئی جھجک نہیں تھی اور نہ ہی کسی کو آپ کی صحبت میں اجنبیت کا احساس ہوتا تھا۔ آنے والا آپ کے فیضان صحبت سے مستفیض ہو کر آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور ہمیشہ کے لیے آپ کا ہو کر رہ جاتا تھا۔ علم و ادب، عرفان وتصوف کا سمندر ہوتے ہوئے بھی کسی پر اپنی علمی و ادبی صلاحیت کو ظاہر ہونے نہیں دیتے تھے۔ عالمانہ رعب اور ادیبانہ شان کا آپ نے کبھی اظہار نہیں کیا، ہمیشہ خاکساری کو اپنا لبادہ بنائے رہے، جو جس طبقہ و درجہ سے تعلق رکھتا، آپ اسی کے مزاج و استعداد کے مطابق باتیں کرتے تھے۔ کوئی اہل علم و دانش آپ کی محفل میں ہوتے تو آپ ان کے شایان شان علمی مباحث فرمایا کرتے اور علم وادب کے گوہر نایاب لٹاتے، کسی شیخ وصوفی کے ساتھ محو گفتگو ہوتے تو تصوف وسلوک کے آبدار موتی بکھیر دیتے، ڈاکٹر و انجینئر اور عصری علوم کے ماہرین کے ساتھ تشریف رکھتے تو ان کی فکر کے مطابق معلومات کے خزانے کھولتے جاتے تھے، جب کہ عوام الناس کے ساتھ ان کے معیار کی باتیں کرتے تھے، یعنی آپ کی خدمت فیض درجت میں باریاب ہونے والا اپنی وسعت اور ظرف کے مطابق فیضیاب ہو کر واپس ہوتا، کسی کو آپ کی گفتگو سے اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی تھی، آپ کی صحبت میں وقت کیسے گزر جاتا، اس کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔

خود اعتمادی :

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو شخص عہد طفولیت میں باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو جاتا ہے، وہ اپنی زندگی کے بہت سے فضائل وکمالات سے بھی محروم رہتا ہے اور اس کی زندگی ایک ناقص و نامکمل زندگی بن کر رہ جاتی ہے، وہ ہر قسم کے کمال وخوبی کے حصول میں دوسروں کا محتاج و دست نگر رہتا ہے، خود اعتمادی اس کے لیے خواب سی ہو جاتی ہے، مگر حضرت ممدوح گرامی علیہ الرحمہ کی زندگی عام زندگیوں سے مختلف تھی، آپ نے پانچ سال کی عمر میں یتیمی کا داغ اٹھایا، عادت کے مطابق آپ کی زندگی بھی ابتلا و آزمائش سے دو چار ہوئی، آپ کو بھی ان تمام مشکلات ومصائب کا سامنا ہوا جو دور یتیمی میں پیش آتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ آپ کے جد بزرگوار حضرت امام المتقین مولانا شاہ محمد نظام الدین قدس سرہ کی کفالت اور ان کی شفقت وسرپرستی نے آپ کو

کبھی یتیمی و بے مائیگی کا احساس نہیں ہونے دیا، بلکہ انہوں نے آپ کی زندگی کو نکھار کر ہر کمال وخوبی میں یکتا و بے مثال بنا دیا، مگر آپ نے خود بھی اپنی زندگی کے نکھارنے اور سنوارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، صبر وتحمل، محنت و جانفشانی اور اپنے جہد مسلسل سے ہر میدان عمل میں فوز وفلاح سے ہمکنار ہو کر خود اعتمادی کے انتہائے مقام پر فائز ہو گئے۔

وہ صاحب نظر جو دوسروں کو اپنی نظر کیمیا اثر کے ذریعہ مٹی سے سونا بنا دیں، خود کو کیا کیا نہ بنایا ہوگا؟ مگر ہماری ظاہر بیں نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ انہوں نے خود کو ایک عظیم عالم دین، محقق بے نظیر، ادیب شہیر، مفسر، محدث، فقیہ، مصنف، مؤلف، مدرس، صوفی، صافی، شیخ کامل، خطیب و واعظ سب کچھ بنا دیا، اپنے وجود کو اس طرح بنایا، سنوارا کہ آپ کا وجود باجود ہر کمال و وصف کا جامع اور تمام محاسن و مکارم کا پیکر عظیم قرار پایا۔ علمی، ادبی، تحقیقی، تصنیفی، تدریسی، تقریری، تحریری، دینی، ملی، قومی، سماجی، معاشرتی اور اقتصادی، ہر جہت سے آپ کی شخصیت ہمہ جہت اور کامل و مکمل شخصیت کے طور پر جانی، پہچانی اور مانی گئی، علمی و ادبی دنیا میں آپ کا لوہا مانا جاتا تھا۔ آپ تعمق و تبحر علمی، تفقہ فی الدین، عرفان وسلوک میں درک وکمال، جہد وعمل اور تصنیفی وتحقیقی خدمات کی وجہ سے ہر اس شخص کے لیے حرز جان تھے، جو دین اور علم دین کی کچھ رمق اپنے سینے میں پنہاں رکھتا ہے۔

سخاوت اور حاجت روائی :

آپ بڑے سخی اور فیاض تھے، کرم وسخاوت آپ کا خاص وصف تھا، داد و دہش آپ کی عادت تھی۔ غربا و مساکین اور بے بسوں کو آپ سے آس لگی رہتی تھی، آپ ان کے امداد وتعاون کا بھر پور خیال رکھتے تھے۔ اساتذہ، طلبہ اور دوست واحباب کے ساتھ ہمیشہ فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ سفر میں رفقائے سفر کا بھر پور خیال رکھتے، ان کے اخراجات کا بار زیادہ تر خود اٹھاتے۔ راقم الحروف کو آپ کے ساتھ سفر کا بارہا موقع ملا ہے، آپ نے کبھی کچھ خرچ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ آپ کا سفر کھاتے پیتے گزرتا تھا، پان دانی اپنے ساتھ رکھتے تھے، لمحہ بہ لمحہ خود بھی کھاتے اور مسافرین میں جو آپ کے آس پاس کی سیٹوں پر ہوتے، ان کو اپنے ہاتھوں سے بنا کر کھلاتے۔ لوگ آپ کی فیاضی اور دریا دلی کی وجہ سے آپ سے بے حد خوش ہوتے اور آپ سے خاص انس محسوس کرتے تھے، ان میں مسلم وغیر مسلم ہر مذہب وملت کے لوگ ہوتے اور وہ لوگ بھی جن کو علما و مشائخ سے کبھی سابقہ نہ پڑا ہو۔

حضرت علیہ الرحمہ کی سخاوت اور کرم نوازی عام تھی، اپنے اور بیگانے سب کی حاجت روائی کرتے اور ہر کسی کی مقصد برآری میں پیش پیش رہتے تھے۔

اخلاص وتواضع :

حضرت رحمہ اللہ کی ایک نمایاں خصوصیت اخلاص وتواضع تھی۔ آپ کی پوری زندگی اخلاص وللہیت سے عبارت تھی، آپ کی ہر ادا سے اخلاص جھلکتا تھا اور آپ کا یہ وصف فطری وطبعی تھا۔ خالق کے ساتھ بھی آپ کا معاملہ مخلصانہ تھا تو خلقت کے ساتھ

بھی آپ کا خالص برتاؤ تھا۔ ہر کسی کے ساتھ خلوص ومحبت سے پیش آتے تھے، جس کو ہر شخص محسوس کرتا تھا۔ آپ اپنے کسی عمل کا اظہار نہیں کرتے تھے، نہ اپنے کو کہیں نمایاں کرنے کی کوشش کرتے۔ آپ نے خانقاہ کی نمائندگی میں بڑے بڑے جلسے، کانفرنس، اور دینی، ملی، سماجی محافل ومجالس میں شرکت کی، مگر اپنی حیثیت کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ آپ تواضع وانکساری کی بہترین مثال تھے۔ آپ نے کبھی خود کو بڑا نہیں سمجھا اور نہ ہی آپ کے قول وفعل، کردار وعمل سے کبھی یہ ظاہر ہوا کہ آپ کوئی بڑے انسان ہیں، بلکہ آپ کے ہر عمل سے خود کو مٹانا ہی ظاہر ہوتا تھا۔

آپ نہایت سادگی پسند تھے، لباس معمولی اور رہن سہن بے تکلف تھا۔ آپ تواضع وانکساری اور اخلاص وسادگی کی ایک مثال تھے، حالانکہ آپ کے سامنے عیش وعشرت، حب جاہ، اور غرور وتمکنت کے بہت سے مواقع تھے۔ آپ ایک عظیم دینی وعلمی ادارہ کے ناظم اعلیٰ وشیخ الحدیث تھے، ایک عظیم عرفانی وروحانی خانقاہ کے فرد فرید تھے اور ایک معزز ومحتشم خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے آباواجداد پشتہا پشت سے علم وعرفان اور سیادت وقیادت کے اعلی مراتب پر فائز رہے ہیں۔ فی نفسہ آپ کی علمی جلالت اور عرفانی عظمت وشان بھی ہر طبقہ وجماعت اور مسلک ومذہب کے علما واکابر کے نزدیک مسلم تھی۔ اب جو شخص اتنا عظیم المرتبت اور ہر وصف وکمال میں انتہائی مقام پر فائز ہو، دنیاوی اعتبار سے اس کو فخر وغرور، کبر ونخوت اور عجب وخود پسندی کا کس قدر دلدادہ ہونا چاہئے تھا؟ مگر حضرت رحمہ اللہ کے حق میں پوری دنیا متفقہ شہادت دے گی کہ آپ تواضع وانکساری کی مثال، سادگی کا نمونہ اور حب جاہ سے کوسوں دور تھے اور دور سے بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ آپ کے اندر بڑا بننے کی کوئی خواہش ہے۔

آپ نے ریا ونمود اور شہرت ونام آوری سے خود کو ہمیشہ دور رکھا، نمود ونمائش، خود نمائی وخود ستائی سے آپ کو سخت تنفر تھا، اس پر آپ نے ایک طویل نظم بھی کہی ہے، ملاحظہ کریں:

نظم خود نمائی

عجب چیز ہے لذت خود نمائی ❁ گرفتار اس میں ہے ساری خدائی
نمود و نمایش کی سب کو تمنا ❁ سمجھتے ہیں سب اس میں اپنی بڑائی
جسے دیکھیے وہ ہے شہرت کا طالب ❁ دلوں میں یہ خواہش ہے سب کے سمائی
ہوں عالم کہ پیرانِ مسند نشیں ہوں ❁ نمایش کی دکان سب نے سجائی
مواعظ خطابت یہ پیری مریدی ❁ ملے گی انہی میں چھپی خود نمائی
یہ جُبَّہ یہ دستار و تسبیح و مسند ❁ یہ مال تجارت نہیں میرے بھائی
نمایش کی دنیا میں ان کو نہ لاؤ ❁ کہ ہے معتبر آخرت کی کمائی

جو شہرت کا طالب ہو دنیا میں اپنی ❁ ابھی اس میں باقی ہے خوئے گدائی
تصوف کی راہوں میں چلنا جو چاہیں ❁ نہیں ان کے شایان شاں خود ستائی
جو شہرت سے بچتے ہیں صوفی و عالم ❁ پہاڑ ان کی عظمت کے آگے ہے رائی
دکھاوے سے بچنا ہے توحید خالص ❁ ہے شرک خفی جس میں آئی ریائی
ہیں مقبول حق کو بس اعمال خالص ❁ نفاق عمل میں ہے از حد برائی
وسایل ہیں شہرت کے ہاتھوں میں سب کے ❁ موبایل نے کیسی کرامت دکھائی
دکھاوے سے اللہ محفوظ رکھے ❁ نہیں اس سے عقبیٰ میں کچھ بھی بھلائی
گرفتار حرص و ہوا ہوں، الٰہی ❁ کمند ہوا سے تو دیدے رہائی

ہلالؔ حزیں کچھ تو ضبط سخن کر
سنائی بھی تو نے تو کیسی سنائی

احترام اکابر وخورد نوازی :

حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ چھوٹے بڑے سب کی عزت کرتے تھے، سب سے خندہ پیشانی سے ملتے، گفتگو میں نرمی اختیار کرتے، جارحانہ انداز بالکل اختیار نہیں کرتے اور سب کے ساتھ محبت سے پیش آتے تھے، خاص طور سے علما و اہل علم کی بہت قدر کرتے تھے۔ آپ اپنے چھوٹوں سے بھی اسی طرح ملتے تھے جیسے بڑوں سے ملا جاتا ہے، میں خود اپنی مثال پیش کر رہا ہوں کہ ان کے سامنے میری کیا وقعت و بساط ہے؟ نہ عمر، نہ علم، نہ عمل کسی طرح بھی ان کی صف میں تو کجا؟ ان کی صف نعلین میں بھی کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہوں، کہاں میں ذرہ ناچیز اور کہاں وہ آفتاب عالم تاب؟ لیکن آپ کی خورد نوازی و ذرہ پروری تھی کہ مجھ جیسے نا اہل کو بھی کبھی نام لے کر نہیں پکارا، ہمیشہ مولانا یا مولوی صاحب کے الفاظ سے ہی یاد فرمایا، جب کبھی در دولت پناہ پر شرف باریابی کے لئے حاضر ہوا، بغیر خورد و نوش، خاطر تواضع کے واپس نہیں کیا، عزت سے اپنے پاس بٹھاتے اور نہایت لطف و کرم ارزاں فرماتے تھے۔

زاہدانہ زندگی :

حضرت مخدوم گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی خصوصیت ان کی درویشانہ اور زاہدانہ زندگی تھی۔ خودداری و خود اعتمادی اور توکل و قناعت آپ کا سرمایہ تھا۔ ہمیشہ اپنی تقدیر پر راضی رہتے، حرص و طمع سے دل خالی تھا، زہد و تقشف کی زندگی تھی، دولت و ثروت جمع کرنے کی فکر کبھی نہ ہوئی، سرکاری ملازمت سے بیزاری اختیار کی، درویشی کو گلے لگایا اور ایک کامل درویش بن کر دنیا

سے رخصت ہوئے۔جن لوگوں نے حضرت سے ملاقات کی ہوگی، ان کو ان کے سادہ لباس اور ان کے بے تکلف انداز و اطوار کا مشاہدہ تو ہوا ہی ہوگا، اس کے علاوہ جن حضرات نے ان کا گھر بالخصوص ان کا خاص کمرہ دیکھا ہوگا، وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ ان کا کمرہ اپنے معیار اور سہولت کے اعتبار سے کسی دینی مدرسہ کے ایک عام مدرس کے کمرے سے کسی طرح بھی بہتر نہیں تھا، جب کہ وہ چاہتے تو اپنے گھر مکان کو ہر قسم کی سہولت فراہم کر سکتے تھے اور عالیشان خوبصورت و بارونق مکان اپنے لئے تعمیر کر سکتے تھے، مگر آپ نے زاہدانہ و متوکلانہ زندگی اختیار فرمائی، نہ کبھی مکان و محل کی فکر لاحق ہوئی اور نہ ہی کبھی زراندوزی و سرمایہ کاری کا خیال دل میں آیا، آپ نے کئی سرکاری نوکریاں چھوڑ دیں، صرف اس لئے کہ دین کی خدمت نہیں ہو پائے گی۔

تبحر علمی :

حضرت کی علمی عظمت وفضیلت اوج ثریا سے بھی بلند تر تھی۔علم و ادب میں آپ کو جو مقام حاصل تھا، وہ چنندہ اور خاص بندگان خدا کو ہی ملا کرتا ہے۔علما و دانشوران آپ کے علم کا اعتراف کرتے تھے۔ بڑے بڑے علمی مسائل آنِ واحد میں حل کر دیتے، مغلق اور مشکل معاملات کی ایسی عقدہ کشائی کرتے کہ گویا کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔حافظہ قوی اور مضبوط تھا محسوس ہوتا

تھا کہ کتابیں پی گئے ہیں،طویل سے طویل عبارتیں نوک زبان پرتھیں،اسلاف متقدمین کے حالات ازبر تھے،تاریخ گوئی میں تو آپ کا جواب ہی نہ تھا،قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح میں بھی کمال ملکہ رکھتے تھے،فقہ وفقاہت میں اپنی مثال آپ تھے۔آپ کو اردو،فارسی،عربی،ہرسہ زبان پر یکساں عبور تھا،نحو وصرف،ادب وانشا،حکمت وکلام،فقہ واصول،تفسیر وحدیث،عروض و بلاغت اور دیگر متداول ومتدارج فنون پر کامل دسترس رکھتے تھے۔آپ کے ظاہر سے ایک معمولی عالم وصوفی کا علم ہوتا تھا،لیکن حقیقت میں آپ ادب وتحقیق کے بحر ناپیدا کنار اور دنیائے علم وعرفان کے بے تاج بادشاہ تھے۔

حضرت مخدوم گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی اوصاف وکمالات غیر متناہی اور لامحدود ہیں اور وہ میرا موضوع بھی نہیں، سر دست حضرت رحمہ اللہ کے ان مخصوص اور عظیم کارناموں کا ذکر کیا جارہا ہے جو میرا اصل عنوان ہے۔

خانقاہ مجیبیہ کی خدمات

حضرت مخدوم ذی وقار علیہ الرحمۃ والرضوان خانقاہ مجیبیہ کے ایک عظیم حساس اور فعال ومتحرک فرد تھے۔آپ کی پوری زندگی خانقاہ کے عروج وارتقا کے لیے وقف تھی۔آپ ہمیشہ اپنی ذات پر خانقاہ کو ترجیح دیتے رہے۔آپ خانقاہ کے فلاح و بہبود کے سامنے اپنی راحت وخوشی اور خواہشات ومرضیات کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے اور نہ ہی خانقاہ کے بغیر اپنی کوئی حیثیت سمجھتے تھے۔

خانقاہ کے لئے آپ کی بے لوث خدمات رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی۔آپ کی ذات خانقاہ کے لئے مغتنم ومفتخر تھی۔خانقاہ کے تمام امور میں آپ کا تعاون کارفرما تھا،خانقاہ کا ہر شعبہ آپ کا دست نگر تھا۔کس کا ذکر کیا جائے اور کس کو نظر انداز کیا جائے؟اس ناچیز نے آپ کی ذات میں خدمت خانقاہ اور اس کی ہمدردی کا جو جذبۂ بے کراں دیکھا ہے،اس کا بیان ناممکن ہے۔آپ کے وجود سے خانقاہ کی علمی وعرفانی شہرت میں اضافہ ہوا اور آپ کی برکت سے سلسلہ مجیبیہ کو کافی فروغ ملا۔

بیعت وارشاد :

حضرت رحمہ اللہ ایک عالی مرتبت شیخ تھے۔تصوف وعرفان میں آپ کو اعلی مقام حاصل تھا۔آپ اپنے پیر ومرشد امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ کے خلیفہ ومجاز تھے۔سلسلہ وارثیہ مجیبیہ کی تمام اجازتیں آپ کو حاصل تھیں اور آپ اپنے شیخ کی نیابت میں لوگوں کی بیعت لیتے تھے۔اپنے شیخ کے وصال کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری قدس سرہ کے عہد مبارک میں ان کی نیابت فرماتے رہے۔پھر عہد حاضر میں زیب سجادہ جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کی اجازت ونیابت میں خواہش مندوں کو سلک ارادت سے منسلک کرتے رہے۔

آپ نے ہندستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ پاکستان اور عرب کے متعدد مقامات پر سلسلے کی بے نظیر خدمات انجام دیں،نیز امریکہ اور بعض دیگر ممالک کے متوسلین ومعتقدین بھی بذرائع ابلاغ وترسیل آپ کی ذات منبع فیوض وبرکات

سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔آپ کی ذات سے عرب وعجم میں سلسلہ کا فروغ ہوا۔ ہزاروں طالبین ومسترشدین کو آپ کے ذریعے سلسلہ کا فیض پہنچا اور پیران سلاسل کی توجہات نصیب ہوئیں۔

آپ جس کی بیعت لیتے تھے،اس سے یہ بات ضرور ارشاد فرماتے کہ میں نے سلسلہ وارثیہ مجیبیہ میں آپ کی بیعت لی ہے،آپ کے پیر ومرشد خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری ہیں،آپ ان سے ملاقات کریں اور انہیں سے اپنے احوال وکیفیات بیان کریں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا فرمانا حقیقت میں ان کی فنائیت تھی اور سجادہ تاج العارفین مدظلہ العالی کے لئے آپ کی بہت بڑی قربانی تھی،ورنہ آپ اصالۃً ونیابۃً دونوں طرح سے بیعت لینے کے مستحق تھے۔آپ کے بالاصالۃ بیعت لینے میں کوئی مانع موجود نہیں تھا،بلکہ آپ خود بھی ایک ولی کامل تھے،علم وعمل،زہد وورع،تقوی وطہارت،تزکیہ وتصفیہ ہر اعتبار سے آپ کی ذات معروف ومشہور تھی اور آپ تصوف وعرفان ومشیخیت کے اوصاف سے بہ تمام وکمال متصف تھے۔

آپ نے پیری مریدی کو اپنے لئے ذریعہ معاش نہیں بنایا،ارادت کو تجارت نہیں سمجھا،نہ کبھی اشارۃً وکنایۃً نذرانے کا مطالبہ کیا اور نہ کبھی عقیدت مندوں کے درمیان امیر وغریب کا فرق وامتیاز روا رکھا۔آپ کی نظر عنایت سب پر یکساں تھی اور آپ سب کے حاجت روا تھے۔

نمائندگی:

خانقاہ مجیبیہ کی قدیم اور بنیادی روایات میں توکل وتبتل بھی ہے۔ یہاں کے صاحب سجادہ مسند سجادگی پر متمکن ہونے کے بعد ہمیشہ کے لئے معتکف ہوجاتے ہیں۔سوائے حج وعمرہ اور علاج وتعزیت کے کسی دوسرے مقصد کے لئے باہر نہیں جاتے ہیں،اس لئے خانقاہ سے باہر ملک یا بیرون ملک بیعت وارشاد،وعظ وخطابت اور تمام دینی ومذہبی،قومی وملی یا سماجی امور کی انجام دہی کے لئے آپ کی نیابت ونمائندگی میں خاندان کے دوسرے حضرات تشریف لے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی خانقاہ مجیبیہ کے ایک بہترین نمائندہ تھے۔ ہر موقع پر ملک و بیرون ملک آپ نے خانقاہ کی بے مثال نمائندگی کی۔جلسے،کانفرنس،سیمینار اور دینی وملی محافل ومجالس میں شرکت فرمائی اور اپنے اکابر واسلاف کے افکار ونظریات اور خانقاہ کے پیغامات کو عام کرکے خانقاہ کی ترجمانی کا حق ادا کردیا۔

آپ نے خانقاہی دعوت وتبلیغ کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی،خانقاہی پیغام کو آفاقیت اور ہمہ گیریت سے شاد کام کرانے میں آپ نے جو کردار ادا کیا ہے وہ جگ ظاہر ہے۔آپ ذاتی اغراض ومقاصد سے دور رہ کر خانقاہ کی نمائندگی فرماتے تھے۔آپ کا مقصد صرف اور صرف خلق خدا کے ساتھ ہمدردی،دین وشریعت کا تحفظ اور تصوف وطریقت کی اشاعت وترویج تھا۔آپ گمراہی میں ڈوبی انسانیت کو دین حق پر لانے اور ضلالت کی آندھیوں سے قندیل ربانی کی حفاظت کرنے کے لئے

ہمیشہ جدو جہد کرتے رہتے تھے۔اس راہ میں درپیش مصائب وآلام کی بالکل ہی پروانہ کرتے اور تمام رنج ومحن کو بہ رضاو رغبت برداشت کرتے تھے۔

خانقاہ کی نمائندگی کے لیے آپ کو طویل سے طویل سفر کرنا پڑتا تھا۔سفر کے اخراجات خود برداشت کرتے۔کسی سے مطالبہ نہیں کرتے تھے اور نہ کوئی فرمائش کرتے کہ میں بس سے نہیں ٹرین سے، یا ٹرین سے نہیں فلائٹ سے جاؤں گا، یا سلیپر میں نہیں اے سی میں جاؤں گا۔ ہاں اگر سردی یا گرمی زیادہ رہتی تو آپ کہہ دیتے کہ میں اے سی میں جاؤں گا اور کرایہ میں خود ادا کروں گا۔آپ کا یہ عمل علما ومشائخ اور مقررین حضرات کے لئے قابل تقلید ہے جو کرائے کے نام پر ہزاروں ہزار روپے کا بوجھ غریب مریدین اور کمزور عوام کو برداشت کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور دعویٰ دین وملت کی اشاعت کا کرتے ہیں۔حضرت رحمہ اللہ نے میرے قیام خانقاہ کے دوران جن مواقع پر خانقاہ کی نمائندگی فرمائی تھی، ان میں چند یہ ہیں۔

جلسہ تحفظ گنبد خضراء :

یکم ستمبر ۲۰۱۴ء کو سعودی عرب کے ایک یہودی صفت، عیسائی نواز مفتی علی بن عبد العزیز الشبل خذلہ اللہ نے حکومت سعودیہ کو مسجد نبوی کی توسیع کے لئے گنبد خضراء کو شہید کرنے اور روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو منہدم کر کے جسد اطہر کو جنت البقیع میں کسی نامعلوم جگہ منتقل کرنے کا ایک منصوبہ پیش کیا تھا جو ۶۱ رصفحات پر مشتمل تھا، جس پر عمل درآمد کے لئے سعودی حکومت نے عزم مصمم بھی کر لیا تھا۔اس خبر کو سب سے پہلے برطانیہ کا روزنامہ اینڈ پینڈنٹ نے شائع کیا تھا، پھر عربی و فارسی، اردو، انگریزی اور ہندی کے تمام اخباروں میں نمایاں طور پر یہ خبر شائع ہوئی اور پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی، جس کے نتیجے میں دنیا بھر کے مسلمانوں میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ ہر جگہ احتجاجات اور مظاہرے ہو رہے تھے۔اسی موقع پر پٹنہ کی تمام خانقاہوں اور دینی وملی تنظیموں کی شرکت میں ایک عظیم الشان اجلاس بنام ”جلسہ تحفظ گنبد خضراء و شعائر اللہ“ انجمن اسلامیہ ہال سبزی باغ میں منعقد ہوا تھا۔وہ تاریخ ساز جلسہ خانقاہ مجیبیہ، خانقاہ عمادیہ، خانقاہ منعمیہ اور ادارہ شرعیہ کی قیادت میں نہایت اعلی کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔اس وقت حضرت رحمہ اللہ کی سرگرمی قابل دیدنی تھی۔شب و روز کے اکثر لمحات اسی فکر میں صرف ہوتے۔اس سلسلے میں کئی میٹنگ بھی عمل میں آئی اور آپ ہر میٹنگ میں شریک رہے۔ ایک میٹنگ خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ میں بھی تھی، جہاں حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ ناچیز بھی شریک تھا۔

اس مثالی اجلاس کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں سنی شیعہ تمام مسالک ومکاتب کے علما اور ارباب علم و دانش شریک تھے۔سبھی خانقاہوں اور تنظیموں کے سجادہ نشین و ذمہ داران بذات خود موجود تھے، جب کہ خانقاہ عالم پناہ کی نمائندگی حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کر رہے تھے۔اس جلسہ میں مذکورہ بزرگوں کے علاوہ پٹنہ ضلع کے جید و نامور علما و مشائخ، اہل علم و دانشوران اور خواص وعوام کا ایک جم غفیر موجود تھا۔بیسیوں ہزار کا مجمع تھا جو سمندر کی طرح مواج ومتلاطم تھا۔

اس موقع پر آپ نے خانقاہ کی نمائندگی فرماتے ہوئے ایک یادگار اور کلیدی خطاب فرمایا تھا۔آپ کا خطاب خالص علمی و روحانی تھا۔قرآن و حدیث اور مستند دلائل سے آپ نے یہ بتایا تھا کہ سعودی حکومت کا ارادہ نہایت غلیظ و ناپاک ہے، گنبد خضرا کو شہید کرنے اور جسد اطہر کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا شریعت میں کوئی جواز نہیں ہے، بلکہ یہ شان رسالت میں انتہائی درجے کی بے ادبی و گستاخی اور بہت بڑی جسارت ہے۔لہٰذا ہم سعودی حکومت سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنا ارادہ تبدیل کر دے۔

اس موقع پر حضرت رحمہ اللہ نے ایک مختصر مگر نہایت جامع، مدلل اور بہت قیمتی و معلومات افزا تحریر بھی ارقام کی تھی جو اسٹیج پر موجود علما و مشائخ کے درمیان تقسیم کی گئی تھی۔تقریر کو بعینہٖ تحریر کرنا امر دشوار ہے، تحریر پیش کی جا رہی ہے، اس کی قدر و اہمیت کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں:

تحفظ روضۂ انور سے متعلق حکومت سعودیہ سے چند گذارشات :

حرم نبوی کی توسیع کے سلسلے میں، انہدام روضۂ انور، اور قبر شریف کی منتقلی کی خبر وحشت اثر سے مسلمانان عالم کے دل بے چین ہیں، اگر چہ اس خبر کی تردید بھی کی گئی ہے، لیکن وہ تردید اطمینان بخش نہیں ہے۔ماضی میں حکومت سعودیہ نے علماء اثری سلفی نجدی کے دباؤ میں آکر حرمین شریفین کے تمام مآثر و مقابر کو جس طرح منہدم کر کے مٹایا تھا، اس سے سخت اندیشہ ہے کہ آیندہ روضۂ انور کے ساتھ کیا کچھ کر ڈالیں، کیونکہ خوارج کی فتنہ انگیزی مختلف بلاد عربیہ میں بڑھتی جا رہی ہے، خصوصاً مملکت سعودیہ میں ان کا عمل دخل آج کل زیادہ ہو گیا ہے۔اس لئے ہم سعودی حکومت، بالخصوص خادم الحرمین الشریفین شاہ عبد اللہ بن عبد العزیز سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ روضۂ انور علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کی اسی طرح پاسداری و پاسبانی کرتے رہیں جس طرح ایک صدی سے ان کے آبا شاہان سعودی کرتے آئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے احترام و عظمت کے معاملے میں متشدد سلفی اثری نجدی خارجی علما کے گمراہ کن نظریات پر توجہ نہ دیں، اس خبر سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں سخت انتشار و اضطراب ہے۔جہاں تک ہمیں معلوم ہے ملک معظم شاہ عبد اللہ بن عبد العزیز، مسلک حنبلی کے مقلد ہیں اور یہی ان کا خاندانی مسلک ہے اور جو لوگ حرمین شریفین میں اپنے عقائد پھیلا رہے ہیں، ان کا تقلید ائمہ مجتہدین سے کوئی واسطہ نہیں ہے، وہ غیر مقلد ہیں اور اصلاً خوارج کا سا عقیدہ رکھتے ہیں۔

سعودیہ کے جس مفتی نے کئی صفحات پر مشتمل انہدام روضۂ انور کی تجویز، حکومت سعودی کو پیش کی ہے، اس مجوزہ فتوے کی ہم تمام مسلمان سخت تردید کرتے ہیں، وہ فتویٰ غلط ہی نہیں، انتہائی گمراہ کن ہے، اس سے نبی مکرم ﷺ کی تخفیف شان اور اہانت و بے حرمتی ہوتی ہے اور یہود و نصاریٰ و دیگر اعداء دین کی طرف سے اسلام، رسول اور کتاب و سنت کے استہزا کا موقع فراہم ہوتا ہے۔اس خبیث تجویز کی تردید کے ساتھ ہم اس کا غیر شرعی اور خلاف اسلام ہونا بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس خبیث وبدعقیدہ مفتی کی تجویز میں تینوں باتیں سخت قابل اعتراض ہیں ،ایک گنبد خضراء کا انہدام ۔دوسرے قبر شریف کھود کر جسد اطہر کو نکالنا۔تیسرے ایسی جگہ پر دفن کرنا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ رسول کہاں دفن ہیں ۔

احادیث وسیر سے واضح ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی کچھ خصوصیات ہیں جن میں امت کے افراد شریک نہیں ہیں ،ان تمام خصوصیات کو خصائص النبی ،کے عنوان سے محدثین نے جمع کر دیا ہے ۔مثلا ان خصائص میں ایک یہ بھی ہے کہ سید عالم ﷺ کو بعد وفات ان ہی کپڑوں میں غسل دیا گیا جو جسم شریف پر موجود تھے ،ابو داود کی روایت کے مطابق جب اہل بیت واصحاب کو تردد ہوا کہ جسم شریف سے قمیص اتاریں یا نہیں ،تو تمام لوگوں پر ایک نیند سی طاری ہوئی اور ایک آواز ملی کہ رسول اللہ کو انہی کپڑوں میں غسل دو ،کپڑے نہ اتارو ،چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا ،رسول اکرم ﷺ کی نماز جنازہ اس طرح نہیں پڑھی گئی جس طرح امت کے لئے حکم ہے ،روایات صحیحہ کے مطابق ،اصحاب باری باری حجرۂ مقدسہ میں داخل ہوتے اور درود وسلام پڑھ کر نکل آتے ،نہ کوئی امام ہوا نہ کوئی مقتدی ۔نبی اور امتی میں فرق اس سے زیادہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ،افسوس ان بدعقیدہ اور خبیث الفطرۃ لوگوں پر جو اس فرق کو سمجھنا نہیں چاہتے ۔آپ کی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ کی تدفین کا مرحلہ درپیش ہوا تو صحابہ کو تردد ہوا کہ کہاں تدفین کی جائے ،اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ نبی وہیں دفن کئے جاتے ہیں جہاں پر وفات پاتے ہیں ،ترمذی کی ہی دوسری روایت کے مطابق ،حضرت عمر نے جب پوچھا کہ کہاں تدفین ہوگی تو حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ نبی ،پاک ومطہر جگہ پر وفات پاتے ہیں اور وہیں ان کی تدفین ہوتی ہے ۔اس روایت سے تین باتیں واضح ہوئیں ۔

(۱) اپنی وفات کی جگہ پر تدفین ہونی رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہوئی اور یہ بات اللہ ورسول کی مرضی کے مطابق ہے ،کسی کو اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے ۔

(۲) آپ کی وفات بند کمرے میں ہوئی ،اس لئے یہ اللہ کی مرضی ہوئی کہ آپ کی تدفین چھت کے نیچے ہو کھلے آسمان کے نیچے نہ ہو ،اللہ چاہتا تو آپ کی وفات کھلی جگہ میں ہوتی اور وہیں آپ کی قبر شریف ہوتی ،اس سے معلوم ہوا کہ اللہ آپ کی قبر شریف کو افراد امت کی قبروں سے ممتاز رکھنا چاہتا ہے ۔اللہ تعالیٰ کی مرضی کیوں ہے کہ آپ کی قبر شریف علیحدہ ہو عام قبرستان میں نہ ہو؟ اس میں جو اسرار پوشیدہ ہیں وہ تو اللہ ہی جانتا ہے ۔ہم بظاہر جو سمجھ سکتے ہیں ،وہ یہ ہے کہ آپ کی قبر شریف ایسی جگہ پر نہ ہو کہ ہمہ وقت ہر کس وناکس کی نظر اس پر پڑتی رہے اور امت کے دلوں میں آپ کا احترام اور آپ کی عظمت کم ہو جائے ،کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے عظمت واحترام کا دلوں سے کم ہو جانا ایمان کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے اور یہ سبب بھی ہے کہ کھلی جگہ میں قبر شریف ہونے سے لوگ فرط عقیدت ومحبت میں آپ کی قبر شریف کو سجدے نہ کرنے لگیں ۔

(۳) تیسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوئی کہ آپ کی قبر شریف کا مسقف عمارت میں ہونا اللہ کی مرضی کے

مطابق ہے، اس لئے قبر شریف کی عمارت نئی تعمیر کر دی جائے تو یہ کام رضائے الٰہی کے خلاف نہیں ہوگا۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو عمارت پہلے سے بنی ہوئی ہو یا بعد میں نئی عمارت بنادی جائے تو دونوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے فائدہ اور نتیجہ ایک ہی رہے گا، قبر نبوی کا تحفظ اور احترام۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ قبروں کو پختہ کرنے کا مسئلہ علما کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، اگر امت کے بعض افراد اپنے بزرگوں کی قبروں کو پختہ کریں اور اس پر عمارت بنالیں تو ان کا یہ عمل ان کی تحقیق اور ان کے قیاس و دلائل کے مطابق ہوگا، اس کو مرضی الٰہی میں شمار نہیں کیا جائے گا لیکن قبر نبوی پر عمارت کا بنانا مرضی الٰہی کے مطابق ہوگا، اس لئے قبر نبوی کا مسئلہ، بناء علی القبور کے مسئلے سے الگ اور بالکل منفرد ہے۔ اب اگر کوئی جماعت یا کوئی حکومت اپنے قوت و اقتدار کا غلط فائدہ اٹھا کر روضۂ انور علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو توڑنا چاہے، تو اس کا یہ عمل غیر شرعی اور خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف ہوگا۔

اس تجویز کی دوسری شق کہ قبر شریف کھود کر جسد اطہر نکالا جائے، انتہائی خبیث اور حد درجہ شرمناک تجویز ہے، ایسی تجویز وہی دے سکتا ہے جو خود فطرۃً خبیث اور اللہ و رسول کا کھلا دشمن ہو، ایسی بات ایک مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔ قبر شریف کھودنے اور جسم شریف نکالنے کا کوئی شرعی جواز کہیں سے ثابت نہیں ہوتا اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ وہ جگہ اللہ و رسول کی پسندیدہ اور منتخب جگہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائق نہیں ہے اور یہ بات یاد رہے کہ قیامت میں اٹھائے جانے سے پہلے کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے زیبا کو نہیں دیکھ سکتا ہے اور نہ کوئی قبر شریف تک پہنچ سکتا ہے۔ وہ جگہ ملائکہ کی حفاظت میں ہے۔ سلطان نور الدین زنگی کے عہد میں، سرنگ کھود کر قبر شریف تک پہنچنے کی کوشش دو عیسائی کر رہے تھے، خواب میں سلطان کو زیارت ہوئی اور ارشاد ہوا مجھے ان دونوں سے بچاؤ۔ واقعہ مشہور ہے، وہ دونوں گرفتار ہوئے اور قتل کئے گئے۔ اللہ تعالی نے، قرآن کریم میں فرمادیا ہے: و الله يعصمك من الناس (اللہ آپ کو لوگوں سے بچا کر رکھے گا) یہ فیصلہ قیامت تک باقی رہے گا۔ قیامت کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اسی حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائیں گے، ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن سلام (جو پہلے یہودی تھے، بعد میں ایمان لائے) کی روایت ہے کہ توریت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدفون ہوں گے، ترمذی کی اس روایت کے راوی، ابو مودود بیان کرتے ہیں کہ حجرۂ شریفہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے، یعنی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے۔ اس لئے قبر شریف کا اپنی جگہ پر رہنا ضروری ہے۔

اس نامعقول تجویز کا آخری حصہ کہ قبر نبوی ایسی جگہ بنائی جائے کہ کسی کو وہ جگہ معلوم نہ ہو۔ کئی وجوہ سے قابل اعتراض ہے۔ اولاً یہ کہ اجماع صحابہ اور اجماع امت کے خلاف ہے کیونکہ حجرۂ مبارکہ میں تدفین پر تمام صحابہ کا اتفاق ہوگیا اور اس وقت سے لے کر اب تک امت مسلمہ کے تمام ارباب خیر و صلاح کا اتفاق ہے کہ قبر شریف وہیں پر ہے، وہیں پر رہنی چاہیے اور وہیں

پر رہے گی۔اجماع صحابہ اور تعامل امت کے خلاف جانا گمرہی ہے اور ایسا شخص فاسق ومبتدع ہے اور افتراق وانتشار امت کا سبب ہے۔ثانیاًیہ کہ قبر شریف کا وہاں سے منتقل کرنا،سید المرسلین اور امام الانبیاء کو افضل مقام سے ہٹا کر غیر افضل جگہ میں رکھنا ہے اور یہ مقام رسالت ونبوت کی کھلی توہین ہے۔ثالثاً،قبر منور کا گم شدہ اور لامعلوم ہونا،امت کے لئے اتنا بڑا خسارہ ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔امت مسلمہ اپنے نبی مکرم کے مزار مبارک کی زیارت سے محروم ہوجائے گی اور زیارت قبر شریف سے مستفید ہونے کی بے شمار احادیث ہیں،زیارت وسلام کا خود رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔چودہ سو سال سے صحابہ،تابعین، تبع تابعین،ائمۂ مجتہدین،فقہا ومحدثین،علما وصالحین،روضۂ انور پر حاضر ہوکر صلاۃ وسلام پیش کرتے رہے ہیں۔روضۂ انور پر حاضری اور سلام پیش کرنے کا چودہ سو سال سے جاری عمل،امت کے مسائل اتفاقی واجتماعی میں اتنا عظیم الشان اجماعی مسئلہ ہے کہ اس کی نظیر اصول دین کے علاوہ کہیں نہیں ملتی۔زیارت قبر شریف پر امت مسلمہ کا چودہ سو سالہ تعامل ایسا ہی ہے جیسا فرضیت نماز وروزہ پر ہے اور چودہ سو سال کے بعد خوارج کی ذہنیت رکھنے والا ایک شخص اس کو ختم کردینے کا فتویٰ دے رہا ہے۔کیا اس خبیث فتوے سے عام مسلمانان عالم کے علاوہ خیر القرون کے تمام اصحاب خیر کی تضلیل وتفسیق نہیں ہوتی؟ حکومت سعودیہ کو غور کرنا چاہیے کہ وہ فرقۂ ضالہ کی باتوں میں آکر کیا کرنے جارہی ہے۔خود شاہان مملکت سعودیہ سو سال سے روضۂ انور کی حفاظت وانتظام کی خدمات انجام دے کر ضلالت وگمرہی کی سرپرستی کرتے رہے ہیں؟ہم حکومت سعودیہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مسجد نبوی شریف کی توسیع میں روضۂ انور کی حفاظت وصیانت اسی طرح ملحوظ رکھے جس طرح قیام حکومت سعودیہ کے بعد سے شاہ فہد بن عبد العزیز تک ملحوظ رکھا گیا۔حکومت سعودیہ کے لئے یہ بات بڑے شرف اور فخر واعزاز کی ہے کہ اللہ نے اس کو بیت اللہ شریف اور روضۂ رسول کی خدمت وحفاظت کا امین بنایا ہے۔یہ دونوں عزیز الوجود اور عظیم البرکۃ مقام کسی شخص واحد اور کسی فرقۂ خاص کی ملکیت نہیں ہے،اس پر تمام مسلمانان عالم اور قائلین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا حق ہے اور اس سے مسلمانوں کے قلبی ودینی جذبات وابستہ ہیں۔ان سلفی واثری خوارج پر اگر حکومت سعودیہ نے قابو نہیں رکھا تو یہ حکومت کے لئے بھی خطرہ واقع ہوں گے،جو لوگ اپنے نبی کے وفادار نہیں ہوئے وہ کسی کے وفادار نہیں ہوسکتے۔مدینۂ طیبہ کی تمام خصوصیات وفضائل رسالت پناہی ﷺ کی وجہ سے ہے اور اس بلد مقدس سے مسلمانوں کے جذبات قلبی وروحانی،دینی وایمانی ان ہی نبی عربی مکی ومدنی ﷺ کے وجود مسعود کے سبب ہیں۔

وما حب الدیار شغفن قلبی

ولکن حب من سکن الدیار

والحمد للہ اولا وآخرا والصلاۃ والسلام علی نبینا خیر خلق اللہ،اللھم انصر من نصر دین سیدنا محمد ﷺ واجعلنا منھم واخذل من خذل دین سیدنا محمد ﷺ ولا تجعلنا منھم.

اس تحریر کا عربی میں ترجمہ بھی ہوا اور اس کی کاپی حکومت سعودیہ کو بھیجی گئی، عربی عبارت بھی ملاحظہ کریں:

بسم الله الرحمن الرحيم

المعروضات العديدة الى حكومة المملكة العربية السعودية لحماية الحجرة المنورة

خبر هدم القبة الخضراء ونقل قبره الشريف ﷺ لتوسعة الحرم النبوی الشريف لخبر مؤ لم لمسلمی العالم، مع انه قد صدر البيان عن النفی لهذا النبأ، ولكن النفی المذكور غير موثوق.

والجدير ان فی الاعوام الماضية قد قامت الحكومة السعودية بهدم الآثار و المقابر الموجودة فی ارض الحرمين الشريفين و ذلك بناء علی الضغوط والمطالبات من قبل العلماء الأثريين والسلفيين والنجديين. ولهذا من المحتمل ان يعملو المكروه ايضا للقبة الخضراء المنورة، لا ن فتن الخوارج الآن فی ازدياد مستمر فی البلاد العربية وخاصة فی المملكة العربية السعودية ازداد شرهم ونفوذهم فی هذه الايام. لذ لك نرجو من الله عز وجل ثم من حكومة المملكة العربية السعودية وعلی رأسها خادم الحرمين الشريفين الملك عبد الله بن عبد العزيز آل سعود حفظه الله، حماية الحجرة المنورة مع قبة الخضراء المباركة (علی صاحبها افضل الصلاة والسلام) كما عهدنا من عهد والده واخوانه الكرام منذ القرن الماضی. نرجو منه حفظه الله ان لا يلتفت الی المعتقدات الضالة لعلماء الخوارج المضلين الذين يسمون انفسهم بالسلفيين والأثريين والنجديين. ولا شك ان من خبر هدم القبة الخضراء والحجرة الشريفة المنورة، توجد الاضطرابات فی اوساط المسلمين كلهم فی العالم. كما فی علمنا ان خادم الحرمين الشريفين الملك عبد الله بن عبد العزيز آل سعود حفظه الله، حنبلی المذهب وهذا المذهب الفقهی هو مذهب أسرته حفظه الله عن الناس الذين يقومون بنشر معتقداتهم الضالة فی ارض الحرمين الشريفين، لا يقلدون الائمة المجتهدين الكرام رحمهم الله، ومعتقداتهم فی الاصل معتقدات الخوارج.

فالمفتی السعودی الذی قدم الی حكومة المملكة العربية السعودية آرائه المشتملة علی صفحات عديدة حول موضوع هدم القبة الخضراء وا لحجرة المنورة. فنحن المسلمون جميعا ضد الفتوی الضالة المذكورة لانها ليست صحيحة بل هی مضلة بلا شك، فيها عدم احترام رسول الله ﷺ واهانته، ولا شك تلك الفتوی تعطی الفرصة لليهود والنصاری واعداء الاسلام ان يستهزؤا. فمع المخالفة هذه الفتوی والقرار الباطل من الضروری ان نوضح بأن القرار غير شرعی ومخالف الاسلام. ان فی قرار المفتی الخبيث الضال فی العقيدة الامور الثلثة وكلها قابلة للانتقاد.

اولا: هدم القبة الخضراء.

ثانيا: اخراج جسده الشريف ﷺ بعد الحفر.

ثالثا : دفن جسده ﷺ فی مکان المجهول لکی لا یعلم احد این دفن الرسول علیه السلام.

علینا ان نعلم بانه یتبین من الاحادیث و کتب السیر بان رسول الله ﷺ متصف بالخصائص العدیدة اللاتی لا یتصف بها غیره ﷺ وقد قام المحدثون بجمع الخصائص تحت عنوان : خصائص النبی ﷺ.

و من خصائصه ﷺ : انه تم غسله ﷺ فی الملابس (الثیاب) التی کان الرسول ﷺ لابسا لدی (فی وقت) وفاته وقد روی ابو داوود : قالت عائشة رضی الله عنها ، لما ارادوا غسل النبی ﷺ قالوا ما ندری أنجرد رسول الله ﷺ من ثیابه کما نجرد موتانا ام نغسله و علیه ثیابا. فلما اختلفوا ، القی الله علیهم النوم حتی ما منهم رجل الا وذقنه فی صدره ، ثم کلمهم مکلم من ناحیة البیت لا یدرون من هو ان اغسلوا النبی ﷺ وعلیه ثیابه ، فقاموا الی رسول الله ﷺ فغسلوه و علیه قمیصه یصبون الماء فوق القمیص و یدلکونه بالقمیص دون ایدیهم.

وطبقا للروایات الصحیحة کان اصحابه یدخلون الحجرة الشریفة للصلوة علیه فرادی ،یصلون ویسلمون ویخرجون ،حیث لم یکن منهم اما ما ولا مقتدیا. الفرق بینه وبین امته ﷺ ابعد من السماء والارض ،اسفا علی خبثاء الفطرة ومخالفة المعتقدات الصحیحة الذین لا یریدون ان یعرفوا هذا الفرق.

ومن خصائصه ﷺ ایضا حینما سئل عن دفنه ﷺ فقال ابو بکر رضی الله عنه سمعت رسول الله ﷺ شیأ ما نسیته قال :ما قبض الله نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیه ، ادفنوه فی موضع فراشه. قال الشیخ الالبانی :صحیح روی الحدیث الامام الترمذی. و فی روایة اخری للترمذی ، سئل عمر رضی الله عنه این التدفین ؟ فقال ابو بکر رضی الله عنه : فی المکان الذی قبض روحه فان الله لم یقبض روحه الا فی مکان طیب. وتستخرج من الحدیثین المسائل الکثیرة ، منها :

(۱) الدفن فی مکان الوفاة من خصائص رسول الله ﷺ ، وهذا العمل مطابق لامر الله عز وجل و امر رسوله ﷺ ولا یجوز لاحد التدخل فی هذا الامر.

(۲) کانت وفاته ﷺ فی الحجرة ،و هذه من مشیة الله تعالی ، لکی یکون تدفینه تحت سقف لا تحت السماء، فعلم من هذ ابان الله یرید ان یمیز قبره الشریف عن قبور افراد امته ، وسبب هذا التمییز لا یعلم الاالله سبحانه وتعالی ، یمکن ان الله تعالی لا یرضی ان یری قبره الشریف کل فرد من افراد امته فیقل الاحترام وتقل عظمته ﷺ من قلوبهم وهذا الامر لایمانهم امر خطیر جدا

(۳) قد علم من الروایتین بان وجود قبره ﷺ فی البنیان تحت سقف طبقا لرضاء الله تعالی ، لذا تجدید بنیان قبره ﷺ لیس بامر مخالف لرضاء الله.

البند الثانی للقرار ، هو اخراج الجسد الاطهر بعد الحفر ، فالقرار فی منتهی الخباثة وعدم الحیاء ،

ولا یقرر مثل ھذا القرار الا الخبیث فی ذاته وعدو لله ورسوله ﷺ، ولا یمکن ابدا ان یفکر الانسان المسلم مثل ھذا لرسوله ونبیه حبیب الله وخیر خلقه ﷺ. لان حفر القبر واخراج الجسد الشریف لا جواز ولا ثبوت لھما فی الشریعة علما ان مکان القبر الشریف ھو من الامکنة المختارة والمحبوبة الی الله عز وجل ورسوله سید المرسلین ﷺ.

والجدیر بالذکر ان یعلم بان لا یمکن قبل یوم القیمة لاحد ان یری جمال وجھه ﷺ ولا یمکن لاحد ایضا ان یصل الی قبره الشریف لان ذلك المکان تحت حراسة الملائکة.

فی عھد السلطان نور الدین محمود الزنجی، کان الشخصان المسیحیان یحاولان الوصول الی القبر الشریف بعد حفر النفق، فتشرف السلطان نور الدین فی منامه برویته ﷺ قائلا: یا محمود انقذ نی منھما، فکانت النتیجة ان قبضا علیھما وقتلا، القصة معروفة ومشھورة ذکرھا السمھودی فی تاریخه مفصلا. قال جل وعلا فی شان حبیبه المصطفی ﷺ: والله یعصمك من الناس، (المائدہ) و سیبقی ھذا الحکم ان شاء الله تعلی الی یوم القیامة، یخرج رسول الله ﷺ الی الخارج من بقعته المنورة ھذہ یوم القیامة. وفی الترمذی روایة عن عبد الله بن سلام رضی الله عنه وکان عالما یھودیا ثم اسلم، انه قال: مکتوب فی التوراة صفة محمد وصفة عیسی بن مریم علیھما السلام یدفن معه. قال فقال ابو مودود: وقد کان فی البیت موضع قبر. واستنادا من حدیث عبد الله بن سلام انه من الضروری ان یبقی القبر الشریف الانور فی مکانه.

الجزء الاخیر للقرار الباطل، وھو ان یبنی القبر الشریف فی مکان مجھول حتی لا یعرف احد، قابل للنقد لعدة اسباب،

منھا:

(۱) خلاف لاجماع الصحابة رضی الله عنھم و اجماع المسلمین، لان اصحاب رسول الله ﷺ اجمعوا علی دفنه فی الحجرة المبارکة، ومن القرن الاول الی الآن اتفق جمیع اصحاب الخیر والصلاح من المسلمین علی ان القبر الشریف، یجب ان یکون فی الحجرة المبارکة زادھا الله شرفا و کرامة وصانھا من کل شر، والعمل ضد اجماع الصحابة وجمیع الامة، ضلالة وفاعله فاسق و مبتدع وایضا ھو سبب لافتراق الامة والانتشار بین المسلمین.

(۲) نقل قبرہ ﷺ من ھنا، معناہ نقل جسدہ ﷺ من المکان الافضل الی المکان الادنی وھذا العمل فیه الاھانة لمقام الرسالة والنبوة.

(۳) جعل قبرہ ﷺ کمفقود ومجھول خسارة عظیمة للمسلمین لا یمکن تلا فیه. وتحرم الامة المسلمة بزیارة مرقد نبیھا ومن زیارة قبرہ ﷺ وعن زیارة قبرہ ﷺ جائت الاحادیث والآثار وایضا قد امر النبی ﷺ بالصلاة والسلام والزیارة.

(۴) ومن الف واربع مأة سنة ، اصحاب رسول الله ﷺ والتابعون وتبع التابعين والائمة المجتهدين والفقهاء والمحدثون والعلماء والصالحون يحضرون الى الحجرة الشريفة المنورة ويصلون ويسلمون ، وهذاالعمل مستمر من الف واربعمأة سنة ولا يوجد نظير لمثل هذاالعمل ولا مثل هذاالاجماع فى صفحات التاريخ وان هذاالاجماع مثل اجماع الامة على فرضية الصلوة والصوم .وبعد مرور الف واربع مأة سنة ، شخص من حاملى افكار الخوارج يفتى لوقف هذاالعمل وبطلانه . اما يكون بهذاالفتوى الخبيثة تضليل وتفسيق اصحاب خير القرون وجميع المسلمين الى يومنا هذا ؟

على حكومة المملكة العربية السعودية ان تفكر ما ذا ستعمل هى بعد التأثر من بيانات الفرق الضالة .نرجو من الله سبحانه وتعالى ثم من حكومة المملكة السعودية ان تستمر الرعاية والحماية والصيانة للحجرة النبوية الشريفة مثل ما كانت منذ قيام الحكومة السعودية الى خادم الحرمين الشريفين الملك فهد بن عبد العزيز آل سعود رحمه الله .لا شك انه لشرف عظيم للمملكة العربية السعودية حيث ان الله اختارها لخدمة بيته وحرمه والمسجد النبوى وحجرة نبيه ﷺ وان هذ ان المقامان ذا بركات وعظمة ليستا لفرد من الافراد او لفرقة من الفرق بل لجميع المسلمين الناطقين كلمة "لا اله الا الله محمد رسول الله" وتتعلق بهما قلوب المسلمين . لو ما تمت سيطرة الحكومة السعودية على هؤلاء الاثريين والسلفيين الخوارج فيوشك ان يكونوا خطرا للحكومة ، من الناس الذين ليسوا اوفياء لنبيهم فكيف يمكن ان يكونوا الاوفياء لاحد.

ان جميع خصائص المدينة المنورة وفضائلهالاجل رسول الله الصادق الوعد الامين ﷺ ، ان عواطف المسلمين القلبية والروحانية والدينية والايمانية مع هذاالبلد لان رسول الله ﷺ من سكانه ، وقد صدق الشاعر :

وما حب الديار شغفن قلبى ولكن حب من سكن الديار

والحمد لله اولا وآخرا والصلاة والسلام على نبينا خير خلق الله ، اللهم انصر من نصر دين سيدنا محمد ﷺ واجعلنا منهم واخذل من خذل دين سيدنا محمد ﷺ ولا تجعلنا منهم .

تحفظ ختم نبوت کانفرنس پاکستان :

پاکستان کی معروف ومشہور علمی وعرفانی شخصیت حضرت سید شاہ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ گولڑہ شریف میں وہاں کے سجادہ نشین مولانا سید شاہ غلام نظام الدین صاحب کی تحریک اور ان کی سرپرستی میں ۲۷؍جنوری ۲۰۱۷ء کو رد قادیانیت پر ایک تاریخی اور عالمی جلسہ ’’تحفظ ختم نبوت کانفرنس‘‘ منعقد ہوا تھا، جس میں ہندوستان کی دو خانقاہوں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ اور خانقاہ حضرت شیخ العالم ردولی شریف یوپی۔ خانقاہ ردولی سے وہاں کے سجادہ نشین

حضرت مولانا شاہ عمار احمد احمدی نیر میاں اور خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ سے حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دونوں بزرگ بذریعہ ٹرین امرتسر کے راستے اسلام آباد اور وہاں سے گولڑہ شریف پہنچے، وہاں آپ حضرات کا پرزور استقبال ہوا۔

خانقاہ گولڑہ شریف اور خانقاہ مجیبیہ کے درمیان قدیم زمانے سے تعلقات رہے ہیں، ایک تو سلسلہ قمیصیہ کی وجہ سے کہ حضرت سید شاہ پیر مہر علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا قمیص قادری قدس سرہ کی اولاد امجاد میں آتے ہیں اور سلسلہ قمیصیہ حضرت مولانا سید شاہ محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہ کے واسطے سے حضرت سیدنا تاج العارفین قدس سرہ کو بھی پہنچا ہے، جس کا فیض خانقاہ مجیبیہ میں آج بھی جاری ہے اور دوسرے اس بنا پر کہ حضرت اقدس فیاض المسلمین مولانا سید شاہ محمد بدر الدین قادری قدس سرہ کی والدہ ماجدہ کا خاندان بھی قمیصی تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے گولڑہ شریف میں تین دن قیام فرمایا، اس درمیان وہاں کے صاحب سجادہ مولانا سید شاہ غلام نظام الدین جامی صاحب سے متعدد بار ملاقاتیں ہوئیں اور دیگر علما ومشائخ سے بھی خانقاہ کے رابطے استوار ہوئے۔ اسلام آباد یونیورسٹی کے اساتذہ وطلبہ کے درمیان حضرت رحمہ اللہ کا محاضرہ ہوا، مختلف موضوعات پر علمی وتحقیقی گفتگو ہوئی، تصوف و عرفان کی ضرورت واہمیت پر حضرت رحمہ اللہ نے نہایت قیمتی معلومات سے نوازا، سبھی حضرات آپ کی خوش خلقی وخوش گفتاری سے محظوظ ومستفیض ہوئے۔ تین دنوں کے قیام کے بعد حضرت رحمہ اللہ گولڑہ سے کراچی تشریف لے گئے، جہاں آپ کے بعض قریبی رشتے دار ومتعلقین کے علاوہ خانقاہ کے منتسبین ومتوسلین کی خاصی تعداد موجود ہے، وہاں المجیب ناظم آباد میں چند روز قیام کے بعد لاہور ہوتے ہوئے پٹنہ واپس ہوئے تھے۔

ورلڈ صوفی کانفرنس دہلی:

آل انڈیا علما ومشائخ بورڈ کے تشکیل کردہ ''ورلڈ صوفی فورم'' نئی دہلی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے پروگرام ''انٹرنیشنل صوفی سیمینار وکانفرنس'' منعقدہ مارچ ۲۰۱۶ء میں خانقاہ مجیبیہ کی نمائندگی بھی حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ آپ نے وہاں پڑھنے کے لئے ایک طویل مقالہ قلم بند فرمایا تھا۔ یہ مقالہ بھی نہایت وقیع، جامع، تحقیقی ومعلوماتی ہے اور تصوف وسلوک کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بڑا مفید ومعاون ہے۔ آپ کے مقالے کا عنوان ''تصوف موجودہ ہندوستانی ماحول میں امن عامہ کی ضمانت'' تھا۔ مقالہ مبسوط ہے، ہم یہاں اس کے چند اقتباسات پیش کریں گے۔

مضمون کی ابتدا میں بطور تمہید آپ نے حدیث شریف ''الدین النصیحۃ'' سے ثابت کیا ہے کہ دین اللہ و رسول، قرآن مجید، ائمۂ مسلمین وخلفائے راشدین اور ان کے طریقے پر چلنے والے عام مسلمانوں کے لئے نصیحت وخیر خواہی اور ان کے ساتھ حسن سلوک ومدارات کا نام ہے۔ دین کا یہی تصور تصوف وطریقت کا مقصد اصلی رہا ہے اور یہ تصور ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے، اگرچہ اس تصور کے حاملین کی تعداد کم سے کم رہی ہو، آپ رقم طراز ہیں:

’’دین کا یہ تصور، اہل تصوف کے یہاں ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے، تناسب کا فرق ہوسکتا ہے کہ کسی دور میں مشائخ کی بڑی تعداد اس پر عامل رہی ہو اور کسی زمانے میں کم لوگ دین کے اس وسیع تر تصور کے ساتھ دنیا میں موجود ہوں، اس قحط الرجال کے دور میں بھی دنیا کا ابتر حال دیکھ کر یہ فیصلہ کرنے والے کر سکتے ہیں کہ دین اور دین کا یہ وسیع عملی اور اخلاقی پہلو باقی نہیں رہا ’’اسلام در کتاب و مسلمانی در گور‘‘ لیکن ہمارے اس زمانے میں بھی یہ فیصلہ کرنا درست نہیں ہوگا، کیوں کہ ایسے افراد ابھی موجود ہیں، اگر چہ ان کا وجود کبریت احمر ہو۔ ضرورت ان کے سامنے آنے کی ہے، ایسے خاص لوگوں کے پردہ خفا میں ہونے کی وجہ کسی دانشور کے اس حکیمانہ قول سے سمجھی جا سکتی ہے کہ ’’جب کھوٹے سکے بازار میں آجاتے ہیں تو اصلی سکے خود بخود انڈر گراؤنڈ ہو جاتے ہیں‘‘۔ حب جاہ اور شہرت و نام کی طلب جب پڑھنے لگی اور دنیادار لوگ لباس درویشی اور لباس مشیخیت میں دینی اور روحانی قائد بن کر سامنے آگئے تو اللہ کے مخلص بندے دین کی رسوائی اور طلب حق میں کساد بازاری دیکھ کر اپنی دوائے دل کی دکان لے کر کنارے ہو گئے، خلق خدا سے ان کا یہ گریز اپنے دین کے تحفظ میں تھا۔

اہل تصوف نے حدیث شریف کے اس بلیغ جملے ’’نصح مسلمین‘‘ سے ہی ’’الخلق عیال اللّٰہ‘‘ کا نقطہ سمجھا اور اسی کو انہوں نے دین کی تشریح و تفہیم اور علوم نبوت (طریقت) کے لیے رابطہ اور ذریعہ بنایا۔ اس نکتہ کو انہوں نے اپنی خانقاہوں اور روحانی مرکزوں میں اساسی اہمیت دی، اللہ کے بندوں کو اللہ سے قریب کرنے اور ان کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے ان کا یہ اصول و دستور نہایت کارگر اور مفید ثابت ہوا۔ ہندوستان جیسے مختلف النوع تہذیب وثقافت اور مذہب و ملت والے ملک میں اپنے وجود کی بقا اور اپنے دین کے تحفظ کے ساتھ دین حق کی اشاعت کے لئے اس سے بہتر طریقہ کوئی دوسرا نہ تھا، یہ تصوف کا وہ نظریہ ہے جو عالمگیر اور جہاں کشا ثابت ہوا، ان صوفیا کی خدمت میں حاضر ہونے والے غیر مسلمین اگر قبول اسلام سے مشرف نہ بھی ہوتے تو انسانیت کی بنیاد پر اخوت و بھائی چارہ کا پیغام لے کر جاتے تھے، دین و مذہب کے بنیادی فرق کے باوجود ان غیر مسلموں کو خانقاہوں میں جو ہمدردی اور توجہ ملتی تھی، وہ ان کے دلوں سے نفرت کو دور کر کے اپنائیت اور یگانگت پیدا کرتی تھی۔ تصوف میں ریا نہیں ہے اور ریا کرنے والا پیر صاحب تو بن سکتا ہے، صوفی نہیں ہوسکتا۔ نام و نمود اور طلب شہرت سے تصوف حقیقی کو بیر ہے، ریا شریعت تصوف میں شرک خفی ہے، اس لیے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ صوفیہ صافیہ نے ’’الخلق عیال اللّٰہ‘‘ کے نظریے کو کسی دنیوی مقصد سے اختیار کیا تھا۔ ان کے پیش نظر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت تھی، اللہ کے بندوں سے ان کا تعلق محض اللہ کی محبت میں تھا، ان کے سامنے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم تھی، امت اجابت ہو یا امت دعوت، ان کو ان دونوں ہی کے درمیان رہ کر کام کرنا تھا۔ وہ امت دعوت تک پیام رسالت پہنچانا چاہتے تھے اور امت اجابت کی اصلاح نفس کے متمنی تھے، اخلاق ظاہر اور مدارات میں دونوں کے ساتھ یکسانیت، ان کی عالمی تحریک، اصلاح بندگان حق تعالیٰ کے لئے

ضرورت ومصلحت کے مطابق تھی،تفریق بین ہذین الامتین،ان کے مشن کے لئے مضرتھی،جس کے لئے وہ بوریائے فقرو توکل بچھا کراور قبائے زہدوقناعت پہن کر بیٹھے تھے‘‘۔

تصوف کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’تصوف فقط ایک نظریہ نہیں،بلکہ ایک تحریک ہے،یہ تحریک کسی دور میں اپنے عالی مرتبت حاملین کی وجہ سے ہی فعال رہی ہے کہ ہندوستان میں آج اسلام اور شعائر اسلام ان ہی کی وجہ سے نظر آرہے ہیں،ربع مسکون میں اسلام کی اشاعت اہل تصوف کے ذریعہ ہی ہوئی ہے اوراس بات میں کوئی دورائے نہیں ہے‘‘۔

پھر جوتصوف اللہ ورسول کومطلوب ہے اور جس تصوف کی دنیا کو ضرورت ہے،اس کے لئے آپ نے سات چیزوں کا ذکرفرمایاہے،جن کے بغیر آدمی کچھ اور تو بن سکتا ہے مگر صوفی نہیں بن سکتا،آپ تحریرفرماتے ہیں:

’’.......یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب تصوف کے عملی اوراخلاقی پہلو کو پوری قوت کے ساتھ فعال کیا جائے،اس کے لئے ضرورت ہے ان چیزوں کی:

(۱) حاملین تصوف اپنے اندرزہد کی صفت پیدا کریں،تصوف میں زہد کی بڑی اہمیت ہے بلکہ یہ تصوف میں رکن اعظم کی حیثیت رکھتا ہے،جنید وشبلی جیسے زہد کی توقع اس مادہ پرست دور میں نہیں کی جاسکتی،لیکن زندگی میں سادگی لائی جاسکتی ہے،کسی حدتک اختیاری فقر کانمونہ عوام کے سامنے ہوناضروری ہے،یہی زہدتصوف میں ترک دنیا کہا جاتا ہے۔

(۲) تصوف اخلاص پرزوردیتا ہے،جب دین ودنیا کے تمام کاموں میں اخلاص نہ ہوعنداللہ قابل قبول نہیں، جوکام آخرت کے لئے فائدہ مند نہ ہو دنیا میں بھی اس سے افادیت کی توقع نہیں رکھی جاسکتی ہے،عصرحاضر میں تصوف سے اخلاص رخصت ہوتا جارہا ہے اورصورت حال مایوس کن ہورہی ہے،روحانی تربیت گاہوں سے جوکام ہووہ اپنی تشہیر کے لئے نہ ہو،اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ہو،.......ایک صوفی کسی حق بات کے اظہار سے صرف اس لئے خوف زدہ ہوکہ اس پرارباب افتا کے فتاوے نازل ہوجائیں گے،اس کے معتقدین کا حلقہ متاثر ہوگا،اس کی پیری مریدی کساد بازاری کا شکارہوجائے گی،دولت وشہرت اس سے آنکھیں پھیرلے گی،ان کی خطابت کی شعلہ نوائی بجھ کررہ جائے گی،اس لئے مصلحت کاتقاضا خاموش رہنا ہے تووہ صوفی ہی کہاں رہا؟

(۳) تصوف عملی چیز ہے،اس میں قیل وقال سے زیادہ کیف وحال کی اہمیت ہے اور ماضی میں اسی طریقہ تصوف نے لوگوں کو متاثر کیا ہے،اخلاقی اورروحانی تربیت کے لئے خود کاباعمل ہوناضروری ہے،ورنہ پندونصائح کا وہی حال ہوگا جو اس زمانے میں پرجوش تقریروں کا ہوتا ہے،پوری رات گزرجاتی ہے تقریر دل پذیر سنتے ہوئے، کوئی سامع گناہوں سے تائب نہیں ہوتا،قول بے عمل کی خرابی کتاب وسنت سے واضح ہے۔

(۴) تصوف کا ایک اہم شعبہ بندگان خدا کے ساتھ خیر خواہی ہے،ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا، زخمی دلوں پر مرہم رکھنا، معاشرے کے ستائے ہوئے اور ٹھکرائے ہوئے لوگوں کے دل ہاتھ میں لینا۔

(۵) اس وقت پوری دنیا دولت واقتدار کی ہوس میں برسرپیکار ہے، چھوٹے سے چھوٹا اختلاف ہو یا بڑے سے بڑا، سب کے پس منظر میں دنیا کی طمع ہے، منصب و جاہ کی طلب ہے، ہندوستان کے علمی، روحانی اور سیاسی حلقے کی صورت حال بھی ایسی ہی ہے، ایسے حالات میں تصوف وہی تعلیم دیتا ہے جو قرآن نے دی ہے کہ متاع دنیا قلیل ہے اور اہل تقوی کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔

(۶) فتووں کی گرم بازاری، تصوف کے موقف اور تصوف کے ذریعے دین حنیف کی اشاعت میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، ارباب تصوف کو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کلمہ طیبہ کس حد تک ایمان کے لئے قابل قبول ہے؟ ایمانیات کے اقرار لسانی اور اسلام کے ارکان خمسہ پر عمل کرنے کے بعد بھی کسی کو خارج اسلام کرنے کی دلیل کتنی قوی ہونی چاہیے؟ دین کے عقیدہ حقہ اہلسنت والجماعت کا دل وزبان سے اقرار کرنے والا کس دلیل سے اہل سنت کے دائرے سے باہر ہوسکتا ہے اور کون سے امور اس کی گمراہی کو یقینی بناتے ہیں؟ اس مسئلے پر بھی تفکر غائر کی ضرورت ہے کہ کیا ماضی کے بعض تکفیری فتاوے ہر عہد اور ہر زمانے کے پورے سواد اعظم پر محیط ہو سکتے ہیں؟ کیا کتاب وسنت کے علاوہ بھی کسی کو یہ حیثیت حاصل ہے کہ اس کی بات، اس کا قول اور اس کا فتوی الی یوم القیام قابل قبول اور لائق نفاذ ہو اور اس سے انحراف دین حق سے انحراف کے مرادف ہو؟ ان حالات میں حجۃ الاسلام امام غزالی کے افکار ونظریات کا مطالعہ ضروری ہے جو انہوں نے ''التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ'' میں بیان فرمایا ہے۔

(۷) تصوف کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ تصوف حکمران طبقہ سے ہمیشہ دور رہا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد دین کا روحانی اور اخلاقی پہلو زوال پذیر ہونے لگا...... اس وقت دین کی مٹتی ہوئی عملی، اخلاقی اور روحانی حیثیت کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے صوفیاء عصر نے حکومت سے دور رہ کر اپنا کام شروع کیا، ان کا دربار حکومت وقت سے دور رہنا اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے مفید ثابت ہوا، انہوں نے اپنے طویل تجربے سے سمجھ لیا کہ حکومتوں سے الجھنا اور ان سے تعلق رکھنا دین کے لئے زیادہ نقصان کا سبب ہے، حکومتوں کو بدلنے کی کوشش میں بڑی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں اور حکمرانوں کے ساتھ رہنے میں اپنے دین کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اس لیے ہر دور میں ملکی سیاست سے علیحدہ رہنے میں ہی مقصد تصوف کی کامیابی دیکھی گئی ہے۔ خلافت راشدہ کے بعد چہرہ سیاست پر جو تیرگی چھائی وہ پھر کبھی روشنی سے نہیں بدلی، اس لئے اہل تصوف نے خود کو اس بقعہ ظلمت سے دور رکھا، اہل تصوف کی پوری تاریخ دیکھی جا سکتی ہے، یہ محض ان کی سیاست بیزاری نہیں تھی، بلکہ انہوں نے دربار حکومت سے دور رہنے کا اصول عواقب ونتائج پیش نظر رکھ کر ہی بنایا تھا، ہندوستان کے مشائخ چشت تو شاہان وقت سے ملاقات بھی گوارا نہیں کرتے تھے''۔

پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل باتوں پر اپنی بات ختم کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

’’تصوف سے اگر کام لینا ہے تو اس کے مضمرات کو مدنظر رکھنا ہوگا کیونکہ بعض حقائق ایسے ہیں جن سے نگاہیں چرا کر ہم انقلاب تو کیا؟ اپنے حق میں احتجاج بھی نہیں کر سکتے، بہر حال ہم مسلک تصوف کو مکارم اخلاق، نصح مسلمین، محبت و مودت اور خدمت خلق کا مسلک سمجھتے ہیں، اس لئے اس کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکتے کہ:

ما قصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

از ما بہ جز حکایت مہر و وفا مپرس‘‘

این آرسی مخالفت تحریک :

این آرسی، این پی آر، سی اے اے کو لے کر مسلمان اور اقلیت کے ساتھ حکومت وقت کی بالادستی اور اس کے ظلم و زیادتی کے خلاف ملک میں مختلف جگہوں پر احتجاج اور مظاہرے کے مناظر سامنے آئے، ان میں دہلی کے شاہین باغ کو سب مظاہروں پر تفوق حاصل رہا اور اس ایک شاہین باغ نے ملک میں بے شمار شاہین باغ پیدا کر دیے، پٹنہ کے متعدد مقامات پر لوگوں نے خاص طور سے خواتین نے جا بہ جا مظاہرے کئے، حضرت مخدوم گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے مظاہرین کا بھرپور ساتھ دیا، احتجاج گاہوں میں جا کر ان کے حوصلے بلند فرمائے، خلیل پورہ، عیسی پور، ہارون نگر اور سبزی باغ وغیرہ کئی جگہوں پر این آرسی کی مخالفت اور اس کی تردید میں بیانات دیے، لوگوں کو اپنے پرمغز خطابات سے نوازا۔

پھر اس مشن کو خانقاہی سطح پر لانے کی کوشش کی گئی اور مشائخ بہار و جھارکھنڈ کی ایک تنظیم تشکیل دی گئی، مشن کو جن مشائخ کرام کی سربراہی حاصل تھی، ان میں حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بڑی اہمیت رکھتی تھی، آپ خانقاہ مجیبیہ کی نمائندگی فرمارہے تھے اور ہر منزل میں پیش پیش رہتے تھے۔

اس سلسلے میں پہلی نشست مورخہ ۱۹ر فروری ۲۰۲۰ء کو خانقاہ شاہ ارزاں پٹنہ میں ہوئی، جس میں چند مشائخ ہی تشریف لاسکے تھے، لہذا چند مشوروں پر بات سمٹ گئی اور طے پایا کہ ایک نشست بڑے پیمانے پر ۲۶ر فروری کو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں رکھی جائے گی، جہاں بہار و جھارکھنڈ کی تمام خانقاہوں کے مشائخ کرام کو شرکت کی دعوت دی جائے گی، دس بجے سے دو بجے دن تک میٹنگ ہوگی، جس میں اہم فیصلے کئے جائیں گے اور تین بجے پریس کانفرنس ہوگی۔ چنانچہ ۲۶ر فروری کو آخری اور فیصلہ کن نشست خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں انجام پائی تھی، صبح سے شام تک دن بھر خانقاہ مجیبیہ کے کمیونٹی سنٹر میں اس یادگار میٹنگ کی دھوم تھی، بہار و جھارکھنڈ سے تقریباً سبھی خانقاہوں کے سجادگان ونمائندگان نے شرکت فرمائی تھی اور این آرسی کے خلاف اہم فیصلے لئے گئے تھے، پریس کانفرنس بھی ہوئی تھی، جس میں حضرت رحمہ اللہ کے علاوہ جناب سید شاہ مشاہد اصدق، جناب سید شاہ سیف الدین فردوسی، جناب ڈاکٹر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی کے نام سرفہرست ہیں۔

اس خاص اور اہم نشست میں جو تجاویز مشائخ وصوفیا کے باہمی مشوروں سے طے پائی تھیں، ملاحظہ کریں:

تجاویز :

۲۶؍فروری ۲۰۲۰ء بروز بدھ CAA,NPR,NRC کے خلاف بہار و جھارکھنڈ کے تمام مشائخ اور اہل خانقاہ کی نشست ہوئی اور اس میں یہ تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) ہم تمام اہل خانقاہ CAA,NPR,NRC کا مکمل رد کرتے ہیں اور مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان قوانین کو ختم کرے۔

(۲) NPR سے ان شقوں کو ختم کرے جو مردم شماری کے رجسٹر میں بڑھائے گئے ہیں اور اسی طریقے پر مردم شماری کرائی جائے، جو آزادی کے بعد سے ہوتی رہی ہے۔

(۳) ہم اہل خانقاہ بالاتفاق NRC اور NPR کے سلسلے میں وزیر اعلیٰ اور بہار اسمبلی کے متفقہ فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہیں، ہم بہار کے وزیر اعلیٰ سے اپیل کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی ریاست کے سلسلے میں جو فیصلہ کیا ہے، وہ بہت مناسب ہے، لیکن آپ ریاستی سطح سے اوپر اٹھ کر قومی سطح پر اپنا رول ادا کریں اور پورے ملک کو بہار اسمبلی کے فیصلے پر متفق کرنے کی کوشش کریں۔

(۴) گذشتہ دنوں سے دہلی میں ہو رہے فسادات، قتل و غارت گری اور حکومت کی لاپرواہی کی سخت مذمت کرتے ہیں اور امن و امان کی بحالی کے ساتھ ساتھ قصورواروں کے خلاف سخت سے سخت کاروائی کا مطالبہ کرتے ہیں، اپنے شہریوں کو بلاتفریق مذہب وملت، ذات ومسلک، ان کی حفاظت اور ترقی، حکومت کی اولین ذمہ داری ہے، حکومت بین الاقوامی سطح پر تبھی کامیاب ہو سکتی ہے، جب کہ ملک میں امن چین، انصاف اور بھائی چارہ ہو، حکومت اور پولس پر سے شہریوں کا اعتماد اٹھ جانا کسی ملک کے لیے سب سے بڑی قیامت اور تنزلی ہے،

(۵) ہم دہلی فسادات CAA,NRC، اور NPR کے خلاف چلنے والے احتجاج میں اب تک مارے گئے مقتولین کے لیے اپنے درد وغم کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے پسماندگان کو تعزیت پیش کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ ہم مرکزی و ریاستی بطور خاص دہلی، اتر پردیش، کرناٹک حکومتوں سے ان کے قاتلین کو جلد از جلد سزائیں نیز ان کے پسماندگان کو مناسب معاوضہ دیئے جانے کی پرزور اپیل کرتے ہیں۔

(۶) ملک کی موجودہ صورت حال میں ہم اہل خانقاہ نفرت اور دوری، تعصب اور تفریق، انتقام اور بدلہ کی تمام ظاہری و باطنی کوششوں کی مذمت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ موجودہ صورت حال میں خانقاہوں کی متحدہ ومتفقہ پیش قدمی بے حد ضروری ہے، جس سے انسانی اخوت، بھائی چارہ اور امن و امان کو اصولی وعملی طور پر معاشرہ میں مضبوط کیا جاسکے اور اس

کے نتیجے میں ملک کی سالمیت کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جا سکے، ہم اس ملک کے آئین کو اس ملک کے بقا و بہتری کا سب سے بڑا ضامن سمجھتے ہیں اور تمام شہریوں سے اس کی حفاظت اور تقویت کے لیے بیدار اور فعال ہونے کی پرزور درخواست کرتے ہیں۔

(۷) ہم اہل خانقاہ تمام ہم وطنوں سے اپیل کرتے ہیں کہ ہم جس مذہب کے بھی پیرو ہوں، ہمارا مذہب ہمیں انسان بننے کی دعوت دیتا ہے اور ہم سب کا مذہب ہمیں انسانیت سکھاتا ہے، کسی کے اشتعال دلانے یا وقتی جذبات کے تحت ہمیں انسانیت سے سمجھوتا نہیں کرنا چاہیے۔

(۸) مشائخ کی متفقہ رائے یہ بھی ہے کہ اپنے اپنے علاقے میں ان قوانین کے خلاف احتجاج میں برادران وطن (غیر مسلموں) کو شامل کریں اور ان کو اظہار خیال کا موقع دیں۔

(۹) تمام مشائخ کرام اپنے اپنے حلقۂ ارادت میں توبہ واستغفار اور دعاؤں کا اجتماعی اہتمام کرائیں، خصوصیت کے ساتھ مساجد میں قنوت نازلہ پڑھنے کا اہتمام کرائیں۔

وعظ وخطابت :

حضرت مخدوم گرامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو تقریر وخطابت کا عمدہ فن بھی آتا تھا، آپ ایک عظیم المرتبت خطیب اور بلند بام مقرر بھی تھے۔ آپ نے اپنے زور خطابت اور اپنی بے مثال فصاحت و بلاغت کے ذریعے بھی خانقاہ کی عدیم المثال خدمات انجام دیں اور اپنے قیمتی مواعظ ونصائح کے ذریعے خانقاہ کی نمائندگی کا بہترین حق ادا کیا۔

خانقاہ شریف میں ہر سال ربیع الاول کی شب بارہ کو جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پابندی سے آپ کا خطاب خاص ہوتا تھا۔ دستار بندی اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر مواقع پر بھی آپ کے بیانات ہوتے تھے۔ خانقاہ کے علاوہ بہار و بنگال، اڈیشہ و جھارکھنڈ بلکہ ہندو بیرون ہند ہر جگہ آپ کے خطابات سے لوگ محظوظ ہوتے تھے۔ مجھ ناچیز کی خوش قسمتی تھی کہ اکثر و بیشتر اسفار میں آپ کی صحبت ومعیت کی سعادت نصیب ہوتی تھی اور بہت سے جلسوں میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

آپ کے بیانات بڑے ہی دلکش و دلآویز ہوتے تھے، تقریر دل پذیر ایسی کہ سامعین کی روحوں کو تڑپا دے اور دلوں کو گرما جائے۔ اسلوب بیان سنجیدہ اور لب ولہجہ مجلسی ہوتا تھا، انداز گفتگو آسان اور مرتب ہوتا، گویا گل افشانی کر رہے ہوں۔ عام پیشہ ور مقررین کی طرح آپ کے وعظ وتقریر میں خطیبانہ ادائیں نہیں ہوتی تھیں۔ تصنعات وتکلفات اور جذباتی وشعلہ نوائی انداز سے آپ کے بیانات پاک ہوتے تھے، لچھے اور پچھے دار الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ نہایت شستہ وشائستہ اور سادہ الفاظ میں علمی وتحقیقی اور دلوں میں اتر جانے والی گفتگو ہوتی تھی۔

خطاب اکثر مختصر مگر جامع، مدلل، مؤثر اور باوقار ہوتا تھا، علمی مضامین کو سہل ترین انداز میں پیش کرتے جو سامعین کے رگ وپے میں سرایت کر جاتے تھے۔ آپ کے بیان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ کا بیان طعن وتشنیع سے پاک ہوتا تھا۔

اپنا موقف ثابت کرنے اور اپنا مدعا بیان کرنے میں آپ کو ملکۂ خاص حاصل تھا۔ علاقے کے مسلکی ومعاشرتی اختلاف وافتراق کو اپنی شیریں بیانی سے یکسر ختم کردیتے تھے اور لوگوں کی آپسی منافرت، بغض وعداوت کا قلعہ قمع کر کے سب کو محبت ومودت اور اتحاد واتفاق کے رشتے سے جوڑ دیتے تھے۔

آپ کی تقریر کی سحر انگیزی سبھی مکاتب فکر کے عوام وخواص کو مسحور کئے ہوئے تھی۔ ہر شخص بصد شوق ورغبت دور دور سے آپ کے پروگرام میں شرکت کرتے تھے۔ حضرت مخدوم گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات مستعار میں ہزاروں جلسوں میں شرکت فرمائی اور خانقاہ عالم پناہ کے آفاقی پیغامات کو دنیا والوں کے سامنے عام کیا۔ لاکھوں افراد آپ کے ذریعے خانقاہ کے افکار و نظریات سے متاثر ہوئے اور آپ کے خطابات کی بدولت رشد وہدایت اور علم وعرفان کی دولت لازوال سے بہرہ ور ہوئے۔

دارالعلوم مجیبیہ کی خدمات

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف سیدنا تاج العارفین آفتاب طریقت مخدوم پیر محمد مجیب اللہ قادری رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ درسگاہ ہے اور بزرگان پھلواری شریف کی یادگار تعلیم گاہ ہے۔ یہ ادارہ پھلواری میں آباد خاندان زینبی جعفری کی عظیم امانت ہے اور عالم اسلام کے لئے گہوارہ علم وادب ہے۔ اس لئے اس کی بقا وسلامتی اور ترقی کے لیے خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ کے اسلاف واکابر نے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں اور یہ ادارہ ہمیشہ ان بزرگوں کی خصوصی توجہات کا مرکز رہا ہے۔

اس مادر علمی کے آنچل کو سلامت رکھنے والوں میں عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ کی ذات سے بھی دارالعلوم مجیبیہ کو کمال عروج حاصل ہوا، بلکہ موجودہ تعلیمی وتعمیری ترقیات میں سرپرست اعلی جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے ساتھ آپ کے تعاون وتوجہ کو بھی نمایاں اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

آپ دارالعلوم مجیبیہ کے ناظم اعلی تھے، آپ نے یہ عہدہ ۱۹۹۰ء میں سنبھالا اور اس کا حق ادا کردیا، آپ کے تیس سالہ دور انتظام میں دارالعلوم نے بے نظیر ترقی کی، جس کا اعتراف آج ہر شخص کرنے پر مجبور ہے۔ جس وقت آپ نے ذمہ داری سنبھالی تھی اس وقت طلبہ کی تعداد کم تھی، اساتذہ بھی کم تھے، دارالعلوم کا بجٹ بھی زیادہ نہ تھا اور آج بحمدہ تعالی ہر چیز میں ترقی ہے۔ بہت سے تعلیمی شعبوں کا قیام عمل میں آیا اور خاطر خواہ تعمیرات بھی وجود میں آئیں۔

دارالعلوم مجیبیہ کے اخراجات پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوجانے کی وجہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ متفکر رہتے، کیوں کہ دارالعلوم کے ذرائع آمدنی محدود ہیں، نہ کوئی مستقل محصل ہے اور نہ طلبہ ومدرسین پر چندہ فراہمی کا بار ہے، سارے اخراجات کا انتظام وانصرام سرپرست اعلی اور ناظم اعلی کے ذمہ ہوتا ہے۔ یہی صورت حال دارالعلوم مجیبیہ کی ہر زمانے میں رہی ہے، عام اداروں کی طرح یہاں چندہ کے لئے مہاماری نہیں رہتی ہے، مخصوص اہل خیر حضرات کے تعاون پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تعلیمی ترقی :

حضرت علیہ الرحمہ کے زیرانتظام دارالعلوم کا تعلیمی معیار بہت بہتر اور خاصا بلند ہوا۔درجہ حفظ کو مزید فروغ ہوا۔ایک درسگاہ کے بجائے درجۂ حفظ کی تین درسگاہیں وجود میں آئیں۔حفظ کے طلبہ میں کافی اضافہ ہوا۔شعبہ قرأت قائم کیا گیا اور حفظ و قرأت کے علاوہ درجہائے فارسی وعربی میں بھی تجوید وقرأت کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔درجہائے فارسی وعربی کا پرانا نصاب بدل کر نیا نصاب تعلیم تیار کیا گیا،جس میں موجودہ دور کے مطابق کتابوں میں تبدیلی لائی گئی اور طلبہ کے اندر علمی وادبی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

عصری علوم اور کمپیوٹر کا کورس :

حضرت علیہ الرحمہ کے مسند انتظام پر فائز ہونے سے قبل دارالعلوم مجیبیہ میں عصری علوم کا اہتمام نہیں تھا۔ حالات حاضرہ کو ملاحظہ کرتے ہوئے آپ نے عصری تعلیم کا قیام ضروری سمجھا۔اس کے لیے دو اسٹاف رکھے گئے اور تمام طلبہ کے لئے ہندی،انگریزی اور حساب کی تعلیم لازمی قرار دے دی۔جدید تقاضوں کے تحت حضرت علیہ الرحمہ نے دارالعلوم میں کمپیوٹر کورس کا بھی انتظام فرمایا۔دارالعلوم میں کمپیوٹر نہ ہونے کی وجہ سے کئی سال مارکیٹ کے کمپیوٹر سینٹر میں طلبہ کو بھیجتے رہے اور ان کی فیس اپنی ذاتی رقم سے ادا کرتے رہے، پھر دو سال قبل دارالعلوم کے لیے بھی کمپیوٹر خرید لیا گیا،اس کے لئے بھی اسٹاف رکھے گئے اور باضابطہ کمپیوٹر کی تعلیم ہونے لگی۔

تعلیم کی فکر :

حضرت علیہ الرحمہ کو تعلیم کی بہت فکر ہوتی تھی۔جب کبھی سفر میں ہوتے بار بار فون کے ذریعے دارالعلوم کے حالات دریافت کرتے۔جب بھی سفر سے واپس ہوتے، پہلی فرصت میں تعلیمی جائزہ لیتے اور پھر تمام حالات سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔ہمہ وقت طلبہ کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے لئے کوشاں رہتے تھے،تعلیم کے لئے خواہ کتنی ہی پریشانی اٹھانی پڑتی،تعلیم کا نقصان گوارا نہیں کرتے تھے۔تعلیم کی خاطر کثیر اخراجات کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

تعلیمی خدمات :

حضرت مخدوم گرامی رحمۃ اللہ علیہ جانی مالی خدمات کے ساتھ علمی خدمات سے بھی دارالعلوم مجیبیہ کو فروغ دینے کی تادم حیات کوشش کرتے رہے اور آپ نے فی سبیل اللہ یہ خدمات انجام دیں۔آپ جیسی علمی وعرفانی شخصیت اہل مدارس کے لیے کتنی غنیمت تھی؟ ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔پچاس ہزار ماہانہ وظیفہ دے کر بھی آپ کی خدمت کرنا خوش قسمتی کا باعث ہوتا،مگر آپ فقط اپنے پیرومرشد حضور امان المستجیرین مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ کے حکم کی تعمیل میں قلیل سی تنخواہ لیتے تھے۔

ابھی کے دور میں اتنی کم تنخواہ آپ کی چائے کے اخراجات کے لیے بھی ناکافی تھی، بلکہ جتنی رقم آپ کو دی جاتی تھی، اس سے زیادہ آپ دارالعلوم اور طلبہ واساتذہ پر صرف کر دیتے تھے۔

درس وتدریس :

حضرت مخدوم مکرم رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۷۷ء میں جب کہ آپ کی عمر بیس سال تھی، دارالعلوم مجیبیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد اپنے آبا واجداد کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے اپنے مادر علمی میں ہی تدریسی خدمات پر مامور ہوئے اور ۴۳؍سال درس و تدریس کے مسند پر فائز ہو کر تشنگان علوم نبوت کو سیراب و شادکام فرماتے رہے۔ آپ کے فیضان تعلیم وتربیت سے بے شمار طالبین علم وادب علوم اسلامیہ وآداب شرعیہ سے آراستہ ہوئے اور اپنے علم واستعداد کے مطابق درجات رفیعہ پر پہنچ کر دین ودنیا میں کامیاب وسرخ رو ہوئے۔

آپ کے درس میں ہر فن کی کتابیں ہوتی تھیں۔ آپ نہ صرف منتہی درجات کے طلبہ کو شرف تلمذ عطا کرتے تھے، بلکہ ابتدائی درجات کے طالب علموں کو بھی فیضان درس سے مستفیض فرماتے تھے، حالانکہ جو اونچے درجے کے استاذ ہوتے ہیں، وہ نیچے درجے کی کتابیں پڑھانا ناپسند کرتے ہیں، پڑھاتے بھی ہیں تو وہ دلچسپی نہیں ہوتی ہے جو اعلی درجے کی کتابیں پڑھانے میں ہوتی ہے۔ کبھی کبھی آپ مجھ ناچیز سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے درس میں عربی کے ابتدائی درجات کی کتابیں بھی رکھو، کیونکہ طلبہ کے نحو وصرف کو مزید مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر نہایت سرور وانبساط کے ساتھ عام مدرسین کی طرح طلبہ کو درس دیتے اور گھنٹوں انہیں اصول وقواعد سمجھاتے رہتے تھے۔

آپ جہاں بخاری، مسلم، بیضاوی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، موطا امام محمد، مدارک، شرح عقائد اور تفسیر وحدیث کی بڑی بڑی کتابیں زیر درس رکھتے تھے، وہیں کفاک علما، تمرین النحو، تمرین الصرف، قصص النبیین وغیرہ کا درس بھی بڑے شوق سے دیا کرتے تھے۔

انداز درس :

آپ کا انداز درس نہایت سہل اور آسان ہوتا تھا۔ اسباق کے معانی ومفاہیم اس طرح بیان کرتے کہ طلبہ کے حاشیہ ذہن میں ساری چیزیں محفوظ اور ثبت ہو جاتی تھیں، دوران درس مکمل طور پر طلبہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ انہماک فی الدرس کا عالم یہ ہوتا کہ آپ گرد وپیش سے بے خبر ہو جاتے، کوئی ملنے کی غرض سے حاضر ہوتا تو اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ کبھی اسباق کے وقت ناچیز بھی حاضر خدمت ہوتا تو کافی دیر انتظار کے بعد ہی مخاطب ہوتے، پھر ایک دو لفظوں میں جواب دے کر درس میں مصروف ہو جاتے تھے۔

آپ تمام علوم وفنون پر مہارت تامہ رکھتے تھے، خصوصاً تفسیر وحدیث اور فقہ واصول میں آپ کو ملکہ خاص حاصل تھا۔ آپ علمی مسئلہ کو مسئلہ کی طرح سمجھاتے، سبق میں جس قدر اشکال ہوتے، انہیں بھی ساتھ ساتھ حل کرتے جاتے تھے۔

آپ درس حدیث میں کامل دسترس رکھتے تھے اور چونکہ آپ کو فقہ میں کامل مہارت تھی، اس لیے حدیث پڑھانے میں آپ کو بہت زیادہ لطف آتا تھا۔ درس حدیث میں معاملات کی تشریح، مسائل کی تفصیل، فقہی عبارتوں کی تنقیح میں آپ کو خداداد استعداد حاصل تھا۔ صحاح ستہ کی تمام کتب اکثر آپ ہی پڑھاتے تھے اور آپ اس کا حق بھی رکھتے تھے، اس لئے دارالعلوم مجیبیہ میں شیخ الحدیث کا عہدہ بھی آپ ہی سنبھالتے تھے۔

اس سال دورہ حدیث میں چار طلبہ آپ سے اکتساب فیض کر رہے تھے، ان میں آپ کے صاحبزادہ گرامی قدر حافظ سید حسین بہجت قادری سلمہ اللہ وعافاہ بھی تھے، مگر افسوس کہ کشتی سطح آب پر تیرتی رہی، ناخدا غرقاب ہوگیا اور سفینۂ علم ساحل فراغ تک پہنچنے سے رہ گیا۔ بخاری شریف کی دونوں جلدیں حضرت رحمہ اللہ نے پڑھادی تھیں، صرف آخر کے چند اوراق بچ رہے تھے جو جناب حضور مدظلہ العالی نے پڑھائے اور ۲۸ رجمادی الاولی ۱۴۴۲ھ عرس پنج پیراں کے موقع پر دستار فضیلت کا اہتمام ہوا۔

طلبہ سے محبت :

طلبہ سے آپ کو بہت انسیت تھی، طلبہ بھی آپ سے بے حد مانوس تھے، طلبہ کے ساتھ ہمیشہ شفقت وعنایت کا معاملہ فرماتے تھے اور نہایت محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مدارس کے ناظم اور مہتمم حضرات سے طلبہ ناراض رہتے ہیں اور ان سے طلبہ کو شکایات رہتی ہیں، مگر حضرت علیہ الرحمہ سے طلبہ کا رویہ بالکل مختلف تھا۔ طلبہ آپ کے حق میں بہت مخلص تھے اور آپ سے ہمیشہ بے تکلف رہا کرتے تھے، طلبہ آپ سے ہمیشہ اچھی امیدیں رکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی کسی طالب علم سے کوئی بڑی غلطی کا ارتکاب ہوتا اور معاملہ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ تک پہنچادیا جاتا تو طلبہ سکون محسوس کرتے اور خوش ہوتے تھے، کیوں کہ حضرت علیہ الرحمہ زیادہ تر عفوو درگزر سے کام لیا کرتے تھے، بے جا تشدد اور جارحانہ انداز کے بجائے لطف وکرم کا معاملہ اختیار فرماتے تھے۔

طلبہ کی تعلیم وترقی کے ساتھ ساتھ ان کے طعام وقیام اور راحت وآسائش کے لئے بھی آپ کی کوشش سراہنے کے لائق تھی۔ مطبخ کے ذمہ داران کو ہمیشہ بہتر سے بہتر خورد ونوش کی تاکید فرماتے، کبھی بذات خود بھی مطبخ پہنچ جاتے اور اشیائے خورد ونوش کا جائزہ لیتے تھے۔ بہت سارے طلبہ جو مالی حالت میں کمزور ہوتے، ان کے اخراجات کا بار خود اٹھاتے، سردیوں کے موسم میں جن طلبہ کے پاس سردی کے سامان نہیں ہوتے، انہیں اپنی ذاتی رقم سے سردی کے سامان مہیا کراتے تھے۔ سردی کے موسم میں تمام مدرسین اور کبھی طلبہ کے لیے بھی آپ کی جانب سے کافی اور چائے پلانے کا نظم رہتا تھا، طلبہ اور اساتذہ آپ کے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتے ہیں۔

دارالاشاعت کی خدمات

دارالاشاعت خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ کے افکار ونظریات کی اشاعت وترویج اور دین وملت کی خدمات کا اہم ذریعہ ہے۔اس عظیم شعبہ کے تحفظ و بقااوراس کی ہمہ جہت ترقیات حضرت مولاناسیدشاہ ہلال احمدقادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ کی رہین منت ہیں۔آپ نے جان و مال،علم و ادب،فکر ونظر،تصنیف و تالیف،تحقیق و تدبر اور بصیرت و بصارت ہر طرح سے دارالاشاعت کے اس اہم شعبہ کو فروغ بخشااوراس کے اغراض ومقاصد کی تکمیل میں ہر ممکن جد و جہد فرمائی۔عہد حاضر میں دارالاشاعت سے جومطبوعات منظرعام پرآئی ہیں،آپ کی مساعی جمیلہ ان میں کارفرما رہی ہیں۔

شائع ہونے والی کتابوں کوشروع سے آخرتک بہ نظر غائر دیکھتے،ان کی نوک پلک درست کرتے اوران کی ترتیب و تصحیح کا خاص خیال رکھتے تھے۔

تصنیفی خدمات :

حضرت مخدوم گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گراں مایہ تالیفات سے بھی دارالاشاعت کی عدیم المثال خدمات انجام دی ہیں اور آپ نے اپنے زورقلم سے دارالاشاعت کی ترقیوں میں چار چاند لگا دیا ہے،کیونکہ آپ تصنیف و تالیف میں اعلی مقام رکھتے تھے۔مبدأفیاض نے آپ کوتحریروتقریراورتصنیف وتالیف کاصاف ستھرا ذوق اورسلیقہ عطافرمایاتھا۔آپ جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس میں بلندی کی انتہا پرنظر آتے۔آپ کی تحریروں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتاہے کہ اس میدان میں آپ کوانتہائی کمال و تفوق حاصل تھا۔خالق قلم نے آپ کے قلم کو حیرت انگیز قدرت وصلاحیت عطاکی تھی۔آپ کے مضامین ومقالات علمی گہرائی و گیرائی کے ساتھ زبان وادب کی لذت وحلاوت سے لبریز ہوتے تھے۔ایجاز واختصار کے ساتھ سہل و دلنشین انداز اورعام فہم اسلوب میں اپنے افکار وخیالات کو سپردقلم کرنا آپ کا امتیازی وصف تھا۔آپ کی تصانیف علمی مباحث کے ساتھ ادب و انشا، سلاست وروانی،زبان کی حلاوت وشیرینی اورشستگی وشگفتگی کا بہترین نمونہ ہیں۔

آپ کو اپنے قلم پر بڑا قابو تھا،جو لکھتے ضرورت کے تحت لکھتے۔کبھی مختصرتو کبھی نہایت شرح وبسط کے ساتھ۔جو کچھ تحریرفرماتے،نہایت محقق ومدلل اورانتہائی جامع انداز میں لکھتے اورمسئلے کو ہرطرح سے منقح اوربے غبار کردیتے۔آپ کے قلم کی جولانی اس وقت قابل دید ہوجاتی،جب کسی فریق مخالف کا نقدواعتراض سامنے آجاتا۔آپ بارہا فرمایا کرتے تھے:میری وہ تحریر زیادہ جامع اورمحقق ہوتی ہے جوغصے کی حالت میں لکھتا ہوں،حالت غیظ میں اکثرمحررین نازیباوناشائستہ الفاظ بھی لکھ جاتے ہیں جوایک شریف النفس قاری کے لئے گراں باراورحیا کے خلاف ہوتے ہیں،مگرحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر ہرقسم کی آلائش اور ناشائستگی سے پاک ہوتی تھی۔جس طرح آپ کی گفتگو صاف ستھری اورشیریں سخنی سے پرہوا کرتی تھی،آپ کی تحریر بھی تہذیب و ثقافت کے دائرے میں قلوب واذہان کوفرحت وسرور بخشنے والی ہوتی تھی۔

آپ کے اشہب قلم کی جنبش سے متعدد کتابیں اور مضامین ومقالات منصہ شہود پر آئے ہیں، جن کے بارے میں برملا کہا جاسکتا ہے کہ وہ سب اپنی جگہ علوم ومعارف کے ابلتے ہوئے چشمے اور آپ کے علم وفضل، وسعت مطالعہ اور زورقلم کے شاہکار ہیں۔آپ کی کتابوں میں علمی گہرائی، فکری بصیرت، حسن ادب، محکم طرز استدلال اور تحقیق وتدقیق کے تمام محاسن بطور اتم پائے جاتے ہیں۔

دارالاشاعت سے آپ کی درج ذیل تصانیف شائع ہوئی ہیں جو ادارہ کے لئے فخر وسعادت اور اہل علم و دانش کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں:

سوانح حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری :

حضرت رحمہ اللہ کی سب سے پہلی شائع ہونے والی کتاب ''سوانح مولانا سید شاہ امان اللہ قادری'' ہے، یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی ہے، اس کتاب کی تالیف کے وقت آپ کی عمر صرف تیس سال تھی۔اس کم عمری میں ایسی جامع اور معیاری تصنیف علمی وتحقیقی دنیا کے لئے یقیناً حیرت واستعجاب کی بات تھی۔اکابر واصاغر نے آپ کی اس انمول کارکردگی کو خوب سراہا اور آپ کی ادبی وتحقیقی صلاحیت کی تحسین فرمائی، اس کتاب کی اہمیت اس بات سے بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ اس کا مقدمہ اس وقت کی نابغۂ روزگار ہستی، عرب وعجم کی معروف اور عبقری شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مدحت میں ان کے الفاظ آج بھی ثبت قرطاس ہیں:

> ''.....انہوں نے جب مجھ سے اپنی تالیف پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی ضخیم کتاب تالیف کرچکے ہیں، سوانح نگاری کے اصول پر یہ کتاب پوری اترتی ہے''—(مقدمہ سوانح حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری، ص:۸)

سیرت پیر مجیب :

یہ کتاب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شاہکار تصنیف ہے، جس میں حضرت تاج العارفین سیدنا مخدوم پیر محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہ کی سیرت وشخصیت، علمی وروحانی کمالات اور دینی ومذہبی خدمات کی تفصیلات کے علاوہ خاندان کے بعض دیگر اکابر، حضرت تاج العارفین کے خلفا ومجازین اور ان کے ہم عصر علما ومشائخ کا مختصر تذکرہ بھی موجود ہے، خانقاہ مجیبیہ کی خصوصیات اور خانقاہ کے بزرگوں کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے یہ کتاب انمول تحفہ اور مستند ماخذ ومصدر کی حیثیت رکھتی ہے، کتاب کی ضخامت ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، آپ کی یہ گراں قدر تصنیف نہ صرف عقیدت مندوں کے لئے بلکہ ارباب علم و دانش اور عام مسلمانوں کے لئے بھی نعمت عظمیٰ سے کم نہیں ہے، خصوصاً تمام مجیبی برادران پر آپ کا احسان عظیم ہے۔

اس مایہ ناز تصنیف کا مقدمہ بھی حضرت مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔ وہ کتاب کی اہمیت اور مصنف کی علمی و تحقیقی مقام و مرتبت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''...... جب ان کی پہلی کتاب ''سوانح مولانا شاہ امان اللہ قادری'' دیکھی تھی تو اس عاجز کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ یہ بزرگوں کی کرامت ہے کہ اس دور میں اور خانقاہ کے محدود ماحول میں رہ کر شگفتہ زبان میں سلیقہ کے ساتھ بغیر کسی مدد کے ایک کامیاب سوانح پیش کر سکتے ہیں۔ اب عزیز موصوف نے اپنا ایک فرض ادا کیا ہے اور ہم جیسے ناکاروں کے سر سے ایک قرض اتارا ہے کہ حضرت تاج العارفین کی سوانح مرتب کر ڈالی جو ابھی تک نہیں لکھی گئی تھی، یہ کتاب بزرگوں کی کشف و کرامات اور محیر العقول داستان کی طرح واقعات کی کھتونی نہیں ہے یا سنی سنائی روایات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ مستند حالات و واقعات کا مجموعہ ہے جس کی حیثیت ایک کامیاب ریسرچ کی ہے۔ یہ ایک تحقیقی کتاب ہے جو حوالوں کے کام آئے گی۔ اس سے مصنفین فائدہ اٹھائیں گے، سلسلہ کے وہ افراد جن کو علوم سے دلچسپی نہیں ہے وہ صرف تبرک سمجھ کر الماری میں سجائیں گے، لیکن اہل علم اس سے اپنی آنکھیں روشن کریں گے...... آج یہ محسوس ہوا کہ اگر زندگی طویل نہ ہوتی تو میں تاج تاج العارفین کی زیارت نہیں کر سکتا اور اس کتاب سے محروم رہتا''۔ (سیرت پیر مجیب، ص: ۳)

یہ کتاب ۹/ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں قصبہ پھلواری شریف اور پھلواری کے دو اہم بزرگ حضرت سیدنا مخدوم محمد منہاج الدین راستی گیلانی خلیفہ اجل حضرت مخدوم الملک مخدوم شرف الدین قدس سرہما اور حضرت سیدنا مخدوم بدر عالم قمیصی قدس سرہ کے ذکر کے ساتھ حضرت تاج العارفین کے آباء کرام قدست اسرارہم کا مختصر تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور باب کے اخیر میں حضرت تاج العارفین کے شجرہ نسب کی تفصیل بھی موجود ہے۔ باب دوم میں حضرت تاج العارفین کی ولادت، تحصیل علوم، اکتساب معارف، ریاضت و مجاہدہ، تکمیل طریقت، شجرہ بیعت اور حضرت رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کی علمی و روحانی شخصیت کا تفصیلی ذکر ہے۔ باب سوم سلسلہ کی اجازتوں، مجیزین، شجرات طریقت اور مشائخین کے اسما پر مشتمل ہے۔ باب چہارم بنائے خانقاہ، اصول و نظام، تجدید و احیا، ارشاد و تربیت، تاثیر فیض و صحبت کے بارے میں ہے۔ باب پنجم حضرت تاج العارفین کی سیرت و اخلاق، احوال و کیفیات اور حلیہ مبارکہ کے ذکر سے پر ہے۔ باب ششم میں صاحب سیرت کے وصال، مرقد مطہر، اولاد و احفاد اور سلسلہ جانشینی کے بارے میں تفصیلات درج ہیں۔ باب ہفتم میں حضرت کے تصرفات و کرامات مذکور ہیں۔ باب ہشتم میں حضرت کے خلفاء و مجازین اور باب نہم میں معاصر علما و مشائخ کے حالات تحریر کیے گئے ہیں۔

یزید حقائق کے آئینے میں :

قاتل اہل بیت یزید پلید کی شخصیت سے متعلق اہل علم اور اصحاب تصنیف و تالیف کے مابین نقطہ نظر کا جو اختلاف ہے، اس میں عموماً بہت افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے، اس موضوع پر جتنی کتابیں نگاہوں کے سامنے ہیں، ان میں سے زیادہ تر

کتابوں کے اندر افراط وتفریط کے ساتھ کافی الجھاؤ اور ژولیدگی پائی جاتی ہے، جس سے کسی نتیجے تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر حضرت مخدوم مکرم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف یزید لعین کی حقیقت کو واشگاف کرنے میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب انتہائی جامع، معتدل، متوازن بلکہ درحقیقت اس بحث میں قول فیصل ہے اور افراط وتفریط کی راہ سے بچ کر اعتدال وتوازن کی راہ اختیار کرنا تمام احکام ومسائل خصوصاً ایمانیات ومعتقدات کے باب میں مسلک حق اہل سنت والجماعت کی پہچان ہے۔ اس اعتبار سے اس کتاب کو شعار اہل حق اور معیار اہل سنت کہا جائے تو حق بجانب ہوگا۔

نغمات الانس فی مجالس القدس :

خانقاہ مجیبیہ کے اعراس ومجالس میں جو فارسی کلام قوالان گایا کرتے ہیں۔ یہ کتاب ان سب کا اہم مجموعہ ہے۔ اس میں چھٹی صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک کے ۵۶ رصوفی شعراء کے ۲۳۸ رمنتخب کلام مع ترجمہ وتشریح شامل ہیں۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ جواز سماع ومزامیر پر حضرت مصنف رحمہ اللہ نے ایک جامع، وقیع اور مبسوط مقدمہ لکھا ہے۔ اب تک سماع ومزامیر کے جواز پر جتنی تحریریں منصہ شہود پر آئی ہیں، یہ تحریر ان سب سے بالکل مختلف ہے۔ آیات و احادیث اور اقوال فقہا کی روشنی میں مسئلہ سماع بالمزامیر کو خوب منقح اور واضح کیا گیا ہے اور جواز وعدم جواز دونوں رخ کا اعتراف کرتے ہوئے جواز کے پہلو کو مدلل ومحقق بنانے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔

خانوادہ سیدہ زینب :

علم الانساب کی اہمیت وافادیت ہر زمانے میں مسلم رہی ہے۔ یہ فن عربوں میں بہت اہتمام سے شائع وذائع رہا ہے۔ اہل عرب اپنے انساب کے علاوہ غیروں کے پشتہا پشت کے نسب نامے یاد رکھتے تھے، حتی کہ گھوڑوں کے نسب نامے بھی انہیں ازبر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا نسب شریف عدنان تک بیان فرمایا ہے۔ جس سے اس فن کی ضرورت و اہمیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یہ کتاب خانوادہ سیدہ زینب بنت فاطمہ علیہما السلام کے وجود اور اس کے اثبات میں تصنیف کی ہے اور ان لوگوں کے شبہات واعتراضات کا مدلل وشافی جواب دیا ہے جن کو خانوادہ زینبی وجعفری کا وجود مشکوک نظر آرہا تھا۔ آپ نے نہایت دیدہ ریزی اور سخت کوشی کے ساتھ مستند علمی دستاویزات اور تاریخی منابع ومصادر سے دلائل بہم پہنچا کر اپنے مدعا کو روشن وآشکار فرمایا ہے۔ آپ نے اس کتاب کی تحقیق میں کافی وسعت سے مطالعہ کیا ہے اور پچیس مستند ومعتبر کتابوں کے حوالوں سے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب ان کی اولاد کے ذریعہ جاری رہنے اور خانوادہ زینبی و جعفری کے مختلف مقامات پر موجود ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ یہ کتاب دوسری صدی ہجری سے لے کر اب تک علم انساب کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کے سلسلۃ الذہب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اور اپنے مستند ومتواتر مصادر سے مراجعت کی بنا پر گنجینہ تاریخ بن گئی ہے جو آئندہ خود حوالے کے طور پر استعمال کی جائے گی۔

القول السدید لدفع المتعصب العنید :

حضرت رحمہ اللہ کی اس تصنیف کا مقصد اس کے نام سے ہی ظاہر ہے، مزید برآں کتاب کے سرورق پر حضرت مصنف کے قلم سے اس کا سبب تالیف بھی مرقوم ہے جس کے ملاحظہ کے بعد کتاب کے مزید تعارف کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، وہ تحریر یہ ہے:

"مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی سے شائع شدہ کتاب "دبستان نذیریہ" میں مصنف کتاب نے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے ایک خاص واقعہ کو غلط انداز میں بیان کیا ہے اور خانقاہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو خانقاہ کے مسلک و مشرب کے بالکل منافی ہیں، اس تحریر میں مصنف کے کذب وافترا سے بھرے دعوؤں پر گرفت کی گئی ہے اور اصل حقائق واضح کئے گئے ہیں"۔

ایک بے مایہ کا سفر حج :

حضرت رحمہ اللہ کی یہ معرکۃ الآراء تصنیف آپ کے وصال کے بعد آپ کی بڑی صاحبزادی محترمہ و معظمہ ام یمین صاحبہ مدظلہا کی ترتیب و پیش لفظ کے ساتھ شائع ہوئی، آپ کی یہ تحریر ایک وقیع اور مبسوط مضمون کی شکل میں المجیب کے نو قسطوں میں چھپ چکی ہے۔اس تحریر میں خاص بات یہ تھی کہ حضرت رحمہ اللہ نے اخفاء حال اور عجز و انکساری کی بنا پر اپنے نام کی جگہ مبہم نام "رجل من المسلمین" لکھا، حتی کہ رفقاء سفر میں سے کسی کا نام بھی پورے مضمون میں کہیں نہیں لکھا۔

یہ کتاب مسائل حج میں حجاج کرام کے لیے ایک اچھا رہنما اور راہ عشق میں گامزن عاشقان رسول کے لیے بہترین رہبر ہے۔ یہ کتاب حب و عشق نبوی اور عظمت واحترام رسالت کا بے بہا خزانہ ہے۔اس کتاب میں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ اور اس کے متعدد شعائر و مقدسات بالخصوص کعبہ معظمہ کی شرافت و کرامت، مدینہ منورہ کی فضیلت، روضہ اطہر کا تقدس، زیارت روضہ انور کا اثبات، دربار نبوت و رسالت میں حاضری کے آداب، مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قبر انور کی افضلیت اور دوسرے خاص و اہم مسائل کو مستند و مستحکم دلائل و براہین سے خوب واضح کیا گیا ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ بھی اکابر خانقاہ کی کتابوں کے ترجمے، تلخیص اور تشریح پر بھی آپ کے قلم گہربار سے متعدد کتابیں معرض تحریر میں آچکی ہیں، مثلاً: ترجمہ ملفوظات حضرت شیخ العالمین مولانا سید شاہ محمد نعمت اللہ قادری خلف و جانشین حضور تاج العارفین قدس سرہما، ترجمہ الباقیات الصالحات، مصنفہ: امیر شریعت بدر الکاملین فیاض المسلمین حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہٗ، اشارات الکتاب الی اباحۃ ایصال الثواب، مصنفہ: قمر طلعت حضرت مولانا سید شاہ محمد قمر الدین قادری قدس سرہ کی تسہیل و تعلیق، ترجمہ و تلخیص رسائل الارکان وغیرہ گراں قدر تصانیف آپ کے کمال علم و تحقیق پر شاہد عدل ہیں۔

سہ ماہی المجیب کی خدمات

سہ ماہی مجلہ ’’المجیب‘‘، جو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا خاموش مبلغ، اہل حق کا ترجمان، امن وسلامتی کا پیام بر، دین وملت کا داعی اور علم وادب کا عظیم مینار ہے، اس کی تمام تر عظمت واہمیت، وقار ومعیار اور اعتدال وتوازن کو برقرار رکھنے میں حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کے جہد مسلسل اور سعی پیہم سے المجیب کو عظمت دوام حاصل ہے۔ المجیب کی آفاقی شہرت اور اس کا علمی وادبی اور تحقیقی مقام آپ کی علمی وادبی عظمت ورفعت کا نتیجہ ہے۔ گوکہ المجیب کی مجلس ادارت میں آپ کا اسم گرامی شامل نہیں تھا، مگر آپ کو ادارہ کے ستون مرکزی کی حیثیت حاصل تھی۔ رسالہ کو آپ کی خصوصی توجہات میسر تھیں۔ آپ نے اپنے گراں قدر علمی وتحقیقی مضامین ومقالات کے ذریعہ ہمیشہ المجیب کی معاونت فرمائی۔ مجلہ کی نگرانی، مضامین کی اصلاح وتصحیح اور ان کے معیار وتوازن کو ملاحظہ کرنا آپ ہی کا ذمہ تھا۔ کوئی شمارہ آپ کی نظر سے گزرے بغیر اشاعت کی منزل تک نہیں پہنچتا تھا۔

مضامین ومقالات :

آپ کو اللہ تعالی نے اعلی درجہ کی ذہانت وفطانت عطا کی تھی۔ مسائل میں استخراج واستنباط کا خاصہ ملکہ بھی تھا۔ فکر کی بلندی، تخیل کی وسعت، ادب وانشا کی مہارت سبھی کچھ آپ کی ذات میں قدرت نے ودیعت کر دی تھی۔ آپ کے وقت میں برکت بھی تھی، اپنے مختصر وقلیل وقت میں ہمہ جہت مصروفیات کے باوجود طویل سے طویل مضامین ومقالات تحریر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے گراں قدر مضامین خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ کا علمی وادبی مجلہ سہ ماہی ’’المجیب‘‘ کے علاوہ ہندوستان کے موقر جرائد ورسائل مثلاً: ماہنامہ ’’معارف‘‘ اعظم گڑھ، ماہنامہ ’’ضیاء وجیہ‘‘ رامپور، ماہنامہ ’’تعلیمات جدید‘‘ بنارس، ’’الاحسان‘‘ سید سراواں الہ آباد اور ’’شیخ العالم‘‘ ردولی شریف وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے تھے جن کی تعیین وتحدید مشکل ہے، اس کے لئے جہد مسلسل اور طویل مدت چاہئے۔ البتہ سہ ماہی مجلہ ’’المجیب‘‘ کی ابتدا (۲۰۰۲ء) سے آپ کے وصال تک جو مضامین رسالہ کی زینت بنتے رہے ہیں، وہ تقریباً ۷۰۰ رصفحات پر مشتمل ہیں، ان سب کو یکجا کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں، المجیب میں شائع شدہ حضرت علیہ الرحمہ کے مضامین کی فہرست ملاحظہ کریں:

نمبر شمار	مضامین	تعداد صفحات
(۱)	فریضہ حج وحدت امت کا داعی ومظہر	۵
(۲)	امام ملت ودین آفتاب شہر ودیار — (۱۸ رقسطوں میں)	۱۱۳
(۳)	لیلۃ القدر	۵

(۴)	ارشادات حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ	۱۱
(۵)	دعوت افطار	۲
(۶)	مسئلہ اقامت	۷
(۷)	شب برأت	۶
(۸)	رسائل الارکان—(۴ قسطوں میں)	۲۴
(۹)	مجمع البرکات	۱۸
(۱۰)	رویت ہلال عید کی نامکمل شہادت پر خانقاہ مجیبیہ کا بیان	۷
(۱۱)	کتب خانہ مجیبیہ بدریہ	۶
(۱۲)	خانقاہ مجیبیہ کا دارالاشاعت ایک تعارف	۵
(۱۳)	ماہ مبارک اور قیام لیل	۵
(۱۴)	رمضان المبارک—برکت وخیر کا مہینہ	۵
(۱۵)	آہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی	۳
(۱۶)	استفتا متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	۶
(۱۷)	حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی علم واخلاق کی جامع شخصیت	۱۳
(۱۸)	قرآن کریم تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ ایک مطالعہ	۵
(۱۹)	مولانا فضل القدیر ندوی— کچھ یادیں	۶
(۲۰)	تذکرۃ الکرام فارسی کی اہمیت، افادیت اور خصوصیات	۱۳
(۲۱)	بمصطفی برساں خویش راکہ دین ہمہ اوست	۸
(۲۲)	ایک بے مایہ کا سفر حج—(۹ قسطوں میں)	۹
(۲۳)	حضرت شبلی قدس سرہ کا فلسفہ حج	۶
(۲۴)	مغفرت یزید کی حقیقت	۲۴
(۲۵)	حب نبوی اور اس کے علامات وآثار—(۷ قسطوں میں)	۷۴
(۲۶)	مخدوم جہاں اور پھلواری شریف	۱۱
(۲۷)	خانقاہ مجیبیہ میں اردوئے معلی کا نشوونما تاج العارفین سے بدیع العصر تک	۷۲

(۲۸) ماہ نامہ معارف تعارف وخصوصیات ۷
(۲۹) مطالعہ رہبانیت ۳۰
(۳۰) قتل حسین پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلق واضطراب ۶
(۳۱) ثمرات فواد المصطفی وفضیلۃ الزہراء علی ابیہم وعلیہم السلام ۳۳
(۳۲) اولیاء اللہ ۱۵
(۳۳) حضرت شاہ عماد الدین قادری کچھ یادیں کچھ باتیں ۸
(۳۴) خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم — (۲؍قسطوں میں) ۲۲

تبصرے :

حضرت رحمہ اللہ ایک بہترین ناقد اور اچھے تبصرہ نگار بھی تھے، آپ کے تبصرے بے لاگ ہوا کرتے تھے، کتاب کے تمام پہلوؤں کا احاطہ واستحصا کرنے کے بعد اس کے حسن وقبح کو احسن پیرائے اور معتدل انداز میں بیان کرتے تھے، اہل علم اپنی نگارشات پر آپ کے اشہب قلم سے تبصرے لکھوانے کے متمنی رہتے تھے، المجیب کے ’’نقد وتبصرہ‘‘ میں اہل علم ودانشوران کی گراں قدر تالیفات پر آپ نے نہایت وقیع اور گراں مایہ تبصرے ارقام فرمائے ہیں، ان میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ’’قرآن کریم تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ‘‘ ۵؍صفحات، جناب شمیم طارق صاحب بنارس کی تالیف ’’تصوف اور بھکتی‘‘ ۸؍صفحات اور جناب مولانا شیخ محمد نعیم عطا چشتی کی کتاب ’’الغرس الوہدی فی رسائل الشیخ نعیم بن المہدی‘‘ ۴؍صفحات کے تبصرے بہت اہم ہیں۔

ادبیات :

حضرت مخدوم گرامی رحمہ اللہ ایک اچھے انشا پرداز ادیب، صاحب بصیرت عالم، وسیع النظر محقق، ادبیات کے ماہر اور کہنہ مشق شاعر بھی تھے۔ بلاغت وعروض سے آپ کو خاصی دلچسپی تھی۔ آپ اردو وفارسی ہر دو زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ نعت ومناقب میں متعدد کاوشیں آپ کے فکری ذوق کا پتہ دے رہی ہیں۔ گاہ بہ گاہ موقع کی مناسبت سے نعت، منقبت، تہنیت اور تاریخی قطعات سے المجیب کے صفحات مزین ہوتے رہے ہیں— فجزاہ اللہ عنا و عن جمیع المتوسلین و المنتفعین بخدماتہ احسن الجزاء و غفر لہ و رحمہ و رضی عنہ و ادخلہ فی جنات النعیم و الھم ذویہ و اھلہ جمیل الصبر و السلوان اٰمین.

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری

● جناب سید صدر الحسن صاحب مرحوم — کراچی، پاکستان

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ دورحاضر کے خانقاہ مجیبیہ کے ایک بڑے ہی ممتاز شخصیت تھے، خانوادہ خانقاہ مجیبیہ کی روایات کے حامل، علم وعمل سے آراستہ اور خلق نبوی ﷺ کے دورحاضر میں ایک نمونہ، بہت ہی دل آویز شخصیت تھے، جولوگ اسلاف کی صحبتوں کے متلاشی ہوتے تھے، آپ ان کے لیے بمصداق

ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاں اینجاست

مرجع تھے، ناچیز بھی ایسی ہی عقیدت رکھتا رہا۔

آپ سے میری پہلی ملاقات فروری ۲۰۱۹ء میں ہوئی تھی، قبل اس کے کہ اس کی تفصیل میں جاؤں، بزرگان خانقاہ مجیبیہ سے اپنی عقیدت مندی کے حوالہ سے کچھ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اگر یہ ذکر نہ کروں تو ناشکری ہوگی، سب سے پہلے اپنے والد مخدومی ومرشدی سید شاہ ہادی حسن فردوسیؒ کا ایک واقعہ سنئے:

ہمارے بڑے نانا سید وصی احمدؒ کا وقت اخیر تھا، آپ قدوۃ السالکین حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ کے مرید تھے، وہ پھلواری شریف سے تقریباً ۸ رکیلومیٹر (یعنی ۴ رکوس کے فاصلہ پر) ایک بستی ڈھری میں رہتے تھے، ان کی بیماری کی خبر مسلسل آرہی تھی، والدمحترم ریلوے اسکول کھگول میں استاذ کی حیثیت سے کام کرتے تھے، مسلسل کوشش میں تھے کہ اسکول سے چھٹی مل جائے کہ بڑے نانا کی خدمت کے لیے جاسکیں، مگر اس زمانہ میں سرکاری اسکول کے اساتذہ کو چھٹی مشکل سے ملتی تھی، ایک رات انہوں نے حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادریؒ کو خواب میں دیکھا، آپ فرمارہے تھے: ہادی تم ابھی تک یہیں ہو، وصی احمد تم کو یاد کررہے ہیں، صبح اٹھے اور میری والدہ محترمہ سے اس کا ذکر کیا اور فوراً ڈھری کے لیے روانہ ہوگئے، والدیہ فرمائے تھے کہ جس وقت وہ بڑے نانا کی خدمت میں پہنچے تو صرف سورۂ یٰسین شریف پڑھنے کا موقع ملا اور نانا خالق حقیقی سے جاملے۔

یہ واقعہ ہم نے کم سنی میں سنا تھا،مگر اس کا اثر آج تک محسوس کرتا ہوں، بزرگان دین سے عقیدت مندی کا زمانہ تھا،ہر گھر میں فاتحہ (ایصال ثواب) کا عام رواج تھا،شعبان المعظم کے پندرہویں شب کی نفلی عبادت اور چودھویں میں بالتفصیل ایصال ثواب کا معمول تھا، چھوٹے بچے فاتحہ کے لیے جو پکوان تیار ہوتے اس سے خوش ہوتے، یہ اتنا عام تھا کہ پوری بستی اور محلہ میں ایک خاص ماحول ہوجاتا تھا،اس وقت بدعت،شرک اور کفر کی باتیں نہیں تھیں،اکادکا آواز اٹھتی تھی مگر بس۔

اسلاف سے وابستگی اور اکابر دین واولیاء اللہ سے کمال عقیدت مندی عام تھی،اسی ماحول میں میرا بچپن گذرا،میٹرک اور آئی ایس سی پاس کرنے کے بعد ڈھاکہ جانا ہوا اور یونیورسٹی کی تعلیم شروع ہوئی، میں وہاں اپنے ایک ماموں سید محمد وارث کے ساتھ رہتا تھا،آپ ہماری والدہ کے حقیقی خالہ زاد بھائی اور ہمارے والد کے درچچیرے بھائی تھے،وہیں قریب میں آپ کی صاحبزادی روشن خاتون رہتی تھیں، ماموں جب کراچی آئے تو میں پھر روشن باجی کے ساتھ رہنے لگا،کیا کہوں، کیسے پیارے لوگ تھے اور کیسی محبت تھی؟ وہاں پھر پھلواری شریف کی خانقاہ سے وابستگی کا ایک اور دریچہ کھلا،ممانی صاحبہ کے والد جناب سید غلام سبطینؒ حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادریؒ کے مرید تھے،ان کے پاس دیوان فردؔ تھا،جو اب ماموں صاحب کے پاس تھا،جب کبھی دل گرفتہ ہوجاتا دیوان فردؔ کا مطالعہ کرتا،اس کتاب میں حضرت فردؔ کی سوانح حیات بھی تھی،فارسی کی معمولی شد بد تھی، پھر بھی آپ کے کلام سے بڑا ذوق ملتا،اس وابستگی کا یہ نتیجہ ہے کہ جب کبھی خانقاہ مجیبیہ جانا ہوا (اب تو اس کا موقع عرصہ سے نصیب نہیں ہے) حضرت فردؔ کے مزار پر بڑی عقیدت مندی سے حاضر ہوتا اور بے شک تمام اکابرین خانقاہ پر بھی حاضری دیتا، ۵۴ء میں مستقل کراچی آنا ہوا، وہاں ہمارے والدین اور بھائی بہن رہتے تھے، یہاں معلوم ہوا کہ بزرگان خانقاہ مجیبیہ اکثر یہاں تشریف لاتے ہیں، جناب سنجھلے حضور مولانا سید شاہ نظام الدین قادریؒ کی آمد کی جب کبھی خبر ہوتی تو لازمی حاضری دیتا، سنجھلے حضورؒ سے تعلق کا ایک اور بھی عنوان تھا۔

ہمارے والد جب عالم کا امتحان دے رہے تھے تو اکثر جناب سنجھلے حضور کی خدمت میں حل مشکلات کے لیے جاتے تھے، حالیہ سالوں میں حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد تقریباً سال دو سال کے وقفہ سے تشریف لایا کرتے تھے،اب یہ دنیا بدل گئی تھی، بزرگان دین کے طریقے ایصال ثواب، خانقاہی نظام پر اب لوگ اعتراض کرتے تھے، جو میرے بچپن میں شعار دین سمجھا جاتا تھا،اب اس پر اعتراض کی بارش تھی، یہ چیز ہمیں بری لگتی، ایصال ثواب پر اپنے عزیزوں کی تسلی کے لیے کچھ اپنی سمجھ کے مطابق کہہ دیتا تھا، ذہن میں آیا کہ اس پر کچھ تفصیل سے لکھوں، اسی اثنا میں میرے کرم فرما حضرت محمد منصور کاظم سے ایک نشست رہی، کاظم صاحب نے کچھ کتابیں پیش کیں اور ہمارے پڑھنے کے لیے دیا،اس میں ایک کتاب مصنفہ حضرت مولانا حبیب الرحمن کاندھلوی بعنوان عقیدہ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں بھی تھی، ہم نے اس کا مطالعہ کرنا شروع کیا، کاندھلوی صاحب علم قرآن و حدیث پر نظر رکھتے تھے، مگر اپنی ایک خاص فکر کے مطابق اس کی تاویل کرتے تھے، اصل میں ایصال ثواب پر دو طبقے

اعتراض کرتے تھے، ایک اہل قرآن، دوسرے اہل حدیث، بظاہر کاندھلوی صاحب کا تعلق اہل قرآن سے تھا، جب ان کی کتاب پڑھی تو جا بجا قرآنی آیات کا حوالہ پایا، دینی علوم میں میری کم علمی سے مجھے حوصلہ شکنی سی ہونے لگی، مگر اپنے بزرگوں کی اعانت نے حوصلہ بڑھا دیا اور کتاب کا ایک مسودہ تیار ہو گیا، مجھے فکر تھی کہ اس سلسلہ میں کسی صاحب علم سے رجوع کروں اور ان کی رہنمائی سے استفادہ کروں، اب تک میری ملاقات شاہ ہلال صاحب سے نہیں ہوئی تھی۔ بہرصورت ایک واسطہ مل گیا جناب احمد عثمانی صاحب سے میرے تعلقات تھے اور شاہ صاحب سے انہیں قریبی رشتہ داری تھی، بہرحال عثمانی صاحب کے واسطہ سے میری شاہ صاحب سے ملاقات ہو گئی، میں نے اپنی کتاب ''ایصال ثواب کا مسئلہ'' انہیں پیش کیا اور ان کی ناقدانہ رائے مانگی، شاہ صاحب نے بہت تحسین فرمائی، بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جب یہ کتاب چھپ جائے تو ایک جلد ان کے اور ایک جلد صاحب سجادہ مدظلہ العالی کے لیے بھیج دی جائیں، اس سے میرا حوصلہ بہت بڑھا اور شاہ صاحب سے ایک مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی، آپ نے نوازا اور مقدمہ بھی لکھ دیا۔

شاہ صاحب سے وابستگی کا ایک ایسا باب کھلا کہ جب بھی یہاں تشریف لاتے، مجھے ان سے استفادہ کا موقع مل جاتا، آپ کی گفتگو بہت دلنشیں ہوتی، آپ حاضرین کی استعداد کے مطابق گفتگو فرماتے، ایک دفعہ میں نے گذارش کی کہ میرے گھر پر میلاد النبی ﷺ پر کلام فرمائیں، ان دنوں مردوں کے لیے ایسی محفلیں منعقد کرنا مشکل ہو گیا ہے، میں نے اس کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ سب ہو جائے گا۔

ہماری اہلیہ کو بھی بیعت کرنے کی خواہش تھی، آپ ہمارے گھر تشریف لائے تھے، چنانچہ اس کی درخواست کی، آپ نے اسی وقت قبول فرمایا، دوسرے دن آپ کی واپسی تھی، چنانچہ آپ واپس چلے گئے اور میری اہلیہ بیعت کرنے کے دوسرے ہی دن رحلت فرما گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اس واقعہ کو ہماری خوش قسمتی کہیے کہ آپ کی کرامت کہیے۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

مولانا شاہ ہلال احمد قادری

ایک اچھے انسان، معیاری مصنف اور باوقار عالم دین

● ڈاکٹر محمد عتیق الرحمن — گلشن عتیق، نیو عظیم آباد کالونی، پٹنہ

مولانا شاہ ہلال احمد قادری سلسلۂ قادریہ کے ہلال تھے، خانقاہ مجیبیہ کے صوفی باصفا تھے اور بہار کے ممتاز عالم دین تھے، ان کی پوری زندگی حسن اخلاق وحسن کردار اور علم وعمل کا بہترین نمونہ تھی، ان کے اوصاف حسنہ کو مختصر طور پر بیان کرنا چاہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ درج ذیل خوبیوں کے حامل تھے:

ایک اچھے انسان :

مولانا شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ایک اچھے انسان تھے، آج ہمارے سماج میں مختلف خوبیوں کے لوگ مل جائیں گے، مثلاً صحافی، ادیب، شاعر، عالم، سیاست داں، سماجی خدمت گزار، سائنس داں، مؤرخ لیکن کیا ان لوگوں میں اعلیٰ قسم کی انسانیت بھی ہے؟ وہ امیر وغریب، چھوٹے بڑے، بوڑھے جوان، مرد وعوت، اپنے پرائے، سب کے ساتھ اخلاق حسنہ کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں اور حسب مراتب سب کے ساتھ انسان دوستی، پیار ومحبت اور احترام واکرام کا معاملہ کرتے ہیں؟ اس کا جواب ہمیں مثبت انداز میں بہت کم لوگوں میں ملے گا، اس کے برخلاف جب ہم مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کی پوری زندگی میں یہی پہلو سب سے زیادہ نظر آتا ہے، وہ خانقاہ میں ہوں یا اس کے باہر، وہ گھر میں ہوں یا بیرون خانہ، دوست واحباب کے درمیان ہوں یا بزرگوں کی محفل میں، تقریری پروگرام میں ہوں یا تصنیف و تالیف کی مجلس میں، وہ سب سے مسکراتے ہوئے سراپا حسن اخلاق بن کر سب سے باتیں کرتے، سب کی دل جوئی کرتے، سب کا احترام واکرام کرتے اور بڑے مومنانہ شان وشوکت کے ساتھ اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملتے تھے، چھوٹوں سے بھی

بڑے پیار ومحبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ان کی ہمت افزائی کرتے اور صحیح مشوروں سے نوازتے تھے، وہ سیاست دانوں اور سماجی کارکنوں سے بھی ملتے اور گفتگو کرتے تو بڑے عالمانہ وقار اور صوفیانہ طریقے کے ساتھ یعنی سراپا عجز وانکساری کا نمونہ بن کر گفتگو کرتے، وہ عالموں میں بڑے عالم دکھائی دیتے اور اپنے علم کی گہرائی اور تبحر سے اپنی اچھی عالمانہ حیثیت اور برتری منوا لیتے تھے، وہ گویا اپنی پوری زندگی میں دل آزاری اور دل شکنی جانتے ہی نہیں تھے، وہ سراپا اخلاق حسنہ تھے، جس کا مظاہرہ وہ ہر جگہ اور ہر محفل میں کرتے، جس کی ان کی شخصیت کی عظمت اور بلندی کھل کر ہمارے سامنے آجاتی تھی۔

میں مولانا ہلال احمد قادری کو ذاتی طور پر جانتا ہوں، ان کی علمی دعوت پر خانقاہ مجیبیہ میں کئی بار حاضر ہو چکا ہوں اور ان کی کئی علمی و دینی مجالس میں شرکت کر چکا ہوں، میں نے ہر بار ان کے اخلاق کریمانہ اور انداز گفتگو سے یہی محسوس کیا کہ وہ عظمت رفتہ کی یادگار ہیں اور خانقاہ مجیبیہ کے بزرگان دین کا خوبصورت نمونہ ہیں۔

ایک اچھے اور معیاری مصنف :

بہار کی تمام خانقاہوں میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے بزرگوں نے اوراد و وظائف اور اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ شعر و ادب اور تصنیف و تالیف کا شاندار ذخیرہ ہمارے لیے چھوڑے ہیں۔ مولانا ہلال احمد قادری اسی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، اس لیے ان کی شخصیت میں یہ پہلو بھی نظر آتا ہے، ان کے مضامین و مقالات رسالہ المجیب پھلواری شریف میں متواتر چھپتے رہتے تھے، اس سے ان کی علمی و دینی ذوق اور لکھنے پڑھنے کی دلچسپی ظاہر ہوتی تھی، اس کے علاوہ ملک کے دوسرے رسائل میں بھی ان کے علمی و تحقیقی مقالات شائع ہوتے تھے، جس سے ان کے علمی و تحقیقی انداز فکر کا علم ہوتا تھا، ۲۰۱۳ء میں جب ''اردو زبان و ادب میں خانقاہ مجیبیہ کی خدمات'' پر رسالہ المجیب کا ایک خصوصی شمارہ نکلا تو اس میں مولانا شاہ ہلال احمد قادری کے تین مقالات شائع ہوئے، جو یہ تھے:

(۱) خانقاہ مجیبیہ میں اردوئے معلیٰ کا نشو ونما تاج العارفین سے بدیع العصر تک۔

(۲) ماہ نامہ ''معارف'' تعارف وخصوصیات۔

(۳) تصوف اور بھکتی (نقد وتبصرہ)

ان تینوں مقالات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا ہلال احمد قادری شعر و ادب، تاریخ ادب اور میدان صحافت کے بہترین شہسوار تھے، انہیں ان موضوعات سے گہری دلچسپی تھی اور ان موضوعات پر لکھنے کی انہیں اچھی قدرت حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ ان مقالات میں انہوں نے جو افکار و خیالات پیش کئے ہیں، وہ ان کے اچھے ادیب وصحافی ہونے پر ثبوت پیش کرتے ہیں، وہ شعر فہمی کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، تیسرے مقالے میں انہوں نے ''تصوف اور بھکتی'' کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تصوف کے علاوہ دوسری تحریکات کا بھی بخوبی علم رکھتے تھے اور ان تمام کے درمیان فرق و امتیاز کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

ان مقالات کے علاوہ ان کی ایک تصنیف ’’سیرت پیر مجیب‘‘ نہایت قیمتی، معلومات افزا اور اہم کتاب ہے، جو اپنے اعلیٰ معیار، زبان و بیان اور تحقیقات کی وجہ سے ملک کے معیاری اور تحقیقی تصانیف میں رکھے جانے کے لائق ہے، مولانا ہلال احمد قادری نے انتہائی محنت، جاں فشانی اور دیدہ ریزی کے ساتھ اس کتاب کو جس خوبصورت شکل وصورت میں پیش کیا ہے، وہ ان کے ایک اچھے اور معیاری مصنف ہونے پر دلالت کرتی ہے، انہوں نے اس کتاب میں خانقاہ مجیبیہ کے اوائل و اواخر زمانے کے حالات و واقعات کو بڑی خوبصورتی اور محنت سے مرتب کیا ہے اور ہر واقعہ میں تحقیقی شان اور علمی رتبہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، یہ کتاب بلاشبہ ایک خانقاہ پر ہے، لیکن مولانا ہلال احمد قادری کے قلم نے اس کو علمی وتحقیقی رنگ دے دیا ہے، جس سے قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک علمی وتحقیقی کتاب مطالعہ کر رہا ہے، مولانا ہلال احمد قادری علم وتحقیق اور تنقید کے اچھے عالم تھے، اس لیے اس بزرگ شخصیت یعنی حضرت شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی کے حالات و واقعات تحریر کرنے میں وہی رنگ پیدا کر دیا ہے، انہوں نے اپنی محبت وعقیدت پر علمی وتحقیقی اسلوب بیان کو فوقیت دی ہے، جس سے اس کتاب کی قدر وقیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔

ایک باوقار عالم دین :

بہار کے علمائے کرام عام طور پر اپنا وقار مجروح کر دیتے ہیں، وہ اپنی حرکات وسکنات سے دوسروں کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے وہ معمولی آدمی ہوں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عالم دین بنایا ہے، جو وارث انبیا کہلاتے ہیں اور معاشرے میں ان کا مقام و مرتبہ سب سے اونچا اور اعلیٰ ہے، مولانا شاہ ہلال احمد قادری اس سے مستثنی تھے، کیوں کہ وہ خانقاہ مجیبیہ کے خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے، جہاں کے علمائے کرام اور صوفیائے عظام عام طور پر پروقار، سنجیدہ، متحمل و بردبار نظر آتے ہیں، مولانا ہلال احمد قادری سے جب بھی میری ملاقات ہوئی، وہ ایک شریف النفس، حیادار، پروقار عالم دین نظر آئے، وہ ملاقات کے وقت مسکراتے ہوئے ضرور ملتے تھے، لیکن اس میں بھی ان کی شرافت، متانت، سنجیدگی اور وقار غالب رہتا، وہ ہر آدمی سے اسی طرح ملتے جس سے ان کی شخصیت پروقار ہو جاتی، انہیں اس بات کا ہمیشہ ادراک رہتا کہ وہ ایک عالم دین ہیں، جس میں عالمانہ شان پائی جانی چاہیے، وہ شریعت وطریقت کے پیشوا ہیں، جن میں قیادت وسیادت کی خوبیاں نظر آنی چاہیے، وہ خانقاہ مجیبیہ کے نمائندہ ہیں، جنہیں حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری نور اللہ مرقدہ کے بعد قیادت وسیادت کا موقع اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا ہے، انہیں اس پروقار انداز میں سب سے ملنا جلنا چاہیے، جیسا کہ ان کے اسلاف کرام ملا کرتے تھے، انہیں چھوٹے بڑے اور عوام وخواص سے اس انداز سے گفتگو کرنی چاہیے، جس انداز گفتگو میں انہوں نے اپنے آبا و اجداد کو دیکھا تھا۔

مولانا ہلال احمد قادری کے پروقار ہونے کی ایک وجہ اور تھی، اور وہ تھی علم دین کی گہرائی وگیرائی۔ وہ علوم دینیہ کے متبحر عالم تھے، وہ قرآنیات، حدیث، فقہ کے اچھے عالم تھے، تصوف کے ترجمان تھے، سلوک وتصوف کے رمز آشنا تھے، وہ اصلاح حال کے ساتھ فقہی مصادر اور مسائل سے بخوبی واقف تھے، وہ جب قلم اٹھاتے تو تصوف کے پیچیدہ مسائل کو قرآن وحدیث سے ثابت کرتے اور ان کے جائز وناجائز پر فتویٰ بھی صادر کرتے، وہ جب لکھنے بیٹھتے تو قرآن وحدیث کے اہم مسائل پر عالمانہ گفتگو کرتے اور مخالفین کے دلائل کو غلط ثابت کر کے ہی قلم روکتے، قدرت نے علوم دینیہ خاص طور پر مسائل فقہیہ میں انہیں اعلیٰ صلاحیت عطا فرمائی تھی، جس کا اظہار ان کی تحریروں اور تقریروں سے ہوتا تھا، وہ اپنے علم وفن کے لحاظ سے بلاشبہ فخر بہار تھے، خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور مقام محمود میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

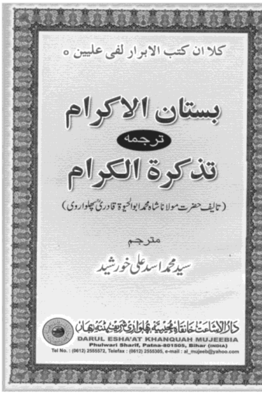

بستان الاکرام

ترجمہ

تذکرۃ الکرام

(تالیف حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیوۃ قادریؒ پھلواروی المتوفی: ۱۲۷۶ھ)

مترجم

ڈاکٹر سید محمد اسد علی خورشید

"بستان الاکرام" خانوادۂ مجیبیہ کے ایک ذی وقار عالم حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیات قادری قدس سرہٗ کی دوسو سالہ پرانی فارسی تصنیف "تذکرۃ الکرام" کا اُردو ترجمہ ہے، جسے ڈاکٹر سید محمد اسد علی خورشید شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے سلیس اور عام فہم انداز میں پیش کر کے ترجمہ نگاری کا بہترین حق ادا کیا ہے اور بہار کی خانقاہوں کے بزرگان دین کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے سہولت فراہم کی ہے۔

یہ کتاب ایک مستند تاریخی دستاویز ہے، جس میں خانقاہ مجیبیہ کے تمام بزرگوں کے تذکرے اور ان کے مختصر حالات موجود ہیں۔

ساڑھے پانچ سو صفحات کی بہترین طباعت سے آراستہ — اس کتاب کی قیمت محض -/300 روپے ہے، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی طلب فرما کر معلومات میں اضافہ کریں۔

رابطہ : 9006306098 ,+91-7250433562

سرزمین پھلواری کا ہلالِ علم وفضل

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی

● مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی — نگراں شعبۂ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

۱۳؍اگست ۲۰۲۰ کو اس خبر نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ مخدومی ومکرمی مولانا شاہ سید ہلال احمد قادری پھلواروی اس دنیا سے منہ موڑ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی بیماری کی خبر موصول ہوئی تھی۔ اپنی حیثیت کے مطابق دعا کا اہتمام بھی ہوتا رہا۔ حادثۂ وفات سے دو تین دن پہلے مولانا سید بدر احمد مجیبی ندوی کو فون کر کے خیریت بھی معلوم کی تھی۔ یہ بھی پتہ چلا تھا کہ وہ وزیر اعلیٰ بہار کی ہدایت پر ڈاکٹروں کی خصوصی نگرانی میں ہیں۔ اس لیے صحت کی طرف سے تقریباً اطمینان ہوگیا تھا۔ ۱۳؍اگست کو سہ پہر میں اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے سخت بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔ طبیعت میں مولانا کی خیریت معلوم کرنے کا سخت تقاضا پیدا ہوا۔ مولانا سید بدر احمد مجیبی کو فون ملایا تو بات نہ ہوسکی۔ پھر اپنی دوسری مصروفیات میں لگ گیا۔ اسی درمیان ان کے انتقال کی افسوس ناک خبر نے ذہن و دماغ کو شدید غم واندوہ میں مبتلا کر دیا۔ سچ یہ ہے کہ ان کے جانے سے ہم ایک بڑی دل نواز اور البیلی شخصیت سے محروم ہوگئے۔

مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی شخصیت کے متعدد گوشے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں متنوع صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اصلاح وارشاد، تصنیف وتالیف، وعظ وخطابت اور نظم ونثر پر قدرت اور عصری حسیت۔ ان تمام پہلوؤں سے اُن کی شخصیت پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس مضمون میں صرف ذاتی تاثرات پیش کیے جائیں گے، تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ ایک حقیر طالب علم اور معتقد اپنے عہد کے ایک بڑے عالم ومقتدیٰ کے متعلق کیا سوچتا ہے؟ اور کس طرح سوچتا ہے؟

مشائخ پھلواری کی یادگار :

مولانا شاہ ہلال احمد قادری خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف کے جلیل القدر بزرگوں کی حسین یادگار تھے۔سیکڑوں برس پر محیط اس عظیم مرکز فقر وارشاد کی دل نواز علمی و روحانی روایات کے امین وپاس دار تھے۔خانقاہ کے بزرگوں کا سلسلہ حضرت تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی سے شروع ہوکر مولانا شاہ سید محمد امان اللہ قادری اور مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری تک پہنچتا ہے۔ہمارے مخدوم ومکرم مولانا شاہ ہلال احمد قادری اپنے بزرگوں کے حقیقی جانشین تھے۔انھوں نے اپنے والد گرامی مولانا عین احمد قادری اور اپنے دادا اور حقیقی مربی شاہ محمد نظام الدین قادری سے بلا واسطہ اور پیش رو بزرگوں سے بالواسطہ یا روحانی طور پر جو کچھ سیکھا تھا، اسے حرز جاں بنالیا تھا۔تاحیات اسی راستے پر چلتے رہے۔اپنے گفتار و کردار سے اسی طریقے کی طرف بلاتے رہے۔آخرکار اپنے بزرگوں ہی کی طرح لبیک کر بارگاہِ ایزدی میں پہنچ گئے۔

خانقاہِ مجیبیہ کا امتیاز :

خانقاہِ مجیبیہ کے علماء ومشائخ میں جو چیز قدرِ مشترک کے طور پر ملتی ہے وہ ان کا علمی و روحانی رسوخ اور اعتدال و توازن ہے۔یہاں کے علماء ہر دور میں ’’درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق‘‘ کے حامل بھی رہے ہیں اور نہایت معتدل اور متوازن بھی۔یہ اعتدال وتوازن عقائد کی فروعیات میں بھی پایا جاتا ہے اور سلوک ومعرفت کی جزئیات میں بھی۔یہی وہ نکتہ ہے، جو ہم جیسے طلبہ کو ان بزرگوں کا معتقد اور فدائے پھلواری بناتا ہے۔ہمارے مخدوم ومکرم مولانا شاہ ہلال احمد قادری نے اپنے بزرگوں کے اسی مسلک اعتدال کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے:

> ’’ادھر پچھلی نصف صدی سے دو ایسے گروہ پیدا ہوئے جن کے معارضے اور تصادم سے امت میں شدید انتشار و افتراق پیدا ہوا۔جن امور پر دونوں گروہ متحارب ہوئے وہ جدید نہیں ہیں، لیکن جس شدت کے ساتھ محاذ آرائی ہوئی اور ایک دوسرے کو کافر ومشرک کہنے کا سلسلہ شروع کیا گیا، اس شور وغوغا میں مسلک کی حقانیت اور عقیدے کی اصابت گم ہوکر رہ گئی۔سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ دونوں گروہوں نے عقیدہ وعمل کی حقانیت کو اپنے اپنے لیے مختص کرلیا اور جو ان میں سے کسی ایک سے وابستہ ہوا وہی مسلم ٹھہرا، ورنہ کافر یا مشرک۔افراط وتفریط کی اس گرم بازاری میں اخلاص، للہیت، عقیدہ، عمل اور نصح مسلمین کی شمع کہیں روشن تھی تو وہ اہل تصوف اور ارباب طریقت تھے اور جیسا کہ تاریخ میں ہمیشہ ہوا ہے کہ وہ ان دونوں متصادم گروہوں کے درمیان حق واعتدال پر رہے ہیں اور عوام کی رہنمائی، دونوں کی معرکہ آرائیوں سے دامن بچاتے ہوئے خدا طلبی کی حقیقی بنیادوں پر کرتے رہے ہیں۔

پھلواری کے علماء ومشائخ بھی اسلاف کی انھی سنتوں پر عمل پیرا رہے۔وہ اگر علمائے دیوبند کے عقیدہ ومسلک کی

غلطیوں سے مفاہمت نہ کرسکے تو علمائے بریلی سے بھی کلیتاً اتفاق ان کے علم و بصیرت اور اُن کے تفقہ کے خلاف رہا‘‘—(سوانح شاہ امان اللہ قادری،ص ۳۲۲-۳۲۳)

یہ اقتباس جس طرح مشائخ پھلواری کے مسلک ومنہج کی نمائندگی کرتا ہے اسی طرح خود صاحب تحریر کی شخصیت و کردار کا آئینہ دار بھی ہے۔ملت اسلامیہ ہندیہ کی وہ شخصیات، جن کا نام ہر مسلک عزت واحترام سے لیتا ہے اور ہر شخص جنھیں اپنا سمجھتا ہے، وہ سب اسی مسلکِ اعتدال کے علم بردار تھے۔ہندستان کی سرحدوں سے باہر نکل کر دیکھا جائے تو ہر دور میں امت کے سواد اعظم کا مسلک یہی رہا ہے۔برا ہو سیاسی بازی گروں اور فرقہ واریت کی آگ پر اپنی روٹی سینکنے والوں کا، جنھوں نے پچھلی دو صدیوں کے درمیان پورے عالم اسلام میں مختلف عناوین سے انتشار پیدا کیا اور امت کے بڑے طبقے کو اس کے حقیقی مسلک سے ہٹا دیا۔ ملت کو اس راہ اعتدال سے بھٹکنے کا بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔موجودہ دور میں بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔خانقاہِ مجیبیہ اور اس جیسے دوسرے کچھ اور مراکز مسلمانان ہند کے لیے اختلاف وانتشار کے متلاطم سمندر میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔جب بھی امت کو تحزب اور تعصب سے فرصت ملے گی، وہ ان ہی جزیروں میں پناہ لے گی۔کھوئے ہوئے مسافر کے پلٹنے تک ان جزیروں کے باشندگان کو اصل حالت میں باقی رکھنا ضروری ہے۔صرف ضروری نہیں، یہ ان جزیروں کے باسیوں کا فریضہ اور ذمے داری بھی ہے کہ وہ انھیں اصل حالت پر باقی رکھیں اور حتی الامکان کوشش کرکے امت کو اس کی حقیقی راہ یاد دلاتے رہیں۔

اعتدال وتوازن :

کیا یہ منظر اصحابِ فہم کو نہیں لبھاتا کہ خانقاہِ مجیبیہ کی ایک بزرگ ہستی ایک طرف رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ (سعودی عرب) کے انگریزی مجلے کی ادارت سنبھالتی ہے تو دوسری طرف خانقاہ کے زیب سجادہ کو اپنا تازہ کلام ارسال کرتے ہوئے یہ بھی فرماتی ہے کہ اسے شہر کے کسی اچھے قوال سے پڑھوا کر سنیے گا۔ایک طرف مفتی اعظم سعودیہ عرب شیخ ابن باز سمیت دوسرے علمائے عرب سے بے تکلف مراسم بھی رکھتی ہے تو دوسری طرف منامی اشارے پر دیوبند میں مولانا حسین احمد مدنی کی قبر پر حاضری بھی دیتی ہے اور اپنی خانقاہ میں اپنے سے بہت کم عمر صاحب سجادہ کی دست بوسی بھی کرتی نظر آتی ہے۔محترم المقام مولانا سید ہلال احمد قادری بھی پوری طرح اسی اعتدال وتوازن پر عمل پیرا تھے۔باوقار انداز میں ظریفانہ مزاج اس پر مستزاد۔شریعت، طریقت، اعتدال اور خوش مزاجی نے ان کی شخصیت میں بلا کی دل کشی پیدا کردی تھی۔ایک بار ان سے ملنے والا بار بار ملنا چاہتا۔ چند لمحے ان کی صحبت میں گزارنے والا انھیں کا ہو جاتا۔ناگواری کے ساتھ ان کے پاس آنے والا خوش گواری کے ساتھ واپس ہوتا تھا۔یہ سب اس لیے تھا کہ انھوں نے بزرگوں کی عظیم روایات کو حرز جاں بنا کر پوری زندگی اس کی اشاعت وتوسیع میں لگا دی تھی۔اسی لیے اگرچہ وہ پیر مجیب اللہ قادری یا شاہ سلیمان پھلواروی نہ تھے،لیکن ان بزرگوں کا عکس جمیل ضرور تھے۔گویا:

کئی صدیوں کی خوش بو ہے بہ آسانی نہ جائے گی ❁ ہماری گفتگو سے بوئے سلطانی نہ جائے گی

ایک ملاقات :

مولانا شاہ ہلال احمد قادری کا ذکر چھڑتا ہے تو مجھے اپنی خوش قسمتی کا بھی احساس ہوتا ہے اور بدقسمتی کا بھی۔ مجھے ان سے بالمشافہ صرف ایک مرتبہ ملاقات کا موقع ملا۔ لیکن وہ ایک ملاقات ان سے مسلسل برقی رابطے اور استفادے کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ اپنی بدقسمتی کا احساس اس لیے ہوتا ہے کہ میں صرف ایک مرتبہ ان سے بالمشافہ شرفِ نیاز حاصل کرسکا۔ لیکن ان سے مسلسل رابطہ واستفادہ مجھے اپنی خوش قسمتی کا احساس دلاتا ہے۔

۲۰۱۹ میں ڈاکٹر محمد منظور عالم (چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی) اور مولانا عبدالحمید نعمانی (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت) کے ساتھ پٹنہ کا سفر ہوا تھا۔ پٹنہ کے اس سفر کا اصل مقصد خانقاہِ مجیبیہ کے صاحب سجادہ مولانا شاہ آیت اللہ قادری پھلواروی سے ملاقات تھی۔ وقت مقررہ پر ہم لوگ خانقاہ پہنچے تو خانقاہ کے حجرے میں پہنچنے سے پہلے ایک کمرے میں بیٹھا یا گیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے دو چار منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک بزرگ برآمد ہوئے۔ چوڑا پاجامہ، صاف شفاف کرتا، سر پر خانقاہی دوپلیہ ٹوپی، سفید ریش اور مسکراتا ہوا روشن چہرہ۔ اسی درمیان ناشتہ بھی لگ چکا تھا۔ ان بزرگ نے آتے ہی مصافحے ومعانقے کے بعد چند منٹ تاخیر سے آنے کی معذرت چاہی۔ بیٹھتے ہی فرمایا: آپ لوگ کچھ لے نہیں رہے ہیں؟ پھر میری طرف ذرا سا جھک کر گویا ہوئے: ''لے لیجیے، فاتحہ کا نہیں ہے۔'' اپنے سے بڑوں کے درمیان ہونے کے باوجود اس جملے پر میں کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

کچھ دیر بعد وہاں سے مولانا ہمیں حجرۂ عالیہ میں لے گئے۔ وہاں کافی دیر تک صاحب سجادہ محترم المقام مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ مولانا شاہ ہلال احمد قادری بھی تشریف فرما رہے۔ خاصی لمبی ملاقات کے بعد واپس ہونے لگے تو خانقاہ کے احاطے میں ایک مقام کی طرف اشارہ کر کے مولانا ہلال احمد قادری نے بتایا کہ حضرت مولانا علی میاں آخری مرتبہ خانقاہ تشریف لائے تھے تو اِس مقام پر اپنی متحرک کرسی (Wheelchair) سے اتر گئے تھے اور بزرگانِ خانقاہ کے احترام میں یہاں سے حجرے تک پیدل تشریف لے گئے تھے۔

اس پہلی اور آخری بالمشافہ ملاقات کے بعد میں خود کو مولانا ہلال احمد قادری کے سحر سے آزاد نہیں کرسکا۔ آج جب کہ وہ اپنی مراد پا کر واصل حق ہو چکے تو بھی عقیدت ومحبت کا یہ تعلق کمزور نہیں پڑا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ روز بہ روز بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اب ان سے فون پر بات نہیں ہوسکتی اور برقی پیغاموں کا تبادلہ نہیں ہوسکتا، لیکن ان کی یادیں اور تصانیف ہمیں وقتاً فوقتاً ان کے حضور پہنچا دیتی ہیں۔

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

ڈھیروں یادیں :

مولانا شاہ ہلال احمد قادری سے میرا سارا تعلق برقی نوعیت کا رہا۔اکثر فون پر بات ہوتی تھی۔کبھی کبھی تحریری پیغاموں کا تبادلہ بھی ہوتا تھا۔جب بھی بات ہوتی، خاصی لمبی ہوتی۔اُن کی گفتگو اتنی دل چسپ ہوتی تھی کہ وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ عشاء بعد مولانا کا فون آیا۔میں ایک دعوت میں جانے کے لیے پابہ رکاب تھا۔لیکن مولانا سے بات نہ کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ لہٰذا فون اٹھا کر مستفید ہونا شروع کیا۔میزبان نے ایک سے زائد مرتبہ مختلف ذرائع سے یاد دہانی کرائی۔لیکن میں مولانا کے مقام ومرتبے اور دل چسپ گفتگو کی وجہ سے بات کرتا ہی رہا۔تقریباً پون گھنٹے بعد گفتگو ختم ہوئی تو میں نے روحانی غذا کے بعد جسمانی غذا کے لیے قدم بڑھائے۔

کورونا (Covid19) کی وجہ سے لگنے والی عمومی بندش (Lockdown) کے دنوں میں متعدد نئے مسائل پیش آئے۔ان میں سے کئی مسائل کے سلسلے میں مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی عالمانہ تحریریں بھی سامنے آئیں۔اُن تحریروں سے مستفید ہو کر بھی میں نے ان سے بات کی تھی اور اپنے علم میں بیش قیمت اضافے کیے تھے۔

لوک ڈاون کے زمانے میں عید الفطر آئی تو صبح صبح مولانا کا یہ پیغام موصول ہوا:

''عید غریب مبارک ہو۔اللہ کرے پھر کبھی ایسی عید غریباں نہ ہو۔''

مجھے اس اندازِ تبریک سے طالب علمانہ اختلاف تھا۔بلاشبہ یہ عید بڑی عجیب وغریب اور بڑی پھیکی تھی۔نہ عید گاہ یا مسجد میں عید کی نماز اور نہ لوگوں سے ملنے جلنے کی اجازت۔پھر بھی میں سوچ رہا تھا کہ رمضان المبارک ختم ہونے کی خوشی میں ہمیں اس عید پر بھی حتی الامکان مسرت وشادمانی کا اظہار کرنا چاہیے۔کچھ ہو نہ ہو، رمضان تو عافیت سے گزر گئے۔اللہ تعالیٰ کی عظیم دولت سے مستفید ہونے کا موقع تو مل گیا۔اس لیے جتنا ممکن ہو اظہارِ مسرت کرنا چاہیے۔چناں چہ عید کے چند روز بعد مولانا کو فون کر کے اپنا طالب علمانہ اعتراض پیش کیا۔مولانا نے استادانہ کشادگی کے ساتھ میری بات کی تصویب فرماتے ہوئے کہا کہ آپ ایک پہلو دیکھ رہے تھے اور ہم دوسرا پہلو۔اس کے بعد انھوں نے رمضان المبارک کے خانگی وخانقاہی معمولات تفصیل سے بیان فرمائے۔وہ لوک ڈاؤن کی وجہ سے اپنے صاحب زادے، صاحب زادیوں اور اہلیہ محترمہ کے ساتھ عبادات کے اشتغال سے بہت خوش تھے۔اس ضمن میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہونے والی سنجیدہ اور مزاحیہ ہر طرح کی باتیں بیان کیں۔یہ بھی بتایا کہ''الحمد للہ اس سال ساتھ افطار کرنے والوں کی تعداد دوسرے برسوں کے مقابلے میں زیادہ رہی۔''

حادثۂ وفات سے کچھ دن پہلے میری آخری بات ہوئی۔مولانا نے خیر خیریت کے بعد کورونا کے سلسلے میں ایک لطیف نکتہ ارشاد فرمایا۔کہنے لگے کہ''یہ بیماری بنی اسرائیل ہی کی پھیلائی ہوئی ہے اور اس کا علاج بھی بنی اسرائیل کی تاریخ سے ملتا ہے۔''میں نے حیرت کے ساتھ وہ علاج پوچھا تو فرمایا:''لا مساس لا مساس۔بس یہی اس کا علاج ہے۔''کیا معلوم تھا کہ یہ وبائی بیماری ہی ان کے وفات کا سبب بن جائے گی۔

حسرت ناکام :

اس گفتگو کے چندروز بعد معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔ پھر اسپتال میں داخل ہونے کی اطلاع بھی ملی تو دل دھک سے رہ گیا۔ بارگاہِ ایزدی میں خوب دعائیں کیں کہ ہمارے مولانا کو کچھ نہ ہو۔ کیوں کہ ابھی ان سے بہت کچھ سیکھنا تھا، خوب استفادہ کرنا تھا۔ لیکن حیؔ قیومؔ کے آگے کسی کی چلی ہے جو ہماری چلتی۔ آخر کار ایک دن ان کی رحلت کی خبر نے ہلا کر رکھ دیا۔ ایسا محسوس ہوا کہ برسوں پرانا کوئی مشفق ومحترم چلا گیا۔ بہت سی آرزؤوں اور تمناؤوں کی بساط ایک لمحے میں لپیٹ دی گئی۔ ایک دن فون پر گفتگو کے دوران ان سے وعدہ کیا تھا کہ بارہ ربیع الاول کو خانقاہ میں ہونے والے عرس نبوی کے موقعے پر حاضری دوں گا۔ تبرکات کی زیارت سے مشرف ہونے کے ساتھ دو تین دن ان کے ساتھ رہ کر علمی وروحانی استفادہ بھی کروں گا۔ ساتھ ہی اجازت حدیث بھی حاصل کروں گا۔ پیارے مولانا نے میری ان تمام خواہشوں کو پرزور استقبال کے ساتھ قبول فرمایا تھا۔ اپنی طرف سے اصرار بھی کیا تھا کہ بس آہی جانا۔ افسوس کہ بارہ ربیع الاول سے پہلے وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اس حادثے نے مجھے یہ حقیقت بہت اچھی طرح سمجھادی:

یہ آرزو بھی بڑی چیز ہے مگر ہمدم
وصال یار فقط آرزو کی بات نہیں

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

ضروری گذارش

المجیب خانقاہ مجیبیہ کا ترجمان ایک دینی، علمی اور ادبی رسالہ ہے جس کی اشاعت کا پورا انحصار اشتہارات اور خریداروں پر ہے۔ آج کے زمانہ میں اردو کا رسالہ نکالنا ایک مشکل امر ہے، جب تک باذوق حضرات اس کی معاونت نہ کریں۔ المجیب پابندی سے آپ کو بھیجا جارہا ہے۔ امید ہے کہ رسالہ آپ کے ذوق پر پورا اترتا ہوگا۔

جن لوگوں نے سال ۲۰۲۱ء کے لئے زرسالانہ جمع نہیں کیا ہے، ہم ان کی خدمت میں یہ خصوصی شمارہ بھیجنے سے قاصر ہیں۔ وہ حضرات اگر خصوصی شمارہ کے خواہش مند ہیں تو قیمتاً بھیجا جائے گا۔

لہٰذا پہلی فرصت میں زرسالانہ بھیج کر ۲۰۲۱ء کی تجدید کرالیں۔ رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر و پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔

ادارہ آپ کے اس تعاون پر شکرگذار ہوگا۔

—سرکولیشن منیجر

معروف عالم دین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری اور عالم ربانی مولانا شیخ اسید الحق قادری کے علمی مکاتیب

● مولانا ارشاد عالم نعمانی — استاد مدرسہ قادریہ بدایوں

حضرت مولانا سید شاہ آیت اللہ صاحب قادری، زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی ایک قابل فخر شخصیت تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی علم کی اشاعت اور تحریر وقلم کی آبیاری میں بسر کی۔ ایک کامیاب اور بامقصد زندگی گزارنے کے بعد ۳۱؍ اگست ۲۰۲۰ء کو قضائے الٰہی سے وصال فرما گئے — اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت موصوف نہایت خلیق، متواضع، منکسر المزاج اور باوضع عالم دین تھے۔ اکابر کا احترام، اصاغر پر شفقت، جذبہ اخلاص للہیت، بے ریائی، فروتنی ان کے امتیازی اوصاف تھے، برادر مکرم شہید بغداد شیخ اسید الحق قادری رحمہ اللہ اور والد گرامی مدظلہ العالی سے ان کے مخلصانہ روابط تھے۔ ان کے سانحہ ارتحال سے دلی صدمہ ہوا۔ اللہ کریم انہیں غریق رحمت فرمائے۔

مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں کے استاد عزیز القدر مولانا ڈاکٹر ارشاد عالم نعمانی سلمہ القدیر نے برادر مکرم شہید بغداد رحمہ اللہ اور مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمہ اللہ کے اہم علمی مکاتیب کی روشنی میں میرے حکم پر یہ مختصر تحریر سپرد قلم کی ہے۔ مناسب لگے تو اسے سہ ماہی المجیب (پٹنہ) کے خصوصی شمارے میں شامل اشاعت فرمالیں، والسلام۔

عطیف قادری بدایونی — خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

۲۲؍ اکتوبر ۲۰۲۰ء

بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں خانقاہِ عالیہ قادریہ بدایوں کے زیر اہتمام تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہِ عالیہ قادریہ بدایوں) کی سرپرستی میں ادارہ مظہر حق کا قیام عمل میں آیا۔ یہ خانقاہ عالیہ قادریہ کا

ایک ذیلی ادارہ ہے جو اس کے شعبۂ نشر واشاعت کی حیثیت سے معروف ہے۔

۱۹۹۱ء میں ادارہ مظہرِ حق کا نام بدل کر ’’تاج الفحول اکیڈمی‘‘ کر دیا گیا جس کے زیر اہتمام اپریل ۱۹۹۸ء میں ماہ نامہ مظہرِ حق کا اجرا عمل میں آیا۔ یہ ماہ نامہ آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں کا ترجمان ونقیب تھا، جو اپنے سالِ اجرا سے لے کر سات سال تک پابندی وقت کے ساتھ نکلتا رہا۔ ماہانہ شماروں کے ساتھ اس کے متعدد خصوصی شمارے اور نمبرات بھی منظر عام پر آئے۔ مارچ ۱۹۹۹ء میں ماہ نامہ مظہرِ حق کا ضخیم ومجلد تاج الفحول نمبر اشاعت پذیر ہوا، جو ۶۷۲ رصفحات پر مشتمل ہے۔ اور ہند وپاک کے معتبر اہل قلم کے گراں قدر مقالات اور تحقیقی نگارشات سے آراستہ ہے۔ تاج الفحول نمبر آستانہ قادریہ اور اعلیٰ حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کی تاریخ اور خدمات کے سلسلے میں ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نمبر کی علمی وادبی حلقوں میں مقبولیت پر اہل علم وارباب فکر ونظر کے درجنوں تاثراتی خطوط ماہنامہ مظہرِ حق کے مطبوعہ فائل میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

ماہ نامہ مظہرِ حق کے خصوصی شماروں میں ’امام الاولیا پر خصوصی شمارہ‘، ’عاشق الرسول پر خصوصی شمارہ‘، ’سرکار مقتدر پر خصوصی شمارہ‘، ’شہادت کربلا پر خصوصی شمارہ‘ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

ماہ نامہ مظہرِ حق ہندوستان کی اہم علمی شخصیات اور خانقاہوں میں اعزازیہ بھیجا جاتا تھا۔ خانقاہِ مجیبیہ پھلواری پٹنہ کے صاحب سجادہ کے نام بھی رسالہ اعزازی طور پر جاری تھا۔ ایک اعزازی کاپی خانقاہ مجیبیہ کے معروف عالم مولانا بدر احمد مجیبی کے نام بھیجا جاتا تھا، یہ ماہ نامہ اپنے وقت میں اہل علم وصاحبانِ قلم کا مرکز توجہ رہا جس پر ادارہ مظہرِ حق کے نام اہل علم کے متعدد مکاتیب شاہد ہیں۔

محب مکرم مولانا مجاہد رضا قادری (استاد مدرسہ قادریہ بدایوں) کے ساتھ ابھی حال ہی میں جشن صد سالہ اعلیٰ حضرت تاج الفحول قدس سرہ (۱۹۹۸ء) کے تعلق سے ہند وپاک کے مشاہیر اہل علم وارباب قلم اور علما ومشائخ کے خطوط ومراسلات اور روداد جشن کی فائلیں دیکھ رہا تھا کہ اسی میں ماہ نامہ مظہرِ حق کے خطوط ومراسلات کی ایک فائل پر نظر پڑی۔ میں نے اس فائل کے مکاتیب کا سرسری مطالعہ کیا، جس سے اندازہ ہوا کہ مذکورہ رسالہ اپنے دورِ اشاعت میں کس قدر اہل علم کی توجہ کا مرکز تھا۔ اسی میں ایک ساتھ پن اَپ کیے ہوئے تین خطوط بھی ملے جس میں دو خط مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواری (م ۲۰۲۰ء) اور ایک خط مولانا شیخ اسید الحق قادری (م ۲۰۱۴ء) کے نام بھی نظر نواز ہوئے۔ ان خطوط کو علاحدہ کیا اور ان کا سرسری مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ علمی مراسلے چھپنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ اس میں قارئین کے لیے بیش قیمت علمی وتحقیقی افادات ہیں۔ سردست کتب خانہ قادری میں رسائل کے شعبہ میں میں نے مظہرِ حق کی سالانہ فائلیں بھی دیکھی۔ اس کے شماروں میں ان خطوط کو تلاش کیا، تو اندازہ ہوا کہ یہ خطوط اب تک شائع نہیں ہوئے ہیں۔ اس سے میرے ارادے کو اور تقویت پہنچی کہ ان علمی مکاتیب کو ایک مضمون کی شکل میں شائع کر دینا چاہیے تاکہ دونوں شخصیات کے اہم علمی افادات محفوظ ہو جائیں۔

عالم ربانی مولانا شیخ اسید الحق قادری رحمہ اللہ ۶ ؍سال قبل آستانہ غوث الاعظم بغداد معلی کی حاضری کے ایک سفر میں دہشت گردوں کی گولی کا نشانہ بنے اور عین جوانی ہی میں اپنی عمر عزیز کی چوتھی دہائی میں جام شہادت نوش کرتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوگئے اور ہمیشہ کے لیے آستانہ غوث الاعظم کے قریب خاندانِ غوثیہ کے آبائی قبرستان میں آسودہ خاک ہوگئے۔

جماعت اہل سنت کو آپ کی علمی، ادبی اور تحقیقی شخصیت سے مستقبل میں بے پناہ خدمات کی توقعات تھیں۔آپ نے مختصر عرصے میں اہل علم کے درمیان اپنی غیر معمولی علمی شناخت بنائی تھی۔عمر عزیز کے مختصر ماہ وسال میں درس وتدریس، فقہ وافتا، تصنیف وتالیف، تحریک وتنظیم ہر سطح پر آپ نے اپنی شخصیت کا لوہا منوایا تھا۔یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی شہادت کی خبر آئی، ہندو پاک کی علمی، ادبی، مذہبی اور روحانی فضا سوگوار ہوگئی۔آپ کے وصال کو ملت اسلامیہ ہند نے ایک بڑا خسارہ تسلیم کیا، اور آپ کی خدمات دینی وعلمی کو غیر معمولی خراج عقیدت پیش کیا۔آپ کے وصال پر اہل خانقاہ کے نالہ درد، اہل علم کے گریہ الم اور نئی نسل کے مرثیہ غم سے ایک عالم کراہ اٹھا۔لیکن قضائے الٰہی کے سامنے سوائے صبر کے چارہ ہی کیا ہے۔آپ کی خدمات وکارنامے کی دستاویزی تاریخ پر عرس چہلم کے موقع پر ملت کا ترجمان ماہنامہ جامِ نور دہلی نے ۴۰۰ ؍صفحات پر ایک ضخیم نمبر شائع کیا۔

موقع کی مناسبت سے جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری (سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار) کا حضرت عالم ربانی رحمہ اللہ کے سانحہ ارتحال پر صاحب سجادہ حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری کے نام ایک تعزیتی تاثر کو نقل کیا جارہا ہے۔یہ تعزیتی مکتوب عالم ربانی نمبر کی زینت ہے۔

دل اب بھی یقین کرنے پر آمادہ نہیں

● مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری

سجادہ نشین: خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ (بہار)

حادثۂ جانکاہ یعنی آں جناب کی معیت اور برادر اصغر عطیف میاں قادری ودیگر احباب کی شمولیت میں بارگاہ غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کی حاضری کے بعد حضرت شیخ محمد توفیق گیلانی سے ملاقات کی غرض سے جاتے ہوئے، اربل کردستان عراق میں ایک دہشت گردانہ حملے کی زد میں برادرم شاہ اسید الحق عاصم قادری تغمدہ اللہ بغفرانہ واعلیٰ درجاتہ کی شہادت کی اندوہناک خبر بذریعہ روزنامہ ''انقلاب'' معلوم ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیراً منھا۔

انتقال کی دل خراش وجگر سوز خبر سے قلبی صدمہ ہوا، ذہن ودماغ پر حزن وملال کی ایک ناقابل بیان کیفیت چھاگئی۔ اب تک نہ جانے کتنی بار اس حادثہ جانکاہ کی خبر پڑھ چکا ہوں، مگر دل اب بھی یقین کرنے پر آمادہ نہیں کہ جو کچھ ہوا وہ واقعی ہو چکا ہے۔مگر مشیت ایزدی اور قضاوقدر کے فیصلے پر سوائے یقین کرنے کے چارہ ہی کیا ہے۔ہم مجبور بندے کیا کرسکتے ہیں۔یہ تو ایسا اندوہناک صدمہ ہے جس کی غم انگیزی الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی، بس آنسوؤں کی دبی ہوئی آہوں کے ساتھ ایک بار پھر بندگی

و بیچارگی کا اقرار کرتے ہیں کہ بیشک ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں، اسی کی امانت ہیں اور منزل مقصود بھی وہی ہے، جانا وہیں ہے۔

شاہ اسید الحق صاحب کی ہمہ جہت شخصیت، قلیل مدت میں ان کے عظیم علمی و تحقیقی کارنامے، خانقاہ میں ان کی تشریف آوری، کچھ دیر خانقاہ میں قیام، ناچیز سے ملاقات، مزاج میں سادگی، اخلاق میں بلندی، اخلاص وللہیت، پھر تعلقات، مراسلت اور مکاتبت، یہ سب یادیں ذہن و دماغ میں گردش کر رہی تھیں اور قلب و روح کو مضمحل کیے ہوئے تھیں۔ بالآخر حال معلوم کرنے اور تعزیت کی سنت پر عمل کرنے کے لیے فون سے رابطہ کیا تو مولانا مجاہد صاحب نے آپ کے چھوٹے صاجزادے سلّمہ سے بات کرائی، فرط غم کی وجہ سے تعزیتی کلمات بھی زبان سے ادا نہیں ہو رہے تھے، بمشکل تمام چند الفاظ لرزتی زبان سے نکل پائے تھے، جو ایسی گراں بار مصیبت کی تعزیت کے لیے کالمعدوم کی حیثیت رکھتے تھے، کیوں کہ برادرم شاہ اسید الحق صاحب کی وفات کا غم ایسا شدید ہے، جس کے لیے دنیا بھر کے تعزیتی کلمات ناکافی ہیں۔

جواں سال فرزند، پیکر علم و فضل، جن میں صلاحیت و صالحیت بدرجہ اتم موجود ہوں، جو اپنے اسلاف کرام کے صوری و معنوی کمالات کی مکمل تصویر ہو، اس طرح دہشت گردانہ حملے میں ان کی شہادت آپ کے لیے کتنے غم و اندوہ، رنج و ملال اور قلق و اضطراب کا باعث ہوگا، ہمیں اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔

گر پیر نود سالہ بمیرد عجبے نیست
ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

مگر صبر و تسلیم و رضا روزِ اول سے ہی عظیم المرتبت ہستیوں کا شیوہ رہا ہے، اس غم زدہ ماحول میں آپ نے بھی صبر کے وسیع سرمایہ سے ضرور مدد لی ہوگی، اللہ تعالیٰ اس پیرانہ سالی میں آپ کو یہ بار غم اٹھانے اور برداشت کرنے کی قوت و استطاعت عطا فرمائے۔ انہیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل اپنی بے پایاں رحمتوں سے سرفراز کرے اور پیران سلاسل قادریہ کے ساتھ محشور فرمائے۔ آمین

شاہ اسید الحق تھا روشن قادریت کا چراغ ❁ حسرتا! باد اجل سے ناگہاں وہ بجھ گیا
منکسر، خندہ جبیں حفظ مدارج کا لحاظ ❁ اپنے حسن خلق سے ہر دل میں وہ گھر کر گیا
علم و دانش سے طبیعت کو تھا اک فطری لگاؤ ❁ نکتہ رس تھا ذہن اس کا، فہم تھا معنی رسا
روح پر اس کی رہے بارانِ رحمت صبح و شام ❁ مہبط انوار یارب! اس کی تربت کو بنا
تھا فراق اس در سے اس کو کیسا آیت ناگوار ❁ جا کے پائے نازش غوث الوریٰ میں سو گیا
باج دے کے جان کی، وہ شاہ جیلاں کا ہوا ❁ راس اس کو آگئی بغداد کی آب و ہوا
۶ ۱۴۳۵ھ = ۶-۱۴۴۱

——(ماہنامہ جام نور دہلی، عالم ربانی نمبر، اپریل ۲۰۱۴ء ص: ۴۶)

۲۰۲۰ءاسلامیان ہند کے لیے عام الحزن ثابت ہوا ہے۔اس سال کثرت کے ساتھ اساطین علم کی رحلتیں ہوئیں۔جس تیزی کے ساتھ رواں سال میں بڑی بڑی علمی شخصیات ہمارے درمیان سے رخصت ہوئیں، اس نے پوری ملت کو مضطرب کر دیا ہے۔اسی رحلت کی خبر میں خانقاہِ مجیبیہ پھلواری کی موجودہ عہد میں نہایت علمی شخصیت حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کی بھی ہے، جن کا وصال خانقاہِ مجیبیہ کے لیے ایک عہد کے خاتمہ کے مترادف ہے۔معروف عالم دین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نے اپنی ۶۳ رسالہ زندگی میں دین ومذہب، اسلام وسنیت، فقہ وافتا، تاریخ وتحقیق اور علوم وفنون کی جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں ان کو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔انہوں نے اپنی غیر معمولی دینی وعلمی خدمات سے ایک عہد کو متاثر کیا تھا۔ان کا سانحہ ارتحال علمی دنیا کے لیے اندوہناک صدمہ ہے۔اللہ کریم ان کے امثال پیدا فرمائے۔آمین!

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری اور مولانا شیخ اسید الحق قادری کے متذکرہ مکاتیب کی اشاعت کا پہلا جواز تو یہ ہے کہ یہ اب تک غیر مطبوعہ ہیں، اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان تینوں خطوط کے مطالعے کے بعد یہ انکشاف ہوتا ہے کہ صاحبانِ علم و تحقیق کا اسلوب نقد کیا ہوتا ہے؟ ایک دوسرے کے مراتب کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کا لب ولہجہ کیا ہونا چاہیے؟ کسی علمی استفسار میں اسلوب بیان کس قدر متوازن اور معتدل ہونا چاہیے؟ ساتھ ہی کسی بھی علمی استفسار کے جواب کا اسلوب اور لب ولہجہ کیسا ہو؟ یہ اور اس طرح کے متعدد اہم گوشے ان تینوں مراسلات کے مطالعے سے واضح ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔

پہلا مکتوب معروف عالم دین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواری کا ہے۔تاریخ تحریر ۲۸/۶/۱۹۹۸ء درج ہے۔ یہ خط انہوں نے خانقاہِ قادریہ بدایوں کے زیب سجادہ حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم قادری کے نام تحریر کیا ہے۔

دوسرا مکتوب جوابی مراسلہ ہے جو عالم ربانی مولانا شیخ اسید الحق قادری کے قلم سے ہے۔اس میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ:

> ”والد گرامی حضرت صاحب سجادہ کے نام آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔حضرت قبلہ خاندانی روایت کے مطابق ماہ ربیع الثانی میں ہر سال بغداد معلی حاضر ہوتے ہیں۔سفر کی تیاریوں کی وجہ سے عدیم الفرصت تھے۔آپ کا مکتوب اس حکم کے ساتھ اس احقر طلبہ کو عطا ہوا کہ جواب دے دوں“۔

یہ جوابی مکتوب اس وقت کا ہے کہ وہ ابھی درس نظامی سے فارغ التحصیل ہی ہوئے تھے اور حضرت صاحب سجادہ کے حکم پر انہوں نے یہ جواب نامہ سپرد قلم کیا تھا لیکن پورے خط کے مطالعہ سے قارئین کو یہ صحیح اندازہ ہوگا کہ اس عہد جواں سالی میں بھی موصوف کا قلم، علم، مطالعہ، دلائل اور اسلوب بیان ہر لحاظ سے پختہ اور کسی کہنہ مشق کا قلم نظر آتا ہے۔انہوں نے جس ادب، احترام، تکریم، نفاست، شائستگی اور متانت کا خیال رکھا ہے، وہ موصوف کی خاندانی شرافت، تربیت اور ادب شناسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

موصوف کے اسلوب کی متانت اور شائستگی کا بجا طور پر اعتراف مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نے بھی اپنے دوسرے مکتوب میں کیا ہے، جو انہوں نے مولانا شیخ اسید الحق قادری کے نام تحریر کیا ہے اور آپ کی اس خوبی کو سراہتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

''مکتوب آں برادر موصول ہوکر باعث طمانیت ہوا۔آپ نے اس بدنام کنندۂ نیکونامے کے ساتھ حسن ظن رکھا۔جزاکم اللہ تعالیٰ۔یہ آپ کے گرامی قدر خانوادے کی تربیت کا اثر ہے،ضاعف اللہ بہا،ہم لوگ جن بزرگوں کے دامن سے وابستگی رکھتے ہیں،اس کا تقاضہ ہے کہ آپس میں احترام وتکریم اور محبت واتحاد ہو۔یہی ہم لوگوں کا مسلک ہے۔الفقراء کنفس واحدۃ، رہ گئی خردہ گیری اور نکتہ چینی تو وہ ان لوگوں کو مبارک ہو جن کو فقر وتصوف سے کوئی مس نہیں ہے۔''

دوسرے اور تیسرے خط پر تاریخ تحریر درج نہیں ہے،لیکن ظاہر ہے کہ یہ بعد ہی کے خطوط ہیں۔تینوں مکاتیب کے اندر اسلوب بیان،ایک دوسرے کے مراتب کا احترام،سنجیدگی اور متانت کی دل کش تصویر نظر آتی ہے۔

تینوں مکاتیب کے مشمولات میں گفتگو کا مرکزی محور یہ ہے کہ سلسلہ قادریہ کا شجرہ طریقت امام الاولیا سیدنا بہاء الدین قادری شطاری دولت آبادی سے اوپر شیوخا بعد شیوخ ہے یا ابا عن جد ہے۔؟ دوسرے سیدنا بہاء الدین قادری شطاری دولت آبادی کے پیر ومرشد ابوالعباس احمد الحلبی الشافعی القادری عرف احمد صافی ہیں یا سیدنا احمد جیلی ہیں؟

چوں کہ خانقاہ قادریہ بدایوں اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری دونوں کے یہاں سلسلہ طریقت قادریہ ہے اور یہ دونوں قادری خانقاہیں امام الاولیا سیدنا بہاء الدین شطاری سے فیض یافتہ ہیں۔مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کے پیش نظر پھلواری شریف کا شجرہ قادریہ تھا جس میں سیدنا بہاء الدین انصاری شطاری کے شیخ ومرشد کا نام ابوالعباس احمد الحلبی الشافعی القادری عرف احمد صافی درج تھا،دوسرے شیخ محدث دہلوی کی اخبار الاخیار (فارسی) میں شیخ بہاء الدین شطاری کے مشائخ طریقت کا نام جس طرح درج تھا اس سے بظاہر اس بات کا اشعار ہو رہا تھا کہ سیدنا بہاء الدین انصاری شطاری قادری قدس سرہ کے شیخ طریقت ابوالعباس احمد الحلبی الشافعی القادری ہیں اور اوپر کا سلسلہ ابا عن جد نہیں بلکہ شیوخا بعد شیوخ ہے۔

ماہ نامہ مظہر حق بدایوں کے دوسرے شمارے میں سید اکرام میاں رزاقی کا ایک مضمون حضرت سیدنا بہاء الدین شطاری قادری قدس سرہ کے احوال پر اشاعت پذیر ہوا،جس میں انہوں نے سیدنا بہاء الدین شطاری کے شیخ طریقت کا نام خانقاہ قادریہ کے شجرے کے مطابق شیخ احمد جیلی تحریر کیا ساتھ ہی انہوں نے شیخ احمد جیلی سے سیدنا غوث پاک تک کے سلسلہ طریقت قادریہ کو ابا عن جد تحریر کیا۔چوں کہ پھلواری شریف میں بھی سلسلہ قادریہ ایک طریق سے سیدنا بہاء الدین شطاری کے واسطے سے پہنچا ہے،خانقاہِ مجیبیہ پھلواری کے شجرہ قادریہ میں سیدنا بہاء الدین شطاری کے شیخ ومرشد کا نام احمد جیلی کے بجائے ابوالعباس احمد الحلبی الشافعی القادری عرف احمد صافی درج ہے،اس لیے آں موصوف کو شبہ ہوا کہ سیدنا بہاء الدین کے شیخ احمد جیلی نہیں ہیں بلکہ ابوالعباس احمد الحلبی الشافعی القادری عرف احمد صافی ہیں۔اور انہوں نے اپنے پہلے مکتوب محررہ (۲۸/۶/۹۸ء) میں ابوالعباس احمد الحلبی الشافعی القادری عرف احمد صافی اور شیخ احمد جیلی کو الگ الگ شخصیت سمجھتے ہوئے خانقاہِ پھلواری کے شجرہ قادریہ میں مندرج اسمائے مشائخ قادریہ کے مطابق انہوں نے استفسار کیا ہے کہ:

''مظہر حق میں بطور ضمیمہ حضرت سیدنا بہاء الدین قادری شطاری کے جو حالات لکھے گئے ہیں، اس میں ان کے اوپر کے شیوخ کے ناموں میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ حقیقتاً اسمائے شیوخ اسی طرح سے شجرے میں لکھے جاتے رہے ہیں یا مضمون نگار سے تسامح ہوا ہے؟''

اس کے مابعد پھلواری شریف کے شجرہ کے مطابق اسمائے شیوخ کو درج کرتے ہوئے حضرت سیدنا بہاء الدین کے شیخ کی حیثیت سے احمد جیلی کے بجائے ابو العباس احمد الحلبی الشافعی القادری عرف احمد صافی نام درج کیا اور اسی کی تصحیح کے طور پر شیخ محقق کی اخبار الاخیار اور شاہ ولی اللہ کی الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ سے اپنے مفید مطلب اقتباس کو نقل کرتے ہوئے تحریر کیا کہ:

''مضمون نگار موصوف نے معلوم ہوتا ہے کہ عجلت میں حالات قلم بند کیے ہیں، اصل مآخذ سے رجوع نہیں کیا، اس لیے مذکورہ غلطیاں رہ گئیں۔ خانقاہ قادریہ بدایوں اہل علم کی جگہ ہے، مضامین غور وتحقیق اور نظر ثانی کے بعد چھپنے چاہئیں۔''

ساتھ ہی انہوں نے مظہر حق میں منقول شجرہ قادریہ میں اسمائے شیوخ کے ذیل میں ایک نام درج نہ ہونے کی وجہ سے راہ پانے والی غلط فہمی کی بھی وضاحت کی ہے کہ:

''حضرت ابو صالح نصر کو حضرت غوث پاک کا صاحبزادہ لکھا ہے، حالاں کہ حضرت عبد اللہ ابو صالح نصر قدس سرہ حضرت غوث پاک کے پوتے اور حضرت سیدنا عبد الرزاق کے صاحبزادے تھے، اور ان ہی کے مرید وخلیفہ بھی تھے۔''

اسی میں انہوں نے حضرت سیدنا بہاء الدین قدس سرہ کے روضہ مبارک کی درستگی اور باقاعدہ عرس کے اہتمام پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور مبارک بادی پیش کی ہے وہ لکھتے ہیں:

''یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آں محترم نے حضرت سیدنا بہاء الدین قدس سرہ کے روضہ مبارک کی درستگی کرائی اور باقاعدہ عرس کا اہتمام فرما رہے ہیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ''

یہاں اس حقیقت کا اظہار نامناسب نہیں ہوگا کہ امام الاولیا حضرت سیدنا بہاء الدین انصاری شطاری قادری قدس سرہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے میر کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بانی سلسلہ قادریہ سیدنا غوث الاعظم کے فیضان وبرکات کو سرزمین ہند میں عام وتام کرنے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔ ہندوستان کی اکثر قادری خانقاہوں کا روحانی مرکز حضرت سیدنا سرکار بہاء الدین شطاری قدس سرہ کی نسبت کی وجہ سے دولت آباد شریف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاج دار اہل سنت حضرت الشیخ عبد الحمید محمد سالم قادری دام ظلہ العالی (زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں ومتولی آستانہ امام الاولیا دولت آباد شریف) جب پہلی بار ۱۳۹۷ھ میں حضرت امام الاولیا کے روضہ کی بازیافت وتلاش میں دولت آباد شریف حاضر ہوئے تو آپ کو درگاہ شریف کو ازسر نو مرتب کرنے اور زائرین ووار دین کے لیے ہال کمرے اور مہمان خانہ وغیرہ کے تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی چناں چہ آپ نے اس سلسلے میں مخلصانہ کوشش شروع فرمائی اور ۱۸/۱۹ صفر کو باضابطہ عرس کی تقریبات کا سلسلہ شروع فرمایا جب سے یہ

سلسلہ تواتر کے ساتھ آج (۱۴۴۲ھ) تک بلا ناغہ جاری وساری ہے۔امسال لاک ڈاؤن کی وجہ سے عرس کی تقریبات کو ملتوی کرنا پڑا تو یہیں خانقاہ قادریہ بدایوں کے شہید محل میں میں آن لائن محفل عرس امام الاولیا کا انعقاد کر کے آپ کی خدمت میں عقیدتوں کا خراج پیش کیا۔

درگاہ امام الاولیا میں روضہ کی تجدید وتزئین کے ساتھ زائرین ووار دین کی سہولیات کے لیے آپ کی کوششوں سے متعدد عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں لیکن آپ اسے اپنا کارنامہ نہیں بتاتے بلکہ اسے سرکار سیدنا امام الاولیا کا فیض اوران کی نگہ انتخاب سمجھتے ہیں۔درگاہ امام الاولیا کی تجدید وتعمیر کے ساتھ حضرت سیدنا امام الاولیا کے علمی تعارف کے لیے ماہنامہ مظہر حق بدایوں کے دو شماروں میں اہل علم وقلم کے تعاون سے علمی مضامین اور تحقیقی نگارشات شائع کیے۔امام الاولیا پر ماہ نامہ مظہر حق کا پہلا ضمیمہ ۱۹۹۸ء کے ماہ صفر میں شائع ہوا اور دوسرا خصوصی شمارہ آپ کے سال وصال ۹۲۱ھ کی مناسبت سے ۱۴۲۱ھ میں پانچ سوسالہ عرس کی تقریبات کے موقع پر ماہ صفر میں شائع ہوا۔ان شماروں کے لیے مضامین کی حصولیابی میں عالم ربانی صاحبزادہ گرامی مولانا شیخ اسید الحق قادری پیش پیش رہے۔ان شاء اللہ ان دونوں شماروں کے مضامین تاج الفحول اکیڈمی سے جلد ہی کتابی شکل میں مزید اضافے کے ساتھ اشاعت پذیر ہوں گے۔

اخیر میں مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نے خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف میں سلسلہ قادریہ کے طرق کی تفصیل تحریر کی ہے اور کس قادری طریقے میں یہاں بیعت مروج ہے،اس کی بھی وضاحت پیش کی ہے۔اخیر میں ماہ نامہ مظہر حق کی اشاعت پر اظہار مسرت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

> ’’امید ہے کہ ’’مظہر حق‘‘ مسلک ارباب تصوف کا شارح وترجمان ہوگا،اس وقت صوفیانہ مزاج کا کوئی معیاری پرچہ نہیں ہے،اس کی بڑی ضرورت ہے۔تصوف اور اہل تصوف ہر طرح سے مطعون و بدنام کیے جارہے ہیں۔ایک پوری جماعت منظم طور پر اس کام میں لگی ہوئی ہے۔دوسری طرف ہماری خانقاہوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ مخصوص ’’مسلک‘‘ کی سطح سے اوپر نہیں اٹھتے ہیں۔کاش۔
>
> مردے ازغیب بروں آید وکارے بکند‘‘

دوسرے جوابی خط میں عالم ربانی مولانا اسید الحق قادری نے موصوف کے شبہات کا تحقیقی جواب دیا ہے اور حضرت سیدنا بہاء الدین قادری کے فیضان قادریت سے خانقاہِ مجیبیہ کی فیض یابی پر اظہار مسرت کیا ہے۔اصل گفتگو سے پہلے موصوف نے ایک نفیس تمہید باندھی ہے،وہ لکھتے ہیں:

> ’’آپ نے ’مظہر حق‘ کو جن تعریفی وتوصیفی کلمات سے نوازا ہے،وہ ہمارے لیے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس حوصلہ افزائی کا بے حد شکریہ۔سید اکرام میاں کے مضمون کے چند گوشوں کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے،جس پر مسرت ہوئی۔

دنیائے علم وتحقیق میں تنقید کی حیثیت مسلم ہے۔تنقیدات سے جہاں ایک طرف نو آموز اہل قلم کو اصلاح کا موقع فراہم ہوتا ہے، وہیں دوسری طرف تحقیق اور تلاش وجستجو کے نئے باب بھی کھلتے ہیں۔مگر شرط یہ ہے کہ تنقید برائے تعمیر واصلاح ہونی چاہیے۔اس دور آزادی میں تنقید برائے تحقیر وتنقیص کرنے والوں کی کمی نہیں، بقول مرزا۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی ❁ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

ہر میزان خواں خود کو جانشین رازی وغزالی سمجھتا ہے۔اور اپنی قد وقامت کی پرواہ کیے بغیر دراز قد شخصیات اور مسلم الثبوت ہستیوں پر تنقید وتبصرہ کرنا سرمایۂ علم وفن اور باعث افتخار سمجھتا ہے۔بات اگر کسی ایسے ہی ’’بوالہوس‘‘ کی ہوتی تو شاید میں نظر انداز کر دیتا اور جواب کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتا۔مگر چوں کہ بات آپ جیسے صاحب نسبت اور صاحب علم وفکر کی ہے اور آپ کی تنقید میں تعمیر واصلاح کا پہلو نمایاں ہے۔

اس کے بعد مولانا شیخ اسید الحق قادری نے سلسلہ وار مولانا کے شبہات کا علمی جواب قلم بند کیا ہے۔لیکن کہیں بھی انہوں نے تخاطب میں کچے پن کا ثبوت پیش نہیں کیا ہے، جو عام اہل قلم کا وطیرہ ہے۔وہ لکھتے ہیں:

’’(۱) حضرت سیدنا بہاء الدین کے سلسلۂ طریقت میں ایک نام کمپوزنگ کی غلطی سے رہ گیا ہے۔اس جانب توجہ دلانے پر ادارہ آپ کا شکر گزار ہے۔ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں اس کی اصلاح کر لی جائے گی۔

(۲) یہ جان کر مسرت ہوئی کہ خانقاہ پھلواری شریف بھی امام الاولیا حضرت سیدنا بہاء الدین انصاری کے دریائے فیض وکرامت سے مستفیض ہے۔

من وتو ہر دو خواجہ تاشانیم ❁ بندۂ بارگاہ سلطانیم

اس ضمیمہ کو ترمیم واضافہ کے ساتھ مستقل کتاب کی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ ہے، اس میں پھلواری شریف کی نسبت کا ذکر بھی کر دیا جائے گا۔

(۳) میری معلومات کے مطابق سید احمد جیلی اور سید احمد حلبی ایک ہی بزرگ ہیں۔میرے سامنے اخبار الاخیار شریف کے دو قدیم نسخے ہیں، ایک میں حلبی ہے، ایک میں جیلی۔مگر ہمارے یہاں قدیم زمانے سے شجروں میں احمد جیلی ہی لکھا جاتا رہا ہے۔میرے جد اعلیٰ، اعلی حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی نے عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں شجرۂ قادریہ کو نظم کیا ہے۔انہوں نے سب میں احمد جیلی ہی لکھا ہے، مثلاً۔

شاہِ موسیٰ وحسن احمد جیلی کے طفیل ❁ دور کر دے غم دارین کا خطرہ میرا

صرف فارسی کے ایک شجرے میں (غالباً بیان جواز کے لیے) حلبی نظم کیا ہے۔

فرماتے ہیں۔

زآب وتاب گل روئے احمد حلبی ❁ تمام ارض حلب گشت روشن آئینہ دار

لہٰذا جیلی اور حلبی میں کوئی تعارض نہیں ہے۔قلائد الجواہر وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابونصر محی الدین محمد علیہ الرحمۃ کی اولاد امجاد مصر وغیرہ ہوتے ہوئے بلاد شام میں سکونت پذیر ہوگئی تھی۔اسی سلسلہ کی ایک شاخ شام کے شہر حماۃ میں آج بھی موجود ہے،اور سلسلہ قادریہ جاری ہے۔ممکن ہے حضرت سید احمد حماۃ سے حلب منتقل ہو گئے ہوں (دونوں شہر قریب قریب ہیں)اس لیے بعض حضرات نے آپ کو احمد حلبی لکھا اور بعض نے اصل کے اعتبار سے احمد جیلی لکھا۔

(۴) ہمارے یہاں مشائخ مارہرہ مطہرہ سے جو سلسلہ آیا ہے،اس میں سیدنا احمد جیلی سے حضور سرکار بغداد تک سلسلہ اباعن جد ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی عبارت سلسلۂ بیعت کے اثبات کی دلیل تو بن سکتی ہے،لیکن سلسلہ کے اباعن جد نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

سیدنا ابو صالح نصر کو تو آپ نے بھی اپنے مکتوب میں سید تاج الدین عبدالرزاق کا صاحبزادہ تسلیم کیا ہے۔حالاں کہ آپ کی دلیل کے پیش نظر مذکورہ عبارت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا عبدالرزاق سے سلسلہ شیوخاً بعد شیوخ ہے۔اس تقدیر پر سیدنا ابو صالح نصر سیدنا عبدالرزاق کے صاحبزادہ نہیں ہوئے،اور اگر ان کو صاحبزادہ مان لیا جائے تو تاریخ میں ابو صالح نصر نام کے ایک ایسے بزرگ کو تلاش کرنا ہوگا جو سیدنا ابونصر محی الدین کے پیر و مرشد اور سیدنا عبدالرزاق کے مرید وخلیفہ ہوں،مگر سیدنا عبدالرزاق کے صاحبزادہ نہ ہوں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا ابو صالح نصر تو سیدنا عبدالرزاق کے صاحبزادہ اور مرید وخلیفہ ہیں،مگر ان کے بعد کا سلسلہ اباعن جد نہیں بلکہ شیوخاً بعد شیوخ ہے،اور حضرت شیخ کی عبارت سے حضرت ابو صالح مستثنیٰ ہیں،تو بھی بات بنتی ہوئی نظر نہیں آتی۔اس لیے کہ قلائد الجواہر میں سیدنا ابونصر محی الدین کو سیدنا ابو صالح نصر کا صاحبزادہ لکھا ہے۔اب اگر تنزیلاً یہ کہا جائے کہ حضور غوث پاک سے سیدنا ابونصر محی الدین تک سلسلہ اباعن جد ہے اور ان کے بعد شیوخاً بعد شیوخ ہے،تو یہ بات آپ کی دلیل سے معارض ہو جائے گی۔اس لیے کہ شیخ کی عبارت سے سیدنا عبدالرزاق سے سلسلہ کا شیوخاً بعد شیوخ ہونا ثابت ہوا تھا۔

اب اگر آپ فرمائیں کہ یہ دونوں بزرگ یعنی سیدنا ابو صالح نصر اور سید ابونصر محمد حضرت شیخ کی عبارت میں شیوخاً بعد شیوخ والی بات سے مستثنیٰ ہیں۔تو ہم آپ سے اس استثنا کی دلیل طلب کرنے کا حق ضرور رکھتے ہیں۔اگر کوئی دلیل خارجی اس استثنا پر پیش بھی کر دی جائے تو سیدنا علی جیلی وغیرہ کے استثنا کا احتمال ضرور پیدا ہو جائے گا۔لہٰذا آپ کو سیدنا علی اور سید موسیٰ وغیرہ کے عدم استثنا پر دلیل قائم کرنی ہوگی۔خلاصہ یہ کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کے تحت یہ دلیل مضطرب ہے۔بات دراصل وہی ہے جو میں نے پہلے عرض کی کہ حضرت شیخ کی عبارت سلسلۂ بیعت کے اثبات کی دلیل تو بن سکتی ہے،لیکن سلسلہ کے اباعن جد نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔"

آگے انہوں نے اپنے موقف کے اثبات پر کشف المتواری مولفہ شاہ تراب علی قلندر اور تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ مولفہ مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی سے دلائل وشواہد بھی پیش کیے ہیں۔

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نے اپنے تیسرے خط میں کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ مکتوب اول میں جو کچھ تحریر کیا گیا تھا، اس میں اعتراض بالکل مقصد نہیں تھا بلکہ ایک تردد کا اظہار کرنا تھا کہ ایک ہی سلسلے کے شجرے میں مشائخ کے اسمائے گرامی مختلف کیسے ہوسکتے ہیں۔ پھر انہوں نے تحریر کیا ہے کہ خط کی وصولیابی سے قبل ہی ان کا یہ تردد کچھ مزید حوالوں کے سامنے آنے کے بعد زائل ہوگئے تھے۔ اپنے اس مکتوب میں انہوں نے انتہائی فراخ دلی کے ساتھ حقائق کو قبول کیا ہے اوراعتراف حقیقت کا دل پذیر مظاہرہ کیا ہے جو ایک عالم حق کی پہچان اوراس کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ انہوں نے مولانا شیخ اسید الحق قادری کے موقف کی کھلے دل سے تائید کرتے ہوئے مزید نئے حوالوں کے ذریعے گفتگو کو محقق وموکد کیا ہے کہ:

"حضرت شیخ بہاء الدین قادری شطاری قدس سرہ کے پیر ومرشد حضرت سیدنا احمد جیلی سے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تک سلسلہ اباً عن جد ہونا صحیح ہے۔ الانتباہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی یہی لکھا ہے، آپ کے نقل کردہ حوالہ سے مزید تائید ہوتی ہے، حضرت سیدنا احمد کے نام کے ساتھ جیلی اور حلبی دونوں نسبتیں درست ہیں۔ "الدرالمنتظم فی مناقب الغوث الاعظم" میں حافظ شاہ علی انور کاکوروی علیہ الرحمۃ نے غوث پاک کی بعض اولاد امجاد کے ساتھ حلبی نسبت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حلبہ سے ہے۔ حلبہ بغداد کا ایک محلہ تھا۔ "نثر الجواہر فی مناقب السید عبدالقادر" میں قاضی بدرالدولہ نے صاحبزادوں کے احوال میں حلبہ اور حلبہ کے قبرستان کا ذکر کیا ہے، اور حلبی کی نسبت حلب سے بھی ممکن ہے، جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔"

اس کے علاوہ مزید بہت سی ضمنی گفتگو بھی ہے۔ ذیل میں تینوں خطوط کا متن بھی درج کیا جارہا ہے تاکہ موجودہ نسل دونوں شخصیات کے افکار اور اسلوب سے استفادہ کرتے ہوئے علمی تحقیقات میں اعتدال وتوازن کیسے برتا جاتا ہے، اسے اپنے لیے مشعل راہ بنا سکے۔

مکتوب (۱)

مکتوب مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری بنام تاج دار اہل سنت شیخ عبدالحمید سالم القادری

حامداً ومصلیاً ومسلماً

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

ذوالمجد والکرم زیدت مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج گرامی!

میرے برادر عم زاد مولوی بدر احمد مجیبی ندوی سلّمہ آں محترم کا ذکر خیر اکثر کرتے رہے ہیں، دو روز قبل "مظہر حق" کا دوسرا شمارہ نظر نواز ہوا، جو صاحب سجادہ خانقاہ مجیبیہ کو بھیجا گیا ہے، پرچہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی اور پرچہ پسند آیا۔ ماشاء اللہ

کتابت وطباعت عمدہ ہے،اس کے معیاری ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کی سرپرستی حاصل ہے اور ایک ایسی مقدس خانقاہ کا ترجمان ہے جہاں کے اکابر کی علمی و دینی خدمات گراں قدر رہی ہیں، بالخصوص حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کی شخصیت تو ہم اہل سنت کے لیے باعث فخر ہے۔حضرت کی تصنیف لطیف تصحیح المسائل اس خاکسار کے پاس ہے، اس سے استفادہ کرتا رہتا ہوں۔مذکورہ شمارے میں تصحیح المسائل پر اچھا مضمون لکھا گیا ہے، مختصر اور جامع ہے۔اسی شمارے سے پہلی بار معلوم ہوا کہ خانقاہ قادریہ بدایوں کا سلسلہ، قادریہ جمالیہ ہے، مارہرہ کے متعلق واقفیت تھی، بدایوں کے بارے میں معلوم نہ تھا۔

ہمارے جد اعلیٰ مخدوم شمس الدین جنید ثانی المتوفی ۱۰۷۲ھ حضرت ملا جمال اولیا کوڑہ جہان آبادی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔"مظہر حق" میں بطور ضمیمہ حضرت سیدنا بہاء الدین قادری شطاری کے جو حالات لکھے گئے ہیں، اس میں ان کے اوپر کے شیوخ کے ناموں میں کچھ فرق پایا جاتا ہے، حقیقتاً اسمائے شیوخ اسی طرح سے شجرے میں لکھے جاتے رہے ہیں یا مضمون نگار سے تسامح ہوا ہے؟

ہمارے یہاں شجرہ طریقت یوں ہے:

حضرت ملا جمال اولیا کوڑوی کو سلسلہ پہنچا حضرت قاضی ضیاء الدین عرف قاضی جیا سے، ان کو حضرت نظام الدین بھکاری سے، ان کو حضرت ابراہیم ایرچی سے، ان کو حضرت بہاء الدین قادری شطاری سے، ان کو حضرت ابو العباس احمد الحلبی الشافعی القادری عرف احمد صافی سے، ان کو سیدنا حسن سے، ان کو سیدنا موسیٰ سے، ان کو سیدنا علی سے، ان کو سیدنا محی الدین ثانی سے، ان کو سیدنا عبداللہ ابو صالح نصر سے، ان کو حضرت سیدنا تاج الدین عبدالرزاق سے، ان کو حضرت غوث الثقلین سیدنا عبدالقادر جیلانی سے رضی اللہ عنہم۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں اسی طرح لکھا ہے۔اخبار الاخیار میں حضرت شیخ محدث نے بھی سیدنا بہاء الدین کے پیر و مرشد کا نام سید احمد الحلبی القادری الشافعی لکھا ہے، یہی نام پھلواری کے شجرے میں ہے، مگر مقالہ نگار نے احمد جیلی لکھ دیا ہے اور ان کے شیخ سیدنا حسن کو سید احمد حلبی کا والد لکھا ہے، جو خلاف تحقیق ہے۔سید احمد حلبی سیدنا حسن کے لڑکے نہیں تھے، معلوم نہیں مضمون نگار نے یہ بات کہاں سے لی؟ اخبار الاخیار میں شیخ محدث نے خود سیدنا بہاء الدین قدس سرہ کی عبارت نقل کی ہے:

لقن شیخ السموات والارضین شیخ محی الدین عبدالقادر الجیلی ابنه الشیخ عبدالرزاق ولقن الشیخ عبدالرزاق شیوخاً بعد شیوخ الی شیخی و مرشدی سید احمد الحلبی القادری الشافعی و شیخی لقننی جمیع الاذکار البسنی الخرقة القادریة فی الحرم الشریف تجاه الکعبة واجازنی اجازة مطلقة۔ الخ(ص:۲۲۷ فارسی)

اسی عبارت میں اختصار سے کام لے کر سیدنا عبدالرزاق اور سید احمد حلبی کے درمیان پانچ شیوخ سیدنا ابو صالح نصر، سیدنا محی الدین ثانی، سیدنا علی، سیدنا موسیٰ، سیدنا حسن رحمہم اللہ کے نام لکھنے کی بجائے شیوخاً بعد شیوخ لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے یعنی شیخ عبدالرزاق کی تلقین شیوخاً بعد شیوخ میرے شیخ و مرشد سید احمد حلبی تک پہنچی۔

مذکورہ مضمون میں ایک جگہ اور تسامح واقع ہوا ہے، حضرت ابو صالح نصر کو حضرت غوث پاک کا صاجزادہ لکھا ہے، حالاں کہ حضرت عبداللہ ابو صالح نصر قدس سرہ حضرت غوث پاک کے پوتے اور حضرت سیدنا عبدالرزاق کے صاجزادے تھے اور ان ہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔

مضمون نگار موصوف نے معلوم ہوتا ہے کہ عجلت میں حالات قلم بند کیے ہیں، اصل مآخذ سے رجوع نہیں کیا، اس لیے مذکورہ غلطیاں رہ گئیں، خانقاہ قادریہ بدایوں اہل علم کی جگہ ہے، مضامین غور و تحقیق اور نظر ثانی کے بعد چھپنے چاہئیں۔

یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آں محترم نے حضرت سیدنا بہاء الدین قدس سرہ کے روضہ مبارک کی درستگی کرائی اور باقاعدہ عرس کا اہتمام فرمارہے ہیں، جزاکم اللہ تعالیٰ

خانقاہ پھلواری میں قادریہ سلسلہ تین طریقوں سے پہنچا ہے:

(۱)　قادریہ قلندریہ بواسطہ حضرت نجم الدین غوث الدہر قلندر (اسی سلسلے کی ایک شاخ تکیہ کاظمیہ کاکوری پہنچی ہے)

(۲)　قادریہ قمیصیہ، بواسطہ حضرت قمیص اعظم قادری سادھوروی قدس سرہ۔

(۳)　قادریہ جمالیہ، لیکن بیعت بالعموم قادریہ قمیصیہ میں لی جاتی ہے، اس سلسلے کی اجازت بانی خانقاہ تاج العارفین سید شاہ مجیب اللہ قادری کو حضرت سید محمد وارث رسولنما بنارسی قدس سرہما سے تمام تعلیمات کے ساتھ پہنچی ہے۔

امید ہے کہ ''مظہر حق'' مسلک ارباب تصوف کا شارح و ترجمان ہوگا، اس وقت صوفیانہ مزاج کا کوئی معیاری پرچہ نہیں ہے، اس کی بڑی ضرورت ہے، تصوف اور اہل تصوف ہر طرح سے مطعون و بدنام کیے جارہے ہیں، ایک پوری جماعت منظم طور پر اس کام میں لگی ہوئی ہے، دوسری طرف ہماری خانقاہوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ مخصوص ''مسلک'' کی سطح سے اوپر نہیں اٹھتے ہیں۔ کاش!

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

والسلام

طالب

ہلال احمد قادری کان اللہ لہ

۱۹۹۸/۶/۲۸ء

مکتوب (۲)

مکتوب مولانا شیخ اسید الحق قادری بنام مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری
آستانہ عالیہ قادریہ بدایوں، یوپی

ھوالقادر

مکرمی ومحترمی بعد ما ہو المسنون

الحمد للہ علی کل حال امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

والد گرامی حضرت صاحب سجادہ کے نام آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت قبلہ خاندانی روایت کے مطابق ماہ ربیع الثانی میں ہر سال بغداد معلی حاضر ہوتے ہیں۔ سفر کی تیاریوں کی وجہ سے عدیم الفرصت تھے۔ آپ کا مکتوب اس حکم کے ساتھ اس احقرِ طلبہ کو عطا ہوا کہ جواب دے دوں۔

آپ نے 'مظہر حق' کو جن تعریفی وتوصیفی کلمات سے نوازا ہے، وہ ہمارے لیے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس حوصلہ افزائی کا بے حد شکریہ۔

سید اکرام میاں کے مضمون کے چند گوشوں کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے، جس پر مسرت ہوئی۔ دنیائے علم وتحقیق میں تنقید کی حیثیت مسلم ہے۔ تنقیدات سے جہاں ایک طرف نو آموز اہل قلم کو اصلاح کا موقع فراہم ہوتا ہے، وہیں دوسری طرف تحقیق اور تلاش وجستجو کے نئے باب بھی کھلتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ تنقید برائے تعمیر واصلاح ہونی چاہیے۔ اس دور آزادی میں تنقید برائے تحقیر وتنقیص کرنے والوں کی کمی نہیں، بقول مرزا۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی ❁ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

ہر میزان خواں خود کو جانشین رازی وغزالی سمجھتا ہے۔ اور اپنی قد وقامت کی پرواہ کیے بغیر دراز قد شخصیات اور مسلم الثبوت ہستیوں پر تنقید وتبصرہ کرنا سرمایۂ علم وفن اور باعث افتخار سمجھتا ہے۔ بات اگر کسی ایسے ہی ''بوالہوس'' کی ہوتی تو شاید میں نظر انداز کر دیتا اور جواب کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتا۔ مگر چوں کہ بات آپ جیسے صاحب نسبت اور صاحب علم وفکر کی ہے اور آپ کی تنقید میں تعمیر واصلاح کا پہلو نمایاں ہے، اس لیے جواباً چند باتیں عرض ہیں:

(۱) حضرت سیدنا بہاء الدین کے سلسلۂ طریقت میں ایک نام کمپوزنگ کی غلطی سے رہ گیا ہے۔ اس جانب توجہ دلانے پر ادارہ آپ کا شکر گزار ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں اس کی اصلاح کر لی جائے گی۔

(۲) یہ جان کر مسرت ہوئی کہ خانقاہ پھلواری شریف بھی امام الاولیا حضرت سیدنا بہاء الدین انصاری کے دریائے فیض وکرامت سے مستفیض ہے۔

من وتو ہردوخواجہ تاشانیم ❁ بندۂ بارگاہ سلطانیم

اس ضمیمہ کو ترمیم واضافہ کے ساتھ مستقل کتاب کی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ ہے، اس میں پھلواری شریف کی نسبت کا ذکر بھی کر دیا جائے گا۔

(۳) میری معلومات کے مطابق سید احمد جیلی اور سید احمد حلبی ایک ہی بزرگ ہیں۔ میرے سامنے اخبار الاخیار شریف کے دو قدیم نسخے ہیں، ایک میں حلبی ہے، ایک میں جیلی۔ مگر ہمارے یہاں قدیم زمانے سے شجروں میں احمد جیلی ہی لکھا جاتا رہا ہے۔ میرے جداعلیٰ، اعلیٰ حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی نے عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں شجرۂ قادریہ کو نظم کیا ہے۔ انہوں نے سب میں احمد جیلی ہی لکھا ہے، مثلاً

شاہِ موسیٰ وحسن احمد جیلی کے طفیل ❁ دور کردے غم دارین کا خطرہ میرا

صرف فارسی کے ایک شجرے میں (غالباً بیان جواز کے لیے) حلبی نظم کیا ہے۔

فرماتے ہیں۔

ز آب وتاب گل روئے احمد حلبی ❁ تمام ارض حلب گشت روشن آئینہ دار

لہٰذا جیلی اور حلبی میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ قلائد الجواہر وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابونصر محی الدین محمد علیہ الرحمۃ کی اولاد امجاد مصر وغیرہ ہوتے ہوئے بلاد شام میں سکونت پذیر ہوگئی تھی۔ اسی سلسلہ کی ایک شاخ شام کے شہر حماۃ میں آج بھی موجود ہے، اور سلسلہ قادریہ جاری ہے۔ ممکن ہے حضرت سید احمد حماۃ سے حلب منتقل ہو گئے ہوں (دونوں شہر قریب قریب ہیں) اس لیے بعض حضرات نے آپ کو احمد حلبی لکھا اور بعض نے اصل کے اعتبار سے احمد جیلی لکھا۔

(۴) ہمارے یہاں مشائخ مارہرہ مطہرہ سے جو سلسلہ آیا ہے، اس میں سیدنا احمد جیلی سے حضور سرکار بغداد تک سلسلہ اباعن جد ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی عبارت سلسلہ بیعت کے اثبات کی دلیل تو بن سکتی ہے، لیکن سلسلہ کے اباعن جد نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ سیدنا ابوصالح نصر کو تو آپ نے بھی اپنے مکتوب میں سید تاج الدین عبدالرزاق کا صاجزادہ تسلیم کیا ہے۔ حالاں کہ آپ کی دلیل کے پیش نظر مذکورہ عبارت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا عبدالرزاق سے سلسلہ شیوخاً بعد شیوخ ہے۔

اس تقدیر پر سیدنا ابوصالح نصر سیدنا عبدالرزاق کے صاجزادہ نہیں ہوئے، اور اگر ان کو صاجزادہ مان لیا جائے تو تاریخ میں ابوصالح نصر نام کے ایک ایسے بزرگ کو تلاش کرنا ہوگا جو سیدنا ابونصر محی الدین کے پیر ومرشد اور سیدنا عبدالرزاق کے مرید وخلیفہ ہوں، مگر سیدنا عبدالرزاق کے صاجزادہ نہ ہوں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا ابوصالح نصر تو سیدنا عبدالرزاق کے صاجزادہ اور مرید وخلیفہ ہیں، مگر ان کے بعد کا سلسلہ اباعن جد نہیں بلکہ شیوخاً بعد شیوخ ہے، اور حضرت شیخ کی عبارت سے حضرت ابوصالح مستثنیٰ ہیں، تو بھی بات بنتی ہوئی نظر نہیں آتی۔

اس لیے کہ قلائد الجواہر میں سیدنا ابونصر محی الدین کو سیدنا ابوصالح نصر کا صاحبزادہ لکھا ہے۔ اب اگر تنزیلاً یہ کہا جائے کہ حضور غوث پاک سے سیدنا ابونصر محی الدین تک سلسلہ اباعن جد ہے اور ان کے بعد شیوخاً بعد شیوخ ہے، تو یہ بات آپ کی دلیل سے معارض ہو جائے گی۔ اس لیے کہ شیخ کی عبارت سے سیدنا عبدالرزاق سے سلسلہ کا شیوخاً بعد شیوخ ہونا ثابت ہوا تھا۔

اب اگر آپ فرمائیں کہ یہ دونوں بزرگ یعنی سیدنا ابوصالح نصر اور سید ابونصر محمد حضرت شیخ کی عبارت میں شیوخاً بعد شیوخ والی بات سے مستثنیٰ ہیں۔ تو ہم آپ سے اس استثنا کی دلیل طلب کرنے کا حق ضرور رکھتے ہیں۔ اگر کوئی دلیل خارجی اس استثنا پر پیش بھی کر دی جائے تو سیدنا علی جیلی وغیرہ کے استثنا کا احتمال ضرور پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا آپ کو سیدنا علی اور سید موسیٰ وغیرہ کے عدم استثنا پر دلیل قائم کرنی ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کے تحت یہ دلیل مضطرب ہے۔ بات دراصل وہی ہے جو میں نے پہلے عرض کی کہ حضرت شیخ کی عبارت سلسلۂ بیعت کے اثبات کی دلیل تو بن سکتی ہے، لیکن سلسلہ کے اباعن جد نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس سلسلہ میں کچھ حوالے بھی نظر سے گذرے جو حاضر خدمت ہیں:

(الف) حضرت سیف الدین غلام محی الدین محمد ہاشم انوری کی کتاب وفیات الاولیا جو آپ نے ۱۱۴۱ھ میں تصنیف فرمائی ہے، اس میں آپ نے حضرت بہاء الدین انصاری کا سلسلہ اس طرح لکھا ہے:

> شیخ بہاالدین مرید سید احمد جیلی قادری شافعی است، وے مرید پدر خود سید حسن، وے مرید پدر خود سید موسیٰ، وے مرید پدر خود سید علی، وے مرید پدر خود سید محی الدین ابی نصر، وے مرید پدر خود سید ابو صالح، وے مرید پدر خود سید عبدالرزاق، وے مرید پدر خود شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہم ـــ (وفیات الاولیا بحوالہ کشف المتواری ص ۸۰)

(ب) شاہ تراب علی قلندر کاکوروی نے ''کشف المتواری فی حال نظام الدین القاری'' میں حضرت سیدنا احمد جیلی کے صاحبزادہ سیدنا ابراہیم جیلانی کا ہندوستان تشریف لانا، زاد الآخرۃ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے، اس میں لکھتے ہیں:

> صاحبزادہ عالی گوہر حضرت حافظ ابراہیم گیلانی ابن سید احمد ابن سید حسن رحمۃ اللہ علیہم ـــ (کشف المتواری ص ۲۸)

(ج) مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی نے ''تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ'' میں ''عمدۃ الصحائف فی حال اہل الکشف والمعارف'' (از ملا عبدالکریم) کے حوالے سے اس سلسلہ کو اباعن جد ہی تحریر فرمایا ہے۔

محب مکرم مولانا بدر احمد ندوی صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز پیش ہے۔ اگر اس سلسلہ میں کوئی اور شبہ ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔ زیادہ نیاز، فقط

اسید الحق

احقر طلبہ مدرسہ قادریہ، بدایوں

مکتوب (۳)

مکتوب مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری بنام مولانا شیخ اسید الحق قادری

حامدا و مصلیا و مسلما

عزیز مکرمت نشاں برادرم مولانا شاہ اسید الحق محمد عاصم قادری صاحب

حفظکم اللہ ورزقکم مارزق بآبائکم الکرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مکتوب آں برادر موصول ہو کر باعث طمانیت ہوا، آپ نے اس بدنام کنندۂ نکونامے چند کے ساتھ حسن ظن رکھا، جزاکم اللہ تعالیٰ یہ آپ کے گرامی قدر خانوادے کی تربیت کا اثر ہے، ضاعف اللہ بہا، ہم لوگ جن بزرگوں کے دامن سے وابستگی رکھتے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ آپس میں احترام وتکریم اور محبت واتحاد ہو، یہی ہم لوگوں کا مسلک ہے۔ الفقراء کنفس واحدۃ، رہ گئی خردہ گیری اور نکتہ چینی تو وہ ان لوگوں کو مبارک ہو جن کو فقر وتصوف سے کوئی مس نہیں ہے۔

میں نے جو کچھ لکھا تھا اس میں اعتراض حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا، تردد اصلاً اس بات پر تھا کہ ایک ہی سلسلے کے شجرے میں مشائخ کے اسمائے گرامی مختلف کیسے ہو سکتے ہیں؟ یا تو مضمون نگار نے توجہ نہ دی یا آپ حضرات اس پر نظر ثانی نہ کر سکے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ حضرات نے اس سے کوئی دوسرا مطلب اخذ نہیں کیا۔ آپ کے جواب ملنے سے قبل وہ اشکالات بعض کتابوں کے اتفاقی مطالعے سے رفع ہو گئے۔

حضرت شیخ بہاء الدین قادری شطاری قدس سرہ کے پیر و مرشد حضرت سیدنا احمد جیلی سے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تک سلسلہ اباً عن جد ہونا صحیح ہے، الانتباہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی یہی لکھا ہے، آپ کے نقل کردہ حوالہ سے مزید تائید ہوتی ہے، حضرت سیدنا احمد کے نام کے ساتھ جیلی اور حلبی دونوں نسبتیں درست ہیں۔ ”الدر المنتظم فی مناقب الغوث الاعظم“ میں حافظ شاہ علی انور کاکوروی علیہ الرحمۃ نے غوث پاک کی بعض اولاد امجاد کے ساتھ حلبی نسبت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حلبہ سے ہے۔ حلبہ بغداد کا ایک محلہ تھا۔ ”نثر الجواہر فی مناقب السید عبد القادر“ میں قاضی بدر الدولہ نے صاحبزادوں کے احوال میں حلبہ اور حلبہ کے قبرستان کا ذکر کیا ہے، اور حلبی کی نسبت حلب سے بھی ممکن ہے، جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

اکرام صاحب کے مضمون میں دو نام چھوٹے ہیں، حضرت سیدنا ابو صالح نصر اور سیدنا تاج الدین عبد الرزاق رضی اللہ عنہما کے۔ وفیات الاولیا کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے، اس میں پیران کرام کے اسما مکمل ہیں اور پھلواری کے شجرے کے مطابق ہیں، اکرام احمد صاحب نے اپنے مضمون میں حضرت محی الدین ابو نصر کے نام کے بعد یہ لکھ دیا کہ اور وہ اپنے والد

سرکار بغداد الخ، حالاں کہ سیدنا محی الدین ابونصر قدس سرہ پر پوتے ہیں اور اپنے والد سیدنا ابوصالح نصر کے خلیفہ ہیں، یہی بات مجھے زیادہ کھٹک رہی تھی، یہ بات بھی صاف ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے، مناسب یہ تھا کہ حضرت شیخ بہاء الدین سے لے کر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک مکمل شجرہ دے دیا جاتا، اجمال میں بات واضح نہیں ہو پاتی اور کبھی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔

سلسلہ کی وضاحت میں حضرت ملا جمال اولیا کوڑا جہان آبادی قدس سرہ کا ذکر آنا چاہیے تھا، کیوں کہ حضرت میر سید محمد کالپوی ان ہی کے مرید وخلیفہ تھے، اور یہ سلسلہ ان کے ذریعے سے ہی مختلف خانوادوں میں پہنچا ہے۔ ہمارے جد اعلیٰ حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اور حضرت میر سید محمد کالپوی خواجہ تاش ہونے کے ساتھ ہم عمر بھی تھے، دونوں کی ولادت ووفات میں محض ایک سال کا فرق ہے۔ حضرت میر صاحب کی ولادت ووفات کا سنہ مجھ کو مظہر حق سے ہی معلوم ہوا۔

حضرت جنید ثانی کو بیعت براہ راست حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور حکم ہوا کہ بیعت ظاہری ملا جمال اولیا سے کرلو، چناں چہ ۱۰۴۶ھ میں کوڑا جہان آباد جا کر بیعت کی، مرشد نے بیعت کے بعد ہی اجازت وخلافت عطا فرما کر وطن رخصت کر دیا، جنید ثانی کی ولادت ۱۰۰۷ھ میں وفات ۱۰۷۲ھ میں، سلسلہ کا اجرا ان سے بایں طور ہوا۔

(۱) حضرت ملا جمال اولیا کوڑا جہان آبادی قدس سرہ (۲) حضرت جنید ثانی، (۳) حضرت سید شاہ محمد امین اسرار الرحمن (خلف وجانشین)، (۴) حضرت ملا سید محمد امان اللہ فقیہ (خلف وجانشین)، (۵) حضرت سید شاہ محمد مخدوم قادری (خلف وجانشین)، (۶) ملا وحید الحق ابدال (برادر زادہ وجانشین سجادہ جنیدیہ)، (۷) سید العلما سید احمدی قادری (خلف وجانشین)، (۸) مولانا سید شاہ محمد ہادی (خلف وجانشین)، (۹) مولانا سید شاہ محمد فضل اللہ قادری (خلف وجانشین)، (۱۰) حضرت اقدس فیاض المسلمین مولانا سید شاہ محمد بدر الدین نور عالم قادری (برادر زادہ وجانشین سجادۂ جنیدیہ و خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف)، (۱۱) حضرت مولانا سید شاہ محمد محی الدین قادری (خلف وجانشین سجادہ جنیدیہ ومجیبیہ)، (۱۲) حضرت شیخی ومرشدی عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواری قدست اسرارہم ورضی عنہم۔

حضرت جنید ثانی کے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد اسمٰعیل قدس سرہ سیدنا قمیص اعظم قادری کے خلیفہ مخدوم بدر الدین بدر عالم شہباز پوری کے مرید وخلیفہ تھے، ہمارے یہاں قادریہ سلسلہ بواسطہ سید الآفاق سیدنا تاج الدین عبد الرزاق رضی اللہ عنہ چار طرق سے پہنچا ہے، لیکن ترجیح سلسلہ قادریہ قمیصیہ (بواسطہ حضرت مولانا سید محمد وارث رسولنما بنارسی قدس سرہ) کو حاصل ہے اور اصلاً بیعت اسی میں لی جاتی ہے، دیگر سلسلوں میں بیعت کم لی جاتی ہے۔

حضرت شیخ بہاء الدین کے خلفا میں تین بزرگوں کا نام لکھا گیا ہے اور حضرت سید عبد الرزاق بانسوی قدس سرہ کا تعلق دوسرے خلیفہ حضرت محمد ملتانی سے بتایا گیا ہے، جب کہ ”تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوی“ میں مولانا مفتی محمد رضا صاحب انصاری

علیہ الرحمۃ نے سلسلہ قادریہ بہائیہ کا جو شجرہ لکھا ہے، اس میں حضرت شیخ بہاء الدین کے بعد ان کے خلیفہ شاہ میر محمد قادری کا نام ہے، اس کو بھی دیکھ لینا چاہیے، مفتی محمد رضا صاحب اسی خانوادے اور سلسلے کے تھے، اور محقق اہل قلم تھے۔ امید ہے کہ آپ حضرات بعافیت ہوں گے۔

حضرت صاحب سجادہ کی خدمت میں سلام ونیاز

والسلام

ہلال احمد قادری کان اللہ لہ

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

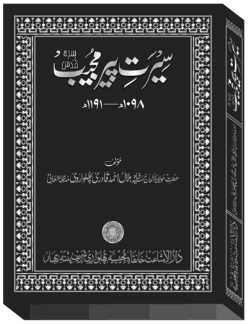

سیرتِ پیر مجیب قدس سرہ

(جدید ایڈیشن مع اضافہ)

مؤلف

حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی مدظلہ العالی

خانوادۂ مجیبیہ کے ایک نکتہ سنج، دقیقہ رس، ذی وقار عالم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ العالی کی مایۂ ناز گرانقدر تالیف ہے، جس میں بانئ خانقاہ مجیبی حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے علمی وعرفانی کمالات، دینی خدمات، ارشاد وہدایت، تربیت وتزکیۂ نفوس کے طریقے، خانقاہ مجیبی کی خصوصیات، حضرت کے کرامات وتصرفات، خلفاء ومجازین اور ہم عصر علماء ومشائخ کے حالات نہایت احسن پیرایے میں تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب خانقاہ کے بزرگوں کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے انمول تحفہ ہے، جو بہت ساری نادر ونایاب کتب ورسائل اور قلمی نسخہ جات کا جامع مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ایک اہم تاریخی دستاویز کے ساتھ ساتھ واقعات وحالات کا ایک دلچسپ مرقع بھی ہے، جسے ترتیب دے کر مؤلف نے قارئین ومستفیدین پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ پوری کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے، جس کے ہر باب کے اندر کثیر معلومات اور ان گنت شواہد کے ذخائر موجود ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر مستند تاریخ، جامع سوانح ہے، جو دیدہ زیب طباعت اور خوشنما سرورق سے مزین 480 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی قیمت محض -/400 روپے ہے۔ دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی حاصل کیجئے اور اپنی معلومات میں اضافہ کیجئے۔

رابطہ : 9006306098, +91-7250433562

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

● سہیل اختر شاہنواز — کراچی، پاکستان

محرم کی ایک شام ٹیلی فون پر یہ دلخراش اطلاع ملی کہ ’’شاہ صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے‘‘ یہ خبر گویا ہمارے لیے شام غریباں ثابت ہوئی، اگر چہ شاہ صاحب کی بگڑتی صورت حال کی خبر تو تھی، لیکن اس خبر کی توقع نہیں تھی، دل و دماغ اس خبر کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا، جی میں آتا تھا کہ شاید کوئی دوسرا فون آئے اور میں سنوں کہ یہ خبر غلط ہے، مگر قدرت کا فیصلہ ہو چکا تھا بالآخر سر تسلیم خم کرنا ہی پڑا، مجھ سمیت یہ خبر اور کتنے چاہنے والوں، قربت وعقیدت رکھنے والوں پر بجلی بن کر گری، اس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے، کیوں کہ شاہ صاحب نے اپنی ہمہ گیر شخصیت کا جو تاثر لوگوں کے دلوں پر چھوڑا اس نے انہیں بے قرار کر دیا، ہر شخص دم بخود تھا اور یہ کہنے پر مجبور تھا کہ شاہ صاحب دلوں پر راج کرتے تھے۔

دنیائے علم و دانش کا سورج، مسلک صوفیا اور افق پھلواری کا وہ کوکب نورانی جو اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ برصغیر ہندو پاک اور تمام براعظم پر اپنے علم کی، اخلاق کی، اصلاح کی، سلوک وطریقت کی روشنی بکھیر رہا تھا، وہ آفتاب غروب ہوگیا، تمام عقیدت مندوں کے لیے ایک ایسی خلا چھوڑ گیا جو کبھی پُر نہ ہو یا اس میں وقت درکار ہو، کیوں کہ شاہ صاحب کا تعلق خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی ان نمائندہ شخصیات میں سے تھا جنہیں خانقاہ کی روایتوں، ان کی پاسداری وآگہی کا امین سمجھا جاتا ہے، ان کی حیثیت ایک مرکزیت کی سی تھی، خواہ وہ انتظامی معاملات ہوں، تعلیمی معاملات ہوں، معاشرتی واخلاقی معاملات ہوں یا پھر علمی وفقہی معاملات ہوں، ان سب پر ان کی دسترس، گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

کسی بھی شخصیت کے متعلق یہ لکھ دینا کہ وہ مجموعہ کمالات وہمہ صفات تھے بہت آسان ہے اور اس پر یقین کر لینا، لکھنے سے بھی زیادہ آسان ہے، لیکن شاہ ہلال صاحب کے متعلق اگر ایسی بات لکھی جائے تو وہ محض رسمی نہیں ہوگی اور نہ ہی اس میں کسی عقیدت کو دخل ہوگا، بلکہ ایک ایسی حقیقت کا اعتراف ہوگا، جس کے لیے کسی دلیل اور ثبوت کی ضرورت نہیں، ان کی ہمہ جہت

کمالات کا جائزہ لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان کی پرورش و پرداخت، تربیت اور شخصی تعمیر کا ایک مختصر جائزہ لیں۔

ایام طفلی میں پدری شفقت سے محروم ہوئے تو دادا حضرت شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں آگئے، اب اسے تو میں شاہ ہلال صاحب کی خوش بختی ہی کہوں گا یا پھر قدرت کو دنیائے عالم کے لیے ایک روشن ستارہ بنا کر پیش کرنا تھا، حضرت شاہ نظام الدینؒ (جنہیں لوگ منجھلے سرکار کے نام سے جانتے تھے) علمی صلاحیت، ان کی ولایت و باطنی صلاحیت کا ایک عالم معترف ہے، ان کے مزاج میں جو دھیما پن تھا سادگی توکل اور استغنا تھا خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک، معاملہ فہمی اور ان پر کوئی موزوں فیصلہ کرنے کی صلاحیت، علم کی جستجو اور حقیقت تک پہنچنے کا جو ذوق وشوق ان کے اندر موجود تھا، اس نے شاہ ہلال صاحب کی شخصیتی تعمیر میں بڑا کردار ادا کیا، یہی نہیں انہیں حضور شاہ امان اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی بھی حاصل رہی، ان تمام باکمال لوگوں کے زیر نگرانی تعلیمی سفر کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے حافظ بھی ہوئے، عالم بھی ہوئے، مقرر بھی ہوئے، مضمون نگار بھی ہوئے، محقق بھی ہوئے، سوانح نگار بھی ہوئے، شاعر بھی ہوئے، گویا فنون لطیفہ کا کوئی شعبہ انہوں نے نہیں چھوڑا، کچھ ہی دنوں میں کامیابیوں کے وہ مدارج طے کیے جو اتنے قلیل عرصہ میں کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ ان کے پاس کام بہت تھا اور بہت کچھ کرنا چاہتے تھے، لیکن زندگی نے ان کا ساتھ نہیں دیا، اس طرح چند ہی عرصے میں خانوادہ پھلواری کی نمائندہ شخصیت بن کر ابھرے اور مرجع خلائق بنے۔

اسلاف کی روایتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے سفر کو آگے بڑھایا، سلوک وطریقت کی منزلیں طے کرنے لگے، حلقہ ارادت وعقیدت وسیع ہوتا گیا، شگفتہ مزاجی اور علمی قابلیت کی بنا پر لوگوں میں مقبول ہوئے، ہر محفل کے روح رواں سمجھے جانے لگے، عقیدت مندوں کے پرزور اصرار پر ان کی نجی اور علمی محفلوں میں شریک ہونے لگے، پھر تو سفر کا ایک طویل سلسلہ جو اندرون ملک و بیرون ملک پر محیط تھا شروع ہوگیا، سفر بذات خود ایک تکلیف دہ عمل ہے، لیکن جن کے مزاج میں جستجو، اصلاح معاشرہ اور دینی تعلیمات کا عنصر شامل ہو وہ گوشہ نشینی کیسے اختیار کرسکتا ہے، ملکوں ملکوں گھوم کر جہاں انہوں نے لوگوں کو فیضیاب کیا وہیں اپنے دامن میں تجربات، معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ سمیٹا، آج کل کے عام مولویوں کی طرح نہیں تھے جو چند کتابیں پڑھ کر دین کی بڑی بڑی باتوں پر اپنا فیصلہ صادر کرنا اولین فرض سمجھتے ہیں، بلکہ ان کی معلومات جدید سائنسی تقاضوں سے ہم آہنگ تھیں، جدید سائنسی ایجادات وتغیرات، فوائد اور اس کے اثرات سے پوری طرح واقف تھے، کئی بار تو ایسا ہوا کہ دوران گفتگو کمپیوٹر اس کے استعمال اور زندگی کو سہل بنانے سے متعلق جو انکشافات انہوں نے کئے، ان پر ہم لوگوں کی نظریں نہیں گئیں، جب کہ کمپیوٹر ہماری زندگیوں میں لازم وملزوم کی حیثیت رکھتا ہے، سیاست ہو، تجارت یا حالات حاضرہ کا کوئی موضوع ہو ان پر بڑی گہری نظر تھی، ایک کہنہ مشق کی طرح ان پر بے لاگ اور برجستہ تبصرہ کرتے، ایک بار وہ کراچی تشریف لائے، اس وقت چینی مصنوعات کی دھوم مچی ہوئی تھی، یہ مصنوعات بہت ہی بے تکلفی سے ہماری روزمرہ اور آسائش زندگیوں میں داخل

ہو چکی تھیں، ہر شخص ان کی خوبیوں کے گن گا رہا تھا، شاہ صاحب خاموشی سے لوگوں کی باتیں سن رہے تھے، پھر مسکراتے ہوئے فرمایا: جس طرح چین اپنی تجارت کے ذریعہ پوری دنیا پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا ہے، لگتا ہے یاجوج وماجوج انہیں میں سے ہوگا۔ اگر چہ یہ ایک عمومی تبصرہ تھا، لیکن اہل علم اور اہل دانش شاہ صاحب کی اس دوراندیشی کو واقعیت کی طرف اشارہ کہیں گے۔

شاہ ہلال صاحب صبر ورضا کا پیکر تھے، مزاج میں سادگی تھی، خودنمائی، بناوٹ اور دکھاوا نہیں تھا، قناعت پسندی تھی، ہر حال میں خوش رہنا ان کے مزاج کا حصہ تھا، کبھی کسی بات کی پریشانی یا تنگی چہرے سے عیاں نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ کہتے کہ جو وقت آسانی سے گزر جائے اسی میں کامیابی ہے، دوسروں کے لیے بھی ایسی ہی زندگی کے خواہاں تھے اور اس کی تعلیم وتلقین کرتے، ایک ملاقات میں میرے والد ماجد جناب قدیر اختر ندوی کا ذکر چھڑ گیا، کہنے لگے کہ حکیم سعید صاحب کو مولانا نے بہت وقت دیا، اس پر راقم الحروف نے ان سے یہ کہا کہ لیکن اس کے عوض انہوں نے حکیم صاحب سے جو معاوضہ طلب کیا وہ ہمارے کچن کا خرچہ تھا، جب کہ ان سے کم پڑھے لکھے لوگ حکیم صاحب سے بیس تیس ہزار لیتے تھے، یہ سن کر شاہ ہلال صاحب کا چہرہ سرخ ہوگیا اور خفگی سے فرمایا آپ کو کیا پتہ قناعت کیا ہوتی ہے؟ بلاشبہ ان کی شخصیت کا یہ پہلو ان کی اسی پرورش و پرداخت کی غمازی کرتا ہے، جس کی بنیاد حضرت شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی۔

شاہ ہلال صاحب نے علمی وتحریری محاذ پر اپنے لیے جو راہ منتخب کی وہ سب سے مختلف تھی، انہوں نے اسلامی طرز فکر کو اپنے خیالات واحساسات کی اشاعت کی بنیاد بنایا۔ اسلام اور مشاہیر اسلام عقاید ونظریات اور صوفیائے کرام سے متعلق انتہائی گمراہ کن باتیں اور غلط الزامات کی ہر دور میں بھرمار رہی، شاہ صاحب کی حمیت اسلامی کب اس بات کی متحمل ہوسکتی تھی، انہوں نے اپنی تحریری زندگی کا آغاز کیا اور نہ صرف اہل قلم کے الزامات کی پرزور تردید کی بلکہ مسلمانوں کے شاندار ماضی اور عقاید کی درستگی کے لیے واقعات ومثالوں سے سیاسی، سماجی، اخلاقی طور پر خجالت زدہ مسلمانوں کو خود آگاہی اور خودشناسی کا سبق دیا، ان کے طرز نگارش کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی بات بہت ہی صاف اور سلجھے ہوئے انداز میں لکھتے۔ بحث وتمحیص میں دلائل اور براہین کے کسی پہلو کو نظرانداز نہیں کرتے اور معلومات کا اتنا وافر ذخیرہ فراہم کر دیتے کہ قاری کو کسی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا، تکرار اور اعادہ سے عبارت کو بے کیف اور سپاٹ نہیں بننے دیتے، ٹھوس اور مدلل گفتگو میں علمی وقار اور ادبی رنگینی کی آمیزش سے جاذبیت اور دلکشی میں اضافہ کرتے، ثقیل اور ادق الفاظ بہت کم ملتے ہیں، اگر ہیں بھی تو ان کا استعمال ضرورت کے تحت ہے اور اپنی معنوی وسعت کے لحاظ سے وہ گراں نہیں گزرتے۔ الفاظ کا انتخاب ایسا ستھرا کہ کسی فقرے کا کوئی لفظ بدلا نہیں جاسکتا۔

مضامین ومقالات کے علاوہ سیرت پر دو ضخیم کتاب ''سیرت پیر مجیب'' اور ''سوانح شاہ امان اللہ قادری'' ان کی کامیابیوں اور کارناموں کی فہرست میں شامل ہے، اپنے مواد کی تشکیل، سوانح نگارانہ تکنیک اور ان کی ذاتی دلچسپی کے لحاظ سے

نمایاں فوقیت رکھتے ہیں اوران کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے، جوموضوع کی عظمت، تحقیق کی وسعت، علمی رفعت اورفنی وقعت کے لحاظ سے ایک بے نظیر علمی دستاویز ہے، محض خوش اعتقادی سے پیداشدہ واقعات پرزور نہیں دیااور نہ ہی غیرمستنداورتاریخی اعتبار سے کمزور بیانات سے اپنے مرقع سے رنگ بھرنے کی کوشش کی، بلکہ وہ خصائص دکھائے جن میں انسانی فطرت کی جھلک دکھائی دیتی ہے، بے باکی اورآزادی کاایک ایسامرقع تیارکیا جس میں حقیقت زیادہ اورعقیدت کم ہے۔

اس مختصر عمر میں ان کے حسن اخلاق، مزاج کی نزہت ولطافت اوران کی تصنیفی وتحقیقی خدمات سے ایک عالم ان کا گرویدہ ہوا۔ بلاشبہ یہ بزرگان پھلواری کا فیضان ہے کہ وہاں کا ہرفرد اپنے اسلاف واکابر کا مکمل ترجمان ہوتا ہے، ایک بار مل کر تاعمرانہیں کوئی بھول نہیں سکتا، آج تمام صفات وروایات کی مجسم تصویر مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات نے جو محرومی پیدا کی وہ کسی سانحہ کبریٰ سے کم نہیں، یہ صرف خانقاہ کے بزرگوں اورعزیزوں کے لیے المناک اور دلخراش واقعہ نہیں ہے، بلکہ پوری علمی دنیا کے لیے ایک ناقابل تلافی محرومی ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

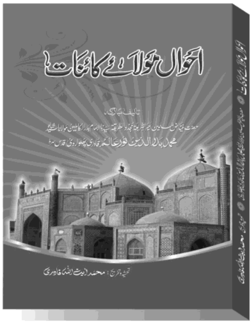

احوال مولائے کائنات

تالیف مبارکہ حضرت فیاض المسلمین امیرالشریعۃ مجدد الطریقۃ سیدنا الامام بدرالکاملین مولانا شاہ محمد بدرالدین نورعالم قادری پھلواروی م: ۱۳۴۳ھ

تحشیہ وتخریج : جناب حضور حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

امیرالمومنین سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کے حالات پرحضرت اقدس فیاض المسلمین قدس سرہٗ کی گرانقدر تحریر جس کی تخریج وحواشی جناب حضور حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے قلم سے ہے —— اور حدیث ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' کی صحت واستناد سے متعلق جناب حضور مدظلہ نے ایک تفصیلی جائزہ لیا ہے، جوایک جامع، مبسوط اور تحقیقی مقالہ کی شکل میں شامل کتاب ہے۔

دیدہ زیب طباعت اورخوشنما سرورق سے مزین 264 صفحات پرمشتمل یہ کتاب -/140 روپے میں دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کریں۔

رابطہ : +91-7250433562, 9006306098

مولانا شاہ ہلال احمد قادری
باتیں ان کی یاد آتی ہیں

● مولانا طلحہ نعمت ندوی — استھاواں، بہار شریف

مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی اچانک رحلت ان کے اکثر احباب و متعلقین کے لئے ایک صدمہ تھی، اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر جلد رخصت ہوجائیں گے، اور ان کے علوم وافادات سے ہم محروم ہوجائیں گے۔ ان کی وفات کے بعد ہی راقم نے ایک مضمون میں بہار کی دیگر شخصیات کے ساتھ ان کا بھی اجمالی تعارف کرایا تھا اور ان کی بعض اہم خصوصیات اور واقعات کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ تصوف اور رموز تصوف پر مولانا موصوف کی جیسی گہری نگاہ تھی، کم ہی لوگوں کی ہوگی، خانقاہ مجیبیہ کی تاریخ پر تو سند کی حیثیت رکھتے ہی تھے، صوفیائے بہار کی علمی تاریخ پر بھی جیسی نظر ان کی تھی، کم ہی لوگ اس میں ان کی ہمسری کر سکتے ہیں۔

موصوف سے ملاقات کا آغاز بہت دنوں کے ارادہ کے بعد چند سال قبل ہی ہوا تھا، افسوس کہ

روئے گل ندیدیم و بہار آخر شد

ان دو ڈھائی سالوں میں مولانا کی خدمت میں جو حاضری ہوئی اور جو صحبتیں رہیں، جو علمی فوائد حاصل ہوئے وہ بہت اہم تھے، ان کی مجلسوں کی حاضری کے بعد بار بار خیال آتا کہ ان کی اہم باتیں نوٹ کی جائیں لیکن افسوس کہ اس کا اہتمام نہیں ہوسکا، ارادہ تھا کہ آئندہ حاضری ہوئی تو ان کے مجلسی افادات کو قلمبند کرنے کا اہتمام کروں گا لیکن افسوس کہ

آن قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند

گرچہ موبائل نے خطوط کی سنت دیرینہ پر خط نسخ پھیر دیا ہے لیکن پھر بھی برقی تحریروں کی شکل میں کچھ نہ کچھ محفوظ رہنے کی صورت نکل آئی ہے، گرچہ بالکل مرتب مکتوب کی شکل نہیں ہوتی، اس خیال سے ان کے برقی افادات و پیغامات کا ایک حصہ محفوظ کرلیا گیا تھا، جن میں بہت سی بے تکلف باتیں اور بے لاگ تبصرے بھی ہیں، ان سب کا ذکر کرنا تو شاید مناسب نہ

ہولیکن ان میں جو قابل ذکر اہم باتیں اور جو مجلسی افادات یاد رہ سکے ہیں وہ ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں ۔ پہلے برقی مکاتیب وجوابات ذکر کئے جاتے ہیں ۔

شاہ صاحب: یہ بتائیے کہ مولانا وحید الحق صاحب (استھانوی) غیر مقلد تھے،ان کی وفات ۱۳۵۱ھ میں ہوئی ہے؟

جواب : مولانا وحید الحق صاحب غیر مقلد نہیں تھے،ان پر جلد ہی ایک مفصل مضمون المجیب کے لئے بھیجنے کا ارادہ ہے،وہ قاری سید احمد شاہجہاں پوری سے بیعت تھے،اور شاید خلیفہ بھی ۔

شاہ صاحب: ابھی حال ہی میں جمعیت اہل حدیث نے ایک کتاب چھاپی ہے دبستان نذیریہ،اس میں نذیر حسین صاحب کے تلامذہ میں ان کا بھی ذکر ہے،کوئی مضمون لکھنا ہو تو یہ کتاب ضرور دیکھ لیں،مولف نے سب کو غیر مقلد بنانے کی کوشش کی ہے ۔

جواب : جی مولف سے میرے تعلقات ہیں،وہ ڈیانواں کے خاندان کے ہیں،اور کراچی میں رہتے ہیں،اس علاقہ کے علماء پر ان کی اچھی نظر ہے،ان سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے دو وحید الحق کو ایک سمجھ لیا،ورنہ مولانا استھانوی مولانا نذیر حسین کے شاگرد نہیں ہیں ۔

شاہ صاحب : آپ نے وہ کتاب دیکھی ہے یا نہیں،اس میں پھلواری خانقاہ کے متعلق بہت سی غلط باتیں لکھی ہیں اس کا جواب لکھ رہا ہوں ۔

یہ سلسلۂ گفتگو مدتوں تک چلتا رہا،دونوں جانب سے میرے تعلقات تھے،دونوں کی آراء سننے کا موقع ملتا،جو کچھ ہمارے محترم تنزیل صاحب اپنا پیغام شاہ صاحب کی خدمت میں ارسال کرنے کو کہتے کر دیتا،اس مضمون کے حوالہ سے شاہ کے جوابات بھی تنزیل صاحب کی نظر سے شاید گذر جائیں گے،اور امید ہے کہ وہ انہیں پڑھ کر رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ کہتے ہوئے شاہ صاحب کی بلندی درجات کے لئے ہاتھ اٹھائیں گے کہ اس دنیا کے بعد اب ایسی دنیا میں دونوں اہل علم کی ملاقات ہوگی جہاں کے لئے وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ کا اعلان ہے،اور اہل ایمان کے لئے ایک بڑی نعمت ۔ یہ علمی معرکہ آرائی بہت سے لوگوں کے علم میں ہے،ابھی حال ہی میں وہ کتاب بھی شائع ہوگئی ہے اور اہل علم پورے پس منظر سے واقف ہیں اس لئے وہ پوری گفتگو نقل کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔

میں نے تنزیل صاحب کو اس مضمون کی اطلاع دی،ان کو وہ مضمون پہنچ چکا تھا،انہوں نے اس کا شکوہ کیا اور عرض کیا کہ شاہ صاحب کو یہ شکوہ سنا دیا جائے ۔میں نے انہیں لکھا:

السلام علیکم

تنزیل صاحب کا میرے پاس شکوہ آیا ہے،آپ کا مضمون ان کے پاس پہنچ چکا ہے، مفصل درج ہے ۔

”اگر ہو سکے تو شاہ ہلال صاحب کو میرا یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ جب کسی پر تنقید لکھیں تو اس کے بارے میں واقفیت ضرور

حاصل کرلیں۔تجاہل عارفانہ یا عدم علم کا عذر مناسب نہیں ،پھلواری سے مجھے بھی نسبت ہے ،علامہ تمنا عمادی کی بہن کی براہ راست اولاد میں سے ہوں۔علمی افراد ایک دوسرے پر تنقید کرتے ہوئے اخلاقی روایات ضرور نبھاتے ہیں ۔ تاریخ وتذکرہ کا مطالعہ مسلکی تناظر میں نہیں کرنا چاہیئے۔میں نے کسی حنفی کو اہل حدیث بنانے کی کوشش نہیں کی ہے،نہ ہی اس سے کچھ فائدہ ہے ۔مولانا عبدالوہاب کو بعض لوگ اہل حدیث سمجھتے ہیں ،میں نے واضح کیا کہ وہ حنفی تھے ۔اسی طرح اگرکوئی حنفی مشہور ہوگیا ہو اور میں اس کے اہل حدیث ہونے کی وضاحت کروں تو اسے مسلکی تناظر میں نہیں دیکھنا چاہیئے۔نظر دلائل پر رکھنی چاہیئے‘‘۔

میں ان کا یہ پیغام شاہ صاحب کو بھیجا تو انہوں نے پوچھا:

’’مضمون تصحیح اور ترمیم سے قبل ان کو کیسے مل گیا،فرشتوں نے پہنچایا،یا آپ کو جو کچھ میں نے سنایا تھا وہ آپ نے ان کو بتایا‘‘؟

میں نے جواب میں عرض کیا کہ’’نہیں میں نے ان کو صرف یہ اطلاع دی کہ آپ کے مضمون کا استدراک لکھا ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھے مل گیا ہے، مفصل ہے اور ساٹھ صفحات میں ہے‘‘۔

پھر شاہ صاحب نے تعجب سے پوچھا’’ان کو بھیجا کس نے‘‘۔اس کے بعد پھر لکھا’’معلوم ہوا کہ مشہود میاں نے شاہ ریحان صاحب کو بھیجا تھا تنزیل پر اس نزول و ورود کا یہی ذریعہ ہوگا،آپ کو بھی بھیج رہا ہوں،پورا پڑھ لیجئے‘‘۔

تنزیل صدیقی صاحب نے پھر مکتوب لکھا’’مولانا گیلانی کا میں ناقد بھی ہوں ،مگر ان کی فضیلت کا معترف بھی۔ مولانا نے علم الفتن کے حوالہ سے جو کچھ لکھا الواقعہ کا شمارۂ خاص بابت دجالیت ان ہی خطوط پر تیار ہوا،اور ارتقائی سفر اختیار کیا، اس موضوع پر میں ان سے بہت متاثر ہوں۔۔شاہ ہلال صاحب کو میری پھلواری کی نسبت کا آپ نے بتایا؟ میرے نانا کا تعلق پیر بیگہہ جموانواں سے ہے، یہاں شاہ قیام اصدق کی خانقاہ تھی ،مگر باہر سے بلائے گئے تھے ،ان سے مجھے خاندانی نسبت نہیں،جموانواں کے اصل مکیں سادات تھے،شاہ قیام نسباً فاروقی ہیں۔جموانواں کے عالم سید لیاقت حسین کمبل پوش گذرے ہیں،جو میری والدہ کے نانا کے دادا تھے‘‘۔

میں نے ان کے حسب ارشاد شاہ صاحب کو یہ مکتوب فارورڈ کیا تو انہوں نے لکھا’’میں نے وہ پیغامات پڑھ لئے، مزید کلمات خیر کا منتظر ہوں،جواب کا مکلف نہیں،آپ سے درخواست ہے کہ موصوف کو میرا نمبر نہ دیں،مجھے اتنی فرصت نہیں کہ ان سے فون اور واٹس آپ پر بحث ومباحثہ کروں‘‘۔

میں نے پھر شاہ صاحب کو ان کے کاموں کی طرف توجہ دلائی’’ تنزیل صاحب علمائے بہار پر بہت تحقیق اور جامعیت کے ساتھ کتاب مرتب کررہے ہیں،تقریباً تین جلدیں ہوں گی،اب شاید اس طرح کی غلطیاں نہ ہوں‘‘۔

اس پر شاہ صاحب نے لکھا’’تنزیل صاحب کی تحریروں سے مجھے نہ کوئی دلچسپی ہے،اور نہ کوئی تعرض،جو کچھ میں نے

لکھا ہے، وہ اپنی خانقاہ سے رفع الزام اور دفع شبہات کے لئے لکھا ہے، غیر مقلدیت اور وہابیت سے اظہار برأت میرا مقصود تھا۔ رہ گئی یہ بات کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں،؟ تو وہ اچھے اہل قلم ہیں اور مطالعہ وسیع رکھتے ہیں، ایسے لوگ ہمیشہ کسی نہ کسی علمی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں اچھے اہل قلم کی بڑی کمی ہے، اور تحقیق کے میدان میں تو معدودے چند ہی ہیں، آپ کے دوست تنزیل صدیقی صاحب کی علمی کاوشیں قابل تعریف ہیں لیکن غیر مقلدیت ان کا لاحقہ ہے، اور وہابیت ان کا سابقہ، اس لئے مجھے اطمینان نہیں ہے، کہ اپنے لاحقہ اور سابقہ سے وہ اپنا دامن بچاسکیں گے، وہ بھی اس صورت میں جب وہ علمائے احناف پر قلم اٹھائیں گے، تو نہ معلوم کس کس کی پگڑی سر بازار اچھلے گی''۔

یہ تفصیلی مراسلات اس لئے ذکر کر دئے گئے کہ شاہ صاحب کی وفات سے کچھ ہی قبل ان کا یہ مضمون اور کتاب شائع ہوئی تھی، جو لوگ اس پورے پس منظر سے واقف ہیں ان کے لئے اس میں بہت کچھ معلومات ہوں گی، اور محترم جناب تنزیل صدیقی صاحب کو اندازہ ہوگا کہ شاہ صاحب کو ان کے کمالات کا بھی اعتراف تھا۔

اسی مکتوب کے ساتھ میں نے دو تین سوالات اور بھی کئے تھے، شاہ صاحب نے ان کے جوابات سے بھی نوازا:

''تذکرۃ الکرام کا ترجمہ جو ابھی ہوا اور جو پہلے ہوا تھا اس سے پہلے ہوا تھا دونوں میں کیا فرق ہے۔ حضرت شاہ ظہور الحق کی اعیان المنطق کا مولانا گیلانی نے کئی جگہ ذکر کیا ہے، وہ محفوظ ہے؟ اگر علمائے مناطقہ کے حالات پر ہے تو اس کو باہر سے شایع ہونا چاہئے''۔

انہوں نے جواب میں فرمایا ''تذکرۃ الکرام کے قدیم وجدید نسخہ میں صرف زبان کا فرق ہے، قدیم ترجمہ نصف شائع ہوا تھا، جدید ترجمہ مکمل ہے۔ شاہ ظہور الحق کی کتاب کے بارے میں مجھے علم نہیں خانقاہ عمادیہ سے معلوم ہوسکتا ہے''۔

حضرت مخدوم الملک کے ایک مکتوب کی تشریح حضرت مجدد صاحب نے فرمائی ہے، میں نے انہیں اس کا عربی ترجمہ ارسال کیا، اس نے انہوں نے تبصرہ فرمایا:

''حضرت مخدوم صاحب کی عبارت غیر مقلدین اور منکرین تصوف کے نزدیک سرے سے غیر اسلامی ہے، وہ تو حضرت مجدد کو بھی صحیح نہیں سمجھتے ہیں، حضرت مجدد نے اپنے علم وفکر کے مطابق تاویل فرمائی ہے، منکرین جو کچھ کہیں گے وہ ان کی فکر کے مطابق ہوگا''۔

تصوف کے خلاف ایک کتاب آئی وہ میں نے شاہ صاحب کو ارسال کی اور گذارش کی کہ اس کا جواب دیا جائے، کم از کم تبصرہ ہی ہو۔ اس کے ساتھ سید صاحب کے مکاتیب بنام مولانا شاہ قاسم دسنوی شائع شدہ معارف کی ایک کاپی بھی ارسال کی، میں نے پوچھا تھا کہ کیا وہ کتاب آپ نے ملاحظہ فرمالی؟ اس پر ان کا جواب آیا:

''کتاب تو مجھے مل گئی تھی، مگر میں نے ابھی پڑھی نہیں ہے، تصوف اور صوفیہ کے خلاف اس میں تکلیف دہ باتیں ہوں گی، جس دن گالیاں سننے کی ہمت ہوگی تو پڑھ لوں گا۔ آپ کے مرتب کئے ہوئے سید صاحب کے خطوط پڑھے، یہ گویا

سید صاحب کے نادر مکاتیب ہیں، یہ دار المصنفین سے شائع ہوئے ہیں؟ آپ نے اچھا کام کیا، ماشاء اللہ، اللھم زد فزد"۔

۱۴/۱۱/۱۹ء کی تاریخ ایک مکتوب ہے جس میں میں نے ان سے پوچھا تھا:

"مولانا علی اکرم آروی جو مشہور اہل حدیث عالم تھے، کیا خانقاہ سے بھی ان کا تعلق تھا"؟

شاہ صاحب : وعلیکم السلام

"اہل حدیث تھے لیکن بعد میں غیر مقلدیت سے تائب ہو کر تصوف سے وابستہ ہو گئے تھے، خانقاہ مجیبیہ سے خاص تعلق تھا، حضرت شاہ بدرالدین صاحب کے انتخاب جانشینی میں وہ موجود تھے، ان کی غیر مطبوعہ تصنیفات خانقاہ کی لائبریری میں موجود ہیں، ان کی ایک کتاب صحاح صوفیہ بھی ہے، مکتوبات صدی کا فارسی نسخہ دہلی سے ان ہی کی کوشش سے چھپا تھا، ان کے حالات مجھے معلوم نہیں ہیں"۔

میں نے شیخ یسین محدث سامانوی پر ایک مضمون لکھا تھا، جس میں خانقاہ کے بزرگوں کا ذکر تھا، اشاعت سے قبل شاہ صاحب کو بھیجا، شاہ صاحب نے پڑھ کر لکھا:

"آپ کا مضمون شیخ یسین محدث پر دیکھا، ملا محمد عتیق محدث نے جو اجازت حدیث ہمارے جد اعلیٰ ملا وجیہ الحق کو دی ہے، اس میں ان کا نام آتا ہے، لیکن ان کے شیوخ حدیث کا پتا نہیں چلتا، کیوں کہ سند کی عبارت میں آگے نام شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ہے، میں سند کا فوٹو بھیج رہا ہوں۔ سند حدیث رواۃ کے اعتبار سے مکمل ہوتی تو مضمون میں شامل کی جاسکتی تھی، عکس سند دیکھ کر آپ پتا کریں کہ شیخ یسین کی سند حدیث کن واسطوں سے جامعین صحاح تک پہنچتی ہے؟"۔

میں نے عرض کیا کہ:

"شیخ یسین کا ذکر تو اس میں موجود ہے البتہ سلسلہ سند نہیں ہے، انہوں نے عرب میں کن محدثین سے استفادہ کیا کہنا مشکل ہے، معاصر دور کے اہل علم کو قیاساً ان کا استاد بتایا جاسکتا ہے۔ گجرات کے شیخ وجیہ الدین سے انہوں نے ہندوستان میں استفادہ کیا تھا"۔

شاہ صاحب صوفیہ کے دفاع میں ہر وقت سرگرم عمل رہتے تھے، اور ان کے خلاف کچھ سننا پسند نہ فرماتے، آج کل کے دور میں جب کہ یہ ذوق ختم ہوتا جارہا ہے، اور قدیم صوفیہ کے اقوال وافعال کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، شاہ صاحب کی ذات ان کے لئے پشت پناہ کی حیثیت رکھتی تھی، ایک بار راقم نے ایک ناقد تصوف کا یہ اشکال ان کے سامنے پیش کیا جو بادی النظر میں مجھے بہت وزنی معلوم ہو رہا تھا اور کئی اہل علم کے سامنے پیش کیا تھا لیکن کوئی معقول وقابل اطمینان جواب نہیں مل سکا تھا کہ محمد تغلق کی جب موت ہونے لگی تو اس وقت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے فرمایا تھا: ملک الموت نے کہا کہ اس کی روح نکالنے میں میں نے جلدی کی، کیوں کہ اس کے منہ سے ایسی بدبو آرہی تھی جو اب تک کسی کے منہ سے نہیں آئی تھی، معترض کا اعتراض تھا، کہ حالاں کہ وہ اس وقت روزہ سے تھا، یوں بھی وہ نماز کا پابند تھا، شغل شراب سے ہمیشہ دور رہتا تھا،

غیر محرموں کے سامنے بھی نہیں جاتا تھا، اس کے باوجود شیخ نصیر الدین ایسا جملہ فرماتے ہیں، حضرت شاہ صاحب نے یہ سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ حضرت علی کے قاتل کو خود زبان نبوت سے اشقی القوم کا خطاب ملا تھا، کہ جو تم کو قتل کرے گا وہ قوم کا بد بخت ترین انسان ہوگا، حالاں کہ جس وقت اس کو قتل کیا جارہا تھا وہ ذکر کر رہا تھا، اور کہنے لگا کہ میری زبان مت کاٹنا کہ میں اس سے ذکر کر رہا ہوں۔ شاہ صاحب کے اس جواب سے اطمینان ہوا۔

اسی طرح میں نے ایک بار ایک شامی عالم کی یہ رائے نقل کی جو کئی لوگوں کے سامنے نقل کر چکا تھا، اور مجھے ان کے شاگرد سے براہ راست سننے کا موقع ملا تھا، کہ وہ میلاد نبوی یعنی بارہ ربیع الاول کی رات کو شب قدر سے بھی افضل مانتے تھے، عام طور پر ان کی یہ رائے قابل قبول نہیں ہے، میں نے بھی شاہ صاحب کے سامنے اس کا ذکر کر کے عرض کیا کہ یہ تو غلو ہے، شاہ صاحب نے کہا کہ ہاں لیکن من وجہ مانا جاسکتا ہے اس لئے اس قول میں تاویل کی گنجائش ہے۔

ایک بار حاضر ہوا تو ملک میں حضرت امیر معاویہ کی بحث چھڑی ہوئی تھی، نیز صحابیت کی تعریف کے متعلق بھی، انہوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں حضرت امیر معاویہ کو کوئی کچھ نہیں بولتا ہے، ایک صاحب بولتے تھے تو خاندان کے دیگر بزرگ ان سے نہیں ملتے تھے، صحابیت کی تعریف کے متعلق فرمایا کہ ہاں یہ تعریف ضرور قابل غور ہے۔

ایک بار فرمایا کہ ہماری خانقاہ کے علاوہ ہر خانقاہ کو بریلویوں سے مراسم استوار رکھنے پڑتے ہیں، لیکن ہم لوگ الحمدللہ اس کی پروا نہیں کرتے، ہم لوگوں نے کبھی بھی مولانا احمد رضا خاں کی تحریک تکفیر کی تائید نہیں کی، نہ ان کے فتاوے پر یہاں دستخط کئے گئے، ایک بار عرس میں بریلی دعوت نامہ بھیجا گیا تو وہاں سے خط آیا کہ ہم لوگ آئیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ ساتھ میں کتاب حسام الحرمین بھی آئے گی، اس پر دستخط کر دی جائے، تو اس کے جواب میں ہمارے یہاں سے خاموشی اختیار کی گئی۔

کہنے لگے کہ ایک بریلوی عالم سے ملاقات پر میں نے عرض کیا: حضرت اسامہ بن زید کا واقعہ آپ کو یاد ہوگا کہ کسی کو انہوں نے قتل کر دیا تھا، جب آپ ﷺ نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ قتل کے ڈر سے اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ھلا شققت قلبہ؟ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم اس علاقہ کی اصطلاح کے مطابق کہے کہ میں میاں ہوگیا، جو غیر مسلم مسلمانوں کو کہتے ہیں تو کیا آپ اس کو نہیں مانیں گے، ان صاحب نے فرمایا کہ بالکل اس کا اسلام تسلیم کریں گے، اس پر میں نے پوچھا کہ آخر جو گروہ خود کو اعلانیہ اور بار بار مسلمان کہتا ہے اس کی تکفیر کی کہاں گنجائش ہے۔ اس پر وہ صاحب خاموش ہو گئے۔

شاہ صاحب اخلاق وکمالات میں بھی بہت بلند تھے، جب بھی حاضری ہوتی، خاطر کرتے، پر تکلف ضیافت بھی فرماتے، عنایتوں سے نوازتے، اور بہت بے تکلفی سے باتیں کرتے رہتے، کہ ان کی مجلس سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔

بہت روئے گی مجھ کو میری شام تنہائی

✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻

اے وقت اجل تجھ کو بھی کیا جلدی تھی اتنی؟

● ڈاکٹر محمد ضیاء الحق — شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

دیر سے بیٹھا ہوں ہاتھوں میں لئے اپنے قلم
کیا لکھوں، کیسے لکھوں، دل پر ہے طاری شام غم

عالی مرتبت، عالی صفات، عالی مقام، نمونۂ اسلاف، فنا فی اللہ، زاہد فی الدنیا کے عملی پیکر، جامع کمالات وصفات حمیدہ، استاذ الاساتذہ، صوفی باصفا، حضرت الحاج علامہ ومولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نور اللہ مرقدہ، ۱۱ر محرم ۱۴۴۲ھ، مطابق ۳۱ر اگست ۲۰۲۰ء کو سموار کے دن اپنے تمام متعلقین ومحبین کو روتا بلکتا چھوڑ کر مولائے حقیقی سے جا ملے — انا للہ و انا الیہ راجعون.

موت وحیات کا فلسفہ درحقیقت خالق کائنات کی قدرت کاملہ کے اظہار اور بندوں کی عاجزی کا غماز ہے۔ اسی سے مخلوق خدا کا فانی ہونا ثابت ہوتا ہے، خواہ وہ اپنے مقام ومرتبہ اور رجاہ ومنصب میں کتنا ہی بڑا ہو، بہر صورت اس کو قضا وقدر کا فیصلہ قبول کرنا ہی ہے۔ اس دنیا میں جو بھی آنکھیں کھولتا ہے وہ ایک نہ ایک دن بند بھی ضرور کرتا ہے، خدائی اعلان ہے: ”كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ“ (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) یہ روزانہ کا معمول ہے نہ جانے کتنے لوگ ہر روز اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں اور دوسروں کی زندگی معمول کے مطابق چلتی رہتی ہے، لیکن جو لوگ حق شناس، خدا ترس اور عالم باعمل ہوتے ہیں، ان کی رحلت پر اپنوں کے ساتھ زمانہ بھی روتا ہے، زمین روتی ہے، آسمان روتا ہے۔

عالمی شہرت یافتہ خانقاہ، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ کے روح رواں، پیکر علم وعمل، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے فضائل ومناقب کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنا مجھ جیسے بے بضاعت طالب علم کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، لیکن اتنی پر بہار اور پر لطف شخصیت کا ہمارے بیچ سے اچانک رخصت ہو جانے سے دل کو جو صدمہ ہوا اسے سپرد قلم کر کے اپنے قلبی جذبات واحساسات آپ تک پہنچانا میرے لئے کسی سعادت سے کم بھی نہیں ہے۔

آپ کی رخصت سے دل غمگین اور آنکھیں اشکبار ہیں......آہ!

اے وقت اجل تجھ کو بھی کیا جلدی تھی اتنی؟

محروم ہوئے تشنہ،لب بام سے پہلے

مرحوم وموصوف کے اس سانحۂ ارتحال پر صرف بہار اور جھارکھنڈ ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے علمی،ادبی،ملی اور قومی حلقوں میں غم کا ماحول ہے۔آپ کی جامع شخصیت سے ہر شخص واقف ہے۔آپ شریعت وطریقت میں بے نظیر اور علم و عمل میں باکمال تھے۔آپ بیک وقت ایک جید عالم،مستند محقق،معتبر مصنف،بہترین مرشد،مشفق استاد،بے مثال مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ کثیر التصانیف اور اردو و فارسی کے عمدہ ادیب وشاعر بھی تھے۔آپ کو تمام علوم متداولہ پر کامل عبور تھا اور تفسیر و حدیث،فقہ واصول اور علم کلام میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ادب وتحقیق،تصنیف وتالیف،عروض وبلاغت اور وعظ وخطابت میں آپ کو شہرت دوام نصیب ہوا،علماء عصر نے آپ کے تبحر علمی کا برملا اعتراف کیا ہے۔ایک مرتبہ سیمینار کے موقع پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں حضور کی آمد ہوئی تھی۔میرے کئی دوستوں نے مجھ سے حضور کے متعلق جاننے کی خواہش ظاہر کی۔سب کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا ’’ماشاء اللہ کیا نورانی چہرہ ہے!‘‘،اور جب حضور نے سیمینار میں کلیدی خطبہ پیش کیا تو سامعین ان کی بزرگی کے ساتھ ساتھ ان کی صلاحیت اور قابلیت کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے۔یہ کہنا مبالغہ آرائی سے خالی نہ ہوگا کہ علمی و ادبی دنیا میں آپ کی خدمات لازوال ولافانی ہیں۔سوانح حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری،سیرت پیر مجیب،نغمات الانس فی مجالس القدس،یزید حقائق کے آئینے میں،خانوادۂ سیدہ زینب،القول السدید وغیرہ آپ کے ناقابل فراموش اور بیش بہا تصنیفی کارنامے ہیں۔اہل علم حضرات کے لئے مذکورہ کتابیں مشعل راہ کی مانند ہیں۔خود حقیر نے بارہا ان کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔علاوہ ازیں رسالہ المجیب میں بارہا ان کے طویل اور پرمغز مقالے شائع ہوتے رہے ہیں۔اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو اور فارسی ادب کے لئے حضور سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی عرق ریزی وجاں فشانی بے نظیر ہے۔غرض کہ آپ کی خدمات مذہبی،ادبی اور ملی تینوں حلقوں میں اظہر من الشمس ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن اوصاف وامتیازات سے نوازا ہے،ان میں دو باتیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں،ایک: علم،دوسرے: اخلاق،اور یہ دونوں صفتیں حضرت موصوف کے رگ وریشے میں پیوست تھیں،اور کیوں نہ ہوتیں! جب انسان اپنی تعلیم کو اللہ تعالیٰ کے نام سے جوڑے رکھے گا تو خشیت پیدا ہوگی اور وہ اخلاق سے آراستہ ہوگا،رسول اللہ ﷺ نے علم کی دعا اس طرح فرمائی ہے۔

اللّٰھم اغننی بالعلم،وزینی بالحلم،واکرمنی بالتقوی،وجملنی بالعافیۃ۔(کنز العمال: ۲/ ۱۸۵، حدیث نمبر: ۳۶۶۳)

ترجمہ : اے اللہ! مجھے علم کی دولت عطا فرما اور حلم و بردباری سے آراستہ فرما اور تقویٰ کے ذریعے عزت عطا فرما اور عافیت کے ذریعے میرے حالات کو بہتر فرما۔

حضرت ممدوح کی علم پروری اور ہنر دوستی کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اہل علم حضرات کی عزت و احترام اس قدر کیا کرتے تھے گویا ''ان العلماء ورثة الانبیاء'' کا حکم ان کے اندر موجزن ہو چکا ہو۔ اگر کوئی ان سے علمی یا ادبی مدد طلب کرتا تو بڑی خوش دلی سے اس کی مدد کیا کرتے تھے۔ پی، ایچ، ڈی کے تکمیلی مرحلے میں حقیر کو مواد کی فراہمی کے لئے خانقاہ مجیبیہ کے آستانے پر متعدد بار حاضری کا شرف ملا۔ اس دوران حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان سے بھی ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ حقیر نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے اغراض و مقاصد کا اظہار کیا، آپ خود دفتر میں تشریف لے گئے اور اپنی لکھی ہوئی کتاب ''سیرت پیر مجیب'' کے چند اوراق پلٹ کر اس میں میرے موضوع کے حوالے سے نشان لگا کر دیا اور اس جگہ موجود ذمہ داران حضرات کو ہدایت کیا کہ ہر طرح سے ان کی مدد کی جائے۔ آپ کے اس اخلاق حسنہ سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا۔ یقیناً اس سے پہلے تک ان کی ذات وصفات سے پوری طرح بے خبر تھا۔ بعدازاں اس ناچیز کو حضور اپنے حجرے میں لے گئے، بیٹھایا اور لذیذ سادی چائے (صوفیاء حضرات بغیر دودھ کی چائے پیتے ہیں) بھی پلائی، اور مخطوطات کے چند نادرو نایاب نسخے بھی دکھائے اور اس کو منظر عام پر لانے کے لئے عزم مصمم کا اظہار بھی کیا۔ دریں اثنا حضور تقریباً دو گھنٹے تک علمی اور ادبی موضوع پر گفتگو فرماتے رہے۔ بزرگان دین اور صوفیاء عظام کے طریقۂ کار کے مطابق باتوں باتوں میں وعظ و نصیحت بھی کرتے رہے اور میں پوری دلچسپی و انہماک کے ساتھ ان کی ایک ایک بات کو غور سے سنتا رہا اور ذہن نشیں کرتا رہا اور ساتھ ہی دل ہی دل میں یہی دعا کرتا رہا کہ اے اللہ دوبارہ پھر سے ان کی خدمت میں میری حاضری نصیب فرما! انداز بیان کچھ اس طرح تھا کہ گویا ایک ایک لفظ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔ وہ تبسمی رخسار، وہ کشادہ اور چمکتی ہوئی پیشانی، وہ آواز میں دلکشی اور لہجہ میں نرمی ان تمام خصوصیات کے مجموعے نے اس حقیر کو حضور کا دیوانہ بنا ڈالا۔ چہرے سے ایسی بزرگی جھلکتی تھی کہ ہر دیدار کرنے والے شخص کو اللہ یاد آتا تھا۔

دوران ملاقات حضور نے مذہبیات و اعتقادات کے چند موضوع پر بھی بڑی صراحت کے ساتھ روشنی ڈالی اور معاشرے میں پھیلی ہوئی برائی (خصوصاً اہل علم حضرات کے درمیان) جیسے کہ عقیدے کی بنیاد پر ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ بنانا اور برا بھلا کہنا جو کہ آج کے پرفتن ماحول میں طرۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے اور عوام میں مقبولیت کا بہترین ذریعہ ہے، ان سے بیزاری کا اظہار بھی کیا، جس سے مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ حضور اس تنگ نظری اور کوتاہ خیالی سے کوسوں دور ہیں اور بے حد متنفر بھی ہیں۔ ان کے دل میں خلق خدا سے محبت کا جذبہ اور امت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو متحد کرنے کی فکر تھی۔ گویا موصوف ارشاد خداوندی ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' کا عملی نمونہ تھے۔ کاش! یہ خوشبو پھلواری سے نکل کر پوری

امت مسلمہ کو معطر کردی ہوتی تو شاید آج یہ قوم زبوں حالی کے اتنے قریب نہ ہوتی۔

بہر حال موصوف کی چند نصیحت آموز اور پرلطف گفتگو سے اس ناچیز کو نہ صرف حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری کی ذات و صفات کا اندازہ ہوا بلکہ خانقاہ مجیبیہ کی عظمت، فراخ دلی اور وسعت نظری کا بھی احساس ہوا۔ دراصل خانقاہوں سے متعلق لوگوں نے جو نظریات قایم کر لئے ہیں وہ پوری طرح حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ اس کا عین ثبوت خانقاہ مجیبیہ اور اس آستانے سے منسلک حضرات ہیں۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ دوران پی، ایچ، ڈی مواد کی فراہمی کے لئے مختلف خانقاہوں پر حاضری کا شرف ملا اور بہت سی ایسی باتیں بچشم خود مشاہدہ بھی کیا کہ اگر عوام پر ظاہر ہو جائیں تو شاید خانقاہوں پر سے ان کا بھروسہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن میں پوری ایمانداری اور سچائی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خانقاہ مجیبیہ میں وہ تمام چیزیں دیکھنے کو ملیں جو ایک خانقاہ کے لئے بنیادی اور ضروری امر ہوتی ہیں اور جس سے خانقاہ کو دوسری تمام دینی اداروں پر امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اخلاقیات خانقاہوں کی سب سے اول اور اہم ترین امتیازی صفت ہے اور یہ صفت خانقاہ مجیبیہ کے وابستگان میں نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ ایک ایسا ہتھیار ہے کہ جس کی چوٹ براہ راست دل پہ لگتی ہے اور پھر انسان بدظن نہیں بلکہ گرویدہ ہو جاتا ہے۔ دوسری سب سے اہم چیز علم و عمل ہے، یہ خانقاہوں کی وہ مقدم اور ممتاز خصوصیات ہیں کہ جو خانقاہوں کو ہمیشہ ہمیش زندہ و تابندہ رکھتی ہیں۔ اس آستانے سے ایسے ایسے جید اور بزرگ علماء و صوفیا کا ظہور ہوا ہے کہ جن کے تقوی اور پرہیز گاری سے نہ صرف اس خانقاہ کا نام روشن ہوا بلکہ اللہ نے ان کی ذات کی برکت سے مذکورہ خانقاہ کو حیات ابدی بخش دی، بے شمار لوگوں کو ہدایت کا راستہ ملا، یتیموں اور ناداروں کے لئے ایک امید کی کرن نظر آئی اور کہیں نہ کہیں موجودہ دور میں روتی اور سسکتی مسلم قوم کے لئے سہارا بنا۔ الغرض اپنے تمام تر تجربات و مشاہدات کے بعد پورے وثوق کے ساتھ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ خانقاہ مجیبیہ مذکورہ تمام اوصاف و صفات کا مخزن و منبع ہے۔ مذکورہ خانقاہ کو اس بنیاد پر بھی فوقیت حاصل ہے کہ اس میں علماء، صوفیاء، ادبا اور شعراء کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے۔ اگر ہم فقط ماضی قریب کی بات کریں تو حضور سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان اس کی اعلی ترین مثال ہیں۔ اس جگہ خراج عقیدت کے طور پر حضور کے لئے حافظ شیرازی کا ایک شعر تصرف کے ساتھ نذر کرنا چاہوں گا۔

ھرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد "بعلم"

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام "شان"

اس میں کچھ شک نہیں کہ حضور سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان ایک منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی ذات میں عظمت و تواضع کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ ایک طرف علمی و عرفانی عظمت و برتری کا شہرہ تھا تو دوسری طرف تواضع و خاکساری کا چرچا بھی تھا، آپ کو جس قدر علمی فضیلت اور عرفانی وجاہت حاصل تھی، اسی قدر عاجزی و انکساری کا جذبہ بیکراں بھی میسر تھا۔ نیازمندی اور فروتنی کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔ کبر و نخوت سے بیحد نفور تھا۔ عجز و انکساری کا یہ عالم تھا کہ خود کو

”لا تمش فی الارض مرحا“ کا مصداق بنالیا تھا،اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالی کے مخلص اور صالح بندے عظمت اور تواضع دونوں صفتوں سے متصف ہوتے ہیں۔ان کی طرز زندگی نبی پاک ﷺ کی زندگی کے عین مطابق ہوتی ہے۔ان کے اقوال وافعال میں تضاد نہیں ہوتا۔وہ قولاً اور فعلاً دونوں اعتبار سے سچے وارثین نبی ہوتے ہیں۔وہ خرقہ پوش خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں تواضع اور انکساری ان کی زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے تمام اکابر و اسلاف ہمیشہ علم وعرفان،احسان وسلوک،عجز و نیازمندی اور خاکساری میں اعلی صفات کے حامل رہے ہیں۔اس جگہ بزرگان خانقاہ مجیبیہ کے حوالے سے شیخ سعدیؒ کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں جو مکمل طور پر ان کی زندگی کا ترجمانی کرتا ہے:

مہر و تواضع است مرا،مذہب وطریق
دردین ماچو کفر حقیقی است،کبر وکین

حیدر علی آتشؔ نے بھی کیا خوب کہا تھا:

جو اعلی ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نہایت سادگی پسند تھے،معمولی لباس زیب تن کیا کرتے تھے،ان کا رہن سہن تکلف وتصنع سے پاک تھا۔آپ نے کبھی خود کو بڑا نہیں سمجھا اور نہ آپ کے وضع قطع یا کردار وعمل سے کبھی یہ ظاہر ہوا کہ آپ کوئی بڑی شخصیت کے مالک ہیں،بلکہ خود کو ہمیشہ پردۂ خفا میں رکھا۔دنیاوی آرام وآسائش اور مصنوعی وضع سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔حضرت کے حجرے میں عام چادر ہی بچھی رہتی تھی۔خاص وعام بھی حضرات اسی چادر پر بیٹھا کرتے تھے۔ان کے کمرے کی زیب وزینت کتابیں تھیں۔جس نے بھی آپ کے کمرے کی زیارت کی ہوگی وہ حضور کی سادگی کا مشاہدہ کیا ہوگا۔کسی نے کیا خوب کہا ہے:۔

ہم غریبوں کی یہی ہے کائنات
بوریا حاضر ہے شاہوں کے لئے

قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات وسیرت نے سکھایا ہے کہ سب سے اچھا اور بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور کسی کو تکلیف نہ دے۔غریبوں،مسکینوں اور عام لوگوں کے دلوں میں خوشیاں بھرے،ان کی زندگی کے لمحات کو رنج وغم سے پاک کرنے کی کوشش کرے،چند لمحوں کے لئے ہی سہی،انہیں فرحت ومسرت اور شادمانی فراہم کر کے ان کے درد والم اور حزن وملال کو ہلکا کرے۔انہیں اگر مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کرے اور اگر وہ کچھ نہ کرسکتا ہو تو کم از کم ان کے ساتھ میٹھی بات کر کے ہی ان کے تفکرات کو دور کرے۔اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''بہترین انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کے لئے نافع ومفید ہو۔''اوراس اخلاقیاتی سمندر میں حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ مکمل طور پر غوطہ زن نظر آتے تھے۔انہوں نے اپنی زندگی کو راہ خدا کے لئے وقف کر دیا تھا۔جانی و مالی دونوں اعتبار سے ضرورت مندوں کی حتی الامکان مدد کیا کرتے تھے،آپ نہایت سخی اور جواد شخصیت کے مالک تھے،مدرسے کے طلبا کی بیحد قدر کیا کرتے تھے،اس لئے طلبا آپ سے بہت مانوس تھے،خانقاہ مجیبیہ سے شائع ہونے والے ایک مقالے کو پڑھنے کے بعد راقم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سارے طلبا جو مالی حالت میں کمزور تھے آپ ان کے اخراجات کا بار خود اٹھاتے تھے،سردی کے موسم میں جن طلبا کے پاس سردی کے سامان نہیں ہوتے انہیں اپنی ذاتی رقم سے سامان مہیا کراتے۔طالب علم مہمان رسول ہوتے ہیں اور ان سے محبت کا اظہار رسول اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت کی سچی دلیل ہے۔حضرت موصوف کے ان کار خیر پر حقیر کو ایک شعر یاد آرہا ہے،ملاحظہ فرمائیں۔؎

مرا مطلوب و مقصود وتمنا خدمت خلق است
ھمین کارم ھمین بارم ھمین رسم ھمین راھم

خلق خدا کے اس قدر محب تھے کہ ہر کسی سے خوشدلی وخندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ہر ملنے والا شخص یہی تصور کرتا کہ حضور مجھے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔آپ چھوٹے بڑے سب کی عزت کرتے تھے،سب سے مسکرا کر ملتے گفتگو میں نرمی اختیار کرتے،جارحانہ انداز بالکل اختیار نہیں کرتے،محبت سے پیش آتے تھے،خاص طور سے علماء و اہل علم کی بہت قدر کرتے تھے،آپ اپنے چھوٹوں سے بھی اسی طرح ملتے تھے جیسے بڑوں سے ملا جاتا ہے،مریدین ومتوسلین پر آپ کی توجہ وشفقت تو تھی ہی،غیر متوسلین سے بھی الفت وہمدردی کا مظاہرہ کرتے تھے،حتی کہ غیر مسلمین بھی آپ کے حسن خلق کے اسیر تھے۔ایک بندۂ مومن کے اندر جو صفات ہونی چاہئے وہ حضرت موصوف کے اندر اللہ نے ودیعت کر دی تھی۔یہاں علامہ اقبال کا ایک بہت مشہور شعر حضور والا کی ذات وصفات سے متعلق پیش کیا جارہا ہے،ملاحظہ فرمائیں۔؎

یقیں محکم،عمل پیہم،محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

سید شاہ امان اللہ کی امانت کا امین،تزکیۂ نفس اور سلوک وطریقت کی راہ میں عوام کی رہنمائی کرنے والا ایک روشن ستارہ اپنی تمام جلوہ سامانی کے ساتھ آسمان طریقت سے رخصت ہوگیا،وہ بظاہر ایک فرد تو تھا مگر اس میں بے شمار افراد کی صفات موجود تھیں:

از شمار دو چشم یک تن کم ❁ وزشمار خرد ھزاران بیش

کا حقیقی مصداق تھا،اس نے چمن حیات کے متعدد پھولوں کی خوشبوؤں کا عطر کشید کر کے اپنی شخصیت کو گلدستہ کے

مانند بنایا، جس کی خوشبو آپ کی تصنیفات اور ادبی خدمات میں تا قیامت محسوس کی جاتی رہے گی، آپ نے ہمیشہ امت کو فائدہ پہنچایا اور اتحاد بین المسالک کی مثال قائم کر کے دکھایا، آپ کا تعلق ہمیشہ امارت شرعیہ پھلواری شریف سے بھی رہا، اکثر میٹنگ میں آپ کی شمولیت ہوا کرتی، اور آپ کے مشورہ پر صدائے لبیک بھی آتی تھیں۔

اہل سنت والجماعت کے تمام مسالک کے جلسوں میں آپ کی شرکت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امت کو باہمی افتراق و انتشار سے بچا کر اتفاق و اتحاد کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے، آپ کی یہ سعیٔ محمود آج کے علماء کے لئے مشعل راہ ہے، آپ ایک حساس دل کے مالک تھے، آپ اپنی زیست کے مقاصد کو سمجھتے تھے اور اسی کے تحت اپنی زندگی گزاری ہے۔آپ کی ذات اسم بامسمی تھی، ماہ نو کی طرح چند لمحوں کے لئے ظاہر ہو کر دنیا کو ایک پیغام دیا اور پھر بادلوں میں روپوش ہو گئے۔اس جگہ خراج عقیدت کے طور پر علامہ اقبال کے دو اشعار پیش کئے جاتے ہیں جس میں مکمل طور پر حضرت موصوف کی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:ـ

نہ پیوستم درین بستان سرا دل
زبند این و آن آزادہ رفتم
چو باد صبح گردیدم دمے چند
گلان را آب و رنگے دادہ رفتم

آپ کی اچانک رحلت نے ہم سب کو غمزدہ اور نڈھال کر دیا ہے، اس طرح دفعتاً آپ کا رخصت ہو جانا ایک ایسا خسارہ ہے کہ جس کا ازالہ تقریباً ناممکن ہے۔ یہ دو ہزار بیس نے جتنے زخم دئے ہیں ان میں یہ سب سے گہرا اور ناسور زخم حضور والا کا ہمارے درمیان سے چلے جانا ہے۔ان کے معتقدین کے دلوں پر یہ ایک ایسا نشان ہے جو تا زندگی کبھی مٹنے والا نہیں ہے۔ دعا گو ہوں کہ!

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

مولانا شاہ ھلال احمد قادری

● مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی — دارالمصنفین اعظم گڑھ

ایام عاشورہ کے جاتے ہی پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبیہ کے علمی و عملی ترجمان بلکہ خانقاہ کے سلف صالحین کے نہایت روشن اور حقیقی عکس شاہ ہلال احمد قادری بھی شفق ہستی میں چھپ گئے اور کہنے والے کہتے رہ گئے:

ع اے مہ نو ہم کو تجھ سے الفت دیرینہ ہے

الفت دیرینہ تو اس آسمان سے بھی ہے جو خانقاہ مجیبیہ کے نام سے علم وعرفان کی دنیا پر صدیوں سے سایہ فگن ہے، حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری کے ذریعہ جب مشیت الٰہی نے بہار میں شریعت ومعرفت کے ایک مرکز کی بناڈالی تو جیسے عام خانقاہوں سے الگ اس خانقاہ کی شناخت بھی مقرر کردی گئی، مولانا مناظر احسن گیلانی نے کبھی لکھا تھا کہ اس خانقاہ سے جو ''رہ قلندر'' نکلی وہ دراصل ''مصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست'' سے پھوٹی ہوئی کرن ہے، کبھی دارالمصنفین میں شاہ نصر احمد پھلواروی مرحوم اس خیال کی عملی تصویر تھے اور آج جن کا ماتم ہے وہ بھی اسی تصویر کے مثنی تھے، شاہ ہلال احمد قادری کو عمر اپنے مثنی سے کچھ زیادہ ملی، ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئے، اس طرح کل تریسٹھ سال کی عمر پائی اور اس عرصہ میں انہوں نے عالم، معلم، مصنف، محقق، خطیب و مصلح ہر طرح سے اپنی زندگی کے ہر باب کو ایسی سرخی اور ایسا نقش دیا جو تابندہ تر اور پائندہ تر ہی بنتا رہا، ان کی تعلیم وتربیت کا کیا کہنا، جن بزرگوں کے زیر سایہ پلے بڑھے ایک امت کے لیے ان کی تمنا ہی کافی ہے، ۱۹۷۷ء میں ظاہری علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو دوسروں کی معلمی کا وقت آیا، ابتدائی کتابیں پڑھائیں اور دیکھتے دیکھتے صحیحین کے مقام تدریس پر پہنچ گئے، یہ بھی معلوم ہوا کہ درسیات سے فراغت کے بعد حفظ قرآن کی نعمت بھی حاصل کرلی، علوم ظاہری و باطنی کا اجتماع یا امتزاج، خانقاہ مجیبیہ کے سر کا تاج ہے، ہمارے ہلال صاحب نے بھی سیر منازل کی اور خوبی سے طے کی، تصنیف وتالیف کا شغل بھی روایات دیرینہ کی پاسداری کا گواہ بنا، مزاج محض تقلیدی نہیں تھا، اس لیے جو لکھتے تحقیق کا حق ادا کرنے کا جذبہ بھی اس

میں شامل ہوتا، ان کی کئی کتابوں کا ذکر معارف میں بھی آیا، سوانح مولانا شاہ امان اللہ قادری، سیرت پیر مجیب، خانوادہ سیدہ زینب، نغمات الانس فی مجالس القدس وغیرہ کتابیں ان کی محنت جستجو اور سب سے بڑھ کر پاکیزگی ذوق اور نگہ شوق کی ترجمان ہیں، یہ ساری خوبیاں ایک طرف اور اخلاق حسنہ اور شمائل مسنونہ کی علمداری سب پر بھاری، کیا تبسم، کیا پیارا انداز گفتگو، معمولی سا شخص بھی ان کی مجلس میں خود کو خوش نصیب ترین سمجھنے لگتا، اب ایسی پیاری اور دل آویز شخصیتیں شاید خال خال ہی ہوں، ان کے انتقال کی خبر ملی تو واقعی یقین کے لیے دل و دماغ آمادہ نہیں، لیکن حقیقت سے انکار بھی تو ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آمین !—(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ۔ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے علم وادب کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ ''المجیب'' خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان — ایک دینی، علمی وادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک و بیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو کی غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ علماء، ادباء، معلّمین و متعلمین، افسران وعہدہ داران بلکہ ہر خاص وعام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے — اور ہر طبقہ و جماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم وتحریک کے مالکان سے پرخلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں — اور اپنے نام و پتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔ اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	8,000/-	نصف صفحہ	4,000/-	چوتھائی صفحہ	2,000/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	7,000/-	نصف صفحہ	3,500/-	چوتھائی صفحہ	1,750/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم کا چیک یا ڈرافٹ ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔ چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ رقم ارسال کرتے وقت صرف "DARUL ESHA'AT" تحریر کریں۔

اوصاف وکمالات

الحاج شاہ ھلال احمد قادری
کچھ یادیں کچھ باتیں

● پروفیسر اعجاز علی ارشد—سابق وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی

ہم روز و شب بہت سارے لوگوں سے ملتے ہیں، مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں، جن سے ملاقاتوں کی تعداد مختصر ہونے کے باوجود پوری زندگی یادداشت کا خوش گوار حصہ بنی رہے، حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری ایسے ہی لوگوں میں ایک تھے، اپنے اخلاق کی بلندی، مزاج کی شگفتگی اور تحریر و تقریر کی دلآویزی کے سبب انہیں نہ صرف خواص، بلکہ عوام میں بھی تاعمر مقبولیت حاصل رہی، یہ دوسری بات ہے کہ خانقاہ مجیبیہ سے وابستہ اکثر بزرگوں کی طرح وہ بھی زندگی بھر خودنمائی سے گریزاں اور خاکساری کا بے مثال نمونہ بنے رہے۔

میری ان سے بہت کم ملاقاتیں رہیں، اپنی یادداشت کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ دید و شنید کے چند مرحلے تو پہلے بھی آتے رہے، مگر ۲۰۱۰ء میں سفر حج کے دوران ان سے نہ صرف دوسری یا تیسری باضابطہ ملاقات کا موقع ملا، بلکہ تادیر ان کی صحبتیں نصیب رہیں، میں اپنی اہلیہ کے ساتھ اس سفر پہ گیا تھا اور موصوف کم و بیش اسی علاقے میں قیام پذیر تھے، جہاں ہم لوگوں کو جگہ ملی تھی، ویسے تو وہ عام طور پر عبادت و ریاضت میں وقت گزارتے جو ایک فطری بات تھی، مگر مقامات مقدسہ سے گزرتے ہوئے مختلف اطلاعات فراہم کر کے میری معلومات میں اضافہ کرتے جاتے، ایک خوش گوار تجربہ یہ بھی ہوا کہ قیام گاہ سے خانہ کعبہ آنے جانے کے دوران بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے لیے انہوں نے ایک دو بار ایسے صاف شفاف اور پرسکون راستوں کا انتخاب کیا جن سے پھر کبھی گزرنا نصیب نہیں ہوا، مکہ کے مضافاتی علاقوں سے متعلق بھی ان کی معلومات وسیع تھیں، خدا ہی جانے یہ علم ذاتی مطالعے و مشاہدے کا حصہ تھا یا بزرگوں کی عطا کردہ معلومات کا، کیوں کہ اس خانوادے کے اکثر علما و فضلا برابر دیار حبیب ﷺ کا

سفر کرتے رہتے تھے، بہر حال ان کی رفاقت نے بہت سارے سخت مرحلوں کو آسان کر دیا، سچ تو یہ ہے کہ گرچہ وہ خود اللہ کے مہمان تھے اور مسافرت میں تھے، لیکن کبھی کبھی ہم لوگوں کی ایک میزبان کی طرح خاطر مدارات کرتے اور ہم شرمندہ ہو جاتے۔ اللہ انہیں اس کا صلہ عطا فرمائے، افسوس کہ مدینہ منورہ کے سفر میں ان کا ساتھ بہت مختصر رہا، مگر واپسی براہ جدہ ہوئی، جہاں ایک بار پھر ان کے صبر و تحمل اور حسن اخلاق کا اندازہ ہوا، کیوں کہ فلائٹ لیٹ ہونے کے سبب ایئر پورٹ پر قیام طویل اور دشوار کن تھا، جس کے سبب اکثر لوگ نہ صرف شکوہ کناں، بلکہ ایک نوع کی جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھے، ایسے ماحول میں اپنی خوش مزاجی قائم رکھنا اور دوسروں کا مزاج معتدل بناتے رہنا اپنے آپ میں ایک قابل تقلید خدمت تھی۔

سفر حج سے واپسی کے بعد ان سے دو تین ملاقاتیں ہوئیں، عام طور سے کسی جلسے یا تقریب میں اور کبھی کبھی شریف کالونی یا پھلواری شریف کے آس پاس۔ ہمیشہ ویسے ہی شگفتگی اور خلوص کا پیکر دکھائی دیئے، ارادہ تھا کہ کورونا کی وبا کچھ کم ہو جائے تو ان سے وقت لے کر چند اہم موضوعات پر گفتگو کروں، مگر اللہ کی مرضی کہ وہ اس سے قبل ہی راہی ملک عدم ہوئے۔

اب چند نکات ان کی تصنیفات کے حوالے سے عرض کرتا ہوں، واقعہ ہے کہ ان کے علمی و ادبی کارناموں کا سلسلہ طویل ہے، جس کا احاطہ کرنا میری کم علمی کے لیے ممکن نہیں، اتنا ضرور یاد آتا ہے کہ ان کے بعض مقالے ''المجیب'' کے ایسے شماروں میں چھپتے رہے تھے، جن میں میرا بھی کوئی مضمون شریک اشاعت تھا، اس لیے میں نے ان مقالوں پر حاشیے بھی لکھے، مگر اب وہ شمارے میسر نہیں، البتہ یہ بات ابھی تازہ تازہ ہے کہ میں نے اپنے ایک شاگرد التفات امجدی کی کتاب سروش غیب پر لکھا ہوا ان کا بے حد بلیغ مقدمہ پڑھا اور ان کی ادب فہمی کا بھی قائل ہو گیا، انہوں نے موضوع اور مصنف دونوں سے اپنی ذہنی قربت کے باوجود بعض لغزشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس غیر جانب داری کے ساتھ اپنی آرا پیش کی ہیں، وہ اب اردو تنقید میں کمیاب ہوتی جارہی ہے اور فرمائشی مقدموں سے تو بالکل ہی غائب ہو چکی ہے، بہر حال حسب فرمائش میں نے ان کی دو تصنیفات بہ عنوان ''ایک بے مایہ کا سفر حج'' اور ''نغمات الانس فی مجالس القدس'' کا بغور مطالعہ کیا جس کے نتائج مختصراً پیش کر رہا ہوں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مولانا کی نثر میں علمیت اور شگفتگی کا ایک خوبصورت امتزاج ہے، یہ صفت ان کی شخصیت میں بھی موجود تھی، دوسرے یہ کہ کئی مقالات میں وہ دیگر علما سے اپنے اختلاف کا کھل کر اظہار کرتے ہیں، مگر اس کے لیے قیاس و گمان کی جگہ دلائل کا سہارا لیتے ہیں، ان کی واضح مثال مجھے اس مقدمہ میں نظر آئی جو ''در جواز سماع و مزامیر'' کے عنوان سے ان کی کتاب میں موجود ہے، یہ ایک طویل بحث ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سماع کی مع ساز پابندی ضروری نہیں، موقع اور نیت کے ساتھ اس کا قریبی تعلق ہے، مگر ہر حال میں آداب سماع لازمی ہیں، اس بحث کا اختتام خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں منعقد ہونے والی مجالس سماع کے آغاز سے ہوتا ہے، مجھے اس موضوع پر زیادہ اظہار خیال کی ضرورت ہے نہ استطاعت، لیکن اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مصنف کے اسلوب کی شائستگی اکثر مقامات پر موجود ہے، یہی کیفیت ''ایک بے مایہ کا سفر حج'' میں بھی

محسوس کی جاسکتی ہے، گرچہ یہ عام انداز کا سفرنامہ نہیں ہے، اس میں جگہ جگہ بعض نزاعی امور پر اظہار خیال کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات کا بھی اظہار کیا گیا ہے اور جو باتیں ان کی نگاہ میں نامناسب ہیں ان پر احتجاج ایک فطری امر ہے، مگر ان سب کے باوجود بیان کی ترتیب وتہذیب میں کمی نہیں آئی ہے، ایک اور بات یہ محسوس ہوئی کہ مصنف صرف علم دین سے ہی واقف نہیں، بلکہ دنیاوی تغیرات کی بھی خبر رکھتے تھے، واٹس ایپ پر رسول ﷺ اور اہل بیت یا دوسرے بزرگوں کے حوالے سے جو کچھ دکھایا جارہا ہے اور عقیدت مندی کا جو اظہار دیکھنے والے کر رہے ہیں، اس پر دانش مند بس محو تماشا ہیں یہ بھی افسوس کا مقام ہے، اس پر شاہ ہلال صاحب جیسے عالم دین کا اعتراض واحتجاج بجا ہے، اسی طرح ابن تیمیہ کی ایک غیر واضح رائے کے حوالے سے مصنف نے جو کچھ لکھا ہے، اس پر مزید اظہار خیال اور اختلاف رائے کی گنجائش ہے، مگر طرز اظہار شائستہ ہے، مجھے افسوس ہے کہ یہ کتاب ان کی زندگی میں منظر عام پر نہ آسکی، ورنہ دوسرے کئی لوگوں کی طرح میں بھی ان سے براہ راست تبادلہ خیال ضرور پسند کرتا۔

اس سفرنامے کا دوسرا نمایاں اختصاص مصنف کی غیر معمولی انکساری اور خاکساری ہے، جس کی طرف مرتب ام یمین نے بھی اشارہ کیا ہے، میں سفرنامے کی ادبی حیثیت سے متعلق بھی ان کی یہ رائے اپنی تائید کے ساتھ نقل کرنا چاہتا ہوں۔

”انشا کی حیثیت سے یہ سفرنامہ بہت اہم ہے، زبان آسان اور عام فہم ہے، ترکیبوں میں انتہائی سادگی ہے۔ مصنفؒ کو عربی اور فارسی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا اس لئے اردو کے ساتھ زبان فارسی کی آمیزش ہے۔ اس سفرنامہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اکثر فقروں اور پیراگراف کے مناسب وحسب حال آیات قرآنی، احادیث، عربی مقولے درج کئے گئے ہیں، جن سے مضمون میں نکھار پیدا ہوگیا ہے۔“

مجموعی طور پر میں سید شاہ ہلال احمد قادری کی تمام تر تصانیف کے حوالے سے کچھ کہنے کا خود کو اہل نہیں سمجھتا، البتہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ وغیرہ کے علاقوں میں تاریخی مقامات مقدسہ کی حفاظت اور دیکھ ریکھ کے سلسلے میں انہوں نے جس تشویش کا اظہار کیا ہے، اس میں اپنے آپ کو شریک سمجھتا ہوں، میں نے ۲۰۱۰ء کے بعد ایک بار ۱۵-۲۰۱۴ء میں بھی حج کے دوران ان علاقوں کو دیکھا تھا اور مجھے صورت حال مقابلتاً کچھ بہتر نظر آئی تھی، پتہ نہیں اب کیا حال ہے؟

فی الحال یہ مختصر سا مقالہ اس دعا کے ساتھ ختم کرنا چاہتا ہوں کہ برادر محترم شاہ ہلال احمد قادری مرحوم کے دل میں عشق الٰہی اور حب رسول ﷺ کی جو شمع روشن تھی اس کے طفیل میں اللہ ان کے درجات بلند کرے اور میدان عرفات میں میرے شریک سفر رہے اس عرفاتی بھائی کے ساتھ مجھے بھی آخرت میں اپنی بخشش وعنایت سے نوازے۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ
کے ساتھ گذارے ہوئے کچھ اوقات اور ان سے وابستہ یادیں

● ڈاکٹر قاضی عبدالوارث —— وارث منزل، نیوعظیم آباد کالونی، پٹنہ

۱۱؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ کا سیاہ دن اپنے ساتھ یہ اندوہ ناک خبر لایا کہ عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ اس دارفانی کو الوداع کہتے ہوئے دارِ بقا کے سفر پر روانہ ہوگئے، اس المناک حادثہ کی خبر ملتے ہی دل پر جو گزری الفاظ اس کو بیان کرنے سے قاصر ہیں، آپ کی شخصیت نہ صرف خانقاہ مجیبیہ کے لیے باعث فخر تھی، بلکہ صوبہ بہار کے مایہ ناز صوفی بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا، کتاب وسنت کی پیروی آپ کی ترسٹھ سالہ زندگی سے عبارت تھی، تبلیغ وتقریر اور خطابت ہو یا تحریر وتصنیف، درس وتدریس ہو یا خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے معمولات سے وابستگی، ہر شعبہ میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دئیے، علم وادب کے ہر شعبہ میں آپ کی تصانیف وتالیفات ایک گراں قدر سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں، سیرت اولیا میں ’’سیرت پیر مجیب‘‘ ایک ایسی شاہکار تصنیف ہے جو خانقاہ مجیبیہ کے بانی تاج العارفین حضرت شاہ پیر مجیب اللہ قادری قدس سرہ العزیز کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو قارئین کے سامنے پورے شرح وبسط کے ساتھ متعارف کراتی ہے، آپ نے امان المستجیرین حضرت شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ العزیز کی سوانح تحریر فرما کر سوانح نگاری کا حق ادا کر دیا، تحقیق و جستجو آپ کی تحریروں کا خاصہ تھی۔ ’’یزید حقائق کے آئینے میں‘‘ آپ کی وہ تصنیف ہے جس میں آپ نے واقعۂ کربلا کے سلسلے میں پائے جانے والے ان سبھی شکوک وشبہات کا ازالہ کر دیا جو لوگوں کے ذہن میں اس کے سیاسی نوعیت کا ہونے سے متعلق پائے جاتے تھے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر چیز یہاں کی آنی جانی سمجھو ❁ دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو
ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو ❁ پر آغاز کرو جب کوئی کام بڑا

آپ کے مصروف ترین شب و روز انہیں اشعار کی نظیر تھے اور اپنی زندگی کے ایک ایک پل کی تعمیری اور تخلیقی کاموں میں استعمال کر کے اس فانی زندگی کو زندہ جاوید بنا دیا۔

مذکورہ بالا عنوان کے لحاظ سے یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے خانقاہ نظریہ نبی گنج چھپرہ کی کئی پشتوں سے گہری وابستگی اور عقیدت مندی رہی ہے، بانی خانقاہ نظریہ حضرت شاہ پیر نظر قدس سرہ العزیز کے خانوادوں میں ایک جید عالم دین اور صوفی بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد حبیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے ماموں تھے، جو محی الملۃ والدین حضرت شاہ محی الدین قدس سرہ العزیز کے مرید خاص تھے، ان کے بعد ان کے نواسے اور میری ماموں زاد بہن کے صاجزادے حضرت مولانا شاہ محمد خورشید جمال رحمۃ اللہ علیہ مسند سجادگی پر متمکن ہوئے، ان کے دور سجادگی میں خانقاہ مجیبیہ سے قربت میں مزید اضافہ ہوا، خانقاہ نظریہ کا سالانہ عرس ہر سال ۳، ۴ر شعبان المعظم کو منعقد ہوتا ہے، اس سالانہ عرس کی سرپرستی خانقاہ مجیبیہ کے مایۂ ناز فرزند حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کے سپرد تھی، چنانچہ ہر سال بلاناغہ حضرت اس عرس میں شرکت فرماتے، خانقاہ مجیبیہ سے ہی قوال بلائے جاتے اور آپ کے زیر سرپرستی مجلس سماع کا انعقاد ہوتا۔

عدیم الفرصتی کی بنا پر برابر تو عرس میں شریک نہیں ہوسکا، لیکن دو ایک بار میں نے جب شرکت کی تو آپ کی پرکشش شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، آپ کی باوقار شخصیت، متبسم چہرہ کسی کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا، اسی قربت کا یہ نتیجہ تھا کہ جب بھی میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں حاضری دیتا، آپ کے در دولت پر ضرور حاضر ہوتا، بڑی خندہ پیشانی سے ملتے اور چائے پان سے تواضع کئے بغیر واپس نہیں ہونے دیتے۔

میرے منجھلے بیٹے کا رشتہ چھپرہ میں ہی ایک رشتہ دار کے یہاں طے ہوا تھا، اس موقع پر میری دلی خواہش تھی کہ حضرت اس کا نکاح پڑھاتے، اس غرض سے میں پھلواری گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت پٹنہ سے باہر کسی تقریر کے سلسلے میں گئے ہوئے ہیں، میرے ایک عزیز دوست جناب خواجہ عبدالباری مرحوم سے آپ کا موبائل نمبر لیا اور رابطہ قائم ہونے پر اپنی درخواست پیش کر دی، بڑے ہی مشفقانہ انداز میں فرمایا کہ اگر میں پٹنہ میں رہا تو ضرور آپ کی خواہش پوری کروں گا، چنانچہ ۱۴ر مارچ ۲۰۱۳ء کو حسب وعدہ عصر سے پہلے محب مکرم جناب خواجہ عبدالباری مرحوم کے ہمراہ تشریف لے آئے اور میرے غریب خانہ کو رونق بخشی، عصر اور مغرب کی نماز آپ کی امامت میں ادا کی گئی اور پھر بارات چھپرہ کے لیے روانہ ہوئی، راستے بھر آپ کی رفاقت رہی اور بہت سی باتیں ادھر ادھر کی ہوتی رہیں، جس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا، راحت روڈ کریم چک چھپرہ میں یہ تقریب تھی، آپ نے نکاح پڑھایا، ماحضر تناول فرمانے کے بعد یہ خواہش ظاہر کی کہ یہاں سے نیا بازار چھپرہ دارالامان میں حضرت مولانا سید شاہ خورشید جمال علیہ الرحمہ کی قیام گاہ پر شب بسری کریں گے، چنانچہ آپ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے مولانا محفوظ الباری کی معیت میں جو شریک تقریب تھے، حضرت کو نیا بازار پہنچانے کا نظم کیا۔

دوسری بار اس وقت آپ سے قربت کا موقع ملا جب اچانک یہ خبر ملی کہ خانقاہ نظریہ نبی گنج چھپرہ کے سابق سجادہ نشین، سابق پرنسپل مدرسہ وارث العلوم نیا بازار چھپرہ اور میرے بھانجے حضرت مولانا خورشید جمال کا ۲۵؍اکتوبر ۲۰۱۳ء مطابق ۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ بروز جمعہ وصال ہوگیا، بھاگم بھاگ چھپرہ پہنچا اور سیدھا درگاہ پر جمعہ کی نماز سے قبل ہی پہنچ گیا، وہاں حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کے علاوہ حضرت مولانا بدر احمد مجیبی دامت برکاتہم اور خانقاہ مجیبیہ کے کچھ اور حضرات کو موجود پایا، نماز جمعہ کے بعد حضرت مولانا خورشید جمالؒ کے چہرۂ اطہر کو آخری دیدار کے لیے درگاہ کے احاطے میں رکھا گیا، جہاں ان کے عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر تھا، یکے بعد دیگر ان کے متعلقین اور متوسلین نے آپ کے چہرۂ اقدس کا دیدار کیا اور پھر ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، ان کی تدفین کے بعد میرے سمدھی صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ ان کی قیام گاہ پر ماحضر تناول فرمایا جائے، میں نے حضرت سے اس خواہش کا اظہار کیا اور آپ بڑی خوش دلی سے اس پر راضی ہوگئے، چنانچہ ہم سب لوگ راحت روڈ کریم چک پہنچے، ظہرانہ کے بعد عصر کا وقت ہوگیا اور حضرت کی امامت میں عصر کی نماز قصر کے ساتھ ادا کی گئی، جماعت میں میرے سمدھی صاحب بھی شریک تھے، دو رکعت پوری کرنے کے بعد جب ہم لوگوں نے سلام پھیرا تو عدم واقفیت کے باعث انہوں نے بھی سلام پھیر لیا، تب حضرت نے کمال شفقت سے انہیں سمجھایا کہ چوں کہ ہم لوگ مسافر ہیں، اس لیے عصر کی نماز قصر کے ساتھ ادا کی ہے، آپ مقیم ہیں، لہٰذا آپ کو سلام کے بعد کھڑے ہو کر بقیہ دو رکعت پوری کرنی تھی، بہر حال آپ دوبارہ از سر نو نماز عصر ادا کریں، اس واقعہ سے بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بزرگوں کی رفاقت بھی ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ بنتی ہے۔

چائے نوشی کے بعد ہم لوگ پھر نیا بازار واپس ہوئے، میں نے حضرت کی معیت میں پٹنہ کے لیے واپسی کے سفر میں اپنی گاڑی کو زینت بخشنے کی پیش کش کی، جسے آپ نے کشادہ دلی سے منظور کر لیا اور بعد نماز مغرب ڈاکٹر سید اسد علی خورشید سلمہ اللہ تعالیٰ اور تمام اہل خانہ سے اظہار تعزیت کرنے کے بعد واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے، میرا غریب خانہ مہاتما گاندھی پل کے قریب واقع ہے، کمال شفقت دیکھئے کہ راستے میں متعدد بار یہ فرمایا کہ آپ کو پھلواری شریف تک پہنچانے میں بڑی زحمت ہوگی، لیکن میں نے ہر مرتبہ اصرار کر کے کہا کہ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ حضرت کی خدمت کا موقع مل رہا ہے، ہم لوگ عشا کے بہت بعد خانقاہ پہنچے، میں حضرت کو ان کے دولت کدہ تک چھوڑنا چاہتا تھا لیکن خانقاہ کے صدر دروازہ پر ہی اصرار کر کے گاڑی رکوا دی اور دار العلوم مجیبیہ کے ایک طالب علم کو بلوا کر اپنا سامان ان کے حوالہ کیا اور مجھے مجبوراً حکم کی تعمیل میں وہیں سے رخصت ہونا پڑا۔

آخری بار حضرتؒ کے ساتھ کچھ قیمتی لمحات گزارنے کا موقع اس وقت نصیب ہوا جب خانقاہ مجیبیہ کے نو تعمیر شدہ ہال میں شہدائے کربلا سے عقیدت واحترام کے اظہار کے لیے ایک طرحی مشاعرہ کا انعقاد ۲۷؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ مطابق ۲؍دسمبر ۲۰۱۳ء کو ہوا، اس طرحی مشاعرہ کے لیے طرح جناب حضور زیب سجادہ حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری دامت برکاتہم

کی ایک مقبول ومعروف منقبت کا یہ مصرع تھا:

ع خون سے لکھی گئی ہے داستان کربلا

مشاعرہ کا دیدہ زیب دعوت نامہ مجھے بھی موصول ہوا، اس مشاعرہ کی نظامت محب محترم مشہور شاعر اور صحافی جناب ریحان غنی صاحب کے سپرد کی گئی تھی، اچانک قریب دو بجے حضرت کا فون آیا، آپ کا حکم ہوا کہ جناب ریحان غنی صاحب کے یہاں کوئی حادثہ ہوگیا ہے، جس کے باعث انہوں نے شرکت کرنے سے معذوری ظاہر کردی ہے، اس لیے اس مشاعرے کی نظامت تمہیں کرنی ہے، حسب حکم میں فوراً تیار ہوکر پھلواری شریف خانقاہ کے لیے روانہ ہوا اور حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہوگیا، مجھے دیکھتے ہی زیر لب مسکرائے اور بڑی شفقت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا، مشاعرے کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ شرکت کرنے والے شعرا کی فہرست سونپی، مشاعرے کی ابتدا چوں کہ بعد نماز مغرب ہونی تھی اور ابھی تھوڑا وقت باقی تھا، اس لیے ادھر ادھر کی علمی باتیں ہوتی رہیں، اس وقت ''خانوادہ سیدہ زینب'' زیر تصنیف تھی، مذکورہ تصنیف پر آپ نے مختصراً روشنی ڈالی، بیچ بیچ میں مشاعرہ کے منتظمین تشریف لاتے اور ان کو بھی آپ ضروری ہدایات دیتے رہے، پھر آپ نے خوشبودار چائے اور لوازمات سے ضیافت کی اور عطر پیش کیا، اس مجلس کے پرکیف ماحول نے مجھے کافی متاثر کیا، مغرب کا وقت قریب تھا، خانقاہ کی مسجد مجیبی کے لیے آپ کی قیادت میں، میں پیچھے پیچھے چل پڑا، نماز کے بعد ہم لوگ مشاعرہ گاہ میں پہنچے۔

اس مشاعرہ کی تفصیلی معلومات دارالاشاعت کے سہ ماہی رسالہ ''المجیب'' کے خصوصی شمارہ ''شہید کربلا نمبر'' مجلہ ذی الحجہ- صفر ۱۴۳۵/۳۶ھ مطابق اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکی ہیں۔

مشاعرے کی باضابطہ ابتدا سے قبل حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ نے حاضرین سے مخاطب ہوکر جو مختصر تعارفی کلمات پیش کئے وہ حاضرین کے لیے دعوت فکر وعمل دیتے ہیں، اس مختصر سے خطبہ میں جو منتخب الفاظ استعمال کیے گیے ہیں وہ اپنے دامن میں ایک جامع اور وسیع جہان معنی سمیٹے ہوئے ہیں، خطابت کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے
نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

پھر زبان وادب کی ایک جامع تعریف کرتے ہوئے ادب اسلامی اور رثائی ادب پر ایک تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، بامقصد ادب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس مشاعرے کے مقاصد بتائے گئے ہیں، الفاظ کے انتخاب نے بیان میں جو سلاست، روانی اور شگفتگی پیدا کردی ہے وہ قابل غور ہے۔

مشاعرہ کے دوران آپ نے بھی اسی طرح پر ایک منقبت پیش کی جو آپ کی سخنوری کی اپنی نظیر آپ ہے اور شعر گوئی کی آپ کی خداداد صلاحیت کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے، آپ کا یہ شعر:

معنیٔ ذبح عظیم بن خلیل اللہ ہیں
ذبح اعظم ہیں حسینؑ کشتہ جان کربلا

اور

انتہا کربل میں تھی اس ذبح اسماعیل کی
یہ حرم ہی کی ہے رنگیں داستان کربلا

نفسیاتی تڑپ اور بے ساختگی ملاحظہ ہو:

تو چلے سبط نبی پر واں تڑپ اٹھیں نبی
رخ بدل اے تیر وشمشیر وسنان کربلا

بہرحال جب بھی ماضی کی ان یادوں کے دریچے سے جھانکتا ہوں آپ کا ہنستا مسکراتا چہرہ آنکھوں کے سامنے رقصاں نظر آتا ہے، دنیا کی ہر چیز فانی ہے، انبیا اور اولیا نے بھی اپنی دنیاوی زندگی بسر کرکے دنیا والوں سے پردہ فرمالیا، لیکن ''الدنیا مزرعة الاٰخرة'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن ہستیوں نے بامقصد زندگی بسر کی اور اس زندگی میں عظیم کارنامے انجام دے دیئے، وہ ہم سے جدا ہونے اور جسمانی فنا کے مراحل میں داخل ہونے کے باوجود زندہ جاوید ہوگیے، حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ کی شخصیت بھی انہیں گنی چنی چند ہستیوں میں سے ایک ہے۔

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

سہ ماہی
المجیب
میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ
بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

• پروفیسر ڈاکٹر سید فضل اللہ قادری — قومی نائب صدر، آل انڈیا یونانی طبی کانگریس، پھلواری شریف

سرزمین بہار اپنی علمی، ادبی، دینی، سرگرمی کی وجہ سے مشہور و ممتاز رہی ہے، اس سرزمین نے ادیب، شاعر، علمائے تصوف، فقہا، فضلا، صوفیائے کرام، مورخین، محققین اور اطبائے طب کو منظر شہود پر پیش کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے فن میں یکتائے روزگار رہے اور ایک مثالی شخصیت کے علمبردار بنے، یہ بات طشت از بام ہے کہ پھلواری شریف قصبہ تقریباً ایک ہزار سال سے آباد ہے، یہ اشوک اعظم کی نگری نہایت سرسبز و شاداب چمن تھی، بعد کے دور میں اسے قصبہ ناجیہ اور بستان نجات سے بھی تعبیر کیا جانے لگا؛ کیوں کہ یہ بستی عظیم صوفیا کا مسکن بن گئی۔ اس قصبہ کی پہلی بزرگ شخصیت مخدوم منہاج الدین راستی گیلانیؒ (متوفی تیرہ سو پچاسی عیسوی) تھے، آپ مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے مرید و خلیفہ تھے، قصبہ ناجیہ میں تصوف کی بنیاد آپ نے ہی رکھی، مسند درس و تدریس کی ابتدا بھی آپ ہی کی ذات گرامی سے منسوب ہے، مخدوم الملکؒ نے آپ کو ہی مسند درس پر بٹھایا، الحمدللہ یہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے، اس بستان نجات کی دوسری نابغہ روزگار شخصیت مخدوم بدرالدین بدر عالمؒ متوفی (سولہ سو تین عیسوی) تھے، مخدوم بدر عالم اپنے پیر و مرشد حضرت قمیص قادری کے ہمراہ بہار شریف تشریف لائے اور ان کی اجازت پر یہاں قیام پذیر ہوئے۔ مخدوم بدر عالم اور مخدوم منہاج الدین راستی کی اولاد رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوتی رہی، ان دونوں خانوادوں کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے قصبہ پھلواری اور ارد گرد کے علاقے اب تک آباد ہیں، تیسری اور سب سے اہم و ممتاز شخصیت امیر عطاء اللہ جعفریؒ (متوفی پندرہ سو چھپن عیسوی) کی تھی، خانقاہ مجیبیہ کے معمار اول اٹھارہویں صدی میں بہار کے مجدد طریقت حضرت شاہ مجیب اللہ قادریؒ (متوفی سترہ سو تہتر عیسوی)

امیر عطاءاللہ جعفری ؒ کے چھوٹے صاجزادے امیر محمد حسین کی اولاد میں تھے،اٹھارہویں صدی ایک پر آشوب دور سے گزر رہی تھی، ہر چہار جانب طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی، مذہب پراگندگی کے دور سے گزر رہا تھا تصوف کے نام پر بدعملی و بدعقیدگی کا بول بالا تھا، غالباً یہی صورت حال رہی ہوگی، جو اس وقت موجود ہے، الاماشاءاللہ، آپ ہی کی ذات بابرکات نے علم وعرفان کی شمع روشن کی، جوالحمدللہ آج بھی جاری ہے، حضرت شاہ مجیب اللہ قادری کے بعد آپ کے چھوٹے صاحب زادے شاہ نعمت اللہ قادری مسند علم وعرفان پر جلوہ افروز ہوئے، آپ کے صاحب زادے شاہ ابوالحسن فرد ایک عظیم عالم ہونے کے ساتھ زبردست صاحب حال صوفی شاعر بھی تھے، شاہ نورالعین اور شاہ علی حبیب نصرؒ کے بعد شاہ عبدالحق ؒ اور شاہ عین الحق ؒ یکے بعد دیگرے مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے، ان دونون حضرات کے بعد حضرت شاہ بدرالدین قادریؒ مسند سجادگی پر فائز ہوئے۔آپ کے عہد میں سجادہ جنیدیہ سجادہ مجیبیہ میں ضم ہوگیا۔آپ کے بعد سید شاہ محی الدین قادریؒ مسند سجادگی پر تشریف فرما ہوئے۔حضرت شاہ امان اللہ قادری والد محترم کے وصال کے بعد رونق سجادہ مجیبیہ ہوئے، علم وعرفان کی روشنی کی ضوفشانیوں کا سلسلہ آپ کے دور میں بھی نہایت عمدگی کے ساتھ جاری رہا۔آپ کی شخصیت کا شمار عہد ساز بزرگوں میں کیا جاتا ہے، آپ کا اخلاق بہت وسیع تھا، میں نے جو دیکھا ہے اور حضرات اولیاء اللہ کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے تو قرون اولیٰ کی تصویر آپ کی ذات بابرکات میں نظر آتی ہے۔میری زندگی میں تین ایسی شخصیات گزری ہیں، جن کی زندگی اولیاء اللہ سابقہ کی زندگی کے عین مطابق نظر آتی ہے، وہی اخلاق، وہی سادگی، وہی قرب الٰہی، وہی عزیز واقارب پر پرسان حالی، وہی احباب نوازی، وہی عقیدت مندوں کی خوشی وغم میں اظہار مسرت واظہار تسلی، داد ودہش میں یکتا، پہلی شخصیت مولانا ابوالحسن ؒ ندوی، دوسری حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادریؒ اور تیسری شخصیت مولانا سید احمد عروج قادریؒ (والد) نے صالح معاشرہ، فہم وافہام دین، نشرواشاعت دین متین، اخلاق وکردار سازی کی تشکیل میں کلیدی رول ادا کیا اور خانقاہوں کے نظام، شریعت وطریقت کی تعلیم وتربیت، یا جن اداروں، تنظیموں سے وابستگی رہی، اس کی تکمیل واشاعت میں ہمہ تن تاحیات اپنے کو مصروف رکھا، جناب سید شاہ مولانا امان اللہ قادریؒ کے وصال کے بعد حضرت سید شاہ رضوان اللہ قادریؒ صاحب مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے، آپ کا دور ملی، تعلیمی اور تعمیراتی اعتبار سے یادگار ہے، بعد کے دور میں وہ محرک بن گیا، بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا، نہایت مخلص، نہایت شفیق، عزیز واقارب کی خبر گیری، سجادگی سے قبل موصوف کا معمول تھا کہ بعد نماز فجر ایک چکر لگاتے، خیریت معلوم کرتے اور روانہ ہوجاتے محسوس ہوتا کہ ایک خوش گوار طوفان آکر لبوں پر مسکراہٹ لیے گزر گیا، یادیں وابستہ ہیں اور رہیں گی، صرف چہرہ کی کمی کا احساس ہوتا ہے، یہ ہے بزرگی، ابھی موجودہ سجادہ مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری بن سید شاہ رضوان اللہ قادریؒ ہیں، جو رشد وہدایت کے فریضہ کی ادائے گی کے ساتھ ہی تصنیف وتالیف میں اپنے عہد کی مثال ہیں، اپنے اعلیٰ قدر بزرگان سلف کی سنت پر چلتے ہوئے اپنے عمیق مطالعہ سے تحریر وتصنیف کے ذریعہ علم وعرفان کے جوہر بکھیر رہے ہیں۔(اللھم زد فزد)

آج جس شخصیت پر لکھنے کی دعوت ملی ہے، وہ جناب آیت اللہ قادری کے قبلہ تھے، ان کی شخصیت علمی حلقوں میں خانقاہ کے ایک مستند ترجمان کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی تھی؛ کیوں کہ وہ خود کی ذات میں بھی علم وعرفان کا ایک روشن چراغ تھے۔ مصنف، محقق، مؤلف، شاعر ومقرر تھے۔ شریعت وطریقت کے پابند تھے۔ میں نے جب طبی کالج جوائن کیا، قیام خانقاہ میں عزیز گرامی سعد اللہ قادری کے ساتھ رہا اور شاہ ہلال احمد قادری کو اپنے دادا حضرت مولانا سید شاہ نظام الدینؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے دیکھا، حالانکہ اس وقت وہ زندگی کی چھبیس بہاریں گزار چکے تھے؛ لیکن حصول علم کا شوق عمر نہیں دیکھا کرتا، مجھے شاہ نصر احمد قادری مرحوم بھی بہت یاد آرہے ہیں، ایک ستون علم وادب، صاحب فکر، صاحب تحریر نوجوان، مرحوم کی شخصیت نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا تھا، بہت خوب انداز گفتگو تھا، میرا بھی احترام کرتے تھے، ان کے ہی مشورہ پر میں المجیب کے لیے لکھا کرتا تھا، جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، مدیر مسئول کی فہرست میں ناچیز کو بھی شامل رکھا تھا، یہ ان کا خلوص تھا، ان کے انتقال پر مجھے جتنا غم فی الحقیقت ہوا تھا، اتنا ہی موصوف سید شاہ ہلال احمد قادری کے انتقال کی خبر سے ہوا ہے، ان دونوں کے لیے یہی کہہ سکتا ہوں:

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے، مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نور اللہ مرقدہ واَسکنہ فی الفردوس اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے کسی بشر کو مفر نہیں اور اس حقیقت کی دلیل قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے واضح ہے: کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ سید شاہ ہلال احمد قادری کی شخصیت محتاج تعارف نہیں؛ کیوں کہ موصوف کا ایک طرف خانقاہ مجیبیہ سے خاندانی رشتہ اور نسبت و وابستگی تھی، وہیں وہ علم وعرفان کے مینارۂ نور اور تصنیف و تالیفات کے شہ سوار تھے۔ مجھ سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا، کچھ رشتہ تو خانوادہ خانقاہ سے تھا، مرحوم کے والد محترم نانیہال رشتہ سے ماموں ہوتے تھے، گوکہ میں نے ان کو بنفس نفیس نہیں دیکھا تھا؛ لیکن ان کے پرَتو کو دیکھا یقیناً والد کی خوبیوں کا عکس نظر آیا، میری ان سے پہلی ملاقات ستمبر ۱۹۸۳ء میں بھائی رضوان صاحب کی معرفت ہوئی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب میں نے طبیہ کالج پٹنہ میں بحیثیت لکچرر کے جوائن کیا تھا، خانقاہ ہر ہفتہ آجایا کرتا تھا؛ کیوں کہ سبھی رشتہ داریاں موجود تھیں، میری بڑی اماں کا میکہ بھی یہیں تھا، حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ کی شادی حضرت مولانا قاضی سید تبارک حسین قادریؒ مجھر شریف کی صاحب زادی سے ہوئی تھی اور حضرت سید شاہ محی الدین قادریؒ کی دو صاجزادیوں کی شادی امجھر شریف میں ہی ہوئی تھی، ایک میری بڑی اماں تھیں اور دوسری صاجزادی کی شادی مولانا سید شاہ سلیمان قادری سے ہوئی تھی، اس اعتبار سے اس خانوادہ سے خونی رشتہ قائم ہوگیا تھا۔ اسی سال سے ہمارا ذاتی تعلق قائم ہوگیا، جو وقت کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ ۱۹۸۳ سے شروع ہوا تعلق بالآخر موت نے ختم کردیا۔ ع

ڈھونڈوگے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کی پیدائش ۱۹۵۷ء خانقاہ مجیبیہ میں ہوئی ، آپ حضرت مولانا سید شاہ نظام الدینؒ کے پوتا تھے ، آپ کے والد مولانا سید شاہ عین احمد قادری کا سانحہ ارتحال اس وقت ہوا ، جب عمر کی صرف ۵/ بہاریں ہی دیکھنا نصیب ہوا تھا ؛ لیکن دادا حضور نے اپنی نگہداشت میں نہایت ہی عمدہ تعلیم وتربیت فرمائی ، جس کا عکس ان کی حیات مستعار میں نظر آتا ہے ، دیگر اکابر خانقاہ مجیبیہ سے بھی علمی فیض بالخصوص حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادریؒ جو کہ پیر ومرشد بھی تھے حاصل کیا ، فراغت کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ، اس درس کا جس کی بنیاد امیر عطاء اللہ جعفریؒ نے رکھی تھی خود موصوف نے علم وعرفان کی جو شمع روشن کی تھی ، اسی شمع سے دیگر چراغ روشن ہوتے رہے ، اس فہرست میں موصوف بھی شامل ہو گئے اور دم آخر تک تشنگان علم کی پیاس بجھاتے رہے ، مطالعہ کے شوق نے صلاحیتوں کا مجموعہ بنا دیا ، جس کا استعمال نہ صرف درس وتدریس میں کیا ؛ بلکہ اپنی تالیفات ، تصنیفات اور مضامین میں خوب خوب استعمال کیا ، موصوف نے تصوف وسلوک کا عمیق مطالعہ کیا ، جس کا مظاہرہ ان کی کتابوں اور مضامین میں نظر آتا ہے ۔ تحریر سلیس ، شگفتہ اور پرمغز ، اپنے نقطہ نظر کی وضاحت وصراحت میں قیل وقال کو کبھی تصنیفی سفر کی راہ میں داخل نہیں ہونے دیا ۔ آپ کی پہلی تصنیف سوانح حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری ہے جو آپ نے اپنے پیر ومرشد پر ان کے وصال کے بعد لکھی ، جو سوانح حیات پر لکھی جانے والی کتابوں میں اپنا ایک مقام رکھتی ہے ، اس کتاب پر اپنے دور کے ایک مصنف ایک محقق مولانا سید عبد اللہ عباس ندوی نے مقدمہ لکھ کر سند عطا کر دی ۔ دوسری کتاب بانی خانقاہ مجیبیہ حضرت تاج العارفینؒ مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ کی مکمل سوانح حیات ''سیرت پیر مجیب'' ہے ، جس کی تالیف کا سہرہ اپنے سر باندھا ، جو کام اب تک نہ ہو سکا ، انہوں نے اس کو پورا کیا ۔ آپ کی دیگر تالیفات میں خانوادہ سیدہ زینب ''نغمات الانس فی مجالس القدس'' ، ''یزید حقائق کے آئینے میں'' اور مضامین المجیب ، یہ تمام تالیفات بہت عرق ریزی کے بعد منظر شہود پر آئی ہیں ۔ ایک اچھے مقرر ، بہترین استاد ، معیاری شاعر تھے ۔ علما ، مشائخ ، دانشوروں ، ہر طبقے ، ہر فرقے ، ومسلک کے لوگوں سے گہرا ربط وتعلق رکھتے تھے ، آپ اپنے دل میں قوم وملت کا درد رکھتے تھے ، آپ کا تعلق خانوادہ علم عرفان کے جس گہوارہ سے تھا ، اس خانوادہ کا بھی یہی حال تھا ، ہر آنے والے سے خندہ پیشانی سے ملنا عادت میں داخل تھا ، کبھی کبھی غریب خانہ کو بھی نواز دیا کرتے تھے ، میری اہلیہ سے بھی گھگٹا وعلی نگر کے حوالہ سے رشتہ تھا ، پرخلوص گفتگو اپنائیت سے بھرپور ملاقات رہتی ، مذاق کے موڈ میں ہوتے تو میں خالہ کا رشتہ بتا کر لطف اندوز ہوتا ؛ لیکن جواب بھی مبنی برحقیقت ہوتا کہ خالہ کے رشتہ سے پہلے ملا ہی نہیں ، بھابھی کے رشتہ نے ملاقات کرائی ہے ، اس طرح کچھ دیر بیٹھ کر چلے جاتے اور اس تعلق کو انہوں نے تاحیات بہت خوش اسلوبی کے ساتھ قائم رکھا ۔

اسلاف کی بات میں نے یونہی نہیں لکھی ہے ؛ بلکہ خانوادہ امجھر شریف کے بزرگوں کے خط وکتابت پر جب نظر جاتی ہے ، تو اس بات کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے ، میرے پاس وہ خطوط موجود ہیں ۔ ایک بار میں نے ان سے تذکرہ کیا تھا تو کہنے لگے کہ دکھائیے گا ؛ لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا ۔ بات یہ ہوئی تھی کہ امجھر شریف کے بزرگوں کے آپسی تعلقات کا ان خطوط میں بہت ہی

والہانہ انداز کا تذکرہ موجود ہے، یہ خط وکتابت اس دور میں زیادہ کی گئی، جب مسلم لیگ کے افراد پاکستان کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے؛ لیکن دونوں خانوادے کے بزرگ حضرات اس بات کے سخت خلاف تھے اور متحدہ ہندوستان کے قائل تھے اور تاریخ شاہد ہے کہ ان دونوں خانقاہوں کے بزرگوں میں سے کسی نے بھی اپنے آباء واجداد کی سرزمین سے ہجرت نہیں کی۔ جناب شاہ ہلال احمد قادری اپنے اسلاف کی اسی علمی وجاہت کی صحیح تصویرکشی کرتے نظر آئے، جب میں مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری کے پاس اظہار تعزیت کی غرض سے حاضر ہوا تو نہایت ہی غمگین انداز میں انہوں نے فرمایا میں آج بہت زیادہ غمگین ہوں، حضرت والد محترمؒ کے بعد اپنے مشفق ومخلص سرپرست سے محروم ہوگیا۔ اپنے تعزیتی مقالہ میں لکھتے ہیں: اپنی ۳۶ رسالہ حیات میں علم وعرفان، سلوک وتصوف، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، وہ سب پر عیاں ہیں، آپ کی ذات میں ایک بہترین مرشد، ایک متبحر عالم، ایک مشفق استاد، ایک معتبر مصنف اور ایک بے مثال مقرر کے تشخص کا حسین امتزاج تھا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے آباء واجداد کی طرح حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دولتِ بے بہا سے آپ کو حصہ وافر ملا تھا مختلف علوم وفنون مثلاً تاریخ، سیرت، انساب اور فقہ، حدیث میں آپ نے متعدد گراں قدر اور پُر مغز تصنیفات اور گراں بہا اور نفیس تحقیقی وعلمی مقالات اپنی یادگار چھوڑے ہیں، اس کے علاوہ شعرگوئی وسخن سنجی میں بھی آپ کو ملکۂ خداداد حاصل تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دور قحط الرجال میں جلد از جلد خانقاہ کو ان کا بہترین نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی اپنی حیات مستعار میں اپنی وسعت اور مقدور بھر جتنی علمی خدمت کر سکتے تھے، وہ سب توشہ آخرت کی شکل میں لے کر اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے؛ لیکن ایک پیغام دیکر گئے ہیں: کاش!! اللہ تعالیٰ اس پر ہم تمام مسلمانوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مضمون میں اس شخصیت کے کلام سے ختم کر رہا ہوں، جو اپنے پھوپھا حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادریؒ سے نہ صرف بیعت تھے؛ بلکہ خلوت سے دئے جاتے رہے اسباق کی مکمل تکمیل بھی کی، مولانا جہاں بھی رہے، اپنی دونوں خانقاہ، مجیبیہ و خانقاہ قادریہ محمدیہ سے جڑے رہے۔

کامیابی تو کام سے ہوگی ❁ نہ کہ سودائے خام سے ہوگی
بات ہوگی دلیل سے ثابت ❁ نہ کہ زور کلام سے ہوگی
راہ ہموار غلبۂ دیں کی ❁ دعوت خاص و عام سے ہوگی
مطمئن روح عصر حاضر کی ❁ دین حق کے نظام سے ہوگی
باریابی عروج ان کے یہاں ❁ نالۂ صبح وشام سے ہوگی

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

یادوں کے آئینے میں

● مفتی محمد اسلم احمد القادری الامانی—امان پور بلوا ٹولی، پورنیہ

صوبہ بہار کا وہ خطۂ پر بہار جو پھلواری کے نام سے موسوم ہے، جو علما، صلحا اور بزرگان دین کا مسکن ہے، جہاں ایک سے ایک گوہر نایاب پیدا ہوئے، وہ متبرک و مقدس جگہ خانقاہ پیر مجیب ہے، حضرت پیر مجیب قدس سرہٗ العزیز کی یہ خانقاہ ہر دور میں فقیروں اور درویشوں کا مسکن اور تربیت گاہ عوام و خواص کے علاوہ اپنے جلو میں ایک شاندار دارالعلوم قائم کر کے ہزاروں تشنگان علوم کو بھی سیراب کر رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں علم ظاہر و باطن دونوں کا درس دیا جاتا ہے اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اسی خانقاہ عالمتاب کی ایک ایسی شخصیت سے متعلق کچھ لکھنے کی جرأت کر کے قلم بدست، انگشت بدنداں، چشم گریاں اور دل بریاں، ذہن پریشاں سوچ میں مبتلا ہوں کہ آخر اس ہستیٔ مقدس سے متعلق کیا لکھوں؟ ان کی زندگی کے کس کس گوشہ پر میں صفحۂ قرطاس کو سیاہ کروں، ان کے کن کن اوصاف کو میں شمار کروں اور ان کے جاننے اور ماننے والوں تک پہنچا سکوں۔

ایک ایسی ہستی جو خردسالی میں اپنے والد گرامی قدر حضرت سالک راہِ طریقت علامہ سید شاہ عین احمد قادری قدس سرہ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئی، مگر نوشتۂ قدرت از حکمت خالی نیست کے بہ مصداق اپنے دادا حضور تاجدار ولایت مخزن علم و حکمت حضرت علامہ سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہ العزیز کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھی اور چھوٹے نانا شہباز طریقت حضرت علامہ حافظ محمد شہاب الدین قادری قدس سرہ العزیز کی شفقت پائی اور اپنے بڑے ابا ماہر علوم و فنون نمونۂ سلف صالحین علامہ الحاج سید شاہ عون احمد قادری قدس سرہ العزیز اور اپنے سگے ماموں مخزن علم و حکمت قلندر وقت حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد عماد الدین قادری سرہ العزیز اور بالخصوص اپنے عم مکرم پیر و مرشد، مرشد برحق ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما حضور حضرت علامہ الحاج مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ العزیز سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ کی شفقت خاص اور نگاہ خاص سے فیضیاب ہوئے۔

پھر پیر و مرشد کے وصال کے بعد مرشد زادہ گرامی صاحب جلال و جمال مخزن لطف و منال حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری قدس سرہ العزیز سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ نے آپ کی قدردانی میں کوئی کسر نہیں رکھی، ہمیشہ نگاہ شفقت فرمائی، یہاں تک کہ آپ کو اپنا سمدھی بنا کر آپ کی خوشیوں کو دوبالا کردیا موجودہ صاحب سجادہ آیۃ من آیات اللہ مخزن جود وعطا حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی صانہ اللہ عن آفات الزمن وشر الفتن وزادعلمہ وبارک فی عمرہ آپ کے بڑے داماد ہیں۔

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا، کتابوں کے مطالعہ میں عمیقانہ نظر رہتی تھی، آپ درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف اور افتا کا کام بھی کرتے تھے، آپ نے درجنوں کتابیں مختلف علوم وفنون میں تصنیف فرمائی اور مختلف مضامین سے پرچہ جات کو بھی آپ نے شرف بخشا ہے، جو آپ کی علمی تحقیق کا نمونہ ہے۔

آپ کی ذات اقدس سراپا خلوص وللہیت کا مجمع تھی، آپ اتنے بڑے صاحب علم اور خداداد ذہانت کے مالک مگر واہ رے کسر نفسی اور خاکساری خانقاہ میں ہوں یا علاقائی دورہ میں، اپنے ملنے جلنے والوں سے ہمیشہ ہنس مکھ انداز میں ملنا، خیر وعافیت دریافت کرنا، لوگوں کی فریاد کو سننا اور اس کا مداوا کرنا آپ کا اخلاق حسنہ تھا۔

کلموا الناس بقدر عقولھم کے تحت لوگوں سے ملنے جلنے کے وقت بات چیت کیا کرتے تھے، اگر کوئی صاحب علم مجلس میں آگئے تو سراپا علمی گفتگو کرتے اور علما سے مختلف علوم وفنون پر گفتگو کے درمیان کبھی کچھ پوچھ لیتے، علما جواب دیتے اور جہاں علما جواب دہی میں دقت محسوس کرتے، تو حضرت خود پوری تحقیق انیق کے ساتھ عقدہ کشائی فرماتے۔

علما آپ سے ملنے میں فرحت محسوس کرتے، خواہ ان کا تعلق کہیں سے ہو، ملنے میں دریغ نہیں کرتے، علما کبھی مختلف فیہ مسائل میں آپ سے کچھ پوچھتے تو اس کا تشفی بخش جواب عنایت فرماتے اور پوچھنے والے مسرور ہوتے اور تہہ دل سے شکر گزار ہوتے۔

آپ اکثر دار العلوم فیاض المسلمین بائسی کے جلسۂ سالانہ میں مدعو ہوتے اور علاقائی دورہ بھی فرماتے اور لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوتے جب استاذ الاساتذہ وقطب سیمانچل بحر العلوم حضرت علامہ الحاج مولانا عبد القیوم قادری علیہ الرحمۃ والرضوان اور حضرت کے بھائی استاذ باکمال صاحب حسن وجمال حضرت علامہ الحاج مولانا محمد جمال الحق امانی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا وصال ہوا تو عزیزان گرامی قدر جناب مولانا مفتی عبد الحیٔ صاحب قادری ناظم اعلیٰ دار العلوم فیاض المسلمین بائسی اور عزیز ملت جناب مولانا حافظ وقاری عبد المنعم صاحب قادری اور جمال ملت کے وارثین کی دعوت پر حضرت بائسی تشریف لاتے اور یہاں سے پورنیہ، کٹیہار اور کشن گنج کے مختلف علاقے کا دورہ کرتے اور اپنے فیوض باطنی سے لوگوں کو فیضیاب فرماتے۔

میں ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۸ء دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف میں زیر تعلیم تھا، پھر بارہا طبیعت کی ناسازگاری کی وجہ سے وہاں سے گھر آ کر دارالعلوم فیاض المسلمین بائسی میں آٹھ سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد پھر اپنے استاذ گرامی قطب سیمانچل سے اجازت لے کر ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم مجیبیہ پہنچا، پھر وہاں ایک سال کا زمانہ گزار کر دورۂ حدیث کی تعلیم کے لیے دارالعلوم منظر اسلام بریلی پہنچا اور بعد فراغت دارالعلوم فیاض المسلمین میں بارہ سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد تقریباً بتیس سال سے کشن گنج میں ہوں اور تدریسی خدمات انجام دیتا ہوں، بزرگان پھلواری شریف کو چار سال تک وہاں رہ کر دیکھنے کا شرف حاصل ہوا اور اپنے وقت کی مایۂ ناز شخصیت عالم باکمال استاذی وسیدی وسندی ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما حضرت علامہ سید شاہ الحاج محمد امان اللہ قادری قدس العزیز کے دست حق پرست پر بیعت سے سرفراز ہوا۔

جس شخصیت کے حالات کو قلمبند کر رہا ہوں، وہ میرے بزرگ اور پیر بھائی بھی ہیں، حضرت مجھ احقر کو بہت مانتے تھے، بہت عزت دیتے تھے اسی محبت والفت کی بنیاد پر آپ نے دارالعلوم مجیبیہ میں ششماہی اور سالانہ امتحان کے لیے مجھ ناچیز کو منتخب فرمایا، میں نے کہا حضور! اسلم اس لائق نہیں ہے کہ طلبۂ دارالعلوم مجیبیہ کا ممتحن بنے، حضرت نے اپنی زبان حق ترجمان سے فرمایا کہ آپ لائق ہی نہیں بلکہ بہت لائق ہیں اور یہ خدمت آپ کو انجام دینی ہے۔

اپنے وصال سے تقریباً ایک سال پہلے حضرت بائسی سے کشن گنج تشریف لائے اس وقت میرا قیام کیسرا پٹی مسجد کے قریب ہی تھا، حضرت کو پٹنہ کے لیے وہیں سے داناپور ایکسپریس ٹرین کے ذریعہ روانہ ہونا تھا۔

کیسرا پٹی میں حضرت کے مریدوں کی تعداد بھی خاصی ہے، کسے معلوم تھا کہ حضرت ہم غلاموں کو اپنے آخری دیدار سے مشرف کرانے آئے ہیں، حضرت نے گاڑی پر سوار ہوتے ہوئے عزیزم مختار ومعراج وحسام وفضل ربی اور دیگر حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ مفتی صاحب کا خیال رکھو گے۔

اللہ رب العزت حضرت کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻

آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے

● مولانا سید لطف اللہ قادری فلاحی — پھلواری شریف

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے—انا للہ وانا الیہ راجعون یہ ہمارے دین اسلام جو مکمل دین ہے کی تعلیم ہے کہ جب بری خبر سنو تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھو اس دعا میں بھی درحقیقت اپنی زندگی کے خاتمہ اور موت کی آمد کی یاد دہانی ہے اس کا ترجمہ ہے ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ کل نفس ذائقة الموت’’ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے‘‘اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں۔آخر کار تمہیں ہماری طرف ہی پلٹنا ہے۔‘‘(سورۃ انبیاء ۳۵) قرآن کی اس آیت نے فلسفہ موت وحیات کو سمجھا دیا ہے کہ دنیا میں کسی کو بھی حیات ابدی حاصل نہیں ہے۔موت تو لازمہ بشریت ہے۔اس کا مزا تو ہر ایک کو چکھنا ہے۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ دنیاوی زندگی آزمائشوں سے گھری ہوئی ہے۔اچھے برے حالات آتے رہتے ہیں۔ہر شخص اس سے گذرتا ہے۔دکھ،سکھ،رنج وغم اپنوں کی جدائی، پیاروں کی فرقت سب کچھ انسانی زندگی میں پیش آتا ہے۔اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ سکھ میں اللہ کا شکر ادا کریں اور دکھ میں پیکر صبر بن جائیں۔یہی آزمائش ہے اور ہر مصیبت میں اس کے آزمائشی پہلو کو سامنے رکھنا چاہئے۔

حضرت مولانا سید شاہ ہلال قادری کا انتقال باعث رنج وغم ضرور ہے مگر!

موت سے کس کو رستگاری ہے ❁ آج وہ کل ہماری باری ہے

ہاں سب کی موت ایک طرح کی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ایک طرح کا نقصان وخسارہ ہوتا ہے۔ایک عالم اور متقی انسان معاشرہ میں چراغ کی طرح ہوتا ہے جس کی روشنی سے بہت سے تاریک دلوں میں نور پیدا ہوتا ہے کہا جاتا ہے ایک عالم دین کی موت پورے عالم کی موت ہے۔ان کے انتقال سے علمی حلقوں میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ان کے انتقال سے

صرف خاندان کے لوگ ہی غم زدہ نہیں ہیں بلکہ ان کا وسیع دائرہ احباب اور معتقدین سب سوگوار ہیں!

مَوْتُ التَّقِّیِ حیاۃٌ لاَ نفاد لھا ❁ قدمات قُومٌ وھم فی الناس اَحیَاءٌ

ترجمہ: پرہیزگار کی موت زندگی ہے اس کا خاتمہ نہیں ہے لوگ مرتے ہیں مگر پرہیزگار لوگوں میں زندہ رہتے ہیں۔

دنیا میں بہت سی یادگاریں قائم کی جاتی ہیں مگر ان کو فنا ہے۔ مگر کچھ لوگ اس معنی میں زندہ رہتے ہیں کہ ان کی کتابیں، تصنیفات و تالیفات امتداد زمانہ کے باوجود باقی رہتی ہیں اور تصنیفات کے ساتھ ان کے نام بھی ابدی اور ہمیشہ رہنے والے بن جاتے ہیں۔ مولانا ہلال قادریؒ صاحب نے بھی اپنے پیچھے کئی تصنیفات چھوڑی ہیں ان میں ان کی سب سے اہم کتاب حضرت سید شاہ مجیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ جو پیر مجیب سے معروف و مشہور ہیں ان پر ان کی سیرت پیر مجیبؒ ہے۔ پیر مجیب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

''آپ طالبین و سالکین کی تربیت ان کے افتاد طبع، اخلاق و مزاج اور قوت استعداد کے مطابق مختلف انداز میں کرتے تھے۔ اس میں یکسانیت نہیں ہوتی تھی''— (ص:۲۳۹)

ان کی یادگار ان کے بے شمار شاگرد بھی ہیں جنہوں نے ان سے تعلیم حاصل کی اور ان کے وہ مخلص معتقدین و مریدین بھی ہیں جنہوں نے ان کے مواعظ سے متأثر ہو کر اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا اور نیکیوں کی راہ پر گامزن ہو گئے۔

شاہ صاحب بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے انہوں نے اپنی پرورش و پرداخت اور تربیت کے بارے میں خود تحریر فرمایا ہے۔ سیرت پیر مجیب کے انتساب میں لکھتے ہیں۔

''میں اس کتاب کا انتساب اپنے دادا ابا حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے نام کرتا ہوں۔ جن کی شفقت و محبت بھری آغوش میں ڈھائی سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک میں نے پرورش پائی ہے۔ میں ان کا ساختہ پرداختہ اور پروردہ ہوں۔ میں نے ہوش سنبھالا تو خود کو ان ہی کی آغوش میں پایا۔ شعور کی آنکھوں سے پہلے پہل ان ہی کی مقدس و نورانی صورت دیکھی۔ اس حقیر کی تمام علمی کاوشیں ان کی کیمیا اثر نگاہوں کا فیض اور ان کی خدمت و صحبت کی برکت کا نتیجہ ہیں۔

اور اپنے روحانی شیخ و مرشد کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''اپنے مربی روحانی و شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ کے نام کرتا ہوں جو حضرت تاج العارفین کی مسند سجادگی پر فائز اپنے عہد کے تاج العارفین تھے۔ ان کو دیکھ کر طریقت و معرفت کا معیار سمجھ میں آتا تھا۔ اس گناہ گار پر ان کا بڑا اکرم رہا اس کے علمی مشغلوں سے ان کو خوشی ہوتی تھی۔ اس کتاب کی تالیف سے ان کو سب سے زیادہ مسرت ہوتی۔''— (سیرت پیر مجیبؒ)

شاہ صاحب ہم سے رخصت ضرور ہو گئے ہیں مگر خانقاہ و مدرسہ خانقاہ مجیبیہ کے در و دیوار میں ان کی خوشبو رچی بسی ہوئی ہے۔وہ ایک علمی شخصیت تھے وہ بہترین مدرس و معلم تھے۔وہ مربی تھے وہ ادیب و شاعر تھے وہ مصنف تھے۔مقرر و خطیب تھے۔ان سے اچھے تعلقات تھے وہ میرے برادر بھی تھے اور میری اہلیہ کے رشتے سے میرے خسر بزرگ بھی تھے۔وہ مجھے بہت عزیز رکھتے تھے۔ان سے میری علمی گفتگو ہوتی تھی اور مجھے وہ استفادہ کا موقع بھی دیتے تھے۔میرے غریب خانہ پر ان کی حاضری ہوتی تھی۔آدمی بہت ہی ہنس مکھ تھے۔اگر کوئی بات اختلافی ہوتی اس کو بھی مسکراتے ہوئے فرماتے تھے۔میرے بارے میں وہ جانتے تھے کہ میں جماعت اسلامی سے منسلک ہوں مگر پھر بھی تعلقات میں محبت و شفقت میں انسیت و الفت میں کبھی کمی نہیں آئی۔مجھے کہنے دیجئے کہ خانقاہ کے بزرگوں کے تعلقات ہر مکتب فکر کے ساتھ متوازن رہے ہیں۔میرے والد مرحوم اور حضرت سید شاہ امان اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے سگے ممیرے اور پھوپھیرے بھائی تھے۔والد صاحب جماعت اسلامی سے منسلک ہو گئے مگر خانقاہ کے بزرگوں نے ان سے تعلقات اور احترام باقی رکھا اور والد مرحوم بھی ان بزرگوں کا احترام کرتے تھے اور جب بھی یہاں پھلواری آتے تو قیام خانقاہ ہی میں ہوتا۔یہ صرف اس لئے تحریر کیا گیا ہے کہ بعض لوگ غلط فہمیاں پھیلانے میں ماہر ہوتے ہیں۔جماعت اسلامی ہمارا دل ہے تو خانقاہ مجیبیہ ہماری روح ہے۔شاہ ہلال قادری مرحوم بھی جماعت اسلامی کے رہنماؤں خصوصاً امیر حلقہ بہار مولانا رضوان احمد اصلاحی سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔شاہ صاحب مرحوم و مغفور تقریباً ایک ماہ بستر علالت پر رہے مگر!

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا ❁ دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

۳۱؍ اگست ۲۰۲۰ء/۱۱ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ درمیان عصر و مغرب ان کی روح قفس عنصری سے آزاد ہوگئی۔رات میں ہی ان کی تجہیز و تکفین و تدفین انجام پائی۔خانقاہ مجیبیہ کے باغ مجیبی کے آبائی قبرستان میں نمناک آنکھوں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اور سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔

سرہانے میر کے آہستہ بولو ❁ ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

شاہ صاحب یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ قیامت کو ملیں گے۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے ❁ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

آخر میں اتنا ہی کہوں گا کہ۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ❁ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ہو عمر خضر بھی تو کہیں گے بوقت مرگ ❁ ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲

جامع صفات وکمالات

حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

• مفتی نیر اسلام قاسمی — دارالعلوم الاسلامیہ، پھلواری شریف

مت سہل جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
— میر تقی میرؔ

یوں تو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ چارسو سالہ علمی، ادبی اور اصلاحی تاریخ کی شہرت کی حامل خانقاہ ہے؛ لیکن احقر کی ناواقفیت اور جہالت کی انتہا دیکھئے کہ ۲۰۰۱ء سے پہلے تک خانقاہ مجیبیہ کی تاریخ پڑھنا تو چھوڑ دیئے، اس کا نام تک بھی سننا یاد نہیں ہے:

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردا داری ہے

اس کی وجہ یہ رہی کہ پوری طالب علمی کی زندگی میں درسی کتابیں اور اس کے متعلقات ہی احقر کے شب و روز کے رفیق اور ہمدم رہے، غیر درسی کتابوں کی طرف التفات کرنے کا موقع نہیں مل سکا، جب احقر ۲۰۰۲ء میں تخصص فی الافتاء والقضاء کرنے کے لیے المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء امارت شرعیہ پھلواری شریف میں داخل ہوا تو پہلی بار خانقاہ مجیبیہ کی زیارت اور اس کی تاریخ پڑھنے کا موقع ملا، چوں کہ امارت شرعیہ کے پہلے تین امیر: بدرالکاملین فیاض المسلمین حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدین صاحب قادریؒ امیر شریعت اول، حضرت محی الملۃ والدین مولانا سید شاہ محمد محی الدین صاحب قادریؒ

امیر شریعت دوم اور حضرت مولانا سید شاہ محمد قمر الدین صاحب قادریؒ امیر شریعت سوم کا تعلق خانقاہ مجیبیہ ہی سے ہے اور بانیٔ امارت شرعیہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کا مزار بھی خانقاہ مجیبیہ کی قبرستان میں ہے؛ اس لیے کبھی کبھار خانقاہ جانے اور فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرتا تھا پھر بعد میں دارالعلوم مجیبیہ کے اساتذہ خصوصاً ہمارے مخلص قاری محمد منصف و قاری محمد رمضان علی مجیبی صاحبان سے تعارف ہوا تو آمد ورفت تیز ہوگئی۔

ان ہی احباب کی وجہ سے خانقاہ کے اکابر واصاغر سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور استفادہ کا خوب خوب موقع ملا، حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری نوراللہ مرقدہٗ سابق سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ کی مجالس میں بارہا شرکت کا موقع ملا اور موجودہ سجادہ نشیں حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کی مجالس میں شرکت کا موقع ملتا رہتا ہے، ایک بار خلوت میں بھی باریابی کی سعادت حاصل ہوئی، فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ خانقاہ کے اکابر ومشائخ کو پڑھ کر اور دیکھ کر اقبال کا یہ شعر ذہن ودماغ میں گھومنے لگا:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو ۞ ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اور احقر بھی ان حضرات سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے، کلیم عاجزؔ ہی کی زبان میں:

رسم وآداب محبت کوئی سیکھے ہم سے ۞ زندگی ہیں اسی کوچے میں گذارے ہوئے ہم

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری سے پہلا تعارف اور ان کی خطابت :

حضرت خواجہ مخدوم منہاج الدین راستیؒ پھلواری کے مشہور بزرگ گذرے ہیں، ان کا مزار امارت شرعیہ اور المعہد العالی کے پاس ہی ہے، جہاں سالانہ فاتحہ خوانی پابندی سے ہوتی ہے اور بڑا ہجوم رہتا ہے اور پہلے جلسے بھی ہوتے تھے، احقر جب المعہد العالی میں زیر تعلیم تھا تو اور طلبہ کے ساتھ احقر بھی اس جلسہ میں گیا، وہیں حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری صاحبؒ کی زیارت کی سعادت پہلی بار حاصل ہوئی، درمیانہ قد، گورا رنگ، سر پر دو پلی ٹوپی، آنکھوں میں حیا، چہرہ پر مسکراہٹ وسنجیدگی، پیشانی پر علم وتحقیق کی کرنیں ہویدا، رفتار میں وقار، تقریر میں حلاوت وشیرینی، ندی کے بہاؤ کی طرح بولے چلے جارہے تھے، سامعین مسحور ہوتے جارہے تھے اور باتیں دلوں میں اثر کرتی جارہی تھیں اور احقر بھی محو اور سراپا گوش بنا ہوا تھا، ان کی خطابت پر علامہ اقبال کے یہ اشعار بالکل فٹ آرہے ہیں:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے، رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے، گردوں پہ گذر رکھتی ہے

اردو زبان و ادب :

مولانا تحریر اور تصنیف و تالیف کے میدان کے بھی شہسوار تھے، بہت اچھا اور شُستہ لکھتے تھے،تحریر میں سلاست، سادگی،شیرینی، سحرانگیزی اور دل آویزی تھی، پروفیسر محسن عثمانی ندوی کی مرتب کردہ کتاب ’’کلیم احمد عاجز: شخصیت اور شاعری‘‘ میں بہ عنوان ’’جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی......ایک مطالعہ‘‘ پہلی بار مولانا موصوف کی تحریر پڑھنے کا اتفاق ہوا، احقر پڑھتا گیا اور مسحور ہوتا گیا اور مولانا کے تئیں عقیدت میں مزید اضافہ ہوتا گیا، مثال کے طور پر ایک دو اقتباس آپ بھی پڑھئے اور لطف لیجئے، مولانا رقم طراز ہیں:

’’آپ بیتیاں بہت لکھی گئیں اور مختلف انداز میں لکھی گئی ہیں، زندگی کی سرگذشت لکھنی آسان بھی ہے اور مشکل بھی، آسان اس معنی کر کہ زحمت تحقیق نہیں اٹھانی پڑتی، جو حافظے کی سطح پر ہوتا ہے، وہ ثبت قرطاس ہوتا ہے، مشکل اس طور پر کہ علم و ادب میں ایک مقام حاصل ہوجانے کے بعد ہی لوگ آپ بیتی لکھتے ہیں، اس کے لیے خودنویس میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیے کہ وہ اپنی خودنوشت میں وہ تمام باتیں پیش کردے، جن کو بیان کرنے میں اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے جھجھک محسوس ہوتی ہے، خودنوشت میں اپنی بڑائی اور برتری کے اظہار کا بہت موقع ملتا ہے، ایک اچھے اہل قلم کے لیے کچھ مشکل نہیں کہ وہ کسی نہ کسی لطیف پیرایے میں اپنی عظمت و مرتبت واضح کردے، اس ’’شرک خفی‘‘ سے بچ کر نکل جانا مشکل ہے، دوسری طرف ایک مزکی نفس بندے کی بے نفسی جا بجا اس کا قلم پکڑتی ہے؛ لیکن بیان حقیقت میں اس کو خود پر جبر کرکے ایسی باتیں بھی لکھنی پڑتی ہیں، جس میں اس کی مدح و توصیف کا پہلو نکلتا ہے، یہ بھی ایک مشکل امر ہے۔

زیرنظر کتاب بھی ایک ایسے حقیقت پسند اور جرأت مند شخص کی خودنوشت ہے، جس نے بغیر کسی ترفع اور تعلی اور بغیر اپنے حفظ مراتب کا خیال کیے بلا جھجھک اپنی داستان حیات کا اہم حصہ رقم کردیا ہے، اس اعتبار سے یہ کامیاب خودنوشت ہے، اس کی دوسری خوبیاں مستزاد ہیں‘‘۔۔۔(کلیم عاجز: شخصیت اور شاعری، ص: ۱۳۳)

تین صفحے کے بعد مولانا مزید لکھتے ہیں:

’’آپ بیتی کی زبان انتہائی سلیس اور بے حد رواں ہے، اسلوب و ادا میں زبردست تاثیر ہے، قاری واقعات کی بوقلمونی، طرز ادا کے سحر اور زبان و بیان کی سلاست و روانی میں کھو جاتا ہے، کتاب پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ پڑھ نہیں رہا ہے، بلکہ مصنف کی زبان سے ان کی داستان سن رہا ہے، اس قسم کی سلیس و رواں طرز تحریر اردو میں پہلی بار خواجہ حسن نظامی کے روزنامچوں میں ملتا ہے، یہ آپ بیتی بلاشبہ زبان و ادب کا ایک شاہکار ہے، اس کا تفصیلی مطالعہ و تجزیہ طویل فرصت کا مقتضی ہے‘‘۔۔۔(ص: ۱۳۳)

اردو زبان وادب اور تصنیف وتالیف ان کے شب وروز کا مشغلہ تھا، کبھی یہ کتاب آرہی ہے تو کبھی وہ کتاب، کبھی اس موضوع پر لکھ رہے، تو کبھی اُس موضوع پر، اور ہاں سہ ماہی رسالہ ’’المجیب‘‘ میں تو وہ پابندی سے لکھتے تھے۔ سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری، سیرت پیر مجیب، نغمات الانس فی مجالس القدس، یزید حقائق کے آئینے میں، القول السدید، خانوادہ سیدہ زینب وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

حسن اخلاق اور مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک :

مولانا بڑے خانوادے کے چشم وچراغ تھے اور خود بھی بڑے تھے، مقرر تھے، مصنف تھے، دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف کے شیخ الحدیث وناظم اعلیٰ تھے اور خانقاہ مجیبیہ کے موجودہ سجادہ نشیں حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے خسر محترم، ان سب کے باوجود حسن اخلاق کے پیکر اور مرنجا مرنج شخصیت کے مالک تھے، ہرکس و ناکس سے ملتے، جب ملتے، مسکرا کر ملتے، نہ اعلیٰ خانوادے پر فخر، نہ علم پر غرہ، نہ اہتمام جیسی امتیازی اور بناوٹی شان اور نہ نظامت کا بے جا اظہار، یہی وجہ تھی جو بھی ان سے ملتا، گرویدہ ہوجاتا، اسی کو جگر مرادآبادی نے کہا ہے:

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کرلے، وہی فاتح زمانہ

آج ہوا میں اڑنے کو ’’معراج‘‘ سمجھا جاتا ہے اور پانی میں تیرنے کو کمال سمجھا جاتا ہے؛ حالاں کہ انسان کی معراج یہ ہے کہ وہ انسان بن جائے اور اس میں انسانیت آجائے، جگر ہی کی زبان میں:

عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی نہ سہی
یہی انسان کی معراج ہے کہ انسان ہو جائے

واقعتاً مولانا انسان تھے؛ بلکہ انسان کامل، یہی نہیں؛ بلکہ جگر ہی کے الفاظ میں اپنے اخلاق و کردار سے اس کے داعی بھی تھے کہ:

انسان بن انسان، یہی ہے تیری معراج
رنگ و وطن و قوم کی لعنت سے گذر جا

دولت خانہ پر ایک دلچسپ ملاقات :

احقر ’’تاریخ علمائے امارت شرعیہ‘‘ کا سلسلہ لکھ رہا ہے، جلد اول بانی امارت شرعیہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے، جو ۵۵۲ رصفحات پر مشتمل ہے اور شائع ہوچکی ہے، دوسری جلد امرائے ثلاثہ

بدرالکاملین حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری امیر شریعت اول، حضرت محی الملۃ والدین مولانا سید شاہ محمد محی الدین قادری امیر شریعت دوم اور امیر شریعت سوم حضرت مولانا سید شاہ محمد قمر الدین صاحب رحمہم اللہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہوگی، چوں کہ ان تینوں امرائے شریعت کا تعلق خانقاہ مجیبیہ سے ہے؛ اس لیے احقر اس جلد کے مواد کی تلاش وتحقیق کے لیے موصوف حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کی خدمت میں پہنچا، دروازے پر دستک دی تو ایک خادم آیا، میں نے مقصد بتایا، کہا کہ تشریف رکھیے، حضرت مشغول ہیں، معاً کچھ ہی دیر کے بعد خبر آئی کہ حضرت آپ کو اوپر ہی دارالتصنیف میں بلا رہے ہیں، احقر پہنچا، علیک سلیک اور مزاج پرسی کے بعد احقر نے اپنی غرض بیان کی، فرمایا: اس سلسلے میں آپ کے استاذ مولانا بدر احمد مجیبی صاحب زیادہ اچھی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: حضرت! سیرت پیر مجیب کتنے کی ہے اور کہاں ملے گی؟ فرمایا: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ میں، شاید چارسو کے آس پاس اس کی قیمت ہے۔ میں نے مزاحاً پورے ادب واحترام کے ساتھ مسکراتے ہوئے عرض کیا: حضرت آپ ناظم ہیں، ہم غریب مدرسین کو کیا تنخواہیں ملتی ہیں، آپ بہ خوبی واقف ہیں، چارسو کی کتاب ہی لے لیں گے تو اور ضروریات کیسے پوری ہوں گی؟ مسکراتے ہوئے حضرت نے احقر کو''سیرت پیر مجیب'' عنایت کی، پھر دیر تک گفتگو ہوتی رہی، کچھ دوسرے ممالک کے اسفار پر بھی گفتگو ہوئی، غرض یہ کہ ان کی شیریں گفتاری، شگفتہ بیانی، نورانی صورت، خندہ پیشانی اور ان کی شخصیت کی دل آویزی اور دل کشی نے احقر کو بہت متاثر کیا، میں ہی کیا جو بھی ان کی صحبت میں ایک مرتبہ بیٹھ جاتا، وہ یہ کہتا ہوا اٹھتا کہ

ع بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی

موت آتی ہے تو دستک بھی کہاں دیتی ہے:

مولانا پوری صحت وعافیت اور پورے جوش وولولے کے ساتھ اللہ کے دین کی سرفرازی وسربلندی اور اس کی نشرو اشاعت میں منہمک تھے، کسی کو وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی ہم کو داغ مفارقت دے دیں گے؟ لیکن کیا کیجیے گا، ہر نفس ایک وقت مقرر لے کر دنیا میں آتا ہے اور کسی نہ کسی بہانے سے ملک عدم کی طرف کوچ کر جاتا ہے، کچھ ایسا ہی برتاؤ حضرت مولانا نے ہمارے ساتھ کیا، ابھی صحیح وتندرست تھے، مرض لاحق ہوا، ہسپتال لے جائے گئے، کچھ دنوں علاج ومعالجہ ہوا، روبہ صحت تھے، خوشی کی لہر دوڑ رہی تھی کہ ایک دو دن میں بالکل شفایاب ہو کر گھر واپس ہو رہے ہیں، مگر کسے معلوم تھا کہ خوشی کی شہنائی بجنے کے بہ جائے صف ماتم بچھ جائے گی اور مرثیہ پڑھا جائے گا، چناں چہ مولانا زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے اللہ کے پیارے ہو گئے کہ

جان کر من جملہ خاصان مئے خانہ مجھے ❁ مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جتنی زندگی مقدر کر رکھی تھی، اس سے ایک لمحہ بھی زیادہ وہ کیوں کر جی سکتے تھے:

ایک لمحے کی اجازت بھی نہیں ملنے والی ❁ موت آتی ہے تو دستک بھی کہاں دیتی ہے

تیرے بغیر رونق درو دیوار کہاں :

بہ قول حضرت الاستاذ مولانا نور عالم خلیل امینی کہ:

''دنیا میں ہر آن موت حیات کی پنجہ آزمائی جاری رہتی ہے، زندگی پر موت کی یقینی فتح ایک غیر معمولی واقعہ ہے؛ لیکن ہر وقت اور ہر جگہ اور ہر موسم میں پیش آنے کی وجہ سے زندوں کا ایک ہی لمحے میں مردہ ہو جانا اور پھر لوٹ کے کبھی نہ آنا ایک عام سا واقعہ بن گیا ہے، جس پر کسی کی توجہ مرکوز نہیں ہوتی؛ لیکن کوئی ایسا انسان دنیا میں منہ موڑ لیتا ہے، جس کی زندگانی، خود اس کے لیے اور دوسروں کے لیے مفید تھی، تو افادیت کے بہ قدر دنیا والوں کو اس کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اور اس کو کھو دینے کے بعد، اس کی قدر و قیمت کا احساس زیادہ ہوتا ہے، خصوصاً تب جب اس کا کوئی جانشین نظر نہیں آتا اور صلاحیت و افادیت کے حوالے سے اس کے بعد کسی بے جوڑ انسان پر مجبوراً انحصار کرنا پڑتا ہے''— (پس مرگ زندہ، ص:۵۴۹)

کچھ اسی طرح کا احساس حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کے اٹھ جانے کے بعد ہو رہا ہے، حضرت مولانا کی کمی پورے علمی حلقے میں عموماً اور حلقۂ خانقاہ مجیبیہ میں خصوصاً شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

جس وقت حضرت مولانا کی وفات کی خبر آئی، احقر اس وقت پھلواری شریف ہی میں تھا، صدیق محترم قاری محمد رمضان علی مجیبی استاذ دار العلوم مجیبیہ کے ساتھ میں بھی تیز رفتاری کے ساتھ آخری دیدار کے لیے خانقاہ پہنچا، تو دیکھتا کیا ہوں کہ لوگ آرہے ہیں اور جا رہے ہیں، آنکھیں اشک بار ہیں، سکوت کا عالم ہے، ہر طرف سے اوہ اور آہ کی آواز آرہی ہے، لوگوں کا ہجوم ہے، پھر بھی سناٹا چھایا ہوا ہے، بچے اور جوان کو تو چھوڑ دیئے، اکابر و مشائخ گلے پکڑ پکڑ کر رو رہے تھے، بلک رہے تھے، سسکیاں لے رہے تھے، سب زبان حال سے کہہ رہے تھے:

تیرے بغیر رونق درو دیوار کہاں
شام وسحر کا نام ہے، شام وسحر کہاں

یوں تو آج ہر شعبہ میں قحط الرجال ہے، اچھا محدث نہیں ملتا، اچھا مفسر نہیں ملتا، اچھا مقرر نہیں ملتا، اچھا مصنف نہیں ملتا، قلمی میدان میں اور زیادہ قحط پایا جاتا ہے، تحریری کام یکسوئی چاہتا ہے اور لوگ گپ بازی کے عادی ہو گئے ہیں، اب سینکڑوں نہیں، ہزاروں میں ایک آدھ صاحب قلم پیدا ہوتا ہے، واقعتاً حضرت مولانا قادری صاحب زبان وقلم دونوں اقلیم کے بادشاہ تھے، مولانا کے چلے جانے سے ایک بڑا خلا ہو گیا ہے، جس کا پُر ہونا بہ ظاہر مشکل لگ رہا ہے، ویسے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

عاشق رسول نے آخری وقت بھی اتباع سنت کی کوشش کی :

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نوراللہ مرقدہ عاشق رسول تھے اور عاشق رسول کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ہر ہر لمحہ عشق رسول اور اتباع سنت کے مطابق گذرے، اٹھنا بیٹھنا سنت کے مطابق ہو، کھانا پینا سنت کے مطابق ہو، چلنا پھرنا سنت کے مطابق ہو، شادی بیاہ سنت کے مطابق ہو، یہاں تک کہ مرنا جینا بھی سنت کے مطابق ہو، چوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۶۳ رسال میں ہوئی، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ۶۳ رسال میں ہوئی اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات بھی ۶۳ رسال میں ہوئی، یوں تو حضرت مولانا زندگی بھر اتباع سنت کی کوشش کرتے رہے، شاید ان کی یہ خواہش ہو کہ ان کی وفات بھی اتباع سنت کے مطابق ہو واللہ اعلم بالصواب، چناں چہ ایسا ہی ہوا اور حضرت مولانا نے اپنی زندگی کے ۶۳ رسال پورا کر کے اپنی جان یہ کہتے ہوئے جان آفریں کے سپرد کر دی:

جاں دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، ان کے پس ماندگان اور اہل تعلق کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، آمین!

حیاتِ انسان ہے شمع صورت، ابھی ہے روشن ابھی افسردہ
نہ جانے کتنے چراغ یوں ہی جلا کریں گے بجھا کریں گے۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کی مثالی شخصیت

● مصباح حسن فخری — دارالادب چھاتا بختار، سیوان، حال مقام سعودی عربیہ

دنیا میں کئی ایک طرح کے آدمی ہوتے ہیں، جن میں خصوصیت دوطرح کے لوگوں کی ہوتی ہے، ایک وہ جن کا ہم لوگ نام لیتے ہیں اور بڑا ہی ادب واحترام کرتے ہیں، دوسرے وہ جن سے ہم محبت کرتے ہیں، ادب ہم ان اولوالعزم اور عالی حوصلہ مدبرین اور وطن پسندوں (پرستوں) اور باکمال حکیموں اور ادیبوں کا کرتے ہیں، جن کی حیرت انگیز جدوجہد، قربانیوں اور عظیم الشان کاموں اور تدبیروں نے اور جن کے علم وکلام نے ایک عالم کو فیض پہنچایا اور آفتاب کی طرح تاریکیاں مٹائیں، محبت ہم ان سے بھی کرتے ہیں، جن کی پاک سیرت، خوش اطواری اور خوش اخلاقی دل کے ہونے میں وہی کام کرتی ہے جو چودھویں رات کی چاندنی، ان کے پاس سے جو اٹھا کچھ لے کر اٹھا اور ان کے پاس جو گیا کچھ بن کر آیا۔

ہم نے جو دو قسموں کا تذکرہ درج کیا ہے، اس کی روشنی میں ممدوح گرامی حضرت علامہ سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کی مثالی شخصیت اور ان کے ہمہ جہت تاریخی وادبی کارنامے ہیں، اپنے کارناموں کے تحت یہ اپنی مذکورہ دونوں قسموں کی نمائندگی میں فردکی حیثیت سے ممتاز نظر آتے ہیں، یوں تو کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت ہر ایک کو مرنا ہے، لیکن اللہ کے خاص بندے ذائقۂ موت چکھنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں اور ان کے کارنامے انتقال کے بعد بھی زندہ جاوید رہتے ہیں، بلکہ اولیاء اللہ کی فضیلتیں تو قرآن کریم میں بھری پڑی ہیں، ان امت کے اخیار میں آپ بھی شامل ہیں، اللہ رب العزت کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کے بارے میں خود اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے ولیوں کو نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ غمگینی — (سورۂ یونس، آیت: ۶۲)

ایک بار میں حضرت اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو فرمانے لگے: عزیزم معلوم ہے کہ انہیں خوف کیوں نہیں ہوتا؟ اس لیے کہ ان سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ ان کے ماضی کے گناہوں کو نہ صرف معاف کیا جائے گا، بلکہ نیکیوں سے انہیں

بدل دیا جائے گا، اللہ اکبر کبیراً۔(سورۃ الفرقان، آیت: ۷۰) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم ضرور ان کے خوف کو امن وسکون سے بدل دیں گے۔(سورۃ النور، آیت: ۳۵) اور اس لیے بھی انہیں غم نہیں ہوتا کہ ان کے رب نے انہیں جنت کی بشارت سنادی ہے، ارشاد باری ہے کہ جنہوں نے کہا کہ بے شک ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پہ استقامت اختیار کی تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو اور نہ ہی غم کرو، تمہیں تو خوش خبری ہے، اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو نہ تو نبی ہوں گے اور نہ شہید، لیکن اللہ کے قرب میں اتنے اونچے مقام پر بیٹھے ہوں گے کہ نبی اور شہید بھی رشک کریں گے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! فداک ابی وامی، ان کی علامات بھی ہمیں بتادیں تاکہ ہم ان کو پہچان سکیں کہ وہ کون لوگ ہیں، یہ سوال سن کر نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا چہرہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مختلف قبائل اور مختلف علاقوں سے ہوں گے، ان کے درمیان کوئی رشتہ داری نہ ہوگی، وہ اللہ کے لیے ایک دوسرے سے باہم محبت کرتے ہوں گے، اور ان کے دل صاف ہوں گے اور قیامت کے دن اللہ انہیں نور کے منبروں پر بیٹھائے گا اور ان کے چہروں اور لباسوں کو نور بنادے گا، اس دن ہر کوئی خوف زدہ ہوگا، لیکن یہ لوگ خوف زدہ نہ ہوں گے، پھر آپ ﷺ نے ایک آیت تلاوت فرمائی: ''آگاہ ہوجاؤ اللہ کے ولیوں کو نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔(مسند احمد، حدیث: ۲۲۹۰۶۱)

ان خاص بندوں کی نشانی بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پھر تقویٰ کو اختیار کئے رکھا۔(سورۂ یونس، آیت: ۶۳)

جب ہم قرآن کی آیات کا بہ نظر تعمق جائزہ لیتے ہیں تو اس سے سارے اولیائے کرام کی فضیلتیں جھلکتی ہیں جن میں سیدنا و مرشدنا شاہ ہلال احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں، آپ نہایت متدین ومتشرع تھے، باکمال و باجمال تھے، لیکن افسوس کہ یہ عبقری شخصیت ماہ اگست میں ایک مختصر علالت کے بعد مورخہ ۳۱/اگست کو اس دنیائے ناپائدار سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئی، جس سے ہم سبھی مستفیض ومستفید ہوا کرتے تھے، آپ کی رحلت سے آپ کے اہل خانہ، دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ کے ارباب انتظام، اساتذہ، طلبہ، آپ کے متعلقین ومتوسلین اور لواحقین کو گہرا رنج ہوا، یقیناً آپ کی وفات اہل خانقاہ اور کاروان دارالعلوم مجیبیہ کے لیے بالخصوص صاحب سجادہ حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی ساتھ ہی ملت اسلامیہ ہند کے لیے ایک بالعموم ناقابل تلافی خسارہ ہے، آپ اپنے مدرسہ و خانقاہ کے موقر استاذ حدیث، اس کی نشاۃ ثانیہ کا ایک اہم دماغ، اس کی روایت کے امین، اس کے مزاج ومنہاج سے باخبر اور اس کے مسلک اور مشرب کے تئیں بڑے غیور واقع ہوئے تھے، آپ ایک بلند پایہ عالم دین، ایک عظیم مؤلف، باکمال شاعر، شرافت ومروت کے پیکر، وقار کا کوہ گراں، ہمدردی وغم گساری کا مجسمہ، منکسر المزاج، مال ومتاع کے حصول سے بے زار، جاہ ومنصب کی چاہت سے کوسوں دور، فراخ دل سیر چشم اور ایک سادہ،

لیکن دل آویز شخصیت کے مالک ہونے کے ساتھ بے حد خلیق تھے، کہا جاتا ہے کہ آدمی کی شخصیت کی تشکیل میں موروثی پس منظر، تعلیم و تربیت، گرد و پیش کے ماحول اور ذاتی تجربات کا اہم کردار ہوتا ہے، کوئی بھی شخصیت مذکورہ عناصر سے تشکیل پاتی ہے، یہ عناصر جتنے زیادہ صحت مند حیات افزا اور طاقتور ہوں گے، اتنی ہی زیادہ طاقت ور شخصیت تشکیل پائے گی، جب ہم آپ کی شخصیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ عناصر آپ کے یہاں ہمیں کچھ اس طرح ملتے ہیں۔

موروثی پس منظر :

آپ کے موروثی پس منظر کو لے لیجیے تو آپ نسبی اعتبار سے ایک نہایت شریف خانوادے کے چشم و چراغ تھے، آپ کا سلسلۂ نسب صحابی رسولؐ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہے، اور یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ نسبی خصوصیات نسلوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، آپ کو بھی نسبی خصوصیات سے ایک وافر حصہ ملا ہوا تھا، چنانچہ مہمان نوازی و کرم گستری ہمدردی و غم گساری، شرافت و مروت اور ذکاوت و ذہانت...... آپ کی نمایاں موروثی صفات تھیں، جو اس خانوادہ کا طرۂ امتیاز تھا۔

تعلیم و تربیت :

والد صاحب کا سایۂ عاطفت بچپن میں ہی اٹھ گیا تھا، آپ کی تربیت و کفالت اور ابتدائی تعلیم میں آپ کے جد مکرم حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ کی سرپرستی شامل حال رہی، اور حضرت کی سرپرستی میں دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف ہی سے فارغ التحصیل ہوئے اور فرسٹ ڈویژن سے دورۂ حدیث کا امتحان پاس کیا، آپ کے عم مکرم حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ کے بارے میں جو تذکرے سننے میں آتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا تعلیم و تربیت سے گہرا تعلق تھا اور آپ کا ایک حلقہ تھا، جس میں بہت سے اساتذہ اور طلبہ وابستہ تھے، آپ کے فیض صحبت اٹھائے ہوئے دارالعلوم کے بہت سے قدیم علما و فضلا، آپ کی طلبا کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کا تذکرہ کرتے تھے، اس لیے لازمی طور پر امید ہے کہ انہوں نے آپ کی تربیت پر ایک خصوصی توجہ دی ہوگی، اور حضرت اقدس کو اپنے استاذ و عم مکرم کی معیت اور تربیت سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا ہوگا، میرا ذاتی خیال ہے کہ آپ کے مزاج و مذاق اور طلبہ کے ساتھ ہمدردی اور تعلق داری میں خاندانی تربیت کا اثر تھا۔

ذاتی تجربات :

جہاں تک آپ کے ذاتی تجربات کا تعلق ہے تو یقیناً وہ سب مختلف اور متنوع ہوں گی، جو کچھ لوگوں سے میں نے سنا وہ یہ ہے کہ آپ نے یتیمی کی زندگی گزاری اور تنگ دستی اور خوش حالی کے دونوں ادوار دیکھے ہیں، یتیمی اور تنگ دستی کے دور میں نہ معلوم کتنے ایسے ہوں گے، جنہوں نے منہ پھیر لیا ہوگا، سوائے خانوادۂ مجیبیہ کے واللہ اعلم بالصواب، خوش حالی کے دور میں بہت سے ایسے بھی ہوں گے، جنہوں نے آپ سے تعلقات استوار کرنے کی اہم کوشش کی ہوگی۔

یہ وہ عناصر ہیں جس سے آپ کی شخصیت تشکیل پائی تھی، اور جن سے آپ ایک ممتاز حیثیت کے حامل شخصیت کہلائے۔

آپ خانقاہ مجیبیہ کی روایات قدیمانہ کے امین اور ان کے اصول واضوابط سے پورے طور پر باخبر تھے، جب کبھی آپ کو کسی روایت سے انحراف یا کسی ضابطے کی خلاف ورزی محسوس ہوتی تو آپ اس کا بلا تکلف اظہار فرما دیتے۔

آپ وقت کے بہت پابند تھے، آپ دارالعلوم مجیبیہ کے شیخ الحدیث تھے، راضی بہ رضا تھے، علم قیافہ کی پرکھ تھی، احقر کا نکاح آپ نے ہی پڑھایا تھا، فارم پر دستخط کے وقت آپ نے فرمایا کہ عزیزم دستخط کر دیں، جب میں نے دستخط کر دیا تو میرے خسر محترم سے آپ نے فرمایا کہ ماشاء اللہ لڑکا اسلامی مزاج یا مولوی معلوم ہوتا ہے، حلیم الطبع بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے نکلی ہوئی بات قبول فرمائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مستجاب الدعوات تھے۔

عادات واخلاق کریمانہ :

ناچیز سے اکثر وبیشتر ملاقات ہو جایا کرتی تھی، بے حد شفقت فرماتے، آپ سے احقر کی ملاقات سب سے پہلے اولہن پور چھپرہ میں ہوئی تھی، یہ قریباً ۱۹؍ سال قبل کی بات ہے میری معیت میں جناب صوفی باصفا مولانا سید سعید اختر صاحب قبلہؒ شاگرد رشید سید مظفر حسن فخری زاہدی و مرید وخلیفہ مخدومنا ومرشدنا شاہ امان اللہ صاحب پھلواروی ؒ بھی تھے، ایک ہی ملاقات میں آپ کا گرویدہ ہو گیا، غائبانہ طور پر عزیزداری کی بنا پر مجھے جانتے تھے، تصوف ملی میں راقم الحروف کے مضامین اکثر چھپا کرتے تھے اور آپ اس جریدہ کے مشیر خاص تھے، مدیر اعلیٰ آپ کی بلند ہستی اور بیدار مغزی کے معترف تھے۔

میں نے قریباً ۲۰۰۱ء سے آپ کو دیکھا ہے، اس وقت سے کوچ کرنے تک آپ کی زندگی میں ایک روش اور ایک ہی انداز دیکھا ہے، غالب گمان یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آئے ہوں گے، لیکن آپ کے طور و طریق میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا، آپ وقار کا ایک کوہ گراں تھے، بے نفسی آپ کی نمایاں خصوصیت تھی، آج کے اس مادیت کے دور میں لوگ طرح طرح سے مادی منافع حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور دنیوی مال ومتاع کے پھیرے میں رہتے ہیں، حتیٰ کہ طبقہ خواص میں بھی بہت سے افراد اس وبا سے متاثر معلوم پڑتے ہیں، لیکن آپ کو اس طرح تگ و دو سے بہت دور پایا، بلکہ ہمیں آپ اس حوالے سے ایک تارک الدنیا زاہد مرتاض نظر آتے ہیں، مجھے آپ کی یہ صفت بہت متاثر کرتی تھی، میں اپنے دل میں سوچتا تھا کہ آپ کی طرح دنیوی منافع اور مال ومتاع کی طمع سے بالاتر ہو کر اخروی اجر وثواب اور وہاں درجات کی بلندی کے علاوہ دنیا میں اپنے قیمتی وقت کو بچایا جا سکتا ہے اور اسے مفید علمی کاموں میں لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اصابت رائے کی صفت سے بھی نوازا تھا، بہت سے معاملات میں آپ سے تعلق رکھنے والے آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے، بعض معاملے میں میں نے دیکھا کہ آپ ایک جملہ میں اپنی رائے کا اظہار کر دیتے، بہت سے اہم اور نازک معاملات میں آپ مصلحت سے بالاتر بلا خوف وخطر بڑی بے باکی سے اپنی رائے کا اظہار کر دیا کرتے تھے،

بلکہ حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ بھی اس بات کے قائل ہیں، یہ حقیقت بیانی وہی کرسکتا ہے جو مخلص ہو اور جس کا دل ذاتی مفادات کی آلودگی سے پاک وصاف ہو۔

اس طرح آپ بہت سی پریشانی میں مبتلا لوگوں کو ایک جملہ کہہ کر تسلی دے دیا کرتے تھے، اور واقعی آدمی کو تسلی ہوجایا کرتی تھی، ایک مرتبہ میں اپنے بعض مسائل کو لے کر جو معاشیات سے منسلک تھے کافی پریشان تھا، آپ کو معلوم ہوا تو ملاقات پر آپ نے تسلی بھرا جملہ فرمایا اور اقبال کا ایک شعر سنایا، وہ شعر یہ تھا :

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

یہ بھی فرمایا: سعیٔ پیہم کرتے رہیں، محنت رائیگاں نہیں جاتی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

میرا ذاتی خیال :

ایک روحانی شخصیت تھی، جس سے ہم سبھی فیضیاب ہوتے تھے، مجھ بندۂ عاجز کے پاس تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں:

ع اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

دعائے نیم شبی ہے کہ اللہ اپنے محبوب کے صدقے میں انہیں باغ عدن میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کی مرقد کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری علیہ الرحمۃ

میرے عظیم محسن

● قاری محمد رضان علی مجیبی — استاذ دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف

احسان کا عام فہم مفہوم کسی کے ساتھ نیکی، اچھا سلوک، بھلائی، مہربانی اور انعام کرنا ہے، دراصل احسان دین اور دنیا کے ہر معاملے میں عمدگی برتنے کا نام ہے، مخلوق کے ساتھ اپنے تمام اقوال وافعال میں حسن خلق سے پیش آنے کا نام احسان ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنا حرام قرار دیا ہے، احسان کتاب وسنت کے مطابق انسان کے اپنے بھائی سے حسن معاملات کا جوہر ہے، دین کا دائرہ کار انسان کے خود اپنے آپ پر، اس کے ماتحتوں پر، اس کے خاندان اور عزیز واقارب پر اور اس کے بعد تمام انسانی معاشرے پر پھیلا ہوا ہے۔

خلق خدا کے ساتھ شفقت اور احسان کا معاملہ کرنا بہت پسندیدہ عمل ہے، اللہ تعالیٰ نے بار بار احسان کرنے والوں سے محبت کرنے کا ذکر فرمایا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" —(البقرۃ:۱۹۵)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

مذکورہ آیت کئی مقامات پر ہے اور کہیں یوں فرمایا:

"اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ" — (القصص:۷۷)

ترجمہ : احسان کرو جیسا کہ اللہ نے تم پر احسان کیا۔

احادیث میں بھی اس نیکی کی رغبت دلائی گئی ہے، بلکہ حیات نبوی ﷺ کامل ومکمل شفقت ورحمت، احسان وحسن

سلوک اور خلق خدا کے ساتھ ہمدردی وغمگساری میں بسر ہوئی، آپ ﷺ نہ صرف محسن انسانیت بلکہ محسن کل مخلوقات ہیں، دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں آپ ﷺ کے فضل واحسان اور جود وکرم کی محتاج ہیں۔

ہمارے مشفق ومحسن حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سنت وسیرت مصطفوی ﷺ کا عکس جمیل تھی، اس لیے ان کی ذات میں دیگر محامد وصفات نبوی ﷺ کے ساتھ یہ عظیم صفت بھی بطور اتم موجود تھی کہ آپ ہر کس و ناکس پر احسان وشفقت کا اظہار کرتے تھے، آپ کے احسان وکرم کا دائرہ غیر محدود تھا، اپنے بیگانے، چھوٹے بڑے، دوست و دشمن، مسلم وغیر مسلم سب پر آپ کی شفقت وعنایت عام تھی، دارالعلوم مجیبیہ کے مدرسین پر آپ کی جو نوازشات تھیں وہ بیان سے باہر ہیں، آپ اساتذہ دارالعلوم کی بہت قدر کرتے تھے، کسی کو حقیر اور نیچی نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا، آپ علم وفضل، شرافت و کرامت اور بزرگی میں کروڑوں درجہ بلند وبرتر تھے، اس کے باوجود اساتذہ دارالعلوم کو جو عزت واہمیت دیتے تھے، اس کی مثال نہیں ملتی ہے، آپ دارالعلوم کے ناظم اعلیٰ تھے، ناظم تعلیمات تھے، ہم سب آپ کے ماتحت اور زیر فرمان تھے، آپ کے محکوم اور تابع تھے، پھر ہم کو آپ سے اور آپ کے خانوادہ سے غلامی کا رشتہ بھی تھا اور ہے، مگر اس کے باوجود کبھی آپ نے تحکمانہ انداز میں کوئی بات نہیں کہی اور نہ کبھی ذاتی طور پر کوئی حکم صادر کیا، جس سے سمجھا جاتا کہ آپ نے ہمیں مجبور کیا ہے اور ہم آپ کے سامنے بے بس اور کم درجہ کے انسان ہیں، بلکہ آپ ہم لوگوں کو برابری کا درجہ دیتے تھے اور اپنے دوستوں جیسا سلوک کرتے تھے، یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی تھی، ورنہ کہاں ہم اور کہاں آپ کی شان رفعت؟ ہم میں سے کسی سے کوئی غلطی سرزد ہوتی تو آپ نہایت مشفقانہ انداز میں اس کی اصلاح فرماتے، کبھی سخت وسست الفاظ کسی کے حق میں استعمال نہیں فرمایا، جو کچھ فرماتے مسکراتے ہوئے اور نہایت خوش مزاجی سے فرماتے۔ آپ کے لطف واحسان کا ذکر کہاں تک کروں، اس ناچیز پر حضرت کے جو احسانات تھے ان میں سے چند احسان کا ذکر کیا جارہا ہے:

میں نے حضرت کو سب سے پہلے ۱۹۹۷ء میں بائسی ضلع پورنیہ میں دیکھا تھا اور آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، وہ میری تدریسی خدمات کا پہلا سال تھا اور بحیثیت مدرس دارالعلوم فیاض المسلمین بائسی میں بحال ہوا تھا، حضرت کے حسن اخلاق نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ بس آپ کا ہو کر رہ گیا، پھر قسمت نے یاوری کی اور جنوری ۱۹۹۹ء میں دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ کے شعبۂ حفظ وقرأت میں تدریسی خدمت پر مامور ہوا، اب تو پیاسا کنویں پر نہیں، بلکہ سمندر کے پاس تھا، آپ کے جود وکرم اور آپ کی شفقت وعنایت سے تقریباً بائیس سال مستفیض ہوتا رہا، اس طویل عرصے میں حضرت کی صحبت میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور آپ کی بہت سی خدمات انجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت سے بہت قرب رہا، جس کے باعث آپ کی چھوٹی صاحبزادی کو قرآن پڑھانے کی توفیق ہوئی اور آپ کے صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا وحافظ سید حسین بہجت سلمہ اللہ وعافاہ کو از ابتدا تا تکمیل حفظ کلام اللہ کی عظیم خدمت سے سرفراز ہوا، اس نعمت عظمیٰ پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے۔

حضرت کے ساتھ کئی سفر بھی ہوئے، خاص کر پٹنہ اور اطراف میں دینی محافل یا دیگر تقریبات میں اکثر و بیشتر ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ میرے تمام معاملات میں آپ کی خاص توجہ ہوتی تھی، خواہ وہ ذاتی معاملہ ہو یا گھریلو، ہر موقع پر آپ اس ناچیز کو اپنے نیک مشوروں سے نوازتے تھے اور میری صلاح و فلاح کا خصوصی خیال رکھتے تھے، مجھے یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ میرا نکاح حضرت نے ہی پڑھایا تھا، حالاں کہ ان دنوں حضرت کو سفر کا موقع نہیں تھا، آپ کی ہمشیرہ سخت علیل تھیں اور ان کی زندگی کے آخری دن گزر رہے تھے، واپسی کے دو یا تین دن کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئیں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے، آمین!

میرا آبائی وطن نیمول علاقہ بارسوئی ضلع کٹیہار ہے، اس وقت ہمارے علاقے کے راستے بہت خراب وخستہ اور کچے تھے، کہیں جانے آنے میں بے حد دشواریاں تھیں، اس کے باوجود جب میں نے اپنی شادی کے موقع پر آپ کی خدمت میں دعوت پیش کی اور اپنا نکاح پڑھانے کا عریضہ پیش کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے میری دعوت کو شرف قبول بخشا اور اس ناچیز کی دلجوئی میں تمام تکالیف کو برداشت کر کے مجھے میری خوشی کے اہم دن میں اپنے خاص لطف و کرم سے شادکام فرمایا، نیز میری خوش نصیبی ہے کہ میری شادی کے موقع پر جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی زیب سجادہ خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ کی طرف سے آپ کے برادر عزیز حضرت مولانا سید شاہ محمد منہاج الدین مجیبی مدظلہ العالی نے بھی قدم رنجہ فرمایا اور میری عزت افزائی فرمائی۔

حضرت کی مہربانی سے ایک مشکل یہ بھی آسان ہوئی کہ میرے نکاح کے لیے مہر فاطمی کی مقدار پر علما کے مختلف آرا سامنے آئے، جس پر لوگوں کے درمیان بحث ہونے لگی اور لوگوں کی طرف سے مختلف باتیں سامنے آنے لگیں، تب حضرت نے یہ فیصلہ فرمایا کہ مہر فاطمی کا موجودہ وزن متعین نہ کیا جائے، بلکہ مہر فاطمی کو مطلق رکھا جائے، حضرت کے فیصلے پر سب کو اتفاق ہوا اور سب کی بے چینی دور ہوئی۔ نکاح کے پروگرام میں عوام کے علاوہ کئی باصلاحیت علمائے کرام بھی شریک تھے، خصوصاً میرے استاذ محترم استاذ القرا جناب قاری محمد عارف امانی صاحب دام ظلہ اور ہمارے دو مخلص دوست مولانا مفتی وقاضی محمد اسرار الحق صاحب اور مولانا مفتی محمد عفیف صاحب، ان حضرات نے حضرت کے فیصلے کی تعریف کی اور حضرت کے علم وفضل اور حسن خلق سے حد درجہ متاثر بھی ہوئے۔

میرے ذمے جامع مسجد بی بی صدر النساء منہاج نگر پھلواری شریف کی امامت بھی ہے، گاہے بگاہے جمعہ کے لیے حضرت کی خدمت میں خطابت کا عریضہ پیش کرتا تو حضرت محروم نہیں کرتے، بلکہ ناچیز کی خاطر جوئی فرماتے اور اکثر وبیشتر جمعوں میں خطابت و امامت سے بندہ کو ممنون ومشکور فرماتے اور آپ کی خطابت سے مصلیان مسجد نہایت محظوظ و مستفیض ہوتے تھے، آپ کے خطاب میں ایک طرح کا مقناطیسی اثر تھا، لوگ آپ کا خطاب بہت پسند کرتے تھے اور شوق ومحبت کے ساتھ سنتے تھے، میری مسجد کے سکریٹری محترم جناب پروفیسر افتخار حسن صاحب جو اچھی خاصی دینی معلومات رکھتے ہیں اور حدیث وسیرت کی

کتابوں کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے رہتے ہیں، بے تکی اور غیر معیاری تقریروں سے ان کو سخت نفرت ہے، مگر وہ حضرت کی تقریر بہت غور سے سنتے اور بے حد پسند کرتے تھے، کیوں کہ حضرت کے بیان میں علمی واصلاحی پہلو ہی ہوا کرتا تھا، اس لیے بھی حضرت سے ان کو گہری انسیت ہوگئی تھی، حضرت کے علم و فضل کے معترف اور حضرت کے حسن اخلاق سے نہایت متاثر تھے، ان کے بیانات اور ملاقات کے بہت مشتاق رہتے تھے، پروفیسر صاحب اکثر و بیشتر مجھ سے کہتے کہ چلئے شاہ ہلال صاحب سے ملاقات ان کے گھر پر جا کر کرتے ہیں، کئی بار میرے ساتھ حضرت سے ملاقات کے لیے گھر پر گئے، ملاقات کے بعد ان کی زبان سے ہمیشہ یہ کلمات سننے کو ملے ”حضرت سے ملاقات کے بعد طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے“۔ یہی وجہ تھی کہ رمضان المبارک میں ختم تراویح (ختم قرآن) میں بھی آپ کو دعا اور بیان کی زحمت دی گئی اور آپ نے وسعت ظرفی و فراخ دلی کے ساتھ دعوت قبول فرمائی، مسجد میں شب اکیس کو ختم قرآن کیا جاتا تھا لیکن آپ کی خاطر شب تئیس کو ختم رکھا گیا، کیوں کہ شب اکیس خانقاہ میں حضرت مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا عرس ہوتا ہے، آپ خانقاہ کی مصروفیت کی وجہ سے ختم میں نہیں آسکتے تھے، آپ ہر سال وفات کے پہلے سال تک تشریف لاتے رہے اور اپنی دعاؤں سے ہمیں نوازتے رہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے دل میں قوم وملت کے لیے بے انتہا درد رکھتے تھے، جب ملک کے حالات بگڑ جاتے اور کہیں کوئی حادثہ پیش آتا تو حضرت بے چین ہو جاتے تھے، فوراً خانقاہ میں دعا و وظیفہ کا اہتمام شروع ہو جاتا، آپ طلبہ و مدرسین کے ساتھ خود بھی وظیفہ میں شریک ہوتے اور قوم وملت کے لیے مصائب وآلام سے نجات اور ملک میں امن وسلامتی بحال رہنے کی دعائیں کرتے تھے۔

NRC کے خلاف حضرت کا رویہ نہایت سخت تھا، آپ نے صوبائی سطح پر بھی اس کے خلاف جد و جہد کی، خصوصاً مشائخ بہار کی حمایت اور ان کی سرکردگی میں آپ نے حکومت کو اس ارادے سے باز آنے اور دلت و مسلم سماج پر ظلم وزیادتی کو روکنے کے لیے تاکید کی، اس کے لیے مختلف مقامات پر میٹنگ بھی کی گئی، ایک بڑی میٹنگ خانقاہ مجیبیہ میں بھی رکھی تھی، جس میں بہار اور جھارکھنڈ کی تقریباً تمام خانقاہوں سے سجادگان ونمائندگان نے شرکت کی تھی، پریس کانفرنس کر کے حکومت کو NRC,CAA,NPR کے قوانین نافذ کرنے سے باز رہنے کی اپیل کی گئی تھی، ان تمام تدابیر کے ساتھ ساتھ اوراد و وظائف اور دعاؤں کا اہتمام بھی کرتے تھے، ائمہ مساجد کو نماز فجر میں دعائے قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم صادر فرماتے تھے، جب تک NRC کا زور وشور رہا، آپ سکون سے نہیں رہے، ہمہ وقت بے قراری سی لگی رہتی تھی، ملنے جلنے والوں سے اپنے درد وکرب کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

اس وقت آپ نے قنوت نازلہ اور دیگر دعاؤں پر مشتمل ایک کتابچہ بھی پرنٹ کرایا اور اپنے متعلقین ومتوسلین نیز پھلواری شریف اور حلقہ کی دوسری مساجد میں اس کتابچہ کو تقسیم کرایا اور ہر جگہ دعاؤں کا اہتمام کرایا، آپ کی دینی وقومی حمیت ہی تھی کہ پٹنہ میں ہونے والے بیشتر احتجاجی مظاہرے میں آپ نے شرکت کی اور اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا، ۲۶؍جنوری (یوم جمہوریہ) کے

موقع پر آپ نے فون پر مجھ سے فرمایا کہ ”یہ وہ موقع ہے کہ دارالعلوم مجیبیہ کے پلیٹ فارم سے ملک میں این آر سی کے خلاف پیغام پہنچنا چاہیے اور حکم ہوا کہ دس منٹ تقریر کر دیں“ چنانچہ میں نے حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت کے سایہ عاطفت میں تقریباً ۱۰ رمنٹ پرچم کشائی کے بعد بیان کیا ان کے سامنے میری کیا حیثیت تھی؟ مگر حضرت نے پسندیدگی ظاہر کی اور دعاؤں سے نوازا۔

دعاؤں پر مشتمل جو کتابچہ آپ نے ترتیب دیا تھا، اس کا ابتدائی حصہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، تاکہ حضرت کی تحریر مبارک کے طفیل میرے یہ چند سطور بھی قارئین کی نگاہوں میں کسی لائق ہو جائیں اور اس بات کا بھی احساس ہو جائے کہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے دل میں قوم وملت کا کس قدر درد رکھتے تھے۔

اس کتابچہ میں حضرت نے سب سے پہلے الطاف حسین حالیؔ کا مشہور ومعروف رقت انگیز کلام بطور فریاد وعرض حال بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں پیش کیا ہے، جس کا مطلع ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

پھر لوگوں کو اپنے گناہوں اور بداعمالیوں سے توبہ کرنے کی تلقین اور بارگاہ خداوندی میں دعا واستغفار کی ترغیب دلاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”جب لوگوں کے دلوں سے خدا کا خوف اور اس کی حاکمیت کا تصور ختم ہو جاتا ہے، اس کے احکام وفرامین کی بجا آوری کے بجائے اس کے منشاومرضی کے خلاف بداعمالیوں کا غلبہ ہونے لگتا ہے، عام قلوب اس کی طرف سے غافل و بے پروا ہو جاتے ہیں، جب ہی سنت الٰہی کے مطابق لوگوں کو شدائد ومصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے، تاکہ ان میں تضرع و زاری پیدا ہو، خوف خدا غالب ہو، اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ حاکمیت کا تصور کر کے لوگ اپنی شرانگیزیوں اور فتنہ سامانیوں سے باز آئیں اور نیک عملی اور باہم حسن سلوک کا طریقہ اختیار کریں۔

لہٰذا ہمیں اس پرفتن دور میں اپنے اعمال وکردار کا محاسبہ کر کے بداعمالیوں سے باز آنا چاہیے اور نیک عملی کی راہ اختیار کرنا چاہیے، اِنابت اور رجوع الی اللہ کے ساتھ استغفار کی کثرت کرنی چاہیے، تضرع وزاری کے ساتھ مصیبتوں کے دور ہونے کی دعائیں کرنی چاہئیں، مصائب وشدائد کے دور ہونے کی عام دعاؤں اور استغفار کے علاوہ ان ایام میں کچھ خصوصی دعاؤں کا ورد بھی احادیث سے ثابت ہے۔“

حضرت کے علم وفضل پر روشنی ڈالنا مجھ جیسے کم علم وکج فہم کے لیے آفتاب کو چراغ دکھانے کے برابر ہے، آپ کی تصانیف وتالیفات پر خامہ فرسائی کرنا بڑے بڑے اہل علم کا حق ہے، کیوں کہ حضرت جیسے علم وعمل کے علمبردار زمانہ میں

شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں، میں نے اپنی زندگی میں آپ جیسے باصلاحیت، خوش اخلاق، صاحب تقویٰ، دین دار اور کمال و خوبی کا جامع عالم دین شاید نہیں دیکھا ہوگا، آپ کو اللہ رب العزت نے بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا، جس کے سبب آپ کی ذات بابرکت، ہر مکتب فکر کے لوگوں کے نزدیک محبوب و مقبول تھی، سبھی لوگ آپ کے علم علم و فضل کے معترف تھے، عام لوگوں کو آپ کی ذات والا صفات کو سمجھنا آسان نہ تھا، بڑے بڑے اہل علم آپ کی عظمت کے قائل تھے، آپ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ہر علمی و ادبی مجلس میں نمایاں مقام پر فائز ہوتے تھے، آپ کے علمی و ادبی مقام و مرتبے کا اندازہ آپ کے وصال کے بعد علما و مشائخ اور اہل علم کے تاثراتی بیانات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے علمی و ادبی کارناموں کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کو ان کا بہترین صلہ عطا کرے، نیز آپ کے امثال پیدا فرما کر دین اور علم دین کی ترویج و اشاعت اور مذہب و ملت کو عروج وارتقا فرمائے۔ آمین!

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً 2730/08(Upto Dec. 2020) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec. 2020 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۲۰ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۲۱ء کا زر تعاون باقی ہے۔

لہٰذا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔ جو حضرات چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجنا چاہیں — تو اس پر صرف "Darul Esha'at" تحریر کریں۔

A/c No. : **1271488319,** A/c Name : **DARUL ESHA'AT**

IFSC Code **: CBIN-0282779**

Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)

Cell No. : +91-7250433562, 9006306098

— سرکولیشن منیجر

ستارہ جو ٹوٹ گیا

حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادری قدس سرہٗ

● ابوذر عثمانی — مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

خدائے برتر و بالا کا فرمان ہے کہ ''وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد'' آپؐ نے فرمایا ہے کہ ''الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب'' اور اکابر نے کہا ''من احب لقاء الله احب الله لقائه'' انسان دنیا میں چاہے جتنی لمبی عمر گذار لے بالآخر ایک دن راہی عدم تو ہونا ہی ہے، حدیث مبارکہ میں ہے کہ جبرئیل امینؑ نے نبی اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ''عش ما شئت فانك میت واحبب من شئت فانك مفارقه'' یہ دنیا فنا کے داغ سے داغ دار ہے دنیا کی ہر شئے فانی ہے اور ہر جاندار کو موت آنی ہے۔ ''کل نفس ذائقة الموت'' ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اگر موت نہ آنی ہوتی تو دنیا کی ابتدا سے انتہا تک کی خدا کی سب سے محبوب ہستی پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کو موت کبھی نہ آتی، مگر دوام تو خدائے بزرگ کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں۔

ظاہر ہے، میں تمہید اس لئے باندھ رہا ہوں تا کہ سب سے پہلے خود کو اور بعد میں مجھ جیسے دوسرے اصحاب کو جو حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادریؒ کی رحلت سے دل برداشتہ ہیں، آنکھیں نم ہیں، زبان گنگ ہیں، گلے کے ساز گلے میں گھٹ گئے ہیں، سینے میں خون جم گئے ہیں، سائیں سائیں کرتی ہوائیں گویا آپ کی موت پر ماتم کناں ہوں، ابر باراں گویا آپ کی رخصتی پر زار و قطار ہے، دھوپ کی زردی کی شدت گویا موسم کو بخار آنے جیسا ہے، ہر کس و ناکس آہ و فغاں اور نالہ و زاری کر کے گویا زبان حال سے یہی کہہ رہا ہے:

چو کحل بینش ما خاک آستان شماست ❁ کجا رویم بفرما ازین جناب کجا؟

یقیناً ایسے کٹھن اور صبر آزما موقع پر ہمیں صبر کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں دکھتا اور صبر ہی سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے جو کہ آپ ﷺ کی رحلت کے وقت صحابہ کرامؓ نے کیا ہوگا جیسا کہ خود قرآن میں کہا گیا ''ان اللہ مع الصابرین'' یقیناً آنحضرتؒ اللہ کے محبوب بندے تھے اور اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے اناللہ وانا الیہ راجعون! لیکن دل بے ساختہ اور بے خود ہو کر یہ بھی کہتا ہے کہ:

قرار وخواب ز حافظ مدار ای دوست ❁ قرار چیست صبوری کدام وخواب کجا؟

مولانا شاہ ہلالؒ کون تھے؟ لکھنے والے ان کے محاسن سینکڑوں صفحات میں رقم کریں گے اور سنانے والے گھنٹوں بیان کریں گے، راقم ان تمام باتوں کو چند جملوں میں بیان کرنے کی جسارت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ ہستی جو سرتاپا محبت تھی، خدا سے محبت، رسول سے محبت، آل رسول سے محبت، اکابر سے محبت، دوستوں سے محبت، کارکنوں سے محبت، خانقاہ (مجیبیہ) کی دیرینہ روایات اور اسلاف کے کارناموں سے شغف اور ان کی تعلیمات کے پیروکار، بندگان اسلام کو درس وتدریس کے ذریعہ من الظلمات الی النور کی دعوت دینے کی محبت ہی آپ کی زندگی کا نصب العین اور فرض عین تھا۔ وہ بہت کچھ تھے مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے ہر دوست، ہر ایک ہم عصر اور ہر ایک رفیق کے محبوب وحبیب تھے، ان کا ہر ملنے والا یہی سمجھتا تھا کہ وہ اسی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، ان کی ہستی محبت کا آئینہ خانہ تھی، ہر آئینۂ دل میں وہی ہر طرف چلتے پھرتے نظر آتے تھے وہ مکروہات عالم سے آزردہ اور حیات دنیا سے بیزار تھے۔ آنحضرتؒ سے چند دن کیا چند لمحہ کیلئے بھی کوئی ملتا تو وہ آپ کی ضیافت اور انکساری وحلم وبردباری کا قائل ہوجاتا، اتنے ذی علم اور سادہ لوح شخص نہیں بلکہ شخصیت کو چھین کر اے موت! تو نے اچھا نہیں کیا!

غدرت یا موت کم افنیت من عدد ❁ بمن اصبت و کم اسکت من لجب

(اے موت تو نے دھوکہ اور فریب سے کام لیا ہے، تو فرد واحد کی جان لینے کی غرض سے آئی تھی، لیکن تو نے ایک جان کے بجائے سیکڑوں جانیں لے کر دھوکہ اور فریب سے کام لیا ہے)

ولادت و پرورش و پرداخت :

مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کی ولادت ماہ شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ بمطابق ۱۹۵۷ء کو پھلواری شریف میں ہوئی اور پھلواری شریف کا مقام آج صوفیائے کرام اور اولیاء عظام کی وجہ سے جس شہرت کی معراج کو پہونچا ہے اس کو بیان کرنا سورج کو آئینہ دکھانے جیسا ہے اسی پھلواری شریف کو جب شاعر بیان کرتا ہے تو کیا ہی خوب کہتا ہے:

تافت چون آفتاب پھلواری ❁ شد فزون آب وتاب پھلواری

قصبہ ناجیہ و باغ نجات ❁ ھست نام وخطاب پھلواری

بہر تشریف موی پاک رسول ❁ شد بہ جنت حساب پھلواری

پھلواری شریف کو علم وتمدن کا گہوارہ اور صوفیاء کرام کی سلسلہ وار آمد کی بنا پر مخدوم الملک نے بستان نجات اور

حضرت رسول نما ؒ بنارسی نے اس کو قصبۂ ناجیہ قرار دیا ہے یہ سلسلہ وارث انبیاء کوئی آج کل کی بات نہیں بلکہ صدیوں سے اس پر قدرت کی عطیات خاص کا نزول جاری ہے۔ یہ کسی صوفی کے دل سے نکلی دعا اور کسی فقیر کی دست شفاء کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے، تبھی تو پھلواری کے پھولوں پر کبھی پژمردگی نہیں آئی، اس چمن کو کبھی خزاں نصیب نہ ہوئی، وہاں کی مٹی سے ہمیشہ خانقاہ سے اٹھتی ہوئی لوبان کی خوشبو ہی آئی، چاہے ان گذشتہ صدیوں میں وطن عزیز کا ماحول جتنا بھی پراگندہ یا خوشگوار رہا ہو ریاض دین کے معصوم غنچوں کو سموم کفر سے کبھی مرجھانے نہیں دیا، یہ پھلواری ہمیشہ ’’العلماء ورثۃ الانبیاء‘‘ کا مصداق رہی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی رہے گی۔

بہرکیف! میں آنحضرت ؒ کی پرورش و پرداخت کی بات کہہ رہا تھا اس ضمن میں یہ بات دل کو جھنجھوڑ دیتی ہے کہ آپ ؒ نے محض پانچ برس کی مختصر عمر میں ہی یتیمی کا داغ اٹھایا حالانکہ آپ کے جد مکرم نے کفالت وتربیت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی بعد از اں چچا مولانا امان اللہ قادری ؒ بھی چچا ابوطالب کی طرح ہر جگہ رہنمائی کرتے رہے اور مشعل راہ بنے رہے اس بات کو حضرت نے بھی اپنی تصنیفات ومضامین میں گاہے بگاہے تسلیم کیا ہے اور دادا جان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے آپ بھی اپنے دادا جان سے بے تحاشہ محبت اور والہانہ عقیدت رکھتے تھے اس کو بھی آپ نے سچے دل سے تسلیم کیا ہے ان تمام باتوں کا ذکر خیر آپ نے اپنی تحریروں میں متعدد جگہ کیا ہے حالانکہ داد جان اور عم معظم کے علاوہ دارالعلوم مجیبیہ کے مشفق اساتذہ کرام، ماموں جان کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ ان لوگوں کی بھی صحبت آپ نے خوب اٹھائی اور ان تمام بحر العلوم میں غوطہ زن ہو کر ہی آپ صدف ولعل و گہر بنے۔

نسب :

حضرت اقدس مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ حضرت خواجہ امیر عطاء اللہ جعفری زینبی کی تیرہویں پشت میں ہیں اور شاہ امان اللہ قادری ؒ آپ کے چچیرے چچا، پھوپھا اور پیر و مرشد تھے خواجہ امیر عطاء اللہ کا سلسلہ نسب اٹھارہویں پشت میں حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، سیدنا جعفر طیار کے صاحبزادے حضرت عبداللہ الجواد سے حضرت زینب بنت خاتون جنت زہرا سلام اللہ علیہا منسوب تھیں۔

حضرت زینب کے بطن سے حضرت عبداللہ الجواد کے چار صاحبزادوں جعفر اکبر، عون اکبر، عباس و علی میں صرف علی زینبی سے، حضرت زینب کی نسل چلی، علی زینبی سے جزئیت رکھنے والے جتنے خانوادے ہندوستان میں ہیں وہ جعفری وزینبی کہلاتے ہیں۔

تعلیم و تعلم :

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری ؒ اس عہد کے جید بزرگ وعالم باعمل انسان تھے ان کا زہد وورع، نزاہت واتقاء، علم وعمل، صورت وسیرت، ہر چیز نمونہ سلف تھی اور اس قطرہ یاقوت کا لعل و گہر بننا، آپ کے دادا جان جناب مولانا شاہ نظام الدین کی تربیتی واصلاحی کاوشوں کا ثمرہ تھا۔ آپ نے اپنے پیر و مرشد شاہ امان اللہ قادری ؒ اور اپنے خال مکرم حضرت مولانا شاہ

عمادالدین قادریؒ سے فقہ واصول کی کتابیں پڑھیں، بخاری شریف اور حدیث کی دیگر کتابیں اپنے عم مکرم حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ سے پڑھ کر محض بیس سال کی عمر (۱۹۷۷) میں دارالعلوم مجیبیہ سے فراغت حاصل کی، بعدازاں درسیات سے فراغت کے بعد آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور ایک خوش گلو قاری بھی بنے اور آباء واجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علوم دینیہ کی تدریس میں لگ گئے اور حالیہ وقت میں صحیحین (بخاری شریف اور مسلم شریف) کی تدریس بھی آپ کے ذمہ تھی۔علوم اسلامیہ کے علاوہ علوم باطنی بھی اپنے بزرگان سے حاصل کئے جو اپنے آپ میں تمام کے تمام بحرالعلوم تھے اس کے علاوہ کچھ ثقہ راویوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ۹۰۔۱۹۸۸ میں بی این کالج (پٹنہ یونیورسٹی) سے ایم۔اے فارسی میں داخلہ لیا اور ممتاز نمبرات سے کامیاب ہوئے مگر افسوس کہ گوناگوں مصروفیات کی بناء پر پی۔ایچ۔ڈی میں داخلہ نہ لے سکے مگر بعد کے دنوں میں جو آپ کی تصنیفی، تالیفی وتحقیقی سرگرمیاں رہیں اور متعدد مضامین جو ان گنت رسالوں کی زینت بنے وہ کسی پی۔ایچ۔ڈی کی سند کے محتاج نہیں۔آپ ایک جید عالم کے علاوہ ایک شاندار مصنف، ممتاز ادیب وشاعر، ایک شفیق مدرس، شیریں قاری و خطیب، مقرر شعلہ بیاں، واعظ لاثانی کے علاوہ صوبہ بہار کی ایک متحرک شخصیت تھے۔علم وادب کے حصول میں شب وروز ہمہ تن گوش رہتے، کتب بینی میں غرق رہنا آپ کا فطری عمل تھا، بعض اہم فنون کی طرف آپ کی طبیعت زیادہ مائل ہوتی تھی جن میں خاص کر علم حدیث، علم تفسیر، علم الاخلاق اور تاریخ وتذکرہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

تصنیفات:

آپ نے یوں تو اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، کتب بینی وعام انسانوں کی فلاح وبہبود میں صرف کیا اور اسی میں جو وقت میسر ہوتا تو اس میں تصنیفی وتالیفی کام بھی انجام دیتے لیکن آنجنابؒ جتنے بھی عناوین پر رقمطراز ہوئے ان پر پوری طرح سیر حاصل بحث کر کے عبور حاصل کیا اور تحقیق کا کوئی گوشہ خالی نہیں رہنے دیا یہاں راقم نے ان کی تصنیفات وتالیفات کی صرف فہرست ہی پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے اور ان کے عناوین ذیل میں درج کیا ہے تا کہ مضمون اپنے طوالت کی وجہ سے اکتاہٹ کا باعث نہ بنے۔

(۱) سوانح حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادریؒ

(۲) سیرت پیر مجیبؒ (بانی خانقاہ مجیبیہ)

(۳) خانوادہ سیدہ زینب

(۴) القول السدید

(۵) یزید حقائق کے آئینے میں

(۶) نغمات الانس فی مجالس القدس (مرتب) اس کتاب کا عنوان ہی صرف عربی میں ہے لیکن محتویات فارسی اور اردو میں ہیں۔

ان کے علاوہ حضرت کے متعدد مضامین ومقالے جومختلف رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں نیز موصوف کے تحقیقی مقالے خانقاہ کے ترجمان (المجیب) میں پابندی کے ساتھ چھپتے رہے جن کی تعداد درجن سے زیادہ ہے۔

خاتمہ :

ا رمحرم الحرام کو جہاں عربی مہینوں کے سال کا آغاز آسمان کے ایک ھلال سے ہوا وہیں دوسری طرف ۱۱ رمحرم الحرام (۱۴۴۲ھ) کو اس زمین کا ایک ھلالؒ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا:

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

''مرثیہ ہے ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا' ھلالؒ صاحب کی وفات، خاندان کا ماتم نہیں، پھلواری شریف اور خانقاہ مجیبیہ کا ماتم نہیں، فضل وکمال کا ماتم ہے، اخلاق وشرافت کا ماتم ہے، ہندوستان و بیرون ہند کے مسلمانوں، علماء وفضلاء ادیبوں و محققوں کا ماتم ہے۔اوراب ان کے درودیوار سے ایک مدت تک ان کے ماتم کی صدائے بازگشت آتی رہے گی کہ:

ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

ہم گنہگاران کی مغفرت کی دعا کیا مانگیں کہ ان کے انفاس متبرکہ ہمہ تن یاد خدا، صبر و رضا، شکر وتسلیم میں صرف ہوتے تھے، ان کی نماز ہمہ تن لطف ومحویت ہوتی تھی ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی مغفرت کے خواب دیکھے تھے ہاں اتنا ضرور کہہ کر احقر اپنی بات کو ختم کرے گا کہ:

''می کند حافظ دعای بشنو آمینی بگو''

رحمته الله عليك خير اخلاف الكرام
بزرگوں کے بہترین خلف تم پر اللہ کی رحمت ہو

نم قرير العين فى قبرك الى يوم القيام
قیامت تک اپنی قبر میں میٹھی نیند سوتے رہو

كنت فى الدنيا سلاما صرت فى الدار السلام
تم دنیا میں باعث سلامتی تھے اب تم دار السلام میں پہونچ گئے

اسكت الموت خطيب القوم حسان الكلام
افسوس! موت نے قوم کے خطیب اور حسان زمانہ کو خاموش کر دیا—(انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادری
مرآت ملاقات وترقیمات میں

● سید نور عالم — ریسرچ اسکالر شعبہ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

بات ۲۰۱۵ء کی ہے جب استاذ گرامی پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید صاحب، صدر شعبہ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ذریعہ پتہ چلا کہ اس بار شعبۂ فارسی کی جانب سے منعقد عالمی سیمینار میں کلیدی خطبہ پیش فرمانے کے لیے ایک شیخ الحدیث صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ سن کر دریاے حیرت واستعجاب میں گم ہوگیا کہ اہل ایران وہندوستان کے ارباب زبان وادب کے انبوہ کثیر میں جن میں اکثر کے نام بڑے بڑے اعزازات سے جڑے ہوتے ہیں ایک گمنام و بوریہ نشین عالم دین کا کیا کام۔ سینکڑوں لاینحل سوالات حاشیۂ ذہن سے اٹھ اٹھ کر زبان ولب پر آتے مگر اپنے منتخب استاذ کے حسن انتخاب کے بارے میں استفسار کے لیے ہمت نہ پا کر دم توڑ دیتے۔

آخر کار وہ شام آ ہی گئی جس کی صبح سیمینار ہونے والا تھا، میں اپنے ساتھیوں اور مشفق اساتذہ کے ساتھ مندوبین کے انتظام وانصرام میں لگا ہوا تھا، باب سید سے متصل یونیورسٹی کے پرانے گیسٹ ہاؤس میں تھا کہ اچانک ہمارے سُپروائزر صاحب ایک سفید ریش وسفید پوش، ایک ایسی معمر شخصیت کے ہمراہ داخل ہوئے کہ جن کی چال ڈھال میں ضعیفی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ پھر چپکے سے کسی ہم سبق نے کان میں کہا کہ یہی حضرت مولانا ہلال احمد قادری صاحب ہیں جو کل کے افتتاحی جلسہ میں کلیدی خطبہ پیش فرمائیں گے۔ پھر کسی نے یہ بھی کہا کہ سر (پروفیسر اسد علی خورشید) کے ماموں لگتے ہیں، اتنے میں وہ بہت ہی قریب آ گئے اور آتے ہی پہلے حاضرین کو سلام کیا، سبھوں نے جواب دیا پھر گرم جوشی کے ساتھ سبھوں سے مصافحہ کیا۔

اس سلام ومصافحہ سے اجنبیت بالکل ختم ہوگئی اور اگلے چند ہی لمحوں میں ہم ایک دوسرے سے بے تکلفانہ گفتگو کرنے

لگے ۔سب سے پہلے مجھے جس چیز نے آپ کا گرویدہ بنایا وہ آپ کی سادگی تھی ۔میں نے دیکھا کہ آپ کا لباس علما سے قدرے مختلف اہل خانقاہ کا روپ دھارے ہوئے ہے،ایک سادہ سی دو پلی ٹوپی جو سر کے ساتھ چپکی ہوئی تھی ،کرتا لمبا بن کالر کا جسے چاک کھلا جبہ بھی کہہ سکتے ہیں، پاجامہ چوڑی مہری کا سنت کے مطابق ٹخنوں سے اوپر، قد میانہ سے کچھ کم، بال سفید، داڑھی سنت کے مطابق معلق،مونچھیں دراز سے کم مگر لب بالکل خالی، رنگ گورا مائل بہ سرخی، سنت کے مطابق آپ کے اس حلیہ نے دلوں کو موہ لیا۔

اسی اثنا میں ہمارے شعبے کی سابق سربراہ پروفیسر آذرمیدخت صفوی صاحبہ بھی تشریف لے آئیں ۔زبان و بیان پر آپ کی حکمرانی سبھوں کے یہاں مسلم ہے ۔بیباک انداز، الفاظ کا چناؤ، اور پھر ابریساں کی طرح متناسب وشیریں لفظوں کی جھڑیاں ہر کسی سے داد وتحسین حاصل کرلیتی ہیں ۔اپنے اسی منفرد وممتاز وصف کے ساتھ میڈم صاحبہ، حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری صاحب سے ہم کلام ہوئیں اور بالکل اسی انداز میں میں نے حضرت کو بھی ان سے ہم کلام ہوتا دیکھا۔

اس خفیف ملاقات کے بعد اگلی صبح افتتاحیہ میں دوبارہ ملنے کے لیے ہم ایک دوسرے سے رخصت ہوئے، مجھے افتتاحیہ میں حضرت کے کلیدی خطبے کا بڑی شدت سے انتظار تھا۔

اگلے روز جلسہ افتتاحیہ میں ابتدائی مراسم کے بعد جب حضرت نے اپنا کلیدی خطبہ پیش کیا تو سبھی حضرات نے کھلے دل سے اعتراف کیا کہ خطبہ اپنے موضوع پر نہایت جامع تھا۔

البرکات (ABIRTI) میں آمد اور دعا :

کلیدی خطبہ کے بعد میں حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری صاحب کو البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (ABIRTI) لے آیا جہاں آپ نے طلبہ کو مفید باتیں بتائیں اور سبھی طلبہ کے روشن مستقبل کے لیے دیر تک دعائیں کرتے رہے۔

البرکات پہنچتے پہنچتے میں نے حضرت سے ان کی کتاب ’’خانوادہ سیدہ زینب‘‘ کے بارے میں استفسار کیا کہ اس وقت انساب کا علم رکھنے والے اہل علم بہت کم ہیں، آپ نے اس فن پر مواد کہاں سے اکٹھا کیا، اس لیے کہ آپ نے کتابیات کی جو فہرست دی ہے اس میں نوادرات کی خاصی تعداد ہے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں نے ’’المکتبۃ الشاملۃ‘‘ سے استفادہ کیا ہے .اس انکشاف پر میں انگشت بدنداں رہ گیا اور اوپر سے نیچے تک حضرت کو تکنے لگا اس لیے کہ حضرت کی عمر کے علمائے کرام تحقیق کے جدید طور طریقوں سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں، الا ماشاء اللہ اور آج کے ڈیجیٹل ورلڈ میں بھی وہ اپنے اسی پرانے ڈھرے پر کام کررہے ہیں، اس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ حضرت کی ذات قدیم نافع اور جدید صالح کا سنگم ہے۔

وہاں سے فارغ ہوکر حضرت کو ان کی قیام گاہ پر چھوڑنا تھا، گاڑی میں حضرت کے ساتھ یہ راقم تھا، میں نے سوچا کہ حضرت سے کیوں نہ تصوف کے اہم مسائل کے بارے میں استفسار کیا جائے چنانچہ میں نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے بارے میں پوچھا کہ توحید وجودی اور توحید شہودی میں سے کون سا نظریہ سب سے بہتر ہے اس پر حضرت نے فرمایا: ’’عقیدہ تو وحدۃ الوجود کا رکھنا چاہیے مگر عمل وحدۃ الشہود پر ہونا چاہیے‘‘۔

حضور والا کے اس فرمان سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ توحید وجودی اور شہودی کے حوالے سے آپ کا موقف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ والا تھا۔ جیسا کہ ’’القول الجلی فی ذکر آثار الولی‘‘ کے درج ذیل بیان سے شاہ صاحب کا موقف ظاہر ہے:

توحید وجودی و توحید شہودی :

حضرت اقدس نے تحریر فرمایا کہ میں نے خواب میں اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو دو فرقوں میں دیکھا۔ ان میں ایک فرقہ اصحابِ اذکار و یادداشت (نقشبندی) کا تھا اور توحید وجودی کا قائل نہ تھا، ان کے دلوں پر ایک نور تھا اور چہروں پر مسرّت و سرور تھا، اور دوسرا گروہ توحید وجودی کا قائل تھا اور ایک قسم کے تفکر میں غرق تھا۔ ان کے دلوں پر ایک حیا غالب ہے، حق کے پہلو میں قائم ہیں تدبیر عالم کے ساتھ ان کے چہروں پر غیرت تھی۔ دونوں فریق باہم مناظرہ کرتے تھے، فریق اول کا کہنا یہ تھا کہ کیا تم ہم پر یہ انوار نہیں دیکھتے جو ہم کو اس طریقہ میں عطا کیے گئے کہ یہ انوار صراطِ مستقیم پر چلنے کا نتیجہ ہیں اور فریق ثانی کا کہنا یہ تھا کہ تمام موجودات کا اضمحلال وجودِ واحد میں ایک امر واقعی ہے لہٰذا ہم کو ایک ایسے راز کا علم ہے جس سے تم واقف نہیں۔ لہٰذا افضل ہم ہیں نہ کہ تم، جب بحث میں طوالت ہوئی تو انھوں نے مجھ کو حکم بنایا اور میرے فیصلے پر راضی ہونا منظور کیا۔ پس میں ان کے درمیان کھڑا ہوا اور کہا کہ بعض علوم صادقہ ایسے ہیں کہ ان کا ثمرہ تہذیب نفس ہے اور بعض علوم سے اگر چہ وہ نفس الامری اور واقعی ہوں لیکن ان سے یہ معنی حاصل نہیں ہوتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نفوس خلائق کو مختلف استعدادات کے مطابق مخلوق کیا ہے اور ہر نفس کو علوم میں سے ایک خاص مشرب عطا کیا ہے۔ اگر اس علم میں مستغرق رہتا ہے تو اس کا نفس تہذیب پاتا اور اصلاح قبول کرتا ہے اور اگر خود کو اس میں مستغرق نہیں کرتا تو ان معنوں سے محروم رہتا ہے اور اس کا دارومدار تہذیب نفس پر ہے اور یہ مسئلہ توحید وجودی اگر چہ نفس الامری اور واقعی ہے لیکن یہ علم تم دونوں گروہوں میں سے کسی کا بھی مشرب نہیں ہے بلکہ تم دونوں کا مشرب یہ ہے کہ حقیقت جامعہ کی طرف متوجہ رہو اور یہ توجہ ملأ اعلیٰ کی توجہ کے موافق اور مناسب ہو یعنی توجہ تعظیم ربوبیت سے متلون ہو اور یہ گروہ جو اہل یادداشت ہیں گو کہ اس مسئلہ سے جاہل رہے لیکن اپنے مشرب میں غلطی نہ کی لہٰذا ان کے نفوس مہذب ہو گئے اور انوار کی بارش اسی کا ثمرہ ہے لیکن اہل وحدۃ الوجود اگر چہ سچی بات کے قائل ہوئے لیکن اپنے مشرب میں خطا کی کہ وہ جب اپنی ناقص فکر سے سریان وجود میں غور کرتے ہیں تو تعظیم و محبت و تنزیہ جن سے ملا اعلیٰ نے حق کو پہچانا، ان کے ہاتھ سے جاتی رہتی ہے اور ملا اعلیٰ کی یہ معرفت ایک ایسا راز ہے جس سے (عالم) مالامال ہے اور یہ علم وحدۃ الوجود اس کا مشرب ہوتا ہے کہ جس میں وجہ حق جو ہر انسان میں ودیعت کیا ہوا ایک راز ہے تروتازہ ہوتا ہے یعنی احکام نشات میں مغلوب نہیں ہوتا اور وجود کے راز میں اس کو ہجوم تنزلات کی کدورت سے بوسیدہ نہ کیا ہو اور تم میں وہ چیز اپنی تازگی و شگفتگی پر باقی نہیں رہی ہے بلکہ مسخ ہو گئی ہے۔ پس ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور انھوں نے یقین کر لیا، پھر میں نے کہا کہ یہ اسرار الٰہی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے مخصوص فرمایا کہ میں اس کے ذریعہ تمہارے درمیان فیصلہ کروں‘‘۔

اس مختصر سی ملاقات کے علاوہ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری صاحب کے دو مقالات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، حاصل مطالعہ ہدیہ قارئین ہے۔

۱-ثمرات فواد المصطفیٰ وفضیلۃ الزہراء علیٰ ابیھم وعلیہم السلام :

شاہ صاحب کا یہ مقالہ سہ ماہی المجیب (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء) کے شفیع المذنبین نمبر میں اشاعت پذیر ہوا ہے، یہ مقالہ میگزین کے صفحہ ۳۳ تا ۶۵ کو حاوی ہے، اس مقالے کو ۱۲۸ اہم کتب کی مدد سے تیار کیا گیا ہے، مقالہ نگار نے گو اس مقالے کو اردو زبان میں تحریر کیا ہے مگر اس کا عنوان عربی زبان میں ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ علامہ موصوف کو عربی زبان وادب سے کافی دل چسپی ہے، اور ایسا اس لیے ہے کہ آپ مدۃ العمر درس نظامی کے متعلم اور معلم رہے۔

زیر نظر مقالے میں شاہ ہلال احمد صاحب نے رسول اکرم ﷺ کے مقدس شہزادوں اور شہزادیوں کے فضائل و اوصاف قلم بند فرمائے ہیں، خصوصا شہزادی رسول مقبول، سیدۃ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل، حالات اور اوصاف وکمالات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

موصوف نے مقالے کے آغاز ہی میں احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دیا ہے چناں چہ آپ نے حضور ﷺ کی اولاد ذکور واناث کی مجموعی تعداد سات بتائی ہے جن میں چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ہیں، ان لوگوں کی تردید کی ہے جو صرف حضرت بی بی فاطمہ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہا ہی کو حضور ﷺ کی اکلوتی صاحبزادی بتاتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

”جو لوگ ایک ہی صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہرا کے وجود کے قائل ہیں وہ غلطی پر ہیں، دو سے زائد صاحبزادیوں کے وجود پر تو خود قرآن ناطق ہے۔ آیت حجاب نازل ہوئی تو آپ کو مخاطب کیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۹ — (الاحزاب:۵۹)

ترجمہ : آپ اپنی ازواج سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر جلباب ڈالے رہیں (ایسی چادر جو سر سے ڈالی جائے اور اس میں سر چہرہ اور پورا جسم چھپ جائے اس زمانے کا برقع جلباب کے مفہوم پر صادق آتا ہے)۔

بنات بنت کی جمع ہے اور جمع کا اطلاق دو سے زائد افراد پر ہوتا ہے—(المجیب اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء: ص ۳۳)

ویسے تو مقالے کا مرکزی خیال حضور ﷺ کی اولاد اخیار کا تذکرہ ہے، مگر آغاز میں آپ نے غمگسار رسول سیدتنا بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جس والہانہ انداز میں ذکر کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ رقم طراز ہیں:

”ارباب تاریخ وسیر کا اتفاق ہے کہ سیدنا ابراہیم کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی تمام اولاد حضرت ام المومنین

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مطہر سے ہے اور ان ہی سے رسول اللہ ﷺ کی نسل شریف دنیا میں جاری ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ، قریش کے قبیلے سے تھیں، اوپر جا کر ان کا شجرۂ نسب رسول اللہ ﷺ کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ وہ حسب، نسب، شرافت، عفت وطہارت اور حسن اخلاق میں عرب کی بے نظیر و بے مثال خاتون تھیں، بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت وحشمت سے بھی نوازا تھا۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت کی بنا پر مکہ کے سر برآوردہ لوگ ان سے شادی کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے، لیکن ام المومنین کی نگاہ التفات کسی کی طرف نہ اُٹھی، مشیت الٰہی نے نبی آخر الزماں ﷺ کی رفاقت ان کے لئے مقدر کر دی تھی۔ ام المومنین سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں تھیں، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی اشاعت دین کے لئے اور اپنی دولت اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی، ان کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ جب تک وہ حیات رہیں رسول اللہ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ان کو اور ان کی دینی خدمات کو یاد فرماتے تھے۔ اگر ازواج مطہرات میں سے کسی نے کبھی کہہ دیا کہ آپ ایک عمر دراز عورت کو کیوں برابر یاد کرتے رہتے ہیں؟ اللہ نے اس سے بہتر رفیقۂ حیات عطا کی ہے تو آپ کو سخت ناگوار ہوتا اور آپ ان کی خوبیاں بیان فرمانے لگتے اور فرماتے کہ اللہ نے مجھے ان سے بہتر رفیقۂ حیات نہیں دی۔ ام المومنین کی رحلت کے سال کو رسول اللہ نے عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابوطالب کے بعد حضرت ام المومنین کی ذات سے بھی کار نبوت میں بڑی تقویت رہتی تھی۔ ان کی وفات بعثت کے دسویں سال ہوئی۔ اس وقت نماز جنازہ کا حکم نہیں آیا تھا۔ اور نماز پنجگانہ فرض نہیں ہوئی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، امہات المومنین میں منفرد خصوصیات کی حامل تھیں، اسلام کے زمانۂ عروج میں اگر وہ حیات رہتیں تو اپنی غیر معمولی بصیرت سے جس کو رسالت پناہی کی معیت و رفاقت نے دو چند کر دیا تھا، دین کے بڑے بڑے مسائل حل کرتیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فضیلت میں ان کا مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے بعد رکھا ہے۔ ان کے مناقب، احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ایک بار حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ خدیجہ آپ کے لئے کھانا اور پانی لے کر آ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سلام کہا ہے اور میری طرف سے بھی خدیجہ کو سلام کہیے، جب وہ آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتایا تو انہوں فرمایا: ان اللّٰہ ھو السلام و منه السلام و علی جبرئیل السلام‘‘—(ایضاص:۳۴)

حضرت والا کا قلم سیال جہاں ایک طرف ان نفوس قدسیہ کے حالات زندگی پر ابر بہاری کی طرح رم جھم رم جھم کرتا ہے، وہیں دوسری طرف نکتہ آفرینی کے ذریعہ اہل ذوق کے گلستان فکر کو چمن زار بھی بناتا ہے۔ مثلاً آپ الگ سرخی قائم کر کے انسان کامل حضور پرنور ﷺ کی صلب مبارک سے اولاد ذکور و اناث دونوں کی پیدائش کی حکمت سبل الھدیٰ والرشاد کے حوالے سے بہ ایں الفاظ تحریر فرماتے ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات گرامی جسمانی طور پر غایت درجہ معتدل تھی، آپ کو فقط اولاد ذکور نہیں ہوئی اور نہ محض اولاد اناث۔ آدمی کے صلب سے صرف بیٹیوں کا پیدا ہونا باپ کے مزاج میں برودت (ٹھنڈک) کی بنا پر ہوتا ہے۔ اور صرف بیٹوں کا پیدا ہونا، باپ کے مزاج میں حدت (گرمی) کی بنا پر ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مزاج مکمل طور پر معتدل تھا اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے صلب مطہر سے بیٹے بھی ہوں اور بیٹیاں بھی ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے صلب مقدس سے اولاد ذکور واناث دونوں پیدا فرمائے''— (ایضاص:۳۹)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد نرینہ کے کمسنی میں وفات فرما جانے پر یہ نکتہ سپرد قلم فرماتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد ذکور سن رشد کو پہنچتی تو دو صورتیں ہوتیں یا وہ نبی ہوتے یا نہیں ہوتے، اگر نبی ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النبیین نہیں ہوتے، جب کہ آپ آخری نبی ہیں۔ اور اگر نبی نہیں ہوتے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے باعث نقص تھا جو کہ آپ کے رب کو کسی بھی صورت میں منظور نہیں۔

زیر نظر مضمون میں شاہ ہلال صاحب نے خوب داد تحقیق بھی دی ہے اور علامہ ابن حجر جیسے آسمان علم وفضل کے ایک قول پر عالمانہ ومحققانہ گفتگو فرما کر بڑے ادب کے ساتھ حافظ ابن حجر کے تسامح کی طرف بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں آپ کی یہ تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

''واقدی نے ابوجعفر الباقر کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عباس نے فرمایا کہ فاطمہ اس وقت پیدا ہوئیں جب کعبے کی تعمیر ہو رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر شریف پینتیس سال تھی، مدائنی نے اسی روایت کو یقینی بتایا ہے۔ اور ابوعمر نے عبید اللہ بن محمد بن سلیمان بن جعفر الہاشمی سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ اس وقت پیدا ہوئیں جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر شریف اکتالیس سال ہو رہی تھی اور ان کی ولادت بعثت سے کچھ ہی قبل ہوئی، مثلاً سال بھر پہلے یا کچھ زیادہ اور وہ حضرت عائشہ سے پانچ سال بڑی تھیں، حضرت علی نے ان سے شادی کی سن ۲ھ میں حضرت عائشہ کے نکاح کے چار ماہ بعد۔

واقدی کی روایت کے اعتبار سے حضرت فاطمہ کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل ہوئی، اور ابن عبد البر کی روایت کے مطابق، ان کی ولادت اس وقت ہوئی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر شریف اکتالیس سال تھی۔ اگر اس روایت کو تسلیم کیا جائے تو حضرت فاطمہ کی ولادت بعثت نبوی کے بعد ہوتی ہے۔ ارباب تاریخ وسیر میں زبیر بن بکار کی روایت سب سے مختلف ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ اور صاحبزادے حضرت عبد اللہ کی ولادت بعثت کے بعد ہوئی، المنتخب کی عبارت حسب ذیل ہے:

فولدت له خديجة قبل ان يكرمه الله بما اكرمه من النبوة و الرسالة، القاسم و رقية و زينب و ام كلثم۔ و ولدت له فى الاسلام الطيب وهو عبد الله و فاطمة—(المنتخب من كتاب ازواج النبى ﷺ: ۳/۲۴)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نبوت ورسالت کے شرف سے مشرف ہونے سے قبل حضرت خدیجہ کو قاسم، رقیہ،

زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور حضرت خدیجہ کو زمانۂ اسلام میں جو اولاد پیدا ہوئیں وہ طیب یعنی عبداللہ اور فاطمہ ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر کے اس بیان میں کہ سیدہ کی ولادت آنحضرت کی عمر شریف کے اکتالیس سال میں ہوئی اور ابن بکار کی مذکورہ روایت میں اس طور پر مطابقت پائی جارہی ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی، یعنی اس عمر میں آپ کی نبوت کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔

عن ربیعۃ بن ابی عبد الرحمن عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ انہ سمعہ یقول کان رسول اللہ ﷺ لیس بالطویل البائن ولا بالقصیر ولا بالا بیض الامھق و لیس بالآدم و لیس بالجعد القطط ولا بالسبط۔ بعثہ اللہ علی رأس اربعین سنۃ— (بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی ﷺ)

ترجمہ : ربیعہ ابن عبدالرحمن کی روایت انس بن مالک سے ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ بہت لمبے تھے اور نہ کوتاہ (یعنی درمیانی مائل بہ درازی) آپ کا رنگ نہ بہت سفید تھا اور نہ سانولا، آپ کی زلف نہ بہت گھنگریالی تھی نہ بالکل سیدھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا۔

یہی حدیث صحیح مسلم میں ہے۔آخر کا جملہ یہ ہے:

انزل علیہ وھو ابن اربعین۔ (باب صفۃ النبی ﷺ و مبعثہ و سنہ)
یعنی چالیس سال کی عمر میں آپ پر وحی نازل ہوئی۔

تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر، ابن عبدالبر کا بیان نقل کرنے کے بعد لکھ رہے ہیں کہ ان کی ولادت بعثت سے ایک سال قبل ہوئی۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟ جب رسول اللہ ﷺ عمر شریف کے چالیسویں سال میں مبعوث ہوئے اور اکتالیس سال میں سیدہ زہرا پیدا ہوتی ہیں تو ان کا سال ولادت بعثت نبوی کا دوسرا سال ہونا چاہیے۔ ویسے محدثین اور اہل سیر میں زیادہ لوگوں کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت فاطمہ کی ولادت بعثت سے قبل ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب‘‘—(ایضاص:۴۹)

مجھ جیسے بے بضاعت لوگ حافظ ابن حجر جیسے صاحبان علم کی تحقیق کو بے کم و کاست اپنا لیتے ہیں، الگ سے تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اس لیے کہ ان جیسے اساطین امت کی ثقاہت کا تو زمانہ قائل ہے، مگر ان کے اقوال کا محققانہ مطالعہ شاہ ہلال احمد صاحب جیسے صاحبان علم ہی کا حق ہے، حضرت کے اس فعل سے یہ تحریک ملی کہ متون کے مطالعہ کے وقت بھی دقت نظر درکار ہے۔

پھلواری شریف کے کسی فرد فرید کی زبان وقلم ادب و بلاغت کے گہر نہ لٹائے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے جبکہ ان کے اجداد کی صدیوں کی تاریخ ادبی خدمات پر مشتمل ہے۔ جو بذات خود تحقیق کا موضوع ہے۔ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری صاحب کا تعلق بھی اسی مردم خیز سرزمین اور انسان ساز خانقاہ سے تھا، ذیل کے سطور میں ان کے قلم کی روانی دیکھیں اور لطف اندوز ہوں:

’’امت کی بیٹیوں کے لیے جگر گوشۂ رسول کی سیرت میں ایک اسوہ اور نمونہ ہے۔ اُمُّنا و اُمُّ جمیع

السادات الکرام سیدہ زہرا نور کا ٹکڑا تھیں، جمال مصطفیٰ کا عکس جمیل تھیں، شرافت نسبی میں بے مثال تھیں، حکمت و دانائی کی امین تھیں، زہد و پارسائی ان کی میراث تھی، عفت وطہارت پر کتاب الٰہی ان کی گواہ تھی، طاعت و عبادت ان کی فطرت تھی ''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' کے حوالے سے وہ اخلاقی قدروں کی جامع تھیں، کتاب وسنت کا علم ان کو ''مدینۃ العلم'' سے حاصل تھا، خدیجۂ طاہرہ کی آغوش ان کی درسگاہ رہی، مرکز وحی و رسالت کی نگہبانی نے ان کی شخصیت کے ہر گوشے مکمل کر دیے۔ ان کا نکاح عرب کے کسی دولت مند صحابی سے ہوسکتا تھا لیکن ایک ہاشمی مطلبی پروردۂ کنار نبی، درویش صفت، امام الزاہدین سید التارکین، قدوۃ العابدین، الفقیر الی اللہ اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کی زوجیت میں دی جاتی ہیں اور کبھی رسول اللہ سے علی کے فقر و تنگی معیشت کی شکایت نہیں کرتی ہیں''— (ایضاً ص: ۵۷)

۲- حبّ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے آثار و علامات :

علامہ موصوف کا یہ دوسرا مقالہ ہے جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے گویا ایک مکمل رسالہ ہے جو A4 سائز کے ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

زیر نظر مضمون میں موصوف نے خوب داد تحقیق دی ہے سب سے پہلے محبت کے لغوی و اصطلاحی معانی قاضی عیاض مالکی وغیرہ محدثین و محققین کے حوالے سے پیش فرمائے ہیں۔ پھر آیات واحادیث کی روشنی میں حبّ نبوی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

صحابہ وسلف کے عشق و محبت کے ایمان افروز واقعے نے گویا رنگ و روغن کا کام کر دیا ہے، ساتھ ہی ساتھ گستاخان نبی کی بھی خوب خوب خبرگیری کی گئی ہے۔

آپ نے سرخی قائم کر کے اس بات پر بھی کافی زور دیا ہے کہ صحابہ کرام اور دیگر ائمۂ سلف رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر ایسے فرماتے تھے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں کرتے تھے۔

آپ نے اس بات پر بھی کافی زور دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے کہ آپ کے متعلقین و منتسبین کی بھی خوب خوب تعظیم و توقیر کی جائے۔

آخر میں آپ نے پھلواری شریف میں جو موے مبارک ہے اس کی سند پیش فرمائی اور اس کے پھلواری شریف آنے کے سبب کو بھی بیان فرمایا، نیز موے مبارک شریف کس احترام کے ساتھ رکھا جاتا ہے اور کس قدر مؤدب ہو کر اس کی زیارت کرائی جاتی ہے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ سب سے آخر میں کتابیات کی فہرست دی ہوئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مضمون کی تیاری میں ۲۷/ اہم کتب و رسائل سے مدد لی گئی ہے۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادریؒ
دورحاضر کی ایک عظیم شخصیت

● صوفی محمد صابر حسین قادری مجیبی —— پھلواری منزل، بتھنا ہا کانٹی، مظفر پور

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف محتاج تعارف نہیں ہے۔ اس خانقاہ کو عالم پناہ کہا گیا ہے۔ یہاں کی عظمت و رفعت سے ہر کوئی بخوبی واقف ہے، یوں تو پھلواری شریف کو بزرگوں نے جنت نشاں کہا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں شرف الدین منیری بہاری قدس سرہٗ کے مخلص مرید اور تربیت یافتہ حضرت سیدنا مخدوم منہاج الدین راستیؒ نے اس قصبہ میں تبلیغ دین کی بنیاد رکھی تھی اور ان کی اولاد نے تقریباً دو سو سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ بعد میں اس خدمت کو حضرت خواجہ عماد الدین قلندر قدس سرہٗ، تاج العارفین حضرت سید شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہٗ نے اپنے عہد میں بخوبی انجام دیا۔ تب سے یہ قصبہ توحید کا علمبردار رہا۔

خانقاہ مجیبیہ کی بنیاد حضرت تاج العارفین، پیر مجیب اللہ قدس سرہٗ نے ڈالی، ان کے جانشین حضرت سید شاہ نعمت اللہ قادری و حضرت فرد الاولیا ابوالحسن فردؒ، حضرت مولانا علی حبیب قادری نصرؒ، فیاض المسلمین حضرت سید شاہ مولانا محمد بدر الدین قدس سرہٗ، محی الملۃ والدین حضرت سید شاہ محی الدین قدس سرہٗ، امان المستجیرین حضرت سید شاہ امان اللہ قدس سرہٗ حضرت مولانا سید شاہ رضوان اللہ قادری قدس سرہٗ اور خانقاہ مقدس کے دیگر مقدس بزرگوں نے سینچا۔ ان بزرگوں کی روحانیت نے خانقاہ ہی نہیں بلکہ ہند اور بیرون ہند تک دین کی اشاعت اور تبلیغ کی۔ انہیں عظیم ہستیوں میں جید عالم دین، فاضل متین، مصنف، ادیب و شاعر محقق شیریں بیان مقرر، علم و عرفان، سلوک و تصوف میں اعلیٰ مقام رکھنے والے حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی نور اللہ مرقدہٗ بھی تھے۔ جو اپنی گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے۔ نہایت خوش اخلاق، مہمان نواز، تواضع و انکساری اور اپنے بزرگوں کے دیرینہ روایات کے امین تھے۔

این سلسلہ طلائے ناب است ❁ این خانہ ہمہ آفتاب است

عاجز حقیر جب خانقاہ عالم پناہ میں ۱۹۶۷ء کو بیعت ہونے کے لئے گیا تو اتفاق سے پہلی ملاقات حضرت سید شاہ ہلال احمد قادریؒ سے ہوئی، ان کی عمر اس وقت تقریباً دس سال تھی۔ میرے علاقہ کے مولوی صوفی سلیم صاحب مرحوم کے صاحب زادے مولانا عبد الماجد صاحب ان کے ہم سبق تھے ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم کا دور تھا۔ ان کی گفتگو اور شیریں بیانی سے احقر محظوظ ہوا۔ آپ کے والد گرامی حضرت سید شاہ عین احمد قادریؒ عین جوانی میں ۳۲ سال کی عمر میں وفات پا چکے تھے۔ آپ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ اپنے جد مکرم حضرت مولانا سید شاہ نظام الدینؒ (جنہیں لوگ سنجھلے سرکار کہا کرتے تھے) کی کفالت و تربیت میں ان کی سرپرستی ہونے لگی۔ تعلیم کا زیادہ تر حصہ آپ نے انہیں سے حاصل کیا۔ جد امجد نے یتیمی کا غم محسوس نہیں ہونے دیا۔ احقر جب بھی سنجھلے سرکار کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضرت شاہ صاحبؒ کو ضرور پاتا۔ اپنے پیر و مرشد حضرت سید شاہ امان اللہ قادری قدس سرہٗ اور اپنے خال مکرم حضرت مولانا سید شاہ عماد الدین قادریؒ سے فقہ و اصول، تفسیر و حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ بخاری شریف اور حدیث کی دیگر کتابیں اپنے چچا حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ سے پڑھ کر بیس سال کی عمر میں ۱۹۷۷ء میں دار العلوم مجیبیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد سے ہی اپنے آبا و اجداد کے طریقہ پر علوم دینیہ کی تدریس دار العلوم مجیبیہ میں ہی شروع کی۔ حالیہ وقت میں صحیحین کی تدریس بھی آپ ہی کے ذمے تھی۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد آپ نے باطنی علوم بھی اپنے پیر و مرشد حضرت سید شاہ امان اللہ قادری قدس سرہٗ سے حاصل کی۔ اپنے عم مکرم حضرت سید شاہ عون احمد قادریؒ سے اور پھر اپنے خال معظم حضرت سید شاہ محمد عماد الدین قادریؒ سے باطنی استفادہ کیا۔ آپ کو اپنے پیر و مرشد سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔ حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ کی ذات نے خانقاہی انداز و اطوار کو شہرت دی۔ خانقاہی ماحول کے ساتھ مدرسہ و افتاء کے وقار میں بھی کمی نہیں ہونے دی۔ ایک طرف آپ معتبر عالم دین، فاضل متین، صوفی صافی بزرگ کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہیں دوسری طرف سماجی کاموں میں بھی پیش پیش رہا کرتے تھے۔ آپ ہر چھوٹے بڑے سے ملا کرتے تھے، اپنے عمدہ اخلاق کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ سے قریب ہو جاتے تھے۔ اپنے علم و عمل، تقویٰ و پرہیزگاری، عاجزی و انکساری میں اپنے اسلاف کے پیروکار تھے۔ ان کی روایتوں کے امین تھے۔

شاہ صاحبؒ ایک زندہ دل انسان تھے، ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اپنے علم و عمل سے بہتوں کو فائدہ پہنچایا۔ آپ حلقۂ علم و ادب اور ارباب فکر و فن کے مابین ایک نمایاں شناخت رکھتے تھے۔ بزرگوں کی روایات و خانقاہی نظام کے پاسبان اور امین بن کر تاحیات تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

راقم الحروف کے لڑکے کی شادی تھی احقر نے شاہ صاحبؒ سے شرکت کرنے کی گذارش کی۔ آپ نے فرمایا پہلے جناب حضور سید شاہ رضوان اللہ قادریؒ سے اجازت لے کر آئیے۔ حقیر نے صاحب سجادہ سید شاہ رضوان اللہ قدس سرہٗ سے گذارش کی آپ نے حقیر کی گذارش قبول فرمائی۔ چونکہ اس حقیر پر سرکار کا بڑا کرم تھا، بڑی شفقت ومحبت کی نگاہ رہتی اور ہمیشہ حقیر پر نگاہ کرم ہوا کرتا تھا۔ آپ نے موجودہ صاحب سجّادہ جناب حضور سید شاہ آیت اللہ مدظلہ العالی وحضرت شاہ ہلال احمدؒ کو اس حقیر کے غریب خانہ پر تشریف لے جانے کی اجازت فرمائی۔ میری خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ حقیر نے دونوں حضرات سے سفر کے سلسلے میں تبادلۂ خیال کیا۔ شاہ صاحبؒ نے بے باک فرمایا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم لوگوں کو اپنے گھر جانا ہے، ہم لوگ یہاں سے آپ کے گاؤں بتھنا ہاں پہونچ جائیں گے۔ حضرتؒ کی اس بات سے میری آنکھوں سے خوشی کے چشمے پھوٹ پڑے، بے حد ممنون ومشکور رہوا۔ وقت معینہ پر دونوں حضرات میری بستی بتھنا ہاں جو مظفر پور سے ۲۲ رکیلومیٹر کی دوری پر ہے، تشریف لائے۔ اس حقیر کی حوصلہ افزائی فرمائی، بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ ملتے رہے۔ آپؒ نے فرمایا ہم لوگوں کے لئے مہمان نوازی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اپنے گھر آئے ہیں اور آپ کی مشغولیت اور مصروفیت میں شامل ہوں گے۔ یہ ہمدردی حضرت شاہ ہلال احمدؒ اور جناب حضور مدظلہ العالی کی اس حقیر ناچیز پر ہوئی۔ جس کا حقیر اکثر ممنون وشکر گذار رہا۔

بزرگان دین کے احوال ومقامات رقم کرنے میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ خانقاہ مجیبیہ کے مفصل حالات بھی آپ ہی نے تحریر فرمائی ہے۔ سہ ماہی ’’المجیب‘‘ میں کثرت سے آپ کے مضامین شامل ہوتے رہتے۔

حضرت کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ

(۲) سیرت پیر مجیبؒ

(۳) خانوادہ سیدہ زینبؓ

(۴) القول السدید

(۵) یزید حقائق کے آئینے میں

(۶) نغمات الانس فی مجالس القدس

سیرت پیر مجیبؓ (حضرت تاج العارفین مجیب اللہ قادریؓ) کے انتساب میں لکھتے ہیں:

’’اس کتاب کا انتساب اپنے دادا ابا حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادریؒ کے نام کرتا ہوں جن کی شفقت بھری آغوش میں ڈھائی سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک میں نے پرورش پائی۔ میں انہیں کا ساختہ، پرداختہ اور پروردہ ہوں۔‘‘

اپنے روحانی شیخ ومرشد کے بارے میں رقمطراز ہیں:

’’اپنے مربی اور روحانی شیخ و مرشد حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے نام کرتا ہوں جو حضرت تاج العارفین کی مسند کی سجادگی پر فائز اپنے عہد کے تاج العارفین تھے۔ان کو دیکھ کر طریقت اور معرفت کا معیار سمجھ میں آتا تھا اس گنہگار پر ان کا بڑا کرم رہا۔اس کے علمی مشغلوں سے اُن کو بہت خوشی ہوتی تھی۔اس کتاب کی تالیف سے ان کو بہت ہی زیادہ مسرت ہوتی‘‘۔

اے صاحب کرامت شکرانہ سلامت
روزے تفقدے کن درویش بے نوارا

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ اس دار فانی کو خیر باد کہہ کے نہ صرف بزم خانقاہی بلکہ تمام حلقۂ سُنّیت کو غمزدہ کر دیا۔ان کی تصانیف، تحقیقات و توضیحات ان کی یادگار ہیں۔وہ زبان وقلم کے عظیم مجاہد موت العالِم موت العالَم کے مصداق تھے۔آپ کی حیات طیبہ محبت و الفت نبوی ﷺ کا کامل نمونہ تھی۔جس کا نتیجہ تھا کہ آپ کا وصال بھی ۶۳ سال کی عمر میں دوشنبہ کو ہوا۔اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب پاک جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے صدقے میں حضرت کی دینی خدمات اور بے شمار نیکیوں کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔ان کی قبر پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔آمین ثم آمین!

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

اپیل

مضمون نگاروں سے اپیل ہے کہ ’’المجیب‘‘ میں اشاعت کے لئے مسودہ کی اصل کاپی بھیجیں۔ عکسی کاپی ناقابل اشاعت ہوگی۔

منیجر

سہ ماہی ’’المجیب‘‘ پھلواری شریف، پٹنہ

احوال وآثار

فخرالمتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ایک عبقری شخصیت

● ڈاکٹر سید شمیم احمد قادری امانی —— شریف کالونی، پٹنہ

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسماعیل

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ تابندہ آفتاب خانوادۂ پیر مجیب قدس سرہٗ، عہد حاضر میں برصغیر ہند و پاک، بنگلہ دیش بلاد اسلامیہ کے ممتاز عالم دین، مصنف، پاسبان حق، اپنے اسلاف کرام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ قول و فعل، تحریر و تقریر کی سادگی، شگفتگی، مزاج میں یکتا، آپ بلاشبہ وارث علم و معرفت تھے۔ آپ کی تبحر علمی، مہارت فن تحریر اور زور قلم ایک طرف اور دوسری طرف آپ کے زور بیان، حسنِ تقریر آپ کی عبقری شخصیت کو چار چاند لگاتے تھے۔

آپ حضرت قمر طلعت حضرت مخدومنا مولانا سید شاہ محمد قمر الدین قادری قدس سرہٗ کے نواسے اور حضرت امام المتقین الحاج مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت شعبان ۱۳۷۷ھ بمطابق ۱۹۵۷ء میں ہوئی۔ آپ کا وصال ۱۱رمحرم ۱۴۴۲ھ بمطابق ۳۱راگست ۲۰۲۰ء عین یوم زیارت موئے مبارک ﷺ ہوا۔ مدت عمر شریف ۶۳ سال بہ نقش پائے نبی کریم ﷺ! آمین!

آپ کی عمر شریف پانچ (۵) سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد الحاج مولانا سید شاہ عین احمد قادری قدس سرہٗ کا ۳۲ رسال کے سن میں اس دارفانی سے دارالبقاء میں تشریف لئے گئے۔ اس وقت لوگوں کو کیا معلوم تھا کہ یہ دُرِ یتیم اپنے جد سراج العلما و امام المتقین حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ کی آغوشِ رحمت میں پرورش پا کر فخر خانوادۂ پیر مجیب قدس سرہٗ بننے والا ہے۔

عظیم المرتبت جد نے اپنے جگر گوشہ کی ذات میں ایام طفلی سے ایام شباب تک علمی اور روحانی اقدار کی بنا ڈال دی۔ علاوہ ازیں اپنے پیر و مرشد غوث الوقت امان المستجیرین حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ اور اپنے سگے ماموں معظم حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد عماد الدین قادری علیہ الرحمۃ سے اکتساب علم کرنے کا شرف حاصل کیا اور اپنے بڑے چچا سید العلماء حضرت الحاج مولانا سید شاہ عون احمد قادری قدس سرہٗ سے بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث پڑھکر درسیات کی تعلیم مکمل کی اور دار العلوم مجیبیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ بلا شبہ سید العلماء ہو گئے اور اپنی تبحر علمی سے روحانی اور اخلاقی مسائل کا حل فرماتے تھے۔

آپ درس و تدریس کے فن میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ صغیر سن اور کبیر سن دونوں نے آپ سے اکتساب علم کیا۔ اسی لئے آپ کو اُستاد الکل کہنا آپ کی شخصیت کے عین مطابق ہے۔ ایک طویل اور اذیت رساں علالت میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کو شہادت کا درجہ ملا۔ آپ کی رہبری اور سرپرستی میں ادبی و اخلاقی علوم سے ایک نسل مستفید ہوتی رہی ہے۔

آپ میرے محسن و مربی ہیں۔ مجھ جیسے نااہل انسان کو اس قابل بنایا کہ فخر المشائخ حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ صاحب قادری روحی فداہ کے حکم کی تعمیل کروادی۔ مجھ گنہگار، ذلیل آدمی سے اپنی شاہکار تصنیف ''سیرت پیر مجیب قدس سرہٗ کا برزبان انگریزی بہ عنوان The Magnificence of Peer Mujeeb (QS) ترجمہ کرنے کا شرف عطا فرمادیا اور کتاب کا مقدمہ تحریر فرما کر مجھ حقیر کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ حضرت مخدومنا نے ابھی حالیہ تصنیف سوانح ہمارے والدین الحاج سید محمد احمد قادری مرحوم دست گرفتہ محی الملۃ والدین الحاج مولانا سید شاہ محمد محی الدین قادری قدس سرہٗ مرتب کروادی۔

ہم سب برادران، ڈاکٹر سید وسیم احمد قادری امانی، پروفیسر سید عزیز احمد قادری امانی، ڈاکٹر سید سمیع احمد قادری امانی، ڈاکٹر سید ریاض احمد قادری امانی اور احقر سید شمیم احمد قادری امانی حضرت مخدومنا کے دائماً اور ابداً ممنون و مشکور رہیں گے۔ حضرت فخر المتوکلین الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کی قیمتی تقریظ قلمبند فرمائی اور اس کے علاوہ اپنے نوکِ قلم سے ایک بیش بہا مقالہ بعنوان ''ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی''، ہمارے والد الحاج سید محمد احمد قادری مجیبی کے گوشہ حیات پر تحریر فرما کر کتاب کو افادیت و حسن و جمال کی ندرت سے نوازا ہے۔ رب الکریم حضرت مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ ان سے ان کے فیوض سے ہم غلام غِلامان پیر مجیب قدس سرہٗ کو ہمارے والدین مرحومین کی ارادت کا اہل بنادے اور ان کی والدہ ماجدہ مدظلہا اور جمیع پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما کر نعم البدل سے سرفراز کردے۔ آمین!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

خادم شرع مبیں

● پروفیسر عزیز احمد مرحوم — شریف کالونی، پٹنہ

ہماری آنکھیں ابھی تک خشک نہیں ہوئی ہیں ’’میں کیسے بھلاؤں اب تو یاد ے پڑے دن رتیاں‘‘
یہ ایک عظیم حادثہ ہے ہمارے خاندان کا ذاتی نقصان ہے، جس کی کمی ہمیشہ محسوس کی جائے گی۔

اسلاف کے کارناموں کے امین ہمارے کرم فرما الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی جعفری زینبی کی پیدائش ۱۳۷۷ھ میں ہوئی، صرف پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے، آپ کو حیات نبوی عطا ہوئی یعنی ترسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ یہ آپ کے درجات کی بلندی کا پتہ دیتا ہے، علم وتصوف کے قد آور ستون تاریخ میں ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔

تقریباً ۲۰؍سال اپنے جد مکرم امام المتقین سید العلما حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادری مجیبی جعفری زینبی قدس سرہٗ کے سایہ میں پرورش ہوئی، تعلیم کا زیادہ تر حصہ آپ ہی کے کرم سے پورا ہوا۔

آپ کے ہم مکتب حضرات نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ وہ شاہ ہلال احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب سے آگے ہیں۔

حج کی سعادت :

آپ کی معیت میں حج بیت اللہ کا سفر میں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ کیا، یہ نومبر ۲۰۰۶ء کا تیسرا ہفتہ تھا کہ ہماری حاضری خانقاہ عالم پناہ میں ہوئی، یہ محض اتفاق تھا، ہماری ملاقات مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، وہ اپنے اہل وعیال کے حج کے کاغذات مرتب کرنے میں مصروف تھے، ہمیں دیکھ کر انھوں نے فوراً کہا ’’عزیز بھائی‘‘ آپ نے عمرہ کب کیا؟ جواب تھا ۱۹۸۷ء میں، فوراً انھوں نے کہا کہ اب آپ کو حج کر لینا چاہیے۔

انھوں نے کہا: ’’آپ میرے ساتھ چلیں ہمیں خوشی ہوگی۔‘‘

میں نے فوراً آپ کی قیادت ورہنمائی میں رضامندی ظاہر کر دی۔

حج کمیٹی میں درخواست بھیجی گئی جس میں یہ استدعا کی گئی کہ ۲۰؍ دسمبر کی تاریخ میں روانگی ہو لیکن اللہ کا جب حکم ہوتا ہے تب ہی انسان سفر میں جاتا ہے، آخر میں ۸؍ دسمبر ۲۰۰۶ء بہ مطابق ۱۷؍ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ کو میں اپنے عزیز و اقارب سے رخصت ہو کر کلکتہ روانہ ہوا، یہاں پر سفر حج کی پوری تفصیلات لکھنا مقصود نہیں ہے۔

دورانِ سفر حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کی قیادت و رہنمائی میں سارے کام انجام پائے، ان کے اس احسان کا بدلہ نہیں ادا کر سکوں گا، ہر موقع پر انہوں نے ہمارا پورا خیال رکھا۔

بحمد اللہ سفر مکمل ہوا لیکن چند باتیں ہمیشہ ذہن میں رہ گئیں، ہر کھانے اور ناشتے کے وقت حضرت علیہ الرحمہ دریافت کرتے تھے کہ آپ لوگ فارغ ہوئے۔

انہوں نے کہا کہ عزیز بھائی آپ کو کوئی خریداری وغیرہ کرنی ہے تو آپ ہم سے بطور قرض لے لیں، اس پر ان کا اصرار تھا، میں نے ہر بار ان کا شکریہ ادا کیا، ایک موقع ایسا آیا کہ عرفات سے منیٰ کے دوران ہمارے سامان کو باوجود ہمارے منع کرنے پر اٹھانا شروع کیا، ان دنوں ہمارے پیر میں درد کی شکایت رہا کرتی تھی۔

یہ ان کا اخلاق کریمانہ کا مظہر تھا۔ ہر وقت انہوں نے ہمارا خیال رکھا کہ ہمارا احرام قائم رہے، تمام حج میں دعائیں وہ پڑھتے تھے اور ہم سب لوگ اس کو دہراتے تھے۔ ولی کی تمام صفتیں آپ میں موجود تھیں۔ فارمولہ یہی تھا کہ سب کا خیال رکھیں، اللہ آپ کا خیال رکھے گا۔

آپ کی تمام تصنیفات آپ کی علمی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں، یعنی بولتی تصویر آپ کی تقاریر تمام تر مسلکی اختلافات سے دور ہیں، آپ عالم با کمال اور ایک بلند پایہ معلم بھی تھے، آپ نے ہمیشہ اپنے بزرگوں کی روایت کو قائم رکھا، آپ ایک امین کی حیثیت سے با کمال شخص تھے، آپ نے ہمیشہ وعدے کا پاس رکھا۔

امامت کا معاملہ بھی عجیب ہے اکثر ایسا ہوا کہ آپ سے درخواست کی گئی کہ نوری مسجد میں آپ امامت فرمائیں، جواب میں آپ نے کہا: ''وہاں ایک امام مقرر ہیں، وہی نماز پڑھائیں۔''

ہمارے غریب خانہ ''بیت الامان'' شریف کالونی پٹنہ میں ہر سال ۸؍ رمضان المبارک کو ہمارے والد رحمۃ اللہ علیہ کی برسی ہوا کرتی ہے، اس سلسلے میں قرآن خوانی اور میلاد شریف کی صدارت آپ ہی فرماتے تھے، اس کے علاوہ ہمارے یہاں تمام قل و فاتحہ کے میر مجلس رہے، آپ کے وصال کے بعد بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، آپ کی تقاریر میں ہمیشہ علم و فکر کا پہلو ہوا کرتا تھا۔

ان کے ساتھ ہمارا دہلی، کلکتہ، بنارس اور مظفر پور کا سفر اکثر ہوا۔ ان تمام سفروں میں آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے۔ آمین!

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ❁ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

مولانا شاہ ہلال احمد قادری

صاحب علم و معرفت شخصیت

• جناب نعیم اختر مجیبی —— کراچی، پاکستان

آج میں اس شخص کے لیے قلم اٹھا رہا ہوں جو ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو چکا ہے، جن کا نام عزیزم برادر سید شاہ ہلال احمد قادری ہے، ان کو مرحوم لکھتے ہوئے بھی، جو میرے جذبات اور دل کی کیفیت ہے، وہ الفاظ میں نہیں لکھ سکتا، مشیت الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے، یہ میرے رب کا حکم ہے، یوں تو وہ مجھ سے تقریباً پانچ سال چھوٹے تھے، لیکن رتبے میں وہ مجھ سے بہت بڑے تھے، ان کو میں ہمیشہ شاہ صاحب کہہ کر مخاطب کرتا تھا، بہت سے معاملات میں ہم دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی تھی، بچپن میں ہی وہ یتیم ہو چکے تھے، ان کے والد سید شاہ عین احمد قادری جوانی میں ہی دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے، ان کی ساری کفالت اور تربیت ان کے دادا نے اپنے ذمہ میں لی، ان کے دادا سید شاہ نظام الدین قادری قدس سرہٗ جو خود ولی کامل تھے، (امام المتقین)، انہوں نے دارالعلوم مجیبیہ کے اساتذہ سے تحصیل علم کیا، انہوں نے ہندوستان کے کسی بڑی درس گاہ سے تعلیم حاصل نہیں کی، بلکہ اپنے بزرگوں کی درس گاہ سے علم حاصل کیا، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے علم میں کمال عطا کیا، جو ان کی تحریر میں نظر آتا ہے، انہوں نے ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ (امان المستجیرین) اور اپنے خال مکرم مولانا سید شاہ عماد الدین قادری اور اپنے عم مکرم مولانا سید شاہ عون احمد سے باطنی استفادہ کیا۔ اپنے بزرگوں کی دعا سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو خانقاہ، بلکہ پورے صوبہ بہار میں منفرد مقام عطا کیا، وہ اپنے عہد میں علمی و روحانی اور ادبی اعتبار سے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، ان کے مضامین پہلے بھی شائع ہوتے رہے ہیں، لیکن ان کی پہلی مکمل کتاب سوانح سید شاہ امان اللہ قادری ہے۔ جو تقریباً ۳۰ر سال کی عمر میں اپنے پیر و مرشد کے وصال کے بعد ان کے حالات و

کمالات پر تالیف کی ۔ یہ کتاب تقریباً ۵۰۰ رصفحات پر مشتمل ہے، دوسری تصنیف ان کی بہت ہی اہم ترین خدمت تھی، یعنی بانی خانقاہ کی سیرت پر تالیف ، آپ نے اس فرض کو احسن طریقے سے ادا کیا، بانیٔ خانقاہ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہ پر ایک مفصل کتاب (سیرت پیر مجیب) ہے، جو تقریباً ۵۰۰ رصفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک تحقیق و تدقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے اور متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، آپ کی دیگر تصانیف میں خانوادہ سیدہ زینب، نغمات الانس فی مجالس القدس، یزید حقائق کے آئینے میں، القول السدید یہ سب تالیفات تحقیق کے اعلیٰ معیار پر ہیں ۔ان کے علاوہ آپ کے مضامین خانقاہ مجیبیہ کے مجلہ (المجیب) میں برابر شائع ہوتے رہے ہیں، ان کو جمع کیا جائے تو وہ دو ضخیم کتابوں پر مشتمل ہوں گے، ان کے علاوہ آپ نے دارالافتا خانقاہ مجیبیہ سے فتویٰ بھی دیئے ہیں، وہ عشق رسول سے سرشار تھے اور اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی عشق رکھتے تھے، جب وہ پاکستان آتے تھے تو ہم لوگوں کے ساتھ فجر کی نماز کے بعد چائے کا ایک دور چلتا تھا، جس سے بہت سی دینی اور علمی معلومات میں اضافہ ہوتا تھا، بہت سی کتابوں پر تبصرے بھی ہوتے تھے، وہ سیر حاصل گفتگو ایک ادبی اور علمی مجلس کی شکل اختیار کر لیتی تھی، جہاں ان سے ایک رشتہ میرا بڑے بھائی کا تھا، وہاں دوسرا رشتہ بہنوئی کا بھی تھا، جس کو وہ بخوبی نباہتے تھے، میرے لیے اور میرے اہل وعیال کے لیے یہ ایک خوش قسمتی ہے، انہوں نے ہماری بچیوں کا نکاح پڑھایا اور ہماری دعوت پر خوشیوں میں شریک ہوئے، جو انہوں نے اپنے بزرگوں کی پیروی کی، وہ ہمیشہ خانقاہ مجیبیہ سے وابستہ رہے اور پورے بہار میں اس کی بہترین نمائندگی کرتے رہے، ان کی گراں قدر خدمات خانقاہ مجیبیہ کے ساتھ رہیں، وہ سنت نبوی کے بعد اپنے اکابرین اور اسلاف کی پیروی کرتے رہے اور اپنے دوسرے لوگوں کے لیے مشعل راہ رہے ۔آہ! اب یہ سرمایہ خانقاہ مجیبیہ ہم لوگوں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا۔ان کا کشادہ اور روشن مسکراتا ہوا چہرہ آج بھی نظروں کے سامنے رہتا ہے، عمر کے جس حصے میں انہوں نے دنیائے فانی سے رخت سفر باندھا، وہ ۶۳ رسال کی عمر تھی اور پیر کا دن تھا، وہ حضور ﷺ سے شدید محبت کا فیض تھا، اب یہ نیر تاباں ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اپنے اکابرین اور اسلاف کے ساتھ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے ۔آمین!

✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻

عم مکرم حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ

● سید جعفر احمد مجیبی — متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پھلواری شریف پٹنہ کا مشہور اور قدیم علمی و روحانی خانوادہ جو خانوادہ زینبی وجعفری کے نام سے معروف ہے اس سے ہر دور میں ایسی شخصیتیں ابھرتی رہی ہیں جنہوں نے اپنے علمی وادبی اور روحانی کمالات سے اہل زمانہ کو فیضیاب کیا ہے اور گمراہی و جہالت کی تاریک راہوں کو روشن ومنور کر دیا ہے۔ ان ہی میں سے ایک ایسی شخصیت ہمارے درمیان سے رخصت ہوئی ہے جو اس دور میں صوبہ بہار کے لئے باعث افتخار تھی اور جس کے علمی اور تحقیقی کارنامے اہل علم واہل تصوف کے نزدیک قابل ستائش تھے۔ وہ شخصیت ممتاز عالم دین، نامور مصنف ومحقق عم مکرم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک ذات ہے۔

پھلواری شریف میں واقع خانقاہ مجیبیہ نے صدیوں سے صوبہ بہار کے باشندگان کو ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے علوم وروحانیت سے مستفید کیا ہے اور آج بھی یہ علمی وروحانی خانقاہ اسلامی علوم کی نشر واشاعت کے ساتھ تصوف و سلوک میں بھی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری کا تعلق اسی خانقاہ سے تھا اور آپ اسی جعفری وزینبی خانوادہ کے ایک اہم فرد تھے۔

خانقاہ مجیبیہ کی مشہور ومعروف شخصیت استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہ (م ۱۴۰۲ھ) کی ذات گرامی علم ومعرفت اور شریعت وطریقت کی جامع شخصیت تھی۔ وہ امیر شریعت اول بدر الکاملین حضرت اقدس مولانا سید شاہ بدر الدین قادری (م ۱۳۴۳ھ) کے فرزند ثالث تھے۔ ان کے دو صاحبزادگان تھے، حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۸ھ) اور حضرت مولانا شاہ عین احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۲ھ)

دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ عین احمد قادریؒ بھی بڑے ذی علم اور صاحب تقوی تھے۔ اللہ تعالی کی مشیت

سے وہ عین جوانی میں ہی ۳۲ سال کی عمر میں وفات پا گئے تھے۔مولانا شاہ ہلال احمد قادری ان کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔

مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی ولادت ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں ہوئی تھی۔بچپن میں ہی والد محترم کی طویل علالت کا زمانہ آپ نے دیکھا اور پھر پانچ سال کی عمر میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔اس وقت سے آپ کے جد مکرمؒ نے آپ کو اپنی نگرانی وسرپرستی میں رکھا اور آپ کی ظاہری و باطنی دونوں طرح سے تربیت فرمائی۔

آپ کی تعلیم ابتداء سے جد مکرم حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادریؒ کے پاس ہوئی اور متوسطات تک تمام کتابیں ان ہی سے پڑھیں۔اس کے بعد دارالعلوم مجیبیہ میں دوسرے اساتذہ کرام سے تکمیل کی۔ان اساتذہ میں حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ،حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ،حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادریؒ،حضرت مولانا شاہ نعمت امام قادریؒ،حضرت مولانا مقبول احمد صدیقیؒ اور دیگر حضرات تھے۔آپ نے صحیحین اپنے عم مکرم حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ سے پڑھی۔

آپ ۱۹۷۷ء میں بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔دارالعلوم مجیبیہ کے ایک اجلاس میں آپ کے پیرومرشد حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ نے اپنے دست مبارک سے آپ کو دستار فضیلت باندھی اور سند فراغت عطا فرمائی۔اس اجلاس میں آپ نے آیت نور کی تفسیر وتشریح پر ایک مقالہ بھی پیش کیا تھا۔

آپ نے فراغت کے بعد سے ہی اپنے پیرومرشد کے حکم سے دارالعلوم مجیبیہ میں تدریسی خدمات انجام دینی شروع کر دی تھیں۔اس وقت ابتدائی کتابیں آپ سے متعلق ہوئی تھیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی آپ کے بزرگوں نے آپ کی صلاحیت دیکھ کر منتہی کتابیں بھی آپ کے ذمہ کر دیں۔بہت محنت سے پوری تیاری کے بعد آپ پڑھاتے تھے۔آپ نے درس نظامی کی تقریباً تمام کتابوں کا درس دیا۔بعد میں صحیحین کی تدریس بھی آپ کے ذمہ ہو گئی تھی۔دارالعلوم میں آپ کی تدریس کا زمانہ چالیس سالوں پر محیط ہے۔

اپنے چھوٹے عم زاد بھائیوں اور بھتیجوں پر آپ کی بڑی شفقت ومحبت تھی۔ہم سب بھائی بہن آپ کو چچا جان کہتے تھے۔ہمارے گھر پر آپ کی تشریف آوری اکثر ہوتی تھی۔دادا ابا حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ کا زمانہ تو میں نے نہیں دیکھا مگر سنا ہے کہ ان کی خدمت میں آپ کثرت سے آتے تھے اور خصوصاً ''سوانح حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری'' کی تالیف کے وقت معلومات کے حصول کے لئے آپ کی آمد زیادہ ہوتی تھی۔بعد میں ہمارے والد ماجد مولانا بدر احمد مجیبی کے پاس بھی تشریف لاتے۔والد صاحب آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔چائے پیش کی جاتی،نوش فرماتے اور ہم لوگوں سے شفقت سے باتیں کرتے۔دونوں بھائیوں میں بہت محبت تھی۔علمی گفتگو شروع ہو جاتی،نئی کتابوں کا ذکر آتا،جو کتابیں زیر تصنیف ہوتیں ان کے متعلق باتیں ہوتیں۔اس طرح کافی دیر تک یہ محفل جمی رہتی۔

ہم لوگ بھی اکثر آپ کے یہاں حاضر ہوتے۔ بہت شفقت ومحبت فرماتے۔ بچپن میں ہم لوگوں کو آپ کے یہاں ٹافی یا مٹھائی ضرور ملتی تھی۔ ہمارے ندوۃ العلماء لکھنؤ جانے کے بعد جب ہم چھٹی میں گھر آتے اور ملاقات ہوتی تو خیریت پوچھتے، تعلیم کے متعلق دریافت کرتے۔ اسی طرح خاندان کے تمام بچوں کے ساتھ آپ کی شفقت ومحبت کا معاملہ تھا۔ ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک آپ کا خاص وطیرہ تھا۔

چچا جان نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور دعوت الی اللہ میں گزاری، علم ومعرفت کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ کی سحر بیانی عوام کے علاوہ اہل علم کے لئے بھی کشش کا باعث تھی۔ آپ کی تحریریں قارئین کے دل ودماغ پر اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتیں۔ آپ نے دو مرتبہ حج بیت اللہ کیا اور زیارت بارگاہ نبوی سے سرفراز ہوئے۔ متعدد مرتبہ عمرے کے سفر پر تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ عراق کا بھی سفر فرمایا اور وہاں بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ حج کا سفرنامہ بھی ''ایک بے مایہ کا سفر حج'' کے نام سے تحریر فرمایا جو سہ ماہی المجیب میں قسط وار شائع ہوا اور بہت پسند کیا گیا۔ آپ کی متعدد اہم اور تحقیقی تصانیف ہیں جن میں سب سے اہم ''سیرت پیر مجیب'' ہے۔ اس کے علاوہ سوانح حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادریؒ، خانوادہ سیدہ زینبؓ، نغمات الانس فی مجالس القدس، یزید حقائق کے آئینے میں، القول السدید جیسی تحقیقی کتابیں اور پچاسوں مقالات ہیں۔ آپ کے فتاوی بھی ہیں۔

اہل علم آپ کے نئے مضامین اور تصنیف کا انتظار کرتے تھے۔ آپ کی تصنیف اشاعت کے بعد جلد ہی ختم ہوجاتی اور دوسری اشاعت کی ضرورت پیش آتی۔ اس سے آپ کی تصانیف کی مقبولیت ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کی آخری تصنیف ''القول السدید'' کے بعد لوگ آپ کی نئی تصنیف کے منتظر تھے کہ اچانک ہمارے چچا جان نے ساری مخلوق سے اپنا ناطہ توڑ لیا اور اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے لحد کی تاریکیوں میں جا کر سو گئے۔

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

آپ کو ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ کے آخر عشرہ سے بخار کا سلسلہ شروع ہوا، دس پندرہ دنوں تک گھر پر ہی علاج ومعالجہ چلتا رہا۔ بعد میں سانس لینے میں بھی تکلیف ہونے لگی تو دس ذی الحجہ کو ہارون نگر کے سوفین ہوسپٹل میں ایڈمیٹ کیا گیا۔ وہاں آکسیجن لگایا گیا تو آرام ملا۔ لیکن دو روز کے بعد پھر طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو پٹنہ ایمس میں ایڈمیٹ کیا گیا۔ وہاں ایک مہینہ تک علاج ہوتا رہا۔ ہر طرف سے دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا مگر اللہ رب العزت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ۱۱ر محرم الحرام ۱۴۴۲ھ دوشنبہ مطابق ۳۱ر اگست ۲۰۲۰ء کو سب کو روتا چھوڑ کر اپنے خالق ومالک سے جا ملے۔ اس المناک سانحہ پر چچا جان کا ہی ایک شعر یاد آرہا ہے جو انہوں نے ہمارے دادا ابا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر کہا تھا۔ حقیقت میں یہ شعر ان پر بھی صادق آرہا ہے۔

زفوتش چہ پرسی کہ رخصت شدہ
علوم و معارف،فنون وادب

آہ! وہ منظر کبھی نہیں بھول سکتا جب آپ کا جنازہ ایمس سے خانقاہ لایا گیا۔عشاء کے بعد کا وقت تھا۔جناب حضور شاہ آیت اللہ قادری مدظلہ، ہمارے والد ماجد، چھوٹے ابی مولانا شاہ مشہود احمد قادری اور خاندان کے دیگر لوگ زاروقطار رو رہے تھے۔چھوٹی دادا (چچا جان کی والدہ) جو ہمیشہ صبر وتحمل کا پیکر رہیں وہ بیتاب و بے قرار تھیں۔چچی جان اور بہجت بھائی کا برا حال تھا۔جناب حضور مدظلہ نے خانقاہ کے ایک حصہ میں اپنے سامنے مکمل غسل کا انتظام کرایا اور غسل کے بعد خود جناب حضور مدظلہ، والد صاحب، منہاج بھائی، فضائل دادا اور دیگر حضرات نے باچشم گریاں کفن پہنایا۔ایسا لگ رہا تھا کہ ہمارے چچا جان آرام سے سوئے ہوئے ہیں۔ڈیڑھ مہینے کی ساری بیماری اور پریشانی سے نجات پاکر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو چکے ہیں۔اپنے جد معظم، پیرومرشد، والد محترم اور عم مکرم کے پاس موجود ہیں۔خصوصاً اپنے محبوب شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین کے دامن شفقت میں پناہ لے چکے ہیں۔

غسل وتکفین کے بعد رات میں ہی خانقاہ میں نماز جنازہ ہوئی،حضور مدظلہ العالی نے آنسوؤں کے ساتھ نماز پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر باغ مجیبی کی طرف لے گئے۔خاندان کے سب لوگ جمع تھے۔حضرت شاہ ابوالحسن فردؒ کے چبوترے پر اپنے اجداد کرام سید العلماء حضرت مولانا احمدی اور حضرت مولانا ہادی قدس سرہما کے پہلو میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻

آہ فخرِ بہار نازشِ پھلواری جاتا رہا

• سید عمار احمد قادری — خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

جذبات و احساسات کی عکّاسی اور انہیں لفظوں کے پیچ وخم میں اتارنا ایسا ہے جیسے اپنا سینہ چاک کر کے درد والم دکھانا۔ آج ہمارے پورے خانوادۂ مجیبیہ کے قلوب رنج والم سے پھٹے جاتے ہیں بیٹھے جاتے ہیں صبر کرتے نہیں ہوتا اشک روکے نہیں رکتا۔ ہر ایک وارفتگی اور سراسیمگی کے عالم میں ہے لیکن حکم ایزدی کے آگے سربسجود ہونا ہی ہمارا فریضہ اور شعار ہے۔

آہ ہمارے مخدوم ومربی محترم ومکرم ومعزز مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری (چچا جان) داعی اجل کو لبیک کہہ گئے جنہیں اب مرحوم لکھتے ہوئے انگلیاں کانپ رہی ہیں اور آزردگی وافسردگی میں اشک آنکھوں سے بے اختیارانہ رواں ہیں۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ سے ایسی عظیم المرتبت شخصیت جو علمی ادبی اخلاقی ملی وسماجی اور تعلق مع اللہ وعشق نبی میں اپنے ہم عصروں میں لامثل لہ ولامثال لہ تھی کا چلے جانا ہم سبھی کے لیے ایک ایسا حادثۂ فاجعہ اور آفتِ ناگہانی ہے جو کہ ناقابل تلافی ہے۔ جن کی پرورش و پرداخت اکابرین خانقاہ کے سایہ علم وفضل اور شفقت ومحبت میں ہوئی جن کے اوپر اولیاء اللہ اور مشائخ کرام کی رحمت اور کرم کا شامیانہ تھا وہ مہ کامل ہم سے رخصت ہوگیا۔

یا اللہ! پورا خانوادہ آج نڈھال ہے، ہر شخص حیران و پریشان ہے، ہر ایک صدمے سے دو چار ہے، بچے بچے کا دل غم سے بیٹھا جاتا ہے، میں تو ان کی اس تبسم کی تلاش میں ہوں جو تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کو یکسر بھلا دیا کرتی تھی، ان کے اس دستِ شفقت کا متجسس ہوں جو سر پر رکھا جائے تو روح کو تازگی اور رگوں میں دوڑتے خون میں ایک علمی جوش وولولہ پیدا ہو جاتا تھا ان کی اس مجلس کا طالب ہوں جس میں قلب کی کیفیت بدل جاتی اور ذہن و دماغ حقانیت، روحانیت اور خانقاہیت کے سانچے میں ڈھل جایا کرتے تھے۔

آہ! ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

ہمارے گوہرِ تاباں ہم سے رخصت ہو گئے، ہمارے اخلاق و کردار کے پیکر نے آنکھیں بند کر لیں، ہمارا علم وعرفان کا تلاطم خیز سمندر دو گز زمین میں سما گیا۔ یا اللہ! ہم تو یتیم ہو گئے کون اب خانقاہ کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے گا؟ کون اب مستشرقین کو اپنے علم وکمال سے لاجواب کرے گا؟ کون اپنی سحر بیانی سے دلوں کو مسحور کرے گا؟ اے رب کریم رحم فرما، اے رب کریم نعم البدل عطا فرما۔

جب جناب حضور مدظلہ العالی نے آپ کے آخری دیدار کے وقت غموں سے لبریز لہجے میں فی امان اللہ ورسولہ کہتے ہوئے، آپ کے چہرۂ انور پر لباسِ آخری ڈالا تو قریب تھا کہ دل پھٹ جاتا۔ اس وقت ان آنکھوں نے آخری مرتبہ اپنے محسن چچا جان، اپنے مشفق چچا جان، اپنے مخلص چچا جان، اپنے سرتاج چچا جان کو دیکھا۔ میں کیا بیان کروں کیا لکھوں بس یوں سمجھ لیجیے کہ قلم میں اپنے جذبات، اپنی محبت، اپنی قلبی کیفیت، اپنے احساسات کے بے اختیارانہ نکلے ہوئے اشک کو بطور روشنائی استعمال کی ہے۔

اللہ چچا جان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے ان کے پسماندگان کو خصوصاً والدہ (چھوٹی دڈا) کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

توجہ طلب

سہ ماہی مجلہ ''المجیب'' میں شائع ہونے والے مضامین میں حسب ضرورت تلخیص اور الفاظ وتراکیب کی تصحیح کرنی پڑتی ہے۔

اہل قلم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اِسے گوارہ فرمائیں۔ بصورت دیگر ہماری معذرت قبول فرمائیں—(ادارہ)

تصوف اور شاہ ھلال احمد قادری

● ڈاکٹر مسعود الرحمن — صائمہ پبلی کیشن، احمد مارکیٹ، لنگر ٹولی، پٹنہ

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری نے مکتوبات صدی میں لکھا ہے کہ تصوف کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی، بعد میں یہ دولت ایک نبی سے دیگر نبیوں میں منتقل ہوتی رہی۔ چنانچہ صوفی اول حضرت آدم علیہ السلام کی خلوت درانجمن کے لیے خانہ کعبہ کی بنیاد پڑی اس طرح دنیا کی پہلی خانقاہ کعبہ مکرمہ ہے۔

تصوف لفظ صوف سے مشتق قرار پایا ہے۔کسی نے صفا سے مشتق قرار دیا ہے۔ بہرحال بعض لوگوں نے علم باطن کے لیے اسے لازمی قرار دیا ہے۔

تصوف مذہبی ومسلکی تعصب اور نسبی تضاد وتکبر کے حدود کو توڑ کر سچی انسانیت کا درس دیتا ہے اور دل و دماغ کو ہیجان وابتلا سے پاک کر کے تازگی و پاکیزگی عطا کرتا ہے، یہ روح کی بالیدگی اور قلب کی صفائی کا بہترین ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ تعصب، تنگ نظری، مذہبی و مسلکی گروہ بندی سے نکال کر اخلاقی کردار کو سنوارنے اور ذات واحد سے لو لگانے میں معاون بنتا ہے۔حقیقتاً تصوف دین کی روح ہے، تزکیہ نفس، تصفیہ قلب اور تجلی روح کے علاوہ اخلاق کو درست کرنے، خالق کے ساتھ ربط و تعلق قایم کرنے اور توجہ الی اللہ کی طرف راغب کرتا ہے۔یہ معرفت کی راہ میں جراحی کر کے غلاظت کو باہر نکالتا ہے اور سالک کو روحانی طور پر صحت مند بناتا ہے اور قلب کو نجاست سے پاک کرتا ہے۔

صوفی کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ تکبر، ریاکاری اور خودغرضی کو بالائے طاق رکھ دے اور عمل میں خلوص پیدا کرے۔حضرت جنید بغدادیؒ کے مطابق تصوف یہ ہے کہ بندہ اللہ کے ساتھ بغیر علاقہ رہے وہ بندے کو خود اپنی خودی سے زندہ رکھے اور بندے کی خودی سے مردہ کرے ابوعبداللہ محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ ہر حال میں اللہ کے ساتھ رہنا اور اس سے راضی رہنا تصوف ہے۔

شیخ ابوالحسن نوری نے کہا کہ تصوف نہ علم ہے نہ رسم بلکہ تصوف اخلاق حمیدہ اور قلب کی پاکیزگی ہے، ایک بزرگ کا ماننا ہے کہ نفسیاتی خواہشات کا حق کے لیے ترک کرنا تصوف ہے۔

علامہ جامی کے مطابق پہلے شخص جو صوفی کہلائے وہ سید ابو ہاشم تھے،ان کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا،بعد میں ان کے رفقاء کے لیے فلسطین کے رملا مقام میں ایک پہاڑی پر صوفیہ کی پہلی خانقاہ تعمیر ہوئی،تبھی سے خانقاہ کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔حقیقت تصوف اور اس کی منزلوں کی روشنی میں ہم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی زینبی کی شخصیت کا احاطہ کریں تو وہاں سارے افعال و کردار،معمولات زندگی،گفت وشنید،معاملات فہمی میں خوف خدا وعشق رسول کا جلوہ نمایاں نظر آتا ہے۔یہ ساری خصوصیت دراصل انہیں وراثت میں ملی اور خانقاہ کے ماحول نے اسے پختگی دی۔

آپ کی پیدائش ۱۹۵۷ء میں اس خانوادے میں ہوئی،جہاں کے بزرگوں کی روحانیت کی شہرت ملک اور بیرون ملک میں تھی۔آپ کے والد حضرت سید شاہ عین احمد قادری انہیں ۵/سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئے تھے۔ دادا حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کی محبت وشفقت اور روحانی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ آپ بچپن سے ہی سنجیدہ،کم سخن اور خوش اخلاق رہے۔آپ حافظ قرآن تھے،۱۹۷۷ء میں ۲۰/سال کی عمر میں فقہ اصول اور تفسیر وحدیث کی درسیات سے فارغ التحصیل ہوئے۔آپ عالم باعمل صاحب بصیرت ایک منفرد ادیب وصحافی کی حیثیت رکھتے تھے۔ساتھ ہی انشا پرداز اور تحقیق وتدریس ان کا مشغلہ رہا۔وہ عربی فارسی ادبیات کے ماہر تھے،لیکن خود نمائی سے ہمیشہ پرہیز کیا،انہوں نے پٹنہ یونیورسیٹی کے بی این کالج سے فارسی میں ایم اے کیا۔اس طرح دینی علوم کے ساتھ ساتھ زبان وادب میں بھی اپنا جدا گانہ مقام بنایا، تحقیقی مقالے لکھے جو ۱۹۹۷ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔

آپ کو حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی،لہذا حضرت کی شخصیت پر ۵۰۰/صفحات پر مشتمل تحقیقی کتاب جو حضرت امان اللہ قادریؒ کی سوانح حیات ہے،مرتب فرمائی جو کافی مقبول ہوئی۔حضرت ہلال قادری صاحب کی دوسری تصنیفات میں سیرت پیر مجیبؒ،یزید حقایق کے آئینے میں،القول السدید،خانوادہ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا بھی ایک تحقیقی کارنامہ ہے۔اس کے علاوہ قطعات تاریخ اور مصادر ومراجع ودیگر کتابیں ان کی شایع ہو چکی ہیں۔ان کے مضامین اکثر وبیشتر رسائل ومجلات میں شائع ہوتے رہے۔

آپ نے خانقاہ مجیبیہ میں فتویٰ بھی دیئے اور بحیثیت خطیب خطاب کی بھی ذمہ داری نبھائی جس کسی سے ملتے محبت جھلکتی۔راقم کے والد حضرت شاہ ریاض الرحمان کے وصال کی خبر جب انہیں اپنے دورہ تبلیغ سے واپسی پر ملی تو پھلواری شریف سے مسافت طے کر پٹنہ سیٹی تشریف لائے اور ان کے اہل خانہ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے مرحوم کے لیے خصوصی دعائیں کیں۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے اندر اپنوں کے غم میں شامل ہونے کا جذبہ کتنا پنہاں تھا۔ افسوس صد افسوس کہ وہ اب اس دنیا سے داعی اجل کو لبیک کہہ گیے لیکن ان کی دینی ادبی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻

حضرت عمدۃ المتوکلین کی ذات عطیۂ خداوندی

● مولانا عبدالمنعم مجیبی — دارالعلوم فیاض المسلمین بائسی، پورنیہ

اس دنیائے رنگ و بو میں کروڑوں لوگ آئے اور چلے گئے، آنے جانے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور قیامت تک رہے گا، ان بے شمار لوگوں میں اللہ کے وہ محبوب بندے بھی ہیں، جن کی حیات نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ کائنات عالم کے ذرے ذرے کے لیے باعث رحمت و برکت اور دنیا و آخرت میں فضل خداوندی کا ذریعہ ہے، ان میں سب سے بڑا درجہ سرور کائنات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے اعلیٰ مقام انبیائے کرام علیہم السلام کا ہے، پھر صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور اولیا و صالحین کے مراتب ہیں، جن کی ذات ہم گنہگاروں کے لیے دونوں جہان میں معاون و مددگار اور ذریعہ نجات ہے۔

حضرت عمدۃ المتوکلین مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں نفوس قدسیہ میں سے تھے اور عہد حاضر میں نہ صرف ہمارے لیے بلکہ دنیا والوں کے لیے آپ کی ذات والا صفات عطیۂ خداوندی تھی، آپ کے انتقال سے ہم غلاموں کو جو صدمہ پہنچا ہے، وہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے، ہمارے لیے آپ کی وفات سوہان روح ہے، اللہ رب العالمین آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کے درجات میں بے حساب بلندیاں عطا کرے۔

حضرت عمدۃ المتوکلین علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی بھی مثالی تھی اور موت بھی مثالی اللہ نے ان کو عطا فرمائی، تر سٹھ سال کی عمر، محرم الحرام کا مہینہ اور گیارہویں تاریخ، خانقاہ میں زیارت موئے مبارک کے بعد آپ کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز ہوئی۔

حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی ہم سب کے سامنے ہے، پھلواری شریف اور اس کے اطراف بلکہ پورے صوبہ بہار کے اعتبار سے حضرت کی شخصیت معروف و مشہور ہے، بچپن سے جوانی اور جوانی سے لے کر موت تک اپنی پوری زندگی اللہ کے دین اور کلمہ کی سربلندی میں وقف کی، اپنی خاموش طبیعت کے ساتھ بغیر کسی شہرت کے کوئی ریا، کوئی نمود، کوئی آواز نہیں، لیکن نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ممالک میں بھی آپ کی شہرت سنی گئی، مختلف ممالک میں چل کر اللہ کے کلمہ کو بلند کیا، دین کے پرچم کو لہرایا،

دنیا کے متعدد ممالک میں دین کی تبلیغ واشاعت اور تصوف وعرفان کی ترویج کے لیے جانا ہوا اور ہر جگہ وہاں کے رہنے والے حضرت پر قربان ہوتے اور حضرت سے ملنے جلنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی، جب حضرت ہمارا علاقہ بائسی پورنیہ تشریف لاتے تو بائسی اور مضافات کے لوگ حضرت پر جان نچھاور کرتے اور آپ کو دل وجان سے چاہتے تھے، اس لیے کہ آپ ایسی صفات کے حامل تھے، جن صفات کی وجہ سے آدمی سب کا پیارا ہوتا ہے، خاموش طبیعت کام سارا کر رہے ہیں لیکن آواز نہیں، بغیر شہرت اور بے آواز کے اپنا کام کر جانا یہ آپ کا خاص وصف تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ نے جس قدر خود کو چھپانے کی کوشش کی اللہ نے آپ کو شہرت دوام عطا کیا اور عالمی سطح پر لوگ آپ سے متعارف ہوئے۔

اللہ پاک نے آپ کو بڑی صفات اور بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا، مسلمانوں کا ہر طبقہ آپ کی ذات سے مستفیض ہوا، ایسے اخلاق وکردار اور اعلیٰ صلاحیتوں والے علما بہت کم ہی پیدا ہوتے ہیں مگر افسوس ہے کہ ایسے برگزیدہ اور مقبول بارگاہ ایزدی، محبوب دربار نبوی ﷺ عالم دین وصوفی بزرگ کی ہم نے قدر نہیں کی، جیسے کرنی چاہیے تھی اور جیسے حضرت سے استفادہ کرنا تھا، ہم نہیں کر سکے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اگر چہ ہمارے اندر فیض لینے کی صلاحیت کم رہی اور ہمارا دامن ہمیشہ تنگ ہی رہا، مگر حضرت نے اپنے اعلیٰ ظرفی اور اپنی شایان شان ہم لوگوں کو نوازا، اپنے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمایا اور ہمیشہ ہم غلاموں پر شفقت وکرم کا اظہار کرتے رہے، ہم ان کے احسانات تادم حیات فراموش نہیں کر سکتے، ہم نے جب بھی فریاد چاہی آپ نے فریاد رسی کی، جب جب بارگاہ عالیہ میں عرضی پیش کی آپ نے کمال شفقت سے ہمارا عریضہ منظور فرمایا اور ہمارے علاقے کو شرف قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا، ہر سال دارالعلوم فیاض المسلمین کے جلسے، عرس کی تقریبات بالخصوص حضرت والد ماجد قطب سیمانچل مولانا عبد القیوم قادری مجیبی علیہ الرحمہ کے عرس مبارک میں شرکت فرما کر ہم غلاموں پر احسان عظیم فرماتے رہے۔

الغرض حضرت عمدۃ المتوکلین علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ نہ صرف ہم متوسلین بارگاہ مجیبی کے لیے، بلکہ بلاتفریق مسلک و مذہب تمام لوگوں کے لیے غنیمت تھی، آپ کے وجود مسعود کی برکت سے ہماری تمام دینی وعلمی ضروریات کی تکمیل ہوتی تھی، آپ کی توجہ اور عنایت کے بغیر میرا کوئی بھی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا، آپ کی ذات گرامی میرے لیے حاجت روا اور عقدہ کشا تھی، میری کوئی پریشانی آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی، ان شفقتوں اور رحمتوں کی یاد آتی ہے تو دل مغموم ومضمحل ہو جاتا ہے، آپ کی کمی کا احساس نہ صرف مجھے ہے، بلکہ آپ کے تمام متعلقین ومتوسلین اور عقیدت مندوں کو ہے، سبھی لوگ آپ کی علمی، ادبی، خوش اخلاقی، خوش مزاجی، ہمدردی، ملنساری اور کثیر در کثیر خوبیوں کی کمی کا احساس شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

حضرت کی موجودگی میں کسی مسئلہ میں کبھی کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی، بڑے سے بڑا مسئلہ آپ نے آن واحد میں اپنی خداداد صلاحیت سے بروقت حل فرما دیا، اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، ان کا نعم البدل عطا کرے اور ہمارے مخدوم ومرشد گرامی جناب حضور زیب سجادۂ مجیبی مدظلہ العالی کے ساتھ تمام اہل خانہ کو صبر جمیل نصیب کرے۔ آمین!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

درجات عشق کے مسافر

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

● عمر عبد القادر — حال مقیم ابوظہبی

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہین بناتا نہیں آشیانہ

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار) گذشتہ چار سو سال سے اپنی خلوت اور جلوت سے فیض بکھیرے ہوئے عالم اسلام بالخصوص شمال مشرقی ہندوستان کو بے شمار درویش اور عالم دین عطا کئے ہیں۔ بانیٔ خانقاہ حضرت تاج العارفین شاہ پیر مجیب اللہ قدس سرہٗ کے عہد سے موجودہ سجادہ نشین مرشد معظم حضرت مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے دور حال تک ولی اللہ اور مشہور عالم دین کی فہرست میں حضرت شیخ العالمین شاہ نعمت اللہ قدس سرہٗ، امیر شریعت اول حضرت فیاض المسلمین شاہ بدرالدین قدس سرہٗ، امیر شریعت دوم محی الملۃ حضرت شاہ محی الدین قادری قدس سرہٗ، امیر شریعت سوم حضرت شاہ قمر الدینؒ، امان المستجیرین حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے ناموں کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کا نام آبِ زر سے لکھا جائے گا، گہوارۂ تصوف اور دانشوران طبقہ آپ کو بے ساختہ ''خانقاہی روایتوں کے امین'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے آپ نے عملی زندگی کے ابتدائی دور میں ہی مرشد معظم حضرت شاہ امان اللہ قادری قدس سرہٗ کی سوانح حیات لکھ کر حلقۂ دانشوران میں اپنی استقامت کا نمونہ پیش کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی ابتدائی زندگی سے ہی ایسا پس منظر تیار کر دیا جو رب کائنات کے محبوب بندوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ عشق حقیقی کے مکمل رنگ میں رنگے کامل ہستیوں کا حصار اللہ نے آپ کے چاروں طرف کھڑا کر دیا۔ چاہے وہ بچپن ہو یا طالب علمی کا زمانہ، جد امجد اور اکابروں نے انگلی پکڑ کر زندگی کے تمام درجات طے کرا دیئے۔

آپ (حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ) کی زندگی کو اصولی طور سے درجات عشق کے پیمانے پر تشریح کی جائے تو ’’الحمدللہ بتدریج مکمل ہو کر بحر عشق یعنی وحدت کی منزل سے جا ملی ہے۔‘‘وحدت کے مراتب پورے ہو جانے پر کام ختم ہو جاتا ہے، فانی وجود کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے،صرف اور صرف محبوب کا عشق باقی رہ جاتا ہے۔

انسانی وجود کی اول منزل شریعت میں جمالِ محبوب کی صفت سن کر دل میں عشق الٰہی کی شمع جلانا ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ابتدائی منزل میں آپ کی رہنمائی کے لیے شریعت کے علمبردار اور درویش امام المتقین حضرت مولانا شاہ نظام الدینؒ کی گود کا انتخاب کیا۔ ایام طفلی میں والد ماجد کے شفیق سایہ سے محروم ہو گئے اور جد مکرم نے آپ کو اپنی تربیت میں لے لیا۔تربیت خاص کا اثر یہ ہوا کہ بچپن سے ہی عشق الٰہی کی جوت دل میں جلنے لگی،آغوشِ امام المتقین میں مبتدی کو منتہی کا عکس مل گیا۔صحیح وقت پر صحیح سمت میں زندگی کا آغاز ہو گیا۔

مشہور ومعروف مصرع ’’صحبت صالح ترا صالح کند‘‘ ایسے ہی سنگ میل کی ترجمانی کرتا ہے۔

زندگی کا دوسرا پڑاؤ ’’دور حقیقت‘‘ ہے۔اس سفر کے لیے اللہ کے فضل سے خانقاہ مجیبیہ میں امان المستجیرین حضرت شاہ امان اللہ قادری قدس سرہٗ،مشہور عالم دین اور فقیہ عصر حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری قدس سرہٗ اور درویش عالم حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادری قدس سرہٗ کا مثلث،مضبوط صوفیانہ اور عالمانہ رنگ کے ساتھ خانقاہ میں جلوہ فگن تھے۔حضرت نے اپنے سبھی اکابروں سے باطنی استفادہ کا موقع ایمانداری اور لگن کے ساتھ پورا کیا۔تفسیر وحدیث،فقہ واصول کا درس مکمل کر کے مقصد حیات کے طویل سفر پر گامزن ہو گئے۔اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے عملی زندگی کو سو فیصد صوفیانہ رنگ میں رنگ لیا۔وقت کے ساتھ ساتھ الحمدللہ دائرہ عمل وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔حضور پیر ومرشد عارف باللہ حضرت شاہ رضوان اللہ قادری قدس سرہٗ کے قرب خاص اور فیض باطنی سے اللہ نے آپ کو تمام فنون حمیدہ سے نواز کر خانوادہ مجیبیہ کے بیض القرطاس پر نگینہ کی شکل میں ثبت کر دیا۔

ہندوستان کے قدیم ترین مدرسہ دارالعلوم مجیبیہ میں تدریسی مشغولیتوں سے وقت نکال کر علماء دین کی مجلس،مختلف خانقاہوں اور دینی مجلسوں میں نمائندہ خانقاہ کی حیثیت سے شریک ہوتے رہے۔الحمدللہ شیریں گفتگو اور محققانہ طرز بیان سے سبھی مجلسوں میں مقبول رہتے۔سفر حیات کے اسی دور میں آپ نے پیر ومرشد عم مکرم حضرت شاہ امان اللہ قادری قدس سرہٗ کی سوانح حیات تصنیف کی۔بین الاقوامی اور ملک گیر سطح پر منعقد کانفرنس میں معیاری مسودوں کے ساتھ شرکت،مختلف مجلسوں میں مناسب دلائل اور حوالہ کے ساتھ مضمون نویسی اور خاص خاص موقعوں سے ریڈیو نشریہ سے مسلسل خطابت ہوتی رہی۔اپنی خانقاہ کے دارالافتا اور مجلہ المجیب کے روح رواں کی حیثیت سے زندگی کے آخر لمحہ تک پوری لگن اور ایمانداری سے کام کرتے رہے۔

برصغیر اور عرب ممالک میں مشہور عالم اور ادیب،چمن خانقاہ مجیبیہ کے روشن ستارے ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے

سوانح حضرت شاہ امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے مقدمہ میں مصنف کے طرز نگارش اور عمدہ اسلوب نگاری کی تعریف وتحسین کے ساتھ دل کی عمیق گہرائیوں سے دعائیں دیں اور تحقیقی تصنیفی صلاحیت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

جد مکرم اور پیر ومرشد کے فیض سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم وفن میں بے پناہ برکتیں عطا کیں، درجات بلند کئے۔ الحمدللہ حقیقت کی منزل آسان ہوگئی۔ تصنیف ''خانوادہ سیدہ زینب ؓ'' سرورِ کائنات گنبد خضریٰ کے مکیں کے در پر رسائی کی جستجو ہے۔ اور یہی حق بھی ہے کہ جس بندہ کا روضۂ اطہر کی خلوت پر دستک ہو اللہ اس سے ضرور راضی ہے۔

آپ (حضرت شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہٗ) نے اکابرین کے نقش قدم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا۔ اپنی پوری زندگی صوفیانہ طرز پر گذاری، طلب عشق میں شدت پیدا کرنے کے لیے صوفیانہ کلام، مدح اور نعت شریف کا ذخیرہ کتاب کی شکل میں پیش کیا جو ''نغمات الانس فی مجالس القدس'' کے نام سے موسوم ہے۔ اہل علم اور صاحب تصوف کے نزدیک یہ کتاب بہت پسند کی گئی ہے، دیگر تصانیف ''القول السدید'' اور ''یزید حقائق کے آئینے میں'' آپ کی تحقیقی اور علمی صلاحیت کا آئینہ دار ہے۔

آپ نے رفتہ رفتہ مکمل طور پر اپنے وجود کو محبوب کی مراد میں غرق کرلیا۔ اسلاف کے اصول تقویٰ اور پرہیزگاری پر سختی سے عمل پیرا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے فانی سفر کو منزل آخر کی طرف گامزن کردیا۔ ولی کامل مخدوم زماں حضرت تاج العارفین قدس سرہٗ کے فیض خاص سے بہرہ ور ہوئے۔ فراست باطنی کے راز کھل گئے اور اللہ رب العزت نے علم لدنی سے نواز دیا۔

تصنیف ''سیرت پیر مجیب'' مذکورہ بالا جملہ کی عملی تصدیق ہے۔ حضرت مولانا بدر احمد مجیبی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

''خانقاہ مجیبیہ پر دو صدیوں سے ایسا قرض تھا جو ادا نہ ہوسکا تھا، آپ نے اس قرض کو احسن طریقہ سے ادا کیا۔''

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کو آخرت کی تمام نعمت عظمیٰ سے نوازے، آمین! سیرت پیر مجیب کے مقدمہ میں صفحہ: ۳ میں اپنے قلب کی آسودگی کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''عزیز موصوف نے اپنا ایک فرض ادا کیا ہے اور ہم جیسے ناکاروں کے سر سے ایک قرض اتارا ہے کہ حضرت تاج العارفین کی سوانح عمری مرتب کرڈالی جو ابھی تک نہیں لکھی گئی تھی، یہ کتاب بزرگوں کے کشف وکرامات اور محیر العقول داستان کی طرح واقعات کی کھتونی نہیں ہے۔ یا سنی سنائی روایات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ مستند واقعات و حالات کا مجموعہ ہے، جس کی حیثیت ایک کامیاب ریسرچ کی ہے۔ یہ ایک تحقیقی کتاب ہے، جو حوالوں کے کام آئے گی۔...... اہل علم اس سے اپنی آنکھیں روشن کریں گے۔...... مگر آج یہ محسوس ہوا کہ اگر میری زندگی طویل نہ ہوتی تو میں تاج تاج العارفین کی زیارت نہیں کرسکتا اور اس کتاب سے محروم رہتا۔''

سیرت پیر مجیب کے مطالعہ سے ناچیز کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ماضی کے حالات نہیں رواں تبصرہ ہے۔ ان کارہائے عظیم کے مکمل ہونے میں بھی راز عشق ہی پوشیدہ ہے۔

خانقاہ مجیبیہ کے کتب خانہ بدریہ میں موجود مخطوطات، دیوان اور دیگر تصانیف میں بکھرے پڑے ایک ایک موتی کو چن کر اور خانقاہ بنارس میں موجود تفصیلات اور نوادرات کو زبان دے کر حضرت نے ایمان داری کے ساتھ عمدہ طریقہ سے ترتیب دیا ہے، ماضی کی تاریخ کو اسلوب حال کے طرز میں پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ کا اشارہ آسودگی قلب سے مراد حصول عشق برائے منزل مقصود سے ہے۔ منزل مقصود ہی محبوب کا مسکن ہوتا ہے۔

بجاں پوشیدہ رمز کائنات است

بدن حالے ز احوال حیات است

اللہ رب العزت کا شکرگزار ہوں، ناچیز کو طالب علمی کے زمانہ میں فارسی کی بنیادی تعلیم کے بہانہ سے کچھ وقت جوتی سیدھی کرنے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ کئی بار خانقاہ بنارس، پچی درگاہ پٹنہ جیٹھلی شریف، آستانہ لکھمنیا بیگوسرائے، غریب خانہ تکیہ بیگوسرائے کے سفر اور کلکتہ، دبئی و ابوظہبی کے قیام میں خدمت کا موقع ملا، موقع اور مقام مختلف رہے پر ہم نے استاد محترم (حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ) کو ہمیشہ ایک ہی رنگ میں پایا ؎

ہر جا کہ باشد با یاد خدا باشد

آپ کے دنیا سے رخصت ہوجانے سے ہم غلامان خانقاہ ایک شفیق استاد، امیر اور کامل بزرگ کے سائے سے محروم ہوگئے ہیں۔ اللہ رب العزت سے استدعا ہے کہ عالم اسلام بالخصوص خانقاہ ذی وقار کو حضرت کا سچا جانشین عطا کرے۔ آمین!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

ترجمان مجیبیت اور
اکابرین پھلواری کی مثالی یادگار

● مولانا محمد شہزاد علی مجیبی — استاذ دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف

زندگی اور موت کا فلسفہ اس کائنات رنگ و بو کے ان پیچیدہ فلسفوں میں سے ایک ہے جن کے اسرار سے آج تک کوئی فرد بشر پردہ نہ اٹھا سکا۔کل بھی انسانی خرد اس کے سامنے حیران و ششدر تھی اور آج بھی ہے،میڈیکل سائنس اپنی ترقی کی جس معراج پر پہنچ چکی ہو لیکن اس مسئلہ کی گتھیاں سلجھا پانے میں اب تک وہ بھی ناکام رہی ہے اور صبح قیامت تک ناکام رہے گی، یوں تو ہر شخص کی زندگی وموت اپنی جگہ اہم ہوتی ہیں مگر کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا خسارہ صرف ایک فرد یا قبیلہ کا نہیں بلکہ پوری ملت کا خسارہ ہوتا ہے۔گزشتہ دنوں خانوادۂ مجیبیہ کی ایک اہم ترین اور مثالی شخصیت،نامور وممتاز عالم دین،آفتاب معرفت، محمود سیرت،میرے مربی،میرے مرشد استاذی المعظم حضرت الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نوراللہ مرقدہٗ اس دارفانی سے دار بقاء کی طرف اپنی منزل آخر کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اغفر له وارحمه واعف عنه وادخله بحبوحة جنانه والھم اھله وذویه الصبر والسلوان.

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں ۞ کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

موت کی خبر خواہ وہ کسی بھی انسان سے متعلق ہو،وہ اعزاء واقرباء کے لئے رلانے دھلانے والی ہی ہوتی ہے اور کوچ کرنے والا جب گھنی چھاؤں والا ہو،جن کی مجلسیں اکسیر گر اور صحبتیں کیمیا اثر ہوں،ان کی موت کی خبر کس قدر وحشت اثر ہو سکتی ہے۔

استاذی المکرم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نوراللہ مرقدہٗ اس دور جدید کی عظیم ترین شخصیت تھے،ایسی شخصیت، جس کی تعمیر برسوں میں اور بڑی مشکل سے ہوتی ہے،ایسی بلند و بالا ہستی جس کے دیدار کے لیے نرگس کو ہزاروں سال اپنی بے نوری پر رونا پڑتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ❁ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ نہایت خوش مزاج وخوش اخلاق مہمان نواز، تواضع و خاکسار، بزرگان خانقاہ مجیبیہ کی وراثتوں کے امین اور متنوع صفات وکمالات کے مالک تھے، آپ کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ اپنے علم وعمل سے ہزاروں تشنہ لبوں کو سیراب کیا اور فیض پہنچایا۔ آپ بظاہر فرد واحد تھے، لیکن فی الحقیقت آپ کی ذات ایک انجمن کی حیثیت رکھتی تھی، آپکے اخلاق کی حدیں بہت وسیع تھیں، آپ کی دلنواز اور پرکشش شخصیت نے زہد و اتقاء، انکساری وخاکساری، عرفان وسلوک، مجاہدہ ومراقبہ، اخلاق وتہذیب، شرافت و انسانیت، ہمدردی ومحبت اور خدمت خلق کی ہمہ گیر صفات کی وجہ سے اپنے پرائے سب کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا، آپ کے اخلاقی نقوش میں خردوں کا احترام بہت نمایاں تھا یعنی آپ کی ایک بڑی خوبی احساس مروت اور خردنوازی بھی تھی، آپ سے ملنے والا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا مل کر لوٹتا تو یوں محسوس کرتا کہ کوئی گنج گراں مایہ ساتھ لے کر لوٹا ہے۔

استاذی المعظم مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ علماء اہل حق کے ایک نمایاں فرد تھے، جو اپنی وسعت مطالعہ اور نئی فکر کے علمبردار کی حیثیت سے علمی دنیا میں ایک خاص مقام کے حامل تھے، آپ کی شخصیت، رنگ برنگ شاداب، خوشنما اور خوبصورت پھولوں کا ایک گلدستہ تھی، اس گلدستہ کا ہر پھول جان بہاراں اور جاذب نظر تھا، جس کی عطر آگینی سے محفلیں معطر ہو جاتی تھیں، آپ بیک وقت مورخ بھی تھے، اور سیرت نگار بھی، معلم بھی تھے، اور مربی بھی، مصنف بھی تھے، اور خطیب بھی، قومی کارکن بھی تھے، اور شاعر بھی۔

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے ❁ چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

واقعی آپ کو علوم وفنون میں کمال حاصل تھا، علم کی بدولت آپ کی عزت وعقیدت قوم کے سینوں میں بہت گہرائی تک پہنچی ہوئی تھی، اس لیے آپ کے عقیدت مندوں کا احصاء کرنا مشکل ہے، آپ کے عقیدت مندوں کی طویل قطار میں یہ ناچیز بھی اپنی تمام تر عقیدت کے ساتھ کھڑا ہے، لیکن دوسروں کی بہ نسبت میرے تاثرات اور میرے دل کی کیفیات ذرا مختلف ہیں، میرے فکر و احساس اور دل کے نہاں خانوں میں ان کی یادوں، شفقتوں اور مہربانیوں کے کچھ ان گنت لمحے اس طرح جگمگا رہے ہیں کہ بھلائے نہیں بھولتے اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں زیر نظر مضمون میں دل و دماغ کے روزن سے ان یادوں اور شفقتوں کو صفحۂ قرطاس پر اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

بہترین استاذ :

ایک استاد کا اپنے شاگردوں کے ساتھ اور ایک شاگرد کا اپنے استاد کے ساتھ بہت گہرا ربط ہوتا ہے، ایک بہترین شاگرد وہ ہے جو اپنے استاذ کی تمام چھوٹی اور بڑی باتوں پر عمل کرے، اسی طرح ایک بہترین استاذ وہ ہے جو اپنے شاگرد کی شخصیت سازی کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائے، اس لیے کہ طالب علمی کا ابتدائی دور انتہائی اہم ہوتا ہے، اس دور میں

انسان کا ذہن وشعور بالیدہ اور پختہ ہونا شروع ہوتا ہے، ایسے میں اگر کوئی لائحہ عمل تیار نہ کیا جائے یا بہترین راہنمائی نہ کی جائے تو طالب علم کا حال تو انتہائی بے کیف اور کسی حد تک بے کار گزرتا ہی ہے اس کا مستقبل بھی داؤ پر لگ جاتا ہے۔ ایک اچھے استاذ طالب علم کی اسی ضرورت کو محسوس کرکے اس کی شخصیت کے نقائص کو دور کرتے ہیں، تاکہ اس کی شخصیت نکھر سکے، نیز وہ ہنستے ہنساتے اہم اور دقیق مطالب ذہن میں اتارنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں تاکہ افہام وتفہیم کی منزلیں آسان ہوسکیں۔

استاذی المعظم مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تدریسی زندگی کا اگر سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ ایک بہترین اور نمونہ عمل استاد تھے، آپ نے درس وتدریس کے ذریعہ خانقاہ اور دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ کی بے لوث و بے مثال خدمات انجام دیں، گزشتہ سالوں میں دارالعلوم مجیبیہ کی تعلیمی وتعمیری ترقیات آپکی مساعئ جمیلہ کی رہین منت ہیں، آپ دارالعلوم مجیبیہ کے لیے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے، اساتذہ اور طلبہ عزیز کا بڑا خیال رکھتے تھے، آپ نے طلبہ عزیز کے قیام وطعام کا نظم عمدہ بنانے اور انکی دیگر ضروریات کی تکمیل پر ہمیشہ توجہ مرکوز رکھی، اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ مرشد گرامی ہندوپاک کے طبقہ اساتذہ میں شان امتیازی کے حامل تھے، انداز تدریس اور مشکل مسائل کی تفہیم میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، رب قدیر وغفور نے آپ کو اس طرح خداداد صلاحیتیں عطا کی تھیں کہ آپ بیٹھے بیٹھے طالب علم کی ذہنی سطح کو پڑھ لیتے تھے، اور پھر اسی اعتبار سے مطالب بیان کرتے تھے، اگرچہ ان کی پروقار شخصیت کے پیش نظر نگاہیں زیادہ دیر تک ان کے چہرے پر نہیں ٹھہرتی تھیں لیکن جب مطالب بیان کرتے تھے تو انداز بیان اتنا سحر انگیز ہوتا تھا اور مطالب اتنے دلنشین ہوتے تھے کہ ہم پوری طرح کھو سے جاتے تھے اور درس کے وقت نگاہیں ان کے چہرے سے ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کے اس دارفانی سے رخصت ہونے اور اپنے مالک حقیقی سے جاملنے کے بعد آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں مسجد مجیبی کے جنوبی گوشے میں بیٹھا ہوں اور استاذ محترم اپنے ایک نرالے اور انتہائی حسین ودلکش انداز میں درس دے رہے ہیں اور عربی زبان و ادب کی انتہائی پیچیدہ گتھیاں سلجھا رہے ہیں اور ہمارے ذہن ودماغ پر علم کی برکھا برس رہی ہے، لگتا ہے کہ علم وادب کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر انتہائی سنجیدگی ووقار کے ساتھ بہہ رہا ہے، اور اس کی موجیں قیمتی موتیاں بکھیر رہی ہیں، لیکن ہم کم ظرف ہیں جو ان لعل وگوہر سے دامن نہیں بھر پا رہے ہیں۔ کیوں کہ اللہ نے آپ کو جو کسبی اور وہبی صلاحیتیں دی تھیں بے مثل ولاجواب تھیں، ہر فن سے دلچسپی، ہر علوم سے لگاؤ، نحو وصرف، منطق وفلسفہ، اصول فقہ، اصول حدیث ہر موضوع پر آپ نے دسترس حاصل کی ہر فن کے زلف برہم کو آپ نے سنوارا، اس ناچیز کو استاذ محترم سے براہ راست ہدایۃ النحو، عقیدۃ الطحاوی، موطا امام محمد، شرح عقائد نسفی، تفسیر مدارک، مشکوۃ شریف، ترمذی، ابن ماجہ، اور بخاری اول ودوم پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ بہترین استاذ حدیث تھے، حدیث کی باریکیوں سے گہرا لگاؤ تھا، روایت کے ساتھ جب درایۃً گفتگو کرتے تو گھنٹوں گزر جاتا، کبھی کبھی متعینہ وقت سے آدھا آدھا گھنٹہ زائد گفتگو کرتے چلے جاتے تھے، کچھ پتا نہیں چلتا تھا، بخاری شریف کے درس

میں اولاً آپ ترجمۃ الباب پر بحث کرتے احادیث الباب اور ترجمۃ الباب میں جو باریک مطابقت ہوتی اس پہ گفتگو کرتے اور فرماتے: بخاری شریف کے درس میں یہی اصل سمجھنا ہوتا ہے، ترجمۃ الباب کی تشریح کے بعد آپ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت کو ہم لوگوں کے سامنے رکھتے اور فرماتے: یہاں سے امام بخاری کی شان فقاہت جھلکتی ہے، جب بخاری شریف کا درس شروع ہوا، پہلی حدیث پہ جب آپ کی گفتگو سنی، آپکے طرز استدلال اور ترجمہ الباب اور حدیث کے مابین جو مطابقت آپ نے بیان کی اسے سن کر دل باغ باغ ہوگیا، بخاری شریف کا پہلا باب ہے، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نزول وحی کا طریقہ ذکر کرتے ہیں، اور پہلی حدیث لاتے ہیں، انما الاعمال بالنیات، دونوں میں مطابقت کیا ہے؟ استاذ محترم فرمانے لگے: کہ وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلو، دوسری وحی غیر متلو، اور وہ احادیث ہیں لہذا انما الاعمال بالنیات والی حدیث وحی میں سے ہے یہ مطابقت ہے۔

ترمذی شریف میں استاذنا المحترم زیادہ زور مسائل سمجھانے میں دیتے تھے، اور خاص طور پر احناف کے دلائل کو ہم لوگوں کے سامنے بڑی دقت سے رکھتے، اور دوسرے ائمہ کے استدلال بھی پوری امانت سے رکھتے، اور فرماتے: فقہی اختلاف کا دارومدار نص فہمی کا اختلاف ہے، مجھے یاد ہے آپ فرماتے ساڑھے ستانوے فیصد مسائل میں چاروں ائمہ متفق ہیں، جو نصوص سے ثابت ہیں، اور واضح ہے صرف ڈھائی فیصد مسائل میں نصوص فہمی کا اختلاف ہے جس میں کسی ایک کی تقلید کے علاوہ کوئی چارہ نہیں لیکن چاروں ائمہ برحق ہیں۔

استاذ محترم رحمہ اللہ کی زندگی کے مختلف تابناک پہلو ہیں اور ہر پہلو پر بہت کچھ کہا اور لکھا جاسکتا ہے، طلبۂ علم آپ کی شفقت ومحبت اور اپنائیت کے واقعات وجزئیات اجاگر کریں تو سیکڑوں صفحات یوں ہی سیاہ ہوجائیں، آپ اس گئے گزرے دور میں استاذ وشاگرد کے باہمی تعلق کو نبھانے میں قدیم سلف کے مزاج ومذاق کے نمائندہ تھے، طلبہ کے ہر نوع کے مسائل سے آگہی، ان کی صحت کی نگہداشت، ان کی ضروریات کی تکمیل پر توجہ، انکے معاش کی تشویش، اور ان کے مستقبل کی فکر آپ کے رگ وپے میں سرایت تھی، آپ کے فراق پر طالب علم آپ کا شاگرد کہہ سکتا ہے: ماپدرم گم کردہ ایم؛ کیونکہ آپ سب شاگردوں کے لئے ایک شفیق باپ کی حیثیت رکھتے تھے، گویا آپ اسوۂ نبوی کے پرتو تھے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والا ہر شخص وفرد یہ گمان کرتا ہے کہ وہی سب سے زیادہ محبت کا محور ہے۔

استاذ محترم رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو ان کی طویل حیات شوق علم، ذوق کتب بینی، وسعت مطالعہ، تصنیف وتالیف، تحقیق وتدریس جیسے علمی اوصاف کے پہلو بہ پہلو ذاتی زندگی میں اخلاص ووفاشعاری، ذوق عبادت، شغف قرآنی، سادگی وجفاکشی، بلند ہمتی وحوصلہ مندی جیسے روشن عنوانات سے مزین نظر آتی ہیں، آپ اس دور میں من طال عمرہ وحسن عملہ: کے مصداق رجال خیر کی صف اول کے نمایاں فرد تھے، آپ میدان تحقیق کی قدآور شخصیت رہے، ہزاروں طلبہ کو تحقیقی ذوق سے آشنا کیا،

ہر طرح کے مشاغل سے یکسورہ کر لکھنا پڑھنا ہی آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا، آپ کی مجلسوں میں علم وادب ہی موضوع سخن رہے آپکی مجلسیں کتابوں کے مختلف طبعات کے تقابل وتجزیے، معتبر وغیر معتبر محققین کی تعیین اور مختلف علمی وادبی اور تاریخی مسائل کے بارے میں گفتگو سے آباد رہتیں، یہی موضوعات آپ کی دلچسپی کا محور ہوتے، اور اسی ذوق سے آشنا طبائع سے آپ کو انسیت ہوتی کسی معتبر عالم و شیخ کی آمد پر آپ کی آنکھوں میں چمک آجاتی پھر آپ گھنٹوں علمی گفتگو کرتے تکان محسوس نہ کرتے۔ استاذ محترم کے اندر عاجزی و انکساری اس طرح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے مسجد مجیبی کے جنوبی گوشے میں استاذ محترم بخاری شریف کا درس دے رہے تھے میں چند ساتھیوں کے ساتھ عبارت خوانی کر رہا تھا جن میں میرے پیارے رفیق استاذ گرامی، مرشد لاثانی کے لائق اور قابل فرزند شاہ حسین بہجت زیدت معالیہ بھی تھے دوران درس ہم میں سے ایک طالب علم کی آنکھ لگ گئی جب وہ بیدار ہوا تو استاذ محترم نے مزاحیہ انداز میں کہا: آپ رات بھر نماز پڑھ رہے تھے کہ ابھی آپ سو رہے ہیں، پھر متصلاً آپ نے اس بات کا بھی ذکر فرمایا کہ میں نے آج تک کسی طالب علم پر نہ لاٹھی چارج کیا اور نہ ہی کسی پر طمانچہ رسید کیا ہے ہاں البتہ ایک طالب علم تھا جس کو میں نے شدید غصے کی حالت میں ایک طمانچہ رسید کر دیا تھا بعدہٗ میں نے اس پر بہت افسوس کا اظہار کیا خیر وہ معاف کرے یا نہ کرے لیکن میں ان سے معافی کا خواستگار ہوں، یہ تھی آپ کی عاجزی وانکساری جو فی زمانہ بہت ہی کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

استاذ محترم مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے آواخر سنہ ۲۰۱۲ سے سنہ ۲۰۲۰ء کے اوائل تک بہت قریب سے دیکھا، عربی کے ابتدائی درجہ سے لیکر دورۂ حدیث تک کسی نہ کسی شکل میں استاذ کی حیثیت سے آپ کی سرپرستی حاصل رہی، آپ نہایت نرم دل اور انتہائی تواضع پسند انسان تھے، دوران درس آپ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے ذکر بالخصوص امام حسین علیہ السلام کے ذکر پر بے ساختہ رو پڑتے، آپ کے اس تضرعانہ حالت کو دیکھ کر ہم لوگوں میں بھی حزن وملال جیسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور حضور نبیٔ معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت ومودت اور عشق حقیقی کا ہی ثمرہ تھا کہ عمر نبوی کی نسبت سے آپ کی بھی عمر ۶۳ سال ہوئی اور محرم الحرام جیسے قابل احترام مہینے میں گیارہ محرم الحرام بروز پیر کو وفات پائی۔

استاذ محترم اس جہان رنگ وبو میں اپنی حیات مستعار سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھا کر اپنے رب کے دربار میں حاضر ہو گئے، ان کے فراق کے بعد کون کس کی تعزیت کرے؟ کسے تعزیت کے کلمات کہے جائیں؟ ان کے اہل خانہ، ہزاروں شاگرد، متوسلین اور ان کی علمی وتحقیقی کتب سے فائدہ اٹھانے والے سبھی قارئین، بلکہ پوری علمی دنیا تعزیت کی مستحق ہے، کیوں کہ استاذ محترم ان عظیم شخصیات میں سے تھے جو ان نسبتوں سے بلند ہو کر قوم وملت کا سرمایہ ہوتی ہیں، اور جن کی موت عالم کی موت قرار پاتی ہے، ایسے موقع پر تسلی کے رسمی کلمات سے تعزیت کا معمول تو پورا ہو جاتا ہے اور وقتی طور پر دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا ہے لیکن اس سے علمی میدان میں آیا خلا تو پر نہیں ہوسکتا، بلاشبہ انکی رحلت سے وطن عزیز کے چمنستان تحقیق کا ایک شجر سایہ دار اور قصرِ علم کا ایک مضبوط ستون گر گیا ہے، یہ ادنی وحقیر شاگرد اپنے مربی استاذ کی کیا کیا صفات واوصاف ضبط تحریر میں لا سکتا ہے ان کے لئے تو

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے کے مصداق ایک ضخیم کتاب بھی مرتب کر دی جائے پھر بھی تشنگی باقی رہے گی، جس زاویے سے بھی لکھنا شروع کیا جائے تشنہ رہے۔

استاذ محترم جہاں مصنف و مؤلف تھے وہیں ادیب و شاعر بھی تھے،اور شہرۂ آفاق مدرسہ دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف کے باکمال ناظم اعلی اور خانقاہ مجیبیہ کے بہترین نمائندہ بھی تھے،عہد حاضر میں وسائل علم کی فراوانی کے باوجود علم کی بے توقیری کے مظاہر روز دیکھنے کو ملتے ہیں،علوم دینیہ بھی دنیوی اغراض کی بنیاد پر حاصل کرنے کا مرض عام ہوتا جا رہا ہے،شوق علم، ذوق کتب جیسے بلند اوصاف نادر و کمیاب ہو رہے ہیں، ہر روز فتنوں کا عروج اور علم کے زوال کی طرف لے جا رہے ہیں،الفاظ کے پیچوں میں الجھے لوگوں کی کمی نہیں، دریائے علم کی حقیقی شناوروں کا قحط اور رجالِ کار کا فقدان ہے،ایسے میں استاذ محترم جیسی شمع علم، بلکہ آسمان علم کے جگمگاتے ستارے کا ٹوٹنا، گرنا اور گر کر بجھ جانا قوم وملت کا عظیم خسارہ ہے۔ایسی شخصیات کا اٹھنا علم وفن کی رخصتی ہے، استاذ محترم جیسی علمی اور عبقری شخصیت داغ مفارقت دے جاتی ہے تو اس دنیا کے فانی ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا اور ایسی مفارقت پر جس قدر نوحہ و ماتم گریہ و افسوس کیا جائے کم ہے۔شورش کشمیری کا یہ شعر آج حرف بحرف صادق آ رہا ہے۔

عجب قیامت کا حادثہ ہے اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے افق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی سے مرنے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

استاذ محترم مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمہ اللہ علم و ادب اور ارباب فکر و دانش کے مابین ایک نمایاں مماثلت رکھتے تھے، بزرگوں کی روایات کے امین و پاسبان بن کر تا حیات تدریسی خدمات انجام دیتے رہے،آج کے اس مادیت زدہ دور میں ان جیسی شخصیت کسی نعمت سے کم نہیں تھی، آپ کے قلم سے مختلف موضوعات پر علمی شہ پارے وجود میں آئے ہیں۔سیکڑوں مضامین و مقالات اہم موضوعات پر شائع ہوتے رہے ہیں، ابتدائی عہد ہی سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا،اور اب تک یہ سلسلہ جاری تھا، جن کا احصاء اس مختصر تحریر میں دشوار ہے، آپ کا قلم فقہ و حدیث کے موضوع پر بھی چلا کرتا تھا لیکن بزرگان دین کے احوال و مقامات رقم کرنے میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی، خانقاہ مجیبیہ کے مفصل حالات بھی آپ ہی نے تحریر فرمائے، سہ ماہی المجیب میں کثرت سے آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں، آپ کے چند مشہور تصانیف یہ ہیں۔سوانح مولانا شاہ امان اللہ قادری، سیرت پیر مجیب، خانوادۂ سیدہ زینب، نغمات الانس فی مجالس القدس، یزید حقائق کے آئینے میں، القول السدید۔ یہ سب تالیفات تحقیق کے اعلی معیار پر ہیں، استاذی المعظم نے جب قلم ہاتھ میں لیا تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ رب تبارک و تعالیٰ نے ان کو اسی لیے پیدا کیا تھا، بلا خوف و تردید یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ استاذ محترم کے قلم سے نکلے ہوئے اکثر مقالے اور مضامین

ایسے ضرور ہیں جن کو معنی آفرینی، بندش الفاظ اور ادبی چاشنی کے لحاظ سے اردو ادب کے شاہکاروں میں شمار کیا جاسکتا ہے، آپ کی سبھی تصانیف کو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ان میں سیرت پیر مجیب کو ان تمام تالیفات کی بہ نسبت بہت ہی زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی جس کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ مولانا عبداللہ عباس ندوی پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی لگایا جاسکتا ہے: کہ اگر زندگی طویل نہ ہوتی تو میں تاجِ تاج العارفین کی زیارت نہیں کرسکتا اور اس کتاب سے محروم رہتا۔

الغرض آپ کی مختصر عمر علم وتحقیق کی گوناگوں خدمات سے بھری ہوئی ہے، آپ اعلی درجہ کے خطیب بھی تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو قادر الکلامی سے نوازا تھا، آپ اپنی خطابت میں ہیئت، موضوع اور الفاظ و معانی کے ساتھ ساتھ سامعین کی فہم و فراست کو خاص طور سے ملحوظ رکھتے تھے، آپ کا طرز بیان نہایت سادہ اور آسان ہوتا تھا، اپنا مافی الضمیر سمجھانے میں سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کرتے تھے، آپ کی تقریر عوامی اور سطحی درجہ کی نہیں ہوتی تھی، بلکہ علمی مواد اور نکتوں پر مشتمل ہوتی تھی، آپ کی ایک تقریر سے متعدد مضامین تیار ہوسکتے تھے، عوام کے ساتھ اہل علم حضرات بھی آپ کی تقریروں سے استفادہ کرتے تھے، آپ کا اکثر موضوع علم، علماء، بزرگان دین کے احوال، یا پھر کوئی اخلاقی پہلو ہوتا تھا، اور ان موضوعات کے ذیل میں سامعین کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھتے ہوئے خطابت کے جوہر دکھاتے تھے، آپ کا بیان ہمیشہ مختصر ہوتا تھا، تاکہ سامعین تھکن کے شکار نہ ہوں، ہر سال شب بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر آپ کی خطابت نہایت پرزور اور وعظ و نصیحت سے بھرپور علمی مواد پر مشتمل ہوتی تھی، آپ کے تمام محبین ومتوسلین، مریدین و عاشقین آپ کی رشد و ہدایت اور وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے، آپ خطابت کے لیے ہند و بیرون ہند کے دور دراز علاقوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے، بے شمار جلسوں میں شرکت فرما کر رسالت کے پروانوں کے قلوب کو منور کرتے تھے، بالخصوص سیمانچل کے علاقے میں تحریر و تقریر کے لیے کثرت سے آپ کے اسفار ہوتے تھے۔

آج کے اس عصر جدید میں خطابت کا جو معیار ہے اس کے نقصانات کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اپنی طلاقت لسانی کے بل بوتے پر انتہائی فحش اور من گھڑت باتیں پرزور انداز میں بیان کی جاتی ہیں، اور سامعین انہیں قبول بھی کر لیتے ہیں، وقتی طور پر خوب واہ واہ ہوتی ہے، خطیب کی جیب گرم ہوتی ہے، اور سامعین محظوظ ہوتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ جس بات پر چھت اڑانے والی واہ واہ نصیب ہوئی ہے معاشرے میں اس کے نقصانات کیا ہیں؟ اس سے عقائد و مسلمات کی کس طرح دھجیاں اڑ رہی ہیں، خدا بچائے اب تو دین کے بنیادی اصول و قوانین اور عقائد اسی خطابت کے زد میں آچکی ہیں، کاغذ کے چند ٹکڑوں کے لیے ذہن و ضمیر کا سودا کر بیٹھتے ہیں، اور جاہل سامعین کی بے معنی واہ واہ کو اپنا حاصل سمجھتے ہیں، استاذ محترم ایسی خطابت کے سخت مخالف تھے، وہ محفل رسول کو ہادیان دین سے منسوب سمجھ کر اس کے قیود و شرائط سے کماحقہ آگاہ تھے، وہ اسے اشاعت دین کا وسیلہ سمجھتے تھے، جیب گرم کا ذریعہ نہیں، ہم پڑھیں گے اپنے انداز میں، آپ کو سننا ہو تو سنیے ورنہ...... اسی اصول پر عمل پیرا رہتے تھے۔

استاذ محترم کی خطابت صرف آج نہیں بلکہ آنے والی کئی نسلوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے، آپ کی خطابت

میں بہت سے پہلو ہوتے تھے، اشاعت دین کے علاوہ جولوگ واہ واہ کے خوگر ہیں ان کے لیے بھی آپ کی خطابت مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے، کہاں تک لکھوں اور کیا لکھوں آپ کے اخلاق و کردار کے نقوش پوری زندگی پر محیط ہیں جنہیں قلمبند کرنے کے لیے پورے کا پورا دفتر چاہیے۔وفات ۱۱رمحرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳۱راگست ۲۰۲۰ء کو بعد نماز عصر اچانک یہ افسوسناک اوردل دہلا دینے والی خبر ملی کہ تاج المحررین استاذنا المحترم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنی حیات مستعار کی مدت گزار کراس دار فانی سے دار بقاء کی طرف چلے گئے، اس خبر وحشت اثر سے دل پر جوگزری اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، ایسا نہیں تھا کہ خبر بالکل غیر متوقع تھی، لیکن پھر بھی دل کسی صورت یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ وہ دینی معمار جس کی زندگی کا ہر لمحہ اشاعت دین، اور ترویج اسلام کے لئے وقف تھا ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے، ایک چشمۂ علم ہم سے دور ہوگیا، ایک مشعل افکار تھی جو بجھ گئی، ایک قلم تھا جو چلتے چلتے رک گیا، ایک ذاکر و خطیب ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا، ایک کامیاب معلم و مربی ہمارے درمیان سے اٹھ گیا، ایک بزرگ ہستی کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا، اور ہم ایک بلند پایہ مفکر و دانشور ایک پرخلوص نیک صفت وخوش بیان اور صاحب کردار انسان کے ساتھ ساتھ ایک بہترین اور نمونۂ عمل استاذ کی سر پرستی سے محروم ہو گئے۔

یہ کیا دست اجل کو کام سونپا ہے مشیت نے ❁ چمن سے توڑنا پھول اور ویرانے میں رکھ دینا

اگر چہ وہ اپنے بے پناہ حلقۂ عقیدت سے متمسک افراد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے، ان سب سے اپنے مادی رشتوں کو توڑ دیا، اور اس دنیائے آب وگل سے رخصت ہو گئے، لیکن ان سے ہمارا روحانی رشتہ ہرگز نہیں ٹوٹ سکتا، انکے جسم کو تو موت آگئی مگر ان کے بخشے ہوئے حوصلوں کو کبھی موت نہیں آسکتی، لعمرك ماواری التراب فعاله:ولکنه واری ثیابا واعظما خدا کی قسم مٹیاں صرف ان کے جسم و پیرہن کو چھپاسکیں گی، ان کے ذریں تابندہ اور درخشاں کارنامے مرورِایام کے ساتھ اور روشن ہوتے چلے جائیں گے، کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں بہت سے علمی، ادبی اور تہذیبی نقوش چھوڑے ہیں، صرف اس لئے کہ ہم ان منور نقوش کو اپنا راہنما بنا کر حقیقی زندگی کا صحیح تعین کرسکیں، اور اپنے اسلاف سے رشتہ استوار رکھ سکیں، بس اس دعاء کے ساتھ اس تعزیتی مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں کہ رب تبارک وتعالی مرشد گرامی استاذی المحترم حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام عطا فرمائے، خانقاہ اور دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، وارثین، پسماندگان، تمام متعلقین و منتسبین اور طالبین کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور ہم سب کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے اور انہیں کی طرح قابل رشک زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر ❁ خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا ❁ نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

استاذ جلیل
حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ

● محمد فیروز — متعلم دار العلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف

جلوہ تھا آپ ہی کا چمن در چمن حضور
اس گلستاں کے پھول میں نکہت تھی آپ سے

گلشن ہستی میں جن قابل قدر شخصیات نے اپنے خونِ جگر سے چمن کی آب پاشی کی ہے اور رہتی دنیا تک کے لیے اپنی حیات مستعار کے بیش قیمت نقوش انسانی دلوں پر مرتسم کیے ہیں ان میں ایک نمایاں نام خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی عظیم شخصیت اور ہمارے جلیل القدر استاذ حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ہر انسان کا واسطہ مختلف مزاج، عمر اور رتبے کے انسانوں سے ہوتا ہے ان میں سے بعض انسانوں کی یادیں تلخ اور بعض کی شیریں ہوتی ہیں، ان شیریں یادوں والے بزرگوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں وقت گزرنے کے ساتھ ہم بھلا دیتے ہیں جبکہ بعض بزرگ اور محبت کرنے والی شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ خواہ کتنے ہی ماہ و سال گزر جائیں، ان کی یادیں حافظے کی لوح سے محو نہیں ہو پاتیں بلکہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ان کی یادوں کے نقوش مزید گہرے ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ کی ذات ایسی ہی بابرکت ذات تھی جن کی یادیں اور باتیں بھلانا تو ایک طرف رہا، ان کی شخصیت اور یادوں کے نقوش وقت بوقت اور بھی گہرے ہوتے جارہے ہیں۔

حضرت استاذ محترم اپنے ایک نرالے اور انتہائی حسین و دلکش انداز میں درس دیا کرتے تھے اور عربی زبان و ادب کی انتہائی پیچیدہ گتھیاں بہت ہی سہل اور دلکش انداز میں بآسانی سلجھا دیتے تھے، جو ہمارے ذہن و دماغ پر پراثر ہوتی تھیں گویا کہ علم کا ایک گہرا سمندر انتہائی سنجیدگی و وقار کے ساتھ بہہ رہا تھا اور اس کی موجیں قیمتی موتیاں بکھیر رہی تھیں، لیکن ہم کم ظرف

وکم ترین ہیں جو ان لعل وگہر سے دامن نہیں بھر پائے، میں آپ کے استاذانہ ومربیانہ کردار کی ترجمانی کیوں کر کرسکتا ہوں، مجھ کو حضرت سے زیادہ علم حاصل کرنے کا شرف تو حاصل نہ ہوسکا، محض ایک سال اور ایک ماہ ان کے زیر درس رہا، حضرت کی ایک ایک بات اور ایک ایک نصیحت موتیوں سے بھی زیادہ قیمتی ہوتی تھی، حضرت کی زبان مبارک سے نکلا ہر ایک لفظ پر اثر اور قابل فکر ہوتا تھا، حضرت اپنی خوش مزاجی میں بھی اتنی گہری بات کہہ جاتے کہ صرف اہل علم ہی اس کو سمجھ پاتے تھے۔حضرت انتہائی سادگی پسند تھے، درس وتدریس میں ایک بہترین اور مشفق استاذ کا باکمال انداز تھا، آپ بچوں سے ان کی پڑھائی کے متعلق پوچھا کرتے تھے اور ہر درجے میں انہیں کی کتابوں کے مطابق سوالات کیا کرتے تھے۔نہ بتانے پر وہ خود ہی طلبہ کو اس کا جواب سمجھادیتے تھے۔

حضرت طلبہ سے ان کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کے بارے میں پوچھا کرتے، حضرت کے مشفقانہ انداز کو دیکھ کر طلبہ آپ سے بہت مانوس ہو چکے تھے اور اپنی ضرورتوں کو بلا جھجک پیش کر دیتے تھے، آپ بھی فراخ دلی کے ساتھ طلبہ کی ضرورتوں کا خیال فرماتے اور ان کی ضروریات پوری کر دیتے تھے، جس طرح ایک مشفق باپ اپنے بچوں کی کفالت وتربیت کا بھرپور خیال رکھتا ہے، اس سے زیادہ خیال آپ طلبہ دارالعلوم کا رکھا کرتے تھے، خود باورچی خانہ اور ہاسٹل میں جا کر ان کی خبرگیری کرتے، ان کے کھانے پینے رہنے سہنے کے انتظامات کا جائزہ لیتے تھے، طلبہ کی تھوڑی سی تکلیف بھی آپ کو برداشت نہیں ہوتی تھی۔

آپ نے تصنیف وتالیف میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، آپ ایک بہترین مرشد اور بے مثل عالم تھے، جو ہمیشہ علم دین کے لیے وقف رہتے، آپ کا تحقیقی مزاج اوروں سے بالکل جداگانہ تھا، میں نے دیکھا ہے ان کے حجرے میں کتابوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، حجرے کے کچھ حصے خالی ہیں اور باقی پورا کمرہ کتابوں سے بھرا ہے، آپ کو آپ کے گھر میں جب بھی دیکھا، پڑھتے لکھتے ہی دیکھا، اگرچہ آپ ہمارے درمیان سے روپوش ہو گئے مگر آپ کی تصنیف کردہ گراں قدر اور پر ارزش کتابیں اور مقالات برسوں تک آپ کے مقام کو بیان کرتی رہیں گی، آپ کی علمی وفکری خدمات قائم ودائم رہیں گی اور زمانہ آپ کے اخلاق ومحبت کو یاد رکھے گا۔

جب میں نے عربی درجات کی ابتدائی تعلیم شروع کی تو میرے دل میں ایک ہی خواہش اور تمنا ہوتی تھی کہ کب حضرت سے درس حاصل کرنے کا موقع ملے گا اور کب ان کے علمی فیض سے مستفیض ہو پاؤں گا، مگر حضرت چونکہ شیخ الحدیث تھے اس لیے ان کے ذمے زیادہ تر آخری درجات کی کتابیں ہوا کرتی تھیں، لیکن گزشتہ سال اللہ کی مصلحت تھی اور ہم لوگوں پر حضرت کی نگاہ کرم بھی کہ انہوں نے نہ صرف مجھے اور میرے درجے کو بلکہ تمام درجاتِ عربی کو اپنے علم ودرس سے فیضیاب کیا، اس بات پر میں تاحیات وتاقیامت ان کا مشکور رہوں گا، حضرت نے نہ صرف ہمیں درس کے موقع سے پڑھایا بلکہ کرونا کے اس وبا میں

بھی حضرت کے اس ناچیز پر احسانات رہے کہ جہاں سارے مدارس و اسکول بند ہو چکے تھے حضرت نے ہمیں اس وقت بھی درس دینے کا ارادہ کیا اور وہ پرشوق ہو کر ان ایام میں بھی ہمیں درس دیا کرتے تھے، یہی تو ان کے مشفق و مربی استاذ ہونے کی دلیل ہے، حضرت کے پردہ کرنے سے نہ صرف علم و ادب کا خسارہ ہوا بلکہ ہم جیسے تشنہ دہاں طالب علم آپ کے کمال علم سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔

ایک مرتبہ میں مسجد مجیبی سے اپنے اسباق یاد کر کے نکل رہا تھا تو میں نے حضرت کو خانقاہ کے چبوترے پر بیٹھے دیکھا، عشا کا وقت تھا میں نے حضرت کو سلام پیش کیا تو حضرت نے مجھے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ادھر آؤ! میں تھوڑا خوف زدہ تھا، کیوں کہ اتنی بڑی شخصیت نے مجھے پکارا، اس وقت میں درجۂ فارسی میں تھا۔ حضرت سے نہ تو بات کرنے کا کبھی اتفاق تھا اور نہ آپ کی صحبت میں رہنے کی سعادت حاصل تھی، میں سمجھ رہا تھا کہ حضرت مجھے بالکل بھی نہیں جانتے۔ میں ڈرتے ہوئے ان کے قریب گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہی فیروز ہو؟ ان کی یہ بات سن کر میں کافی حیران رہ گیا کہ حضرت مجھے پہچانتے ہیں اور میرا نام بھی جانتے ہیں، پھر حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ تم کس درجہ میں ہو میں نے بتایا کہ میں درجۂ فارسی میں ہوں، حضرت نے مجھے ایک نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم تمام درجات کی پڑھائی اسی مدرسہ میں کرنا اور دیکھو! ادھر ادھر بھٹک نہ جانا، جیسے بعض طالب علم بھٹک جاتے ہیں اور اس کبوتر کے مانند ہو جاتے ہیں جو ایک جگہ ٹھہرا نہیں کرتا، کبھی یہاں تو کبھی وہاں، کبھی اس مدرسے تو کبھی اس مدرسے جس کی وجہ سے نہ تو ان کو عمدہ تعلیم مل پاتی ہے اور نہ ہی وہ سیدھا راستہ چل پاتے ہیں اور نیک تربیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حضرت کی وہ نصیحت آج بھی مجھے یاد ہے اور میرے قلب و روح میں اثر پذیر ہے۔

جن کے کردار سے آتی ہو صداقت کی مہک
ان کی تدریس سے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں

اسی سال کی بات ہے میں رمضان کے مہینے میں حضرت سے ملاقات اور دست بوسی کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضرت نے مجھے بڑی شفقت و محبت سے بیٹھنے کو فرمایا پھر حضرت نے اس کرونا وبا کے متعلق قرآن کریم کی ایک آیت (ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ) پر روشنی ڈالتے ہوئے مجھے اس کا بہت ہی بہترین مفہوم و مطلب بتایا، انہوں نے فرمایا کہ یہ وبا لوگوں کے ہاتھوں کی ہی پیدا کردہ وبا ہے جو آج ساری دنیا میں پھیلی ہے حضرت کا فرمان تھا کہ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو یہ انسانوں کے گناہوں کے سبب اللہ کا عذاب ہے یا پھر یہ انسانوں کی ہی کسی چیز سے تیار کردہ جاں کشیدہ وبا ہے جو ہمارے درمیان بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔

حضرت کی ذات نسبت محمدی ﷺ سے اس قدر وابستہ تھی کہ ہمہ وقت آپ کی زبان قرآن و حدیث کے مفاہیم و تشریح سے تر رہتی اور آپ کے خیالات مدحت نبوی ﷺ سے ہمیشہ پر رہتے، آپ نے نعت و مناقب کے باب کو بھی روشن کیا ہے، آپ

کی لکھی ہوئی متعدد نعتوں میں سے ایک مقبول ترین کلام جس کا مطلع ہے:

یہ ہلال کشتۂ عشق ہے، یہ قتیل ہجر وفراق ہے
وہ حبیب اس کے طبیب ہیں کہیں اور اس کی شفا نہیں

حضرت اسی شعر کے حامل ہوئے اور اپنے طبیب مکرم ﷺ کی زیارت کے لئے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ کا وصال ۱۱رمحرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱/اگست ۲۰۲۰ دوشنبہ کے روز ہوا اور آپ ہمیشہ کے لیے ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئے، حضرت کا پردہ فرمانا بھی ان کی ذات سے ایک کرامت کا باعث اور حب وعشق نبوی کا ظاہری صلہ بنا، پہلے تو اللہ تعالی نے آپ کو اپنے محبوب ﷺ کی نسبت سے ۶۳ سالہ زندگی عطا فرمائی اور پیر کے مبارک دن میں ان کو اپنے پاس بلایا، اشہر حرم میں سے محرم کی ۱۱رتاریخ تھی، اس لیے خانقاہ مجیبیہ میں زیارت موئے مبارک کی تقریب انجام دی جا رہی تھی اس کے بعد ہی عصر اور مغرب کے درمیان یہ خبر رنجیدگی کی وجہ بنی، آپ کے اوصاف میں تصنیف وتحقیق، علم وادب، عرفان وسلوک کا وہ نمونہ تھا جو اب ہمیں دوبارہ کبھی نظر نہیں آئے گا، مجھے ساری زندگی اس بات کا رنج وملال رہے گا کہ آخری اوقات میں نہ میں حضرت کا دیدار کر سکا اور نہ ہی ان کے جنازے میں شریک ہو سکا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت کے فیوض وبرکات سے ہمیشہ مستفیض فرمائے۔ آمین!

فرشتے بزم رسالت میں لے گئے تجھ کو
حضور آیۂ رحمت میں لے گئے تجھ کو

****

اقوال زریں

- اچھا ورثہ علم ہے
- اچھا پیشہ ادب ہے
- اچھی پونجی عبادت ہے
- اچھی تونگری قناعت ہے
- اچھا توشہ پرہیزگاری ہے
- اچھا رہبر نیک عمل ہے

کھو گئے وہ جن سے سجتی تھی ہماری انجمن

• شاہ فہد ناصر آیتی — المجیب کراچی، پاکستان

المجیب ناظم آباد کراچی، اپنی بنیاد سے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار کا ملک پاکستان میں مرکز رہا ہے۔ ہر ماہ ۱۵؍دن گذار کر شب ۱۶؍کو بزرگان پھلواری کا ماہانہ قل و فاتحہ پابندی کے ساتھ تقریباً ۵۰؍سال سے قائم ہے اور شب ۱۶؍صفر کو سالانہ عرس کا اہتمام ہوتا ہے جس میں قل و فاتحہ اور سماع کی محفل آراستہ ہوتی ہے اور لنگر کا اہتمام ہوتا ہے تمام برادران طریقت و منتسبین خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ کی شرکت ہوتی ہے۔

کراچی کے علاقے ناظم آباد میں موجود المجیب کم وبیش پچھلے ۶ دہائیوں سے پھلواری شریف کے بزرگوں کا مسکن رہی ہے۔خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے بزرگوں کی کراچی آمد اور قیام ہمیشہ سے المجیب کے لئے خیر برکت کا باعث رہی ہے۔

جب پاکستان کا وجود نہیں تھا ملک تقسیم نہیں ہوا تھا یہ ملک ہندوستان کا ایک حصہ تھا تو حضرت محی الملۃ والدین مولانا شاہ محمد محی الدین قدس سرہ ۱۹۲۵ء میں حج سے واپسی میں براہ کراچی تشریف لائے تھے ان کے پانی کا جہاز کراچی میں لنگر انداز ہوا تھا۔

حضرت محی الملۃ قدس سرہ کے بعد پھلواری شریف سے کراچی میں جن مقتدر ہستیوں کی تشریف آوری ہوئی اور جن کے فیوض و برکات سے ہم اور ہمارے آباو اجداد مستفیض ہوتے رہے ہیں، ان معزز شخصیات کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) امام المتقین حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ

(۲) امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ، جن کی آمد حج سے واپسی پر ہوئی تھی۔

(۳) حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

(۴) حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

(۵) حضرت مولانا سید شاہ عین احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

(۶) عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

(۷) جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی، ۲۰۰۶ء میں عمرہ کے موقع پر تشریف لائے۔

بزرگان پھلواری کے ورود سے پورا علاقہ ایک روحانی ماحول کا منظر پیش کرتا ہے صبح و شام دیر رات تک لوگوں کا ملاقات کے لئے مرجوعہ رہتا تھا، ہمارے ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک جو شخصیت المجیب کو رونق بخشتی تھی، اور کثیر تعداد میں لوگ متعلقین کے علاوہ ذی علم قد آور شخصیات اکتساب علم وفیض کے لئے حاضر ہوتی تھیں اور مسائل کا جواب پورے انشراح سے دیا جاتا تھا وہ شخصیت حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ ناچیز راقم الحروف کو خدمت کی سعادت حاصل رہی ہے۔ پہلے جب بزرگوں کی تشریف آوری رہی جس والہانہ انداز سے ہم نے ان بزرگوں کا تذکرہ اپنے بڑوں سے سنا تھا، حضرت علیہ الرحمہ کو دیکھ کر محسوس ہوا کہ جب ان کا عالم یہ ہے تو ان کے بڑوں عالم کیا ہوگا۔

ہمارے والد حضرت امام المتقین مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کی منجھلی صاحبزادی کے منجھلے لڑکے ہیں اور ہماری والدہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سنجھلی صاحبزادی کی تیسری صاحبزادی ہیں یعنی ہمارے والد حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی منجھلی پھوپھی کے لڑکے اور ہماری والدہ ان کی سنجھلی پھوپھی کی لڑکی تھیں، وہ آپس میں ممیرے پھوپھیرے بھائی بہن تھے۔

حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت شعبان ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ہوئی آپ حضرت مولانا شاہ عین احمد قادری علیہ الرحمہ کے اکلوتے فرزند اور حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادری علیہ الرحمہ کے پوتے تھے۔ ہوش سنبھالا تو والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، آپ نے عظیم المرتبت دادا علیہ الرحمہ کی آغوش میں پرورش پائی۔ آپ کی ابتدائی دینی تعلیم وتربیت آپ کے دادا کے زیر سایہ ہوئی۔ بس وہیں سے آپ کی قسمت کا ستارہ چمکا۔ ان کی جیسی قدسی صفت شخصیت کے سائے میں آپ نے کیا کچھ حاصل کیا ہوگا اس حوالے سے قلم ساتھ دینے سے قاصر ہے۔ آپ کو اپنے تعلیمی دور میں خانقاہ کے سب ہی بزرگوں کی خاص نظر کرم حاصل رہی۔ ان میں نمایاں نام حضور امان المستجیرین مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری علیہ الرحمہ، حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادری علیہ الرحمہ کا ہے۔ آپ کو بیعت طریقت حضور مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری علیہ الرحمہ سے تھی اور ان ہی سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔

خوش اخلاقی، خوش گفتاری اور خوش لباسی ہمیشہ سے پھلواری شریف کے بزرگوں کا خاصہ رہی ہے۔ حضرت میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ نورانی چہرہ، چمکتی آنکھیں اور ہونٹوں پر تبسم، حضرت عاجزی و انکساری کا پیکر تھے، ہر ایک سے محبت سے ملتے تھے، پہلی دفعہ ملنے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آتے۔ کبھی اس ناچیز

نے انہیں غصہ میں نہ دیکھا۔خونی رشتوں کا جہاں حد درجہ احترام کرتے تھے وہیں مریدان پر اپنی خاص نظر کرم کرتے ،جس کا ثبوت گاہے بگاہے کراچی میں موجود روحانی مرکز المجیب میں تشریف آوری سے دیتے تھے۔

حضرت کی جب بھی کراچی المجیب آمد ہوتی لوگوں کی ایک کثیر تعداد آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرتی ،رشتہ دار ہوں یا مریدان ،اپنے ہوں یا پرائے ،حضرت کی صحبت سے سب فیض پاتے تھے،لوگوں کے مسائل ہوں یا رشتہ داروں کے ہاں دعوت سب کے لئے تشریف لے جاتے ۔کبھی آپ کو کسی کو انکار کرتے نہیں دیکھا۔قیام ہمارے گھر (المجیب) میں ہوتا تو قریب سے دیکھا اور بہت کچھ سیکھا۔اس خاکسار پر بھی آپ کی خاص نظر کرم رہی ۔ہمارے ساتھ تو ان کا تعلق والد اور بیٹے جیسا تھا۔ہماری پریشانی میں وہ پریشان ہو جاتے اور تعویذ ووظائف عطا کرتے ،وہیں کامیابی پر بہت خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے ۔اپنے بڑوں سے سنتے آئے ہیں کہ بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنا سب سے بہترین خدمت ہے ۔اللہ نے ہمیں یہ مواقع بھی عطا کئے،لیکن دنیاوی مصروفیت ایسے آڑے آتی کہ ان موقعوں کا صحیح فائدہ نہ اٹھا سکے اور خدمت کا حق ادا نہ کر سکے ۔ آپ اپنے والد سے بے حد محبت کرتے تھے ۔کراچی میں ایک بار حضرت کے ساتھ سید عبد اللہ شاہ غازی علیہ الرحمہ کی درگاہ پر حاضری کی سعادت ملی ،درگاہ ساحل سمندر کے قریب واقع ہے ۔درگاہ پر حاضری کے بعد ساحل سمندر کی سیر کی خواہش کا اظہار کیا۔میرے والد اور بھائی ساتھ تھے،فوراً حکم کی تعمیل کی ۔ہمارے ساتھ دیر تک ساحل پر چہل قدمی کرتے رہے اور فرمایا کہ ہم اپنے والد کی محبت میں یہاں آئے ہیں وہ جب اپنی حیات میں کراچی تشریف لائے تو ساحل سمندر کی سیر کو آتے تھے۔

جب بھی کوئی دینی یا شرعی مسئلہ درپیش ہوتا تو حضرت کی موجودگی پر مسائل کا حل ہوتا ،مشکل سے مشکل سوالات کا بھی اتنا سہل اور آسان جواب دیتے کہ سامنے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا ،بلاشبہ آپ کی ذات نابغۂ روزگار تھی ،عمدہ یادداشت سے بہرہ ور،بڑے مفکر،مسحور کن بلاغت کے مالک اور قادر الکلام نثر نگار وشاعر تھے اور یہ بات حقیقت سے بالکل قریب ہے کہ آپ اردو انشاپردازی میں ایک نئے طرز کے موجد تھے،جب جب حضرت کی تشریف آوری پاکستان ہوئی ،یہ میں نے محسوس کیا اور ان کی تقریریں سنیں ،نہ معلوم کتنے مختلف علوم وفنون کے خزانے دماغ میں جمع تھے اور ہر وقت مستحضر ،تصوف ہو کہ الٰہیات ،فقہ ہو کہ کلام ،شعر وادب ہو یا فنون لطیفہ ،تاریخ ہو کہ سیاسیات ،بزرگان پھلواری شریف کے ملفوظات ہوں کہ مکاتیب ،جس فن سے متعلق جو بھی موضوع ہو ،بس گفتگو چھیڑنے کی دیر تھی ،یہ معلوم ہوتا تھا کہ سامنے کوئی معمولی واقف کار ہی نہیں ،ماہر فن تقریر کر رہا ہے اور بیان بھی فصاحت وبلاغت سے لبریز۔

المجیب میں قیام کے چند ہی دن ہوتے لیکن یہ مختصر قیام ہم لوگوں کے لئے کسی نعمت سے کم نہ ہوتا ۔گھر کے بڑے ہوں یا چھوٹے سب پر آپ کی خاص نظر کرم رہتی ۔آمد سے روانگی تک لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا ۔ذہن کے دریچوں میں ان کے ساتھ گزارے لمحات اب ہماری زندگی کی سنہری یادیں بن گئی ہیں۔

چند تصویریں ہمارے آئینہ خانہ میں ہیں
کھو گئے وہ جن سے سجتی تھی ہماری انجمن

المجیب میں ہر سال ۱۶/صفر کو حضرت فیاض المسلمین حضور مولانا شاہ بدرالدین قادری پھلواروی علیہ الرحمہ کا عرس نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔اس موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر تشریف آوری ہوتی تھی (جس زمانہ میں دونوں ملکوں کے حالات بہتر تھے) آپ کا خاص خطاب بھی ہوتا تھا، بے شمار لوگ آپ کی موجودگی سے مستفید ہوتے اور آپ کے نورانی بیانات سے فیض پاتے تھے۔جہاں وہ بہترین شاعر، مدرس اور مقرر تھے وہیں ان کی شاندار تحریریں المجیب کے شمارہ کو زینت بخشتی رہیں۔نعتیہ کلام یا منقبت ہر جگہ انہوں نے اپنا ایک مقام بنایا۔

بے شمار لوگ آپ کے ذریعہ سلسلہ میں داخل ہوئے اور کتنے خوش نصیب ایسے تھے جو آپ کے ہاتھ پر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جس کا یہ خاکسار خود گواہ ہے۔خانقاہ اور خلوت سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی خانقاہ یا خلوت کے لیے باعث تکلیف ہوتا تو اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے اور سلام دعا تک تعلق رکھتے۔ہمیشہ خانقاہ اور اپنے بزرگوں کی روایتوں کو اپنے سینے سے لگائے رکھا اور آخر وقت تک اس پر قائم رہے۔

حضرت کو دو حج اور متعدد بار عمرے کی سعادت حاصل ہوئی۔سچے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے، سنت نبوی پر ہمیشہ باعمل رہے۔ہر دم فراق طیبہ میں مبتلا رہتے۔حضرت کو کربلائے معلی، بغداد، کوفہ اور نجف کی زیارتوں کا شرف بھی حاصل ہوا۔آل رسول اور اصحاب و اہل بیت سے محبت کا ثبوت آپ کے نعتیہ کلام و منقبت ہیں۔آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے، خانوادہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیرت پیر مجیب آپ کی شاہکار تصانیف ہیں۔

آپ کا وصال بروز پیر ۱۱/محرم ۱۴۴۲ھ اور ۶۳/سال کی عمر میں ہوا، یہ سب نشانیاں ایک سچے عاشق رسول کی ہیں۔ پوری زندگی عشق رسول میں گزاری، پھر وقت موعود آپہنچا اور خانوادہ زینبیہ کے یہ عظیم فرد اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔آپ خانقاہ مجیبیہ کے لئے سایہ دار شجر کی طرح تھے، جس کا اندازہ زیب سجادہ جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کے اس جملے سے لگایا جاسکتا ہے جو حضور مدظلہ العالی نے آپ کی وفات پر فرمایا کہ آج ہم ایک بار پھر یتیم ہو گئے۔

آپ کا جنازہ پیر و مرشد زیب سجادہ حضور شاہ آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے پڑھایا۔وصیت کے مطابق جنازہ کو حضرت کے پیر و مرشد حضور امان المستجیرین مولانا شاہ امان اللہ قادری علیہ الرحمہ کے مزار کے سامنے چند ساعتوں کے لئے روکا گیا۔بعدازاں تدفین باغ مجیبی میں حضرت مولانا سید شاہ محمد ہادی علیہ الرحمہ کے پہلو میں عمل میں آئی۔

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

✲✲✲✲✲✲✲✲✲

مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ
اور ترسیل ایمان و ایقان

● ڈاکٹر سید اعجاز احمد قادری — مقیم سعودی عرب

یارب بشہ امانِ ملت ۞ شاہنشہ کشور حقیقت
مقبول ببارگاہ یزداں ۞ کشافِ رموزِ فقر و عرفاں

میں نے یہ نکتہ سیکھا حضرت مخدومنا سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ کی ذات اقدس سے کہ اپنے شیخ روحی فداہ کے چہرہ انور کی زیارت جب بھی نصیب ہو خلوت میں یا جلوت میں بموقع قل یا اعراس میں تو اس سے ترسیل ایمان و ایقان کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔

میرے خیال میں ہے کہ وہ ترسیل ایمان و حکمت اور علم Transmission of Faith, Wisdom and Knowledge پر عمل پیرا تھے۔تمام یونیورسٹی اور کالج کی درسگاہیں ایک طرف اور یہ طریقۂ حیات ایک طرف۔ یہاں اپنی فہم مطالعہ اور مشاہدے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جب سرور کونین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالم میں تشریف آوری ہوئی تو وہ تمام حیات مبارکہ صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ بالا حقیقت یعنی ترسیل ایمان کی زندہ جاوید تصویر بن کر آئے تھے۔کہاں مدرسہ، کہاں کالج کہاں جامعہ۔سرور کائنات علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جیتی جاگتی اور ہمیشہ قائم رہنے والی حیات طیبہ سے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تعلیم و تربیت فرمائی۔مگر ساتھ ہی ساتھ علم ظاہر حاصل کرنے کے لئے دور دراز کا سفر دیار غیر یعنی ملک چین بھی جانا ہو تو طے کرنا واجب فرمایا۔

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لقب اُمّی عطا فرمایا جس کے معنی ہیں کہ آپؐ نے دنیا میں کسی انسان

سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی نے بھی آپ کو نہیں پڑھایا لکھایا، مگر خداوند قدوس نے آپؐ کو اس قدر علم عطا فرمایا کہ آپؐ کا سینہ علوم اولین و آخرین اور معرفت کا خزینہ بن گیا اور آپ پر قرآن کریم کا نزول فرمایا جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

آپ نے فرمایا: ''میں علم کا شہر ہوں تو علیؓ اُس کے دروازہ ہیں''

"I am the city of knowledge and Ali is its gate"

علم کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث شریف سے کیا جا سکتا ہے:

''عالم کے قلم کی روشنائی (سیاہی) شہد کے خون سے زیادہ پاکیزہ و طاہر ہے۔

'The ink of a scholar is holier than the blood of the martyr"

اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا:

سب سے بہترین اور نفیس تحفہ جو تم اپنے بچوں کو دے سکتے ہو وہ تعلیم ہے۔

"The best and the finest gift you can give to your children is education'

ان تمام زمینی حقائق کے ساتھ ہی جو سب سے قیمتی چیز ہے وہ ترسیل ایمان وایقان 'Transmission of faith 'wisdom & knowledge' ہے جس کی تعلیم مدرسوں و درسگاہوں میں نہیں دی جا سکتی ہے۔ مگر وہ ایک انسان متقی، پرہیزگار اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرد اپنے ظرف سے دے سکتا ہے۔

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اس ضمن میں حضرت مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ کی تالیف اول سوانح پیر و مرشد شیخ الوقت امان المستجیرین حضرت مخدومنا مولانا الحاج سید شاہ محمد امان اللہ قادری زینبی جعفری قدس سرہٗ کا ذکر باعث خیر و برکت ہے۔ مقصد تصنیف کتاب ہے کس طرح آپ قدس سرہٗ اپنے مریدان کو ان کے ظرف کے مطابق ترسیل ایمانی و روحانی فرماتے تھے۔ ان کو علم، عرفان، سلوک، وضع داری، شرافت، تہذیب و شائستگی کی تربیت کرتے تھے۔ یہ قصہ ایک وقت کا نہیں ہے۔ یہ سال و دو سال کی بات نہیں۔ یہ زندگی بھر کی دولت ہے جو مرید کی دنیا بدل دیتی ہے۔ اس میں ایک فرد نہیں شامل ہوتا ہے بلکہ اجتماعی نسل فیضاب ہوتی ہے۔ یہ بڑے پیمانے پر زندگی میں اخلاقی و روحانی انقلاب لاتا ہے۔ یہی حضرت اقدس کی پوری حیات جاویدان کی تصویر ہے۔

حضرت مخدومنا شیخ سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہٗ کی تصنیف نے بے شمار لوگوں کو راہ راست پر لگا دیا ہے۔ حضرت قدس سرہٗ نے اپنی حیات مبارکہ میں اس عظیم الشان کارنامے عرفان اور ایقان اپنی تحریر میں لا کر اپنے پیر و مرشد قدس سرہٗ کی

ترجمانی کر کے ثابت کر دیا کہ شریعت وطریقت پر عمل کر کے زندگی کے مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے۔اس رمز پر خود عمل پیرا تھے کہ مومن کے مقاصدِ حیات میں مقاصد کا صالح ہونا ضروری ہے اور ان کی حصول یابی کے لئے صالح ذرائع اور وسیلہ بھی اتنا ہی اشد ضروری ہے۔ یہ ہے کمال حیات! مشکل ہے اور آسان بھی۔حضرت پیر و مرشد کی دستگیری سے معاملات طے پاتے ہیں۔ جملہ مسائل حیات کا حل ملتا ہے۔مجھ کمترین مرید کی بیش بہا دولت سرکار فخر المشائخ حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہٗ زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف ہیں۔انہی کے دم سے یہ روشنی رب العزت قائم و دائم رکھے۔مخدومنا حضرت الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری روحی فداہ کی مقناطیسی شخصیت نے ناتواں وکمزور کو حوصلہ منداور قوی بنایا۔

اللہ رب الکریم ان کے درجات بہشت بریں میں بلند فرمائیں۔ان کی والدہ ماجدہ کو سکون قلب نصیب فرمائے۔ ان کے اہل کو نعم البدل عطا فرمائے۔حضرت کے نورچشم ارجمند الحاج مولانا حافظ قاری سید حسین بہجت سلمہ کو اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا جانشین بنادے۔حضرت کے نواسے نواسیوں کو دین و دنیا کی دولت وافر عطا فرمائے۔آمین!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

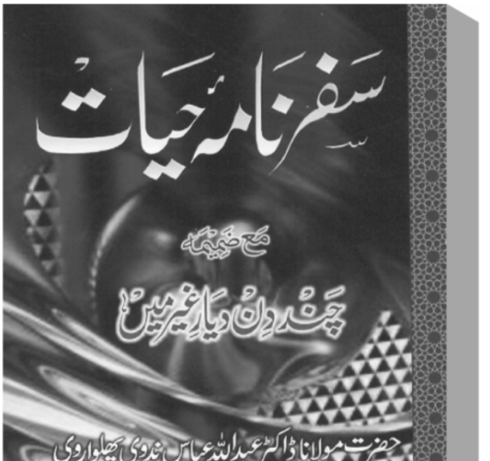

₹:150/-

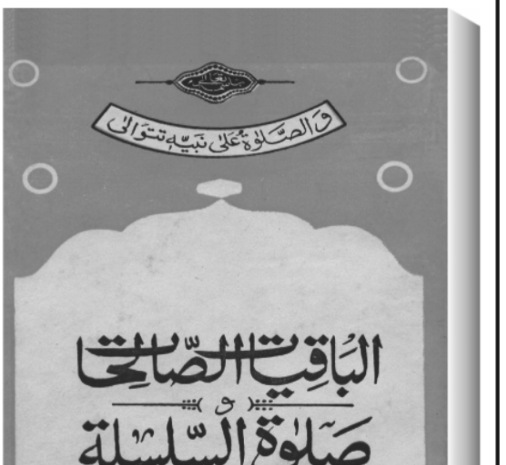

₹:50/-

حکمت اور دانائی کی باتیں اور

حضرت مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

● ڈاکٹر سید ایاز احمد قادری — مقیم دہلی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے تمام مخلوقات میں اشرفیت کے مرتبے پر فائز کیا، آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے شعوب وقبائل میں تقسیم فرمایا وہیں اولاد آدمؑ ہونے کے ناطے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، کوئی اونچ کوئی نیچ نہ پیدا کیا ہاں کسی کو مرتبہ بلند اگر حاصل ہوا تو اس کے اعمال حسنہ، عظیم کارناموں اور خدمت خلق کی بنیاد پر ہوا۔ قرآن پاک کا بیان ہے ''اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ''۔ تم میں سب سے مکرم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ تقوی شعار ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے واضح فرمایا کہ نسل انسانی میں کوئی کسی پر رنگ ونسل، ملک وملت کی وجہ سے فوقیت نہیں رکھتا، تمام نسل انسانی کو ایک دوسرے کے مساوی قرار دیا۔ اسی درس مساوات نے اسلام کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کردیا اور سارے انسان کو ایک کنبہ میں شامل کردیا۔ اس انسانی کنبہ کو جوڑے رکھنے کے لیے اسلام نے کئی رہنما اصول دیے۔ ان میں سے یہ تین اہم اور نہایت دوررس ہیں۔

(۱) افشاء سلام　(۲) اطعام طعام　(۳) صلۃ الارحام

یہ تین رہنما اصول ہیں اگر ان اصولوں کی پابندی انسان اپنے معمولات میں شامل کرلے تو نسل انسانی کے بقا وتحفظ کے لیے پیدا شدہ تمام مسائل حل ہو جائیں۔ حدیث پاک میں ہے:

''عن ابی یوسف عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: یاأیھا الناس أفشؤا السلام واطعموا الطعام، وصلوا الارحام و صلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنۃ بسلام۔ رواہ الترمذی

حضرت ابویوسف عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے۔انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ’’اے لوگو! سلام پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات میں نماز پڑھو اس وقت جب لوگ نیند میں رہیں سلامتی سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

احادیث میں سلام کی بہت تاکید و فضیلت آتی ہے جس کے بیان کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

اس مصروف ترین زندگی سے جتنا حصہ بھی نکال سکا رب العزت کے فضل و کرم سے خانقاہ پھلواری شریف میں اس زمانے کے عالم ربانی و روحانی شخصیت حضرت مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گزار سکا۔ میں نے ان کے معمولات کو ان اوصاف سے مملو پایا اور ان کی شخصیت انہیں اوصاف حسنہ کی بنیاد پر مقبول عام و خاص رہی۔ حضرت بہت جلد ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے اور ہم ان کی صحبت کا زمانہ دراز نہ کر سکے۔اللہ ان کی بتائی ہوئی راہوں پر چل کر زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

حضرت مخدومنا قدس سرہٗ ہم لوگوں کے آڑے وقتوں میں ہمیشہ دستگیری فرماتے تھے اور دعائیں فرماتے تھے۔اب جب کہ وہ چشم ظاہر میں نہیں ہیں تو ان کے پس ماندگان میں ان کی والدہ ماجدہ سب سے زیادہ قابل احترام ہیں۔حضرت نے اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھائی۔ہمیشہ ان کی رضا کو اولیت دیا۔یہی حال ان کی اہلیہ اور صاحبزادے حافظ و قاری حضرت سید شاہ حسین بہجت سلمہ کا ہے۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور نعم البدل دے! حضرت نے جس طرح اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں اپنی ساری عمر لگا دی اللہ تبارک و تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی اپنے حبیبؐ اور بزرگان کے صدقے اور طفیل میں اپنے والدین کی خدمت کرنے توفیق سعید عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حضرت مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ

● ڈاکٹر سید نیاز احمد قادری — مقیم امریکہ

حضرت مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شاہکار تصنیف سیرت پیر مجیب نہایت عمدہ طریقہ پر قلمبند کیا ہے۔کتاب کی افادیت اور پزیرائی عالمی پیمانے پر ہوئی ہے۔اس میں حقائق کی تنظیم بہت ہی اعلیٰ ہے۔ کتاب میں بہ تفصیل مومن کا نصاب حیات تحریر فرمایا گیا ہے۔

خانقاہی نظام کی حضرت پیر مجیب قدس سرہٗ نے تجدید فرمائی اور عملی طور پر اپنی خانقاہ میں نافذ فرمایا، گذشتہ ۳۵۰ سالوں سے جس پر خانقاہ کے تمام سجادگان نہایت حسن اسلوبی سے عامل ہوتے رہیں ہیں۔مقصد تالیف کتاب میں اساسی عناصر ایمان سے ابتدا کی گئی ہے۔حضرت پیر مجیب قدس سرہٗ کا پیام امت کے نام پیام نبی کریم ﷺ ہے، وہ ہے نماز پنجگانہ کی پابندی، حق گوئی اور اکل حلال کی اہمیت۔اول تا آخر اس امر کو ذہن نشیں کرنا ہے جو ایک شعر میں سمو دیا گیا ہے:

سرّ دین صدق مقال و اکل حلال
خلوت و جلوت تماشائے جمال

سادہ ترجمہ : مسلمان کے لئے سچ بولنا اور حلال کھانا ہی راز دین ہے۔ایسا مسلمان اپنے کمرے میں ہو یا عوام میں اس کا حسن و جمال چہار جانب ہے۔

کتاب میں حضرت پیر مجیب قدس سرہٗ نے شریعت پر کاربند ہونا مسلم کے لئے ضروری ٹھہرایا ہے۔حضرت قدس سرہٗ کے سلسلے میں عشق رسول کریم ﷺ اور حُبِ آل رسول ﷺ جزو ایمان ہے۔آپ نے ہم مریدان کو اسی تعلیم و تربیت سے آراستہ فرمایا ہے۔اپنے نظام خانقاہی میں زیارت موئے مبارک ﷺ ہر قمری ماہ کی گیارہ تاریخ کو قرار رکھا ہے۔

خلوت سے متصل بلند بالا گنبد موئے مبارک رسول ﷺ ہے۔اس گنبد شریف کی روحانی عظمت کا واحد سبب ہے کہ

یہاں اندرون گنبد نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک تشریف فرما ہوتے ہیں۔ان ہی کی عظمت و حرمت سے حضرت تاج العارفین پیر مجیب اللہ قدس سرہٗ کی خانقاہ کی شناخت ہے۔

آداب وطریقۂ زیارت موئے مبارک ﷺ :

”موئے مبارک کی زیارت کے لئے حضرت تاج العارفین نے اپنے ذوق ووجدان کے مطابق ایک الگ اور منفرد طریقہ اختیار فرمایا جس میں عشق اور ادب کی پوری رعایت رکھی گئی تھی۔اس طریقہ کے موجد آپ خود ہیں اور آپ کو اس میں اولیت حاصل ہے۔آپ سے قبل ایسی کوئی جگہ ہمارے علم میں نہیں ہے جہاں اس طریقہ پر انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ زیارت کرائی جاتی ہو اور یہ طریقہ آپ کو عشق ہی نے سکھایا تھا“—(سیرت پیر مجیب قدس سرہٗ سے ماخوذ)

موجودہ دور میں تقریباً پندرہ سالوں سے بستہ موئے مبارک شریف کا گنبد سے نیچے سر پر لانے کا شرف حضرت مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ کے ذمہ جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ آیت اللہ صاحب قادری مدظلہ العالی نے سپرد فرمایا تھا۔ یہ بات خصوصی طور پر جاننے کی ہے کہ حضرت مخدوم علیہ الرحمۃ کی وفات ۱۱رمحرم ۱۴۴۲ھ بمطابق ۳۱راگست ۲۰۲۰ء کو ہوئی۔اس سے تقریباً تین ہفتہ قبل حضرت علیہ الرحمۃ سخت علیل ہوکر مستقیٰ ایمس، پٹنہ میں داخل ہوئے اور ٹھیک ۱۱رمحرم ۱۴۴۲ھ بعد نماز عصر/ بعد زیارت حضرت علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا—اناللہ وانا الیہ راجعون!

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾

راقم نیاز احمد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ایک دفعہ حضرت مخدومنا الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قیمتی راز سے نوازا۔وہ ہے کہ جب حضرت علیہ الرحمۃ گنبد موئے مبارک ﷺ میں زیارت کا بستہ اپنے سر پر لانے گئے تو ان کا مشاہدہ ہے کہ صندلی الماری میں جہاں موئے مبارک کا بستہ رکھا جاتا ہے وہاں قدرتی طور پر نہایت صفائی اور خوشبو سے مشرف ہوئے۔گنبد میں کہیں بھی کبوتروں کی بیٹ اور پَر نہیں تھی۔اس کے علاوہ ظاہری طور پر گنبد پر کبوتریں نہیں بیٹھی تھیں۔ یہ موئے مبارک ﷺ کا جیتا جاگتا معجزہ ہے۔

اس ضمن میں ایک دوسری حقیقت کی یاد دہانی کرانی ہے کہ حضورِ کائنات ﷺ کا چہرہ منور، جمال الٰہی کا آئینہ دار، انوار تجلی کا مظہر تھا۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ چاندنی رات میں دیکھا تو مجھے آپ کا چہرہ چاند سے بھی خوبصورت نظر آیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ کے حلیہ مبارک کو بیان کرتے ہوئے یہ کہا جو آپ کو اچانک دیکھتا وہ آپ کے رعبِ ادب سے ڈر جاتا تھا اور پہچاننے کے بعد آپ سے ملاقات کرتا تو وہ آپ سے محبت کرنے لگتا۔حضرت براء بن

عازبؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں سے خوبرو اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔

حضرت مخدومنا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ بے شک عاشقانِ رسول ﷺ میں سے تھے۔ عشق نبی ﷺ تو ان کو وراثت میں ملی تھی جس کے آپ حضرت رسول نما بنارسی قدس سرہٗ، حضرت عماد الدین قلندر قدس سرہٗ اور حضرت پیر مجیب قدس سرہٗ و جملہ اکابرین سلسلہ مجیبیہ، وارثیہ اور جنیدیہ کے حامل ہیں۔ اسی لئے تو عہد حاضر میں آپ اکابرین اولیاء کرام کے زمرے میں شامل ہیں۔

ہم غلام غلامانِ پیر مجیب قدس سرہٗ اور پیران کرام کے سلسلے کے شرف غلامی کا طوق ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے۔

حضرت مخدومنا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ اور میرے جناب حضور فخر المشائخ الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مجیبی مدظلہٗ دونوں ہمارے آقا و مولا ہیں۔ ان ہی کی دعائیں ہماری راحت جان ہیں۔ رب الکریم مخدومنا کی والدہ ماجدہ مدظلہا کو سکون قلبی اور روحانی عطا فرمائے اور آپ کے فرزند ارجمند حافظ قاری مولانا سید شاہ محمد حسین بہجت سلمہ کو آپ کا قائم مقام بنائے۔ آمین!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

برائے مضمون نگار حضرات

- مجلہ ''المجیب'' کیلئے جو بھی مضامین ارسال کریں وہ خالص المجیب کے لئے ہو تاکہ مجلے کا معیار برقرار رہ سکے۔
- مضامین کاغذ کے ایک طرف حاشیہ چھوڑ کر لکھے جائیں۔
- مضمون کے پہلے یا آخری صفحہ پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مضامین بھیجتے وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھیں۔ مضامین گم ہونے کی صورت میں ادارے پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

سرکولیشن منیجر

Hazrat Maulana Syed Shah Helal Ahmad Quadri (R.A.)

● **Syed Wasim Ahmad Quadri**
Mira Road, Mumbai

Alhaj Hazrat Moulana Syed Shah Helal Quadri was one of the great Sufi scholar from Khanquah Mujeebia Phulwari Sharif Patna. He was Shaikh ul Hadidt and great preacher and my father in law. I remembered my first meet with him in Mumbai with a beautiful smile and great gesture he met with me. After my marriage it was the occasion of Rabi ul awwal

when I visited Phulwari Sharif for the same and saw how wonderful the Khanquah was looking with lots of decoration and a so much crowd for the Annual urs of s.a.w. This was the first time i am going to see the sacred hair of s.a.w pbuh. I was very much excited for this day and my i learnt how we had to see the sacred hair of s.a.w and many more things.

After this I tried not to miss any Rabi ul awwal to see the sacred hair of s.a.w either in Phulwari or in Mumbai. He had visited may time to Mumbai to visit my house and in every meet he used totell some Hadidt and even the story of many prophets and rasoolullah s.a.w also.

Lastly I can only met with him when he was going to Iraq for the visit of Karbala and Baghdad Sharif and after returning from these place he was there with us for one day and shared all the details of the visit. After that unfortunately we did not met again and when I heared about him of not well and admitted to AIIMS then we had rushed to Phulwari for the wellness of him but it was Allah wish that we could not meet again. At last could only say that he will be in our heart till our life specially my smaller son remember him every day. We all wish he rest in peace and his blessings will be there with us forever.

✵✵✵✵✵✵✵✵✵✵

تالیفات وتصنیفات

ایک صاحب دل شخصیت کا سفر نامۂ حج

بعنوان: ایک بے مایہ کا سفر حج

● مولانا عبدالباسط ندوی—المعہد العالی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمہ کے نام وکام سے یوں کان بہت دنوں سے آشنا تھے اور رفیق محترم مولانا شاہ بدر احمد مجیبی ندوی سے ان کی خوبیوں اور خصوصیات واحوال کو سننے کا موقع ملتا رہا، راست ملاقات بات کے مواقع گاہے بگاہے ہی رہے، طبیعت ومزاج میں سنجیدگی ومتانت کے ساتھ خندہ پیشانی کی صفت سے متصف تھے، ایک دو مواقع پر آپ کے خطاب سے بھی مستفید ہونے کا موقع ملا، اللہ تعالی نے علم وعمل کے زیور سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کو با فیض بھی بنایا تھا، عوام وخواص کو بہرہ ور ہونے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ چنانچہ زبان وقلم، تحقیق وتصنیف، درس وتدریس، امامت وخطابت جیسے خالص علمی ودینی اور تحقیقی کاموں سے لے کر رشد وتربیت، نظم وانصرام، تدبیر وتنظیم اور عوامی رابطے جیسے اہم کاموں کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ یہ ساری صلاحیتیں بہت کم افراد واشخاص میں ایک ساتھ جمع ہو پاتی ہیں، خصوصا ایک ایسا شخص جسے اپنی تعلیم وتربیت کے لئے اپنے خانوادہ کے اصحاب عمل وفضل اور اپنی خانقاہ کے حدود دوسرے الفاظ میں اپنی چہار دیواری سے ہٹ کر باہر جانے کے مواقع نہ ملے ہوں اور تعلیم وتربیت کا زمانہ بھی دور یتیمی کا رہین منت ہو، بلا شبہ جہاں یہ ان کی شخصیت پر تربیت الہی کا پرتو رہا وہیں خانقاہ مجیبیہ کے بزرگوں خاص کر دادا جان کی خاص توجہ رہی جس سے یہ واضح ہوگیا کہ اصل مواقع نہیں بلکہ خالق ومالک کی عنایت خاصہ کی کرشمہ سازی کا نتیجہ ہے۔ غرض فیضیاب تو چہاری دیواری کے اندر ہوئے لیکن اپنا فیض چہار دانگ عالم میں پہونچاتے رہے، آپ کی زندگی ایسے افراد کے لئے جنہیں مواقع نہیں مل پاتے ہیں نمونہ عمل ہے کہ وہ مواقع نہ ملنے کا شکوہ کرتے ہوئے حوصلہ پست کر کے بیٹھ نہ جائیں بلکہ ہمت وحوصلہ سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھیں کوشش ومحنت پر خود اللہ رب العزت کی مدد ودستگیری فرماتے ہیں۔

حج جہاں اللہ تبارک وتعالی کی ربوبیت اور خالقیت ومالکیت کا مظہر ہے وہیں اس میں بندہ کی بندگی وعبدیت اور فنائیت کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ہوتا ہے بندہ سراپا عجز ونیاز اور ہر حکم پر سر تسلیم خم کئے رہتا ہے تو بندہ پرور اس پر اپنی مغفرت اور عفوودرگزر کے مینہ برساتا رہتا ہے بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر بھی، اس کا احساس خاص کر ایسے بندوں کو ہوتا ہے جو اپنا سارا اعزاز بندگی کو ہی سمجھتا ہے، کچھ ایسا ہی تصور زیر نظر سفرنامۂ حج کے مسافر کا بھی رہا ہے ان ہی کی زبان قلم سے نکلے ہوئے الفاظ ونقوش کے ذریعہ اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک اور کام ودہن کو لذت آشنائی سے بہرہ ور کیجئے:

''بندہ تو ہر جگہ اپنے رب کا محتاج ہوتا ہے، پیدا ہونے کے بعد ہی سے اس کا رب اس کا کفیل ومربی اور سفر دنیاوی میں اس کا میزبان رہتا ہے لیکن اپنے گھر بلا کر جو ضیافت فرماتا ہے، اس کا تو کوئی بدل ہی نہیں ہوسکتا۔ گناہوں کا بوجھ لے کر جانے والے ضیوف الرحمن مغفرت کی بیش بہا سوغات سے گراں بار ہو کر آتے ہیں، صالحین کو تقرب حاصل ہوتا ہے، مقربین قرب خاص سے نوازے جاتے ہیں، حسب حیثیت، ضیافت کا اہتمام ہر طبقے کے لئے موجود ہے، عوام کا حج کچھ اور ہوتا ہے، اہل معرفت کا حج کچھ اور ہی چیز ہے، وہ گھر پہنچ کر گھر والے کو پاتے ہیں، ان کو تلبیہ کا جواب ملتا ہے، وہ بظاہر مکان کا طواف کرتے ہیں، لیکن فی الحقیقت خود کو مکین کے گرد گھومتے ہوئے پاتے ہیں''۔۔۔(صفحہ:۳۱)

سفرنامہ کی ابتداء میں اس راہ کے مسافر نے تلخ وشیریں اپنے ابتداء حالات سے گزرتے رہنے کا بھی اچھے انداز میں تذکرہ کیا ہے اور ان مشکل حالات میں ایک مومن جسے اللہ تعالی ہی پر اعتماد وبھروسہ ہو کا کردار نبھاتے رہے، لکھتے ہیں:

''اللہ تعالی کا بڑا کرم رہا کہ ایسے کڑے لمحات میں بھی بندوں سے امداد وتوجہ کا خیال نہیں آیا، اللہ تبارک وتعالی نے بس اپنا محتاج بنا کر رکھا، یہی دعا بھی تھی اور یہی تمنا بھی۔ الحمد للہ! ابتلاو آزمائش کی ایک طویل اور سنگلاخ رہ گزر طے ہو جانے کے بعد مشکلات کا فتح باب ہونے لگا، مسائل حل ہونے لگے، آسانیاں ظاہر ہونے لگیں، بعض اہم امور کی تکمیل ہوئی لیکن زبان رسالت سے نکلی ہوئی یہ دعا: اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا، اپنا اثر دکھاتی رہی''۔۔۔(ص ۴۱)

حج بیت اللہ اور زیارت نبی ﷺ کا شوق تو ہر مومن کے قلب وروح میں بسا رہتا ہے اور وہ اس جذبہ کا اظہار مختلف پیراؤں میں کرتا رہتا ہے، یا دل ہی میں مخفی رکھتے ہوئے خود مالک الملک اور رب الارباب سے فریادی رہتا ہے، اس مسافر نے اپنے اس شوق وجذبہ کا اظہار نقوش والفاظ کے اس انوکھے پیرایہ میں کیا ہے:

''بڑی محرومی ہوگی کہ اسی دنیا میں رہتے ہوئے نبی رحمت ﷺ کی بارگاہ میں حاضری نہ ہو اسی زمین پر اللہ کا گھر موجود ہے اور اس کی زیارت وطواف کی سعادت حاصل نہ ہو۔ اللہ کا گھر دیکھنے کی خواہش اور اللہ کے حبیب کی چوکھٹ پر حاضری کی تمنا کروٹیں لیتی رہی مگر بے مائیگی نارسائی کا سبب بنی ہوئی تھی یا شاید اپنی نااہلی دوری ومجبوری کی تعبیر تھی:

بلبل بہ چمن آمدہ پروانہ بہ محفل

مارا بہ سر منزل جاناں گزرے نیست

اپنی حالت کے پیش نظر اور اپنی شامت اعمال کی بدولت اس سعادت عظمیٰ کے حصول کی توقع نہ تھی ،اسباب ووسائل کی میری نظر میں کوئی اہمیت نہ پہلے تھی نہ اب ہے،نگاہ یار سلامت رہنی چاہئے ؎

نگاہ یار سلامت ہزار میخانے—(ص:۴۴)

اب جب کہ سفر کا آغاز ہوا چاہتا ہے اور مسافر اپنی دونوں خواہشوں اور چاہتوں کو حج بیت اللہ اور زیارت نبی ﷺ میں سے پہلے ترجیح کس کو دے اور کس در پر پہلے حاضری ہو؟ جبکہ دل و جذبات دونوں طرف کشاں کشاں ہیں خود ان سے ہی سنئے:

”جذبات عقیدت کا تقاضا تھا کہ پہلے سرکار عالی وقار کے در دولت پر جبیں سائی کی جائے اور سلام پیش کیا جائے، آقائے کریم اروا حنافداہ ﷺ کو سلام کرنے کے بعد فریضہ حج کی تیاری کی جائے لیکن دل کے کسی گوشے سے بار بار صدا آرہی تھی کہ شہنشاہ کونین کے دربار میں کس منہ سے جاؤ گے؟ گناہ کی آلودگیوں کے ساتھ سامنا کر سکو گے؟ تم اس لائق کہاں ہو کہ اس کے دربار میں حاضر ہو سکو،تم منہ دکھانے کے لائق نہیں ہو،اتنی جرأت نہ کرو،پہلے حج سے فارغ ہو جاؤ، کچھ گناہ تو دھل جائیں گے“—(ص:۵۰)

آگے سفر کے آغاز، روانگی، ایر پورٹ کے قانونی مراحل اپنے او پر اور رفقاء سفر پر بیتے لمحات واحوال کا ذکر کرتے ہوئے جب یہ مسافر بلد امین مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوا تو دل و جذبات پر یہ خیالات چھا گئے، لکھتے ہیں:

”بلد امین کی طرف سفر شروع ہوا، وہ بلد امین اور ام القری جہاں کعبہ مشرفہ ہے، جہاں حجر اسود ہے، جہاں ملتزم ہے، جہاں مقام ابراہیم ہے، جہاں بئر زم زم ہے جہاں صفا و مروہ جیسے شعائر اللہ ہیں، جہاں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے جہاں پروردگار ہر لحظہ مائل بہ کرم رہتا ہے، جہاں کا ہر چپہ منبع نور ہے، جہاں عرفات کی وادی ہے، جہاں مشعر حرام ہے، جہاں کی گلیوں میں، شاہراہوں پر، وادیوں میں، پہاڑیوں پر شہنشاہ کونین اروا حنافداہ ﷺ کے بچپن سے جوانی تک کے نقوش پا بکھرے ہوئے ہیں، جہاں کی فضاؤں میں جہاں کی ہواؤں میں ان کے انفاس کی خوشبو آج بھی پھیلی ہوئی ہے۔جذبات کا غلبہ ہونے لگا، خیالات کی روبیت عتیق سے رب البیت کی طرف منتقل ہوئی اس کے فضل و کرم اس کی بندہ نوازیاں یاد آنے لگیں، قلب حزیں تشکر و امتنان کے موتی لٹانے لگا، اپنی غفلت و بد اعمالی یاد آنے لگی اور عرق انفعال سے پیشانی تر ہونے لگی“—(ص:۵۸-۵۹)

اب لیجئے سفر طے کرتے ہوئے قیام گاہ پھر وہاں سے بیت اللہ پہونچنے اور پہلی نظر پڑنے پر جو کیفت طاری ہوئی وہ الفاظ کے پیرہن میں یوں ملبوس ہے:

”جذبات میں ایک تلاطم پیدا ہوا اور گویا بھرے ہوئے قرابے کا منہ کھل گیا، جی چاہا دوڑ کر جاؤں اور اپنے رب کے گھر سے لپٹ جاؤں، ہر گوشے کو چوموں، اس کی ہر ہر اینٹ کو بوسہ دوں، اس کے سیاہ ریشمی پردوں میں جذب

ہوجاؤں، اس کی سیاہ پتھریلی دیواروں کاایک حصہ بن جاؤں، ہر سمت سجدے کروں، اس کے گرد دیوانہ وار رقص کروں ، یہ میرے رب کا گھر ہے، کیسا حسین گھر ہے، کیسا پرکشش ہے، کچھ یاد نہیں رہا، اجر کیا ہے؟ ثواب کیا چیز ہے؟ صرف یہ یاد رہا کہ میں جیسا بھی ہوں جو بھی ہوں، میں ہوں اور میرے رب کا گھر ہے، نہ طائفین کا طواف نظر آ رہا ہے، نہ راکعین وساجدین کے رکوع وسجود، نہ منگتوں کی بھیڑ نظر میں ہے، جو ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگ رہے ہیں، کوئی نہیں ہے نہ صحن حرم میں، نہ سایۂ سائبان میں، نہ مقام کے قریب نہ حجر کے قریب، صرف میں ہوں اور میرے رب کا گھر ہے، جلوت میں یہ کیسی خلوت مل رہی ہے، کثرت میں یہ کیسی وحدت ہے؟ بھکاریوں کی اس بھیڑ میں یہ کیسا بھکاری ہے؟ غلاموں کے ازدحام میں یہ کیسا غلام ہے؟ اتنے ساروں میں بندوں میں یہ کیسا بندہ ہے؟ جو مانگتا بھی نہیں، ہاتھ بھی نہیں پھیلا رہا، بس ایک ٹک اپنے رب، اپنے مالک کے گھر کو دیکھے جا رہا ہے جس کے جذبات ابل رہے ہیں، دل پانی ہو کر بہ رہا ہے، اس کے موتی جو اپنے رب کے در پر لٹا رہا ہے، بڑے قیمتی ہیں محبت میں، رب کریم کے گھر کو دیکھنے کی خوشی میں، شرف عبدیت کے احساس تفاخر میں رُلنے والے موتیوں کو قیمتی اور انمول ہونا بھی چاہئے، ہاں! اس کے کچھ موتی بے قیمت بھی ہیں، بے وقعت اور بے مول بھی ہیں، یہ ندامت ومعصیت کے موتی ہیں ان کو بے قیمت ہونا بھی چاہئے، جذبات کے منہ زور دھارے کو شریعت کے محتسب نے روکا، شریعت کا محتسب حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتا:

خدا چوں می کند بر دل تجلی

محمد ﷺ ہوش وگوش عارفان است

—(ص: ۶۴-۶۵)

آگے کعبہ کی حیثیت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اللہ کا گھر اس کرۂ ارضی پر ایک عجیب چیز ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ اعجاز بیت اللہ کا صحیح معنوں میں اب تک تجربہ نہیں کیا گیا ہے، ایک ملحد یہاں پہنچ کر وجود باری کا قائل ہوسکتا ہے، ایک کافر ومشرک بیت اللہ کا جلال وجمال دیکھ کر کفر وشرک سے تائب ہوسکتا ہے، بیت اللہ شریف کے انوار وتجلیات میں اس برق کی تاثیر پائی جاتی ہے جو کفر وشرک اور فسق وفجور کے خرمن کو جلا ڈالتی ہے''—(ص: ۷۶)

عمرہ سے فارغ ہو کر بیت اللہ کے طواف اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے حج کے ایام آپہونچے تو حج کے لئے منی وعرفات کی روانگی اور وہاں پہنچ کر دعا واستغفار میں محویت کا تذکرہ کرتے ہوئے عرفات کی خصوصیت کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں:

''عرفات میں صرف گناہوں اور خطاؤں کی معافی ہی نہیں ہوتی، حقائق ومعارف کے در بھی کھلتے ہیں،

حجاج کو بخشائش ومغفرت کے ساتھ عرفان ذات حق کی دولت بھی حاصل کرنی چاہئے۔وہاں پہنچ کر قلب کو طمانیت، انشراح اور سکون حاصل ہوا۔ چالیس لاکھ افراد جہاں موجود ہوں اس جگہ کو شور وغل سے گونج اٹھنا چاہئے لیکن یہ اس وادئ مقدس کی برکت اور حج کی کرامت ہے کہ پوری وادی میں **حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة** کا مشاہدہ ہوتا ہے''—(ص:۹۲)

عرفات سے مزدلفہ پھر منیٰ، رمی جمرات وطواف افاضہ اور تمام اعمال حج کی ادائے گی کے بعد بارگاہ ایزدی میں شکر گزار ہیں کہ:

''اللہ کے فضل وکرم سے مناسک حج ادا ہوگئے اور اتنی آسانیاں پیدا ہوئیں کہ ابھی بھی حیرت ہوتی ہے کہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی، کوئی مسئلہ نہیں پیدا ہوا، مشکلات جہاں جہاں محسوس ہوتی تھیں وہیں اللہ تعالی کی جانب سے آسانیاں فراہم ہوجاتی تھیں، یہ اندازہ ہوا کہ حج جیسی عبادت کی مکمل ادائیگی کا تعلق جسمانی طاقت وقوت سے ضرور ہے لیکن کامیابی کا تمام تر دارومدار، سلامت قلب، حسن اعتقاد اور اخلاص نیت پر ہے، یہی چیزیں اصلا سفر حج اور ادائے فریضہ کے لئے زادراہ کی حیثیت رکھتی ہیں''—(ص:۱۰۶)

مکہ مکرمہ کے سلسلہ میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

''مکہ تو رحمت الٰہی کا مورد ہے، وہاں ہر طرف رحمت ہی رحمت ہے، وہ دنیا کا ایسا خطہ ہے جہاں اللہ تعالی کی رحمت بے حساب نازل ہوتی ہے، وہاں ہر قدم پر رحمت وعنایت ہے، ہر قدم پر مغفرت کی بشارتیں ہیں، کعبہ مشرفہ کے سائے میں ایسی شفقت وراحت اور انس محسوس ہوتا ہے کہ ماں باپ کی شفقتیں اس کے سامنے کچھ نہیں۔مکے میں جلال ہو ہی نہیں سکتا وہاں جمال الٰہی کا کھلا مشاہدہ ہے، جلال ربانی تو باعث غضب وعتاب ہوتا ہے، اگر جلال ہوتا تو بڑے بڑے مقربین وہاں ایک لمحہ نہیں ٹک سکتے تھے، ہم گنہگاروں کی کیا بساط، حجاج تو بطور خاص ضیوف الرحمن ہیں، مہمانوں کے ساتھ میزبان (رحمن) کا سختی سے پیش آنا، اخلاق الٰہی سے بعید بات ہے، یہ جمال ربانی اور کرم رحمانی ہی کا نتیجہ ہے کہ لاکھوں افراد میں، بیمار، کمزور اور انتہائی بوڑھے بھی بآسانی مناسک حج ادا کرلیتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ لاکھوں افراد میں اک اک فرد پر خاص توجہ ہوتی ہے اور اللہ تعالی کی خاص میزبانی یہ ہے اپنے مہمانوں کے ساتھ کہ کسی کو محروم نہیں فرماتا، اللہ تعالی کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کی خاص تاثیر ہے کہ لاکھوں افراد بغیر کسی دشواری کے حج کرلیتے ہیں، کسی اور جگہ اتنے افراد جمع ہوجائیں تو کوئی کام پروگرام کے مطابق نہ ہوسکے گا''—(ص:۱۱۱-۱۱۲)

مدینہ منورہ کے سلسلہ میں اپنا تاثر یوں ظاہر کرتے ہیں:

''آپ ﷺ کے رحم وکرم کے اثرات دل پر محسوس ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالی کو اس مقام کی عظمت اور وہاں

کا ادب واحترام منظور ہے ورنہ کسی قسم کی بے ادبی اور بارگاہ رسالت سے بے اعتنائی غضب الٰہی کا سبب ہوگی۔ وہاں ایک طرف رحمۃ للعالمین روحی فداہ کے جمال باکمال کی جلوہ ریزیاں ہیں تو دوسری طرف جلال ربانی کی تپش ہر لحظہ متنبہ کرتی رہتی ہے کہ ”یہاں ہوش میں رہو، یہ میرے محبوب کی جگہ ہے ادب سے ایک ذرا تجاوز نہ ہو ورنہ میں تمہارے مقام ومنصب، تمہارے حسن عمل اور تمہارے تقویٰ وطہارت کی کوئی رعایت نہ کروں گا“ اور بلد امین مکہ مکرمہ تو بندوں کے ناز کی جگہ ہے، جتنا چاہئے مچلئے تڑپئے، ضد کرکے مانگئے، جذبات عشق کا والہانہ اور بے تابانہ مظاہرہ کیجئے، دیوانگی اسی جگہ قابل توجہ ہے، یہاں آپ مہمان ہیں اور پروردگار میزبان، مانگنے والوں کے ہاتھ خالی نہیں رہیں گے“۔—(ص: ۱۱۲)

حرمین شریفین کے اسلامی ماحول کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مغربی مدنیت کے باوجود، حرم محترم اور بیت اللہ شریف کی برکت سے اسلام، پوری اسلامی دنیا کے مقابلے میں حرمین شریفین ہی میں نظر آتا ہے، (سعودی حکومت کے دوسرے شہر میں نے دیکھے نہیں، اس لئے میں حرمین شریفین کی ہی بات کروں گا) پردے کا عام رواج ہے، لوگ گھروں میں بھی پردے کا خاص خیال رکھتے ہیں، کرایہ کی گاڑیوں میں اجنبی مرد وعورت ایک ساتھ نہیں بیٹھ سکتے، ڈرائیور عورتوں کو پچھلی سیٹوں پر بٹھاتا ہے، مسجد حرام میں خواتین کے لئے نماز کی جگہ علیحدہ ہے، مسجد کے اندر، سائبان یا صحن میں، مردوں کے ساتھ عورتوں کو نماز پڑھنے سے پولیس سختی کے ساتھ روکتی ہے، مسجد نبوی میں تو عورتوں کی جگہ بالکل ہی الگ ہے اور مسجد میں جانے کا راستہ بھی علیحدہ رکھا گیا ہے“۔—(ص: ۱۲۳)

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران کے بعض احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے طواف وداع کا ذکر کیا اور پھر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانگی کا منظر اور دل پر اس کے اثرات وکیفیات کا ذکر انہیں کے قلم سے:

”۷ ربج کر کچھ منٹ پر بس روانہ ہوئی، دل، متضاد کیفیات میں ڈوبا ہوا تھا، ایک طرف دیار محبوب ارواحنا فداہ کی طرف جانے کا شوق وولولہ تھا، تو دوسری طرف مکہ مکرمہ، بلد امین، ام القریٰ (حرسها ربها وحفظها من كل شر وخلدها مادامت السماء والارض) چھوٹنے کا قلق تھا، ایک ماہ مکہ میں رہے تھے، آج وادی غیر ذی زرع چھوٹ رہی تھی ہم سے، جس پر دنیا بھر کی سرسبزی قربان،۔ بلد امین! تو نے مجھ جیسے آلودہ عصیاں کو بھی اپنے دامن میں پناہ دی۔ مکہ! گواہ رہنا کہ تیری پاک زمین پر ہم نے بھی اپنی جبین شوق رکھی ہے، ان سجدوں کی لاج رکھنا جو تیری زمین پر ہی ادا ہوئے، یا اللہ اپنے گھر بلا کر جو عزت بخشی آخرت میں بھی عزت رکھنا۔ طبیعت بھری آرہی تھی، حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ پھر حرم محترم کی زیارت ہو سکے گی کہ گاڑی اجیاد یا باب فہد کی سمت پہنچی اور اچانک حرم کے منارے اور دیواریں نظر آنے لگیں، دل تڑپ اٹھا، چیخ نکل گئی: اللهم زد هذا البيت تعظيما وتكريما وبرا ومهابة، جی چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر روؤں، سب کو بتاؤں کہ دیکھو حرم کے آخری جلوے، روؤ تڑپو، کیا چھوڑ کر جارہے ہو، مگر بس کے اندر کی

خاموش فضا میں کوئی تحریک نہ تھی، اپنی دیوانگی مضحکہ خیز نہ بن جائے اس لئے طبیعت پر جبر کیا گھٹی گھٹی آہیں نکلتی رہیں......

پل بھر میں بس نے موڑ کاٹا اور اپنے راستے پر بڑھ گئی، وہ بصیرت افروز جلوے اور روح افزا نظارے نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، مگر کہاں اوجھل ہوئے، تصورات ان ہی نظاروں کے گھیرے میں رہے، وہاں کے حسین مناظر ایک پر ایک پردہ ہائے تخیل پر ابھرتے رہے، لگتا تھا کچھ رہ گیا ہے یہاں، کوئی قیمتی شئی یہیں چھوٹ گئی ہے؟ ہاں! دیوانوں کے دل یہی رہ جاتے ہیں، حرم کے پیچ وخم میں گم ہوجاتے ہیں، وہ بڑے "فرزانے" ہیں جو اپنے دل سنبھال کر لے جاتے ہیں، دیوانے تو خود کو نہیں سنبھال پاتے اپنا دل کہاں سنبھالیں، اچھا ہے یہیں رہ جائے، مکے کی گلیوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرے، حرم کی وسعتوں میں گم ہوجائے، ایک عجمی کا دل مکی بن جائے، آخرت میں اسی کے تو دام لگیں گے"—(ص:۱۲۸-۱۲۹)

مدینہ منورہ کی طرف سفر شروع ہو چکا ہے، برسوں کی تمنا پوری ہوا چاہتی ہے، درود شریف کا ورد زباں پر جاری ہے، مدینہ وصاحب مدینہ کا ذکر وتذکرہ سننے وسنانے کے لئے دل بے چین ومضطرب ہے

معطر ہے اس کوچہ کے مانند اپنا صحرا بھی
کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

لکھتے ہیں:

"حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت ومحبت کے جذبات ہی تو ایمان کو تازگی عطا کرتے ہیں۔ یہ آتش کدہ ٹھنڈا ہوجائے تو باقی کیا رہ جاتا ہے مومن کے دل میں؟ بارہ گاہ نبوی میں وہ حاضری بھی کوئی حاضری ہے کہ آنکھوں میں مسرت کی چمک نہ ہو، دل میں عشق رسول کی تڑپ نہ ہو، جذبوں میں حضوری کی لپک نہ ہو۔ دل ودماغ پر سرد جذبات کی برف جمی ہو"—(ص:۱۳۳)

روضہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری کے سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کے اس حدیث سے استدلال کہ "لاتشدوا الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد" پر گفتگو کرتے ہوئے ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی کی "الصارم المسلول علی شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا قدرے تفصیل سے تذکرہ پھر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری اور زیارت روضہ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متفق علیہ ہونے پر ائمہ اربعہ اور اجماع امت اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثبوت پیش کیا اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"روضۂ انور کی زیارت کے مسئلے پر آپ نے سلف کے حوالے اور احادیث ملاحظہ کرلیں۔ یہ بے مایہ کمینۂ بارگاہ جہاں پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلے میں عرض کرتا ہے کہ اگر بالفرض زیارت روضۂ انور کی ترغیب وتائید میں کوئی حدیث نہ ہوتی تو بھی غلامی ووفاداری کا تقاضا، ایمانی کیفیات کا مطالبہ اور دل پرسوز کی تڑپ ایک مومن کو کشاں کشاں اس بارگاہ عالی میں لے جاتی اور آج بھی جذبۂ عشق رسول ہی مدینہ پاک کے سفر میں رہبر وامام ہوتا ہے، عقلیت پسند اور

استدلالی ذہنیت رکھنے والے ہزار منع کریں، یہاں عشق مقتدا بن جاتا ہے اور عقل مقتدی ہوجاتی ہے، عشاق کے اس قافلے کی امامت عشق کرتا ہے، ولایت عشق کے سیاہ تازہ کے دلوں کی صدا ہوتی ہے :

عشق است امام من عقل است غلام من ❁ عقل است غلام من عشق است امام من

اور جب زیارت مرقد سید الانام سے نگاہیں روشن ہوتی ہیں تو عشاق کے قلوب مستی و کیف میں نغمہ سنج ہوتے ہیں :

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما ❁ اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما ❁ اے تو افلاطون و جالینوس ما

—(ص: ۱۵۳)

اب سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچ چکے ہیں، پہونچتے ہی جوان پر کیفیت طاری ہوئی اور دلوں نے جو تاثر لیا خود انہیں کے الفاظ میں:

''مدینہ پاک کی گلیوں میں بس داخل ہوئی تو جی چاہا کہ اتر جاؤں، پیدل چلوں، ان گلیوں اور شاہراہوں میں نہ جانے کہاں کہاں یار دل نواز (ارواحنا فداہ ﷺ) کے نقوش پا بکھرے ہیں، امام دار الہجرت مالک بن انس رحمہ اللہ اسی لئے تو ساری زندگی پیدل چلے، مدینہ کی فضاؤں میں رسالت پناہ کی بوئے انفاس رچی ہوئی ہے۔

فرّخ آں رہ کز نسیم جاں فزا ❁ بوئے یار مہرباں آید ہمی

یہ وہ مقدس سرزمین ہے جس کی بدولت کائنات ارض کو دوام و قرار ہے، یہاں کی زمینوں نے، یہاں کی فضاؤں نے، یہاں کی پہاڑوں نے یہاں کی ہواؤں نے حبیب خدا ﷺ کے وہ نورانی جلوے دیکھے ہیں جو مکے کے علاوہ کسی اور سرزمین کو نصیب نہیں ہوئے اور کتنے خوش نصیب تھے وہ لوگ جو سرور کونین روحی فداہ ﷺ کے جلو میں چلتے تھے اور آپ کو مدینہ کی گلیوں میں چلتے ہوئے دیکھتے تھے، مدینہ مرکز عشق ہے، مدینہ مرکز ادب ہے، یہاں وہی مستحق توجہ ہے جو محبت بھرا دل لے کر آئے، یہاں وہی قابل التفات ہے جو سر جھکا کر آئے:

یہ دیار پاک نبی ہے یاں جو چلو تو پاس ادب رہے ❁ جو یہاں کہیں پہ بھی خار ہے تو نظر نظر میں وہ پھول ہے

—(ایک بے مایہ کا سفر حج: ۱۵۶)

مسجد نبوی شریف میں اپنی پہلی بار حاضری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''باب بلال سے مسجد شریف میں داخل ہوئے پہلی حاضری میں ایسے دروازے سے مسجد شریف مین داخل ہونا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم ہے، اپنی غلامی و بندگی کے اظہار کے لئے بہت مناسب بات تھی جو بلا ارادہ صادر ہوئی:

غلامی میں ہو رتبہ نصرا ایسا
کہے خلق اس کو بلال محمد (ﷺ)

مسجد شریف بھر چکی تھی، دروازے کے سامنے ہی اندر کی طرف جگہ ملی، جانماز ساتھ تھی، اپنی اپنی جگہ بچھالی تھوڑی ہی دیر میں تہجد کے لئے اذان ہوئی، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، پڑھا۔ مسجد شریف نمازیوں سے بھر چکی تھی اور لوگ برابر آرہے تھے، لیکن مسجد شریف کی فضا میں مکمل سکوت اور غیر معمولی سکون طاری تھا جو دلوں کو چھو رہا تھا، مسجد شریف کی نورانی اور پرسکون فضا میں انتظار کی ایک کیفیت محسوس ہوتی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب سرور کائنات روحی فداہ ﷺ حجرۂ مبارک سے صحن مسجد میں قدم رکھنے والے ہیں'' — (ص:۱۶۶-۱۶۷)

آگے لکھتے ہیں:

''مسجد نبوی شریف میں پہلی بار نماز باجماعت کا لطف کچھ اور ہی تھا، لگتا تھا کہ آنحضور ﷺ نماز میں شامل ہیں'' — (ص:۱۶۸)

شہنشاہ کونین کے حضور اپنی غلامانہ حاضری کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''یہ بے مایہ عجز و شرمندگی سے سمٹا ہوا آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا تھا، زبان پر درود شریف، آنکھوں میں شوق دید، لیکن جبین عقیدت پر ندامت و شرمندگی کا پسینہ، ایک گناہگار اور حقیر ترین امتی کی یہ جرأت؟ کہاں وہ مقام عالی اور کہاں یہ ذرہ بے مقدار؟ دل کانپ رہا تھا، آج فیصلے کا دن تھا، احتساب کا لمحہ تھا، یہ بڑا نازک لمحہ تھا، عاقبت محمود ہونی تھی یا......؟ اللہ کی پناہ۔ شفقت و کرم کی نظر سے دیکھتے ہیں یا منہ پھیر لیتے ہیں؟ کیا ہوتا ہے؟ نظریں پھیر لیں تو کہاں ٹھکانہ ہوگا؟ کاش کہ حضرت جامیؒ کے مطابق وہ صورت ہو کہ:

خاصہ جامیؒ کہ کیں بندۂ تست ❁ چشم گریاں بہ شکر خندۂ تست

اپنی حالت کا اندازہ بھی تھا مگر امیدیں بھی تھیں کہ:

شاہاں کم التفات بہ سوئے گدا کنند ❁ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

ایک گونہ طمانیت بھی کہ آیا نہیں لایا گیا ہوں:

بہ میخانہ جامیؒ نہ از خود رود ❁ مگر ہمت شیخ جامش برد

مسجد کے اندر داخل ہونے کے بعد جگہ کشادہ ملی، از دحام کم ہوا، ہمارے دائیں طرف قبلہ کی دیوار، بائیں سمت ریاض الجنۃ، نظریں نیچی کئے بڑھتے رہے، بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا، روضۂ انور کے قریب پہنچے، کچھ لوگ مواجہہ شریفہ کی جالیوں سے قریب ہو کر ایک قطار میں زیارت کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، کچھ لوگ قبلہ کی دیوار سے لگے ہوئے بڑھ رہے

تھے، یہ فیصلہ پہلے سے تھا کہ مواجہہ شریفہ کی سنہری طلائی جالیوں کے قریب نہیں جانا ہے، کیونکہ مقام ادب ہے، یہی کیا کم عنایت تھی کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے باریابی کی اجازت دے دی تھی ورنہ گوش دل سے یہ صدا برابر ٹکرارہی تھی ع

حدتو نیست ایں ولے من بہ کرم بخوانمت

مواجہہ شریفہ اور دیوار قبلہ کے درمیان سنگ مرمر کے دوستون ہیں، ستون کے آگے سے لوگ گزرتے جارہے تھے اور اس کے پیچھے لوگ کھڑے ہوئے صلوٰۃ وسلام پیش کررہے تھے، ہم بھی اسی قطار میں شامل ہوکر آگے بڑھے، مواجہہ شریفہ میں پہنچ کر یہ بے مایہ بھی مجرموں کی طرح لوگوں کے پیچھے کھڑا ہوگیا، سامنے اور دائیں بائیں لوگ تھے مگر مواجہہ شریفہ کی سنہری طلائی جالیوں کی چمک درمیان سے نمایاں ہوکر آنکھوں کو روشن کررہی تھی، شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم وارواحنا فداہ کے حضور میں پہنچ کر یارائے ضبط نہ رہا، الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے بہ مشکل وہ سلام جو سلف کا معمول ہے پیش کیا''—(ص:۱۶۹-۱۷۱)

آگے لکھتے ہیں:

''خود کو سنبھالنا بھی ضروری تھا یہ جگہ عشق اور ادب دونوں کا مرکز ہے، عشق کا نتیجہ، سوز وتڑپ اور اضطراب وانتشار ہے، ادب کا نتیجہ سکون وطمانیت اور حلم ووقار ہے، دو متضاد کیفیات، اگر کہیں یکجا ہوسکتی ہیں تو وہ یہی بارگاہ عالم پناہ ہے، بارگاہ نبوی میں پہنچ کر آپ یہ محسوس کریں گے کہ تڑپتے ہوئے دل اور مچلتی ہوئی کیفیات میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے، اس گنہگار کو یہی محسوس ہوا کہ پرسوز دل پر جیسے ٹھنڈے پانی کی چھینٹیں پڑگئی ہوں، اتنا سکون اور ایسا اُنس محسوس ہوا جیسے یہاں برابر آتا رہا ہوں، کسی نئی جگہ پہنچ کر جو نیا پن سا معلوم ہوتا ہے، بالکل معلوم نہ ہوا''—(ایک بے مایہ کا سفرحج: ۱۷۲-۱۷۳)

اس کے بعد زائر روضۂ نبوی ﷺ نے روضہ انور ﷺ کی طرف رُخ کرکے دعا کرنے کے سلسلہ میں علماء سلف کے اقوال نقل کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ روضہ انور ﷺ کی طرف رُخ کرکے دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ بہتر ہے لیکن موجودہ حالات میں وہاں یہ صورت پیش آنے نہیں دی جاتی ہے۔آگے مسجد نبوی شریف کے حسن وجمال کا منظر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بارگاہ نبوی میں حاضری کے بعد طبیعت کو سکون وانشراح ہوا۔صبح کی روشنی پھیل چکی تھی، دیار حبیب کی جلوہ سامانیاں نظروں کے سامنے تھیں، مسجد نبوی شریف کا حسن وجمال دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، مسجد نبوی، اندر سے اس قدر حسین ہے کہ الفاظ میں اس کی توصیف مشکل ہے، ریاض الجنۃ کا مخصوص حصہ تو بقعۂ نور بنا رہتا ہے، مسجد کی وسعت کے پیش نظر روشنی کے لئے کئی صحن بنائے گئے ہیں، ایک صحن تو قدیم ہے ترکوں کے عہد سے یا شاید اور قدیم ہے، وہ مسجد شریف کے قدیم حصے سے متصل ہے، ہر صحن میں خودکار چھتریاں لگی ہیں، جو حسب ضرورت کھلتی اور بند ہوتی ہیں، اسی طرح کئی گنبد نما

چھتیں ہیں، دھوپ اور روشنی کی جب ضرورت ہوتی ہے، گنبد اپنے مربع فریم کے ساتھ کھسکتے ہوئے ایک طرف ہوجاتے ہیں اور ایک طویل وعریض مربع خلا نمایاں ہوجاتا ہے، زائرین کے لیے وہ نئی چیز ہے، گنبد اپنی جگہ چھوڑتا ہے تو لوگ بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں، مسجد شریف اتنی وسیع وعریض ہے کہ دیوار کی کھڑکیاں اور دروازے روشنی کے لئے کافی نہیں ہیں، اس کے لئے یہ بہت مناسب صورت ہے''—(ص:۱۸۳-۱۸۴)

آگے روضہ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آویزی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''روضہ انور کی جالیاں، سرہانے کی طرف سے پشت کی طرف سے اور پائیتی کی طرف سے صاف نظر آتی ہیں، جالیوں میں سبز اور سنہرے رنگوں کے امتزاج میں عجیب دلکشی اور دلآویزی ہے، نظر ہٹتی نہیں ہے کسی نے بتایا کہ تمام جالیاں سونے کی ہیں، سونے پر سبز رنگ چڑھایا گیا ہے، ان جالیوں کے قریب سے دیکھئے تو کوئی فنکاری اس میں نظر نہیں آئے گی لیکن ایسی کشش، ایسی دل آویزی اور ربودگی ہے کہ کہیں اور اس کی مثال نہیں مل سکتی اتنی بھلی لگتی ہے کہ جی چاہتا تھا جا کر لپٹ جاؤں، وہ جالیاں نازک بھی ہیں، سعودی نگراں زائرین کو قریب جانے سے روکتے ہیں تو ان کا روکنا مجھ کو درست معلوم ہوا، ایک تو ادب کے خیال سے اور دوسرے اس لئے کہ لوگوں کو چھونے کی آزادی دے دی جائے تو جالیاں دباؤ سے ٹوٹ سکتی ہیں''—(ص:۱۸۵-۱۸۶)

مدینہ منورہ کی فضاؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفا وتکریما کی فضا میں بڑا سکون وبڑی طمانیت محسوس ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو، یہاں کی فضاؤں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس قدسیہ کی خوشبو رچی بسی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی، انشراح وانبساط کے ساتھ تحفظ کا احساس دلاتی رہتی ہے''—(ص:۱۸۹)

سفرنامہ کے مسافر نے اس جگہ اپنی علمی وتحقیقی مزاج کی بنا پر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جسد اطہر سے متصل زمین کی افضلیت پر بھی گفتگو کی ہے اور اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام وغیرہم کے احوال ونظریہ کا جائزہ بھی پیش کیا ہے۔

اخیر میں ریاض الجنہ اور چند مقامات مقدسہ اور جنت البقیع کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور آخر میں قارئین سفرنامہ سے مخاطب ہوتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''قارئین! دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ختم نہیں ہوسکتا، حبیب اور دیار حبیب کا ذکر ایسا ہی ہے کہ سمندر روشنائی اور اشجار قلم بن جائیں تو بھی ممکن نہیں ہوسکتا ہے، اس بے مایہ نے اپنی روداد سفر سنانے میں آپ کا بہت وقت لیا، یہ کوئی باقاعدہ سفرنامہ نہ تھا جو علم وادب میں کسی اضافے کا باعث ہوتا، یہ ایک دیوانے کے جذبات واحساسات تھے، یہ ایک بے مایہ علم وعمل کی

کج مج بیانی تھی، دل ناداں کا اصرار بلکہ ضد تھی کہ جو دیکھا ہے سنا دے، جو محسوس کیا ہے وہ بتادے، جو کچھ گزری ہے اس ٹوٹے ہوئے دل پر وہ دکھا دے، عقل نے کہا: ''اہل علم ودانش'' روداد سفر کو علم وادب کی کسوٹی پر کسیں گے، معیاری نہ پائیں گے تو ہنسیں گے، ''فرزانے'' اس کی دیوانگی کا استہزا کریں گے، مخالف جملے کسیں گے، یہ تو کیا کرنے جارہا ہے؟ اچھا ہے کہ چپ بیٹھ جا۔ دل ناداں نے کہا: پرواکسے ہے، نہ ستایش کی تمنا ہے نہ صلے کی فکر، ایک بے نام ونشاں لوگوں کے مدح وقدح دونوں سے بے نیاز ہوتا ہے''—(ص:۲۳۰-۲۳۱)

مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے جو کیفیت دل پر طاری ہوئی اس کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا:

''بس چل رہی تھی اور نگاہیں کھڑکی سے باہر تھیں، وقفے وقفے سے گنبد خضراء کی جھلک نظر آرہی تھی، آنکھیں بہ رہی تھیں اور نگاہیں چوم رہی تھیں گنبد خضراء کو، تمنائیں زیرلب تھیں، یارسول اللہ ﷺ! میرے باپ وماں آپ پر قربان ہوں، اپنے شہر میں اپنا قرب نصیب فرمایا، آخرت میں بھی اس گنہگار وسیاہ امتی پر نظر کرم فرمایئے، یارسول اللہ فداک ابی وامی، اپنی چوکھٹ پر حاضری کا پھر موقع عطا فرمایئے۔ السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته، گریہ مستولی رہا درود شریف زیرلب رہے، یہاں تک کہ گنبد خضراء کا حسین وروشن منظر نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اور گویا چراغوں میں روشنی نہ رہی، بس مدینہ طیبہ ایرپورٹ کی طرف رواں ہوگئی:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے ❁ سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

—(ص:۲۳۱-۲۳۲)

درمیان درمیان میں اس راہ کے راہ رو نے اپنے مشاہدات وتجربات بھی بیان کرتے رہے ہیں جنہیں ملحوظ رکھنے سے اس راہ کے کسی مسافر کو بہت سی پریشانیوں سے بچنے کا موقع مل سکتا ہے۔

مولانا رحمہ اللہ کا یہ سفرنامہ سہ ماہی مجلہ ''المجیب''، میں مضامین کی شکل میں قسط وار شائع ہوا اور پھر اسے کتابی شکل میں ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی محترمہ ام یمین صاحبہ نے مرتب کیا، کتاب پر عناوین لگائے اور اپنی محنت وکوشش سے زیور طباعت سے آراستہ کرکے قارئین کی خدمت میں پیش کیا فجزاھا اللہ خیر الجزاء۔ شروع کتاب میں اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی خدمت میں خراج عقیدت کے طور پر چند سطور تحریر کی اور پیش لفظ کے عنوان سے ایک تفصیلی مقدمہ لکھا، جس میں دیگر سفرناموں کا تذکرہ بھی اور اس سفرنامہ کے بعض اہم امتیازات بھی بیان کئے گئے ہیں، دوسرے صفحہ پر اپنے والد ماجد کے سلسلہ میں تحریر کرتی ہیں:

''آپ کے پیش نظر سفرنامہ ''ایک بے مایہ کا سفرحج''، صوفی بزرگ، عالم دین، مشہور ومعروف محقق حضرت ابی وشیخی ومرشدی مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی قابل قدر تالیف ہے، جنہوں نے تمام عمر خانقاہ مجیبیہ کی علمی، ادبی، روحانی

اور دارالعلوم مجیبیہ کی تدریسی اور انتظامی جیسے اہم امور کی پرخلوص خدمات انجام دیں، گرچہ ان کی مخالفت کے لئے بہت سے لوگ موجود تھے مگر انہوں نے کسی جانب توجہ نہیں دی اور اپنے معمولات میں لگے رہے، سلسلے اور حلقے کو فروغ ملتا رہا، درسگاہیں آباد رہیں، تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رہا، کتابوں کی تصنیف ہوتی رہی، حضرت عمی ومخدومی مولانا شاہ محمد امین اللہ قادری مدظلہ العالی کی عدم موجودگی میں امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، ایسا لگتا ہے کہ انہیں سب خدمات کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، سب انجام دیا اور خاموشی سے رب کے حضور حاضر ہو گئے"— (ایک بے مایہ کا سفر حج:۱۱)

آخر میں تحریر کرتی ہیں:

"مجموعی جائزہ لینے کے بعد یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ یہ سفرنامہ والد محترمؒ کا ایک ایسا تخلیقی کارنامہ ہے جس کا ہر صفحہ عشق و محبت اور ندرو عقیدت سے لبریز ہے جس کے مطالعہ سے حب خدا اور حب رسول ﷺ کے جذبہ کو جلا ملتی ہے، حرم مقدس اور دیار رسول ﷺ کی تڑپ بڑھ جاتی ہے۔ یہ ایک علمی وادبی اور روحانی سفرنامہ ہے جس میں انہوں نے نہایت سہل، صاف اور رواں قلم سے داخلی کیفیات، روحانی مشاہدات اور قلبی واردات کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس میں جس قدر شستہ، رواں، مربوط اور پر کیف تحریر پیش کی ہے وہ یہی ثابت کرتی ہے کہ یہ مشق سخن واقعی ان کی طبیعت کا طرفہ تماشا ہے"— (ایک بے مایہ کا سفر حج:۲۷)

کتاب کا تعلق پڑھنے سے ہے اس کی جاذبیت وکشش خود قاری کو اپنی محویت میں لے لیتی ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ سفر جہاں کا تھا وہ ہر ایک مومن کے دل کی آرزوؤں اور تمناؤں کی آماجگاہ ہے جس کے شوق واشتیاق کے بغیر صحیح معنوں میں کسی کا ایمان مکمل تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سعادتوں سے بار بار بہرہ ور ہونے کی توفیق وسعادت مرحمت فرماتا رہے۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضی وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ وذریاتہ وأھل بیتہ اجمعین والحمدللہ رب العالمین۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

ایک بے مایہ کا سفر حج

ندرت اسلوب کا کشش اتصال

• مولانا سید نورین علی حق — دہلی

اردو میں سفرنامۂ حج کی روایت قدیم ہے۔اب تک سینکڑوں سفرنامۂ حج شائع ہو چکے ہیں،جن میں چند ایک اپنے اسلوب اور انداز پیش کش کی وجہ سے معروف ومشہور ہیں۔بالخصوص مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا سفرحجاز اور ممتاز مفتی کا لبیک کافی شہرت رکھتے ہیں۔اکیسویں صدی میں بھی کئی ایک حج کے سفرنامے شائع ہوئے ہیں۔میرے پیش نظر کتاب ایک بے مایہ کا سفر حج ہے،جس کے مصنف عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ(۱۹۵۷ء / ۲۰۲۰ء) ہیں۔یہ سفرنامہ ان کی زندگی میں سہ ماہی المجیب میں بالاقساط شائع ہوا۔ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی محترمہ ام یمین (جو خانقاہ مجیبیہ،پھلواری شریف کے زیب سجادہ حضرت مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری کی اہلیہ ہیں۔) نے مرتب کر کے اسے کتابی شکل دی۔سفرنامے کی ترتیب وتزئین پر محترمہ نے کافی محنت کی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس سفرنامے کی اشاعت سے نہ صرف دارالاشاعت،خانقاہ مجیبیہ،پھلواری شریف،پٹنہ کی مطبوعات میں ایک اہم اضافہ ہوا ہے بلکہ علم وادب کے متلاشیوں کی تسکین بھی ہوئی ہے۔ایک بے مایہ کا سفر حج متعدد پہلوؤں سے ممتاز ومنفرد سفرنامۂ حج ہے۔سفرنامہ نگاری کے اصول وضوابط مرتب کرنے والوں نے جن اصولوں اور ضوابط کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی ہے،اس سے تو آج کے زیادہ تر سفرنامہ نگار صرف نظر کرتے ہی ہیں،سفرنامہ نگاری کے بنیادی اصول یعنی زبان دانی اور اسلوبی ندرت کی شرط پر بھی کما حقہ کھرے نہیں اترتے۔شاید یہی وجہ ہے کہ دو چار مہینے میں کوئی سفرنامہ منظر عام پر آتا ضرور ہے،لیکن ذہنی وفکری قلاشی اور زبان وبیان کی عجمیت کی وجہ سے زیادہ دنوں علم وادب کی دنیا میں موضوع بحث نہیں رہ پاتا۔ایک بے مایہ کا سفر حج میں اس کے باقی رہنے اور موضوع بحث بنے رہنے کے امکانات کافی زیادہ ہیں۔ایک طرف جہاں

اس کی زبان اور اسلوب قاری کو متاثر کرتے ہیں، تو دوسری طرف قرآنی آیتوں سے استدلال اور اسلوبی ندرت میں اضافے کے لیے آیتوں کا استعمال، فارسی کے عمدہ اور کلاسیکی اشعار کا برمحل استعمال، طنز و مزاح کے مواقع پیدا کرنے کی عادت، روحانی و قلبی واردات سے لبریز منظر نگاری، شاندار بیانیہ، سنی خانقاہی امور کی انجام دہی کے خلاف سعودی حکومت کے ذریعہ روا رکھے جانے والے رویوں کے خلاف سنجیدہ، تشفی بخش، مبسوط، مفصل دلائل کی فراہمی، اپنی تحریر سے مسلکی تنازعے کو دور رکھنے کی شعوری کوشش، خلاف ادب رویوں پر صبر، بے انتظامی یا بدنظمی پر حرف شکایت لب پر نہ لانے کی ادا، عاجزی وانکساری کے ساتھ ارکان حج کی ادائیگی، سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں غلامانہ حاضری اور خود کو سگ بارگاہ رسول انام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دینا، اس کتاب کی عظمت ورفعت اور قبولیت میں چار چاند لگاتے ہیں اور مصنف کے لیے قاری کے قلب ونظر میں عقیدت پیدا ہوتی ہے اور وہ ان کی زبان دانی کا قائل ہو جاتا ہے۔

سفر حجاز اور ایک بے مایہ کا سفر حج :

بیسویں صدی کے سفرنامۂ حج یعنی سفر حجاز، جس کے مصنف مولانا عبدالماجد دریا آبادی ہیں اور اکیسویں صدی کے سفرنامہ حج یعنی ایک بے مایہ کا سفر حج دونوں میں کچھ قدر مشترک ہیں اور کچھ قدر مختلف بھی۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی کتاب سفر حجاز میں شاندار اسلوب اختیار کرتے ہیں، جملوں کو قرآنی آیتوں کے ٹکڑوں سے سجاتے ہیں، فارسی کے مصرعے اور اشعار کا استعمال کرتے ہیں، مترادفات کا بھرپور سہارا لیتے ہیں، مقفیٰ جملے تراشتے ہیں، اس عہد کی سعودی حکومت کی مفلسی بیان کرتے ہیں، بدانتظامی پر ناراض ہوتے ہیں، مفروضہ بدعتوں کی داروگیر اور روک تھام پر برہم ہوتے ہیں، عوام کی زبردستی اور نافہمی پر سخت وسست کہتے ہیں، شیعوں اور بوہروں کے طریق کار پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔ اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے ہیں۔ چودھویں صدی ہجری کے عرب حنابلہ کو بقیع میں غیر اسلامی رویوں پر ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی دہائی دیتے ہیں، روضۂ انور اور مسجد نبوی میں پولس والوں کے تفریطی رویوں کو بیان کرتے کرتے ہندوستان کی خانقاہوں اور درگاہوں میں پھیلے افراطی رویے سے موازنہ کرنے لگتے ہیں، پھر چشتیوں، قادریوں، نقش بندیوں اور سہروردیوں کو اپنی عادت کے مطابق نصیحتیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد اتحاد کی دعوت دیتے ہیں۔

جب کہ ایک بے مایہ کا سفر حج میں اس کے مصنف قرآنی آیتوں کو اپنے جملوں میں جگہ دیتے ہیں۔ اپنی بات قرآنی آیتوں سے مدلل کرتے ہیں، فارسی کے مصرعے اور اشعار یہ بھی درج کرتے ہیں، شاندار اسلوبی تجربے کرتے ہیں۔ لیکن یہ مترادفات اور مقفیٰ جملوں کا استعمال نہیں کرتے۔ یہ اکیسویں صدی کی علمی وفکری، صاف وشفاف اور عالمانہ زبان استعمال کرتے ہیں، بدنظمی اور بے انتظامی پر صبر کرتے ہیں۔ سعودی حکومت کے تعمیراتی کاموں کی ستائش کرتے ہیں۔ حرمین شریفین کے انتظامات کی تعریفیں کرتے ہیں۔ حکومت حرمین شریفین کے تعمیراتی کاموں پر جتنا صرفہ کرتی ہے، اسے سراہتے ہیں۔

کم فہم عوام کے ریلے میں شامل نہیں ہوتے، پولس اور انتظامیہ کی غیر ضروری مداخلت اور نجدی مسلک کے مطابق تمام زائرین و حجاج سے عمل کرانے پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اپنے مسلک اور طریق کار کے حق میں متقدمین مفسرین ومحدثین اور ابن تیمیہ کی کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ نجدی شدت پسندی کے خلاف شور وغوغا نہیں کرتے، پولس اور انتظامیہ کے خلاف نہیں جاتے، ان سے اعراض کرتے ہیں۔ حرمین شریفین اور روضۂ انور کے اندر خود کو اتنی روحانی کیفیتوں اور ادب و احترام کے ہالے میں باندھے رکھتے ہیں کہ ایک بے مایہ کا سفر حج کے مصنف کو اللہ و رسول کی برتری اور اپنی برائیوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ مسلکی شدت پسندی کے خلاف لاف وگزاف نہیں کرتے۔ علاحدہ نماز کی وکالت نہیں کرتے اور اپنے اسلاف کے خلاف بھی نہیں جاتے، خانقاہی رکھ رکھاؤ، صوفی نقطۂ نظر کے ساتھ زیارت وارکان حج کی ادائیگی کرتے ہیں، صوفیانہ عاجزی وانکساری سے کام لیتے ہوئے احترام کعبہ اور پاس ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرمٹتے ہیں، مولانا شاہ ہلال احمد قادری کو مسلکی اتحاد کی دعوت دینے کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں ہوتی کہ وہ اپنی تحریر میں اتحاد کے منافی کوئی بات نہیں کرتے۔ اپنے مسلک کی تبلیغ نہیں کرتے، حالاں کہ ان کے خانوادے میں اتنے علما، صلحا، ادبا اور شعرا گزرے ہیں، جتنے بیسویں صدی کے کسی مسلک میں ہوتے ہیں، جب کہ مولانا دریا آبادی تھانہ بھون کی مرکزیت اور اپنے مرشد گرامی کے موقف کو پیش کرنے سے چوکتے نہیں، مولانا دریا آبادی اپنے سفرنامۂ حج میں جس خواہش کا بڑی شدت سے اظہار کرتے ہیں کہ مسلمان دربار محمدیؐ میں پہنچ کر چشتی، قادری، نقش بندی اور سہروردی کیوں رہتے ہیں، شیعہ اور بوہرہ کیوں رہتے ہیں، انھیں اس دربار میں صرف محمدیؐ ہونا چاہیے، جب کہ وہ خود اپنی خواہش کا پاس نہیں رکھ پاتے، اس کا پاس ولحاظ ہر موقع پر مولانا قادری رکھتے نظر آتے ہیں۔

لبیک اور ایک بے مایہ کا سفر حج :

لبیک، ممتاز مفتی کا سفرنامۂ حج ہے، ممتاز مفتی بحیثیت افسانہ نگار وناول نگار کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اردو فکشن کی تاریخ میں آپ کی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ علی پور کا ایلی اور الکھ نگری آپ کا شناخت نامہ ہیں۔ ممتاز مفتی کی تقریباً دو درجن کتابیں شائع ہوئیں۔ سفرنامۂ حج لبیک کو بھی اردو دنیا میں کافی شہرت ملی۔ ۱۹۷۵ میں شائع شدہ یہ کتاب آج بھی اردو ادب میں موضوع بحث ہے۔ سفرنامۂ حج لبیک پر افسانویت غالب ہے، پوری کتاب میں صاحب کتاب کو نصوص اسلامی سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کلاسیکی متون سے لبیک کے متن کو کوئی لینا دینا نہیں۔ تخیل کے اثرات کتاب پر غلبہ رکھتے ہیں۔ مقامات مقدسہ کے حوالے سے مصنف کتاب کی دلی کیفیات اور واردات قلبی کا احساس قاری کو نہیں ہو پاتا۔ رپورتاژ کے فارم میں سفرنامۂ حج لبیک کو پڑھ کر تقدیس مقدسات کے بجائے ہنسی کے پھوارے چھوٹتے ہیں۔ کہیں کہیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک انسان ہر جگہ ایسے مناظر کیوں کر دیکھ پاتا ہے۔ ممتاز مفتی عوام اور دیگر عازمین وزائرین کے سطحی اعمال، نامعقول افعال، چھوٹے مطالبات، بڑے دربار میں چھوٹی چھوٹی خواہشات انسانی کو نشان زد کرتے ہیں، جس کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے کہ انسان

غیر شعوری طور پر اپنی بڑائی جتارہا ہے۔حالاں کہ وہ اپنے باطن کی کیفیتوں اور احترام کعبہ ومحبت روضہ رسول اکرم ﷺ درج نہیں کرتے،دوسروں کی حرکات وسکنات پر اپنی نظر ضرور رکھتے ہیں۔طنز ومزاح کی شعوری کوشش کئی بار پھکڑپن کے زمرے میں شامل ہوجاتی ہے،جس کو مصنف اس نظر سے نہیں دیکھ پاتے،جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے مقامات مقدسہ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں۔افسانویت کا غلبہ اتنا ہے کہ کتاب میں بیانیے کے ساتھ مکالموں کا سلسلہ بھی از اول تا آخر جاری رہتا ہے۔

دوسری طرف ایک بے مایہ کا سفرحج کے مصنف عالم دین تھے،مدرسے کے طلبا کو درس دیتے تھے،فتویٰ نویسی بھی کرتے تھے،ملک کی ایک معروف اور بڑی خانقاہ میں پیدا ہوئے،مزاج پر صوفیانہ رنگ غالب تھا،ہنستے ہنساتے بھی تھے،مگر دوسروں کے عیب وہنر پر نظر کم اور سب سکھین میں چنرموری میلی کے عملی طور پر قائل تھے،جس کا اندازہ ایک بے مایہ کا سفرحج کی عبارتوں سے بھی ہوتا ہے۔وہ دوسروں پر نہیں خود پر پینی نظر رکھتے ہیں۔یہ بھی صاحب اسلوب ادیب تھے،مصنف کی کئی کتابیں شہرت ومقبولیت رکھتی ہیں۔ایک بے مایہ کا سفرحج کی کسی عبارت پر افسانویت کا غلبہ نہیں،یہاں بیانیہ ہی بیانیہ ہے،مکالمے نہیں۔ان کی عبارت عربی،فارسی اور پرکشش اردو سے مزین ہوتی ہے۔نصوص اسلامی،اخلاق نبوی اور اطوار صوفیانہ سے ان کا رشتہ کہیں کمزور نہیں ہوتا۔مقامات مقدسہ پر احساس ندامت قاری کی آنکھوں کو رواں کردیتا ہے۔کہیں مزاح پیدا کرتے ہیں تو اس کے ڈانڈے پھکڑپن سے نہیں ملتے۔رکھ رکھاؤ باقی رہتا ہے۔فن کی عظمت کی بحالی کے لیے عظمت خدا ورسول ؐ کا سودا نہیں کرتے۔اسلوبی تنوع اور رنگارنگی کی تخلیق کے لیے سطحیت سے گریز کرتے ہیں۔کلاسیکی اردو ادب سے یہ بھی استفادہ کرتے ہیں،لیکن ان کی عبارت پر صرف اردو کا مزاج غالب نہیں۔اردو کی ان مقدس ہستیوں کا غلبہ ضرور ہے،جو دین اور امور دینی کا پاس رکھتے ہوئے ”خذ ما صفا ودع ما کدر“ کے قائل تھے۔اردو کے کمزور سہارے تلاش کرنے کے بجائے مضبوط اصولوں،صوفیانہ ذہنی پرورش،مستحکم قوت ارادی،عاجزی وانکساری اور مقامات ومقدسات کے تقاضے کے مطابق عمدہ،متنوع اور رنگارنگ اسلوب میں اپنی بات کرتے ہیں۔سفرنامہ لکھتے ہوئے نہ مفتیانہ احساس برتری،نہ مولویانہ ہٹ دھرمی،نہ ادیبانہ کروفر کے شکار ہوتے ہیں،وہ صوفیانہ عاجزی وانکساری،خانقاہی اخلاق وآداب کو روا رکھتے ہیں اور اس عاجزی،انکساری،متانت،سنجیدگی،چنرموری میلی اور خاکساری کے ساتھ اسلوب کی ندرت،کشش،شگفتگی،شائستگی،فرزانگی اور سادگی میں پرکاری پیدا کرتے ہیں۔

قرآنی آیتوں اور حدیث کے ٹکڑوں سے اسلوبی استفادہ :

عام طور پر مدرسے کے طلبا عالمیت کی تعلیم کے آغاز سے قبل حفظ قرآن کریم سے شرف یاب ہوتے ہیں،لیکن ایک بے مایہ کا سفرحج کے مصنف مولانا قادری عالمیت وفضیلت کی اسناد کے حصول کے بعد حفظ قرآن کی طرف متوجہ ہوئے اور دارالعلوم مجیبیہ،پھلواری شریف کے طلبا کی تدریس کے ساتھ حفظ قرآن کریم مکمل کیا۔قرآن پاک ان کی زندگی کے آخری دنوں تک ازبر تھا،وہ قرآن پاک کے ترجمے،تفسیر،تشریح اور اس کی باریکیوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔اپنے سفرنامۂ حج

ایک بے مایہ کا سفرِ حج میں وہ قرآنی نصوص سے استفادہ کرتے ہیں۔موقع ومحل کے مطابق قرآن پاک سے استدلال کرتے ہیں،قرآنی دعاؤں کا استعمال کرتے ہیں۔جمرات اور حضرات ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے واقعے کی تلخیص قرآن پاک کے مطابق پیش کرتے ہیں۔ان کے سفرنامے کا متن کہیں بھی قرآن وحدیث کے نصوص سے خالی نہیں ہوتا اور ان کی روح کے تقاضے کے برخلاف مصنف کہیں دائیں بائیں نہیں ہوتے،جن مقامات پر قرآنی استدلال کے تقاضے پیش نظر ہوتے ہیں،وہ انھیں پورا کرتے ہیں۔اس کے علاوہ اپنے اسلوب کو شستہ،شگفتہ،متنوع،پراثر،جاذب نظر،کثیرلسانی(ملٹی لنگول)بنانے کے لیے اپنے جملوں میں بھی آیتوں کے ٹکڑے نگینوں کی طرح جڑ دیتے ہیں اور اپنے جملوں میں استعمال ہونے والے قرآنی ٹکڑوں کا ترجمہ نہیں کرتے،قرآنی ٹکڑے مصنف کے متن کا اٹوٹ حصہ بن جاتے ہیں۔اگر قاری کو ان قرآنی ٹکڑوں کے ترجمے معلوم نہ ہوں،تب بھی مصنف کے برتنے کے انداز سے قاری ان ٹکڑوں کے نصف مفہوم سے واقف ہوجاتا ہے۔یہ اسلوبی طریق کار نیا نہیں ہے،البتہ یہ راہ کچھ آسان اور عام بھی نہیں۔اس طریقے کے اختیار کرنے میں کچھ دشواریاں بھی ہیں اور کچھ وجوب کے درجے تک پہنچے ہوئے اصول بھی۔اس طریقے کو کوہ پیمائی کے شوقین علما حضرات ہی اختیار کرتے ہیں،جنھیں آیات قرآنی از بر ہوتی ہیں،ان کی تفسیر،شان نزول اور روح سے واقفیت ہوتی ہے۔مولانا قادری بھی انہی جیالوں میں تھے۔بعض ایسے مقامات ہیں،جہاں اس طریقے کو اختیار کرکے مصنف کتاب نے قارئین اور لسانی ذوق رکھنے والوں کی تشنگی کی سیرابی کا سامان مہیا کیا ہے۔چند مثالیں دیکھیں۔

”اپنے مومن بندوں پر اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ مہربان ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کبھی حالات نامساعد،زمانہ معانداور امید کے تمام در بند ہوتے ہیں اور بندے کو ناامیدی ہونے لگتی ہے وَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ تو اچانک اس کی رحمتوں کی بادنسیم چلنے لگتی ہے“—(ص ۳۰)

”اس کے خزانوں میں کوئی کمی ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے،بندگان محتاج سے اس کو عوض مطلوب نہیں اور وہ عوض دے بھی نہیں سکتے:لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط“—(ص ۳۰)

”فضل وکرم کی غایت ونہایت یہ کہ اس بے مایہ کو تنہا یہ شرف نہیں ملا،اس کی والدہ،اہلیہ اور بچے کو بھی اس کے ساتھ مکرم ومشرف فرمایا:فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ“—(ص ۳۱)

”زندگی تلخ وترش گزرتی رہی،طویل وقت گزرگیا،کبھی حالات کی سختی میں قلب ودماغ بے اختیار چیخ پڑتے،متی نصر اللہ،متی نصر اللہ،اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم رہا کہ ایسے کڑے لمحات میں بھی بندوں سے امداد وتوجہ کا خیال نہیں آیا“—(ص ۴۱)

”بندہ جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے،وہ کسی سمت میں سجدہ کرلے،اس کے

سجدے اللہ ہی کی طرف ہوں گے۔ فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ ؕ تم جدھر رخ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے"—(ص ۶۸)

"میں نے بعض لوگوں سے کہا کہ آپ کی بات درست ہے، حج کی تکلیفوں پر صبر باعث اجر ہے، لیکن ان ہی مصائب پر جو من جانب اللہ ہیں، آج کل حجاج کو جو پریشانی ہوتی ہے، وہ بما کسبت ایدی الناس ہے، معلمین اور انتظامیہ کی طرف سے ہو رہی ہے"—(ص ۸۴)

"جو کام اپنے وطن میں یا کسی بھی دوسری جگہ باعث ذلت ہوتا وہ یہاں مشعر حرام میں عزت محسوس ہو رہا تھا، ہر وہ کام باعث عزت ہے، جو اللہ تعالی کی نگاہ میں محمود ہے، وللہ العزة ولرسوله وللمومنين کنکریوں کے لیے چھوٹی چھوٹی تھیلیوں کا انتظام ہندوستان ہی میں کر لیا گیا تھا"—(ص ۹۶)

"مکہ مکرمہ پہنچ کر کھانے کا مسئلہ درپیش ہوا، قریب میں کوئی ہوٹل نہ تھا، ایک جنرل اسٹور بلڈنگ کے نیچے تھا، جس میں خانہ داری کی تمام چیزیں دستیاب تھیں، پنیر، شہد، دودھ، قشطہ، زیتون کے بند ڈبے، تندوری روٹیاں مل رہی تھیں، لیکن ان سب سے کب تک کام چلایا جاتا، یہاں تو معدے سے صدا آ رہی تھی: لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ اور زبان کا ذائقہ چاہتا تھا: مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ مِنۡۢ بَقۡلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوۡمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ، یہ سب نباتاتی غذائیں دکان میں موجود تھیں لیکن پکانے کے لیے برتن ندارد، گھر سے ایک چمچی بھی نہیں لے کر آئے تھے، مگر اپنی تمام تر نااہلیوں کے باوجود بلد امین میں ضیوف الرحمان میں شامل تھے"—(ص ۱۰۸)

"واجبات حج میں صرف طواف وداع باقی رہ گیا تھا، مناسب موقع کا انتظار تھا، مدینہ طیبہ جانے کی تاریخ کا ہمارے معلم مرزوقی صاحب نے باقاعدہ اعلان نہیں کیا تھا مختلف خبریں اڑتی پھر رہی تھیں، کوئی بتاتا کہ ۱۲ر جنوری کو جانا ہے، کوئی ۱۳ر جنوری کی خبر لاتا، کوئی ۱۴ر کی اطلاع فراہم کرتا، بہرحال سارے لوگ مذبذبين بين ذالك تھے، اس غیر یقینی تاریخوں کی بنا پر سب لوگوں سے کہہ دیا کہ جس کو جیسے موقع ملے طواف وداع سے فارغ ہو جائے"— (ص ۱۲۶)

حدیث کے ٹکڑے سے اسلوبی استفادے کی مثال دیکھیں

وہاں پہنچ کر قلب کو طمانیت، انشراح اور سکون حاصل ہوا۔ چالیس لاکھ افراد جہاں موجود ہوں اس جگہ کو شور وغل سے گونج اٹھنا چاہیے، لیکن یہ اس وادیٔ مقدس کی برکت اور حج کی کرامت ہے کہ پوری وادی میں حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة کا مشاہدہ ہوتا ہے"—(ص ۹۲)

ایسے مقامات اور بھی کتاب میں ہیں، جہاں مصنف نے اس طرح کا اسلوبی تجربہ کیا ہے، یہ چند مثالیں تھیں۔ اس کے علاوہ پوری کتاب میں درجنوں آیتیں اور احادیث موجود ہیں، جنھیں استدلال کے لیے استعمال کیا ہے، لیکن میں نے ان آیتوں کو استدلالی ہونے کی وجہ سے یہاں پیش نہیں کیا، چوں کہ میرا مقصد یہاں اسلوبی تجربہ پیش کرنا ہے۔ ان آیتوں کے علاوہ

قرآن کریم واحادیث نبوی سے ثابت دعائیں بھی مصنف کتاب درج کرتے ہیں۔ان دعاؤں سے بھی ان کا اسلوب متنوع ہوتا ہے۔تاہم ان دعاؤں کا راست تعلق متن اور متن کے اسلوبی تجربے سے نہیں ہے اور متن پر ان کے مثبت اثرات سے انکار بھی ممکن نہیں۔قابل غور ہے کہ مندرجہ بالا جملوں اور اقتباسات میں بعض ایسے بھی ہیں کہ مصنف اگر آیتوں اور حدیث کو درج کیے بغیر ان جملوں کو خالص اردو میں پراثر بنانے کی کوشش کرتے تو ممکن نہیں تھا۔قرآنی آیتوں اور ان کے ٹکڑوں سے جملوں میں دھنک رنگ کشش ،معنیاتی نظام، گہرائی، گیرائی ،عمق، مستحکم پس منظر اور لسانی ذوق کا احساس ہوتا ہے، یہ مقاصد صرف اردو سے حاصل نہیں ہوسکتے۔

ایک بے مایہ کا سفر حج کے اسلوب پر فارسی کے اثرات :

فارسی اور خانقاہوں کا قدیم اور چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہر بڑی اور علمی پس منظر رکھنے والی خانقاہ میں آج بھی کچھ مخطوطے فارسی کے پائے جاتے ہیں۔خانقاہ مجیبیہ میں بھی مخطوطوں کی کافی تعداد ہے۔ ہر عہد میں یہاں کچھ فارسی شعرا پائے جاتے ہیں،اردو کے ارتقا اور فروغ میں جہاں اس خانقاہ کی شعری ونثری خدمات سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ وہیں فارسی کی بقاو استحکام میں بھی اس کا کلیدی کردار رہا ہے۔خانقاہ مجیبیہ کے تاریخی تسلسل میں درجنوں فارسی کے شعرا پائے جاتے ہیں، اخیر زمانے میں مولانا شاہ ہلال احمد قادری بھی فارسی شعرا میں شامل تھے،ان کے بعد مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مجیبی ،مفتی شاہ بدر احمد مجیبی ،مولانا شاہ مشہود احمد قادری کے ساتھ نوجوان عالم مولانا شاہ فصیح الدین محمد عاصم قادری زینبی بھی فارسی شاعری سے شغف رکھتے ہیں۔شاید ہندوستان کی موجودہ خانقاہوں میں یہ خانقاہ اکلوتی ہوگی، جہاں محفل سماع میں فارسی اور عربی کلام کے علاوہ کسی زبان کے کلام پیش نہیں کیے جاتے (الا ماشاء اللہ)۔

تسلسل کے ساتھ نسلا بعد نسل اس خانوادے میں فارسی سے شغف وتعلق مستحکم رہا ہے اور ہے، جس کے اثرات اس کتاب ایک بے مایہ کا سفر حج پر بھی ہیں۔کتاب میں درجنوں فارسی کے اشعار درج ہیں، متعدد قدیم شعرا کے اشعار اور مصرعوں کو مصنف نے اپنے جملوں کے اختتام پر برمحل استعمال کیا ہے، جو مصنف کی عاجزی و انکساری ،عقیدت ومحبت، فدائیت و فنائیت کو عیاں کرتے ہیں۔ مصنف، کتاب میں کہیں بھی فارسی کے اشعار بے تکے انداز میں استعمال نہیں کرتے۔ پہلے اپنی نثر سے ماحول سازی کرتے ہیں، خود کو عاجزی وانکساری اور خود سپردگی کی انتہا پر لے جاتے ہیں، پھر فارسی کے کسی شعر یا مصرعے کو برمحل ٹانک دیتے ہیں، جس سے ماحول انتہائی روحانی وعرفانی اور صوفیانہ بن جاتا ہے۔قاری کو آہ وزاری کرنے کا جی چاہتا ہے۔مکہ مکرمہ ہو یا مدینہ منورہ دونوں مقدس مقامات پر مصنف کا یہ طریق کار جاری رہتا ہے۔البتہ مصنف جب مدینہ منورہ کے لیے بس پر سوار ہوتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے کہ علامہ جامی بھی شامل سفر ہیں اور مصنف کو انہی کے بازو میں بیٹھنے کا شرف ملا ہے۔کتاب کے مدینہ منورہ والے حصے میں علامہ جامی کے مصرعے اور اشعار درج کرتے ہیں، علامہ جامی کے نعتیہ اسلوب

سے جو واقف ہیں، انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ علامہ کس فنائیت و فدائیت اور جذبۂ غلامی کے ساتھ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں نعت پیش کرتے ہیں۔ جامی کے اشعار کی وجہ سے مولانا قادری کی عاجزی وانکساری اور فریاد دوآتشہ ہوگئی ہے۔ ایک اقتباس دیکھیں، جہاں مولانا قادری پہلے منظر نگاری کرتے ہیں، پھر اپنے وجود کی بے کلی بیان کرتے ہیں اور دو شعر درج کر کے اپنی کیفیت ظاہر کرتے ہیں۔

”جس مقام پر بس رکی تھی وہ جگہ بڑی پر فضا تھی، معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ یہاں سے چار گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ ٹھنڈی اور پر کیف ہوائیں چل رہی تھیں، کہیں پر دھوپ تھی کہیں ابر کا سایہ تھا۔ فضا کی لطافت اور ہواؤں کی خنکی دیار حبیب کے قرب کی خبر دے رہی تھی، میں چائے پی کر بس کے قریب ٹہل رہا تھا، بے اختیار حضرت جامی کا یہ شعر زبان پر آگیا:

اے باد عنبریں کہ وزیدی ازاں دیار ❁ احییتنی بفضلك اهلا و مرحبا

میں دیر تک اس شعر کی تکرار کرتا رہا، جی چاہ رہا تھا کہ کوئی ہوتا، جو مدینہ پاک کا ذکر چھیڑتا، صاحب یثرب کی یاد دلاتا، کچھ سننے سنانے کا موقع ملتا، مگر کوئی اپنا ہم ذوق نہ تھا، تنہائی کا احساس ہوا، طبیعت کی بے خودی چاہتی تھی کہ زائرین کو روک کر یہ شعر سناؤں:

معطر ہے اسی کوچہ کے مانند اپنا صحرا بھی
کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے۔“

—(ص ۱۳۱)

یہاں مصنف میں مدینہ طیبہ پہنچنے کی عجلت، یار سے منسوب مقامات کی دلکشی سے لطف اندوزی کا جذبہ پایا جاتا ہے، مصنف کا ٹہلنا بس یوں ہی نہیں ہے، اس کا نفسیاتی مطالعہ کرنا چاہیے کہ مصنف ٹہل کر زبان حال سے کہنا کیا چاہتا ہے۔ مدینے سے چار گھنٹے کی مسافت پر ہی مصنف کو فضا کی لطافت اور ہواؤں کی خنکی اس لیے محسوس ہو رہی ہے کہ دیار حبیب قریب ہے۔ قوت شامہ کے تخیل اور حس کی پرواز پر قربان جایئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ایسے موقع پر علامہ جامی یاد آرہے ہیں، یہاں بھی ندرت فکر، اسلوبی رفعت اور لسانی ذوق کی داد دینی پڑے گی کہ ایسے موقع پر مصنف نے ایسے شعر کا انتخاب کیا ہے، جس میں نغمگی ہے، عجلت ہے، فرزانگی ہے، دیوانگی ہے، ذولسانیت ہے اور صوتی آہنگ بھی، اسی پر بس نہیں کرتے، انھیں لطافت کی تقسیم کے لیے کوئی باذوق بھی چاہیے، جس سے محبوب کی باتیں دیر تک ہوسکیں۔ یار نہ سہی ذکر یار سہی، اس یار کی بات، جس کے ذکر کو ورفعنا لک ذکرک کی سند حاصل ہے، اس دلدار کے لیے بے خودی ہے، جس کے گیسو کی خوشبو اپنے صحرا یعنی پھلواری شریف میں وہ پاتے ہیں۔ اقتباس میں درج دوسرے شعر کی تفہیم سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وطن پھلواری کو نہیں بھولتے۔ بے خودی میں اتنی خودی باقی ہے، جس میں پھلواری شریف سما سکے۔

فارسی کے اشعار کے ساتھ مصنف فارسی کے محاورے بھی اپنے متن میں استعمال کرتے ہیں، قاری کتاب کے سہ لسانی ذائقے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ فارسی محاوروں کی تعداد کتاب میں زیادہ نہیں ہے۔ تاہم جتنے محاورے برتے گئے ہیں، برتنے کا انداز نرالا ہے۔ مصنف اپنی کتاب ایک بے مایہ کا سفر حج میں فارسی اشعار، فارسی محاورے، اردو اشعار، نعتیہ مصرعے یا آیتوں کے ٹکڑے استعمال کرتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے کہ یہ بس اسی عبارت یا اسی مقام کے لیے تخلیق ہوئے تھے۔ موقع ومحل اور زبان پر دسترس کی وجہ سے یہ ممکن ہو پاتا ہے۔ ورنہ اشعار اور مصرعوں کے استعمال کا چلن اردو میں عام ہے، بالخصوص علما اسلوب میں جاذبیت پیدا کرنے کی کوشش میں ایسا کرتے ہیں، لیکن وہ بات بہت سے علما کی تحریروں میں پیدا نہیں ہو پاتی، جو مولانا قادری کی عبارتوں سے مترشح ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ متن میں کسی مخصوص شعر کے اندراج کی نیت سے عبارت سازی کرتے ہیں اور پھر مصرعے یا شعر درج کرتے ہیں، اس رویے سے عبارت آورد کا احساس کراتی ہے۔

وسیع مطالعہ، اردو وفارسی کلاسیکی منظوم ومنثور پر نظر، قرآن پاک کی آیتوں کے تقاضے کے مطابق اس کی تفہیم، حالات حاضرہ پر نظر اور برتنے کا نادر انداز متن کو آمد کا سرچشمہ بناتا ہے، جس کا مظاہرہ یہ کتاب کرتی ہے اور انہی بنیادی تقاضوں کی ادائیگی سے اسلوبی ندرت اور جدت پیدا ہوتی ہے۔ کتاب میں جہاں فارسی کے اشعار درج ہیں، وہیں فارسی کے محاورے اور فارسی تراکیب بھی ہیں، لیکن فارسی تراکیب کا دخل اتنا ہی ہے، جتنے میں اسلوب منفرد ہو، رنگا رنگ ہو، جس سے سہ لسانی کامیاب اسلوبی تجربہ ہو سکے۔ فارسی تراکیب کی آگ یا آنچ اتنی زیادہ نہیں ہے، جس سے مصنف کے متن کی روح یا اس کا جسم ظاہری خاکستر ہو جائے۔ زیادہ تر مقامات پر اسلوب کے خام مواد کا معاملہ بردا وسلاما کے اصولوں پر گامزن ہے۔ یہاں وہ اسلوب ہے، جسے دانش ورانہ اسلوب کہتے ہیں، معاصر زبان کہتے ہیں۔ معاصر دانش کی حس مولانا قادری کے متن پر غالب رہتی ہے۔ فارسی محاورے کے برتنے کی ایک مثال دیکھیں:

> ”جب ذرا دل کو سکون اور چشم گریاں کو ارد گرد نظر ڈالنے کی فرصت ملی تو سرکار دو جہاںؐ کے دونوں وزرا صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما واعلیٰ درجتہما کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کرنے کا خیال آیا، یہاں تو ’ہوش در دم نظر بر قدم‘ کی حالت تھی، نیچی نگاہوں سے اندازہ کر کے چند قدم دائیں ہٹے اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خدمات بابرکت میں نذرانہ سلام پیش کیا“۔—(ص ۱۷۳)

دو سطروں کے اس اقتباس میں مواجہہ شریف کی حاضری اور اپنی حالت بیان کی گئی ہے۔ عبارت میں کوئی ابہام یا تجرید نہیں، جسے سمجھا نہ جا سکے۔ اس متنی جزیرے میں قابل غور فارسی کا محاورہ ہے، جسے انتہائی نفاست اور پاک بازی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مصنف کی حالت کیا ہے، اسے پیش کرنے کے لیے صرف ایک محاورہ استعمال کیا ہے ہوش در دم نظر بر قدم۔ اگر اس مقام پر اخفائے حال کا قائل مصنف نہ ہوتا، کوئی ظاہر بیں اور ظاہر دار مصنف

ہوتا تو ہوش در دم نظر بر قدم کو بآسانی پانچ دس صفحات میں پھیلاتا۔اپنی عقیدتوں کا مظاہرہ کرتا۔مگر مولانا قادری کے اخفائے حال، معجز بیانی اور ایجازی کی حالت یہ ہے کہ صرف ایک محاورے سے انھوں نے اپنی بات کہہ دی اور قاری ان کہی باتوں کو سمجھ گیا، جو مصنف کہنا چاہتے ہیں۔ بامعنی محذوفات کا سلسلہ بھی مولانا کے اسلوب کی ایک خصوصیت ہے۔متن اندر متن اور متن کی تہ داری سے عبارت عموم کے زمرے سے نکل کر خصوص کے درجے میں رسائی حاصل کر گئی ہے۔

اردو اشعار ومصرع اور شعری تراکیب کے متن پر اثرات :

کتاب کے متن میں فارسی کی طرح اردو کے اشعار ومصرعے بھی درج ہیں، مصنف کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ قدیم متون پر ان کی گہری نظر ہے، مطالعہ عمیق ہے، خاص بات یہ ہے کہ عمومی لکھنے والوں کی طرح ان کا ذہن یک طرفہ نہیں چوطرفہ چلتا ہے، لکھنے والوں کی اپنی ترجیحات اور دلچسپیاں ہوتی ہیں، کسی کا ذہن نثر میں زیادہ بہتر کام کرتا ہے، کسی کا شاعری میں، کسی کے ذہن میں قدیم نثری متون کے حوالے کام کرتے ہیں، کسی کو قدیم وجدید نظمیہ متون بآسانی ذہن نشیں ہوجاتے ہیں، یہاں صورت حال یہ ہے کہ قرآن واحادیث، قدیم حوالہ جاتی کتب کے متون، اردو وفارسی کے نظمیہ متون، کلاسیکی شعرا کی تراکیب کی طرف بیک وقت ذہن کام کرتا ہے۔مصنف اس کتاب میں علمی وایمانی بحثوں اور مختلف فیہ مسائل پر مخالف گروپ کے ہی قدیم متون کو اپنے تصورات ونظریات اور عقائد کے حق میں استعمال کرتے ہیں، اختلافی اور مسلکی تشدد سے احتراز کرتے ہوئے علمی باتیں کرتے ہیں، دوسری طرف متن کی ساخت اور اس کے منفرد اسلوب کی طرف بھی متوجہ رہتے ہیں۔مرتبہ محترمہ ام یمین بھی اپنے انداز میں اشارہ کرتی ہیں۔

> ''انشا کی حیثیت سے یہ سفرنامہ بہت اہم ہے، زبان آسان اور عام فہم ہے، ترکیبوں میں انتہائی سادگی ہے۔مصنف کو عربی اور فارسی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا، اس لیے اردو کے ساتھ زبان فارسی کی آمیزش ہے۔اس سفرنامے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اکثر فقروں اور پیراگراف کے مناسب وحسب حال آیات قرآنی، احادیث، عربی مقولے درج کیے گئے ہیں، جن سے مضمون میں نکھار پیدا ہوگیا ہے اور اس کی جاذبیت وشیریں بیانی میں کافی اضافہ ہوا ہے''——(ص ۱۳)

مرتبہ کے پیش لفظ کا یہی وہ اقتباس ہے، جس نے مجھے یہ مضمون لکھنے پر راغب کیا اور یہ مضمون محترمہ کے مندرجہ بالا ایجازی اقتباس کی ہی تفصیل ہے۔اس انشا کو منفرد بنانے میں شعری انتخاب نے بھی اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ پوری کتاب میں فارسی اشعار ومصرعے کے ساتھ اردو کے بھی منتخب ومنفرد اشعار ومصرعے حصول معانی کے لیے استعمال میں آئے ہیں، جو اسلوب پر مثبت اثر دکھاتے ہیں، مولانا قادری اس کتاب میں زیادہ تر حمدیہ ونعتیہ اشعار ومصرعے، صوفیانہ اشعار ومصرعے اور ایسے اشعار ومصرعے درج کرتے ہیں، جو ان کے داخل میں پوشیدہ عقیدت مندانہ جذبات، عاجزی وانکساری، زعم خودی کے انکار کے مفاہیم کی عکاسی کرتے ہیں۔مصنف سعودی حکومت کی غلط پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے طنزیہ انداز اختیار کرتے ہیں اور بعض

ایسے مصرعے اس مقام پر درج کرتے ہیں،جس سے قاری کی طبیعت پھڑک اٹھتی ہے۔مولانا قادری کے اسلوب کو سجانے،سنوارنے اوراس کی مشاطگی میں اردو کے اشعارومصرعوں نے بھی بڑا کام کیا ہے۔

اردو کے اشعارومصرعے کے ساتھ مولانا قادری اپنی نثر میں اردو وفارسی کی شعری تراکیب بھی برتتے ہیں۔ایسے مقامات پر قاری مطالعہ کرتے ہوئے یہ سوچے بغیر نہیں رہ پاتا کہ ان شعری تراکیب کی آمد شعوری کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ مصنف کے قدیم متون سے گہرے انسلاکات اور مسلسل مزاولت کا نتیجہ ہیں،جو ان کے ڈکشن کا اٹوٹ حصہ بن چکے ہیں۔ان تراکیب کی تلاش میں قاری جب اصل ماٴخذ سے رجوع کرتا ہے تو مولانا قادری کی گہری نظر کا احساس اسے اورزیادہ ہونے لگتا ہے۔وہ کہیں شیخ سعدی شیرازی،کہیں غالب،کہیں اقبال،تو کہیں داغ کی شعری تراکیب استعمال کرتے ہیں۔اپنی نثر کو انھوں نے قدیم متون سے باندھ رکھا ہے،جس سے اسلوب کا ایک نیا سانچا اورساخت نکل کر سامنے آئی ہے۔ان کے نزدیک شعری ذوق رکھنا اور افسانوی اہمیت رکھنے والے منثور متون کا مطالعہ بھی شجر ممنوعہ نہیں۔دوددل مستمند،ستم ایجادی کا گلہ، عرق انفعال،رم آہو،لیلائے نجد وغیرہ شعری تراکیب کا استعمال عمدہ انداز میں کیا گیا ہے۔اس طرح کی کاوشوں سے مولانا قادری کا متن ثروت مند ہوا ہے،اسی متنی رنگارنگی اورتنوع کی وجہ سے یہ معاصر متون سے ممتاز حیثیت حاصل کرتا ہے۔ان مذکورہ عناصر سے خالی متن میں وہ جاذبیت،ندرت اورکشش پیدا نہیں ہوتی،جو اس طرح کے متن کو میسر آتی ہے،جس کے مطالعے سے مطالعاتی نظام مستحکم ہوتا ہے۔ایک متن دیگر بہت سے متنی حوالوں سے مزین ہوتا ہے تو متنی لطف اپنی انتہا کو پہنچتا ہے۔ قاری ایک متن کو پڑھ کر کئی متون سے استفادہ کرتا ہے۔

ایک بے مایہ کا سفر حج کے اسلوب پر طنز ومزاح کے اثرات :

مولانا قادری سے میں اس لیے بھی فون پر باتیں کرتا تھا کہ وہ بذلہ سنج واقع ہوئے تھے،سال گزشتہ ان کے داخل اسپتال ہونے سے دو ہفتہ قبل میں نے ڈھیروں باتیں کی تھیں،ان سے باتیں کرنے کے دو فائدے ضرور تھے، اعلیٰ قدروں سے لیس بذلہ سنجی اورمزاح کی لطافت،دوسرا علمی استفادہ۔مولانا قادری کے مزاج میں بذلہ سنجی بہت تھی،وہ سنجیدہ ماحول کو خوش گوار بنادیتے۔جملوں سے کھیلنے کا ہنر انھیں دوسروں سے مختلف اور منفرد بناتا،ان کے مزاج کا تعارف سفرنامے میں بھی ہوا ہے۔ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مزاحیہ اورطنزیہ جملوں سے ماحول خراب نہیں کرتے،خراب ماحول کو خوش گوار بناتے ہیں۔ان کے طنزیہ جملوں میں اکھڑپن،ناراضگی اور بدمزاجی نہیں ہوتی،ان کے مزاحیہ اورطنزیہ جملوں میں انداز تکلم اورالفاظ نرم ہوتے ہیں،ان کے مزاج کی نرمی ان کے جملوں پر حاوی ہوتی ہے،دوران سفر تکلیف اوربدنظمی کے وقت وہ طنز کرتے ہیں یا تنقید مگر ان دونوں موقعوں پر سینۂ شمشیر سے دم شمشیر باہر نہیں ہوتا۔دوران گفتگو بھی وہ نرم دم گفتگو ہوتے اور جیسے ہی بات علم وتعلم کی شروع ہوتی وہ گرم دم جستجو ہوجاتے،میری حوصلہ افزائی کے ساتھ ہمیشہ گرم دم جستجو رہنے کی تلقین

کرنا نہیں بھولتے۔لکھنے اور پڑھتے رہنے کی نصیحت کرتے، کچھ کتابیں اور کچھ مضامین کا حوالہ ضرور دیتے کہ انھیں پڑھو۔

بذلہ سنجی اور مزاحیہ ماحول انھوں نے اپنی اس کتاب میں بھی پیدا کیا ہے،بعض بہت سنجیدہ موقع پر ایک آدھ مزاحیہ جملے سے وہ قاری کی تکان دور کردیتے ہیں،مزاح پیدا کرنے کے لیے سوقیانہ جملے اور الفاظ استعمال نہیں کرتے،کسی کی تضحیک نہیں کرتے،جملے کی ساخت اور الفاظ کے انتخاب سے ماحول مزاحیہ بناتے ہیں۔سامنے کی بات کو ایسے رنگ میں باندھتے ہیں کہ قاری زیرلب تبسم پر مجبور ہوجاتا ہے۔کسی مزاحیہ جملے سے بدتہذیبی یا ان کے صوفیانہ اور خاندانی مزاج کے برعکس رویے کا اظہار بالکل نہیں ہوتا۔مقدسات کی تکریم کا تصور باقی رہتا ہے اور مصنف کے ساتھ قاری کو بھی یاد رہتا ہے کہ وہ جہاں ہے وہاں فرشتے بھی باادب باملاحظہ ہوتے ہیں۔ان کے مزاحیہ جملوں سے ان کے مزاج کی صدیوں پرانی شائستہ قدریں ظاہر ہوتی ہیں۔مزاح کی چند مثالیں:

’’ہمارے ہندوستانی برادران دھکے دے کر بس پر چڑھنے کی پختہ عادت سے فائدہ اٹھاتے،ایسے یلغار کی حالت میں ہم جیسے ناتواں کہاں ٹھہرتے،یہ تماشا دیکھ کر مفت کی سواری سے ہاتھ دھونا پڑا،عقل مند لوگ پیسہ بچانے کے لیے انتظار بھی کرتے اور دھکے دے کر اور دھکے کھا کر چلے جاتے تھے‘‘—(ص ۱۰۷)

’’لوگ ڈرتے ہیں کہ ہاتھ چھوٹا تو حرم میں بیگم چھوٹیں‘‘—(ص ۱۲۴)

’’بہر حال اس زمانے میں شیطانی کاموں میں بہت وسعت اور پھیلاؤ آگیا ہے اور شیطان بظاہر بھی وسیع وعریض ہوگیا ہے،اسی مناسبت سے اس کی پٹائی بھی منیٰ میں زیادہ ہوگئی ہے‘‘—(ص ۹۹)

طنز کی مثال دیکھیں:

حالاں کہ کلکتہ حج ہاؤس میں جو پولیو کی دوا پلائی گئی تھی،وہی ستم ظریفی سے کم نہ تھی،اس پر مزید جدہ میں دوا پلا کر گویا سعودی حکومت نے احتیاط کے تقاضے کو پورا کرنا ضروری سمجھا،کاش کہ امریکہ اور یورپ کے متعدی جراثیم سے بھی وہ ایسے ہی احتیاط کرتے‘‘—(ص ۵۶)

عمومی طور پر مصنف سعودی کی خارجہ پالیسی بالخصوص امریکہ سے تعلقات کی نوعیت،روضہ انور،حضور ﷺ سے عشق و محبت اور جنت البقیع کی حالت پر ان کے عقائد کے خلاف سعودی حکومت کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔لیکن طنز کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کوئی جملہ یا لفظ ان کی شان کے خلاف نہ نکلے۔طنز کو برہمی، ناراضگی اور مسلکی انا کی تسکین کا ذریعہ نہیں بناتے،جہاں مسلکی اختلافات ہیں،وہاں وہ قدیم کتابوں سے حوالے دیتے ہیں،صبر کرتے ہیں اور اگر ایسے موقع پر طنز کرتے بھی ہیں تو غیر شائستہ انداز میں نہیں۔یہ توازن،اعتدال اور وسطیت ان کے غیر جانب دارانہ مطالعے،خاندانی ورثے اور موافق و مخالف متون پر نظر اور ان سے بصیرت کشید کرنے کی عادت کا نتیجہ ہے۔

ایک بے مایہ کا سفر حج میں سراپا نگاری و منظر نگاری :

اس سفرنامے میں اسلوب کی ایک سطح سراپا نگاری اور منظر نگاری کی بھی ہے ۔کسی بھی تحریر کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں، قلم کار کی ترجیحات اس کی تحریروں پر غالب آجاتی ہیں ۔اس سفرنامے میں کون سا عنصر کہاں رکھنا ہے،کہاں کتنا اور کس اسلوب میں لکھنا ہے ۔اس سے مصنف کے اچھی طرح واقف ہونے کی وجہ سے بھی اسلوبی ندرت پیدا ہوئی ہے، جب وہ سفرنامہ شروع کرتے ہیں ۔اپنا بچپن پیش کرتے ہیں، بچپن کے مسائل درج کرتے ہیں، تو اس مقام پر والد کے انتقال کے بعد دادا کی سرپرستی اور ان کی محبت و شفقت بھی بیان کرتے ہیں ۔اس ضمن میں وہ اپنے دادا کی سراپا نگاری کرتے ہیں ۔سراپا نگاری کی لفظیات پر اپنی توانائی صرف کرتے نظر نہیں آتے، لیکن ان کے خلوص، عقیدت و محبت، وارفتگی اور احسان شناسی کے جذبے نے سراپا نگاری کا رنگ چوکھا کر دیا ہے، از دل خیزد بر دل ریزد کی کارستانی یہاں اپنے عروج پر ہے ۔

''ایک یتیم بچے کے لیے دادا کی آغوش تربیت سے بڑھ کر کوئی اور جگہ نہیں ہو سکتی ہے، اس نے شعور کی آنکھیں اپنے دادا کی آغوش میں کھولیں، پہلے پہل ان ہی کی نورانی صورت دیکھی، ان کی شخصیت جلالت علمی و روحانی میں نابغۂ عصر اور فخر روزگار تھی، سپید نورانی داڑھی، خوب روشن و منور چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، درمیانہ قامت، ہلکا جسم، بھاری اور بارعب آواز، پورا سراپا نورانی معلوم ہوتا تھا، ان کی نورانی شکل و صورت، اس کے قلب و ذہن میں جم کر رہ گئی، ان کی غیر معمولی شفقت و محبت نے اس کے ذہن میں ماضی کی وہ تصویر مٹائی تو نہیں، دھندلی کر دی اور وہ بھول گیا کہ اس پر کیا گزری تھی''۔۔۔(ص ۳۴)

بالکل عام فہم زبان میں یہاں سراپا نگاری ہوئی ہے، اس کے باوجود اس میں تاثیر اور دل کشی ہے، جو قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہے ۔بچپن والے حصے کو بہت دکھ اور درد کے ساتھ لکھتے ہیں، لیکن اپنا درد اور دکھ چھلکنے نہیں دیتے ۔الفاظ و جملے سے ان کے درد کا احساس ہوتا ہے ۔خلوص اور تاثیر اپنا رنگ دکھاتے رہتے ہیں ۔کہیں لکھتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہوتی ہیں، کہیں بچپن کو یاد کر کے خوش ہو جاتے ہیں ۔کہیں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ تمام تر ناگفتہ بہ حالات کے باوجود کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہیں آئی ۔

یہ سفرنامہ تین اسلوبیاتی جہتوں کا حامل نظر آتا ہے ۔کتاب کا پہلا حصہ، جس میں اپنے بچپن اور گھر کے ماحول کو درج کیا ہے، اس کا اسلوب مختلف ہے، اس میں خلوص ہے، تاثیر ہے، یتیمی کی نارسائی ہے، دادا کی سرپرستی پر خدا کے شکر کا جذبہ ہے، ایک طرح کا لسانی شعور یہاں بھی قاری کو متاثر کرتا ہے، جو سادگی ہے، اس سادگی میں تاثیر اور خلوص کی جھلکیاں اپنا اثر دکھاتی ہیں، کتاب کے دوسرے حصے کی تشکیل سہ لسانی امتزاج سے ہوتی ہے، جس میں عاجزی و انکساری کے ساتھ قرآنی آیتوں کے ٹکڑے، فارسی و اردو کے محاورے، اشعار، مصرعے اور طنز و مزاح وغیرہ اپنے اثرات دکھاتے ہیں، اس حصے

میں غیر معمولی لسانی اظہارات ہیں، وہیں تیسرے حصے میں استدلالی اسلوب ہے، جس میں قدیم متون سے خانقاہوں میں رائج روضہ نبوی، مواجہہ شریف کی عزت وتوقیر اور مواجہہ شریف کی جانب ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے اور دیگر اختلافی مسائل پر دلائل پیش کیے گئے ہیں، روایتی مذہبی تصور کو پیش کرنے کے اسلوب میں زور، دل نشینی اور اثر انگیزی ہے۔ مولانا قادری کا اسلوب وہ قوت اظہار ہے، جس میں صدیوں کی پھلواروی علمی وفکری تہذیب بول رہی ہے، اس پر مستزاد اسلوبی شوکت وعلویت ہے، جو دمشق کے بازار سے زینبی جز ہونے کی وجہ سے آئی ہے، جو احقاق حق اور ابطال باطل کی قوت پیدا کرتی ہے، جس میں شوکت وعلویت کے ساتھ تنوع اور بوقلمونی ہے۔

روایتی مذہبی دنیا کو محترمہ ام یمین کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اس متن کو مرتب کرکے علمی دنیا کے سامنے پیش کیا، حالاں کہ وہ مصروف ترین خاتون ہیں، ایک طرف خانقاہ کے بہتر انتظام وانصرام اور خانقاہی اخلاق واطوار کو بہتر انداز میں چلانے کے لیے اپنے شوہر اور خانقاہ کے سجادہ نشیں حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری کی معاون ومددگار بنتی ہیں، دوسری جانب خانقاہ کے مستقبل کو سنوار رہی ہیں اور ایسی تربیت دے رہی ہیں کہ کوئی بھی خانقاہی آداب واخلاق کا رسیا اس اکیسویں صدی میں شہزادے محمد یمین اللہ قادری کو دیکھ کر خانقاہ مجیبیہ کے روشن وتابناک مستقبل کی پیش گوئی کرسکتا ہے، جو اپنی کم عمری اور لڑکپن کے باوجود خانقاہی اخلاق واطوار کا آئینہ ہیں اور علمی طور پر صورت حال یہ ہے کہ لڑکپن میں اپنے والد گرامی کا مقالہ نصوص، الفاظ اور متن کی رعایتوں کے ساتھ مجمع عام میں بے جھجک اور تلفظ کی درست ادائے گی اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر پیش کرتے ہیں۔ محترمہ خانقاہ کی اس نئی نسل کے نمائندہ فرد کی شخصیت سازی کر رہی ہیں، جس کا خواب عمومی طور پر نظریاتی تصوف رکھنے والے اسٹیجوں پر بولتے ہوئے دیکھا کرتے ہیں۔ محمد یمین اللہ قادری کی ذات ایسا خانقاہی سانچا ہے، جس میں دیگر خانقاہوں کی نئی نسل کے ولی عہد کے لیے بھی امکانات کی ایک وسیع دنیا آباد ہے۔ اللہ خانقاہ مجیبیہ کی اس تثلیث کو دیگر مجیبی علما اور اکابر کے ساتھ پوری توانائی، سرشاری، جذبۂ ایثار وقربانی کے ساتھ قائم ودائم رکھے اور ان سے کام لیتا رہے۔ اللھم زد فزد

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حضرت مولانا شاہ ھلال احمد قادریؒ اور

”اشارات الکتاب“ کی تسہیل و تعلیق

● مولانا محمد عاصم قادری —— خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ ہم سبھوں کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. اللہ تعالی کی یہی مشیت تھی، جو پوری ہوئی، موجودہ وقت میں خانقاہ مجیبیہ کی علمی دنیا ان سے منور تھی، ان کے سانحۂ ارتحال سے علمی دنیا کو اور اس مرکز درس وافادات کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، اب اللہ تعالی ہی اس نقصان کی تلافی فرماسکتا ہے، اور اللہ تعالی ہی مولانا علیہ الرحمۃ کو ان کی خدمتوں کا بہترین صلہ بخشنے والا ہے، ”هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط هُوَخَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا“۔

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت متنوع خصوصیات کی حامل تھی، ان کے محاسن شخصی اور کمالات علمی کی متعدد شاخیں ہیں، وہ متعدد خوبیوں اور صلاحیتوں کے جامع تھے، انہوں نے اپنی زندگی ایک کامیاب استاد اور ایک اچھے قلم کار کی حیثیت سے گذاری، ایک عمدہ استاد اور ایک بااثر قلم کار بننے کے لئے تفہیمی لیاقت کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے، بفضل الہی یہ صلاحیت ان میں بدرجۂ اتم موجود تھی، ان کا تحقیقی شعور نہایت بلند تھا، انہوں نے اپنی فکری اور عملی استعداد کے سبب گراں قدر علمی وعرفانی تحقیقی کارنامے انجام دیئے ہیں۔

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ جس خاندان کے گل سرسبد تھے، وہاں کے مشائخ اور صاحبان علم کو علم وتحقیق اور درس وتدریس سے ہمیشہ وابستگی رہی ہے، قرآن وحدیث اور فقہی خدمات کو ان اہل علم نے ہمیشہ اپنی زندگی کا محور بنائے رکھا، چنانچہ یہ خاندانی اثر حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری میں بھی نمایاں تھا، وہ بھی ان خاندانی روایتوں کے امین تھے۔

قرآن وحدیث سے قلبی و ذہنی وابستگی علمائے ربانیین کی امتیازی شان رہی ہے، وہ لوگ اہل ملت اور متلاشیان حق کے قلب و ذہن کی تاریکیاں قرآن وحدیث کی ہی نورانی شعاعوں کے ذریعے دور کرتے رہے ہیں، کیوں کہ قرآن عزیز ہی ہدایت کا سرچشمہ ہے اور احادیث نبوی اس کے حصول کی صحیح سمت عطا کرتی ہیں، قرآن کریم ہی علوم و معارف کا خزانہ اور اہل اللہ کے قلوب کا ذریعۂ سکون ہے۔

خانوادۂ مجیبیہ کے مشائخ کی قرآن کریم اور اس کے اسرار سے واقفیت، قرآن عزیز سے قلبی وابستگی، قرآن کی تفہیم و ترویج کی خدمات بھی دیگر دینی وعلمی خدمات کی طرح نہایت اہم رہی ہیں، مشائخ پھلواری کا اصل میدان تو ابتدائی دور سے فقہ اور عرفان وتصوف رہا ہے، البتہ انفرادی طور پر قرآن وحدیث کی خدمات میں بھی یہ لوگ نمایاں رہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل موضوع پر کچھ عرض کرنے سے قبل بعض اکابر مشائخ مجیبیہ کی قرآنی خدمات کا ضمناً اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے، تاکہ اہل علم قارئین یہاں کے بزرگوں کی ان خدمات سے بھی کچھ واقف ہو جائیں، چنانچہ سلسلۂ مجیبیہ کی سرخیل شخصیت، مربیٔ کل، حضرت مولانا سید محمد وارث رسول نما بنارسی رضی اللہ عنہ، جن کے فیضان سے خانقاہ مجیبیہ کا علمی وعرفانی سلسلہ قائم ہے، صاحب تدریس بزرگ ہونے کے ساتھ قرآن عزیز کے باکمال مفسر بھی تھے، قرآن عزیز کی ایک مفصل تفسیر آپ نے لکھی تھی، جس کا ذکر تذکروں میں آتا ہے لیکن وہ اب دستیاب نہیں ہے، اس سلسلہ میں تلاش وجستجو کا کام بھی ہنوز تشنہ ہے، ہند و بیرون ہند کی لائبریریوں میں اس کی مکمل طور پر تلاش کی ضرورت ہے۔

بزرگان خاندان میں حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اولیاء رضی اللہ عنہ، جو نسبت اویسیت کے حامل تھے، انہوں نے قرآن عزیز کی تعلیم روحانی طور پر براہ راست حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی تھی، جس کی برکت سے خانقاہ مجیبیہ کا علمی سلسلہ آج بھی جاری ہے، آپ کے بعد اس خاندان کی منتہائے کمال شخصیت حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ پیر محمد مجیب اللہ قادری رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے اپنے حجرہ میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کے درس دیئے، اسی خاندان کے ایک بزرگ حضرت ملا وجیہ الحق محدث پھلواری رحمہ اللہ، جو علم حدیث میں حضرت ملا عتیق محدث بہاری رحمہ اللہ کے تلمیذ تھے، انہوں نے قرآن کی مختصر تفسیر دیگر تفاسیر معتبرہ کی روشنی میں جلالین کے طرز پر مرتب فرمائی تھی، جو مستقل طور پر ایک مکمل تفسیر ہے، اس تفسیر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں قرآت سبعہ کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، یہ تفسیر خلوت مجیبیہ کے کتب خانۂ خاص میں اب تک موجود ہے، حضرت ملا وجیہ الحق پھلواروی ؒ کے صاحبزادہ حضرت ملا وحید الحق ابدال پھلواروی ؒ تھے، جو کثرت تلامذہ کے سبب ''استاذ الکل'' کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ کی تعلیقات سے مزین بیضاوی کا نسخہ کتب خانۂ مجیبیہ میں موجود ہے۔

خانوادے کے دیگر بزرگوں میں حضرت مولانا عبد الغنی پھلواروی ؒ کی شخصیت بھی تفسیری خدمات کی رو سے بہت اہم ہے، آپ نے ساٹھ سالوں تک درس وتدریس کی خدمات انجام دیں، حافظ قرآن تھے، رمضان المبارک میں سنگ سرخ کی مسجد

پھلواری شریف میں تراویح سنایا کرتے تھے، ہر ترویحہ کے بعد قرآن کی مختصر تفسیر بیان فرماتے تھے، آپ کے برادر حضرت مولانا رحم علی پھلواریؒ تلمیذ مولانا برکت عظیم آبادیؒ تھے، آپ کی لکھی ہوئی گیارہ ضخیم جلدوں میں احکام القرآن کی تفسیر خانقاہ مجیبیہ کی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے، غالباً اس تفسیر کا ایک نسخہ لندن کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے، اس تفسیر کے متعلق حضرت امیر شریعت ثالث مولانا شاہ محمد قمر الدین قادریؒ رقم طراز ہیں:

''آپ کی تصانیف سے قابل ذکر تصنیف احکام القرآن مبسوط گیارہ جلدوں میں صرف احکام القرآن پر مشتمل نہایت یادگار ہے، اہل علم اس کو دیکھ کر اور تفسیر احمدی ملاجیون سے مقابلہ کر کے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس تفسیر احکام القرآن اور تفسیر احمدی میں کیا مابہ الامتیاز ہے''—(خطبۂ صدارت، ص:۷)

خاندان مجیبیہ کی ایک اہم اور صوبۂ بہار کی ایک بڑی علمی شخصیت حضرت سید العلما مولانا شاہ احمدی قادریؒ تھے، جن کے تلامذہ کی تعداد اگر شمار کی جائے تو ۵؍سو سے زائد قرار پائے گی، علوم متداولہ کے ساتھ تفسیر قرآن میں بھی ممتاز تھے، آپ نے درس وتدریس کے زمانہ میں قرآن کریم حفظ کیا تھا، آپ کے حفظ قرآن کا واقعہ بہت حیرت انگیز ہے، جس کا یہاں ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا، حضرت مولانا حکیم شعیب پھلورویؒ لکھتے ہیں:

''میں نے اپنے پیر ومرشد قدس سرہ و نیز والد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے وہ یہ کہ ایک سال قریب رمضان شریف میں حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہ نے فرمایا کہ شعبان کا اخیر عشرہ بھی تمام ہو چلا ختم تراویح کے لئے اب تک کسی حافظ کا پتا نہیں ہے، جن حافظ صاحب نے سال گذشتہ میں سنایا تھا، وہ اب تک نہ آسکے اور نہ بظاہر ان کے آنے کا قرینہ ہے، یہ سال شاید یوں ہی گزر جائے گا۔

سید العلماؒ خاموش سنتے رہے، جب مکان واپس گئے تو آپ نے قرآن یاد کرنا شروع کیا، اس روز سے رمضان شریف کا چاند دیکھنے تک کئی پارے یاد کر گئے، یہاں تک کہ پورے مہینہ میں آپ نے تیس پارے یاد کر لئے اور ایک تا ڈیڑھ پارہ کر کے ۲۸؍روز میں ایک ختم سنادیا''—(القرون الماضیۃ)

آپ کے افادات درسیہ کی تفسیری باقیات میں تفسیر سورۂ فاتحہ، تفسیر سورۂ اخلاص اور ایک مختصر تفسیر بسملہ آپ کے شاگرد مولانا ابو القاسم پھلورویؒ کی نقل کردہ خانقاہ کی لائبریری میں موجود ہے۔

عہد متاخرین میں حضرت فیاض المسلمین امیر شریعت اول مولانا شاہ محمد بدر الدین قادریؒ کی شخصیت تفسیر وتفہیم قرآن کی خدمات میں نہ صرف یہ کہ قابل ذکر ہے، بلکہ قابل تقلید بھی ہے۔ آپ نے قرآن کریم کی مختصر اردو تفسیر لکھنا شروع کیا تھا، مگر دیگر علمی ومنصبی مشغولیتوں کی وجہ کر یہ کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا، سورۂ فاتحہ کی تفسیر لمعات بدریہ میں شامل ہے۔ آپ خانقاہ میں طلبۂ دار العلوم مجیبیہ کو درس تفسیر کے علاوہ عامی لوگوں اور خاندان کی قرابت دار عورتوں کو بھی قرآن کریم کے ترجمے پڑھایا کرتے

تھے، چنانچہ لمعات بدریہ میں مترجم القرآن مولانا فتح محمد تائب جالندہری کی خواہش پر ان کے ترجمۂ قرآن کی توثیق کے ضمن میں ان کے نام ایک خط میں مذکور ہے، آپ لکھتے ہیں:

”...قریب چالیس برس کے گذرا ہوگا مجھے خیال آیا کہ بعض اہل قرابت عورتوں کو قرآن مجید کا ترجمہ اس طرح پڑھاؤں کہ ان میں ترجمہ کرنے کا سلیقہ آجائے، قرآن مجید کی تلاوت میں معنی بھی سمجھتی جائیں، اس طرح یہ دوسری عورتوں کو تعلیم کریں۔

میں نے ان کی تعلیم کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ لفظی ترجمہ بتا کر اسے ملانے اور جملہ بنانے کو کہا، جملہ بنانے میں جو روک واقع ہوتا اس کو بتادیتے، کچھ دنوں بعد مترجم قرآن مجید میں اس کے اور مترجم کے الفاظ کی ترتیب کو دکھاتے اور یہ کہ مترجم نے کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

اس طرح اس کو جملہ بنانے کے حسن وقبح کی اطلاع ہو جاتی، دو تین پارہ کے بعد ترجمہ کرنے کا انداز آگیا تھا...... اس کے بعد...... ایک فارسی خواں نے مجھ سے قرآن شریف پڑھا، پھر ترجمہ اس طریقہ سے پڑھا جس کا ذکر اوپر کیا گیا ...... ادھر دو ایک سال سے یہ شغل پھر شروع ہوا ہے، اس وقت بھی قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے والے عربی کے صرف ونحو سے ناواقف فقط فارسی اور انگریزی جاننے والے ہیں، اس سے زیادہ عدالت کی کچہری سے تعلق رکھنے والے اور پھلواری سے کافی کوس دور کے رہنے والے ہیں، اس سبب سے ہفتہ میں ایک دن یکشنبہ کو ترجمہ پڑھنے کو آیا کرتے ہیں۔ پندرہ پارہ تمام ہوگیا ہے، اب ترجمہ اچھی طرح سے کرتے ہیں، لغات قرآن کے بعض رسالے ان کے پاس ہیں جس سے ان الفاظ کے معنی دیکھ لیا کرتے ہیں، جو پڑھے ہوئے نہیں ہوتے ان کو ترجمہ کرنے کے بعد مختصر مطلب بھی سمجھا دیتا ہوں۔

محمد بدرالدین

۲۲رشعبان ۱۳۴۰ھ

حضرت امیر شریعت اول فیاض المسلمینؒ مولانا شاہ محمد بدرالدین قادریؒ کے صاحب زادگان میں حضرت امیر شریعت ثانی مولانا سید شاہ محمد محی الدین قادریؒ نے بھی مدرسۂ مجیبیہ میں قرآن کریم کا درس دیا ہے، البتہ قومی وملی ہجوم مشاغل کی وجہ سے آپ کو مستقل درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا موقع نہ ملا، حضرت فیاض المسلمینؒ کے دیگر صاحبزادوں نے بھی قرآن کریم کی تدریس و تعلیم فرمائی ہے، حضرت امیر شریعت ثالث مولانا شاہ محمد قمر الدین قادریؒ نے ابتدائی دور میں دارالعلوم مجیبیہ میں درس وتدریس انجام دی، آپ کے حلقۂ درس میں پٹنہ سے بھی طلبہ آکر شریک درس ہوا کرتے تھے، حضرت امام المتقین مولانا شاہ محمد نظام الدین قادریؒ خصوصیت کے ساتھ تاحیات مدارک وبیضاوی کا درس دیتے رہے، حضرت مولانا حافظ محمد شہاب الدین قادریؒ نے دیگر علمی امور کی انجام دہی کے ساتھ دارالعلوم مجیبیہ کے شعبۂ حفظ سے کثیر حفاظ تیار کئے۔

حضرت مولانا حکیم محمد شعیب قادریؒ نے مستند احادیث اور اقوال مشائخ پر مشتمل قرآن کریم کی تمام سورتوں کے فضائل اور خواص القرآن ۳۰؍ضخیم جلدوں میں ترتیب دیئے، جو اپنی نوعیت کا منفرد کارنامہ ہے، کتب خانہ مجیبیہ میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

ان حضرات کے بعد حضرت امان المستجیرین مولانا شاہ محمد امان اللہ قادریؒ اور حضرت استاذ الاساتذہ قاضی شریعت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ نے بھی اس سلسلہ تفہیم قرآن کو آگے بڑھانے میں اہم تعاون پیش کیا۔

یہ مشائخ پھلواری کی تفسیری خدمات کا سرسری تعارف تھا، ان بزرگوں کے علاوہ بھی کثیر اہل علم ہیں، جن کی اس جہت میں خدمات رہی ہیں، یہاں کے بزرگوں کی ان خدمات کا بالاستیعاب تعارف کرانے کے لئے ایک الگ مضمون کی ضرورت ہے، اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں ہے، الغرض قرآن فہمی اور اس کی نشر واشاعت کا سلسلہ خانقاہ مجیبیہ میں عہد قدیم سے تسلسل کے ساتھ جاری ہے، یہ قرآن کریم سے ان علمائے ربانیین کے قلبی لگاؤ کا نتیجہ ہے، چنانچہ اس عہد کے مشائخ خانقاہ میں حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ بھی خانقاہ کے اس علمی سلسلہ کی ایک کڑی بنے اور اس خاندانی شغف سے بہرہ مند ہوئے، وہ پٹنہ کی بعض مساجد میں درس قرآن کے لئے بلائے جاتے تھے، مدرسہ مجیبیہ میں اکثر کتب تفسیر کا بھی درس دیتے تھے، قرآن فہمی اور اس کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں ان کا ایک اہم کارنامہ حضرت امیر شریعت ثالث مولانا شاہ محمد قمر الدین قادریؒ کی خالص قرآن کی روشنی میں مسئلہ ایصال ثواب کی اباحت پر لکھی گئی ایک اہم تالیف ''اشارات الکتاب الی اباحۃ ایصال الثواب'' پر مرقوم تعلیقات ہے، جو مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کی تفسیری خدمات کے باب میں ان کا اولین کارنامہ بھی ہے، یہاں آپ کی اسی تعلیقات کا مختصر تعارف پیش کرنا میرا موضوع تحریر ہے، ذیل کی سطور میں آپ کی اس تعلیقات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

"اشارات الکتاب الی اباحۃایصال الثواب" کی ارزش واہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ یہ حضرت امیر شریعت ثالث مولانا شاہ محمد قمر الدین قادریؒ کی تالیف ہے، آپ خانقاہ مجیبیہ کی ایک عہد ساز شخصیت تھے، ۱۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۷۶ھ میں وفات پائی، اپنی ۶۴؍سالہ زندگی میں آپ نے اپنے علمی وعملی مشاغل، ارشاد وہدایت سے عوام وخواص سب کو مستفید فرمایا، طویل اسفار کئے، جن میں کبار علما اور مشائخ عظام سے استفادے کئے اور دوسروں کے لئے افادات کا سامان فرمایا، اپنی حیات کے آخری دس سال صوبہ بہار واڑیسہ کے امیر شریعت کی حیثیت سے عوام کی سربراہی فرمائی، اور ان مشاغل کے ساتھ مختلف موضوعات پر کئی اہم کتابیں تالیف فرمائیں، خصوصاً تصوف میں انہوں نے اصولی اور اجتہادی کارنامے انجام دیئے ہیں، آپ نے سلسلہ طریقت مجیبیہ کے اصول پر "الافاضۃوالاستفاضۃ" کے نام سے ایک اہم کتاب تالیف فرمائی، تمام سلاسل جو خانقاہ مجیبیہ پہنچے، ان سلاسل کے اذکار کی شرحیں تحریر فرمائیں، جو سالکان طریقت کے لئے نہایت کارآمد

چیز ہے، ان کے علاوہ دیگر موضوعات پر اہم تالیفات اور فتاوے ان کی علمی باقیات ہیں، کتاب مذکور یعنی اشارات الکتاب کے مقدمہ میں صاحب تعلیق مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ مؤلف کی علمی وعرفانی حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت جدنا الاکرم شمس العارفین مولانا سید محمد قمر الدین قادری قدس سرہ امام العلم والمعرفت تھے......حدیث و تفسیر کے تمام ذخائر پر عمیق نگاہ رکھتے تھے، علوم قرآن میں تجر حاصل تھا، فقہی بصیرت کے معاصرین معترف تھے، شخصیت کے ایک اور پہلو سے کم لوگ واقف ہوں گے اور وہ یہ کہ آپ صاحب کشف وتصرف بھی تھے، کمال صفائے باطن کے سبب بحالت بیداری بعض صحابہ کی زیارت کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا......عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دل سوختگی بہت نمایاں تھی، دہلی کے حکیم نابینا نے آپ کی نبض دیکھ کر کہا تھا کہ '' آپ کے دل میں تو آگ لگی ہوئی ہے، دوا سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟'' عشق صادق کی بدولت زیارت جمال نبوی ﷺ سے بھی مشرف ہوئے۔''

حضرت امیر شریعت ثالثؒ کی یہ کتاب جس کا نام ''اشارات الکتاب الی اباحۃ ایصال الثواب'' ہے، خود مؤلف نے تحریر فرمایا ہے، ایک تفسیری نوعیت کی تالیف ہے، جس کو احکام القرآن کی تفسیر کے تحت رکھا جاسکتا ہے، اس کتاب میں کہیں بھی سوائے آیات قرآنی کے دیگر ادلۂ شرعیہ سے بالکل استفادہ نہیں کیا گیا ہے، فقہ کے ایک فروعی مسئلہ پر اس نوعیت کی کتاب لکھنے کی ضرورت حضرت مؤلفؒ کو اس لئے پیش آئی کہ یہ کتاب اصلاً مولانا تمنا عمادی پھلواروی جو مسلکاً اہل قرآن ہو گئے تھے، ان کی جانب سے مسئلہ ایصال ثواب کی اباحت پر محض قرآن کی روشنی میں پوچھے گئے سوال کا جواب ہے، یہ سوال دیگر چند سوالوں کے ساتھ ۱۹۳۵ء میں مولانا تمنا عمادی نے حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محمد محی الدین قادریؒ سے دریافت کئے تھے، دین کے دیگر اہم کاموں کو چھوڑ کر ایک متحقق فروعی مسئلہ کی نئے طرز پر تحقیق میں وقت صرف کرنے کی انہوں نے ضرورت نہ سمجھی، مگر سائل کے مسلسل اصرار پر یہ کام انہوں نے اپنے برادر عزیز مولانا شاہ محمد قمر الدینؒ کو سپرد فرمایا، چنانچہ کتاب مذکور پر صاحب تعلیق کے مقدمہ میں مؤلف کے الفاظ میں یہ تمام تفصیلات موجود ہیں، ہم یہاں ان تفصیلات کا کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے اس نوعیت کے کام کی صحیح سمت بھی واضح ہو جاتی ہے، حضرت مؤلف لکھتے ہیں:

''......مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس کا جواب بالکل قرآن مجید سے دیا جائے، میرے خیال میں یہ عنوان سوال ایسے شخص سے مناسب تھا جس کا یہ دعوی ہوتا کہ اس کے تمام اعمال وافعال کے جواز پر استدلال صرف قرآن مجید کے نصوص صریحہ پر منحصر ہے......اور جو شخص قرآن بحکم قرآن مجید، احادیث اور اقوال اہل ذکر کو بھی استدلال جانتا ہو اس کے کسی فعل پر حصر کے ساتھ صرف قرآن مجید ہی سے دلیل کا مطالبہ صحیح نہیں ہے، قرآن مجید بیشک کلام اللہ منزل من اللہ ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، لیکن بغیر سند مقبول محض اپنی عقل سے آیات قرآنی کی تفسیر کرنا اور محض اپنی رائے اور ہوس نفسانی کو دخل دے کر آیات قرآنی کے مطالب کو اپنے نفس کی خواہش کی طرف لانا اور نفس کے خیال کو مقدم اور قرآن مجید

کو اس کے تابع بنالینا یا جن امور میں قرآن مجید نے روک دیا ہے، ان معانی ومطالب کا اقدام کرنا یا کسی خاص امر میں آیات کو حصر کرلینا، معیوب اور ممتنع ہے۔ ’’وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ‘‘،

’’وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ‘‘ اسی کی جانب مشعر ہے، البتہ کسی مسئلہ میں بعد تفحص اور غور وخوض، جو بات سمجھ آئے اور مسلمات سلف کے مطابق ہو جائے یا ایسی رائے جس سے قدما اور سلف کی تائید نکلے، مخالفت نہ ہو یقینی صواب ہے اور وہ تفسیر بالرائے نہیں ہے، ’’كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ.‘‘

یہ کتاب جیسا کہ قبلاً مذکور ہوا، ۱۹۳۵ء میں معرض تحریر میں آئی، لیکن اس کی اشاعت ایک عرصۂ دراز کے بعد ہوئی، حیات مؤلف میں ان کی علمی باقیات کو شائع کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی، بقول مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ:

’’حضرت مصنف اعلی اللہ درجتہ اپنی تصانیف کی اشاعت کو بھی شہرت ونام آوری کا ذریعہ سمجھتے تھے، اس لئے اس سے بہت اجتناب کرتے اور فرماتے تھے کہ ’’میں مشار الیہ نہیں بننا چاہتا‘‘ اسی پاکیزہ رجحان کی وجہ سے جتنی بھی کتابیں لکھیں اپنی حیات میں ان کی طبع واشاعت کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی۔‘‘

حضرتؒ کے انتقال کے بعد آپ کے لائق فرزند گرامی حضرت مولانا حکیم شاہ محمد عماد الدین قادریؒ ان کے علمی سرمائے کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوئے، علمی دنیا پر ان کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے سرمایۂ علمی کے ساتھ خانقاہ کے بعض اکابر بزرگوں کی اہم نوشتجات کی قدیم طرز پر ہی سہی اشاعت فرما کر ایک عرصہ تک کے لئے ان آثار علمیہ کے تحفظ کا انتظام فرمادیا۔ چنانچہ آج سے تقریباً تیس سال قبل ۱۴۱۲ھ میں اشارات الکتاب کی اشاعت عمل میں آئی، چوں کہ کتاب مذکور انتہائی عالمانہ مزاج کے مطابق لکھی گئی تھی، جو عوام کی سطح فہم سے بالاتر ہے، انداز بیان اور طرز استدلال ایسا اپنایا گیا ہے کہ بغیر وضاحت کے عام قارئین اس کتاب سے استفادہ نہیں کرسکتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ نے جو حضرت مؤلفؒ کے نواسہ تھے، عام استفادہ کے لائق بنانے کے لئے اس کتاب کی تصحیح وتشریح کرکے ایک بڑا علمی کام انجام دیا، کتاب کی تصحیح وتشریح میں ان کا جو طریقۂ کار رہا، وہ خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

’’......جب یہ رسالہ اشاعت کے ارادے سے زیر مطالعہ آیا تو اندازہ ہوا کہ خالص علمی وتحقیقی انداز میں لکھی گئی یہ کتاب عوام کے فہم سے بہت اونچی ہے، کتاب کو عام فہم بنانے کے لئے ترمیم واضافے کی ضرورت تھی لیکن حضرت کی تحریر میں تغیر وتبدل سوء ادب معلوم ہوا، اس لئے صرف اتنی جرأت کی گئی کہ

(۱) اصل عبارت جوں کی توں رہنے دی گئی اور مغلق عبارتوں پر برائیکٹ کے اندر تشریحی نوٹ لکھ دیئے گئے، تاکہ مصنف کی عبارت اور تشریحی نوٹ میں امتیاز رہے۔

(۲) جہاں چھوٹے چھوٹے جملے تشریح کے لئے کافی ہوئے وہاں قوسین میں ان کا اضافہ کردیا گیا ہے۔

(۳) ذیلی عنوانات کتاب میں کہیں نہیں تھے، مضمون کے مطابق عنوانات متعین کردیئے۔۔۔

(۴) آیات کریمہ کے ترجموں کی جگہ بیاض چھوٹے ہوئے تھے، ان سب جگہوں پر مولانا فتح محمد جالندھری کے ترجمۂ قرآن ''فتح المجید'' سے ترجمے نقل کردیئے گئے ہیں۔

اصل عبارت میں تغیر کئے بغیر کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کے مضامین عام فہم ہوجائیں ورنہ علمی اعتبار سے کتاب میں کسی طرح کی خامی نہیں ہے۔''

لائق تکریم محقق کی یہ خوش نصیبی تھی کہ انہوں نے ایک بڑا علمی کام اپنے بزرگوں کی سرپرستی میں انجام دیا، چنانچہ اس کتاب کی تصحیح اور تحقیقی نوعیت خود حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ نے طے فرمائی تھی، جس کے مطابق مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ نے احسن طریقے پر تسہیل وتشریح کا کام کرکے ایک بڑی خدمت انجام دی، اس ضمن میں یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ کسی شخصیت علمی یا کسی فن کی توضیح وتشریح اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک محقق کار اس علمی شخصیت کے افکار کی گہرائی سے واقف نہ ہوجائے یا اس فن سے جب تک مکمل واقفیت نہ رکھتا ہو، اس کی تحقیق درست نہیں ہوسکتی، فاضل محقق مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ نے آج سے تیس سال قبل اپنے بزرگوں کی سرپرستی میں اس علمی کام کو انجام دے کر یہ ثابت کردیا کہ وہ نہ صرف آبائی فکر سے آشنا تھے، بلکہ فہم قرآن کی بصیرت بھی رکھتے تھے اور قرآن کی تفہیم میں اپنے بزرگوں کے ہم مزاج بھی تھے، یہ ان کی بڑی خوش نصیبی تھی، چنانچہ خود ان کو اس تحقیقی کام کرنے کی بے حد خوشی ہوتی تھی، عزیزوں کو شوق دلانے کی غرض سے فرحت وانبساط کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ''بزرگوں کی تحریروں کی تشریح وترجمانی کرنا سلف کی سنت ہے، شارح وقایہ نے اپنے دادا کی کتاب کی تشریح کی تھی، ان کی سنت پر میں نے اپنے نانا کی تالیف کی تشریح کی ہے''، قریب ہی ماضی کی بات ہے کہ انہوں نے دوبارہ اس کتاب کی اشاعت کا اظہار قصد بھی فرمایا تھا۔

بہرحال حضرت امیر شریعت ثالثؒ کی اس کتاب پر مولانا نے جو تشریحی کام کیا ہے، وہ قابل تعریف اور نہایت اہم ہے، کتاب کی ابتدا میں صاحب تشریح کا ایک مختصر مگر جامع مقدمہ ہے، جس میں موضوع کتاب، حیات مؤلف کے علمی وعرفانی گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے سبب تالیف، اور تحقیقی نہج کی وضاحت کی گئی ہے، مقدمہ کے کچھ اقتباسات ماقبل میں پیش کئے گئے، موضوع کتاب اور مؤلف کی ارزش تحقیق کی وضاحت میں صاحب تعلیق کا یہ اقتباس مقدمہ بھی ملاحظہ کیجئے:

''ایصال ثواب کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جس کے جواز واستحسان پر ہر دور میں سواد اعظم کا اتفاق رہا ہے...... بجز چند افراد کے...... نفس مسئلہ سے کسی نے انکار واختلاف نہیں کیا...... سلف صالحین...... کی تقلید واتباع سے بیزاری اور قرآن کریم کی تفسیر بالرائے نے فکری گمرہی کے بہت سے راستے کھول دیئے ہیں...... روایتوں کے ردوقبول میں اہل قرآن کے خودساختہ اصولوں نے احادیث نبویہ کے پورے دفتر کو غیر مستند اور مشکوک بنادیا ہے...... آزادیٔ فکر کا یہ مسئلہ

اعتقاد وعمل کی حد بندیوں سے متجاوز ہوتا نظر آرہا ہے...... علمائے ربانیین کی پیروی اہم چیز ہے، سواد اعظم سے انحراف و شذوذ سے محفوظ رکھتی ہے...... پچھلی نصف صدی سے مشائخ کے معمولات...... اور ایسے تمام امور جن پر سلف صالحین کا تعامل رہا ہے، مورد طعن اور ہدف ملامت بنے ہوئے ہیں...... اہل طریقت علما برابر ان باتوں کا حق ہونا ثابت کرتے رہے ہیں۔

...... زیر نظر رسالہ اس سلسلے کی ایک کامیاب کوشش ہے...... مسئلۂ ایصال ثواب پر حضرت مصنف نے اصولی بحث فرمائی ہے...... اس موضوع پر بکثرت کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن یہ کتاب سب سے منفرد ہے...... یہ ان لوگوں کو دعوت فکر دیتی ہے جو سلف کی تاویلات وتشریحات کے بغیر براہ راست قرآن میں فکروتدبر کی لوگوں کو دعوت دیتے ہیں...... جس یقین اور سلجھے ہوئے انداز میں حضرت نے قلم اٹھایا ہے اور آیات ربانی سے محققانہ استدلال کیا ہے اس میں عام اہل علم اور اہل نظر کو بھی دعوت فکر ہے......''

بلا شبہ ایسی محنت شاقہ اور جانفشانی کی مقتضی تحقیق جس کا تعلق براہ راست قرآن عزیز سے ہو، ایک نہایت نازک کام ہے، جس کو حضرت مؤلف نے انجام دیا، یہ ان جیسے صاحبان عرفان کا ہی خاصہ تھا، یہ ہر صاحب تحقیق کے بس کی بات نہیں ہے، کیوں کہ اس جہت میں ذرا سی لغزش فکری ساری محنتوں پر پانی پھیر سکتی ہے، ایسی عرق ریزی اور نازک عمیق فکری تحقیقات کی تشریح وترجمانی کرنا بھی نہایت مشکل کام ہے، مگر صاحب تشریح کی طبیعت میں بھی ان کے بزرگوں کی طوفاں شکن طاقت موجود تھی کہ وہ ایسے اہم کام کو بھی اپنی بلند ہمتی اور خلوص نیت کے ساتھ کرنے میں ہمیشہ مصیب رہے۔

کتاب مذکور تقریبا ایک سو بیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جس میں مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کے تشریحی نوٹ بھی شامل ہیں، کتاب کے شروع میں ذیلی عنوانات کی فہرست دی گئی ہے، تقدیم وتمہید اور خاتمہ کے علاوہ پوری کتاب کے مواد کو تقریبا ساٹھ ذیلی عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے، جن میں سے کچھ عنوانات یہاں نقل کئے جاتے ہیں جن سے قارئین کو مضامین کتاب کا کچھ اندازہ ہو جائے جیسے'' موت کے بعد تکلیف شرعی کا منقطع ہونا، دوسروں کے عمل سے استفادہ کی مختلف صورتیں، اعمال صالحہ کی ضرورت، اعمال خیر پر اجر وثواب کا حصول یقینی ہے'' لیس للانسان الا ماسعی'' کا صحیح مفہوم، لفظ ثواب کا معنی، لفظ ایصال کی تشریح، مردوں کا تعلق زندوں سے، نفع رسانی کی تعلیم، انفاق کی اہمیت، ایصال ثواب کی دو قسم قولی وفعلی، ایصال ثواب میں کھانے پینے کی چیز متعین کرنے کی حکمت، تخلیق کے بعد رزق کا تعلق، طریقۂ صالحین، ایصال ثواب کے مستحق کون لوگ ہیں، جملہ اہل تعلق کے لئے ایصال ثواب ضروری ہے، امور خیر میں اجتماعیت اور اس کی مختلف صورتیں، امور شرعیہ میں دن اور وقت کی تعیین کی شرعی حیثیت، تعیین اوقات کی دو مختلف صورتیں تعبدی وعقلی، ایصال ثواب میں یوم وفات کی وجہ مناسبت، ایصال ثواب کے لئے جگہ کی تعیین، تزئین واہتمام، فاتحہ، قل، بلند آواز سے قرأت قرآن کی افادیت، قل اور قرآن خوانی عند اللہ موجب اجر وثواب......'' وغیرہ جیسے دیگر عنوانات کے تحت پوری کتاب قرآنی توضیحات پر محیط ہے،

ان ہی ذیلی عنوانات کے تحت مولانا شاہ ہلال احمد قادری ؒ نے حضرت مؤلف کی کتاب میں تشریح طلب مقامات کی توضیح کر کے قرآن فہمی کی اشاعت کی جہت میں ایک گراں قدر اور گراں بار کام انجام دیا ہے، ذیل کی سطور میں ان کی تشریحات کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) مؤلف کتاب نے ابتدا میں موت کے بعد تکلیف شرعی کے منقطع ہونے کا ذکر فرمایا ہے، اور اس سلسلہ میں سات آیات قرآنی بطور استدلال پیش کی ہیں، اس پر مولانا شاہ ہلال احمد قادری ؒ اپنے تشریحی نوٹ میں لکھتے ہیں:

”......مؤلف قدس سرہ نے ان آیات سے استدلال کیا ہے کہ تکلیف شرعی کا تعلق جسمانی زندگی کے ساتھ ہے، مرنے کے بعد انسان سے تکلیف شرعی منقطع ہو جاتی ہے، اس لئے خود اپنی کوشش سے اجر وثواب میں اضافے کی صورت بھی باقی نہیں رہتی۔“

(۲) ایمان کی شرط پر آخرت میں استفادہ کے تحت تشریح اس انداز میں فرماتے ہیں:

”آخرت میں دوسروں کے لئے کیا جانے والا عمل اسی وقت مفید ہوگا جب دونوں مومن ہوں، کافر کے لئے مومن کا عمل اور مومن کے لئے کافر کا عمل ضائع اور بے کار ہے۔“

(۳) حضرت مؤلف ؒ نے دوسروں کے عمل سے استفادے کی مختلف صورتیں قرآن سے نکال کر بیان کی ہیں، اس سلسلہ میں تقریباً ۱۳؍ آیات کریمہ پیش کی گئی ہیں، آخری آیت سورۂ طور کی آیت نمبر (۲۱) ہے، اس سے مؤلف نے حسب ذیل استدلال کیا ہے:

”آیۂ شریفہ میں ”وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ“ سے ثابت ہوا کہ سابقین کے عمل کو خدائے کریم کم نہیں کرتا اور لاحق کو سابقین کے صلاح وتقوی کی وجہ کر مثل سابقین کے عطا کرتا ہے، تو لاحق کو سابق کے عمل سے فائدہ ہوا۔“

شارح گرامی نے اس کی سیر حاصل تشریح اس طرح فرمائی ہے:

”اس آیت کریمہ میں بے عمل ذریت کو اس کے آباء واجداد کے ساتھ ملا دینے کا وعدہ فرمایا گیا ہے، کیوں کہ اگر یہاں صالح ذریت مراد لی جائے تو اشکال وارد ہوتا ہے، اول یہ کہ جب ذریت ایمان وعمل کی جامع ہے تو وہ خود اپنے اگلے بزرگوں کے زمرے میں شامل ہوگی، دوم یہ کہ آیت کا آخری ٹکڑا ”وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ“ واضح کر رہا ہے کہ اہل ایمان کے اجر وثواب میں ان کی ذریت بھی شریک وحصہ دار ہوگی، اور اسی کے ساتھ اہل ایمان کے اجر میں بھی کمی نہیں کی جائے گی، ظاہر ہے کہ بے عمل ذریت ہی شریک اجر ہونے کی مستحق ہے، باعمل ذریت کو شریک ثواب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ان کے پاس خود ہی عمل صالح کا سرمایہ موجود ہے۔

اہل ایمان کے اجر میں کمی کے جس اندیشے کو ”وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ“ کہہ کر رفع کیا گیا ہے، اس اندیشے کی بنیاد ذریت کی بے عملی ہے، کیوں کہ بے عمل لوگوں میں جب اجر وثواب تقسیم کیا جائے گا تو وہ تقسیم ان کی ضرورت کے مطابق ہوگی اور اس

طرح اجر کا بڑا حصہ ہٹ جائے گا، اس لئے آیت مذکور کا صحیح مفہوم وہی ہے جو حضرت مصنف قدس سرہ نے متعین فرمایا ہے۔"

(۴) اجر وثواب کے لکھے جانے پر مؤلف نے سورۂ توبہ کی آیات نمبر (۱۲۰) اور (۱۲۱) سے استدلال کر کے ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ غیر ارادی طور پر جو نیک اعمال سرزد ہوتے ہیں، اس پر بھی ثواب ملتا ہے تو جو اچھے اعمال ارادے کے ساتھ کئے جائیں، ان کے اجر وثواب کا کیا پوچھنا، پھر اس استدلال پر وارد ایک شبہ کا ازالہ فرمایا گیا، یہ پہلو ذرا تشریح طلب تھا، شارح محترم اس کی توضیح اس طرح فرماتے ہیں:

"حضرت مؤلف قدس سرہ نے اس آیت کریمہ سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ خدا کی راہ اور اس کی اطاعت میں ارادہ اور نیت کے بغیر جو نیکی سرزد ہوتی ہے، اس پر بھی اجر وثواب ملتا ہے، عمل کے واقع ہوتے ہی اجر لکھ دیا جاتا ہے، اس میں کوئی تاخیر بالکل نہیں ہوتی، "اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ" کے جملے سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ یہاں "عَمَلٌ صَالِحٌ"، یعنی نیک عمل نامۂ اعمال میں لکھے جانے کا ذکر ہو رہا ہے، اجر وثواب لکھے جانے کا ذکر نہیں ہے۔

اس شبہ کا حضرت مصنفؒ نے اس طور پر ازالہ فرمایا ہے کہ "عَمَلٌ صَالِحٌ" سے "ثواب عمل صالح" مراد ہے کیوں کہ بعد کے جملے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ" سے یہی مفہوم متعین ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ ثواب عمل صالح کا ہی نتیجہ ہے، اس سے الگ کوئی چیز نہیں......"

(۵) ایصال ثواب میں کھانے پینے کی چیز کی تخصیص کرنے کی حکمت کے تحت حضرت مصنف کے مستدل کی تشریح صاحب تشریح یوں کرتے ہیں:

"پچھلے عنوانات کے تحت حضرت مصنف نے جو گفتگو فرمائی ہے اس سے ثابت ہو چکا کہ ایصال ثواب کے لئے کسی خاص چیز کی تعیین نہیں ہے......لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ...... پھر مروجہ طریقہ جو ایصال ثواب کا ہے اس میں کھانے پینے کی چیزوں کا کیوں اہتمام کرتے ہیں؟ جناب مؤلف نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان ہر حال میں کھانے پینے کا محتاج ہے، چنانچہ آخرت کی زندگی میں بھی انسان اس سے بے نیاز نہیں رہے گا، ماں کے پیٹ میں بھی اس کو غذا ملتی رہتی ہے، دوزخ میں جہنمیوں کو ان کی خواہش پر کھانے کی چیز دی جائے گی، گرچہ وہ اس کو کھا نہیں سکیں گے، لیکن رزق کا اہتمام کیا جائے گا ضرور۔ اس لئے ایصال ثواب میں کھانے پینے کی چیزیں متعین کی گئی ہیں، اس کے ثبوت میں قرآن کی مختلف آیات پیش کی جارہی ہیں......"

کتاب مذکور کے آئینے میں حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کی قرآن فہمی اور ان کی محققانہ تشریحات کے یہ چند نمونے تھے، ان تشریحات کو یہاں پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی تشریحی کاوشوں کی ایک جھلک قارئین کے سامنے آجائے،

ورنہ ان کی تشریح وتحقیق کا مکمل کام قابل مطالعہ ہے، ان کی مکمل تشریحات معیاری گفتگو کی حامل ہیں، کہیں اختصار اور کہیں تفصیل کے ساتھ اس نوعیت کا کام کر کے حضرت مؤلف ؒ کی عالمانہ گفتگو اور ایجاز رقم انداز تحریر کی توضیح وتشریح کا حق ادا کیا ہے، زبان کی سلاست، سہل نگاری کا پہلو شارح کی تشریحات میں اول سے آخر تک موجود ہے۔ بہت حد تک ما قبل میں مذکورا قتباسات سے قارئین کو ان باتوں کا اندازہ ہو گیا ہوگا، یہاں اس امر کا اظہار بھی مناسب ہے کہ ایک عام قاری شارح موصوف کی تشریحات کے ساتھ حضرت امیر شریعت ثالث ؒ کی کتاب مذکور کو پڑھ کر براہ راست مسئلۂ ایصال ثواب کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور قرآن کریم میں بیان ہوئے متعدد علمی واخلاقی پہلوؤں سے بھی واقفیت حاصل کر سکتا ہے، جنہیں زندگی میں ایک انسان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، یہ کتاب اور اس کی تشریحات اس سلسلے میں معاون ومددگار ہوں گی، ان اسباب کی بنیاد پر اس کتاب کا تصحیح شدہ اڈیشن منظر عام پر لانا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، جو شارح گرامی قدس سرہ کی بھی دلی خواہش تھی، اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کا انتظام فرمائے، آمین!

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

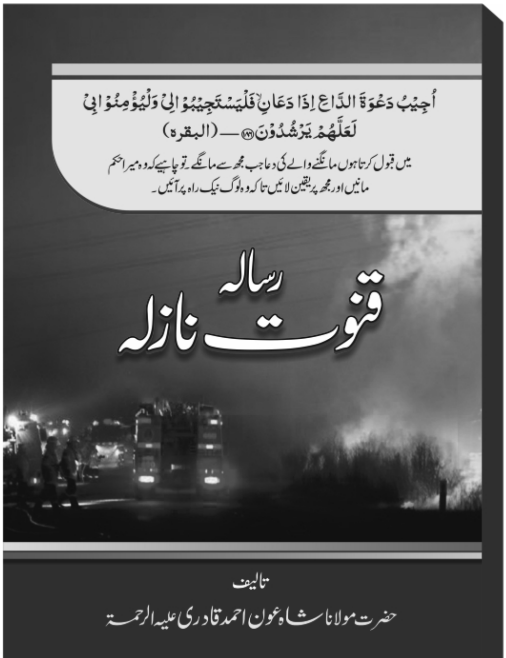

₹:20/-

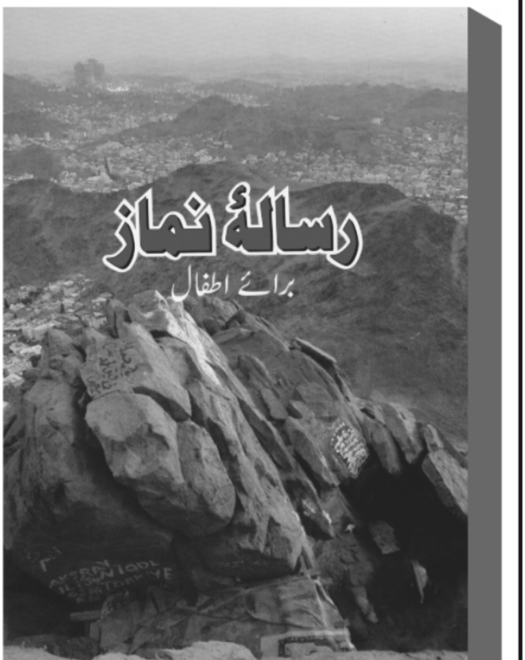

₹:50/-

سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی
ایک فکری تجزیہ

● مولانا ذیشان احمد مصباحی — جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد

صاحب سوانح :

مولانا شاہ امان اللہ قادری پھلواروی (۱۹۲۱-۱۹۸۵ء)، مسند قادری مجیبی کے نویں مسند نشیں تھے۔ آپ کے جد امجد بدرالکاملین مولانا بدرالدین قادری پھلواروی (۱۸۵۲ء-۱۹۲۴ء) اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی (۱۸۵۶-۱۹۲۱ء) کے ہم عصر تھے۔

مولانا بدرالدین قادری کو اس سلسلے کا مجدد سمجھنا چاہیے۔ آپ نے دینی علوم کی تکمیل خاندان کے بزرگوں سے کی تھی۔ علاوہ اس کے جن علماے حرمین شریفین سے آپ کو مختلف اسناد اور اجازتیں حاصل تھیں ان میں مولانا آل احمد محدث مہاجر مدنی، شیخ عبداللہ صالح سناری، سید محمد امین بن سید احمد، شیخ ابوحضیر مدنی، مولانا عبدالحق مہاجر مدنی، سید محمد بن علی حریری اور سید محمد سعید بن سید محمد مغربی، شیخ عبدالجلیل بن عبدالسلام برادہ، شیخ محمد فالح ظاہری، شیخ عبدالحی کتانی، شیخ سلیمان حبیب اللہ اور مصر وشام و بیروت کے دیگر علما کے نام شامل ہیں۔ برطانوی حکومت نے آپ کو شمس العلما کا خطاب پیش کیا تھا جسے بعد میں مسلمانوں کی حالت زار کے پیش نظر آپ نے لوٹا دیا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں جب امارت شرعیہ پٹنہ کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت پہلا امیر شریعت آپ کو ہی منتخب کیا گیا۔ اس مجلس میں مولانا ابوالکلام آزاد، خانقاہ عمادیہ پٹنہ کے سجادہ نشیں مولانا حبیب الحق عمادی، مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کے فارغ التحصیل اور اس تحریک کے روح رواں مولانا سجاد وغیرہ موجود تھے۔

آپ کی جملہ کتب اور مکتوبات کا تعلق اصلاح فکر وعمل سے تھا۔ بقول مولانا ہلال قادری:

''مولانا شاہ محمد بدرالدین نور عالم قدس سرہ کی گراں قدر اور محققانہ تالیف ''الوسیلہ والتوسل'' اور حضرت کے مکاتیب

کے ضخیم مجموعہ ’’لمعات بدریہ‘‘ کے اکثر مباحث عقیدہ ومسلک اور رسول اکرم ﷺ کے مقام عظمت سے متعلق ہیں، بالخصوص حضرت نے آثار رسول کی اہمیت اور اس سے استبراک پر اور تشہد میں ’’السلام علیک ایھا النبی‘‘ کہنے پر جو بحث فرمائی ہے، وہ نہایت ایمان افروز اور روح پرور ہے‘‘—(ص:۳۲۱، حاشیہ)

صاحب سوانح کے والد مولانا محی الدین قادری پھلواروی (۱۸۷۹-۱۹۴۷ء) اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۹۲۴ء میں خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین اور امارت شرعیہ بہار کے امیر ثانی مقرر ہوئے۔ یہ ہندوستان میں سیاسی، سماجی، مذہبی اور مسلکی تنازعات کا عہد تھا۔ علوم دینیہ کی تکمیل اپنے والد ماجد کے علاوہ مولانا حمید الحق پھلواروی، مولانا عبد اللہ رام پوری اور مولانا عبدالرحمٰن ناصری گنجی سے کی۔ طب کی تعلیم حکیم وارث حسن منیری سے لی۔ آپ کو دینی امور کی انجام دہی کے ساتھ مسلمانوں کے سیاسی وسماجی مسائل سے خصوصی شغف رہا۔ ’’محی الملۃ والدین‘‘ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پکے سنی حنفی تھے، گو کہ فضائل اعمال میں محدثین کے مسلک پر عمل کرتے تھے۔ روافض کے معاملے میں بھی سخت تھے۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں پٹنہ میں منعقد ہونے والی اصلاح ندوہ کانفرنس میں بھی دیگر علمائے اہل سنت کے ساتھ آپ شریک اجلاس تھے۔ قصیدہ آمال الابرار جس کا اصل شاعر فاضل بریلوی کو بتایا جاتا ہے، میں آپ کی شان میں یہ درج ہے:

بِفلوارِیہِ مُحیِ الدِّینِ وردٌ
لِبَدرِ سمائِھا نَجمٌ حریدٌ

’’شاہ محی الدین، ’پھلواری‘ کے گلاب اور آسمان پھلواری کے ماہ کامل [مولانا بدرالدین] کے یکتا ستارے ہیں۔‘‘

دیوبندیت وبریلویت کا نزاع اس عہد میں اپنے عروج پر تھا لیکن مولانا اس معاملے میں نہ امریکا کے ہم نوا تھے نہ دہشت گردی کے حامی۔ آپ نے اپنے ایک فتوے میں واضح لفظوں میں لکھا ہے:

’’میں دیوبندیوں کو خاطی سمجھتا ہوں، کافر نہیں کہتا‘‘—(محی الملۃ والدین:۱۶۱)

سائل نے جب عدم تکفیر کا سبب معلوم کیا تو آپ نے فرمایا:

’’یہی میرا مسلک ہے۔ جن پیران کی غلامی وجاروب کشی اس فقیر کو حاصل ہے ان کا بھی یہی مسلک تھا کہ جس شخص میں ننانوے وجوہ کفر پائے جاویں اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو اس کو مسلم ہی سمجھنا چاہیے۔ جماعت دیوبندیہ تاویلات پیش کر رہی ہے اور اپنی براءت کفر سے کر رہی ہے جس سے جناب کو مجھ سے زیادہ اطلاع ہوگی، تمامی علمائے اسلام عرب وعجم دیوبندیوں کی تکفیر میں متفق نہیں ہیں۔ اس فقیر کے علم میں بہترے علما گزرے اور موجود ہیں جو مسائل میں دیوبندیوں کے خلاف ہیں لیکن تکفیر نہیں کرتے، یہ فقیر بھی انہیں لوگوں کا ہمنوا اس معاملہ میں ہے‘‘—(ایضا)

مولانا امان اللہ قادری پھلواروی، اعلیٰ حضرت بریلوی کے سال وفات ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ مفتی شریف الحق امجدی

(۲۰۰۰ء) کا سال پیدائش بھی یہی ہے۔ خانقاہ مجیبیہ پٹنہ، مدرسہ مصباح العلوم الہ آباد، مسجد مصطفیٰ آباد مبارک پور، مدرسہ قدیمہ فرنگی محل، مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ اور دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر سے تکمیل علوم فرمائی۔ مولانا محمد شریف اعظمی (۱۸۸۳-۱۹۵۲ء) آپ کے خاص استاذ ہیں جو مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری، مولانا ہدایت اللہ خان رام پوری، مولانا محی الدین پھلواروی اور مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی کے شاگرد رشید تھے۔

مولانا امان اللہ قادری نے اپنے والد کی وفات کے بعد آزادی ہند کے سال ۱۹۴۷ء میں مسند مجیبی کو رونق بخشی، جس کا سلسلہ سال وفات ۱۹۸۵ء تک جاری رہا۔ ہندوستان آزاد ہو چکا تھا، مگر مسلمان اب بھی غلامی کی زنجیر میں خود کو جکڑا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ یہ تقسیم ہند، تباہی اور فسادات کا عہد تھا۔ دوسری طرف مسلکی فرقہ پرستی اور مناظرہ بازی کا عہد شباب بھی یہی تھا۔ مگر مولانا شاہ امان اللہ قادری پھلواروی اپنے اسلاف کی روش پر قائم رہتے ہوئے مریدین کی اصلاح وتزکیہ پر ارتکاز کے ساتھ ہمیشہ افتراق بین المسلمین سے نالاں اور وحدت ملی کے لیے کوشاں رہے۔ ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''علما کے درمیان آپس کی تکفیر وتفسیق نے تمام مسلمانوں کے دل سے علما کی عزت و وقار کو ختم کر دیا۔ خصوصاً یہ زمانہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق اور غیر مسلموں کے مقابلے میں کنفس واحدۃ ہو جانے کا تھا''۔ (ص: ۱۶۳)

مولانا شاہ ہلال احمد قادری، مولانا شاہ امان اللہ قادری اور ان کے اسلاف کے عقیدہ ومسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دسویں صدی ہجری میں عقائد کے اعتبار سے دو ہی بڑے گروہ تھے، شیعہ اور سنی۔ اہل سنت کا فروغ وارتقا شیعہ اور دیگر فرق باطلہ کے مقابلہ میں حقانیت، توسط، اعتدال اور افراط وتفریط سے پاک مسلک کے طور پر ہوا۔ حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کے اکابر اسی عقیدۂ (و) فکر کے علم بردار تھے۔

گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری میں بعض ایسے فرقوں کا ظہور ہوا جن کے افکار ومعتقدات اہل سنت کے معتقدات سے متصادم ہوئے اور وہ جمہور اہل سنت کے خلاف شرک وبدعت کا من گھڑت اور خود ساختہ تصور لے کر ابھرے۔ انھوں نے شان رسالت کی تنقیص اور عظمت صحابہ کا انکار کیا اور سلوک واحسان اور تصوف وعرفان کو بھی مورد طعن گردانا۔ اہل حق نے ان پر اپنی دار وگیر جاری رکھی۔ بالخصوص علامہ فضل حق خیر آبادی نے اس بڑھتی ہوئی گم رہی کا سد باب کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

حضرت (مولانا شاہ امان اللہ قادری) کے اکابر اباً عن جدٍ سنی وحنفی تھے، اس لیے ہر دور میں فاسد عقائد سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے قلمی جہاد میں مصروف رہے اور اپنی حقانیت، سنیت اور احسان وتصوف کے شروع طریقے اور مشائخ کی سنتوں کے احیاء کی مسلسل جد وجہد کرتے رہے''۔ (ص: ۳۲۰-۳۲۱)

مولانا آگے لکھتے ہیں:

’’پھلواری کے علما ومشائخ بھی اسلاف کی انہی سنتوں پر عمل پیرا رہے۔ وہ اگر علماء دیوبند کے عقیدہ ومسلک کی غلطیوں سے مفاہمت نہ کرسکے تو علماے بریلی سے بھی کلیۃً اتفاق ان کے علم و بصیرت اور ان کے تفقہ کے خلاف رہا‘‘—(ص: ۳۲۳)

ایک دوسرے مقام پر بریلوی فکر ومسلک کی طرف پھلواروی رجحان کی وضاحت اور بریلوی علما سے خاص شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عقیدہ ومسلک کے بیشتر امور میں پھلواری کے بزرگوں کو بریلویوں سے اتفاق رہا ہے، لیکن ستم یہ ہے کہ بریلوی حضرات اس بات پر ہمیشہ مصر رہے کہ علمائے پھلواری ان کے فتاویٰ پر مہر تصدیق ثبت کریں اور اپنے سنی ہونے کے لیے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان نیز ان کے متبعین سے سند حاصل کریں اور اسی کو حق سمجھیں جو بریلوی علما کہتے ہیں۔‘‘

مولانا امان اللہ صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں واضح الفاظ میں لکھا ہے:

’’ہم لوگ نہ تو دیوبندی ہیں نہ بریلوی‘‘—(ص: ۳۲۴)

۹/۱۱ سانحے کے بعد جارج ڈبلیو بش نے اعلان کیا تھا کہ ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ کے لیے نکل پڑے ہیں، جو ممالک ہماری اس جنگ میں شامل نہیں ہوں گے وہ دہشت گردی کے ہم نوا سمجھے جائیں گے۔ تقریباً یہی معاملہ بیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں بہت سے قدیم سنی حنفی صوفی روایات کے حاملین کے ساتھ روا رکھا گیا۔ مگر بقول شاہ ہلال احمد قادری:

’’اعتراضات اور مخالفتوں کی تیز وتند آندھیوں میں حضرت (مولانا امان اللہ قادری پھلواروی) اپنے مسلک پر ثبات قدمی کے ساتھ قائم رہے اور اس موقع پر اندیشۂ سود وزیاں سے آگے بڑھ کر صرف رضائے الٰہی کی طلب اور امت کی اصلاح کا جذبہ کارفرما رہا‘‘—(ص: ۳۲۷)

اہل نظر واقف ہیں کہ چکی کے اس دونوں پاٹ کے بیچ نہ صرف اہل پھلواری بلکہ ان کے ہم خیال یا ان سے نسبت رکھنے والے کتنے ہی مراکز اور اشخاص پچھلے سو سال سے پستے آرہے ہیں، جس کا براہ راست نقصان ملت اسلامیہ کو اٹھانا پڑا ہے۔

مولانا امان اللہ قادری، بیک وقت پھلواروی، فرنگی محلی اور خیرآبادی درسیات کے فیض یافتہ ایک جید عالم دین تھے۔ اس کا بخوبی اندازہ ان کے مقالات ومضامین، فتاویٰ، مکتوبات وغیرہ سے ہوتا ہے۔ اس حوالے سے بھی سوانح نگار نے ’’آثار علمیہ‘‘ کے تحت خاصی چیزیں شامل کتاب کردی ہیں، جو سو صفحات پر محیط ہیں۔ انبیا واولیا سے استمداد کا جواز، یارسول اللہ اور یاغوث کہنے کا جواز، احوال امت سے نبی کریم ﷺ کی باخبری، مجلس میلاد میں حضور ﷺ کی آمد کا امکان، اولیا کو بطریق کشف

بعض علوم غیبیہ کا ادراک، صلعم لکھنے کی ممانعت، قبر میں شجرۂ مرشد رکھنے کا جواز، تعزیہ داری کا عدم جواز، بینک سے ملنے والی سودی رقم، غیر ذاتی مصارف میں بلانیت ثواب خرچ کرنے کا حکم، بصورت عذر ٹرین پر نماز کا جواز، چین والی گھڑی سے احتیاط وغیرہ، مولانا کے اہم اعتقادی وفقہی آرا ہیں، جن سے بڑی حد تک ان کی علمی، فکری، فقہی اور مسلکی سطح متعین کی جا سکتی ہے۔

مولانا ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء کو طویل عارضۂ قلب کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کی بزرگی اور مقبولیت کا اندازہ ان کی وفات کے بعد سامنے آنے والے ملک و بیرون ملک کے علما، مشائخ اور مشاہیر کے تعزیت ناموں اور اخبارات و رسائل کے اداریوں اور خبروں سے ہوتا ہے جن کا ایک بڑا حصہ کتاب میں شامل ہے۔ اس موقع پر معارف اعظم گڑھ، ماہ نامہ جامعہ دہلی، ماہ نامہ منادی دہلی، روز نامہ صدائے عام پٹنہ، روز نامہ سنگم پٹنہ، وغیرہ اخبارات نے تعزیتی خبریں اور تاثرات شائع کیے۔ جن مشاہیر کے تعزیتی مکتوب/ تار موصول ہوئے ان میں اگر ایک طرف مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا اسعد مدنی، سید صباح الدین عبد الرحمٰن اور سید عروج احمد قادری کے نام ہیں تو دوسری طرف شاہ مجتبیٰ حیدر کاکوروی، مفتی محمد رضا فرنگی محلی، مولانا ابوالحسن زید فاروقی، مولانا عبد اللہ عباس ندوی، مفتی نجم الحسن خیرآبادی، خواجہ اسلام الدین نظامی دہلوی، شاہ عزیز احمد ابوالعلائی الہ آبادی، مفتی انیس عالم سیوانی، شاہ شفیع العالم شہبازی بھاگل پوری، شاہ مشہود اصدق خانقاہ پیر بیگھہ، مولانا علی احمد جید القادری تیغی مظفر پوری اور علامہ ارشد القادری مصباحی کے نام۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب سے علامہ ارشد القادری کا مکتوب یہاں نقل کروں اور اس کے بعد اس سے متعلق دو واقعات جو سماع پر مبنی ہیں، افادۂ عام کے لیے رقم کر دوں۔ علامہ ارشد القادری، شاہ امان اللہ صاحب کے صاحب زادے اور جانشین مولانا شاہ محمد رضوان اللہ قادری کے نام لکھتے ہیں:

> ”مکرمی زیدت مکارم سلام مودت
>
> یورپ اور سعودی عرب کے سفر سے واپسی پر کل اچانک اس عظیم حادثے کی خبر ملی جس سے دل کو انتہائی صدمہ پہنچا۔ مولا تعالیٰ آپ حضرات کو صبر وقرار مرحمت فرمائے اور آپ کی ذات کو اس مقدس خانقاہ کی برکتوں کا سرچشمہ بنائے۔
>
> تعزیت کے لیے میں جلد ہی حاضر ہوں گا۔ حضرت صاحب سجادہ کی ذات اس دور پر فتن میں اپنے اسلاف کا گراں قدر نمونہ تھی۔ آہ کہ یہ آخری چراغ بھی گل ہو گیا۔
>
> شریک غم
>
> ارشد القادری، جمشید پور“

علامہ ارشد القادری زبان و بیان کے جگت استاذ تھے۔ مکتوب کو دوبارہ پڑھیے، اندازہ ہوگا کہ مولانا نے کلمات تعزیت میں اسی فن کو استعمال کیا ہے جسے عوامی زبان میں ”سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے“ کہا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ صہبا سید سرانوی کے الفاظ میں۔

بہت پردے میں ہے ہر چند تیری مے کشی صہبا
مگر اہل نظر چہرے کی تابانی سمجھتے ہیں

اب اس سے متعلق وہ دونوں واقعات پڑھیے:

(۱) پہلے واقعے کے راوی علامہ ارشد القادری کے پوتے مولانا خوشتر نورانی ہیں۔ خوشتر صاحب نے بارہا یہ واقعہ بیان کیا کہ دادا کی اس تعزیت پر بریلوی حلقے میں بڑی چہ می گوئیاں رہیں، اگرچہ جماعت میں ان کے گہرے اثر ونفوذ کے سبب کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ براہ راست دادا کا احتساب کرتا۔ لیکن ایک بار ایسا ہوا کہ ایک مولوی صاحب جامعہ نظام الدین اولیا دہلی آئے۔ دادا سے ملاقات کی اور پھر بڑی لجاجت سے ایک استفسار کی اجازت چاہی۔ دادا جان نے جب انہیں اس کی اجازت دی کہ بولو کیا بات ہے؟ تو مولوی صاحب نے جھجکتے ہوئے اور پوری ہمت جٹا کر عرض کیا: ”حضور! سنا ہے آپ نے شاہ امان اللہ پھلواروی کی تعزیت کی ہے۔ حضور!....“

ابھی جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ دادا نے اپنے مخصوص لہجے میں مولوی صاحب کو ایسی ڈانٹ پلائی کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور پھر وہ بڑی مشکل سے جان چھڑا کر چلتے بنے۔ علامہ نے کہا: ”تو ہمیں سکھائے گا کہ سنیت کیا ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے! تیری یہ مجال کہ تو ارشد القادری کا احتساب کرنے آگیا۔ اتنے۔۔۔“ یہ واقعہ علامہ کے مخصوص انداز اور لہجے کی حکایت کے ساتھ خوشتر صاحب سے سننے کا لطف ہی الگ ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے واقعے کے راوی معروف شیخ طریقت اور سلسلۂ رشیدیہ کے مسند نشیں مفتی عبید الرحمٰن رشیدی ہیں۔ آپ نے ایک سے زاید مرتبہ یہ واقعہ راقم آثم سے بیان کیا کہ ایک بار علامہ ارشد القادری ہمارے یہاں منڈواڈیہ بنارس آئے ہوئے تھے۔ میں نے کہا:

”چلیں! ماشاء اللہ! آپ نے مولانا امان اللہ صاحب کو جو علماے دیوبند کی تکفیر نہیں کرتے تھے، کم از کم مسلمان تو مان ہی لیا۔“

علامہ کہنے لگے: ”بات یہ ہے کہ میں ایک بار دیوبندیوں سے مناظرہ کرنے جا رہا تھا۔ مولانا امان اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فتح مناظرہ کے لیے دعا فرمائی اور الحمد للہ! میں اس مناظرے میں فاتح رہا۔“

میں نے ہنستے ہوئے کہا: ”ماشاء اللہ! اب تو آپ نے انہیں ولی بھی مان لیا۔“

تعارف مصنف:

مولانا ہلال احمد قادری پھلواروی سے میری پہلی ملاقات خانقاہ عارفیہ کے صحن میں ہوئی۔ ہم لوگ مولانا کو مرشد گرامی کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت نے مولانا کا خیر مقدم کیا۔ حضرت کی مجلس پہلے سے چل رہی تھی۔ مجلس میں رند و پارسا

سب حاضر تھے۔مولانا رسمی اور تعارفی جملوں کے ساتھ ہی بریلی اور بریلویت پر اپنے جلال پر اِجلال کا اظہار فرمانے لگے۔ حضرت نے بمشکل تمام روئے سخن بدلا اور مجلس کی تنظیم نو فرمائی۔

مولانا جامعہ عارفیہ میں اپنے صاحب زادۂ گرامی کے داخلے کے حوالے سے آئے تھے۔صاحب زادے صاحب نے کچھ دنوں تعلیم حاصل بھی کی، مگر جامعہ عارفیہ کی فضا انہیں راس نہ آئی، شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ جامعہ کی جملہ خدمات یہاں کے عزیز طلبہ۔بلاتخصیص واستثنا۔خود ہی انجام دیتے ہیں۔

مولانا سے میری دوسری اور آخری ملاقات ۲۰۱۷ء میں خانقاہ مجیبیہ میں ہوئی، جب میں اپنے پی ایچ ڈی ورک کے لیے مواد کے سلسلے میں پٹنہ حاضر ہوا تھا۔اس دن دیر تک مولانا سے استفادے کا موقع ملا۔ذکر حفظ الایمان اور مسئلۂ علم غیب کا چھڑ گیا۔مولانا جوش غضب میں کئی طرح سے حفظ الایمان کا رد کرتے چلے گئے۔کہنے لگے کہ مولانا تھانوی کو اپنی بات سمجھانے کے لیے کیا وہی مثال ملی تھی؟ پھر یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ بعض باتیں ایک شخص جانتا ہے اور دوسرا نہیں جانتا اور وہ باتیں اس دوسرے شخص کی طرف نسبت کرتے ہوئے، علم غیب ہوئیں۔اس لحاظ سے بعض علم غیب کا علم تو ہر شخص کو ہوتا ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا اسی کو علم غیب کہتے ہیں؟ اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں زیر بحث آئیں۔یہ پہلا موقع تھا جب میں کسی پھلواروی عالم سے براہ راست دیوبندی فکر کی تردید سماعت کر رہا تھا۔مولانا نے کہا کہ اہل دیوبند کے ساتھ ہمارا تعلق ان کی شرطوں پر نہیں، بلکہ ہماری اپنی شرطوں پر رہے ہے۔ہمارے اسلاف کے جو عقائد واعمال اور معمولات ومراسم کل تھے، بعینہ آج بھی ہیں اور کسی بڑے سے بڑے دیوبندی کی یہ جرات نہیں ہوئی جو خانقاہ میں آکر ہماری اصلاح کرنے کی کوشش کرے۔

مختلف اوقات میں مولانا کی بعض کتابیں اور المجیب میں شائع بعض مضامین بھی دیکھنے کا اتفاق رہا ہے۔مجلہ الاحسان کے چوتھے شمارہ (۲۰۱۳ء) میں بھی ان کا ایک مقالہ چھپا۔یہ مقالہ ڈاکٹر الطاف اعظمی کے ایک تصوف مخالف تحریر کا جواب آں غزل تھا۔مولانا مرحوم سے راقم کی شناسائی کی یہی کل روداد ہے۔

مولانا قادری سے مل کر اور ان کی نگارشات پڑھ کر اندازہ ہوا کہ وہ ایک خانقاہی علمی روایت کے امین تھے۔ ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۶۳ رسال کی عمر میں ۲۰۲۰ء میں اپنے مالک ومولیٰ سے جاملے۔ان کی وفات سے ہمیں بھی صدمہ ہوا۔مولانا محمد سجاد حسین مجیبی، جن سے خانقاہ مجیبیہ میں میری ملاقات ہوئی تھی اور جن کی عنایت ورفاقت میں خانقاہ کی لائبریری سے استفادہ کیا تھا۔کے توسط سے حضرت صاحب سجادہ نے عرس چہلم میں شرکت کا حکم فرمایا، جس کی تعمیل نہیں کر سکا۔ اب جب کہ پھر انہی کے توسط سے صاحب سجادہ کا دوسرا حکم آیا کہ مولانا ہلال صاحب کے حوالے سے المجیب کے خصوصی شمارے کے لیے میں کچھ لکھوں تو مجال انکار نہیں رہا۔پھر انہی سے مشورے کے بعد مولانا ہلال احمد قادری کی پہلی کتاب کے فکری تجزیہ کو موضوع سخن بنایا گیا۔

تعارف کتاب :

سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی پانچ سو صفحات پر پھیلا ہوا ایک وقیع تذکرہ ہے۔قصبۂ پھلواری، خاندان، ولادت وتعلیم، درس وتدریس، بیعت وخلافت، سلاسل طریقت، رشدوہدایت، سفر حج، علالت وسفر آخرت، اخلاق و اوصاف، عقیدہ ومسلک، اشراق باطن، آثار علمیہ، خاتمۂ کلام، خطوط تعزیت اور تاریخی قطعات کے تحت مسند قادری مجیبی کے نویں مسند نشیں مولانا شاہ امان اللہ قادری پھلواروی کا مفصل تذکرہ ہے۔شروع میں مولانا عبد اللہ عباس ندوی کا گراں قدر مقدمہ ہے۔ مقدمے کے اس اقتباس کی راقم السطور بھی بھرپور تائید کرتا ہے:

> ''سوانح نگاری کے اصول پر یہ کتاب پوری اترتی ہے۔مفید حواشی بھی ہیں، جس میں ان تمام شخصیات کے مختصر حالات آگئے ہیں، جن کا صاحب سوانح سے تعلق تھا......انھوں نے اس کتاب کو صرف صاحب سوانح کی ذات تک محدود نہیں رکھا، بلکہ پورے خاندان کے (کا) جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرقع پیش کر دیا ہے، جس میں بعد کے مقالہ نگاروں و (اور) مصنفین کو کام کی چیزیں ملیں گی اور وہ اس کو علمی ماخذ کے طور پر استعمال کریں گے۔''

کتاب پڑھ کر یقین کرنا مشکل ہے کہ اتنا وقیع اور جامع تذکرہ جو زبان و بیان، اسلوب وفن اور فکر ونظر کے جملہ اصولوں پر مکمل ہے، کسی تیس سالہ نوجوان نے زندگی کی پہلی تصنیف کے طور پر لکھنا شروع کیا ہوگا اور دو سال سے بھی کم مدت میں اسے مکمل کر لیا ہوگا۔مصنف نے اس کتاب میں خانقاہ مجیبیہ کی تاریخ، اس کے بزرگوں کے علم وادب اور مسلک ومنہاج، صاحب سوانح کا مکمل تذکرہ اور سوانح حیات کی جزئیات کو کوزے میں سمندر کی طرح سمو کر رکھ دیا ہے۔بین السطور میں دین وشریعت اور احسان وطریقت کے وہ اسرار کھولتے چلے گئے ہیں جن سے بہت سے سن رسیدہ خانقاہی بھی کم آشنا ہوتے ہیں۔زبان و بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اسی روایتی اسلوب کے حامل ہیں جو قدیم خانقاہی ادب وتہذیب کا ترجمان سمجھا جاتا ہے۔لفظیات اور تراکیب اس بات کے غماز ہیں کہ مصنف اردو، عربی اور فارسی زبان کے محاورات اور شعریات سے حظ وافر رکھتا ہے اور بلا تکلف ان کا برمحل استعمال کرتا جاتا ہے۔گویا مصنف نے اپنی اس پہلی تصنیف سے ہی اپنے ہم عصروں کو یہ پیغام دے دیا تھا۔

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا!

نتیجۂ فکر :

اوپر تعزیت نگاروں کی فہرست میں جن مشاہیر امت اور اکابر اہل سنت کے نام شامل ہیں، ان پر دوبارہ نظر ڈالیں اور پھر اہل سنت کے بعض ان بڑے ناموں پر بھی غور کریں جو مولانا امان اللہ پھلواروی کی فاتحۂ چہارم میں شریک ہوئے تھے۔یہاں صرف چند نام دیے جاتے ہیں، تفصیل کے لیے اصل کتاب سے رجوع کیا جاسکتا ہے:

(۱) شاہ محمد امجاد صاحب فردوسی — سجادہ نشیں خانقاہ حضرت مخدوم الملک، بہار شریف

(۲)	شاہ فرید الحق عمادی	سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب، پٹنہ
(۳)	شاہ سلیم الدین احمد منعمی	سجادہ نشیں خانقاہ منعمیہ، میتن گھاٹ پٹنہ
(۴)	شاہ جلال الدین عرف دھنو صاحب	سجادہ نشیں خانقاہ قادریہ امجھر شریف
(۵)	شاہ علیم الدین بلخی	سجادہ نشیں خانقاہ بلخیہ، فتوحہ
(۶)	شاہ جعفر حسین صاحب	سجادہ نشیں خانقاہ پیر دمڑیا
(۷)	مولانا اشتیاق عالم شہبازی	خانقاہ شہبازیہ، بھاگل پور
(۸)	مولانا رکن الدین اصدق مصباحی	خانقاہ اصدقیہ، بیر بیگھہ
(۹)	علامہ شاہ محمد قائم قتیل داناپوری	خانقاہ شاہ ٹولی داناپور
(۱۰)	شاہ پیارے صاحب	خانقاہ منیر شریف

ایک ایسے شخص کی تعزیت اور فاتحۂ چہارم میں اتنے بڑے علما و مشائخ اہل سنت کی شمولیت جس کے اکابر اول روز سے دیوبندی اور بریلوی تنازع سے اعلانیہ طور پر خود کو دور و نفور رکھے ہوئے ہیں، یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ گذشتہ صدی میں دیوبندیت اور بریلویت سے آزاد تھرڈ فرنٹ بھی کافی مضبوط اور مستحکم تھا۔ مذکورہ علما و مشائخ اور ملک کے طول و عرض میں پھیلے ان جیسے سیکڑوں ان کے ہم فکر و ہم عصر علماے اسلام اور مشائخ اہل سنت، ظاہر ہے کہ وہ ایسے نہیں تھے جو عمومی دیوبندی فکر کی طرح وہابیت زدہ رہے ہوں، نہ وہ ایسے تھے کہ وہ حسام الحرمین کے من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر کے معیار پر اتر سکیں۔ آج بھی مین اسٹریم دیوبندیت ان کو پورے طور پر قبول نہیں کرسکتی، نہ بریلویت کے حسامی معیار پر یہ حضرات سنی بلکہ مسلمان ثابت ہوسکیں گے اور نہ ہی کوئی ذمہ دار بریلوی مفتی ان پر من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر کا غیر مشروط حکم لگا سکتا ہے۔

اس تجزیہ سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیسویں صدی میں بریلوی اور دیوبندی رجحانات کے علاوہ خانقاہی سنیوں کا ایک بڑا طبقہ موجود تھا جو مذکورہ دونوں رجحانات سے گریزاں خود کو قدیم سنی حنفی صوفی روایات سے جوڑے ہوئے تھا، وہیں ایک بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ طبقہ رفتہ رفتہ بکھراؤ کا شکار کیوں ہوگیا اور ہندوستانی مسلمان - اہل حدیث اور جماعت اسلامی کے مختصر استثنا کے ساتھ - کیوں دو ہی دھڑے میں بٹے نظر آنے لگے؟

مذکورہ سوال کے جواب میں ممکن ہے کہ اس تیسرے طبقے سے وابستہ بعض افراد یہ کہیں کہ اس زوال و انتشار کا ذمہ دار بریلوی اور دیوبندی مولوی ہیں، جس طرح عام مسلمان، امت مسلمہ کے زوال و ادبار کا ذمہ دار یہودی اور مسیحی سازش کو قرار دیتے ہیں۔ میرے نزدیک کسی قوم یا طبقے کے زوال و ادبار کی پہلی اور بنیادی وجہ خود اس کا اپنا ضعف، انتشار، تساہل، عدم سعی اور لاپروائی ہوتی ہے، دوسرے اسباب و محرکات کی حیثیت ہمیشہ ثانوی ہوتی ہے۔ اب اس بات کو زیر بحث مخصوص تناظر میں کہنا ہو

تو میں عرض کروں گا کہ بریلویت یا دیوبندیت کا عروج فاضل بریلوی یا اکابر دیوبند کے سبب نہیں، بلکہ ان دونوں مکاتب فکر کے ان بڑے مدارس کے مرہون منت ہے، جن کا نیٹ ورک ملک بھر میں پھیلا ہوا ہے اور جن کے دروازے عام مسلمانوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ان کے مقابل جو تیسرا فرنٹ تھا۔جو ظاہر ہے کہ عام مسلمانوں اور جمہور امت کا تھا۔اس کے پاس مدارس کا نیٹ ورک نہیں تھا یا تھا تو بعض خانقاہوں میں اتنا محدود پیمانے پر تھا کہ اس کا علمی فیض پیرزادوں سے بڑھ کر عام متوسلین تک بھی بمشکل تمام پہنچ سکتا تھا، چہ جائے کہ ان سے عامۃ المسلمین مستفیض ہوسکیں اور پھر رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ وہ مدارس بھی سمٹتے چلے گئے، بند ہو گئے، یا دیوبندی یا بریلوی علما کے زیر اثر آ گئے۔

مرض کی اس تشخیص کے بعد علاج کی تجویز کوئی مشکل نہیں، اِلا یہ کہ موجودہ عہد کے نوع بنوع چیلنجز، جن میں سرفہرست ہندوستان میں اسلامی روح اور مسلم شناخت کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم مسلم ذہن وفکر کی تشکیل نو اور اپنی جدید منصوبہ بندی کرتے وقت مزید تفرق وانتشار سے گریز کرتے ہوئے ترجیحی طور پر ”وحدت ملی“ کو سرفہرست رکھیں۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

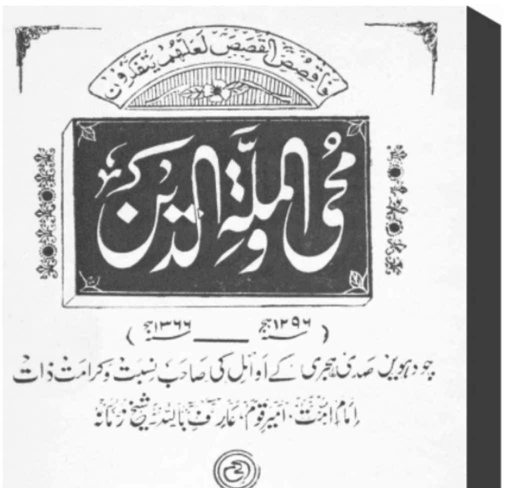

₹:100/-

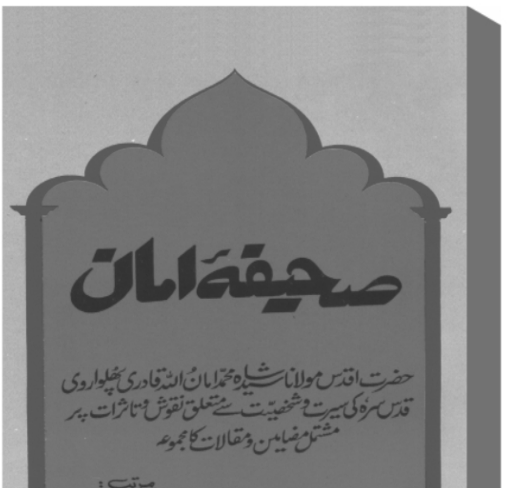

₹:50/-

سوانح نگاری کا فن اور

’’سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ‘‘

● سید محمد نیر رضوی — سی ۳، رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

ہماری کمسنی کا زمانہ ہے۔ ہمارے نانا ابا جناب سید ہاشم صاحب سہسرامیؒ مجھے اپنے ساتھ لے کر منجھلے سرکار یعنی حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادریؒ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ لوگ دست بستہ کھڑے ہیں۔ جناب شاہ ہلال احمد قادری صاحب اپنے دادا اباؒ کا پیر دبا رہے ہیں جو اس وقت بہت ضعیف نظر آرہے تھے اور شاید طبیعت بھی ناساز تھی۔ ہمارے نانا اباؒ نے فرمایا: حضور وہ تعویذ دے دیا جاتا۔ منجھلے سرکارؒ فرماتے ہیں: آپ لوگ خلوت سے کیوں نہیں لیتے؟ وہاں لوگ حضور کی آسانی کے لئے چھپوا کر دے دیتے ہیں۔ مجھے تو گیہوں لگانا پڑتا ہے، پھر فصل کاٹنی ہوتی ہے، پھر چکّی سے آٹا آتا ہے، تب روٹی تیار ہوتی ہے۔ ہمارے نانا ابا کے چہرے پر کچھ مایوسی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ دریں اثنا شاہ ہلال احمد قادری صاحب کی نہایت شیریں آواز کانوں سے ٹکراتی ہے: تشریف رکھیے۔ منجھلے سرکار اپنے لائق وفائق پوتے کی جانب کچھ اشارہ کرتے ہیں، اشارہ سمجھ کر وہ حجرہ میں جا کر ایک تعویذ لاتے ہیں اور مخصوص انداز میں اُسے موڑتے ہوئے ہمارے نانا ابا کو دے دیتے ہیں...... پھر ہم لوگ اجازت لے کر باہر آجاتے ہیں۔

یہ ہے جناب شاہ ہلال احمد قادری صاحبؒ سے ہمارا پہلا تعارف: یہ ان کی بھی کمسنی کا زمانہ ہے۔ بچپن سے ہی نہایت خوش اخلاق، نہایت خوش مزاج، خدمت گذار، معاون و مددگار اور شیریں گفتار! کم عمری میں ہی آپ کے والد حضرت مولانا سید شاہ عین احمد قادریؒ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا پھر اپنے دادا اباؒ کی آغوش شفقت میں ہی محض ڈھائی سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک پرورش پائی اور اُنہی سے ایسی تعلیم وتربیت حاصل کی کہ نمونۂ سلف بن کر ساری زندگی اہل تصوف کی خانقاہ عالم پناہ، خانقاہ مجیبیہ،

پھلواری شریف کی نمائندگی کرتے رہے۔آپ کے دادا ابا،حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادریؒ (۱۳۱۴ھ-۱۴۰۲ھ) فیاض المسلمین حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادریؒ کے تیسرے صاحب زادے تھے۔ظاہری تعلیم وتربیت کے بعد اپنے والد ماجد کے دست اقدس پر بیعت کی اور اُن سے باطنی تعلیم وتربیت حاصل کی اور اس طرح علوم ظاہری اور علوم باطنی سے آراستہ ہوئے۔شاہ ہلال احمد قادری صاحب کی ظاہری اور باطنی تعلیم وتربیت اپنے داداؒ کے سایہ شفقت میں ہوئی۔شاہ ہلال احمد قادری صاحب سے اس ناچیز کے بڑے اچھے مراسم تھے۔مجھے ''ماموں'' کہتے تھے۔رشتہ تو ماموں بھانجے کا ہی تھا مگر عمر میں مجھ سے چند سال بڑے تھے۔اُن کی علمی صلاحیت اور روحانی درجات کی بلندی کے بارے میں اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ممتاز عالم دین تھے۔دنیائے سنیت اور مذہب امام ابوحنیفہؒ کے مشہور قلم کار تھے۔علم وعمل،تقویٰ و پرہیزگاری،عاجزی وانکساری اور اخلاق واخلاص کے پیکر تھے۔اپنے اسلاف کی زندہ مثال بن کر دین کی تبلیغ واشاعت کے لئے تقریر اور تحریر دونوں ذرائع ابلاغ کا استعمال موثر طریقہ سے کرتے تھے۔نہایت شیریں بیان مقرر،سنجیدہ خطیب اور مستند محقق ومورخ تھے۔آپ کے علمی اور تحقیقی مضامین خانقاہ کے سہ ماہی مجلہ''المجیب'' میں پابندی سے شائع ہوا کرتے تھے۔آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔آپ کی کئی نادر و نایاب اور قابل قدر تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں جس سے ملت اسلامیہ خوب خوب استفادہ کر رہی ہے اور رہتی دنیا تک کرتی رہے گی۔مثلاً ''سیرت مجیب''، ''خانوادہ سیدہ زینب''، نغمات الانس فی مجالس القدس''، یزید حقائق کے آئینے میں''، القول السدید'' اور ''سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ'' وغیرہ۔یہ تمام تصنیفات وتالیفات،شریعت وطریقت اور دیگر علوم دینیہ پر مبنی ہیں اور تحقیق کے اعلیٰ معیار پر قائم ہیں۔اُن کی سیاسی اور سماجی بصیرت و بصارت بھی بہت اچھی تھی۔قومی اور بین الاقوامی سطح پر عصر حاضر کے مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے۔مختلف مذاہب کا بڑا اچھا تقابلی مطالعہ تھا۔آپ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ آپ کے مراسم بلاتفریق مذہب وملت ہر طرح کے لوگوں سے استوار تھے۔آپ ہمیشہ آپسی اتحاد واتفاق،ملک کی سالمیت اور سیکولر اقدار کی پاسداری کے لئے کوشاں رہتے۔تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں سے بڑے خوشگوار تعلقات تھے۔آپ جید عالم دین کے ساتھ ساتھ بہترین ادیب اور کہنہ مشق شاعر بھی تھے۔

آپ اکثر وبیشتر مجھے دن کے آٹھ بجے فون کیا کرتے تھے۔کبھی ہمارے ارسال کردہ مضامین پر علمی بحث ہوتی،کبھی خانوادہ کا کوئی مسئلہ زیر بحث ہوتا تو کبھی حالات حاضرہ پر گفتگو ہوتی اور اسی بہانہ دیگر موضوعات پر بھی تفصیلی گفتگو ہو جاتی۔کبھی کبھی تو ایسی عالمانہ گفتگو کرتے کہ ہمارے قلب وجگر میں اس کا سما جانا تو بہت دور! ہمارے سر سے ہی گذر جاتی! بہترین مدرس ومعلم تھے۔مربی اور مشفق استاد بھی تھے۔مجھے ان کی یہ خوبی بہت پسند تھی کہ وہ اختلافی مسائل کو نہایت خوش اسلوبی سے ہنستے ہنستے بیان کرتے اور بیان کرتے کرتے اپنا موقف بھی رکھ دیتے تھے۔ہماری آخری گفتگو ان سے ۲۴؍جون ۲۰۲۰ء کو ہوئی تھی وہ اس طرح کہ مجھے کسی مخلص نے امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادریؒ کی وہ تصویر بھیجی جو انہوں نے سفر حج کے لئے ضرورت کے

تحت پاسپورٹ کے واسطے کھنچوائی تھی۔ میں نے وہ تصویر شاہ ہلال قادری صاحب کو واٹس ایپ پر بھیج دی۔ دوسرے دن آٹھ بجے فون آگیا۔ فرماتے ہیں:

''ماموں! آپ کو یہ تصویر مجھے نہیں بھیجنی چاہیے تھی۔ آج کے اس ٹکنالاجی کے دور میں ہمارے یہاں بھی یہ سب ناعاقبت اندیشی سرایت کررہی ہے مگر آج بھی ہمارے لئے یہ سب ناپسندیدہ عمل ہیں۔''

میں نے فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معذرت طلب کی۔ اب اُنہوں نے اپنے پیر ومرشد امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادریؒ کے بارے میں تفصیل سے بتانا شروع کیا۔ فرمانے لگے یہ بات تو درست ہے کہ میری تعلیم و تربیت ہمارے دادا اباؒ کی آغوش میں ہوا کرتی تھی مگر تکمیل کی مہر خلوت ہی میں لگتی تھی۔ ہماری خوش نصیبی یہ ہے کہ ہمارے والدؒ بھی امان المستجیرین کے شاگرد تھے اور مجھے بھی یہ شرف عطا ہوا ہے کہ میں بھی اُن کا شاگرد ہوں۔ مجھے اپنے پیر ومرشد سے بہت زیادہ محبت وعقیدت ہے۔

گفتی کہ کرا خواہی از خیل بتاں جامیؔ
چشمیست مرا آخر غیر از تو کرا خواہم

آپ کو معلوم ہے؟ ہمارے والد اور آپ کے والد بڑے گہرے دوست بھی تھے اور دونوں خلوت میں حصول علم کے لئے ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ جی! والد بزرگوار نے مجھے بتایا تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگر آپ کو ان کی شبیہ مجھے بھیجنی ہے تو آپ صاحب قلم ہیں میری کتاب ''سوانح حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ العزیز'' پڑھ جایئے اور بزورقلم الفاظ کے پیرایہ میں میرے پیر ومرشد کی شبیہ بنا کر بھیجئے۔ آپ جانتے ہیں ماموں! اس سوانح کو لکھنے کے لئے مجھے بہت پاپڑ بیلنا پڑا۔ بہر حال شکر خداوندی۔ کام مکمل ہوا۔ دیر ہی سے سہی مگر ہوگیا۔ آپ فن سوانح نگاری پر بھی اپنی رائے دیجئے گا۔ گفتگو ختم ہوئی اور پھر افسوس! کہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی! مجھے کیا معلوم! ایک ولیٔ کامل مجھ سے اپنے وصال سے قبل اپنے وصال کے بعد کی گفتگو کررہا تھا! اُف!

اک روشن چراغ تھا، نہ رہا!

بس گریہ کناں ہوں! کہ مصلحت الٰہی میں کسی کو کوئی دخل نہیں! بہر حال میں نے ان کی کتاب ''سوانح حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ العزیز'' سمیت کئی اور دیگر متعلقہ کتابوں کا بھی مطالعہ کیا۔ ''سیرت پیر مجیب'' تو کھولی ہی تھی کہ نظر پڑی۔ حضرت شاہ ہلال احمد قادری صاحب اپنے پیر ومرشد امان المستجیرین حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ العزیز کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''اپنے مربی روحانی وشیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ کے نام کرتا ہوں جو حضرت

تاج العارفین کی مسند سجادگی پر فائز، اپنے عہد کے تاج العارفین تھے۔ان کو دیکھ کر طریقت ومعرفت کا معیار سمجھ میں آتا تھا۔اس گنہگار پر ان کا بڑا کرم رہا، اس کے علمی مشغلوں سے ان کو خوشی ہوتی تھی۔اس کتاب کی تالیف سے ان کو سب سے زیادہ مسرت ہوتی۔"

اب حکم کی تعمیل میں جب مقصد کے حصول کے واسطے "سوانح حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ العزیز" کھولی تو یہاں بھی کھولتے ہی نظر پڑی:

"سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ عصر حاضر کی مشہور دینی وروحانی شخصیت شیخ زمانہ، عالم ربانی، عارف باللہ حضرت مولانا الحاج سید شاہ محمد امان اللہ قادری، زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ (پھلواری شریف) قدس سرہ کے علمی وعرفانی کمالات، تدریسی خدمات، تعلیمات، اخلاق وعادات، کشف وکرامات، سفرحج اور دیگر حالات کا بہترین مرقع، نیز خانوادے کے جامع تعارف اور پھلواری شریف کی مختصر تاریخ پر ایک مفید دستاویز۔"

میں نے اطلاعات کی حصولیابی کے لئے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب مرحوم کے مقدمہ سمیت سوانح نگار حضرت شاہ ہلال احمد قادری صاحب کی تصنیف "سوانح حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ العزیز" کا مطالعہ کیا۔ پھر فن سوانح نگاری کے تقاضوں کے تحت اس کتاب کا دوبارہ مطالعہ کیا۔اب اس کم علم اور ناچیز کے مشاہدہ میں فن سوانح نگاری کے تقاضوں کے پیش نظر اہم نکات سامنے آئے اور ان نکات کی بنیاد پر امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہ العزیز کی اُبھرتی ہوئی ایک نہایت ہی حسین، دلکش، دلربا اور باوقار، شبیہ نظر آئی جسے سوانح نگار کی دلی خواہش کے مطابق انہی کو بطور ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کرنے پر یہ دل مصر ہے۔گر قبول افتد زہے عزوشرف!

بہ تن مقصرم از دولت ملازمتت
ولے خلاصۂ جاں خاک آستانۂ تست

اُردو زبان وادب میں سوانح نگاری کو ایک فن تسلیم کیا گیا ہے۔سوانح نگار کا یہ ایک نہایت ہی سلیقہ مند ادبی کارنامہ ہے اور شاہکار رہے جس کی پیش کش سے قارئین کا جمالیاتی حظ بیدار ہوتا اور لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔سوانح نگاری کی روایت بہت قدیم ہے انسانی تہذیب کی ابتدا سے ہی اس روایت کے آغاز کا پتہ چلتا ہے۔دنیائے ادب میں دیگر فنون لطیفہ کی طرح سوانح نگاری نے بھی رفتہ رفتہ ارتقائی منازل طے کرنی شروع کی ہے۔باضابطہ سوانح نگاری سب سے پہلے یہودیوں کے یہاں نظر آتی ہے جنہوں نے اس فن کی داغ بیل ڈالی۔بعد میں رومیوں نے اس فن کو بڑی سنجیدگی سے اپنایا اور اس قدر استحکام بخشا کہ اس فن کے خدوخال واضح ہونے لگے۔مستند تحقیق کے مطابق پلوٹارک وہ پہلا سوانح نگار ہے جس نے پہلی باضابطہ سوانح حیات "لائف آف الیکزینڈر" لکھی جس میں اس نے بتایا کہ سوانح نگاری دراصل صاحب سوانح کی روح کی تصویر کھینچنے اور اُسی شخص کی تلاش وجستجو کا

نام ہے۔ابتدائی دور کی سوانح نگاری میں کبھی اخلاقی مضامین کا غلبہ اور کبھی مذہبیت کا غلبہ نظر آتا ہے تو کبھی سوانح نگاری تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ خلط ملط ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ بہر حال یورپ میں اٹھارہویں صدی تک معیاری سوانح حیات تحریر کی جانے لگی تھی جن میں فن اور حقیقت پر بہت زور دیا گیا۔ چنانچہ بوسول کی تصنیف ''دی لایف آف سموئل جانسن''سوانح نگاری کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بوسول نے ہمیں شائستہ سوانح نگاری سے متعارف کرایا۔رفتہ رفتہ فن اور حقیقت کے بہتر تال میل کے پیش نظر اس تصنیف کو عمدہ شاہکار تسلیم کیا گیا ہے اور اس کا شمار زندہ جاوید اعلیٰ تصانیف میں ہوتا ہے۔
یہ بات درست ہے کہ ابتدائی دور کی سوانح عمریوں میں ہمیں مذہبیت کا غلبہ ملتا ہے اور اخلاقی مضامین کی بھر مار ملتی ہے۔اس دور کی سوانح عمریوں میں زیادہ تر ولی اور فقیر جیسی شخصیتوں کے احوال و آثار ملتے ہیں جہاں سوانح نگار کو اپنے ہیرو کے کردار میں محاسن ہی محاسن نظر آتے ہیں۔غرض قدیم سوانح نگاری میں مدح سرائی اپنے عروج پر پہنچتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یورپ میں قدیم سوانح نگاری کے بعد جدید سوانح نگاری کا بھی دور آیا۔اس جدید دور میں لیٹن اور اسٹریچی جیسے سوانح نگار نے اس روش کو ختم کر صاحب سوانح کی قلعی کھولنے جیسی روش کو اختیار کیا جسے سوانح نگاری کے فن کے زمرہ میں نہایت ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا۔ مگر اس کا ایک بہتر نتیجہ یہ ہوا کہ اچھی سوانح نگاری کے فن کی ایک بہترین تعریف سامنے آئی وہ یہ کہ اچھی سوانح نگاری ان دو انتہاؤں کے درمیان ایک متوازن شکل کا نام قرار دی گئی۔اب سوانح حیات کی تحریر میں خارجی احوال کے ساتھ ساتھ داخلی کیفیات واحساسات کی شمولیت پر بھی زور دیا جانے لگا اور معروف سوانح نگار ایڈمنڈ گوز کی سوانحی تصنیف ''فادر اینڈ سن''منظر عام پر آئی جو انگریزی زبان کی مستند اور معیاری سوانح حیات تسلیم کی گئی۔ پھر انگریزی زبان میں کئی اچھے سوانح نگار مثلاً کارلائل، جانسن، مارشل شوب، ہربرٹ اسپنسر اور فرائیڈ کے نظریوں اور اُن کی بالترتیب تحریروں نے فن سوانح نگاری کو نہایت سلیقہ سے استحکام بخشا اور سوانح نگاری کے خدوخال واضح ہو گئے ساتھ ہی ساتھ ایک خصوصی پہلو کا بھی اضافہ ہوا کہ ایسا نہیں ہے کہ سوانح نگار صرف ممتاز اور برگزیدہ ہستیوں ہی کو موضوع بنا سکتا ہے بلکہ وہ ایسی کسی بھی شخصیت کی زندگی کا انتخاب کرسکتا ہے جو آئندہ نسلوں کے لئے نمونۂ عمل ثابت ہوں اور عوام کے لئے کسی نہ کسی مقام پر حوصلہ افزائی کا کام کرسکیں۔

حالانکہ ناقدین ادب نے مثنویوں، مرثیوں اور تذکروں میں بھی سوانحی ادب تلاش کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اُردو زبان وادب نے دیگر اصناف کی طرح ہی اس سوانح نگاری کو بھی یورپ سے ہی مستعار لیا ہے۔مگر اُردو زبان کی خوش نصیبی یہ رہی کہ یہاں تک آتے آتے سوانح نگاری اپنے ارتقائی عمل سے نہ صرف مغربی ادب میں گزر چکی تھی بلکہ عربی اور فارسی زبانوں میں بھی فن سوانح نگاری نے معیاری شکل اختیار کرلی تھی۔ڈاکٹر سید عبداللہ نے عربی زبان میں تحریر شدہ سوانح عمریوں کے بارے میں کہا ہے:

''یہ سوانح عمریاں نہ صرف مواد کے اعتبار سے اہم اور دلچسپ ہیں بلکہ فنی لحاظ سے بھی حسین اور دلکش ہیں''

فارسی زبان میں بھی سب سے پہلی سوانح حیات کا پتہ چلا کہ یہاں وہ عوفی کی ''لباب الالباب'' ہے جو فارسی شعراء کی سوانح حیات ہے۔اس طرح اُردو زبان و ادب میں نکھری نکھری اور سجی سنوری سوانح نگاری اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کے ساتھ داخل ہوئی۔لہٰذا اُردو میں سوانح نگاری روز اول سے نہ تو صنم پرستی کا نام ہے اور نہ ہی تمغۂ ملامت۔ یہاں سوانح نگار اپنے ہیرو کی خوبیاں اور خامیاں دونوں کی متوازن پیشکش میں اپنی فنکارانہ صلاحیت کا اظہار کرتا ہے اور سوانح کے بیانیہ میں صداقت، مشاہدۂ نفس، وجدان، کھرا پن اور قطعیت جیسے عناصر سے کام لیتا ہے۔سوانح نگار بالعموم بیانیہ میں غیر متعلق اور بے محل باتیں، تکرار اور توڑ مروڑ بیان سے حتی الامکان اجتناب کرتا ہے۔وہ اپنے ہیرو کے دل و دماغ تک پہنچتا ہے اور اس کی ذہنی کیفیت اور داخلیت کو تلاش کرنے کی جستجو کرتا ہے۔ان تمام عناصر کے پیش نظر حالی کی ''حیات سعدی''، ''یادگار غالب'' اور ''حیات جاوید'' جب منظر عام پر آئی تو اُردو دنیا فن سوانح نگاری سے بہتر طور طریقوں کے ساتھ روشناس ہوئی۔حالی کی ''حیات سعدی'' (مطبوعہ ۱۸۸۴ء) اُردو کی سب سے پہلی باضابطہ سوانح حیات ہے۔اس طرح اُردو میں فن سوانح نگاری کا باضابطہ آغاز ''حالی'' سے ہوتا ہے۔اُردو ادب نے اس سلسلہ میں عربی اور فارسی سے بھی استفادہ کیا۔اب فن سوانح نگاری پر بھی کتابیں لکھی جانے لگیں۔

سوانح نگاری کے اجزا اور اجزائے ترکیبی کے علاوہ دیگر متعلقہ عناصر پر بحثیں چھڑیں، سوانح نگاری کے اصول وضوابط طے ہوئے اور سوانح نگاری کا فن نکھرتا چلا گیا۔ پھر تو اُردو میں حالی کے بعد کئی اور معیاری اور اچھی سوانح حیات تحریر کی گئیں۔ مثلاً سید سلیمان ندوی کی ''سیرت عائشہ'' اور ''حیات شبلی''، علامہ شبلی نعمانی کی ''المامون''، ''الفاروق''، ''الغزالی''، ''سوانح مولانا روم''، ''سیرۃ النبی ﷺ'' اور ''سیرۃ النعمان''، عبدالقوی کی ''یادگار سلیمان''، مولانا عبدالسلام ندوی کی ''اقبال کامل''، مولوی اکرام اللہ ندوی کی ''وقار حیات''، مولوی افتخار عالم کی ''حیات النذیر'' اور مولانا شاہ ہلال احمد قادری صاحبؒ کی ''سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ اُردو میں فن سوانح نگاری پر تنقید و تبصرہ اور دیگر مباحث کا بھی آغاز ہوا۔ ''ڈاکٹر عبدالواسع نے سوانح نگاری کی بڑی اچھی تعریف پیش کی جو اس طرح ہے:

> ''سوانح نگاری کسی فرد یا شخص کے اعمال وافکار، تجربات ومشاہدات کے سچے اور ادبی اظہار کا نام ہے''

ڈاکٹر عبدالواسع اپنی کتاب ''فن سوانح نگاری'' میں فن سوانح نگاری پر بحث کرتے ہوئے ایک اور مقام پر یوں فرماتے ہیں:

> ''اگر سوانح نگاری اظہار و بیان کی خوبیوں سے عاری ہے تو وہ واقعات و واردات کی روکھی پھیکی کھتونی ہوگی جو کسی شخص کے محور پر گھومتی نظر آئے گی......اچھی سوانح نگاری کا راز صاحب سیرت کے دستیاب مواد میں ترک و انتخاب کے سلیقہ میں مضمر ہے۔کیونکہ سوانح نگاری ہلکے اور گہرے رنگوں کی آمیزش سے شخصیت کے نکھارنے کا نام ہے نہ کہ تمام رنگوں کے خلط ملط کرنے کا۔''

سید احتشام حسین فرماتے ہیں:

''اچھی سوانح عمری کے لئے ادبیت تولازمی جزو ہے۔''

اسی طرح ڈاکٹر آنسہ الطاف فاطمہ کی تحقیق کے مطابق:

''سوانح نگاری کو بھی اظہار جذبہ کی اجازت ہوتی ہے لیکن یہی وہ منزل اور راستہ ہے، جس کو ہم تلوار کی دھار سے زیادہ باریک اور تیز کہتے ہیں۔''

فن سوانح نگاری کے اصول وضوابط میں پہلا اہم مرحلہ''موضوع کے انتخاب'' کا ہے۔یہی وہ اہم بنیاد ہے جس پر عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔چنانچہ سوانح نگار کو موضوع کے انتخاب میں نہایت ہوشیاری، سلیقہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سوانح نگار کسی ممتاز شخصیت کو اپنا موضوع بنا سکتا ہے اور کسی عام شخصیت کا بھی انتخاب کرسکتا ہے۔سوانح نگار شاہ ہلال احمد قادریؒ نے موضوع کے انتخاب میں اپنی زندگی کے تجربہ سے کام لیا اور ایک ایسے ہیرو کا انتخاب کیا جس کی شخصیت میں خوبیاں ہی خوبیاں تھیں اور خامیاں تلاش کرنا کسی جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔کیونکہ یہاں سوانح نگار کے ہیرو کی زندگی میں نشیب وفراز عام زندگی کے نشیب وفراز کی طرح نہیں تھے۔زندگی کا رہن سہن عام زندگی کے مقابلہ میں بالکل جدا تھا۔حقیقت تو یہ ہے کہ زندگی، زندگی کے چمن میں اُن بندھے ٹکے اصولوں کی پابندی تھی جہاں کانٹوں کے دامن سے لپٹ جانے کے امکانات ہی کم تھے۔سوانح نگار کے ہیرو کا نام ہے: حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ جو خانقاہ عالم پناہ خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف کے سجادہ نشیں تھے۔جن کا مختصر ترین خاکہ خود سوانح نگار کی زبانی سنیے:

''زیر نظر کتاب ایک گوشہ نشیں، مرجع خلائق اور عالی مرتبہ شیخ کی سوانح حیات ہے۔جن کی شخصیت اپنی خصوصیات اور جامعیت کے لحاظ سے بلاشبہ اس دور میں اسلام کا اعجاز تھی۔ان کو دیکھ کر صوفیاء متقدمین کے سوز نفس، ان کی صحبت ونگاہ کی فیض بخش تاثیر اور ان کی روحانی کشش کا اندازہ ہوتا تھا، وہ تا عمر خلوت نشین رہے لیکن ان کی شخصیت ع ''بخلوت اندو زمان ومکان در آغوش اند'' کی مصداق تھی، کنج عزلت میں بیٹھ کر انہوں نے بے شمار لوگوں کے قلوب انوار معرفت سے منور کیا اور عشق الٰہی کے دردوسوز سے آشنا کر کے ''یحبھم و یحبو نه'' کا مصداق بنایا''۔

سوانح نگار نے موضوع کے انتخاب میں نہایت ہوشیاری اور چابکدستی سے کام لیا ہے کہ لاکھوں کی بھیڑ سے ایک ایسی ممتاز شخصیت تلاش کر لی جس کی سوانح حیات لکھنے میں لغزش ہونے کی گنجائش کم تھی تا کہ سوانح نگار کے فن سوانح نگاری کو کوئی صدمہ نہ پہنچ سکے اور صاحب سوانح کی شخصیت کے متوازن پہلو بھی نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ منظر عام پر نمایاں ہو جائیں۔ چنانچہ سوانح نگار کا بیان دیکھئے:

''عاجز راقم نے صاحب سوانح قدس سرہ کو بہت قریب سے دیکھا، لڑکپن میں دل ودماغ نے ان کی شخصیت کا اور ان

کے بزرگانہ اخلاق واوصاف کا جوتاثر قبول کیا وہ آج تک قائم ہے۔شعور آنے کے بعد ان کی عظمت کا نقش اور گہرا ہوتا گیا۔‘‘

سوانح نگار نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ موضوع کے انتخاب کی توجیہ بیان کر دی۔ پہلا قدم ہی بہت سوچ سمجھ کر اُٹھایا۔اب موضوع کے انتخاب کے فوراً بعد اگلا مرحلہ ’’سوانحی مواد کے انتخاب‘‘ کا ہے۔سوانح نگار، فن سوانح نگاری اور اس کے اجزائے ترکیبی سے بخوبی واقف ہے، کہتا ہے:

’’جہاں تک حضرت کے اخلاق وسیرت اور ذوق ورجحان کا تعلق ہے تو اس سے راقم الحروف بخوبی واقف ہے لیکن سوانح کے لئے صرف اتنی باتیں کافی نہیں تھیں،اس سلسلے میں میں نے مختلف ذرائع سے حالات جمع کئے۔‘‘

فن سوانح نگاری کا تقاضہ ہے کہ سوانحی مواد کے انتخاب کے سلسلہ میں صداقت اور استناد کے حصول کے لئے تین نکات پر مکمل طور پر توجہ برقرار رکھی جائے۔ پہلا: مواد کی فراہمی کے ذرایع، دوسرا: واقعات کا ترک و انتخاب اور تیسرا: حسن ترتیب۔اب سوانح نگار کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ صاحب سوانح سے وابستہ سارے حقائق کو یکجا کرے۔سوانح نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہیرو کی حیات سے لے کر موت تک کے حقائق کے سبھی سر چشمہ کو اپنے دائرۂ عمل میں لے لے۔ سوانح نگار فن سوانح نگاری کے اس پہلو سے بھی بخوبی واقف نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی یادداشت کے علاوہ اپنے ہیرو سے وابستہ مختلف ذرایع سے واقعات وحالات کو جمع کیا ہے، کہتا ہے:

’’حضرت کے ابتدائی حالات بالخصوص زمانۂ تعلیم کی تفصیل حضرت عمی ومرشدی مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری دامت برکاتہم سے معلوم ہوئی‘‘

آگے کہتا ہے:

’’سفر حج کی تفصیل ماہنامہ المجیب سے لی گئی۔حضرت کے مضامین ومقالات جو وقتاً فوقتاً سپرد قلم فرماتے تھے وہ سب بھی ماہنامہ المجیب سے لئے گئے۔‘‘

ایک اچھا سوانح نگار ایک اچھا محقق بھی ہوتا ہے چنانچہ سوانح نگار شاہ ہلال احمد قادری صاحب نے سوانحی مواد کی فراہمی کے لئے اپنے ماموں حضرت مولانا شاہ عماد الدین قادری صاحبؒ ،اور دیگر افراد جیسے مولانا حکیم یوسف رضوی صاحب، مولانا قدیر اختر صاحب ندوی اور مولانا اسرار الحق صاحب کا بھی شکریہ ادا کیا ہے۔سوانح نگار نے چند تصانیف مثلاً تذکرۃ الکرام: مولفہ: حضرت شاہ ابوالحیوۃ قادری، اعیان وطن: مولفہ: حکیم سید شعیب رضوی نیرؔ، دار العلوم مجیبیہ کی تعلیمی وتدریسی خدمات: مولفہ: مولانا شاہ عون احمد قادری سے استفادہ کیا۔ان کے علاوہ انہوں نے دیگر شناسا حضرات اور کئی کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔بقول غالب: ’’ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال‘‘۔ چنانچہ سوانح نگار نے اس طرح صاحب سوانح کی بکھری بکھری داستان کو جمع کیا۔سوانحی مواد کی فراہمی کے بعد مواد کے ترک اور انتخاب کے سلسلے میں حتمی شکل دیتے وقت کسی طرح کے تعصب

اور ذاتی تاثر کو شامل نہیں کیا اور جامعیت اور ایجاز و اختصار کو بطور خاص ملحوظ نظر رکھا۔

فن سوانح نگاری کا تقاضہ ہے کہ سوانح نگار اپنے ہیرو کی زندگی کے تمام واقعات وحالات میں سے انہی اہم حالات و واقعات کا انتخاب کرتا ہے جو اس کی شخصیت کو اُجاگر کرنے میں معاون ومددگار ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس مرحلہ تک پہنچتے پہنچتے سوانح نگار شاہ ہلال احمد قادری صاحب کے اس قابل قدر عمل یعنی سوانحی مواد کے ترک و انتخاب سے صاحب سوانح حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کی اُبھرتی ہوئی ایک شبیہ دکھائی دینے لگتی ہے اور اُس شبیہ کے اعلیٰ وارفع خدوخال نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ واقعات وحالات کے ترک و انتخاب کے بعد اب اصل مرحلہ حسن ترتیب کا عمل ہے۔ اس سلسلہ میں سوانح نگار شاہ ہلال احمد قادری صاحب کا وجدان اور اُن کی بصیرت اپنے کمال تک پہنچتی ہوئی دکھائی دیتی ہے حالانکہ عام طور پر سوانح نگار کے لئے یہ ایک دشوار گذار مرحلہ ہے کیونکہ اسے اس مرحلہ کے دوران حالات و واقعات اور واردات وحادثات کی خارجی صورت حال کے پیش نظر داخلی صورت حال کا بھی اندازہ لگانا ہوتا ہے اور اسی عمل سے وہ اپنے ہیرو کی باطنی زندگی کے ربط و تسلسل کا پتہ بھی لگاتا ہے تاکہ صاحب سوانح کی سچی اور فطری تصویر سامنے لائی جاسکے۔ شاہ ہلال احمد قادری صاحب ایک بلند پایہ سوانح نگار ہیں اُنہوں نے بہتر طریقہ سے حسن ترتیب کا خیال رکھا ہے۔ فن سوانح نگاری کے تحت سوانح نگار نے اپنی یادداشت اور معتبر ذرائع سے حاصل شدہ سوانحی مواد کے ترک و انتخاب کے بعد جس طرح حسن ترتیب دی ہے اس سے صاحب سوانح امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کی شبیہ بہتر طریقہ سے نکھر جاتی ہے۔ فہرست عناوین کے تحت حسن ترتیب کی ایک جھلک دیکھئے:

مقدمہ، دیباچہ، قصبۂ پھلواری: مرکز علم وعرفان، خاندان اور آباء کرام، ولادت، طفولیت، آغاز تعلیم، سفر بسلسلہ تعلیم اور تکمیل، درس وتدریس، بیعت طریقت، مراحل سلوک اور ذکر ومجاہدہ میں سرگرمی، سلاسل طریقت کی اجازت اور خلافت وجانشینی، رشد وہدایت، علالت، قلب کے آپریشن کے لئے امریکہ کا سفر اور سفر آخرت، اخلاق و اوصاف، عقیدہ ومسلک، اشراق باطن، آثار علمیہ، خاتمۂ کلام، خطوط تعزیت، نظم وتاریخی قطعات۔

سوانح نگار کے ذریعہ دی گئی حسن ترتیب کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ صاحب سوانح کے کشف و کرامات کا جو باب باندھا ہے اس کا نام ''اشراق باطن'' رکھا اور اسی طرح صاحب سوانح کے سفر حج کی تفصیلات اور ان کی تخلیقات کے لئے الگ سے ایک باب باندھا اور اس کا نام ''آثار علمیہ'' رکھا۔ ان عناوین کے مطالعہ سے قاری کے سامنے تصویر واضح ہوجاتی ہے۔ سوانح نگار نے ان عناوین کی پیشکش میں کہیں بھی ادبیت کا دامن نہیں چھوڑا اور یہی ایک اچھے سوانح نگار کی شناخت ہے۔ ایک عبارت دیکھئے:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ۱۳۹۴ھ (۱۹۷۴ء) میں حرمین شریفین کی تیسری حاضری کا موقع عطا فرمایا آپ کے

اس سفر کا سامان آپ کے ارادہ وکوشش کے بغیر غیب سے ہوا، سرمایۂ فقر وتوکل میں اس کی گنجائش کہاں تھی؟ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا اور حرمین شریفین کی کشش جہاں حاضری کے آپ ہمیشہ متمنّی رہتے تھے۔

مشرف گرچہ شد جامی زلطفش
خدایا ایں کرم بار دگر کن"

سوانح نگار ایک فن کار ہوتا ہے اور سوانح نگاری اس کا ادبی کارنامہ ہے۔ لہٰذا سوانح نگاری میں اسلوب کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ یہی اسلوب اور اسلوب کا حسن ہے جو قاری کے سامنے موضوع کو دلچسپ اور پرکشش بناتا اور اسے مزید آگے پڑھنے کے لئے اس کے تجسس کو برقرار رکھتا ہے، ورنہ پرکشش طرز وادا اور دلچسپ ادبی اسلوب کی عدم موجودگی ہیرو کی داستان کو پھیکی اور بدمزہ بنا سکتی ہے۔ ایک بلند پایہ سوانح نگار اپنے ہیرو کی داستان محض خشک، پھیکے اور بے جان طریقہ سے پیش نہیں کرسکتا۔ اس کی پیشکش میں ادبی لطافتوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس پیمانہ پر سوانح نگار شاہ ہلال احمد قادری بہت ہی کھرے اُترتے دکھائی دیتے ہیں۔ چونکہ سوانح نگار بذات خود ایک اچھا ادیب ہے، مورخ و محقق ہے، شاعر ہے اور اُردو کے علاوہ عربی اور فارسی زبان پر عبور بھی رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ واقعات وواردات کی پیشکش میں اور حالات کے اظہار میں بھی ادبی لطافت کا ہمہ وقت خیال رکھتا ہے۔ ہمیں سوانح نگار کے اسلوب میں ادبی لطافتوں کے ساتھ ساتھ اس کے اسلوب میں نیرنگی بھی نظر آتی ہے جو فن سوانح نگاری میں چار چاند لگانے کے مترادف ہے۔ ایک عبارت دیکھئے:

"حضرت اقدس مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کا عہد اس لحاظ سے زیادہ پرآشوب رہا کہ ان کے عہد میں اہل حق کی مخالفت کا اور ایک دوسرے کو کافر ومشرک کہنے کا سلسلہ دراز ہو کر شدت اختیار کرگیا اور حضرت کو اپنے اکابر کی بہ نسبت انتشار وافتراق اور افراط وتفریط کی تیز وتند آندھیوں میں حق واعتدال کی شمع روشن رکھنے میں زیادہ مشکلات وموانع سے سابقہ پڑا"

ایک اور عبارت دیکھئے:

"مطالعہ وسیع اور ذوق بلند تھا، خلوت میں آپ کی نشست گاہ کتابوں کے انبار سے نگارخانۂ علم وادب معلوم ہوتی تھی، مشہور مصنفین کی شاید ہی کوئی کتاب حضرت کے صید افگنی شوق سے بچی ہو، وسعت مطالعہ کا اعتراف معاصر علماء کو تھا"

اسلوب میں ادبی لطافتوں کے ساتھ نیرنگی بھی دیکھئے:

"۲۹ جمادی الاول کو دن کے وقت محفل سماع ہو رہی تھی، جناب حضور مولانا شاہ محمد امان اللہ قدس سرہ العزیز اپنی جگہ تشریف فرما تھے۔ میں حضرت کے سامنے کچھ دور بیٹھا ہوا تھا، میرے پیچھے رشید احمد صاحب بیٹھے تھے قوال فارسی کی مختلف غزلیں گارہے تھے، تھوڑی دیر کے بعد رشید صاحب نے میرے کان میں کہا یہاں وہ غزل نہیں گائی جاتی ہے،"

باجبہ و دستاری رقصم‘‘ ابھی ان کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت نے خادم کو اشارہ کیا اور خادم نے قوال سے کچھ کہا اور قوال نے وہی غزل چھیڑ دی جس کا مطلع ہے:

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم بہ ایں ذوقے کہ پیش یار می رقصم‘‘

سوانح نگار، فن سوانح نگاری کے فن سے نہ صرف بخوبی واقف ہے بلکہ اسے پیرایۂ عمل میں ڈھالنے کا فن بھی جانتا ہے۔ چنانچہ وہ فن سوانح نگاری کے تمام تقاضوں کے تحت اپنے ہیرو کی سوانح تحریر کر رہا ہے اور نہایت باریک بینی سے خوبصورتی کے ساتھ تمام نوک پلک درست کرتا جا رہا ہے۔ جس طرح وہ اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے لفظوں میں قد رعنا کی نہایت حسین اور دلکش مرقع کشی کر رہا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے سوانح نگار کوئی ادیب نہ ہو کر کوئی ’’دل جلا صنم تراش‘‘ ہے! اور فن بت تراشی میں بڑا ماہر ہے یا کوئی ماہر فن ’’نیم بے ہوش مصور‘‘ ہے۔ جس نے شبیہ بھی بنا ڈالی اور پھر اس میں رنگ حقیقت بھی قرینے سے بھر ڈالا!

چند می پرسی کہ خسرو را کہ کشت
غمزۂ تو چشم تو ابروئے تو

سوانح نگار اکثر و بیشتر کسی ناخوشگوار واقعہ کے ذکر کے موقع پر اپنا دامن بچالیتا ہے مگر شاہ ہلال احمد قادری صاحب وہ اعلیٰ ظرف سوانح نگار ہیں جنہیں تعلقات کے نازک آبگینوں کے ٹوٹ جانے کا ڈر نہیں اور وہ حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے کسی بھی ناخوشگوار واقعہ کو ضبط تحریر میں لانے سے نہیں کتراتے ہیں۔ ایک عبارت دیکھئے جہاں سوانح نگار اپنے احساس نہاں کو چھوتا ہوا نظر آرہا ہے:

’’عالم اسلام کی خبریں خاص توجہ سے سنتے اور پڑھتے، مسلمان کس ملک میں کس حال میں ہیں، اس کی آپ کو پوری واقفیت رہتی تھی، درویشی کو سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔‘‘

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوانح نگار شاہ ہلال احمد قادری صاحب سوانح نگاری کے متذکرہ بالا ارتقائی سفر سے بھی بخوبی واقف ہیں اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس سوانح حیات کو لکھنے سے قبل اُنہوں نے کئی مستند اور معیاری سوانح حیات کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ابھی تک فن سوانح نگاری کے سبھی تقاضوں کو بخوبی پورا کر رہے ہیں اور اپنے ہیرو حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کی مستند اور معیاری سوانح حیات بلا جھجک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ تحریر کرتے جا رہے ہیں۔ ہاں! ناقدین ادب کو یہاں تک پہنچتے پہنچتے اب ایک شکایت ہو سکتی ہے کہ عقیدت و احترام کے جذبہ سے سرشار سوانح نگار اپنے پیر و مرشد کی سوانح تحریر کر رہا ہے اور اپنے ہیرو کی شخصیت کا محض ایک ہی رخ پیش کرتا نظر آرہا ہے جہاں محاسن ہی محاسن ہیں، خوبیاں ہی

خوبیاں ہیں۔کسی بھی سوانح حیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو قاری کو یہ محسوس ہونا چاہیے کہ سوانح نگار اپنے بیانیہ میں غیر جانب دار اور دیانت دار ہے۔کوئی بھی اچھا سوانح نگار اپنے موضوع یعنی صاحب سوانح کے اچھے یا برے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتا، نہ ہی بے جا پردہ پوشی کرتا اور نہ ہی عیب جوئی میں مشغول ہوتا ہے۔فن سوانح نگاری کا تقاضہ ہے کہ اسے اخلاقی بے تعلقی یا ذاتی بے تعلقی کا ثبوت دینا چاہیے۔سوانح نگار کا عقیدت واحترام اور نیازمندی اور بے جا ہمدردی اور مروت کے جذبات اگر سوانح نگاری کے فن کو مجروح کرتا ہے تو وہیں سوانح نگار کی ذاتی پرخاش، نفرت اور حسد کے اظہار سے بھی سوانح نگاری کے فن کو صدمہ پہنچتا ہے۔سوانح نگار شاہ ہلال احمد صاحب کا امان المستجیرین حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کے ساتھ نہایت ہی عقیدت واحترام کا رشتہ ہے۔ یہ ایک جذباتی رشتہ ہے جس کی عینک تلے صاحب سوانح کے معائب کو پیش کرنے میں سوانح نگار کو ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی ہے ''اگر یہی سچ ہے؟'' ''اگر یہی سچ ہے؟'' تو سوانح نگار کو ایسے پاکیزہ جذبات کے اثرات کے زائل ہونے تک سوانح حیات لکھنے کا خیال ملتوی رکھنا چاہئے تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ''یہ سچ نہیں ہے۔''اس ناچیز نے امان المستجیرین حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کی زیارت کی ہے۔آپ کے چہرۂ اقدس کو بہت قریب سے دیکھا ہے ان کے لب شیریں سے دعائیہ کلمات حاصل کیا ہے۔حضرت ہی نے ہمارے والد مولانا سید شاہ نسیم قادریؒ کو ہمارے لئے اعلیٰ تعلیم کی حصولیابی کے واسطے ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ان کے مشورہ پر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی گیا اور اُن ہی کی دعاؤں سے کامیابی کے منازل طے کرتا گیا۔ہمارے والدؒ نے حضرت کے بارے میں مجھے تفصیل سے بتایا ہے۔ہمارے والد حضرت کے شاگرد عزیز تھے اور ہماری والدہ حضرت کی دست گرفتہ تھیں۔ہمارے والدین حضرت اقدسؒ کا بڑا احترام کرتے تھے۔حضرت کی بھی ہم لوگوں پر غیر معمولی شفقت اور توجہ تھی۔ہم لوگوں نے شہر گیا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔حضرت کی خواہش تھی کہ سرکاری نوکری سے سبکدوش ہونے کے بعد ہمارے والد دوبارہ پھلواری ہی میں مقیم ہوں۔آپؒ نے فرمایا ''ہم زمین دیتے ہیں، آپ مکان بنالیجئے۔'' بہرحال کہنا یہ مقصود ہے کہ سوانح نگار شاہ ہلال احمد قادری صاحب کی یہ تصنیف عام قاری کے لئے منظر عام پر آنے سے قبل ہی صاحب سوانح کی پاکیزہ شبیہ ہمارے قلب وجگر پر اثر انداز ہو چکی تھی۔راقم الحروف کو جو کچھ بھی حاصل ہے وہ سب ہمارے والدین کی محبت وشفقت اور حضرت اقدسؒ کی دعاؤں کا فیض ہے۔

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہ منست
دعائے پیر مغاں ورد صبح گاہ منست

حضرت کے عہد طفولیت سے عہد جوانی تک کا دور، سجادگی کے اڑتیس سالہ دور، پھر سفر حج سے سفر آخرت تک کے واقعات وواردات، آپ کے شب وروز کے معمولات: عبادات وریاضات، مجاہدہ، تعلیم وتربیت، نسب نامہ، اخلاق واوصاف

اور آپؒ کی علمی اور روحانی صلاحیتیں: غرض سب کچھ پر پہلے سے ہی ہماری نظر ہے۔آپ کی عظیم شخصیت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی شخصیت کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے۔نہ تو مزاج میں کسی بھی طرح کے معائب کی جانب فطری طور پر کبھی کوئی رجحان پایا گیا اور نہ زندگی کے نشیب وفراز میں کبھی بھی ایسے کوئی امکانات دکھائی دیے، پھر سجادگی کے طویل عرصہ میں تو گنجائش ہی باقی نہ تھی کیونکہ خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ یہاں گدی نشیں عبادات و ریاضات، ورد و وظائف اور درس و تدریس کے لئے تاحیات خلوت نشیں ہی نہیں ہوتے بلکہ خلوت ہی میں اسی ایک جگہ تاحیات گوشہ نشیں بھی رہتے ہیں۔ہمارے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ ہماری خانقاہ کے سجادہ نشیں شب و روز کے معمولات کے تحت ہر وقت عبادات و ریاضات اور ورد و وظائف میں مشغول رہتے ہیں جس میں شب بیداری بھی ایک لازمی عنصر ہے۔زندگی کے انہی شب و روز میں شریعت و طریقت کی تعلیمات، فلاح عامہ، درس و تدریس بالخصوص تزکیہ نفس اور باطنی تعلیمات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔وہ کم کھاتے ہیں، کم بولتے ہیں اور کم سوتے ہیں۔غیر ضروری باتیں اور غیر ضروری مشغولیت سے اجتناب کرتے ہیں۔

اب یہیں پر ناقدین ادب سے مودبانہ گذارش کی جاتی ہے کہ جب کسی شخصیت کے شب و روز کے معمولات اس طرح کے ہوں جہاں شخصیت میں محاسن کا گراف ہر روز نئی اونچائیوں کو چھوتا ہوا نظر آ رہا ہو اور معائب، تلاش کرنے پر بھی نہ ملتے ہوں تو پھر ایسی صورت حال میں شخصیت کے صرف اوصاف و اخلاق کے پیش نظر ہی قلم کار کو قلم اٹھانا پڑتا ہے۔حضرت اقدسؒ ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔آپ کی ذات بابرکات بڑی اعلیٰ وارفع تھی۔آپ کے مزاج میں کسی بھی طرح کی حرص و طمع نہیں تھی اور دل حب دنیا سے خالی تھا۔کیونکہ یہی تو وہ اسباب ہیں جو بشریت کے تقاضوں کے تحت گناہ و معصیت کے گراف کو اوپر اُٹھاتے جاتے ہیں۔آپ کو بس ایک ہی فکر لاحق رہتی کہ "اللہ راضی ہو جائے"۔ہمارے والد مولانا شاہ نسیم قادریؒ بن مولانا حکیم شعیب رضویؒ جو حضرت اقدسؒ کے شاگرد عزیز بھی تھے، اکثر و بیشتر فرماتے تھے کہ جناب حضور شاہ امان اللہ قادریؒ دل کو چھونے والی متصوفانہ گفتگو فرماتے تھے۔آپ فرماتے کہ اللہ اپنے بندہ کو بالفرض جنت دے بھی دے مگر اس سے ناراض رہے تو پھر ایسی جنت کا کیا فائدہ؟ جس طرح کسی بچہ کی ضد پر ناراض ماں اسے حلوہ تو دے دیتی ہے مگر ناراض رہتی ہے۔ایسے میں بچہ خود ہی اس حلوہ کو کھانے سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ "ماں تو ناراض ہے" اب بچہ کی بھی ضد ہے کہ "ماں راضی ہو جائے" اور ماں بھی یہی چاہتی ہے کہ بچہ پہلے اپنی غلطی تسلیم کرلے۔حضرت اقدس وہ خاصان خدا ہیں جن کا دل حب الٰہی سے لبریز تھا اور جس دل کو صرف رضائے الٰہی کی فکر لاحق تھی۔ایسی عارف باللہ شخصیت معصوم تو نہیں مگر ان سے گناہ لاحق ہونے کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ایسی ذات اقدس پر تحقیق کا کام کرنا لائق صد ستائش کارنامہ ہے۔چنانچہ سوانح نگار شاہ ہلال احمد قادری صاحب نے پوری ایمانداری سے صاحب سوانح کی سوانح تحریر کی ہے۔فن سوانح نگاری کے تحت اُن کے ہیرو میں جو کچھ تھا اُن سب کو دائرۂ ادب میں حسن ترتیب کے ساتھ سمیٹ کر ہمارے سامنے ٹھیک اسی طرح پیش کر دیا ہے جس طرح مشہور و معروف اور عظیم مرثیہ گو شعراء

انیسؔ و دبیرؔ نے مرثیہ نگاری کے اجزائے ترکیبی کے تحت اپنے اپنے مرثیوں میں تمام عقیدت و احترام کے باوجود اہل بیت اطہار بالخصوص جاں نثاران کربلا کے کرداروں کی مرقع کشی میں اُنہیں بشریت کے تقاضوں کے تحت پیش کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے پیر و مرشد امان المستجیرین مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ کے ساتھ قائم و دائم رشتہ عقیدت کے تناظر میں اس سوانح کا تجزیہ کیا جائے تو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ فن سوانح نگاری کے مستند معیاری تقاضوں کے پیش نظر سوانح نگار نے اپنا کردار بہت اچھی طرح ادا کیا ہے۔

افسوس صد افسوس! کہ بظاہر اک وبائے نادیدہ نے ہم سے ایک گوہر بے بہا چھین لیا! آج وقت کی ضرورت ہے کہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری صاحبؒ کی علمی، ادبی اور روحانی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی مقالے پیش کئے جائیں۔ پوری شخصیت کا احاطہ کیا جائے، اُن کی علمی صلاحیت، اُن کے اوصاف و اخلاق، زہد و تقویٰ اور ملت کے لئے اُن کا درد وغیرہ پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے، کیوں کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری صاحبؒ کو ان کی تمام تر خدمات کے پیش نظر اگر ''معجزۂ امان المستجیرین'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حواشی:

(۱) سوانح مولانا شاہ امان اللہ قادری قدس سرہ: ہلال احمد قادری
(۲) اُردو ادب میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء: ڈاکٹر آنسہ الطاف فاطمہ
(۳) فن سوانح نگاری: ڈاکٹر عبد الواسع
(۴) اُردو میں سوانح نگاری: سید شاہ علی
(۵) بہار میں اُردو نثر کا ارتقاء: مظفر اقبال
(۶) فن سوانح نگاری: ڈاکٹر امیر اللہ شاہین
(۷) اُردو تنقید کا ارتقا: ڈاکٹر عبادت بریلوی
(۸) اُردو زبان کی قدیم سوانح عمری: معید الدین ہاشمی
(۹) صحیفۂ امان: فتح اللہ قادری
(۱۰) المجیب: خصوصی شمارہ (جنوری۔ دسمبر ۲۰۱۳ء): ڈاکٹر فتح اللہ قادری
(۱۱) عاصم قادری پھلواروی سلمہ اور بہجت قادری پھلواروی سلمہ سے حاصل شدہ اطلاعات و بیانات

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

نغمات الانس فی مجالس القدس
ایک تعارف، ایک تجزیہ

● ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی علیگ — کاشانۂ وارث، میڈیکل کالج روڈ، علی گڑھ، یوپی

کتاب ”نغمات الانس فی مجالس القدس“ حضرت مولانا علامہ سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی علیہ الرحمہ کی ایک معرکۃ الآرا علمی و تحقیقی تصنیف ہے، یہ کتاب ”سماع بالمزامیر کے جواز پر لکھی گئی ہے، جونفس موضوع کے متعلق ۲۲ر عنوانات کے تحت مختلف جہتوں سے قرآن وسنت اور اقوال سلف و صالحین کی روشنی میں بحث کرتی ہے، اس کتاب پر تجزیاتی تبصرہ اور تعارفی گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر فہرست کے عنوانات پر ڈال لیں۔

(۱) تمہید (۲) سورۂ لقمان کی آیت کریمہ (۳) لھوالحدیث کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال (۴) لھو کا ذکر دوسری آیات میں (۵) لھوالحدیث سے سماع صوفیہ مراد نہیں ہے (۶) حرمت غناء ومزامیر کی احادیث (۷) راویان احادیث حرمت– ارباب جرح و تعدیل کی نظر میں (۸) احادیث اباحت غناء و سماع (۹) نکاح و شادی میں گیت اور گانے کی اباحت (۱۰) آلات غناء کے استعمال کی اجازت (۱۱) مباح کاموں میں آلات غناء کا استعمال (۱۲) غناء بالمزامیر کی احادیث (۱۳) عیدین میں لھو ولعب کی اجازت (۱۴) سماع کا مسئلہ فروعی ہے اور اہل علم صوفیہ کو فقہا سے اختلاف کا حق حاصل ہے (۱۵) مسئلۂ سماع میں شارح بخاری ابن بطال کی رائے (۱۶) شارح بخاری ابن رجب کا بیان (۱۷) الغناء ینبت النفاق فی القلب کی وضاحت (۱۸) مسئلۂ سماع میں اعتدال کی روش (۱۹) مسئلۂ سماع میں فقہا کا موقف (۲۰) علامہ شامی کی وضاحت (۲۱) حنفی فقیہ شیخ عبدالغنی نابلسی کا بیان (۲۲) حنفی فقیہ قاضی ثناء اللہ مظہری کی وضاحت (۲۳) خانقاہ پھلواری شریف کی محافل سماع (۲۴) مراجع مقدمہ (۲۵) اسمائے شعرائے کرام۔

۳۳۶ رصفحات پر مشتمل یہ کتاب دو ابواب میں تقسیم ہے، پہلے باب کا خاتمہ مراجع مقدمہ پر ہوتا ہے، کتب مراجع کی تعداد ۴۶ ر ہے۔ دوسرے باب میں ۵۶ رشعرائے کرام کے ان منتخب فارسی کلام کو شامل کیا گیا ہے جو کہ مختلف خانقاہوں اور بطور خاص خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی محفل سماع میں پڑھے جاتے ہیں، ان کلام کو الف بائی ترتیب سے مع معیاری ترجمہ نذر قارئین کیا گیا ہے، جس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

ردیف الف کے تحت ۲۳ رکلام۔ ردیف ب کے تحت ۴ رکلام۔ ردیف ت کے تحت ۲۳ رکلام۔ دریف ث اور ج کے تحت ایک ایک کلام۔ ردیف د کے تحت ۴۴ رکلام۔ ردیف ر کے تحت ۵ رکلام۔ ردیف س کے تحت ۲ رکلام۔ ردیف ش کے تحت ۳ رکلام۔ ردیف ف کے تحت ایک کلام۔ ردیف ک کے تحت ۲ رکلام۔ ردیف ل کے تحت ۴ رکلام۔ ردیف م کے تحت ۲۸ رکلام۔ ردیف ن کے تحت ۲۲ رکلام۔ ردیف و کے تحت ۹ رکلام۔ ردیف ہ کے تحت ۱۴ رکلام۔ ردیف ی کے تحت ۵ رکلام اور متفرقات کے ضمن میں ۷ رکلام کا ذکر ہے۔

نغمات الانس فی مجالس القدس کل ۵۶ رشعرائے کرم کے کلام پر مشتمل ہے، اس ۵۶ رشعرائے کرام میں صرف تین کے اسمائے گرامی نامعلوم ہیں، بقیہ شعرائے کرام کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت غوث اعظم، (۲) حضرت احمد جام، (۳) حضرت خواجہ عثمان ہارونی، (۴) حضرت جمال ابومحمد نظامی، (۵) حضرت مولانا رومی، (۶) حضرت شیخ فخرالدین عراقی، (۷) حضرت سعدی، (۸) حضرت محبوب الٰہی، (۹) حضرت امیر خسرو، (۱۰) حضرت بوعلی شاہ قلندر، (۱۱) حضرت امیر حسن سنجری، (۱۲) حضرت چراغ دہلی، (۱۳) حضرت حافظ شیرازی، (۱۴) حضرت مولانا محمد تبریزی، (۱۵) حضرت نوشہ توحید فردوسی، (۱۶) حضرت احمد لنگر بہاری، (۱۷) حضرت مولانا جامی، (۱۸) حضرت مخدوم سعد خیرابادی، (۱۹) حضرت بابا فغانی، (۲۰) حضرت شیخ عبدالقدوس چشتی گنگوہی، (۲۱) حضرت شاہ ابوالمعالی قادری، (۲۲) حضرت حاجی محمد جان قدسی، (۲۳) حضرت سرمد شہید، (۲۴) حضرت صادق، (۲۵) حضرت نورالعین واقف لاہوری، (۲۶) حضرت شاہ ولی اللہ نظام پوری پھلواروی، (۲۷) حضرت محمد حسین قتیل، (۲۸) حضرت شاہ نورالحق تپاں عمادی، (۲۹) حضرت شاہ نیاز چشتی بریلوی، (۳۰) حضرت شاہ احمدی پھلواروی، (۳۱) حضرت امان علی ترقی پھلواروی، (۳۲) حضرت امام قادری پھلواروی، (۳۳) حضرت شاہ ابوالحسن فرد پھلواروی، (۳۴) حضرت شاہ نورالعین قادری پھلواروی، (۳۵) حضرت شاہ ابوتراب پھلواروی، (۳۶) حضرت علی سجاد نعمتی پھلواروی، (۳۷) مرزا اسداللہ خاں غالب، (۳۸) حضرت شاہ فضل اللہ پھلواروی، (۳۹) حضرت شاہ وصی احمد پھلواروی، (۴۰) حضرت شاہ علی حبیب نصر پھلواروی، (۴۱) نامعلوم، (۴۲) حضرت غلام مخدوم ثروت پھلواروی، (۴۳) حضرت محمد سعید حسرت عظیم آبادی، (۴۴) حضرت شاہ امین احمد فردوسی، (۴۵) حضرت شاہ بدرالدین قادری پھلواروی، (۴۶) حضرت شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی، (۴۷) حضرت حکیم محمد شعیب نیر پھلواروی،

(۴۸) حضرت شاہ محمد شفیع فردوسی بہاری، (۴۹) حضرت قطب، (۵۰) حضرت شاہ اقبال علی بہاری، (۵۱) حضرت ضامن علی، (۵۲) حضرت شاہ عزیز صفی پوری، (۵۳) نامعلوم، (۵۴) نامعلوم، ۵۵. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال لاہوری، (۵۶) حضرت شاہ قسیم الدین فردوسی بہاری۔

شعرا کی اس فہرست میں جہاں برصغیر کے علاوہ بین الاقوامی شہرت کے حامل قادر الکلام صاحبان سخن کا نام شامل ہے، وہیں ملکی سطح کے مایہ ناز صوفیا و مشائخ اور دانشوروں کے کلام کو بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے، ۵۶؍شعرا کے اس فہرست میں ۲۳؍شعرا بہار کے ہیں اور اس فہرست پہ نظر ڈالنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان شعرائے بہار میں سے ۱۶؍شعرا خود خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے وابستگان میں سے ہیں، جن کا عارفانہ کلام اور اس کا ترجمہ کتاب میں شامل اشاعت ہے۔

کتاب کی تمہید میں سید شاہ ہلال احمد صاحب اپنی تحریر کی غرض وغایت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’سماع کے جواز وعدم جواز پر اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، سماع کی حرمت کے قائل بھی دلائل پیش کرتے ہیں اور سماع کو جائز کہنے والوں کے پاس بھی دلائل کی کمی نہیں ہے، اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ہمارے نزدیک کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن پہلی بار خانقاہ پھلواری شریف کی محافل سماع میں، سماع قائم ہونے کے بعد سے اب تک پیش کئے جانے والے فارسی کلام کو یکجا کردیا گیا ہے اور اب ترجمہ کے ساتھ اس کی اشاعت ہو رہی ہے، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ سماع بالمزامیر کے جواز و اباحت پر ایک مختصر تحریر بھی اس مجموعہ کے ساتھ شامل کردی جائے، تاکہ متوسلین ومنتسبین سلسلۂ عالیہ قادریہ مجیبیہ کے لئے فائدہ مند اور باعث اطمینان ہو۔‘‘—(۱)

تمہیدی وضاحت ہی کے ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

’’سماع، نہ مطلقاً حرام ہے اور نہ مطلقاً جائز ہے، اس کی حلت وحرمت دونوں ہی چند قیود کے ساتھ مقید ہیں، جب تک کسی امر کی حلت وحرمت پر نص قطعی وارد نہ ہو اس کو بالکلیہ حرام قرار نہیں دیا جاسکتا اور ہر حال میں اس کے جواز کا فتوی بھی نہیں دیا جاسکتا، یہی فقہ اسلامی کا اصول ہے۔‘‘—(۲)

سماع سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’سماع سے مراد نعت خوانی اور حمد خوانی نہیں ہے بلکہ گا کر اشعار پڑھنا مراد ہے، اسی کو غناء کہتے ہیں، یہ ڈھول اور دف کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور اس کے بغیر بھی، فقہا کو جس سماع پر اعتراض ہے وہ وہی ہے جس میں اشعار مزامیر کے ساتھ گا کر پڑھے جائیں۔ صوفیوں کے یہاں سماع اسی طریقے پر رائج رہا ہے، بغیر کسی ساز کے گانے سننے کی روایت میرے علم میں نہیں ہے۔ فقہا کو ان ہی گانوں پر اعتراض ہے، اور اس کی حرمت پر ان کو شدت کے ساتھ اصرار ہے، دلچسپ یہ ہے کہ فقہا ایک طرف غناء کو حرام بھی کہتے ہیں اور دوسری طرف نکاح اور ولیمے کی تقریبات میں اور عید کی خوشی

میں دف کے ساتھ گانوں کی اجازت بھی دیتے ہیں، فقہا کے فتاووں میں اس فرق کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ غناء ومزامیر ان کے نزدیک بھی مطلقاً حرام نہیں ہیں، کیونکہ اس کی حرمت پر نص قطعی موجود نہیں ہے۔''—(۳)

سماع وغنا اور مزامیر کی حرمت کے علم بردار اپنے موقف کی حمایت میں قرآن کی جن جن سورتوں سے استدلال کرتے ہیں، ان کی تفصیلات کی طرف سید شاہ ہلال احمد صاحب قارئین کو متوجہ کرتے ہیں اور مختلف پہلوؤں سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ مخالفین سماع سورۂ لقمان کی آیت ۶، ۷ ر سے اپنا موقف پیش کرتے ہوئے سماع کو ''لھو الحدیث'' کہتے ہیں۔ ''لھو'' کا ذکر سورۂ لقمان کے علاوہ سورۂ انعام، محمد، الحدید، الانبیاء، جمعہ میں بھی آیا ہے۔

سید ہلال احمد صاحب نے سب سے پہلے سورۂ لقمان کی مذکورہ آیت پر مفسرین کے اقوال کی روشنی میں تحقیقی گفتگو کی ہے، آیات کا سبب نزول اور اس کے متعلق مفسرین کی رائے نقل کرکے لکھتے ہیں:

''دونوں آیات اور ان کے سبب نزول پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ کام ایک مشرک کا تھا اور اس کی اس مجلس کفر وشرک اور محفل فسق وفجور میں شامل ہونے والے بھی مشرکین ہی تھے، اس کی اس حرکت کا مقصد ہی یہی تھا کہ مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات نہ سننے دے، اور آپ ﷺ کسی کو قرآن کریم کی آیات سنانا چاہیں تو اس میں خلل پیدا کرے۔ کسی صحابی رسول سے اس کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی ہے کہ وہ گانے بجانے کی اس مشرکانہ اور فاسقانہ مجلس میں شریک ہوں۔ گانے کی جو محفل قرآن کریم سے دور کرنے کی نیت سے منعقد کی جائے وہ حرام ہی نہیں کفر قطعی ہے۔ پہلے ذکر کردہ سبب نزول کو تسلیم کریں تو اس صورت میں بھی اگر قرآن کریم سے لوگوں کو دور رکھنے کے لئے قصے کہانیوں کی محفل قائم کی جائے تو وہ بھی کفر صریح ہوگا، بلکہ قرآن کریم کی مخالفت میں ہر مباح کام بھی کفر کے زمرے میں داخل ہوگا چاہے وہ غناء وسماع کی محفل ہو یا پچھلی قوموں کے اچھے واقعات ہوں۔ پہلی آیت میں 'لیضل عن سبیل اللہ'' سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہورہی ہے کہ جس لھو کا قرآن ذکر فرمارہا ہے وہ راہ حق سے پھیرنے والا لھو تھا، دوسری آیت بھی اسی سے متعلق ہے 'ولی مستکبرًا'' کے لفظ سے شرکائے مجلس غناء کی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ وہ گانے اور قصے تو دلچسپی سے سنتے ہیں لیکن جب آیات الٰہی کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اس طرح پیٹھ پھیر لیتے ہیں گویا سن ہی نہیں رہے ہیں، اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ وہ مشرکین کی محفل غناء تھی، وہ حرام وناجائز تو کجا سرے سے کفر ہے، آج بھی کوئی ایسا کرے تو اس کا یہ عمل کفر ہوگا، حرام وحلال کا حکم تو امت کے مکلفین پر لگایا جاتا ہے۔''—(۴)

پیش نظر اقتباس میں سید شاہ ہلال احمد صاحب نے سبب نزول کی وضاحت میں ان آیات کا پس منظر بتایا ہے اور اس کی وضاحت کی ہے کہ آیات کے مخاطب صحابہ کرام نہیں، بلکہ مشرکین مکہ ہیں، جو قرآن کے مقابل قصہ اور کہانیاں گڑھ کر لوگوں کو قرآن سے منحرف کرنے کی سازش کیا کرتے تھے، ان محفلوں میں شامل ہونے والے صحابی رسول نہیں، بلکہ کافران مکہ تھے، سید شاہ ہلال احمد صاحب

کا کہنا ہے کہ گانے کی جو محفل قرآن کریم سے دور کرنے کی نیت سے منعقد کی جائے، وہ حرام ہی نہیں کفر قطعی ہے۔

غنا سے متعلق وارد اقوال صحابہ کا درست مفہوم کیا ہے؟ کون سا غنا وسماع حرام ہوگا؟ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''غناء سے متعلق بعض صحابہ وتابعین کے اقوال کا یہی مطلب لیا جائے گا کہ وہی سماع وغناء حرام ہوگا جو ضلالت وگمرہی کا سبب ہو۔ ورنہ حضرت عیسی اور حضرت موسی علیہما السلام کی نافرمان قوم کے قصے تو خود قرآن میں بیان کئے گئے ہیں، ان کی سماعت کے جواز میں تو کوئی کلام نہیں ہے بلکہ آیات الٰہی ہونے کے اعتبار سے ان کا سننا باعث اجر ہے، اور اسی بناء پر طبل غازی اور ضرب الدف عند النکاح جائز ٹھہرا، حالانکہ دف پر گانا گانے کو سماع وغناء سے الگ نہیں کیا جاسکتا، جن چیزوں پر قرآن وحدیث کی نص کی بنا پر حرمت کا حکم ہے مثلاً شرب خمر، اور اکل میتہ، قمار بازی اس کا جواز کہیں پر کسی حالت میں ثابت نہیں ہے، اضطرار کی حالت مستثنی ہے، لیکن غناء بالدف میں کوئی اضطراری صورت نہیں پیدا ہوتی، بغیر ڈھول بجائے بھی نکاح ہو جاتا ہے اور بغیر طبل کے فوجیں اپنے ہدف کو پہنچ سکتی ہیں، غناء میں صورت اضطرار نہ ہونے کے باوجود ہمارے فقہا اباحت وجواز کے فتوے دیتے ہیں، اور سماع صوفیہ پر شدت سے نکیر کرتے ہیں''—(۵)

لھو کی تفسیر میں سید ہلال صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں ابن جریر طبری اور ماوردی کے متعدد اقوال کے ساتھ ابوحیان اندلسی اور قاضی شوکانی کے اقوال بھی پیش کئے ہیں۔ لھو الحدیث کے متعلق مختلف مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے سید شاہ ہلال احمد صاحب کہتے ہیں کہ:

''جب **لھو الحدیث** کے مفہوم میں سلف کی تشریحات مختلف ہوں تو اس کو صرف غناء اور آلات غناء کے ساتھ مخصوص کرنا اور ضعیف وغیر مستند احادیث کی بنیاد پر غناء اور آلات غناء کو فی نفسہ حرام قرار دینا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ سورۂ لقمان کی آیت مذکورہ میں شان نزول کے اعتبار سے لھو کے معنی کی تخصیص کی جائے تو دو معنی متعین ہوں گے، غنا (گانا) اور قصہ گوئی، کیونکہ یہاں سبب بہت واضح ہے، اس ''لھو'' کی ''حدیث'' کی طرف اضافت کے ساتھ اس کی دوسری صفت ''**لیضل عن سبیل اللہ**'' اس لھو کو شریعت کیا اسلام کے دائرے سے خارج کر دیتی ہے۔ لیکن جن لوگوں نے مطلقاً لھو کو حرام کہا ہے ان کو بجائے احادیث ضعیفہ کے ''لھو'' کا مفہوم قرآن کریم کی آیات سے سمجھنا چاہیے، کیونکہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر لھو کا لفظ آیا ہے اور ہر جگہ ایک ہی مفہوم نہیں ہے''—(۶)

لھو کے اصلی معنی قرآن سے بتاتے ہوئے سورۂ منافقون، سورۂ نور، سورۂ تکاثر کی آیتوں کو پیش کیا ہے اور ان آیات کی روشنی میں کہتے ہیں کہ:

''جب **لھو** کا صحیح مفہوم خود قرآن کریم سے واضح ہو جاتا ہے تو دور دراز کی تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ جو کام اللہ کی یاد سے غافل کر دے وہ لھو ہے اور جس عمل سے یاد الٰہی میں غفلت نہیں ہوتی وہ لھو نہیں ہے

اگر چہ ظاہر بینوں کو لھو معلوم ہو۔“۔۔۔(۷)

سید شاہ ہلال احمد صاحب کے نزدیک لھوالحدیث سے ”سماع صوفیہ مراد نہیں ہے، مخالفین صوفیا اپنی مخالفت میں از حد تعصب برتتے ہیں، سید ہلال صاحب کا کہنا ہے کہ:

”تعجب ہوتا ہے علمائے سلف اور کبار مفسرین پر کہ سورۂ لقمان کی آیت میں ”لھوالحدیث“ سے وہ سماع وغنا کی حرمت ثابت کرنے پر مصر ہیں اور دوسری آیات میں جہاں لھو کی اباحت بالقید واضح ہو رہی ہے اس کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں، ستم یہ ہے کہ اگر کسی نے لھو کی اباحت پر مذکورہ آیات (سورۂ بقرہ، سورۂ جمعہ) سے استدلال کیا تو وہ بھی بعض مفسرین کو سخت گراں گزرتا ہے، شیخ عبدالغنی نابلسی نے ”ایضاح الدلالات فی سماع الآلات“ میں سورۂ جمعہ کی آیت مذکورہ: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ط قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ط (یعنی جب یہ لوگ تجارت یا لھو دیکھ لیتے ہیں تو آپ کو خطبہ دیتے ہوئے کھڑے چھوڑ کر اس کی طرف چل دیتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ لھو اور تجارت سے بہتر ہے) سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لھو کو تجارت پر عطف کیا ہے، تجارت معطوف علیہ اور لھو معطوف ہے اور جو حکم معطوف علیہ کا ہے وہی معطوف کا ہوگا، تجارت مباح ہے تو لھو بھی مباح ہے۔ آیت مذکورہ کے دوسرے جملے میں افعل التفضیل کا مفہوم پایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ لھو اور تجارت سے بہتر ہے، یعنی تجارت اور لھو میں اگر چہ خیر ہے لیکن اللہ کے پاس جو ہے وہ ان دونوں سے بہتر ہے، یہ انداز بیان ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ ”تجارت، نوکری سے بہتر ہے“ یعنی بہتری نوکری میں بھی ہے لیکن تجارت اس سے بھی بہتر ہے۔ شیخ نابلسی کے استدلال کا یہ لطیف نکتہ ہے لیکن تفسیر روح المعانی میں آلوسی بغدادی نے ان پر سخت تنقید کی ہے، آلوسی کو اس پر بھی غصہ ہے کہ نابلسی نے ملاحی کے جواز پر رسالے لکھے ہیں۔ یہ علامہ آلوسی کا محض تعصب ہے۔ فقط سورۂ جمعہ کی آیت مذکورہ ہی نہیں بلکہ سورۂ حدید کی آیت: ۲۰ جو اوپر نقل کی گئی ہے اس پر غور کیا جائے تو اس میں بھی لھو ولعب کے معطوفات زینت، تفاخر اور تکاثر میں اباحت کا وہ پہلو موجود ہے جو معطوف علیہ لھو میں ہے۔ ان معطوفات میں اباحت کا پہلو اس طور پر ہے کہ نماز کے لئے زینت اختیار کرنے کا حکم ہے: خذوا زینتکم عند کل مسجد (ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو)۔ ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن...... (عورتیں زینت اختیار نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے لئے)۔ تفاخر یعنی فخر کرنا، یہ حسب ونسب کے لئے جائز نہیں ہے لیکن حامل قرآن ہونے پر، نبی آخر الزماں ﷺ کی امت میں ہونے پر اور میدان جہاد میں اپنی شجاعت پر اظہار تفاخر محمود ہے، ناجائز نہیں ہے۔ سورۂ حدید کی اس مذکورہ آیۃ میں جس طرح معطوف علیہ کے بعض گوشے مباح ہیں اسی طرح معطوفات میں بھی اباحت کی گنجائش موجود ہے، اس کا انکار محض تعصب ہے“۔۔۔(۸)

سید شاہ ہلال احمد صاحب لھو پر مختلف جہت سے بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ سورۂ لقمان میں ''لھو'' سے غنا اور فضول قصے مراد ہوں گے کیونکہ شان نزول اسی کا مقتضی ہے۔ دوسری آیات سے ثابت ہوا کہ لھو اس وقت تک مباح ہے جب تک اس میں خلاف شرع باتیں شامل نہ ہوں، محافل سماع میں غیر شرعی امور شامل ہو جائیں تو وہ محفلیں بھی ناجائز ہوں گی۔ قرآن کریم سے براہ راست غنا کی حرمت ثابت نہیں ہوتی اور غنا کی حلت پر بھی کوئی آیت کریمہ اشارہ نہیں کرتی۔ البتہ سماع کے جواز و اباحت پر احادیث ہیں۔ ہم ذیل میں احادیث جواز و حرمت پر گفتگو کریں گے۔''—(۹)

حرمت غنا و مزامیر کی احادیث کے عنوان سے غنا و مزامیر کی حرمت بیان کرنے والی احادیث کو نقل کیا ہے، ان احادیث کے استنادی حیثیت کو بیان کیا ہے اور جن بعض احادیث پہ مفسرین نے کلام کیا ہے ان کا بھی ذکر کیا ہے اور اس پہ بھر پور ناقدانہ گفتگو کرتے ہوئے ۱۷/احادیث کو موضوع بحث بنایا ہے اور اس کے بعد غنا و مزامیر کی حرمت بیان کرنے والے راویان احادیث کو ارباب جرح و تعدیل کے فرمان کی روشنی میں ان کی اصلیت بتائی ہے۔ اور اس کے متعلق اپنی محققانہ رائے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جن احادیث کے راویوں پر گزشتہ سطور میں جرح کی گئی وہ احادیث، سنن ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن بیہقی، شرح السنۃ، طبرانی اور مسند امام احمد وغیرہ کتب حدیث کی ہیں اور بعض روایات تفسیر طبری سے لی گئی ہیں۔ سماع کی حرمت سے متعلق ان تمام احادیث کو محمد بن طاہر مقدسی نے اپنی کتاب ''کتاب السماع'' میں جمع کیا ہے، اور ان کے راویوں کے ضعف کو ظاہر کیا ہے۔ مانعین سماع حافظ مقدسی سے خوش نہیں ہیں، اس لئے ہم نے محض ان کے بیان پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان راویوں کے بارے میں امام بخاری، امام نسائی، امام دارقطنی، امام ابونعیم اصبہانی، ابن شاہین، عقیلی، حافظ ابن جوزی کی مرتب کردہ ''کتاب الضعفاء'' اور دارمی کی ''تاریخ ابن معین'' کے حوالے بھی نقل کردیے ہیں تاکہ حرمت سماع و غناء میں ان احادیث کا ناقابل احتجاج ہونا واضح ہو جائے۔ اگر حرمت کی ان کے علاوہ ایسی حدیثیں ملتی ہوں جن کے رواۃ ثقہ ہوں تو حلت غناء و سماع کی کثیر احادیث کے مقابلے میں وہ لائق ترجیح نہیں ہوں گی۔ علما کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف احادیث قابل اعتبار سمجھی گئی ہیں لیکن حلال و حرام کے مسائل میں ضعیف روایات حجت نہیں ہیں۔ تو ایسی صورت میں ان روایتوں سے سماع و غناء کی مطلقاً حرمت پر استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ایسے اختلافی مسائل میں محض تعصب کی بنا پر حرمت کا حکم لگانا اہل علم کی شان کے منافی ہے۔ رہ گیا اختلاف تو کون سا مسئلہ ایسا ہے جس میں علمائے حق کی دو رائے نہیں ہے؟ مذاہب اربعہ اختلاف ائمہ ہی کا تو نتیجہ ہے''—(۱۰)

حرمت غنا بیان کرنے والی تمام روایتوں کی اسنادی حیثیت واضح کرنے کے بعد غنا و سماع کی اباحت بیان کرنے

والی احادیث کا ذکر کر کے تصویر کا دوسرا رخ بھی قارئین کے سامنے رکھا ہے، اس میں چار اقسام کی حدیثوں کا ذکر کیا ہے اور اپنا نتیجہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’’طول کلام سے بچتے ہوئے عرض ہے کہ صحاح ستہ کی وہ تمام احادیث، محدثین، مفسرین، فقہا، اور تمام اہل علم کی نظر میں ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اس زمانے کے ممتاز علما تک وہ روایات نہیں پہنچی ہیں۔ ملت کے وہ مخلص علما جو درس و تدریس سے وابستہ اور مشاغل علمیہ میں لگے ہوئے ہیں ان کو اچھی طرح معلوم ہے۔ لیکن اس کے باوجود علمائے حق کے سنجیدہ طبقے میں بھی سماع صوفیہ سے متعلق سخت رویہ پایا جاتا ہے، ان حضرات کی تحریریں دیکھیے تو حضرات صوفیہ کے بارے میں ان کی تحریروں سے بے جا تعصب کی بو آتی ہے۔ حالانکہ سماع وغنا کے قائل اہل تصوف کے دلائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور اثبات اباحت کے لئے وہ کافی ہے۔ اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سماع کی کبھی کوئی محفل منعقد نہیں کی اور یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے قوالی کی کوئی محفل کہیں ہو رہی ہو اس میں شرکت فرمائی ہو لیکن اتفاقی طور پر آپ نے کہیں دف کی اور کہیں گانے کی سماعت فرمالی یا انصار کی دل جوئی کی خاطر گانے کی ترغیب دی تو وہ عمل آپ کا سنت نہیں قرار دیا جائے گا لیکن اس سے اباحت تو بہر حال ماننی ہوگی، صوفیہ اور علما کا اختلاف اسی میں ہے۔‘‘—(۱۱)

سید شاہ ہلال احمد صاحب کا غناو مزامیر کی اباحت اور جواز پہ بالغ النظری کے ساتھ مندرجہ ذیل عبارت لکھنا بھی اہل علم کو غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے:

’’اب ہم غناء و مزامیر کی اباحت اور جواز پر صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، سنن بیہقی اور صحیح ابن حبان کی احادیث نقل کرتے ہیں، ان کتب احادیث میں مختلف عنوان سے محدثین نے ابواب متعین کئے ہیں، یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ غناء کا ذکر دف کے ساتھ ہے اور دف کا شمار مزامیر میں ہوتا ہے کیونکہ بخاری اور مسلم کی روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دف کے متعلق ’’مزمار الشیاطین‘‘ کا لفظ اختیار فرمایا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مزامیر میں دف کے علاوہ دوسرے آلات غناء بھی شامل ہیں، اس اعتبار سے نقل کی جانے والی روایات سے غناء اور مزامیر دونوں کی اباحت ثابت ہوجاتی ہے اس کے بعد ساز وآلات کی اباحت پر مزید گفتگو کی ضرورت نہیں رہتی۔‘‘—(۱۲)

آلات غنا کے استعمال کی اجازت کے متعلق سید شاہ ہلال احمد صاحب لکھتے ہیں:

’’آلات غناء یعنی مزامیر کے استعمال کرنے کی اجازت متعدد کتب حدیث سے ثابت ہے، اور ہم پہلے ذکر کرآئے ہیں کہ دف مزامیر میں شامل ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں اہل مدینہ یہی ساز استعمال کرتے تھے،

دف کے علاوہ کسی اور ساز کا ذکر نہیں ملتا، اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دف کے سوا کسی دوسرے ساز کا استعمال ممنوع ہے، صحیح نتیجہ نہیں ہے، اصولی طور پر دف والی احادیث سے ساز وآلات کی اباحت ثابت ہوتی ہے، دوسرے ساز کو اسی پر قیاس کیا جائے گا"—(۱۳)

مباح کاموں میں آلات غنا کا استعمال کے عنوان سے سید شاہ ہلال احمد صاحب نے محدثانہ اور متکلمانہ انداز میں گفتگو کی ہے، مختلف احادیث سے اپنے موقف کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بخاری ومسلم کی دونوں حدیثیں حدیث کی ان تمام کتابوں میں ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا اور تمام کتابوں کے ابواب میں ایک ہی روایت نہیں ہے، کئی کئی حدیثیں ہیں، صحیح ابن حبان میں یہی حدیثیں مختلف ابواب میں منقول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف دف پر گانا سماعت فرمایا بلکہ منع کرنے والے افضل ترین صحابی کو منع کرنے سے روکا۔ کیا اس طرح کی احادیث بھی جواز سماع کی دلیل نہیں بن سکتی ہیں؟ مذکورہ حدیث میں بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ موجود ہے "أمزمارة الشيطان عند النبي" اس پر ہم سطور ماسبق میں کچھ عرض کر چکے ہیں۔ مزید عرض یہ ہے کہ وہ عہد رسالت تھا اور اس سے کچھ ہی قبل جاہلیت کا دور گزرا تھا، اس دور کی خرافات اصحاب رسول نے اچھی طرح دیکھی تھی، انہوں نے غناء اور مزامیر کا استعمال مشرکین کے یہاں دیکھا تھا اور مشرکین اس کا استعمال فسق وفجور کے لئے کرتے تھے، اس لئے صحابۂ کرام غنا ومزامیر کو شیطانی عمل سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد وعمل سے ان کے خیالات کی اصلاح فرمائی کہ یہ ایسے امور ہیں جن کا حکم موقع استعمال سے بدل جاتا ہے۔ اسی لئے محدثین نے اباحت ورخصت کے پہلو کو مدنظر رکھا ہے"—(۱۴)

غنا بالمزامیر کی احادیث جن میں غنا کی حلت ثابت ہوتی ہے، اس کا ذکر بھی شامل ہے اور نقد ونظر کے ساتھ اپنا موقف پیش کیا ہے، عیدین میں لھو ولعب کی اجازت کو کئی مستند احادیث سے ثابت کیا ہے، سید ہلال صاحب کا کہنا ہے کہ:

"اب تک کی بحث سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ لھو ولعب کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ عیدین میں اور تقریبات نکاح میں اس لھو ولعب کی اجازت ہے جو مباح ہو، اس سلسلے میں وہ روایات ہیں جس میں حبشی لوگوں نے عید کے دن مسجد نبوی میں آکر اپنے کھیل دکھائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود دیکھا اور ام المؤمنین کو دکھایا۔ اس کھیل کی نوعیت اور تفصیل کیا تھی، اس کی کچھ وضاحت عنوان باب سے اور بعض احادیث کے الفاظ سے ہوتی ہے، پہلے احادیث ملاحظہ ہوں"—(۱۵)

اس حوالے سے چار احادیث سے اپنا موقف ثابت کیا ہے اور علمی وتحقیقی استدلال سے سنجیدگی کے ساتھ قاری کا ذہن اپنے موقف کی جانب متوجہ کیا ہے۔

سماع کا مسئلہ کافی طویل عرصے سے ہی اختلافی رہا ہے، خشک مزاج فقیہ، زاہدان خشک اور علمائے منکرین سماع نے مسلم سماج میں اسے باعث نزاع بنا دیا تھا، حامیان سماع مشائخ کا اختلاف، منکرین کے اس گروہ سے ایک طویل عرصے سے چلا آرہا ہے، اس علمی اختلاف میں منکرین سماع نے حد اعتدال سے روگردانی کرتے ہوئے سماع کے متعلق اپنے من مانی تعبیر وتشریح اور تفہیم کو نص قرآن وسنت سمجھنے کا وہ ''عالمانہ'' کردار ادا کیا ہے، جس سے تمام اعتدال پسند اہل علم واقف ہیں۔ یہ مانعین سماع اپنی طبیعت کو رسول اکرم ﷺ کی شریعت بنا کر عوام میں پیش کرنے کی کوشش میں سرگرداں نظر آتے ہیں، اور اپنی بات کی بالادستی کے لیے نصوص میں من مانی تاویلات کرنے سے نہیں چوکتے ہیں۔ سماع اور محفل سماع دیگر امور کی طرح ایک طویل مسئلہ ہے، بعض بندگان خدا طبعی اعتبار سے سماع وغنا مع آلات وساز موسیقی سے شرعی حدود میں رہتے ہوئے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اپنی روحانی کیفیت کو محفل سماع سے جلا بخشتے ہیں اور سرور حاصل کرتے ہیں، مگر اس کے برعکس بعض خشک مزاج لوگ جو ''لحن داؤدی'' سے لطف اندوزی کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں، وہ دوسروں پہ بھی اپنی طبیعت اور مزاج کا رنگ وآہنگ تھوپنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے قرآن وسنت کی من مانی تاویل، تفسیر اور تشریح کا سہارا لیتے ہیں۔ حالاں کہ جس چیز کو شریعت حرام قرار نہیں دے رہی ہے، زاہد خشک کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی طبیعت کی انا پرستی کے لیے صریحاً حرام قرار دے۔ سید شاہ ہلال احمد صاحب منکرین سماع کی اس طبعی نفسیات کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے قاری کو متوجہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سماع کا مسئلہ فروعی ہے اور اہل علم صوفیا کو فقہا سے اختلاف کا حق حاصل ہے، اس بابت سید شاہ ہلال احمد صاحب کا کہنا ہے کہ:

''ہم تھوڑی دیر کے لئے اپنے فقہا کی ان توجیہات سے صرف نظر کر لیں جن میں انہوں نے ان احادیث سے جواز لھوو لعب کی تردید کی ہے۔ تو اہل حبشہ کا یہ عمل جو محض تفریح طبع کے لئے قبول کیا گیا کسی با مقصد کام کے لئے جواز بن سکتا ہے، مثلاً وہ رقص بھی کر رہے تھے، اور وہ بھی شارع علیہ السلام کے سامنے، ان کا رقص عید کی خوشی میں تھا، صوفیوں کا رقص اللہ کی محبت میں اضطراراً ہوتا ہے۔ ہمارے فقہا حالت اضطرار میں حرمت کا فتوی دے رہے ہیں اور رسالت مآب ﷺ رقص اختیاری کو اپنے قول وعمل سے جواز عطا فرما رہے ہیں۔ اگر اہل تصوف ان تمام احادیث سے مزامیر کے ساتھ قوالی اور رقص کی اباحت پر استدلال کرتے ہیں تو وہ کیوں قابل مذمت ہیں؟ جس طرح کتاب وسنت سے استدلال کا حق ان کو (حاصل) تھا۔ اسی طرح کتاب وسنت کی روشنی میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا حق اہل تصوف کو بھی ہے ''ھم رجال ونحن رجال'' کے مطابق نہ ان میں کوئی صحابی تھا نہ اس دور میں کوئی صحابی ہے، ان کے فتووں کو ترجیح محض احترام واعتماد کی بنیاد پر ہے۔ بعض جزئیات میں ان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، اس طرح کے فرعی اختلافات علمائے حق کے درمیان متداول رہے ہیں۔ خود امام اعظم سے ان کے ارشد تلامذہ امام ابو یوسف اور امام محمد مسائل میں اختلاف کرتے تھے اس کے بعد بھی وہ مقلد امام ابو حنیفہ رہے۔

اہل علم صوفیہ کو بعض مسائل میں اپنے فقہا سے اختلاف کا حق حاصل ہے۔ بعض ممتاز مشائخ کے علمی تبحر کا اندازہ ہمیں اس تحریر کے وقت ہوا۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا قدس سرہ نے سماع کے جواز میں علما کے سامنے دف والی روایت پیش کی تھی، آج سے چھ سات سو سال پہلے نہ کتابیں چھپتی تھیں اور نہ ہندستان میں تمام کتب احادیث کے نسخے دستیاب تھے،اس کے باوجود حضرت محبوب الٰہی کا فیصلہ ان کے تعمق علم اور اصابت فکر کا نتیجہ ہے کیونکہ آج یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ دف بجانے اور دف کے ساتھ گانے کی احادیث اتنی کثرت سے مروی ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اور سماع کی اباحت سے انکار محض تعصب مسلکی ہے۔'' —(۱۶)

مسئلہ سماع میں درست نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے شارح بخاری ابن بطال کی متوازن رائے بھی پیش کی ہے اور شارح بخاری ابن رجب کا بیان بھی۔ اور پھر ان حضرات کی رائے پہ اپنا ناقدانہ وتجزیاتی تبصرہ اور''الغناء ینبت النفاق فی القلب'' کی صحیح اور درست وضاحت بھی، مسئلہ سماع میں اعتدال کی روش کے عنوان سے سید شاہ ہلال احمد صاحب نے بہت فکر انگیز بات کہی ہے، جو قابل غور بھی ہے اور لائق عمل بھی، شاہ صاحب کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

''سماع کے اختلافی مسئلے میں اعتدال کی روش ہی مناسب ہے۔ علمائے سلف کا ایک بڑا طبقہ سماع کی حرمت کا قائل ہے۔ دوسری طرف مشائخ صالحین کے ممتاز حضرات اس کے جواز واباحت کے قائل ہیں، اس لئے علمائے حق کو مطلقاً سماع کی حرمت کا فتوی نہیں دینا چاہیے۔ اور سماع کے قائل مشائخ کرام کو نہ سننے والے پر طنز وتعریض نہیں کرنی چاہیے۔ رہ گئے حبِّ جاہ کے مارے ہوئے کم علم و بے عمل علما جن کی تعداد اگرچہ ہر دور میں زیادہ رہی ہے، ہرگز قابل اعتبار نہیں ہیں۔ ان میں فکر وعقیدے کی اصابت سے محروم علما بھی ہیں، وہ تو قابل ذکر وتوجہ بھی نہیں ہیں۔ صاحب عوارف کا فیصلہ اس مسئلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے''—(۱۷)

مسئلہ سماع میں فقہا کا موقف کے حوالے سے حرمت کا جو تاریخی پس منظر بیان کیا ہے وہ بہت علمی وتحقیقی نقطہ ہے، سید صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارے فقہا نے اس مسئلے میں حرمت کے جو فتوے دیے ہیں وہ سماع وغناء میں فسق وفجور شامل ہو جانے کی وجہ سے دیے ہیں، کیوں کہ اکابر فقہا کا دور اموی اور عباسی حکمرانوں کا دور اقتدار تھا۔ اوران کے اوران کے درباری امراء کے گانے بجانے کی کوئی محفل شراب وشاہد کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ مشائخ صوفیہ کی محافل سماع ان کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس لئے محتاط فقہا نے سماع صوفیہ کو حرمت کے فتوے سے مستثنی رکھا ہے۔ ان سطور میں فقہی اور صوفی موقف کو واضح کرنے کے لئے فقہ حنفی کی مشہور ومستند کتاب رد المحتار اور دو متبحر عالم وفقیہ کی رائے پیش کردینی کافی ہوگی''—(۱۸)

مذکورہ اقتباس سے سید ہلال صاحب کی دقیقۃ النظری کا اندازہ ہوتا ہے، سید شاہ ہلال احمد صاحب صرف کتب فقہ پہ ہی نہیں بلکہ کتب تواریخ پہ بھی نگاہ رکھتے ہیں۔ اور فقہا کے اقوال کو ان کے عہد کے پس منظر میں سمجھنے کی ضرورت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اور قارئین کے ساتھ دیگر لوگوں کو اس جانب توجہ دینے کے لیے دعوت فکر دیتے ہیں۔ علامہ شامی کی وضاحت، حنفی فقیہ شیخ عبدالغنی نابلسی کا بیان، حنفی فقیہ قاضی ثناء اللہ مظہری پانی پتی کی وضاحت اور دیگر فقیہ علما کی کتب سے اپنے موقف کی حمایت میں بہت علمی اور تحقیقی گفتگو، جواز سماع اور مزامیر کے متعلق کی ہے، اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مشائخ سلف نے مسئلۂ سماع میں بہت کچھ لکھا ہے مثلاً امام قشیری، امام غزالی، شیخ ابوطالب مکی صاحب قوۃ القلوب، شیخ شہاب الدین سہروردی صاحب عوارف اور مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمہم اللہ کے اس موضوع پر طویل مباحث ہیں۔ وہ تحریریں شائقین سماع اکثر اپنے مضامین اور کتابوں میں نقل کرتے رہتے ہیں، اس لئے ہم اس بحث کو یہ عرض کرتے ہوئے ختم کرتے ہیں کہ مانعین سماع ان پرہیزگار اور صاحب علم وعمل ارباب تصوف پر فتوے لگانے سے احتیاط کریں جو شرائط وآداب کے ساتھ سماع کا ذوق رکھتے ہیں۔ اور قائلین سماع، سماع سے پرہیز کرنے والے علمائے حق کو برا نہ کہیں، ان کو اپنے علم وبصیرت کی بنا پر کسی بھی فقہی مسئلے میں احتیاط کا حق حاصل ہے“—(۱۹)

سید صاحب نے نغمات الانس کے مقدمہ میں جواز سماع ومزامیر کے متعلق اپنی عمومی مگر محققانہ گفتگو کو مذکورہ اقتباس پہ تمام کیا ہے اور پھر اس کے بعد خانقاہ پھلواری شریف کی محافل سماع کے متعلق خصوصی گفتگو کا آغاز کیا ہے اور بتایا ہے کہ:

”خانقاہ پھلواری شریف، یعنی خانقاہ مجیبی میں سماع بالمزامیر ہوتا ہے، ابتدائے عہد تاج العارفین میں نہیں ہوتا تھا۔ شاید یہ سبب ہو کہ سلسلۂ قادریہ میں مروج نہیں ہے اور یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ حضرت تاج العارفین کے مرشد حضرت رسول نما بنارسی نہیں سنتے تھے، اس لئے عرس و فاتحہ کی تقریبات میں سماع کا معمول نہیں تھا۔ لیکن سماع کے بارے میں تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری کی وہی رائے تھی جو سلف صالحین کی رہی ہے۔ ایک بار اپنے خلیفہ شاہ خدابخش کے سوال کرنے پر فرمایا: اے میاں! انما الاعمال بالنیات، کسانے را کہ نیت بر فسق وفجور است وعشق مجازی است، براوشاں حرام است۔ وآں کسانے را کہ آتش شوق وذوق ومحبت درمجمر سینۂ اوشاں مشتعل است، برائے گرمی آتش اوشاں راگ وسماع چوں باد است، براوشاں حلال ومباح وعین شرع است۔ برحرامیان حرام وبراہل حلال“—(۲۰)

تاج العارفین کا یہ قول سید شاہ ہلال احمد صاحب نے اپنے خاندانی ذخیرہ کتب میں موجود ”گلشن عارفین“ کے قلمی نسخہ سے پیش کیا ہے، شروع کے دور میں خانقاہ پھلواری شریف میں سماع نہ ہونے کی مختلف وجوہات کو بتایا ہے اور لکھا ہے، حضرت نے فرمایا ”سلسلہ قادریہ میں سماع سے نہ انکار ہے اور نہ اس کی ضرورت، پھر ایک امر غیر ضروری کی پابندی کیا ضروری ہے، ”تذکرۃ الکرام“ کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت رسول نما بنارسی قدس سرہ بھی سماع نہیں سنتے تھے،لیکن اس کو حرام و ناجائز بھی نہیں سمجھتے تھے''—(۲۱)

مگر بعض خاص سبب کی بنا پر حضرت تاج العارفین نے اپنی خانقاہ میں سماع کی محفل کو مستقل طور پر قائم کیا۔اس محفل سماع کے قیام کی تفصیلی وجہ سید شاہ ہلال احمد صاحب نے اپنی دوسری کتاب ''سیرت پیر مجیب'' میں بیان کی ہے،اس کی تفصیل اس کتاب سے دیکھی جاسکتی ہے سید صاحب محفل سماع اور اس کے ساز وآلات کے استعمال کے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت نے اپنی خانقاہ میں مستقل سماع قائم کیا تو اس میں ساز بھی شامل کیا،ساز وآلات میں صرف ڈھولک اور ستار رکھا گیا۔ڈھولک کی آواز دف سے بلند ہوتی ہے اور ستار کی اتنی ہلکی ہوتی ہے کہ ڈھولک کی آواز میں دب جاتی ہے۔خانقاہ کی محفل سماع میں اس وقت سے لے کر اب تک ساز کی صورت میں یہی دو چیزیں ہیں،اس کے ساتھ قوال زور کلام کے لئے تالیاں بھی بجاتے ہیں''—(۲۲)

خانقاہ پھلواری شریف کے مختلف تقاریب میں کن کن اوقات میں محفل سماع کا انعقاد ہوتا ہے اور آداب سماع کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے سید شاہ ہلال احمد صاحب اپنے قاری کو اطلاع دیتے ہیں کہ:

''آداب سماع کا حضرت نے خاص خیال رکھا تھا،سامعین باوضو ہو کر بیٹھتے،سامعین کی اکثریت چونکہ مستفیدین و مریدین پر مشتمل ہوتی تھی اس لئے سماع کے آداب پورے طور پر ملحوظ ہوتے تھے۔اس زمانے میں بھی آداب ملحوظ ہوتے ہیں،سامعین دوزانو باادب بیٹھتے ہیں،شب میں سماع نماز عشاء کے بعد سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر ہوتا ہے،پوری رات نہیں ہوتا۔دن کے وقت سماع اتنے ہی وقت کے لئے ہوتا ہے اس کے بعد نماز ظہر ادا کی جاتی ہے۔گیارہ بارہ ربیع الاول کو عرس کی تقریبات بڑے پیمانے پر ہوتی ہیں اس میں سماع زیادہ دیر تک ہوتا ہے، تہجد کے وقت یعنی صبح صادق سے پہلے قل و فاتحہ کے بعد سماع شروع ہوتا ہے،فجر کے وقت سماع موقوف کر کے نماز فجر مکمل طمانیت وسکون کے ساتھ ادا کی جاتی ہے،نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد پھر سماع کا سلسلہ گیارہ بجے دن تک جاری رہتا ہے،یہ گیارہ اور بارہ دونوں دن کا معمول ہے۔اس طرح خانقاہ کے محافل سماع کے انعقاد میں نماز باجماعت کی اہمیت مدنظر رکھی گئی ہے کہ سماع سننے والے نماز باجماعت کے بعد محفل سماع میں بیٹھیں یا سماع سن لینے کے بعد نماز باجماعت ادا کریں۔یا سماع اور کیف وحال کی جمی ہوئی محفل کو یک لخت موقوف کر کے نماز فجر کے لئے صف آرا ہوجائیں''—(۲۳)

خانقاہ پھلواری شریف میں رائج اس انداز کی محفل سماع سے کیا فوائد حاصل ہوئے اور حاضرین محفل پہ اس کے کیا ثمرات مرتب ہوتے ہیں،اس جانب بھی متوجہ کرتے ہوئے سید شاہ ہلال احمد صاحب نے بہت اہم نکات بیان کئے ہیں،جو قابل ملاحظہ ہیں۔صاحب لکھتے ہیں:

''اس طریقۂ سماع سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں :

اولاً: یہ کہ سماع سے لھو ولعب کا شائبہ ختم ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ یہ سماع بہ نیت تقرب الٰہی ہے، اس سے کیفیات قلبی کی درستگی مقصود ہے۔

ثانیاً: یہ کہ سامع کو سماع میں جو روحانی کیفیات حاصل ہوئیں وہ کیفیات فوراً نماز میں کھڑے ہو جانے سے نماز میں خشوع وخضوع کا سبب ہوں گی۔

ثالثاً: یہ کہ سامع نے حضور دل کے ساتھ جو نماز باجماعت ادا کی اس نماز کے بعد ہی سماع میں اس کی شرکت سے کیفیت نماز کیفیات سماع سے ہم آمیز ہو کر اس کے حق میں تصفیۂ باطن کا سبب ہوگی۔

رابعاً: اس طریقۂ سماع سے اس کا دل کبھی سماع میں عشق مجازی اور ہوائے نفس کی طرف ملتفت نہیں ہوگا۔

خامساً: اس طریقۂ سماع سے سامع کے دل میں نماز کی اہمیت بڑھے گی، وہ نماز پر سماع کو فوقیت نہیں دے گا جیسا کہ بہت سے متصوفین نماز سے غافل رہتے ہیں اور سماع میں خوب حال لاتے ہیں۔

خانقاہ کے معمولات میں ایک معمول عیدین میں سماع سننے کا ہے اور بزرگوں نے سنت کے مطابق ہی اس کو شروع کیا تھا۔ نماز عید الفطر وعید اضحیٰ کے بعد کچھ دیر سماع ہوتا ہے۔ قوال اس میں عید الفطر اور عید اضحی کی مناسبت سے اشعار گاتے ہیں۔''—(۲۴)

صوفیا کی محفل سماع میں موسیقی ساز وآلات کی کیا اہمیت ہے اور نفس محفل سماع کے انعقاد کی حقیقت کیا ہے اس کی وضاحت سید ہلال احمد قادری صاحب نے جس عالمانہ انداز میں کیا ہے، یہ آپ ہی کا خاصہ ہے، اس وضاحت میں آپ کی دینی فکری، علمی اور تحقیقی بصیرت کھل کر سامنے آتی ہے، اس حوالے سے سید صاحب کا یہ بصیرت افروز اقتباس ملاحظہ کریں:

''حقیقت یہ ہے کہ سماع صوفیہ میں موسیقی، کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے۔ سماع میں صوفیۂ صافیہ کی نہ مغنی پر نظر رہتی ہے نہ سازوں پر، ان کی ساری توجہ اس کلام صداقت نظام پر ہوتی ہے جو ان کی سماعت تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ وہ یا تو عشق الٰہی اور عشق رسالت پناہی کے مدح وثنا پر مشتمل اشعار ہوتے ہیں یا مشائخ طریقت کی مدح میں ہوتے ہیں۔ حافظ وسعدی اور جامی وخسرو کی غزلیں بھی ان محافل میں معشوق حقیقی اور مشائخ سلسلہ کو اشعار کا مصداق بنا دیتی ہیں۔ معشوقان مجازی تو پس دیوار تخیل بھی نہیں ہوتے۔ غرض یہ کہ سماع ایک بامقصد عمل ہے، اس کے لئے حضور قلب، صفائے باطن، اور ماحول کی پاکیزگی ضروری ہے''—(۲۵)

صوفیا جنہیں ''خاصان خدا'' کہیں یا اہل اللہ یا اولیاء اللہ، ان کا اصل مقصود تو معرفت خداوندی کا حصول ہوتا ہے، اکابر صوفیہ کا ارشاد ہے: ''لامقصود الا اللہ'' اسباب کی دنیا میں تو سماع وغنا اور آلات، ساز وموسیقی یہ سب جائز ومباح اسباب ہیں،

مگر اصل مقصود نہیں ہیں، جس طرح پیٹ کی بھوک مٹانے کے لیے شریعت نے مختلف حلال کھانے کا حکم دیا ہے اور کسی ایک حلال کھانے کو کھانے کے لیے سب کو پابند نہیں کیا ہے، بلکہ مومنین کی طبعی صوابدید پہ چھوڑ دیا ہے۔ ایسے ہی بعض صوفیا نے اپنی روحانی تسکین کے لیے سماع میں موسیقی، غنا اور آلات ساز کا استعمال قرآن وسنت کے مختلف نصوص سے استدلال کرتے ہوئے جائز قرار دیا اور محفل سماع میں ان کو رواج دیا۔

محفل سماع، آداب سماع، ثمرات سماع اور سماع کی کیفیت واعمال کے متعلق کچھ علمی اصطلاحات جو سلف وخلف کی کتابوں میں ملتے ہیں، ان کے متعلق سید صاحب لکھتے ہیں:

''سماع کے ذکر کے ساتھ وجد، تواجد، افاضہ اور استفاضہ جیسے الفاظ بھی اکابر واصاغر اور سلف وخلف کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ اس دور انحطاط میں یہ سب الفاظ اپنی معنویت کھو چکے ہیں۔ اذکار جہری وخفی میں منہمک رہنے والے مرشدین و سالکین ''کالملح فی الطعام'' ہو گئے۔ وہی ان کیفیات کا صحیح ادراک کرتے تھے۔ احوال و واردات کثرت ذکر سے پیدا ہوتے ہیں اور سماع سے ان کیفیات قلبی میں اضافہ ہوتا ہے، بہر حال نیتوں کا حال تو اللہ جانتا ہے، میں اپنی ناقص معلومات کے مطابق کچھ عرض کرتا ہوں''۔۔۔(۲۶)

سید شاہ ہلال احمد صاحب محفل سماع سے متعلق رائج ان علمی اصطلاحات کی مختصر مگر انتہائی جامع تعریف وتشریح کرتے ہوئے وجد، تواجد، افادہ اور استفادہ کے بارے میں اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں:

''وجد۔۔۔ سماع کا اضطراری نتیجہ ہے، یعنی سننے والے پر جوش ومستی کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی وجد ہے۔ اگرچہ وجد بے اختیاری کیفیت ہے اس کے باوجود صوفیائے کاملین اسی وقت وجد کے اظہار یعنی حرکت ورقص کی اجازت دیتے ہیں جب سامع پر ضبط وتحمل دشوار ہو جائے سماع میں سامع کے سکون وتحمل کو وہ آداب سماع میں شامل سمجھتے ہیں۔

تواجد۔۔۔ وجدی کیفیت خود پر طاری کرنے کا نام ہے، یوں کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ وجد، آمد ہے اور تواجد، آورد ہے۔ رسالہ قشیریہ میں امام قشیری نے تواجد یعنی خود پر وجد طاری کرنے کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کی دلیل وہ اس حدیث سے لاتے ہیں جس میں دعا کے وقت رونے کا حکم ہے اور اگر کسی پر گریہ نہ طاری ہو تو وہ رونی صورت بنائے اور رونے کی کوشش کرے۔ اسی طرح سامع سماع میں عشق الہی اور محبت رسالت پناہی میں اپنے دل میں اہتزاز اور جوش پیدا کرنے کی کوشش کرے تو اس کی یہ خود ساختہ کیفیت بھی محمود ہے ریا میں شامل نہیں ہوگی۔ لیکن اس میں بھی ضروری ہے کہ سامع باعمل اور پرہیزگار ہو، معاصی میں مبتلا رہنے والا، اللہ ورسول کی محبتوں کی پاکیزہ کیفیات سے محروم ہوتا ہے۔

افاضہ اور استفاضہ۔۔۔ سماع میں فیض دینا اور میر محفل سے فیض لینا۔ یہ دونوں صورتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں۔ سماع میں عشق الہی کی جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں ان کیفیات کو اپنے دل سے مستفید کے دل تک پہنچانا، افاضہ ہے۔

اس کے لئے مفیض (فیض دینے والا) کے اندر غایت درجہ تقوی ہونا اور اذکار کا مداوم ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اس زمانے میں افاضہ ایک ظاہری رسم بن گیا ہے اور سماع کی محفلوں میں ایسے لوگ افاضہ فرماتے ہیں جن کو نہ فیض کا معنی معلوم ہے اور نہ افاضے کا طریقہ۔ بہرحال صوفیائے کاملین نے افاضے کا یہ پیمانہ رکھا ہے کہ اسی کی طرف افاضہ کرنا ہے جو ان کا مرید یا مسترشد ہے، کسی دوسرے سلسلے کے مریدوں کی طرف افاضہ کرنے کا اس کو حق نہیں ہے اور نہ کسی سلسلے کے شیخ کی طرف افاضہ کرنا صحیح ہوگا۔ افاضہ کرنے والے کے ذہن میں اپنی بڑائی اور بزرگی کا تصور بھی نہیں ہونا چاہیے اس کا کام اپنے دل کی بہترین کیفیت کو مسترشد کے دل میں منتقل کرنا ہے تاکہ اس کو سماع کا صحیح فائدہ حاصل ہو۔ مستفیض (فیض لینے والے) کے لئے ادب یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ سلسلہ اور نائب شیخ کے علاوہ غیروں سے فیض لینے کی کوشش نہ کرے۔''—(۲۷)

اور آخر میں سماع کے متعلق اپنی تحریر کردہ ''مقدمہ'' میں رائج اصطلاحات صوفیہ کے متعلق دردمندانہ اور مخلصانہ قول پہ اپنی بات ختم کرتے ہوئے نہ صرف اپنے قاری کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں بلکہ مشائخ عصر اور صوفیائے زمانہ کو بھی متوجہ کرتے ہیں۔

''سماع، وجد، تواجد، افاضہ اور استفاضہ، یہ سب اس دور انحطاط میں تفریح طبع سے زیادہ نہیں ہے، الا ماشاء اللہ۔ مشائخ کو اس کی مقصدی حیثیت کو عملاً واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ اخلاص عمل اور کثرت ذکر سے ہی سماع صوفیہ کے اندر پیدا شدہ نقائص دور ہوسکتے ہیں۔ وما ذلك على الله بعزيز''—(۲۸)

نغمات الانس، تجزیاتی نقطۂ نظر سے:

نفس کتاب نغمات الانس فی مجالس القدس دو جزو پہ مشتمل ہے، پہلا جزو محفل سماع کے جواز، ساز وآلات کا استعمال، مخالفین کے اشکالات اور اس کے مثبت جوابات اور محفل سماع کے آداب وثمرات وغیرہ پہ مشتمل ہے، اور دوسرا جزو محفل سماع بالمزامیر میں قوالوں کے ذریعہ پڑھنے والے مختلف شعرا کے کلام پہ مشتمل ہے۔

مقدمہ نگار نے اپنے مقدمے میں محفل سماع بالمزامیر کی حرمت کے قائلین کا بہت موثر اور تحقیقی انداز میں جواب دیا ہے، انداز گفتگو مفاہمانہ متکلمانہ اور محققانہ ہے، قائلین حرمت کے پیش کردہ دلائل کا مقدمہ نگار نے مختلف جہتوں سے جائزہ لیا ہے، یہ مقدمہ تقریباً ۹۰ رصفحات پہ مشتمل ہے اور مقدمہ نگار نے اپنے موقف کی حمایت میں آیات قرآنی کے علاوہ تقریباً ۲۵ رکتب شرح احادیث اس کے علاوہ کتب جرح وتعدیل، کتب تاریخ، کتب تصوف، کتب فقہ اور کتب تذکرہ کو اپنا مآخذ ومراجع بنایا ہے۔

اسلوب وپیش کش: مقدمہ نگار کا اسلوب وپیش کش بہت سادہ اور عام فہم اور دل کش ہے، سماع کی وضاحت کرتے ہوئے سید شاہ ہلال احمد صاحب لکھتے ہیں:

''سماع سے مراد نعت خوانی اور حمد خوانی نہیں ہے بلکہ گا کر اشعار پڑھنا مراد ہے، اسی کو غناء کہتے ہیں، یہ ڈھول

اور دف کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور اس کے بغیر بھی، فقہا کو جس سماع پر اعتراض ہے وہ وہی ہے جس میں اشعار مزامیر کے ساتھ گا کر پڑھے جائیں۔ صوفیوں کے یہاں سماع اسی طریقے پر رائج رہا ہے، بغیر کسی ساز کے گانے سننے کی روایت میرے علم میں نہیں ہے۔ فقہا کو ان ہی گانوں پر اعتراض ہے، اور اس کی حرمت پر ان کو شدت کے ساتھ اصرار ہے، دلچسپ یہ ہے کہ فقہا ایک طرف غناء کو حرام بھی کہتے ہیں اور دوسری طرف نکاح اور ولیمے کی تقریبات میں اور عید کی خوشی میں دف کے ساتھ گانوں کی اجازت بھی دیتے ہیں، فقہا کے فتاووں میں اس فرق کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ غناء و مزامیر ان کے نزدیک بھی مطلقاً حرام نہیں ہیں، کیونکہ اس کی حرمت پر نص قطعی موجود نہیں ہے۔"—(۲۹)

احادیث کا ترجمہ عام فہم ہے، مقدمہ میں مقدمہ نگار نے منطقی استدلال اور تاریخی پس منظر کا بھی بروقت اور برمحل استعمال کیا ہے، مقدمہ نگار کی عبارت سہل، مربوط، مرصع ہے، اسلوب ترسیل کا رنگ مناظرانہ یا مخاصمانہ نہیں، بلکہ دعوتی اور متکلمانہ ہے، مقدمہ کے مآخذ و مراجع کی کل تعداد ۴۶ رہے۔ اس سے مقدمہ نگار کی وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے، مقدمہ نگار نے صوفیانہ محفل سماع بالمزامیر کا مقدمہ غیر جانب داری کے ساتھ اہل علم کی بارگاہ میں علمی و تحقیقی قوت استدلال کے ساتھ متکلمانہ انداز میں پیش کیا ہے اور بہت خوب انداز میں پیش کیا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ صوفیانہ محفل سماع کی حقیقت، اس کے آداب و شرائط، ثمرات و نتائج کو سمجھنے میں یہ مقدمہ عوام و خواص سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ یہ مقدمہ اردو زبان میں صوفیانہ محفل سماع کی تفہیم میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، جس پہ مقدمہ نگار کو اہل علم کی جانب سے صمیم قلب سے خراج عقیدت پیش کی جانی چاہیے، محفل سماع کے متعلق یہ علمی و تحقیقی مقدمہ، مقدمہ نگار کا ایک زندہ اور جاوید، بلکہ سدا بہار شہہ کار ہے، جس کی افادیت رہتی دنیا تک ہمیشہ قائم رہے گی، منکرین محفل سماع کی غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے مقدمہ نگار کی یہ تحریر ایک ایسی مشعل راہ ہے، جسے پڑھ کر خانقاہی فکر سے وابستگان ہمیشہ فیض پاتے رہیں گے، اور دیگر اہل علم مطالعہ سے لطف اٹھاتے رہیں گے۔ یہ مقدمہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے اس لائق ہے کہ اسے الگ سے کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

حواشی :

(۱) نغمات الانس سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی، باراول ۲۰۱۶، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، ص: ۲۳
(۲) نفس مصدر، ص: ۲۳
(۳) نفس مصدر، ص: ۲۴
(۴) نفس مصدر، ص: ۲۶، ۲۷
(۵) نفس مصدر، ص: ۲۷
(۶) نفس مصدر، ص: ۳۰، ۳۱

(۷) نفس مصدر،ص:۳۲
(۸) نفس مصدر،ص:۳۵،۳۶
(۹) نفس مصدر،ص:۳۷،۳۸
(۱۰) نفس مصدر،ص:۵۸،۵۹
(۱۱) نفس مصدر،ص:۶۰،۶۱
(۱۲) نفس مصدر،ص:۶۱
(۱۳) نفس مصدر،ص:۶۳،۶۴
(۱۴) نفس مصدر،ص:۷۲،۷۳
(۱۵) نفس مصدر،ص:۷۶،۷۷
(۱۶) نفس مصدر،ص:۸۰،۸۱
(۱۷) نفس مصدر،ص:۸۶
(۱۸) نفس مصدر،ص:۸۷
(۱۹) نفس مصدر،ص:۱۰۳
(۲۰) نفس مصدر،ص:۱۰۳،۱۰۴
(۲۱) نفس مصدر،ص:۱۰۴
(۲۲) نفس مصدر،ص:۱۰۵
(۲۳) نفس مصدر،ص:۱۰۵،۱۰۶
(۲۴) نفس مصدر،ص:۱۰۶،۱۰۷
(۲۵) نفس مصدر،ص:۱۰۷
(۲۶) نفس مصدر،ص:۱۰۷
(۲۷) نفس مصدر،ص:۱۰۷-۱۰۹
(۲۸) نفس مصدر،ص:۱۰۹
(۲۹) نفس مصدر،ص:۲۴

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

مقدمہ نغمات الانس

مسئلہ سماع پر معتدل صوفیانہ روش کا نمائندہ

● ڈاکٹر محمد عباس حیدر چشتی — شعبۂ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا شمار شمالی ہندوستان کی بڑی خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ یہ صوبہ بہار کے صدر مقام شہر پٹنہ میں واقع ہے۔ اس عظیم خانقاہ کی علمی و روحانی خدمات صدیوں پر محیط ہیں۔ یہاں مورث اعلیٰ حضرت سید شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہ النورانی ہیں۔ آپ کا مزار اقدس اس خانقاہ میں آج بھی چشمۂ فیض بنا ہوا ہے۔ یہ خانقاہ علم شریعت پر قائم ایک روحانی تربیت گاہ ہے۔ اس خانقاہ سے جہاں تشنگان معرفت اپنی پیاس بجھانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں وہیں علوم ظاہری کے طلبگار یہاں کی درس گاہ سے علمیت اور درس نظامیہ میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔ یہاں کا کتب خانہ بڑا قیمتی ہے۔ کسی بھی ادارہ کے علمی معیار و ماحول کا اندازہ اس کی علمی کارگزاریوں اور انہماک پر منحصر کرتا ہے۔ ماشاء اللہ اس خانقاہ میں علمی ماحول آج بھی شباب پر ہے جس کی شہادت یہاں سے شائع ہونے والا سہ ماہی رسالہ 'المجیب' دیتا ہے۔ یہ رسالہ ایک بین الاقوامی حیثیت کا رسالہ ہے۔ ساتھ ہی یہاں کے دارالاشاعت سے متعدد نادر موضوعات پر کتابیں ہر سال شائع ہوتی رہتی ہیں۔ یوں تو اس خانقاہ اور مرکز علم میں مصنفین و قلمی تعاون کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں۔ محترم المقام سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ سے لے کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ادارہ تحقیقات فارسی کے ڈائریکٹر پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید صاحب جیسے مقتدر شخصیات شامل ہیں۔ بڑے بجھے دل سے یہ بات عرض کرنا پڑ رہی ہے کہ ابھی ابھی یہ مرکز علم ایک بڑے خسارے سے دوچار ہوا ہے، یعنی یہاں کی ایک بڑی علمی و روحانی شخصیت کا انتقال ہو گیا ہے جنہیں علمی دنیا حضرت علامہ الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری کے نام سے جانتی تھی۔ حضرت مولانا قادری رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں بڑے عالم متدین اور محقق تھے۔ فقہ و حدیث اور تفسیر کے کہنہ مشق مدرس بھی تھے۔ وہ خانقاہ مجیبیہ کے دارالعلوم میں

دورۂ حدیث تک طلبہ کو پابندی سے درس دیا کرتے تھے۔ساتھ ہی وہ ایک شیخ روحانی بھی تھے۔اپنی خانقاہ کے معمولات متوارثہ سے پورا شغف برقرار رکھتے تھے۔موصوف کی علوم دینیہ میں نظر نہایت عمیق تھی۔جیسا کہ ان کی تحریرات وتخلیقات سے اندازہ ہوتا ہے۔

موصوف کا انداز تحریر بھی بڑا ادبی ہوتا تھا۔اردو نثر وفارسی پر پوری قدرت رکھتے تھے۔سہل پسند تو وہ بالکل نہیں تھے جیسا کہ بڑے علماء کا طریقہ ہوتا ہے تاہم وہ بڑے سے بڑے دقیق مسائل کو بڑے سہل انداز میں بیان کرنے کا ہنر رکھتے تھے۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ کا علمی وتحریری کام کافی مقدار میں ہے۔میرے مقالہ کا موضوع حضرت کی کتاب نغمات الانس فی مجالس القدس کا مقدمہ ہے جو جواز سماع ومزامیر پر مشتمل ہے۔راقم الحروف اس عنوان پر گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کرے گا لیکن پہلے حضرت مولانا قادری علیہ الرحمہ کے مضامین ومقالات اور تصانیف کی ایک فہرست پیش کرنا چاہتا ہوں جو اگرچہ نامکمل ہے تاہم جس قدر ناچیز کو دستیاب ہوسکی، درج ذیل ہے:

تصانیف :

(۱) سیرت پیر مجیب

(۲) خانوادہ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا

(۳) یزید حقائق کے آئینے میں

(۴) نغمات الانس فی مجالس القدس

(۵) مختلف فیہ مسائل میں خانقاہ مجیبیہ کا موقف

(۶) ترجمہ الباقیات الصالحات

(۷) ترجمہ ملفوظات حضرت شیخ العالمین

(۸) ترجمہ وتلخیص رسالہ ارکان فقہ

(۹) تشریح مضامین اشارات الکتاب الیٰ اباحۃ ایصال ثواب

چند مقالات ومضامین :

(۱) تصوف موجودہ ہندوستانی ماحول میں امن عامہ کی ضمانت: ورلڈ صوفی فورم کا انٹرنیشنل سمینار ۱۸/مارچ ۲۰۱۶ء کا مجموعہ مقالات ''۲۱صدی میں تصوف عالمی بحران کے حل کی تلاش''

(۲) فارسی شعراء کے کلام میں تصوف وسلوک کے مضامین : نکہت عرفان ،سیمینار میگزین شعبہ فارسی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی ۲۰۱۶ء

(۳) ثمرات الفواد المصطفی وفضیلۃ الزہرا علیٰ ابیہم وعلیہم السلام : المجیب شفیع المذنبین نمبر ۲۰۱۶ء

(۴) حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے آثار وعلامات : المجیب (مختلف شمارے)

(۵) اولیاء اللہ : سہ ماہی المجیب، ستمبر ۲۰۱۷ء

(۶) حضرت شاہ عماد الدین قادری کچھ یادیں کچھ باتیں : سہ ماہی المجیب، ستمبر ۲۰۱۸ء

(۷) خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم : سہ ماہی المجیب، دسمبر ۲۰۱۸ء

راقم الحروف نے ان کی علمی کاوشوں میں سے تصنیف لطیف نغمات الانس فی مجالس القدس کے مقدمہ پر خامہ فرسائی یعنی قلمی خراج عقیدت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مقدمہ سماع ومزامیر کے جواز میں ہے جو قرآن واحادیث اور سلف وخلف کے آثار پر بڑی مدلل تحریر ہے جس کو پڑھنے پر مولانا مرحوم کی علمی گہرائی اور صلاحیت کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے ساتھ ہی سماع کے قائلین میں سے ہونے کے باوجود ایک قادری مشرب عالم (سید شاہ ہلال احمد صاحب) نے توازن وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔کسی بھی زاویہ سے ان کی گفتگو مربع چادر کو یک سمت کھینچتی نظر نہیں آتی بلکہ جتنا قرآن مجید کی آیتیں اور مقتدر مفسرین کی آرا نے موقف اختیار کیا اسی قدر مرحوم نے اس کی علمی اور معنوی تفہیم سے کام لیا اور اس کے لیے احادیث کی عقدہ کشائی کو قبول کیا ساتھ ہی شارحین حدیث کے ذریعہ جو عہد صحابہ وتابعین میں متعارف سمجھا گیا اس کو بھی بہتر انداز میں بیان کیا۔صوفیاء قدیم میں نیز بعد میں جب مشارب کی حد بندی کا دور شروع ہوتا ہے اور لوگ سلاسل کو ان کی فطری بنیادوں سے ممتاز کرنے لگتے ہیں اور یہ فطری بنیادیں متصوفانہ کم متفقّہانہ زیادہ ہیں اس لیے سماع پر یا مزامیر سماع پر زیادہ سخت رویہ فقہا نے اختیار کیا تاہم کسی نے اپنے مطالعہ ورغبت کے پیش نظر سخت ترین قیود کا استعمال نہ کرنے پر عدم جواز کا فتویٰ دیا بعض نے کچھ کم لیکن یہ سچ ہے سماع بالمزامیر کا جواز بغیر قیود کے متصور نہیں اور نہ ہی مطلقا حرام۔مولانا ہلال احمد قادری مرحوم نے اپنی تمہیدی گفتگو میں اسی بات کی طرف یوں اشارہ کیا:

> ''سماع نہ مطلقاً حرام ہے اور نہ مطلقاً جائز ہے۔اس کی حلت وحرمت دونوں ہی چند قیود کے ساتھ مقید ہیں، جب تک کسی امر کی حلت وحرمت پر نص قطعی وارد نہ ہو اس کو بالکلیہ حرام قرار نہیں دیا جاسکتا اور ہر حال میں اس کے جواز کا فتویٰ بھی نہیں دیا جاسکتا یہی فقہ اسلامی کا اصول ہے''—(۱)

سماع سے متعلق جو مختلف فیہ مسئلہ ہے وہ سماع بالمزامیر ہے جن میں ڈھول، دف اور ستار وغیرہ آتے ہیں۔فقہا کو اسی قسم کے غنا کی حرمت پر اصرار ہے لیکن فقہا نکاح، ولیمے اور عید کی خوشی کے موقع پر گانے کو بجانے کے ساتھ اجازت دیتے ہیں۔اس بات سے بحیثیت ایک عالم کے حضرت مولانا ہلال احمد قادری صاحب سماع بالمزامیر کے جواز کی دلیل اخذ کرتے ہیں۔چنانچہ وہ کہتے ہیں:

> ''فقہا کے فتاووں میں اس فرق کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ مزامیر ان کے نزدیک مطلقاً حرام نہیں ہیں کیونکہ اس کی حرمت پر نص قطعی موجود نہیں ہے''—(۲)

عند الفقہا کسی بھی چیز کی حرمت کا تعلق اس کے سبب اور علت کی وجہ سے ہوتا ہے جو اس شئے میں پائی جاتی ہو اور جس کی ممانعت نص قطعی سے کردی گئی ہو۔سماع بالمزامیر کی حرمت کی جو علت فقہا کے نزدیک متحقق ہے وہ لہو ولعب ہے جس کی وجہ سے انسان کے اندر غفلت کے عنصر پیدا ہوتے ہیں اور پھر وہ انسان حق سے دور ہوجاتا ہے حضرت مولانا سید ہلال احمد قادری صاحب اسی کو محور بنا کر اپنی گفتگو کو جواز کی طرف موڑتے ہیں ساتھ ہی لہو سماع بالمزامیر میں پایا بھی جاتا ہے کہ نہیں اور اگر پایا جاتا ہے تو پھر کس قسم

کا لہو ہے جو حق سے غفلت کے بجائے عشق ومحبت الٰہی کی آگ اور بھڑکا دیتا ہے۔ حرمت کی اولین دلیل کے مآخذ کے طور پر سورہ لقمان کی آیات کریمہ کا ذکر اکثر ملتا ہے جس میں لہو کا ذکر ملتا ہے اور حرمت سماع کے قائلین اسی کو پیش کرتے ہیں۔

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ ۔(سورۂ لقمان)

ترجمہ: اور بعض لوگ نادانی میں لہو ولعب والی چیز خریدتے ہیں تا کہ راہ حق سے بھٹکا دیں اور راہ حق کا مذاق بناتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے اور جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ غرور کے ساتھ پیٹھ پھیر لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں بہرا پن ہے تو اس کو عذاب الیم کی خبر سنا دیجیے۔"

حضرت مولانا مرحوم نے سب سے پہلے مفسرین کی آرا کا ذکر کیا ہے کہ وہ لہو سے مراد کیا لیتے ہیں؟ پھر آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہیں۔ شان نزول سے آیات کا مقصد واضح ہو جاتا ہے چنانچہ اس آیت سے متعلق ہے کہ مکہ میں نضر بن الحارث نام کا ایک کافر لہو ولعب کی مجلس جماتا اور معاذ اللہ قرآن پاک کا استہزا کرتا تھا۔ قرآن کے مقابلہ میں قریش کو رستم واسفند یار کے قصے سناتا۔

حضرت مولانا مرحوم ماخذ قرآنی کی تشریحات میں سماع بالمزامیر کو علیحدہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"جس لہو کا قرآن ذکر فرما رہا ہے وہ راہِ حق سے پھیرنے والا لہو تھا۔ دوسری آیت بھی اس سے متعلق ہے "وَلّٰى مُسْتَكْبِراً" کے لفظ سے شرکائے مجلس غناء کی کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ وہ گانے اور قصے تو دلچسپی سے سنتے ہیں لیکن جب آیاتِ الٰہی کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو اس طرح پیٹھ پھیر لیتے ہیں گویا سن ہی نہیں رہے۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ مشرکین کی محفل غنا تھی وہ حرام و ناجائز تو کجا سرے سے کفر ہے آج بھی کوئی ایسا کرے تو اس کا یہ عمل کفر ہوگا۔ حرام وحلال کا حکم تو امت کے مکلفین پر لگایا جاتا ہے۔"

مزید آگے فرماتے ہیں:

"غنا سے متعلق بعض صحابہ وتابعین کے اقوال کا یہی مطلب لیا جائے گا کہ وہی سماع وغنا حرام ہوگا جو ضلالت وگمراہی کا سبب ہو ورنہ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوموں کے قصے تو خود قرآن میں بیان کیے گئے ہیں"۔(۴)

پھر یہ کہ وہ لہو کی تفسیر میں متعدد مفسرین کی آرا کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ ابن جریر طبری، ماوردی، ابن زہر عطا ضحاک، ابو السعود عمادی، ابوحیان، اندلسی، شوکانی وغیرہ کے حوالے دیتے ہیں ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عکرمہ ابن جبیر اور قتادہ کی روایتوں کی بنیاد لیتے ہیں نیز ان کی آراء کے اختلاف کو بھی بیان کرتے ہیں کہ غنا اور لہو میں سماع بالمزامیر

جو حق کلام کے ساتھ سنی جائے اس میں کتنا تفاوت ہے۔ اس بحث سے حضرت مولانا مرحوم کی علم تفسیر پر عمیق نگاہی کا اندازہ بھی ہوتا ہے پھر وہ نتیجتاً اپنی رائے اس طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ:

''جب لہوالحدیث کے مفہوم میں سلف کی تشریحات مختلف ہوں تو اس کو صرف غنا اور آلات غنا کے ساتھ مخصوص کرنا اور ضعیف وغیر مستند احادیث کی بنیاد پر غنا اور آلات غنا کو فی نفسہ حرام قرار دینا کس طرح درست ہوسکتا ہے''۔—(۵)

پھر یہ کہ لھو کا معنی نیت وارادہ سے مختلف ہوسکتا ہے جیسا کہ مولانا قادری مرحوم نے شان نزول کے اعتبار سے دو معنی متعین کیے ہیں ایک غنا اور دوسرا قصہ گوئی جو اصلاً ملہی کے معنی میں ہے جو اصلاً غافل کرنے کے ہیں۔ مزید بحوالہ سورہ نور آیت ۳۷، سورۃ التکاثر آیت نمبر ۱، ۲ نیز سورۃ منافقون آیت نمبر ۹، سورۃ انعام ۳۲، سورۃ محمد ۳۶، سورۃ الحدید آیت ۲۰، سورۃ الانبیاء آیت ۱۷، سورۃ جمعہ آیت نمبر ۱۱ مذکورہ شروع کی آیات میں لھو ولعب کو دنیاوی زندگی کہا گیا ہے۔

حضرت مولانا قادریؒ نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ لھو کے معنی مختلف ہیں تاہم جو معانی آیات قرآنی سے ثابت ہوتے ہیں ان سے سماع بالمزامیر جو صوفیا کے یہاں رائج ہے بالکل علیحدہ چیز ہے۔ وہ سورۃ انبیاء آیت ۱۷ کی تفسیر میں امام طبرانی کی تفسیری وضاحت کا یوں ذکر کرتے ہیں:

''قتادہ کا قول ہے کہ لھو سے عورت مراد ہے کیوں کہ اہل یمن کی زبان میں عورت کو لھو کہتے ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ یہاں لھو سے نساء مراد ہیں۔ طاؤس، عطا اور مجاہد نے حسن سے اس آیت کا معنی پوچھا تو انھوں نے کہا: لہو سے عورت مراد ہے، کلبی کی روایت ہے کہ لھو سے لڑکا مراد ہے''۔—(۶)

مذکورہ بالا دلائل کی بنیاد پر حضرت مولانا قادری مرحوم یہ سرخی لگانے میں کوئی گریز نہیں کرتے کہ ''لھو الحدیث سے سماع صوفیہ مراد نہیں''، علامہ شیخ عبدالغنی نابلسی جو فقہ حنفی کے بہت بڑے عالم ہیں اور علامہ شامی جن کے حوالے اپنی کتابوں میں پیش کرتے ہیں، ان کا سماع بالمزامیر کے جواز میں ''ایضاح الدلالات فی سماع الآلات'' رسالہ ہے جس میں علامہ عبدالغنی نابلسی آلات سماع کے جواز میں مستحکم دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ مولانا قادری مرحوم نے شیخ نابلسی کے اقوال و دلائل کو جواز میں پیش کیا ہے کہ سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ نے لہو کو تجارت کے ساتھ معطوف کیا ہے لہٰذا جو حکم لہو کا ہوگا وہی تجارت کا بھی ہونا چاہیے یعنی ممنوع ہونا چاہیے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوتا۔

علامہ ہلال احمد قادری کی تحقیق کے مطابق لھو کا یہ مفہوم جو فقہا نے اخذ کر کے سماع سے متعلق واویلا کھڑا کیا وہ عہد صحابہ میں کہیں نظر نہیں آتا اور نہ خود بانی شریعت نے کبھی اس کا یہ مفہوم لیا مذکورہ بالا گفتگو اور دلائل اور بعد کے مفسرین وفقہاء کے رخ پر وہ حیرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''تعجب ہوتا ہے علمائے سلف اور کبار مفسرین پر کہ سورۃ لقمان کی آیت میں لھو الحدیث سے وہ سماع وغنا کی

حرمت ثابت کرنے پر مصر ہیں اور دوسری آیات میں جہاں لہو کی اباحت بالقید واضح ہو رہی ہے اس کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ستم یہ ہے کہ اگر کسی نے لھو کی اباحت پر مذکورہ آیات (سورہ بقرہ و جمعہ) سے استدلال کیا تو وہ بھی بعض مفسرین کو سخت گراں گزرتا ہے‘‘—(۷)

مذکورہ دعویٰ کے ثبوت میں وہ علامہ عبدالغنی نابلسی کی تحقیقات اور علامہ آلوسی کی مخالفت کا ذکر کرتے ہیں اور یہ برملا کہتے ہیں کہ یہاں علامہ آلوسی کا محض تعصب ہے تاہم مولانا قادری مرحوم اس بحث کا نتیجہ اخذ کرتے ہوئے متوازن رویہ روا رکھتے ہوئے قیود کے ساتھ ہی مباح قرار دیتے ہیں ورنہ ناجائز کے زمرہ میں داخل مانتے ہیں۔چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

’’اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ سورۂ لقمان میں ’’لھو‘‘ سے غنا اور فضول قصے مراد ہوں گے کیوں کہ شان نزول اسی کا مقتضی ہے دوسری آیات سے ثابت ہوا کہ لھو اس وقت تک مباح ہے جب تک اس میں خلاف شرع باتیں شامل نہ ہوں۔ محافل سماع میں غیر شرعی امور شامل ہو جائیں تو وہ محفلیں بھی ناجائز ہوں گی۔قرآنِ کریم سے براہ راست غنا کی حرمت ثابت نہیں ہوتی اور غنا کی حلت پر کوئی آیت کریمہ اشارہ نہیں کرتی البتہ سماع کے جواز واباحت پر احادیث ہیں‘‘—(۸)

یہاں حضرت مولانا سید ہلال احمد قادری نے ’’حرمت غنا و مزامیر کی احادیث‘‘ کے عنوان سے تقریباً ۱۷ احادیث ابن القیسرانی کے رسالہ کتاب السماع کے حوالہ سے نقل کی ہیں ساتھ ہی ان رواۃ کے استناد پر ناقدین حدیث کی آرا کا ذکر کیا ہے ان کے جو راوی ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کی ہے ساتھ ہی ناقدین احادیث اور ان کی تصانیف کے حوالے کثرت سے دیتے ہیں مثلاً:

(۱) امام ذہبی کی میزان الاعتدال
(۲) ابوحاتم ابن حبّان کی ’’کتاب الضعفاء والمتروکین‘‘
(۳) کتاب الضعفاء للاصبہانی
(۴) ابن شاہین تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین
(۵) کتاب الضعفاء للعقیلی
(۶) کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی
(۷) کتاب الضعفا والمتروکین للدارقطنی
(۸) کتاب الضعفاء للبخاری
(۹) کتاب السماع ابن القیسرانی

یہ تو مذکورہ احادیث اور ان پر جو گفتگو کی گئی یہ حرمت سماع سے متعلق احادیث تھیں لیکن مولانا قادری مرحوم نے اباحت سماع وغنا کے عنوان سے بحسب ذوق بڑی عمدہ گفتگو کی ہے۔

اباحت سماع بالمزامیر اور غنا سے متعلق احادیث صحاح ستہ نیز دیگر کتب احادیث میں بجا طور پر موجود ہیں۔نکاح کے اعلان کرنے میں دف بجانے کا حکم دوسرے یہ کہ کسی صحابیہ نے نذر مانی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوے سے صحیح و سلامت واپس مدینۃ النبی تشریف لائیں گے تو وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجائیں گی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ایک موقع پر عید کے دن حبشیوں کے کھیلنے رقص کرنے اور گانا گانے کا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے

مدینہ میں ہجرت کے اول دن تشریف لانے پر بھی گایا گیا اور بجایا گیا۔انصار مدینہ کے یہاں شادی کے موقع پر خود گانا گانے کی اجازت عطا فرمائی۔صحیح بخاری میں حدیث اس طرح ہے:

عن عائشة انها زفت امرأة الى رجل من الانصار فقال نبی الله صلی الله علیه وسلم ! یا عائشة ما کان معکم لهوا، فان الانصار یعجبهم اللهو– (کتاب النکاح باب النسوة اللاتی یهدین المرأة الیٰ زوجها)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک عورت کو جس کا نکاح ایک انصاری سے ہوا تھا اس کے شوہر کے پاس روانہ کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے عائشہ تمہارے پاس لھو نہیں تھا؟ (یعنی کوئی گانے والی جو اس کے ساتھ گیت گاتی ہوئی جاتی) کیوں کہ انصار گانے کو پسند کرتے ہیں۔

مولانا قادری مرحوم نے اسی مضمون کی حدیث ابن حبان کی نقل کی اور اسی مضمون کی تقریباً سنن ابن ماجہ کی نقل کی پھر یہ کہ سنن ابن ماجہ کی حدیث میں راوی ابوزبیر پر ہونے والے نقد کا جواب دیا اسی کے ساتھ احادیث سے بھی اسی طرح اباحت سماع بالمزامیر کا نتیجہ اخذ کیا جس طرح انھوں نے تفسیر وآیات قرآنی سے سطور بالا میں اخذ کیا تھا چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

''ان احادیث مذکورہ سے لھو یعنی گانے کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے جب شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے انصار کے معاشرے میں رائج اس عمل کو ممنوع اور حرام نہیں فرمایا تو اب اس کی حرمت پر اصرار کیوں ہے؟ ان روایات سے بلا مزامیر سماع کی اباحت پر استدلال کا ہمیں حق حاصل ہے''—(۹)

اب بات آتی ہے آلاتِ غناء کے استعمال کی۔عموماً منکرین سماع کا یہ دعویٰ رہتا ہے کہ جس قدر یعنی دف بجانے کا حکم ہے یا دف کے ساتھ گانا گانے کا حکم ہے تو اس قدر جائز ہوگا۔اس سے زیادہ آلاتِ سماع کے استعمال کی اجازت نہ ہوگی۔ مثلاً ستار، طبلہ وغیرہ بعد کے مروجہ آلاتِ سماع۔اس پر مولانا قادری مرحوم نے بڑی سیر حاصل تحقیقی گفتگو کی ہے۔انھوں نے پہلے تو یہ ثابت کیا کہ دف بھی مزامیر میں شامل ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں:

''احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں اہل مدینہ یہی ساز (دف) استعمال کرتے تھے۔دف کے علاوہ کسی اور ساز کا ذکر نہیں ملتا۔اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دف کے سوا کسی دوسرے ساز کا استعمال ممنوع ہے صحیح نتیجہ نہیں ہے۔اصولی طور پر دف والی احادیث سے ساز وآلات کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔دوسرے ساز کو اسی پر قیاس کیا جائے گا''—(۱۰)

اس سلسلہ میں مولانا قادری مرحوم نے مسند احمد کی نکاح پر دف سے اعلان کرنے کے موضوع پر حدیث نمبر ۴۱۸/۳ مباح کاموں میں آلات غناء کے استعمال پر سنن ابوداؤد کی باب مایومر به من الوفاء بالنذر والی حدیث پیش کی۔ ساتھ ہی مسند احمد کی حدیث نمبر ۳۰۶/۵ صحیح ابن حبان وبیہقی کی احادیث کے مفاہیم سے اپنے موقف کی تائید لی اور اس سلسلے

میں شارحین احادیث نیز علماء اسلام کی آراء کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ساتھ ہی اپنے موقف کی تائید میں زبردست بحث و تحقیق کا طریقہ اختیار کیا اور یہ ثابت کیا کہ اسلام میں صاف ستھرے طریقے سے لھو ولعب کی اجازت ہے جیسا کہ عیدین کے موقع پر مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ نے خود کھیل دیکھا تھا اور ام المومنین کو بھی دکھایا۔مولانا قادری مرحوم نے یہاں صحیح بخاری کی یہ حدیث نقل کی ہے:

عن عائشة رضی الله عنها قالت: رایتُ النبی صلی الله علیه وسلم یسترنی بردائه وانا انظر الی الحبشة یلعبون فی المسجد حتی اکون انا الذی اسأم فاقدروا قدر الجادیة الحدیثة السن الحریصة علی اللهو (بخاری باب نظر المرأة الی الحبش ولهوهم)۔(۱۱)

ترجمہ : حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مجھ کو اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے اور میں حبشیوں کو مسجد میں کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی یہاں تک کہ میں خود اکتا گئی (واپس ہوگئی) تو تم کھیل تماشے دیکھنے کی شوقین کمسن لڑکی کے وہاں کھڑے رہنے کے وقت کا اندازہ کرسکتے ہو۔(یعنی میں بہت دیر تک دیکھتی رہی)

مولانا قادری مرحوم صحیح مسلم کی احادیث بھی نقل کرتے ہیں اور ساتھ ہی تمام احادیث کے مفاہیم پر گفتگو کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں کہ کس حدیث میں مفہوم اباحت لھو یا سماع بالمزامیر کا معنی متعین ہے نیز ایک روایت سے دوسری کی وضاحت کس طرح ہو رہی ہے۔چنانچہ اسی مفہوم کی حدیث میں وہ لکھتے ہیں:

”صحیحین کی یہ روایت نسائی اور ابن حبان میں بھی ہے۔امام بخاری نے اس روایت کو کئی ابواب میں مختلف عنوان کے تحت نقل کیا ہے۔ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حبشیوں کا مظاہرۂ حرب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھنا پسند فرمایا اور ام المومنین کو بھی دکھایا اور اس کھیل کو مسجد میں کھیلنے کی اجازت دی گئی۔ام المومنین نے اس کو لھو میں بھی شمار کیا۔صحیحین اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ اس وقت حضرت عمر آگئے اور انھوں نے حبشیوں کو روکنے کی کوشش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعهم یا عمر (ان کو چھوڑ دو اے عمر) مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی کہ آپ نے فرمایا دونكم یا بنی ارفدة (بنی ارفدہ! اپنا کھیل جاری رکھو)—(۱۲)

مولانا قادری مرحوم مزید آگے فرماتے ہیں:

”ان سب روایات سے ان کے کھیل کی نوعیت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ آپس میں شمشیر زنی کا مقابلہ نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے ہاتھ میں ڈھال تھی۔حراب کے معنی آلات حرب ہیں۔آلات حرب لے کے وہ وہی کر رہے تھے جیسا لوگ محرم کے اکھاڑے میں کرتے ہیں۔اس میں ان کا اچھلنا اور رقص کرنا بھی شامل تھا۔صحیح مسلم کی آخری حدیث سے واضح ہے کہ وہ ہتھیار لے کر رقص کر رہے تھے اور صحیح ابن حبان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ کچھ اشعار بھی پڑھ رہے تھے“—(۱۳)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا قادری مرحوم نے بڑی علمی گفتگو کرتے ہوئے بڑے شواہد پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے موروثی توازن کو برقرار رکھتے ہوئے مخالفین سماع کا بھی پورا احترام روا رکھا اور کہیں بھی زبان تلخ نہیں ہونے دی۔حتیٰ کہ موقف ثانی سے شدت بے زاری کا بھی مظاہرہ نہیں کیا تاہم انھوں نے یہ دعویٰ ضرور کیا کہ مسئلہ سماع ایک فروعی مسئلہ ہے اور اہل علم صوفیہ کو فقہا سے اختلاف کا حق حاصل ہے۔اپنی خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں منعقد ہونے والی محافل سماع کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ساتھ ہی جواز سماع بالمزامیر کی احادیث کو ہر زمانے میں کثرت سے مروی ہونے کی دلیل دیتے ہیں اور حضرت سلطان المشایخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء قدس سرہ کا موقف یہ رکھا کہ انھوں نے اپنے عہد کے مخالفین سماع کے سامنے دف والی روایت پیش کی تھی۔وہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> ”آج سے چھ سات سو سال پہلے نہ کتابیں چھپتی تھیں اور نہ ہندوستان میں تمام کتب احادیث کے نسخے دستیاب تھے۔اس کے باوجود حضرت محبوب الٰہی کا فیصلہ ان کے تعمق علم اور اصابت فکر کا نتیجہ ہے کیوں کہ آج یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ دف بجانے اور دف کے ساتھ گانے کی احادیث اتنی کثرت سے مروی ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور سماع کی اباحت سے انکار محض تعصب مسلکی ہے“—(۱۴)

حواشی :

(۱) مقدمہ نغمات الانس فی مجالس القدس،ص ۲۳
(۲) ایضاً،ص ۲۴
(۳) سورۂ لقمان،۵۶-۷
(۴) مقدمہ نغمات الانس،ص ۲۷
(۵) ایضاً،ص ۳۰
(۶) ایضاً،ص ۳۳
(۷) ایضاً،ص ۳۵
(۸) ایضاً،ص ۳۸
(۹) ایضاً،ص ۶۳
(۱۰) ایضاً،ص ۶۴
(۱۱) ایضاً،ص ۷۷
(۱۲) ایضاً،ص ۷۹
(۱۳) نفس مصدر
(۱۴) ایضاً،ص ۸۱

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حب اہل بیت کے پیکر اور ان کی تالیف
”یزید حقائق کے آئینے میں“

● مفتی محمد رمضان علی قادری — استاذ دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف، پٹنہ

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری بن حضرت مولانا سید شاہ عین احمد قادری کی ولادت شعبان ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔ پیدائش گاہ ہندوستان کا ممتاز و مشہور تاریخ ساز خطہ پھلواری شریف، پٹنہ ہے۔ جہاں برصغیر کے عظیم المرتبت اولیاء و مشائخ کی ولادت ہوئی۔ اپنے آباء واجداد کی قائم کردہ درسگاہ دارالعلوم مجیبیہ میں ہی درسیات کی تکمیل فرمائی۔ جد مکرم حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادریؒ عم مکرم حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ خصوصا اپنے شیخ طریقت حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادریؒ کی تعلیم وتربیت کا مولاناؒ کی شخصیت کی تکوین و تشکیل میں بڑا کردار رہا۔ اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادریؒ سے ان کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔ درس نظامی سے فراغت کے بعد دارالعلوم مجیبیہ میں خدمت تدریس میں مشغول ہو گئے اور مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا درس دیا، معتمد تعلیم کے منصب پر فائز ہوئے، آپ کی نگرانی میں یہ مدرسہ ترقی کرتا رہا۔ طلبہ اور اساتذہ دونوں کے دلوں میں آپ کی بڑی تعظیم وتوقیر اور محبت تھی، طلبہ کے ساتھ حد درجہ شفقت ومحبت سے پیش آتے، طلبہ کی کوتاہیوں اور غلطیوں پر جھڑکنے اور تعریض کرنے کی بجائے شریفانہ اور مشفقانہ انداز سے ان کی تربیت کرتے تھے۔

مولاناؒ کثیر الجہات اور متنوع الصفات شخصیت کے حامل تھے۔ خانوادہ مجیبیہ کی متاع گراں مایہ، نمایاں ترین نمائندہ، اس کی علمی، روحانی اور فکری خصوصیات کے وارث وحامل اور اس کی روایات کے امین تھے۔ قادر الکلام اور بہترین مقرر وخطیب تھے، انہوں نے اپنی تقریروں سے لوگوں کو حد درجہ مسحور ومتاثر کیا، اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ کسی خاص مسلک کی

اشاعت وتبلیغ کی بجائے دین اسلام کی تبلیغ وتشریح کی، افراط وتفریط اور عصبیت سے اجتناب کرتے ہوئے مسلمانوں کو متحد کرنے کی کامیاب کوشش کی، انہوں نے اپنی تحریر وتقریر کو صحابہ کرامؓ، متقدمین اہل السنت والجماعت حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ اور دیگر سلف صالحین علیہم الرحمہ کے معتدلانہ خیالات وافکار کو فروغ دینے کا ذریعہ بنایا۔ بعض عقائد اور فروعی مسائل جن کی وجہ سے مسلمان ایک دوسرے کے دست وگریباں ہوتے ہیں، انہوں نے ان مسائل کو بھی شیریں سخنی کے ذریعہ پیش کرکے مسلمانوں کے انتشار کو کم کیا۔ مجھے ذاتی طور پر ان کے خطابات سے مستفید ہونے کے بہت مواقع میسر ہوئے، متعدد بار ان کے ہمراہ سفر کرنے کا موقع بھی ملا۔ شر پسند عناصر اور بعض مفاد پرست مقرروں کے ذریعہ جس طرح ملت اسلامیہ میں انتشار وخلفشار پیدا کیا جارہا ہے اس سے وہ حد درجہ رنجیدہ تھے اور اپنے خطابات میں اکثر فرماتے تھے ''یہ امت مسلمہ بہت ٹوٹ چکی ہے، اب اس کو متحد کرنے کی ضرورت ہے، یہ امت اس قدر ٹوٹ چکی ہے کہ کوئی بھی شخص اگر اس کو جوڑنے کے لئے مستعدی کے ساتھ تیار ہوجائے تو سب لوگ اس کی پیروی کریں گے۔'' بہرحال انہوں نے ایک مہم کے تحت اپنے خطابات سے امت میں پھیلے ہوئے انتشار واختلاف کو ختم کرنے کی مکمل کوشش کی۔

خانقاہوں کے تعلق سے اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ خانقاہوں میں صرف پیری مریدی ہوتی ہے، وہاں علم وادب، تصنیف وتالیف کہاں؟ لیکن یہ تصور وتاثر تمام خانقاہوں کے ساتھ قائم کرنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے، برصغیر ہند وپاک میں آج بھی ایسی خانقاہیں موجود ہیں جو علم وادب، تصوف واحسان کا گہوارہ ہیں، انہیں میں خانقاہ مجیبیہ بھی ہے جسے اپنے سن قیام سے ہی تصوف واحسان، شریعت وطریقت، علم وادب میں امتیازی شان حاصل ہے، جہاں صوفیاء، علماء، ادباء، شعراء، مصنفین ومؤلفین کی فہرست بہت طویل ہے۔ مولاناؒ بھی ایک بہترین ادیب وشاعر، مصنف ومولف تھے۔ یہ سب علمی، ادبی وعرفانی ورثہ ان کو خانقاہ کے ماحول میں ہی میسر ہوا، اس کے لئے کسی دوسری درسگاہ اور تربیت گاہ کی طرف جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ نے آپ کے علمی وادبی کارنامے سے متاثر ہوکر فرمایا تھا:

> ''جب ان کی پہلی کتاب ''سوانح مولانا شاہ امان اللہ قادری'' دیکھی تھی تو اس عاجز کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ یہ بزرگوں کی کرامت ہے کہ اس دور میں اور خانقاہ کے محدود ماحول میں رہ کر شگفتہ زبان میں سلیقہ کے ساتھ بغیر کسی مدد کے ایک کامیاب سوانح پیش کرسکتے ہیں''— (مقدمہ سیرت پیر مجیب)

مولاناؒ نے جس طرح اپنی تقریروں سے لوگوں کو متاثر کیا اسی طرح اپنی تحریروں سے بھی قارئین کو حیران کردیا۔ مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ کتب خانہ مجیبیہ بدریہ کی کتابوں سے استفادہ کے علاوہ گھر میں بھی اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کیا جس میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں مخطوطہ ومطبوعہ کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کی تصانیف اگرچہ کم ہیں لیکن جس قدر ہیں وہ بہت اہم ہیں، ان کی ہر کتاب دریا بہ کوزہ کی مصداق ہے۔ ہر کتاب ایک خاص مقصد کے تحت لکھی گئی ہے مثلاً ''سیرت پیر مجیب'' بانیٔ خانقاہ مجیبیہ

حضرت تاج العارفین ؒ کی حیات و خدمات کو متعارف کرانے کے لئے تصنیف فرمائی ۔"سوانح حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری ؒ"، لکھ کر حضرت ؒ کی شخصیت وسیرت اور خدمات پر روشنی ڈالی گئی۔

مولانا ؒ میں ایک اہم خوبی اور کمال یہ بھی تھا کہ اگر کوئی شخص اسلام،صوفیہ کرام،علماء عظام کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتا جو ان کے منافی ہوں تو فوراًاس کی گرفت کرتے اور حقائق و دلائل کی روشنی میں اس کی وضاحت کرتے،بسا اوقات اس قدر تفصیل سے جواب لکھتے کہ مضمون و مقالہ کتابی شکل اختیار کر لیتا چنانچہ بعض کتابیں ایسی ہیں جو کسی اعتراض کے جواب میں لکھی گئی ہیں مثلاً"نغمات الانس فی مجالس القدس"،میں محفل سماع کے معترضین کو مدلل ومحقق جواب دیا گیااور خانقاہ مجیبیہ میں پڑھے جانے والے فارسی کلام کا اردو میں ترجمہ کیا گیا۔جب کچھ لوگوں نے خانوادہ زینبیہ پر اعتراض کیا کہ حضرت زینب ؓ کی نسل تو اس دنیا میں باقی نہیں رہی،تب مولانا ؒ نے"خانوادہ سیدہ زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما" تالیف کرکے دلائل و براہین اور تاریخ کی روشنی میں اس حقیقت کو واشگاف کیا کہ حضرت زینب ؓ کی نسل نہ صرف اس دنیا میں باقی ہے بلکہ مختلف ممالک میں بکثرت موجود ہے ۔۲۰۱۹ء میں مولانا ؒ کی ایک اور اہم کتاب "القول السدید لدفع المتعصب العنید" منظرعام پر آئی ۔یہ کتاب بھی ایک خاص مقصد کے تحت معرض وجود میں آئی جسے الگ سے بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے کیوں کہ وجہ تصنیف اس کتاب کے سرورق سے ظاہر ہے،جو کتاب دیکھتے ہی سمجھ میں آجاتی ہے ۔کتاب کے سرورق پر سورہ حجرات کی آیت نمبر:۶،اور اس کا ترجمہ درج ہے ۔

اس کے بعد مولانا ؒ سبب تصنیف لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی سے شائع شدہ کتاب"دبستان نذیریہ"،میں مصنف کتاب نے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے ایک خاص واقعہ کو غلط انداز میں بیان کیا ہے اور خانقاہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو خانقاہ کے مسلک و مشرب کے بالکل منافی ہیں ۔اس تحریر میں مصنف کے کذب و افترا سے بھرے دعووں پر گرفت کی گئی ہے اور اصل حقائق واضح کئے گیے ہیں ۔"

ان تالیفات وتصانیف کے علاوہ مختلف موضوعات پر ان کے وقیع مقالات و مضامین بھی رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں اگر ان کو موضوعاتی لحاظ سے مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کئے جائیں تو کئی اہم کتابیں تیار ہو سکتی ہیں ۔مولانا ؒ کو دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے شائع ہونے والا مشہور ومقبول دینی،علمی اور ادبی مجلہ"سہ ماہی المجیب"،سے قلبی لگاؤ تھا،وہ اس کے مستقل مضمون نگار تھے اور اس کے لئے فکر مند رہتے تھے ۔انہوں نے ایک سرپرست کی حیثیت سے مجلہ کے لئے خدمات کیں، اس کے معیار کو قائم رکھنے اور اس کو ترقی دینے میں انتھک کوشش کی ۔اگر کوئی شخص شرعی مسئلہ دریافت کرتا تو مولانا ؒ بڑی تشریح وتفصیل سے مستفتی کا جواب دیتے،کچھ فتاوی اس قدر طویل ہیں کہ وہ"المجیب"،میں فقہی مضامین کے طور پر شائع ہو چکے ہیں ۔

سر دست حضرت مولانا موصوف ؒ کی اہم کتاب ''یزید حقائق کے آئینے میں'' کا جائزہ لینا مقصود ہے ۔ہم اہل سنت و جماعت ہیں ۔اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام ؓ کا بے حد ادب و احترام کرتے ہیں ،ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور اس کو اپنے لئے عظیم سعادت سمجھتے ہیں ۔حب اہل بیت اور صحابہ کرام ؓ میں توازن کو برقرار رکھتے ہیں ۔صرف صحابہ کرام ؓ سے عقیدت ومحبت رکھنا اور اہل بیت سے بغض وعداوت رکھنا ناصبیت ہے اور ہم ناصبیوں کے طریقہ سے گریز کرتے ہیں ۔اہل بیت اطہار کی تعظیم و توقیر کرنا اور صحابہ کرام ؓ پر سب وشتم کو روا رکھنا رافضیت ہے اور ہم روافض کے رویہ اور روش سے بھی اجتناب کرتے ہیں ۔دونوں سے محبت کرنا ،دونوں کا احترام کرنا ،ان کی پیروی کرنا اور اس توازن کو قائم رکھنا اہل سنت و جماعت کی شناخت ہے اور ان خصوصی امتیازات میں سے ہے جو ہمیں دیگر فرقوں سے علیحدہ کرتی ہیں ۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی صحبت اقدس میں چند لمحات کی حاضری بھی نعمت عظمیٰ ہے ۔صحابہ کرام ؓ کی وہ قدسی جماعت اور آغوش نبوت کے فیض یافتگان نہایت عظیم المرتبت ہیں جنہوں نے طویل مدت تک نبی اقدس ﷺ سے ایمانی ، روحانی ،اخلاقی تربیت حاصل کی اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو مکمل طور پر اپنے اندر جذب کرلیا۔آپ ﷺ نے ایسی تربیت فرمائی کہ وہ اس تربیت کے اعلیٰ مظاہر ہیں ۔اور یہ کہ دنیا نے صحابہ کرام ؓ کی طرح برگزیدہ نفوس کبھی نہیں دیکھے ۔آپ ﷺ کی صحبت سے وہ اس قدر مستفیض ہوئے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد وہ انسانی آبادیوں کے سب سے بڑے مقتدا اور پیشوا بن کر سامنے آئے ۔اس لئے صحابہ کرام ؓ کی قدسی جماعت تمام انسانوں کے لئے واجب التعظیم ہے،ان کی شان میں ادنیٰ درجہ کی بھی گستاخی ایمان کے لئے خطرہ ہے ۔

حضرت علی ،حضرت فاطمہ،حضرت امام حسن ،حضرت امام حسین علیہم السلام کو ایک فضیلت تو یہ حاصل ہے کہ صحابہ اخیار ہیں اور دوسری بڑی اور اہم فضیلت یہ حاصل ہے کہ اہل بیت اطہار ہیں ۔قرآن کریم اور احادیث میں صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کے فضائل وکمالات کا بیان موجود ہے ۔اہل بیت کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات موجود ہیں ۔احادیث کا معتد بہ حصہ وہ ہے جس میں مسلمانوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ وہ اہل بیت اطہار کا احترام کریں ،ان سے محبت کریں ، حب رسول ﷺ متقاضی ہے حب اہل بیت کا ۔اہل بیت کا ادب واحترام اور ان سے محبت کرنا ایمان کی بنیاد ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے:

أساس الإسلام حبي وحب أهل بيتي۔ (کنز العمال،باب فضائل اهل البیت: ۶۴۵/۱۳)

ترجمہ : اسلام کی بنیاد میری اور میرے اہل بیت کی محبت ہے ۔

جس طرح نبی اقدس ﷺ سے محبت کرنا ایمان کی دلیل ہے اسی طرح اہل بیت سے محبت کرنا ایمان کی دلیل ہے ۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اہل بیت سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے ۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اہل بیت سے محبت کی

اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان کی ایذا رسانی کی اس نے مجھے تکلیف دی ۔ترمذی کی روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه و سلم حسين منى وأنا من حسين أحب الله من أحب حسينا۔(ترمذی: باب مناقب الحسن والحسين:۶۵۸/۵)(مسند احمد بن حنبل:۱۷۲/۴،المعجم الكبير للطبرانی:۵۷/۳)

من آذى عليا فقد آذانی۔(كنزالعمال ۶۰۱/۱۱)

ترجمہ: جس نے علیؓ کو تکلیف دی اس نے میری ایذارسانی کی۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں،اللہ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔

من أحب عليا فقد أحبنی ومن أبغض عليا فقد أبغضنی۔(كنزالعمال،فضائل علی رضی اللہ عنہ:۶۰۱/۱۱۔المستدرك للحاكم، ذكر اسلام امير المومنين رضی اللہ عنہ:۱۴۱/۳)

محبت مصطفی علیہ الصلوۃ والسلام اور محبت اہل بیت اطہارؓ کا تقاضا ہے کہ مسلمان صدق دل سے ان کا احترام کریں۔اگر کوئی شخص ان کی شان میں گستاخی کرے، بے توقیری کرے، ایسی بات کہے جس سے ان کی توہین و تذلیل ہو تو اس کا دفاع لازمی ہے اور یہ مسلمانوں پر ایسا حق ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔یوں تو اہل بیت اطہار کی شان میں گستاخی کرنے، ان کی عظمت و رفعت کر کم کرنے، ان کی محبت کو مسلمانوں کے دلوں سے ختم کرنے کی ناپاک کوشش اور پروپیگنڈے پھیلانے کا کام بنی امیہ اور خوارج کے دور سے ہی ہو رہا ہے۔لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جب بھی اہل بیت اطہار سے مسلمانوں کو متنفر کرنے کی کوشش کی گئی تو دور صحابہ کرامؓ سے اب تک اہل حق نے اس ایمان سوز فتنہ کو ختم کرنے، عظمت و فضیلت اہل بیت کو ثابت کرنے اور مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کرنے کی ذمہ داری کو بڑی فکر و توجہ اور محنت سے انجام دیا۔ قرآنی آیات و احادیث کو جمع کیا جو اہل بیت اطہار کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہیں،اس طرح مناقب کا بڑا ذخیرہ لوگوں کے سامنے آگیا اور وہ فتنہ انگیزوں کے پروپیگنڈے سے محفوظ ہو گئے، ان کا ایمان سالم رہا۔

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ''یزید حقائق کے آئینے میں'' اس سلسلہ کی ایک سنہری کڑی ہے۔جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا کہ مولاناؒ کی پرورش و پرداخت، ایک دینی و روحانی خانوادہ میں ہوئی اور سونے پر سہاگہ کہ وقت کے نامور عالم ربانی اور صوفی کامل حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادریؒ کے سایہ عاطفت میں تعلیم و تربیت ہوئی جس کے سبب مولانا نے علم و معرفت اور دانش و آگہی کے مدارج طے کئے، اور حضرت امان المستجیرینؒ کی روحانی و علمی اور ربانی مجالس کے انوار سے مستنیر ہوئے، جینے کا سلیقہ سیکھا، علم و حکمت کے شہ پارے حاصل کئے۔

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ ایک سچے عاشق رسول ﷺ ہونے کے ساتھ اہل بیت اطہارؓ کے بھی مداح اور شیدا تھے۔ اس کا مظہر آپؒ کے کلام میں متعدد بار نظر آتا ہے۔ آپ کے مواعظ سننے اور مضامین پڑھنے سے آپ کی شخصیت میں عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اھل بیت اطہار سے سچی عقیدت وارادت کی فراوانی نظر آتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ سے قلم وقرطاس اور بیانات کے ذریعے اہل بیت اطہارؓ کی عقیدت ومحبت کو موجزن کرنے کے کوشاں رہے ہیں۔

ہر سال عاشوراء کے دن خانقاہ مجیبیہ کے سماع خانے میں ذکر شہادت امام حسینؓ ہوتا ہے۔ شہادت امام حسینؓ کی خبر نے رسول اللہ ﷺ کو وقوع شہادت سے بہت پہلے رلایا اور شہادت کے بعد بھی قتل حسین پر آپ کی بے چینی اور واضطراب کا عجیب عالم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت مولاناؒ شہادت امام حسینؓ کا بیان کرتے تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا، آپ خود بھی روتے اور بیان سننے والے حضرات بھی رو پڑتے۔

مؤلفؒ نے قرآن وحدیث، تاریخ وسیر کی کتابوں میں غواصی کر کے اپنی کتاب میں قیمتی لعل وگہر محبان وعاشقان اہل بیت کے سامنے پیش کئے ہیں۔ اس کتاب سے حامیان یزید کے خیالات فاسدہ کی تردید ہوتی ہے۔ جو انکشاف حقیقت کے بعد بھی حب یزید میں مبہوت ومسحور ہیں۔

کتاب کے مطالعے سے جو مشترک خوبیاں سامنے آتی ہیں وہ یہ کہ مؤلف نے زبان وبیان کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے، وہ خود ایک ماہر زبان وبیان مقرر، مقالہ نگار اور شاعر تھے۔ وہ کم گو لیکن فصیح گو شخص تھے۔ اپنے موقف کو رکھتے ہوئے صاف گوئی اور بے لاگ بیانی سے کام لیا ہے۔ اصل مراجع ومصادر کے عربی حوالے بھی نقل کر دیئے گئے ہیں۔ درمیان میں کبھی پورے شعر اور کبھی ایک مصرعے کا برمحل استعمال کر کے اپنی باتوں کو تقویت بخشی ہے۔

اس کا پہلا ایڈیشن ۲۰۰۹ء میں دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ نے شائع کیا تھا۔ کتاب کی اہمیت وتقاضے کے مطابق دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۶ء میں اسی اشاعتی ادارہ سے شائع ہوا۔ یہ کتاب ۱۴۴ صفحات کو محیط ہے۔ یہ تالیف ۸۲ عنوانات پر مشتمل ہے۔ دوسری بار کتاب کی طباعت میں دو اہم تحقیقی مسئلے کا اضافہ کیا گیا۔ ان میں سے ایک مسئلہ یزید کی مغفرت کا ہے اور دوسرا مسئلہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے متعلق ہے۔ پہلے ایڈیشن کے بعد ایک اعتراض سامنے آیا تھا کہ حضرت ام سلمہؓ کا وصال واقعہ کربلا سے قبل ہو چکا تھا، اس لیے واقعہ کربلا کے بعد خواب میں رسول اقدس ﷺ کو غمزدہ دیکھنے کی روایت غیر مستند ٹھہرتی ہے۔ حضرت مؤلفؒ نے تحقیق کے بعد اس کا جواب تحریر کیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کی وفات سن ۶۱ھ یا سن ۶۲ھ میں ہوئی ہے۔

سبب تالیف یہ ہے کہ غالباً ۲۰۰۸ء کو ایک اخبار میں یزید کا مسئلہ معرض بحث بنا، یزید کی حمایت ومخالفت میں مضامین شائع ہوئے۔ یزید کی حمایت کر کے اہل بیت کی عظمت وتقدس کو مجروح کرنے اور واقعہ کربلا کی اہمیت کو کم کرنے کی ناپاک

کوشش کی گئی۔جنہوں نے تاریخ وسیر کی کتابوں سے غلط استدلال کر کے یزید کی حمایت کی تھی اس کا تعلق فرقہ غیر مقلد سے تھا۔ حمایت یزید کا نظریہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔اس شخص مذکور نے ناصبیوں اور خارجیوں کے فاسد و باطل نظریہ سے اتفاق کرتے ہوئے یزید کی حمایت کی۔اس کو صالح قرار دیا،امیر المومنین کہا اور اس کے نام سے آگے''رضی اللہ عنہ''جوڑا۔حضرت مولانا موصوفؒ نے حامیان یزید کو دلائل و براہین کی روشنی جواب دینے کی سعی جمیل کی چنانچہ عرض مولف میں لکھتے ہیں:

''بعض موضوعات پر بادل ناخواستہ قلم اٹھانا پڑتا ہے،اس کتاب کا موضوع بھی کچھ ایسا ہی ہے۔یزید کا ذکر ہی طبیعت کو ناگوار ہے۔چہ جائیکہ اس کے سیاہ کارناموں کے لکھنے میں وقت ضائع کیا جائے......یزید کو خلیفہ برحق اور نیک و صالح یہاں تک کہ جنتی ثابت کرنے کی کوشش نئی بات نہیں ہے۔فرقہ خارجیہ اور ناصبیہ،یہ کام پہلے بھی کرتا رہا ہے۔لیکن جب تک صحابہ و اہل بیت کی محبت اور ان کا احترام،مسلمانوں میں راسخ رہا۔اس قسم کی ہفوات کو ایک دیوانے کی بکواس سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی—اس لئے نواصب وخوارج کا فرقہ تقریباً ختم ہو چکا تھا......سال گذشتہ یزید کا مسئلہ ایک اخبار میں معرض بحث بنا،حمایت ومخالفت میں مضامین آئے......راقم الحروف نے اخبار کی اس بحث کو بغور پڑھا تھا،جن لوگوں نے یزید کی حمایت میں لکھا تھا،انہوں نے تاریخ وسیر سے غلط استدلال کیا تھا،اور جنہوں نے اس کی مخالفت میں قلم اٹھایا تھا،انہوں نے محض جذبات کا اظہار کیا،البتہ ایڈیٹر نے عقلی طور پر عمدہ دلائل پیش کئے تھے۔راقم نے محسوس کیا کہ اس موضوع پر علمی اور تاریخی دلائل پر مشتمل ایک مختصر تحریر کی اس وقت بہت ضرورت ہے،اہل علم اس مسئلے پر توجہ نہیں دے رہے ہیں شاید ان کی نظر میں یہ چھوٹی سی بات ہے۔اس طرح کی باتیں برابر ہی کچھ نہ کچھ سامنے آتی رہتی ہیں جس سے قوم کو نقصان ہوتا ہے جو مسلمہ باتیں،معتقدات سے تعلق رکھتی ہیں،آپ غور کریں گے کہ انہی کے خلاف اعتراضات اٹھتے ہیں،اس طرح تحقیق اور ریسرچ کے نام پر دین کے مسلمات پر ضرب لگانے کی کوشش کی جارہی ہے''—(ص:۷تا۹)

کتاب کے اوائل میں مؤلفؒ نے سب سے پہلے یزید کی صالحیت کی تردید کی ہے اور مدعیان کے دعوی کا ابطال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو لوگ یزید کی حمایت کرتے ہیں،اس کو صالح اور نیک کہتے ہیں،امیر المومنین کہتے ہیں وہ دراصل دین اسلام کا استہزاء کرتے ہیں۔اس کے بعد بڑی تفصیل سے کتب معتبرہ کے حوالے سے یزید کے فسق وفجور کا ذکر کیا ہے کہ وہ ایک عیاش،فاسق وفاجر،بدزبان،سنگ دل،مئے نوش اور بدکار انسان تھا۔

شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے،شراب نوشی ہی فسق وفجور کی اصل ہے اس لئے مؤلف نے اس کی مئے کشی اور اس میں اس کے بلند ذوق کا متعدد بار ذکر کیا ہے تا کہ حامیان یزید کو اس کی صالحیت کے بجائے اس کی طالحیت اور فسق نظر آجائے۔

جب اس کی جانشینی کا مسئلہ سامنے آیا تو اس دور کے موجود صحابہ کرامؓ نے اس کی شدید مخالفت کی اور اس کی ولی عہدی کو قیصر وکسریٰ کا طریقہ بتایا۔مخالفت کے باوجود یزید تخت پر بیٹھا،اس طرح خلافت علی منہاج النبوۃ کی جگہ ملوکیت قائم ہوئی۔

چہارسو سے یزید کی جانشینی کی سختی سے مذمت ہونے لگی۔صحابہ کرامؓ نے بیعت سے انکار کر دیا کیونکہ وہ اس کا اہل ہی نہیں تھا لیکن حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد لوگوں سے جبرا بیعت لی گئی۔مؤلف ؒ لکھتے ہیں:

''سن ۶۰ھ میں حضرت معاویہ کے انتقال کے بعد اموی حکومت کے غیر دینی رجحان رکھنے والے اراکین سلطنت نے یزید کو تخت سلطنت پر بٹھایا اور پوری مملکت میں بیعت خلافت کا سلسلہ جاری کر دیا،اور لوگوں سے جبراً یزید کی بیعت لی گئی- یہاں تک کہ صحابہ کرام کو ڈرا دھمکا کر بیعت کیلئے مجبور کیا گیا،اور انہوں نے رفع فتنہ کیلئے مجبوراً ایک فاسق حکمراں کو قبول کرلیا- صحابہ کرام نے رخصت کا راستہ اختیار کر کے بظاہر فاسق و فاجر اور نااہل حکمراں کی خلافت تسلیم کرلی،لیکن دل سے قبول نہیں کیا''—(ص:۱۵)

حضرت مسلم بن عقیل نے کوفہ پہنچ کر وہاں کے جو حالات آپ کو لکھے وہ امید افزا تھے۔ان کا خط ملنے کے بعد آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ فرمایا،اصحاب رسول کو جب حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سفر عراق کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا کہ اہل کوفہ آپ کو دھوکہ دیں گے،وہ یزید کے مقابلے میں ہرگز آپ کی حمایت نہیں کریں گے۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام حالات و واقعات سے پورے طور پر باخبر تھے،اور انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ اس معاملے میں ان کی جان بھی جاسکتی ہے،ان سب باتوں کے باوجود آپ کے عزم وارادے میں کمزوری نہیں آئی،اسلئے کہ :

(الف) آپ کو خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کے لئے قوم نے آپ کو پکارا تھا۔جب سارے لوگ اس ''منکر'' کو مٹانے کی قوت نہ پا کر رخصت اور صبر کی راہ اختیار کر چکے تھے،ایسی صورت میں آپ کے لئے عزیمت کی راہ اختیار کرنی ضروری تھی۔

(ب) آپ کے اس اقدام کے نتائج پر جو اندیشے مخلصین نے ظاہر کئے تھے وہ آپ کی نگاہ میں بے معنی تھے،کیونکہ نتائج کی پرواکی جائے تو جہاد ہی ساقط ہوجائے گا اور کبھی کسی ظالم حکمراں کے خلاف آواز نہیں اٹھے گی۔

(ج) آپ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ آپ کہیں بھی رہیں گے یزیدی حکومت آپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دے گی،آپ پر قابو پانے کے لئے مکہ مکرمہ پر بھی حملہ ہوسکتا ہے اور مدینہ طیبہ پر بھی یزید فوج کشی کرسکتا ہے،آپ کو بہرصورت یا تو یزید کی بیعت کرنی تھی یا جنگ کیلئے تیار ہونا تھا،اور آپ کو حرمین شریفین کی بے حرمتی ہرگز پسند نہیں تھی۔

(د) مخلصین نے آپ کو صرف محبت کی بناء پر آپ کو روکا تھا ورنہ خلافت اسلامی کے احیاء کی یہ پہلی کوشش تھی،اس سے پہلے ایسی صورت سامنے نہیں آئی تھی جس کو مثال بنا کر آپ کے سامنے پیش کیا جاتا،اور ماضی کے واقعات کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں تھا۔

(ہ) اگر آپ اہل کوفہ کی دعوت قبول نہ کرتے اور یزید کی بیعت کر لیتے تو آج کا مؤرخ یہ کہتا کہ ''خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کا ایک موقع آیا تھا اور نواسۂ رسول اللہ کو انعقاد خلافت کی دعوت بھی دی گئی تھی لیکن انہوں نے بزدلی دکھائی اور خلافت کی

بجائے ملوکیت اور شخصی بادشاہی کو قبول کرلیا'' اور یہ بات کہنے میں وہی لوگ پیش پیش رہتے جو آج سیدنا امام عالی مقام کے مجاہدانہ اقدام کو غلط قرار دیتے ہیں اور یزید پلید کی تعریف کرتے ہیں۔

تاریخ کی روایت ہے کہ جنگ سے پہلے یزیدیوں کے سپہ سالار عمرو بن سعد سے حضرت امام کی کچھ گفت وشنید ہوئی، حضرت امام نے یہ تجویز رکھی کہ ان کو چھوڑ دیا جائے وہ مکہ واپس چلے جائیں گے، یہاں تک تو روایت درست ہے، لیکن اس میں کچھ غیر مستند اضافے بھی شامل ہو گئے ہیں، وہ یہ کہ حضرت امام نے تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت مان لینے کی تجویز رکھی کہ ''یا تو آپ کو مکہ واپس جانے دیا جائے جہاں سے آئے ہیں، یا سرحد پر جانے دیا جائے جہاں آپ راہ حق میں جہاد کریں یا یزید کے پاس جانے دیا جائے تا کہ آپ خود اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں'' طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور بعد کے مؤرخ بھی ان جملوں کو اسی طرح نقل کرتے آئے ہیں۔ لیکن یہ روایت بالکل غیر مستند ہے، کیونکہ اس روایت کا ایک راوی مجالد بن سعید، محدثین کے نزدیک پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، یعنی جھوٹی روایت بیان کرتا ہے، ذہبی اور ابن حجر نے اس پر جرح کی ہے۔

یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے والی روایت کو یقینا ناصبیوں اور خارجیوں نے مشتہر کیا ہوگا، حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ میں محمد خضری کی تحقیق بھی یہی ہے ـــ وہ لکھتے ہیں :

''یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزیدی لشکر کے سامنے یہ بات رکھی کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کیلئے تیار ہیں مگر ان لوگوں نے قبول نہیں کیا اور آپ کے سامنے یہ بات رکھی کہ ابن زیاد کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کریں۔ غرض یہ روایت کہ آپ یزید کی بیعت کیلئے تیار ہو گئے تھے، نہ درایت کے اعتبار سے صحیح ہے نہ روایت کے لحاظ سے'' ـــ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد: ۲)

اہل بیت رضی اللہ عنہم پر میدان کربلا میں یزید کے لشکر نے ظلم و بربریت کی انتہاء کردی چنانچہ صاحب کتاب رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

''سیدنا امام حسین علی جدہ وعلیہ السلام کے سب کچھ کہہ دینے کے بعد بھی، دشمنوں کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوا، تاریخ کی مستند روایت ہے کہ اہل بیت پر پانی بند کردیا گیا...... حسین ں کی تمام تر فضیلت ایک طرف تھی اور یزیدیوں کی تلواریں ایک طرف تھیں۔ بے سروسامان بہتر نفوس کے مقابلے میں یزیدی فوج ہزاروں کی تعداد میں تھی۔ یہ جنگ نہیں تھی بلکہ ایک طرف سے قتل عام اور دوسری طرف سے دفاع کی کمزور سی کوشش تھی، نتیجہ ظاہر تھا، کربلا کی زمین اہل بیت کے خون سے تر ہوتی رہی، بلکہ یوں کہیئے کہ اہل بیت کی رگوں میں دوڑتا ہوا رسول اللہ کا خون کربلا میں بہایا جاتا رہا، بوڑھے، نوجوان، یہاں تک شیر خوار بچے بھی قتل کر دیئے گئے، نواسۂ رسول حسین علیہ السلام کو بے دردی سے قتل کیا گیا، جسم شریف کو گھوڑوں سے پامال کیا گیا، سر مبارک کو جسم شریف سے کاٹ کر نیزے پر رکھا گیا، تمام شہداء کے کپڑے اتار لئے گئے، اور ظالموں نے آپس میں تقسیم کر لئے۔ تمام شہداء کے سر کاٹ کر یزید پلید کے ملاحظے کیلئے بھیجے گئے'' ـــ (ص: ۳۵ تا ۳۶)

واقعہ کربلا کے بعد یزید کے فسق وفجور اور ظلم وستم کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔اس وقت عالم اسلام میں حرمین شریفین ہی ایسی جگہ تھی جہاں خیار امت جمع تھے۔صحابہ کرامؓ،تابعینؒ،تبع تابعینؒ بڑی تعداد میں موجود تھے،جنہوں نے یزید کی مخالفت کی تھیں، یزید نے ان سے نپٹنے کے لئے حملے کئے۔حرمین شریفین کے احترام کا بھی خیال نہیں رکھا،اس نے جو بے حرمتی کی اس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔دنیا میں بڑے بڑے انقلاب آئے لیکن جس طرح حرمت حرم مکی وحرم مدنی کی پامالی یزید کے دور میں ہوئی،صحابہ کرامؓ اور تابعین،تبع تابعین کا قتل عام ہوا،ان کی تذلیل ہوئی،ایسا کسی دور میں نہیں ہوا تھا۔

حضرت مؤلف علیہ الرحمہ عاشوراء کے روز، دوران ذکر شہادت جب سیدنا امام حسینؓ کے سر مبارک کی توہین کا بیان کرتے تو آپ کی آنکھیں اشکبار ہوجاتیں۔وہ واقعہ یہ ہے کہ جب یزید کے سامنے امام حسین کا سر مبارک لایا گیا تو وہ چھڑی سے ان کے دانتوں کو ٹھکراتے ہوئے کہنے لگا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ ابوعبداللہ (کنیت حضرت امام) اس عمر کو پہنچ چکے تھے، اس وقت داڑھی اور بالوں سے خضاب کا رنگ اتر گیا تھا۔

اس کے باوجود یزید کو خلیفہ برحق کہنا،اس کے نام کے آگے ’’رضی اللہ عنہ‘‘ استعمال کرنا،اس کو قابل احترام سمجھنا دین اسلام اور حرمین شرفین کا استہزاء نہیں ہے؟ کیا ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم ﷺ راضی ہوسکتے ہیں جس نے اہل بیت اطہار کا بے دریغ خون بہایا؟ ہمیں اندیشہ ہے کہ یزید اور اس کے حامیوں کی ہمدردی ہمارے ایمان کے لئے خطرناک ہوسکتی ہے۔

’’یزید حقائق کے آئینے میں‘‘ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں حضرت مولانا موصوفؒ نے بڑی جانفشانی اور سلیقہ سے اہل بیت کی فضیلت میں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات وفرامین کو جمع کیا ہے تاکہ ان کے فضائل ومناقب سے خوب واقفیت ہوجائے،ہر فرد صریح طور پر سمجھ لے کہ حضرت سیدنا امام حسینؓ حق پر تھے اور ان کا ہر قدم حق بجانب تھا۔

’’سنن ترمذی کی روایت حضرت جابر سے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے میدان عرفات میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ’’اے لوگو! میں تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم ان کو اختیار کرلو تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، وہ اللہ کی کتاب اور میری عترت اور اہل بیت ہیں‘‘ —(ص:۶۵)

علماء کے درمیان یزید پر لعنت کا مسئلہ بڑا اہم ہے کہ یزید کو ملعون کہنا،اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کا تعلق عقیدہ سے بھی ہے اس لئے اس کی وضاحت بے حد ضروری ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یزید کے حکم سے ہی اہل بیت اطہارؓ کا قتل ہوا اور وہ اس سے راضی بھی تھا۔قرآن میں قتل عمد کے مرتکب کے لئے کئی چیزوں کی صراحت کی گئی ہے، دخول جہنم،غضب،لعنت۔یزید نے قتل عمد کا ارتکاب کیا اس لئے اس پر صرف لعنت ہی نہیں بلکہ وہ عذاب کا بھی مستحق ہے۔ مولاناؒ نے ایک مستقل عنوان ’’یزید پر لعنت کا مسئلہ اور علماء حق کا موقف‘‘ قائم کرکے اس مسئلہ کی صراحت کی ہے کہ اس پر لعنت

کرنا اور اس کو ملعون کہنا اہل حق کے نزدیک جائز ہے۔حدیث شریف میں اس شخص پر واضح الفاظ میں لعنت کی گئی ہے جس نے عترت و اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا۔

مداح یزید نے ایک فتوی کی نسبت حضرت امام غزالیؒ طرف کرکے اپنے ممدوح کو لعنت سے بچانے کی کوشش کی ہے۔اس فتوی میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ ''شخص معین پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے''۔حضرت مولانا موصوفؒ نے اس فتوی کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

''اس فتوے کی نسبت حجۃ الاسلام کی طرف صحیح نہیں معلوم ہوتی، یا پھر ان کی عبارت میں تحریف کی گئی ہے، ویسے کئی علمائے سلف نے جو امام غزالی کے ہم مسلک ہیں، ان کا رد لکھا ہے۔بعض علماء نے بہت سخت الفاظ میں امام غزالی کی تردید کی ہے''۔۔۔(ص:۸۷)

اس کے بعد امام احمد بن حنبلؒ، امام کردریؒ، ابن جوزیؒ، علامہ صالح مقبلی، امام کیاہراسی، صاحب شرح عقائد نسفی علامہ سعدالدین تفتازانیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، علامہ ابن حزم ظاہریؒ، علامہ ابن کثیرؒ، حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی، نواب صدیق حسن خاں کے اقوال وفتاوی کو نقل کرکے ثابت کیا ہے کہ یزید ملعون پر لعنت جائز ہے۔یزید پلید نے ہی قتل امام حسینؓ کا حکم دیا اور اس پر رضامندی کا اظہار کیا، شہادت امام حسین کے بعد اس نے حرم مکہ و مدینہ منورہ کی عزت کو پامال کیا، مدینہ منورہ کی تخریب کے لئے لشکر روانہ کیا، صحابہ کرامؓ کی تذلیل کی، قتل کا حکم دیا، خصوصاً عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل کے درپے ہوگیا اور اسی ناپسندیدہ حالت میں اس کی موت ہوگئی اس لئے وہ لعنت ابدی کا مستحق ہے۔

جیسا کہ آغاز مقالہ میں آپ کو معلوم ہوا کہ طبع ثانی میں حضرت مؤلف علیہ الرحمہ نے دو مسئلے کا اضافہ کیا ہے۔ایک مسئلہ کا تعلق حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کی وفات سے ہے۔دراصل ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں غمزدہ دیکھا، سبب دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے ابھی حسین کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے''۔

جب پہلی مرتبہ اس کتاب کی اشاعت ہوئی تو ایک اعتراض سامنے آیا کہ حضرت ام سلمہؓ کی سن وفات ۵۹ھ ہے جب کہ سانحہ کربلا سن ۶۱ھ میں پیش آیا، اس لئے یہ روایت درست نہیں ہے۔حضرت مولاناؒ نے اس اعتراض کا جائزہ لیا اور تحقیق کی تو انکشاف ہوا کہ حضرت ام المومنینؓ کی سن وفات ۶۱ھ یا ۶۲ھ ہے۔آپؒ نے لکھا کہ اس روایت پر شبہ کی وجہ یہ ہے کہ واقدی نے ان کا سال وفات سن ۵۹ھ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں واقدی کا تعاقب کیا ہے اور سن ۵۹ھ کی تاریخ کو غلط قرار دیا ہے۔

صحیح مسلم، ابن حبان، ابونعیم کی معرفۃ الصحابہ، ابن اثیر کی اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، حافظ ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمییز الصحابہ جیسی اہم اور مستند کتابوں کے حوالے سے مؤلف ؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ ؓ کی سن وفات ۶۱ھ یا ۶۲ھ ہے۔ حافظ ابونعیم نے صراحت کی ہے کہ ان کی وفات سن ۶۲ھ میں ہوئی ہے۔ سانحہ کربلا کے بعد وفات کی سب سے واضح دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جسے حضرت مولانا ؒ نے نقل کی ہے:

''سب سے مضبوط دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان، حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس زمانے میں یزید بن معاویہ مدینہ منورہ پر حملے کی تیاری کر رہا تھا، اس کے کچھ عرصہ بعد ہی واقعۂ حرہ پیش آیا، ان دونوں نے حضرت ام سلمہ سے اس لشکر کے بارے میں استفسار کیا جس کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، کیونکہ حدیث میں پیش گوئی فرمائی گئی ہے کہ حرمین شریفین پر حملہ کے لئے ایک فوج چلے گی اور اس کو حدود حرم پہنچنے سے پہلے زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ حضرت ام المومنین نے ان سے وہ حدیث بیان فرمائی، شاید دونوں حضرات یہ جاننا چاہتے ہوں گے کہ وہ یزیدی فوج تو نہیں ہے''۔۔۔(ص:۷۷)

یہ صحیح ہے کہ واقعہ حرہ سے قبل حضرت ام سلمہ ؓ کا وصال ہوا تھا لیکن صحیح مسلم کی روایت کی بنیاد پر واقعہ کربلا کے وقت حضرت ام سلمہ ؓ کا حیات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ پر یزید کے حملے کے وقت وہ حیات تھیں اور یہ حملہ سانحہ کربلا کے بعد ہوا ہے۔ مذکورہ دلائل سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت ام المومنین کی وفات سن ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں ہونا صحیح اور درست ہے۔

اضافہ شدہ دوسرے مسئلے کا تعلق یزید کی مغفرت سے ہے۔ اس کی مغفرت کی مسئلہ معرض بحث رہا ہے۔ ناصبیوں اور ناصبی فرقہ سے تعلق رکھنے والے یزید کی مغفرت کا دعویٰ کرتے ہیں، بخاری شریف کی ایک حدیث کو بنیاد بنا کر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ یزید جنگ قسطنطنیہ میں سپہ سالار کی حیثیت سے شریک تھا، حدیث میں ان تمام لوگوں کے لئے جنت کی بشارت ہے جو اس جنگ میں شریک تھے، اس لحاظ سے یزید قابل احترام ہے۔

حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ اپنے آباء و اجداد کی قائم کردہ درسگاہ دارالعلوم مجیبیہ میں کافی عرصے تک درس حدیث دیتے رہے۔ صحاح ستہ کی کتابیں آپ پڑھاتے تھے۔ فن حدیث سے کافی شغف تھا، وہ کس قدر وسیع المطالعہ تھے اس کی جھلک یہاں دیکھ سکتے ہیں کہ انہوں نے احادیث اور اقوال محدثین کی روشنی میں یزید کی مغفرت کے مدعیان کی طرف سے پیش کردہ حدیث قسطنطینیہ کی کس طرح تحقیق فرمائی ہے۔ اس حدیث پر گفتگو کرنے سے قبل آپ ؒ نے لکھا ہے کہ یزید کی مغفرت ثابت کرنے کی کوشش فضول ہے بلکہ ایمان کے تقاضے کے خلاف ہے۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں محبوب ہے وہ ہر مسلمان کے نزدیک محبوب ہوگا، اور محبوبا بن رسول ﷺ سے جو متحارب ہوگا وہ مومن کے نزدیک مبغوض ہوگا۔ صحابہ کرام ؓ کے معاملات الگ ہیں، ان کے باہمی اختلافات میں کسی کو برا کہنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن ان کے مقابل کوئی غیر صحابی ہوگا تو وہ

کسی حیثیت سے لائق تعریف نہیں ہوگا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"ھل یحب یزید احد من یومن باللہ والیوم الاٰخر۔(منہاج السنہ)

ترجمہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید سے کیسے محبت کرسکتا ہے؟"۔(ص:۱۱۲)

مداح یزید نے اس کی مغفرت کو ثابت کرنے کے لئے جس حدیث قسطنطینیہ سے استدلال کیا ہے حضرت مؤلفؒ اس کی تحقیق کرنے کے بعد لکھتے کہ ہیں یزید کی مغفرت ثابت کرنے کے لئے مدعیان جو دلیل پیش کرتے ہیں کسی بھی طرح اس سے اس کی مغفرت کا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا۔ مؤلف علیہ الرحمہ نے اس کے کئی اسباب بیان کئے ہیں۔

پہلا سبب: وجہ اول یہ ہے کہ بخاری شریف کی حدیث جس پر یزید کی مغفرت کا افسانہ گڑھ لیا گیا ہے دراصل وہ بخاری میں دو حدیثیں ہیں، دو الگ الگ باب کی۔ حامیان یزید خیانت کرتے ہیں کہ مدینہ قیصر والی حدیث پہلے نقل کرتے ہیں اور پھر محمود بن الربیع کا بیان نقل کرتے ہیں، اور دونوں کو جوڑ دیتے ہیں۔ جس کی نظر براہ راست بخاری شریف پر نہیں ہے وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ مدینہ قیصر والی حدیث اور محمود بن الربیع کے بیان سے یزید کی مغفرت کا مفہوم واضح ہو رہا ہے حالانکہ اس روایت سے اس کی مغفرت کے مسئلے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسرا سبب: وجہ ثانی یہ ہے کہ بخاری، باب ما قیل فی غزو الروم کی جو حدیث مؤلفؒ نے نقل کی ہے اس میں دو غزوے کا ذکر ہے۔ دونوں میں اول جیش کے الفاظ آئے ہیں، ان الفاظ کو نظر انداز کر کے حدیث کا مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا، اس لئے پہلی فوج اس بشارت کی مستحق ہوگی، لیکن یزید مغفرت کی بشارت کا مستحق نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں:

"اس حقیقت پر کسی نے غور نہیں کیا کہ قسطنطینیہ پر یزید کا حملہ پہلا حملہ تھا ہی نہیں، کاش ہمارے علماء اس حقیقت پر بھی غور فرما لیتے تو بہت پہلے اس فتنے کا سد باب ہوگیا ہوتا جس کو ناصبی ہمیشہ اٹھاتے رہتے ہیں، اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ حامیان یزید کو حدیث بخاری سے غلط استدلال کا موقع ملا۔ غلط فہمی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری کی اس جنگ میں وفات سے اس جنگ کی شہرت زیادہ ہوئی اور نفسیاتی طور پر لوگوں نے سمجھ لیا کہ جس جنگ میں حضرت ابوایوب انصاری میزبان رسول صحابی کی وفات ہوئی اور وہ قسطنطینیہ کی دیواروں میں مدفون ہوئے وہ وہی جنگ ہوگی جس کی حدیث بخاری میں بشارت ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی، علامہ عینی وغیرہم اس جنگ کو پہلی جنگ سمجھتے ہیں اور یہی سمجھ کر حدیث کی تاویلیں کی ہیں"۔(ص:۱۱۶)

تیسرا سبب: وجہ ثالث یہ ہے کہ قسطنطینیہ پر یزید کے حملے کی تاریخ سے پہلے حملے کی تاریخ مختلف ہے، یزید کی جنگ قسطنطینیہ کی تاریخ کے سلسلے میں متضاد اقوال ہیں۔ مورخین نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات ۵۲ھ لکھی ہے۔ ابن حجر کی ایک روایت ۵۵ھ کی بھی ہے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ ۴۹ھ میں یزید کی روم سے جنگ ہوئی، اس سن سے پہلے حملہ کی کوئی

تاریخ نہیں ملتی اس لئے ۴۹ھ سے قبل کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ مداح یزید اور ناصبیوں کے پیشوا محمود احمد عباسی نے ۴۹ھ کو تسلیم کیا ہے۔ معتبر تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ یزید کے حملے سے پہلے بھی بلاد روم پر حملے ہو چکے ہیں۔ قسطنطنیہ کی پہلی جنگ ۴۵ھ میں ہوئی جس کے سپہ سالار عبد الرحمن بن خالد بن ولید المتوفی ۴۶ھ یا ۴۷ تھے۔ علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ ۴۵ھ میں عبد الرحمن بن خالد بن ولید نے موسم سرما میں روم پر حملہ کیا۔ اس سے وہی جنگ مراد ہے جس میں شریک ہونے والوں کی مغفرت کی بشارت بخاری شریف کی حدیث میں موجود ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حدیث میں جس جنگ کے لئے مغفرت کی بشارت ہے وہ یزید والی جنگ نہیں ہے کیونکہ قسطنطنیہ پر یزید کا حملہ پہلا نہیں تھا، اس پر مجاہدین اس سے قبل بھی حملے کر چکے تھے۔ اس کے بعد مؤلف علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ مغفرت کی بشارت، پہلے حملے کیلئے ہے اور یزید کا حملہ قسطنطنیہ پر پہلا نہیں تھا اس لئے وہ مغفور لھم میں داخل نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بفرض محال یزید والا جہاد قسطنطنیہ اگر وہی جہاد ہے جس کی حدیث میں بشارت ہے تو بھی یزید اس بشارت مغفرت میں شامل نہیں ہے"۔ (۱۳۴)

اس کے بعد حضرت مولاناؒ نے یزید کے "مغفور لھم" میں شامل نہ ہونے کے دو سبب تحریر کئے ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ حدیث میں جن اعمال پر مغفرت کی بشارتیں ہیں، ان سے مراد پچھلے گناہوں کی مغفرت ہے، آئندہ گناہوں کی مغفرت مراد نہیں ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ہر حکم میں استثنائی صورت باقی رہتی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں مغفرت کی بشارت کسی شخص واحد اور متعین فرد کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی کا نام ہے بلکہ وہ بشارت تمام مجاہدین کے لئے عام ہے جس میں یزید بھی شامل ہے لیکن اس حکم عام سے وہ شخص نکل جائے گا جو جہاد قسطنطنیہ کے بعد، ایسے گناہوں کا مرتکب ہوا جس پر رسول اللہ ﷺ نے جہنم کی وعید سنائی ہو اور اس پر شدید انداز میں لعنت کی ہو۔ جہاد قسطنطنیہ میں شریک ہونے کا اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ حضرت مؤلفؒ نے فتح الباری، عمدۃ القاری اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حوالے نقل کر کے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔

کتاب کے آخری دو صفحات میں حضرت مولانا موصوفؒ نے خوارج ونواصب اور غیر مقلدین کے ایک سوال کا جواب کئی پہلوؤں سے مثالوں کے ساتھ دیا ہے۔ خوارج اور ان کے ہم خیال لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین کوفہ کیوں گئے تھے؟ اگر وہ کوفہ نہ جاتے تو واقعہ کربلا بھی پیش نہ آتا، اس حادثہ کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا موصوفؒ نے لکھا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت حمزہؓ کو جنگ احد میں شریک نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ ان کی دردناک شہادت، اس جنگ میں شرکت کیوجہ سے ہوئی تھی۔

آج پوری دنیا پر شیطانی طاقتوں کا تسلط ہے اور یہ فقط ایک سجدہ آدم کا نتیجہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ نہ کراتا تو ابلیس سجدہ نہ کرنے کے الزام میں راندہ بارگاہ الٰہی بھی نہ ہوتا ایک سجدے سے کتنے مسائل کھڑے ہو گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ سے باغیوں کامطالبہ تھا کہ وہ خلافت سے دستبردارہوجائیں لیکن انہوں نے انکار کردیا،نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی شہادت ہوگئی۔وہ اس کے خود ذمہ دار ہیں،خلافت سے دستبردارہوجاتے تو جان بچ جاتی،خلافت بچانے کی فکر میں جان چلی گئی۔

آئے دن عصمت دری کے واقعات سامنے آتے ہیں اس طرح کی سوچ رکھنے والوں کے مطابق زانی بے قصور ٹھہرے گااورعورتوں کی نسوانیت قابل گرفت ہوگی۔دنیا میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کررہے ہیں وہ صرف اس لئے کہ ہم اسوہ نبوی ﷺ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ہم مسلمان ہیں اس لئے ان کی عداوتوں کانشانہ بنتے ہیں۔کیا خارجی،ناصبی اورغیر مقلد،یہ فیصلہ کرنے کو تیارہیں کہ آج مسلمانوں پر جوظلم ہورہا ہے اس کے ذمہ داراسلام دشمن طاقتیں نہیں ہیں بلکہ خودمسلمان ہیں۔کیاضروت ہے اسلام ظاہر کرکے عداوت کانشانہ بننے کی،کیاضرورت ہے مسلمان ہونے کی اور اپنااسلام ظاہر کرنے کی۔لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔اس طرح کی باتوں کاجواب دینا بھی بارخاطر ہے۔

کتاب کااختتام حضرت عمدۃ المتوکلینؒ نے درج ذیل شعر پرکیاہے:

تو و طوبیٰ وما و قامت یار
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

مجموعی طور پر یہ کتاب ظاہری و باطنی خوبیوں سے مرصع ہے۔اس کتاب کے مشمولات وعنوانات اور مضامین کوپڑھ کر قاری کے دل میں حب اہل بیت اطہارؓ خصوصاسیدناامام حسینؓ کی محبت موجزن ہوتی ہے،عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ کتاب اہل بیت سے محبت کرنے والوں کے لئے بہترین تحفہ ہے۔یہ اپنی نوعیت کی اہم اور مستند کتاب ہے،اختصار کے باوجودمختلف مضامین کے اعتبار سے اہم اورمفید ہے۔یہ کتاب واقعی مثل آئینہ ہے جس کے مطالعہ سے واقعہ کربلاکےظالم ومظلوم کے چہرے صاف طور پرنظر آتے ہیں۔حضرت امام حسینؓ اوران کے جان نثاروں کی مظلومیت اور یزید،یزیدیوں کی بربریت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔یزید کے سیاہ کارنامے معلوم ہوتے ہیں،واقعہ کربلا کی سچائی اوراس کے حقائق کے انکشاف میں یہ کتاب بہت معاون ہے۔یہ کتاب اپنے موضوع میں ایک وقیع اضافہ ہے۔مجھے امید ہے کہ یہ کتاب واقعہ کربلا کی سچائی کی جستجو کرنے والوں اوریزید کے حقائق کاپتالگانے والوں کی رہنمائی کرے گی۔

حضرت مولاناموصوفؒ کی تقریر کی سماعت اورتحریر کی قرأت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے، ان کی شخصیت متعدد خصوصیات کی حامل تھی لیکن ان تمام صفات وکمالات کے باوجود مولاناؒ اشتہاری دنیا سے کوسوں دور تھے اور اخفاء حال وصلاحیت کی صفت سے متصف تھے۔اپنے سے چھوٹوں سے بھی اس طرح ملتے تھے کہ اگر وہ مولاناؒ کے مقام ومرتبہ سے واقف نہ ہوتواپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہوجائے۔اخفاء حال کایہ عالم تھا کہ حج سے واپسی کے بعد مولاناؒ کاسفرنامہ حج

قسط وار ’’سہ ماہی المجیب‘‘ میں شائع ہوا لیکن انہوں نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا اور نہ کسی شریک سفر کا ذکر کیا، اپنے نام کی جگہ ’’رجل من المسلمین‘‘ یعنی ایک مسلم مرد لکھ دیا گیا اور سفر نامہ شائع ہوتا رہا۔ جو حضرات، مولاناؒ کے انداز تحریر سے واقف ہیں، شعر وسخن کا ذوق رکھتے ہیں، ان کو مضمون نگار کا علم ہوا، باقی لوگ اس سے بے خبر ہی رہے اور ان کو معلوم نہ ہوسکا۔

مولاناؒ اپنی علمی وادبی لیاقت وصلاحیت کی بنیاد پر کسی اچھی یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہوسکتے تھے لیکن آپ نے کبھی سرکاری ملازمت کا قصد ہی نہیں کیا، اور نہ ہی مشہور ہونے کے لئے کسی بڑے عہدہ ومنصب کو قبول کیا بلکہ پوری توجہ اور محنت کے ساتھ خدمت خلق، درس وتدریس، دین کی دعوت واشاعت، اہل سنت وجماعت کے افکار وخیالات کو فروغ دینے میں تادم مرگ مصروف رہے، زہد وقناعت اور توکل علی اللہ کے ساتھ پوری زندگی بسر کی واقعی آپ کی شخصیت فخر المتوکلین کی مصداق ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

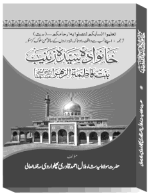

خانوادۂ سیدۂ زینب
بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما

★ یہ کتاب حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک علمی و تحقیقی تالیف ہے، جو آل زینب کے نسب کی تحقیق، پھلواری شریف میں آباد خانوادۂ سیدہ زینب کے انساب کی تفصیل اور اعقاب سیدہ زینب کے ذکر میں ایک مستند اور متحقق دستاویز ہے۔

★ اس کی تالیف میں دوسری صدی ہجری سے لے کر اب تک کی پچاس نادر و کمیاب اور مستند کتابوں کے ذریعہ نسب زینبی کے ابقاء واجراء کی اسناد بہم پہنچائی گئی ہیں جو علم وتحقیق کی دنیا میں ثقہ اور مستند سمجھی جاتی ہیں اور علم انساب میں بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔

★ یہ تالیف منیف متواتر ومستند مصادر وماخذ سے مراجعت کی بنا پر ایک ایسا گنجینۂ تاریخ بن گئی ہے جو آئندہ خود حوالے کے طور پر استعمال کی جائے گی، اسے تالیف کر کے حضرت مؤلف نے علم انساب کی دنیا میں ایک اہم خدمت انجام دی ہے، جس کی عظمت واہمیت کا اعتراف اکابرین خانقاہ کے علاوہ دیگر ارباب علم وفن اور ماہرین علم انساب نے بھی کیا ہے اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

★ دیدہ زیب طباعت اور خوش نما سرورق سے مزین 224/صفحات پر مشتمل یہ کتاب صرف -/200 روپے میں دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے حاصل کریں۔

رابطہ : +91-9006306098, 7250433562

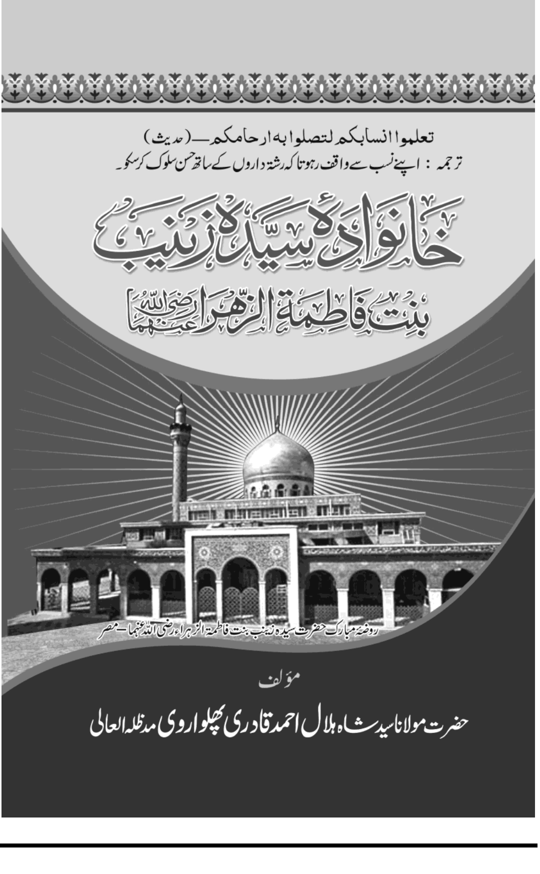

حضرت علامہ ومولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادریؒ
اپنی تصنیف ”خانوادۂ سیدہ زینب“ کے تناظر میں

● سید محمد ظفر اقبال — ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حضرت علامہ ومولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری جعفری زینبی مجیبی قدس سرہ کا شمار عہد حاضر کے منفرد وممتاز اور جید علما میں ہوتا ہے۔ آپؒ کی شخصیت متنوع رہی ہے۔ عالم باعمل اور صوفی باصفا کی تمام صفات صالحہ آپ کی شخصیت میں موجزن نظر آتی ہیں۔ قرآن وحدیث، فقہ ومنطق اور تصوف وفلسفے پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا اور ساتھ ہی ساتھ علم الکلام، سوانح نگاری، سیرت نگاری، علم الانساب اور فن ترجمہ نگاری وغیرہ جیسے علوم میں بھی دسترس کاملہ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کی ولادت پھلواری شریف کے ایک صوفی منش علمی وادبی گھرانے میں ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں ہوئی۔ آپ کا تعلق خانوادۂ مجیبیہ سے ہے۔ حضرت مولانا شاہ عین احمد قادری قدس سرہ کے آپ صاحبزادے اور حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے پوتے تھے۔ امیر شریعت اول بدرالکاملین حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادری قدس سرہ العزیز کے آپ پر پوتے اور حضرت مولانا شاہ قمرالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ امیر شریعت ثالث کے نواسے تھے۔

حضرت علیہ الرحمۃ نے تعلیم وتربیت کا زیادہ تر حصہ اپنے جد مکرم حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادری قدس سرہ کے زیر سرپرستی حاصل کیا اور دارالعلوم مجیبیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے جن علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے سامنے زانوے ادب تہہ کیا اور جن کی سربراہی وسرپرستی میں علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل فرمائی ان میں حضرت امام المتقین مولانا شاہ نظام الدین قادری قدس سرہ، حضرت امان المستجیرین مولانا الحاج سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ، حضرت عون السالکین

مولانا الحاج سید شاہ عون احمد قادری قدس سرہ، حضرت مولانا الحاج سید شاہ عماد الدین قادری قدس سرہ کے نام نامی اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت علامہ و مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں پہلی مرتبہ شرف باریابی کب اور کہاں حاصل ہوئی یاد نہیں البتہ سن شعور سے ہی حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضری اور ان کی عالمانہ گفتگو سے مستفید ہونے کے مواقع میسر آتے رہے ہیں۔ والحمدللہ علی ذلک۔ ہمارا تعلق اس گھرانے سے ہے جو نسلاً بعد نسل خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ سے وابستہ و دامن گرفتہ رہا ہے اور ہمارے گھر خانوادۂ مجیبیہ کے بزرگان و اکابرین کی آمد و رفت کا سلسلہ رہا ہے چنانچہ ایام طفلی سے ہی کبھی خانقاہ عالم پناہ میں، کبھی حضرت علیہ الرحمۃ کے دولت کدے پر اور کبھی "دارالامان" میں حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضری و خدمت گزاری اور ان کی شفقت و محبت حاصل کرنے کے مواقع میسر آتے رہے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت عالیہ میں حاضری عموماً ابی و نعمی جمال المقربین حضرت علامہ و مولانا الحاج سید شاہ محمد خورشید جمال قادری قدس سرہ، عم مکرم اور برادران محترم کی سربراہی و ہمرکابی میں ہوئی لیکن کبھی کبھی تنہا بھی خانقاہ عالم پناہ میں حاضر ہوا اور ملاقات کی غرض سے حضرت علیہ الرحمۃ کے دولت کدے پر حاضری ہوئی تو بھی آپؒ اسی شفقت و محبت سے پیش آتے، اپنے قریب بیٹھاتے اور وقت کی مناسبت کے مطابق جو ضیافت ممکن ہوتی اس سے شرف یاب فرماتے۔

حضرت علیہ الرحمۃ شفقت و محبت اور اعتدال و انکسار کے پیکر تھے۔ آپؒ کی خدمت میں کوئی بھی شخص حاضر ہوتا تو محبت کے ساتھ پیش آتے، اس کے مسائل توجہ سے سنتے اور ان کا تدارک فرماتے۔ آپؒ کو اپنی عظمت و بزرگی، اعلیٰ نسبی، اور تجرعلمی پر کسی بھی طرح کا احساس برتری یا فخر و استکبار نہیں تھا۔ آپؒ کی شخصیت میں انکساری تھی ہر شخص سے محبت کے ساتھ ملتے تھے۔ آپ کی گفتگو میں اعتدال ہوتا کسی بھی موضوع پر گفتگو فرماتے تو اپنے موقف کی وضاحت بڑی صراحت کے ساتھ فرماتے، ہر بات مدلل انداز میں بیان کرتے اور اپنی بات کی توضیح میں دلائل پیش فرمادیا کرتے تھے۔

حضرت علامہ و مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ نے اپنی پوری زندگی اشاعت اسلام، دینی علوم کی ترویج اور تشنگان اسلام کی تشنگی دور کرنے میں بسر فرمائی۔ دارالعلوم مجیبیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپؒ اسی ادارے سے وابستہ ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ حضرت علیہ الرحمۃ جہاں ایک طرف مشفق استاد کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے ہیں وہیں دوسری جانب بلند مرتبہ خطیب اور واعظ کی حیثیت سے بھی شہرت دوام رکھتے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمۃ اکثر و بیشتر ملک و بیرون ملک مجلسوں، جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی غرض سے اسفار فرمایا کرتے تھے۔ آپؒ کی تقاریر دریائے رواں کی مانند آہستہ آہستہ ذہن انسانی میں سرایت کرتی جاتی تھی۔ آپؒ کے بیانات موضوع سے مکمل طور پر مناسبت رکھتے اور جامعیت کے حامل ہوا کرتے تھے۔

حضرت علیہ الرحمۃ مصنف، مرتب، مترجم، سوانح نگار، سیرت نگار اور ایک ادیب کی حیثیت سے بھی اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ دینی، علمی و ادبی موضوعات پر آپؒ کے کثیر تعداد میں مضامین و مقالات ملک و بیرون ملک کے مختلف جرائد ورسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی تصانیف و تالیفات بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ ترجمہ الباقیات الصالحات، ترجمہ ملفوظات حضرت شیخ العالمین، ترجمہ وتلخیص رسالہ ارکان فقہ، یزید حقائق کے آئینے میں، سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادریؒ، سیرت پیر مجیبؒ، نغمات الانس فی مجالس القدس، خانوادۂ سیدہ زینبؓ وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جو آپؒ کی ذہنی صلاحیت کی غماز ہیں اور ان کے مطالعہ کے بعد حضرتؒ کے تحقیقی وتنقیدی شعور کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت علیہ الرحمۃ کی شخصیت جامع الصفات رہی ہے۔ خانقاہ عالم پناہ کے امور ومسائل کے حل کرنے میں آپ پیش پیش رہا کرتے تھے، دارالعلوم مجیبیہ کے فروغ واستحکام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے، دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کو مستحکم کرنے اور دارالاشاعت کے ذریعے شائع ہونے والی کتابوں کے سلسلے میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا کرتے تھے، رسالہ المجیب کے فروغ واشاعت میں دلچسپی لیا کرتے تھے، بحیثیت ترجمان خانقاہ مختلف مقامات کے اسفار فرمایا کرتے تھے اور مریدین ومتوسلین اور وابستگان خانقاہ عالم پناہ کے دکھ درد اور خوشیوں میں شرکت فرمایا کرتے تھے لیکن افسوس صد افسوس کہ ہمارے یہ مشفق ومہربان ہم سے بہت جلد جدا ہوگئے۔ جس وقت کہ پوری دنیا عذاب الٰہی (کرونا جیسی مہلک وبا) کا شکار تھی، ہر طرف خوف و ہراس کا عالم تھا اور پوری دنیا مقفل ومعطل ہو چکی تھی اس وقت حضرت علیہ الرحمۃ معمولی علالت کا شکار ہوئے، چند دنوں تک ہسپتال میں داخل رہے اور روبہ صحت بھی ہوئے لیکن مالک یزداں کو کچھ اور ہی منظور تھا چنانچہ ۱۱؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱؍اگست ۲۰۲۰ء کو ترسٹھ سال کی عمر میں ہم وابستگان کو مغموم وغمزدہ اور رنجیدہ چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے — انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیدی شیخی ومرشدی جناب حضور زیب سجادۂ مجیبیہ حضرت علامہ ومولانا الحاج سید شاہ محمد آیت اللہ قادری دامت برکاتہم نے عمدۃ المتوکلین حضرت علامہ ومولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری جعفری زینبی مجیبی قدس سرہ کی رحلت کے بعد یہ ارادہ فرمایا کہ حضرت علیہ الرحمۃ کے دینی، علمی و ادبی کارناموں کے اعتراف کے طور پر المجیب کا ایک خصوصی شمارہ نکالا جائے جس میں حضرت علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور علمی و ادبی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے خراج عقیدت پیش کیا جائے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور دینی، علمی و ادبی کارناموں پر مجھ جیسے عاجز وعاطل اور ناکارہ کی بساط کہاں کہ کچھ خامہ فرسائی کرسکوں لیکن سیدی شیخی و مرشدی مدظلہ العالی کے حکم اور برادر محترم کی تحریک کو مدنظر رکھتے ہوئے آئندہ سطور میں حضرت علیہ الرحمۃ کے ایک اہم تحقیقی کارنامے ''خانوادۂ سیدہ زینبؓ'' کے حوالے سے کچھ رقم کرنے کی جسارت کررہا ہوں۔

خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا میں حضرت علامہ ومولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ

نے علم الانساب سے متعلق گفتگو فرمائی ہے اور حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی نسل کے بقا اور اجرا سے متعلق دلائل فراہم کئے ہیں چنانچہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے فن علم الانساب اور اس کے آغاز وارتقا سے واقفیت حاصل کرلی جائے۔

علم الانساب ایک اہم علم ہے جس کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ یہ وہ علم ہے جس میں انسانوں کے خاندان، نسل، نسب اور قبیلے وغیرہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو اشرف المخلوقات بنا کر اس دنیا میں بھیجا چنانچہ انہیں زندگی بسر کرنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت درپیش ہوتی ہے مثلاً خوردونوش کی فراہمی، ستر پوشی کے لیے لباس، دوسروں تک اپنے مافی الضمیر کی ترسیل کے لیے زبان و بیان، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات وغیرہ۔ اسی طرح انسانی زندگی کے لیے اپنے حسب ونسب، خاندان، قبیلے اور اجداد سے واقفیت بھی لازمی ہے۔

دنیا کے تمام خطوں میں علم الانساب کی اہمیت مسلم رہی ہے اور ہر عہد میں اس سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ عربوں میں ایام جاہلیت سے ہی اپنے حسب ونسب اور قبیلوں سے واقفیت حاصل کرنے کا رواج عام رہا ہے۔ اگر کوئی شخص نسب کے اعتبار سے کمتر ہوتا تو اسے عرب معاشرے میں کوئی مقام ومرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح عہد جاہلیت میں اکثر قبیلوں کے درمیان جنگ وجدال ہوتی رہتی تھی اور اس موقع پر جو رجزیہ اشعار پڑھے جاتے تھے ان میں بھی اپنے آباواجداد اور بزرگوں کی طاقت وقوت اور شجاعت و بہادری کا بیان فخریہ انداز میں کیا جاتا تھا۔

صدر اسلام میں بھی علم الانساب کو کافی اہمیت حاصل رہی ہے اور اس علم کو سیکھنے اور اس سے واقفیت حاصل کرنے کی تلقین بھی موجود ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے حسب ونسب پر تکبر وتفخر اور غرور وگھمنڈ سے ممانعت بھی ملتی ہے۔ علم الانساب کی اہمیت وضرورت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ سورہ حجرات میں خود ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝۱۳"—(سورۃ الحجرات)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے"—(عرفان القرآن: ص: ۸۲۶-۸۲۷)

رسول اکرم احمد مجتبیٰ محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ترمذی شریف کے ابواب البر والصلۃ کے ذیل میں مذکور ہے جس سے علم الانساب سیکھنے، اپنے نسب سے واقفیت حاصل کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔

"حدثنا احمد بن محمد ثنا عبد الله بن المبارك عن عبد الملك بن عيسى الثقفي عن يزيد

مولی المنبعث عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تعلمو امن انسابکم ماتصلون به ارحامکم فان صلة الرحم محبة فی الاھل مثراۃ فی المال منسأۃ فی الاثر۔(حدیث نمبر ۸۴: جامع ترمذی شریف: جلد دوم ،ص؛ ۶۷)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نسب کی تعلیم اتنی سیکھ لو کہ جس سے اپنے متعلقین کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو۔اس لئے کہ صلہ رحمی آپس میں محبت کرنا ہے۔مال میں زیادتی کرنی ہے اور عمر میں اس سے زیادتی ہوتی ہے''—(جامع ترمذی شریف: جلد دوم،ص؛۶۷)

مذکورہ بالا آیت شریف اور حدیث مبارکہ سے علم الانساب کی اہمیت و افادیت واضح ہو جاتی ہے کہ اس سے صرف دنیاوی فائدہ ہی حاصل نہیں ہوگا بلکہ آخرت میں بھی یہ کامیابی و کامرانی کا ضامن ہے۔برادر محترم ومکرم پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید مدظلہ العالی علم الانساب کی ضرورت،اہمیت،افادیت اور آغاز و ارتقاء پر مفصل گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں؛

''......علم الانساب کی افادیت و اہمیت ہمیشہ سے مسلم رہی ہے۔یہ فن عربوں میں بہت اہتمام سے شائع و رائج رہا ہے اور عرب معاشرے کا ایک نہایت مضبوط و مستحکم اور بنیادی ضابطہ حیات رہا ہے۔ایام جاہلیت کے عرب میں بھی نسب کی بنیاد پر فخر و مباہات کی داستانیں مشہور ہیں۔اگرچہ اسلامی عرب کی اولین صدی میں ہی انساب کی روایت ملتی ہے لیکن باضابطہ طور پر اس فن کی تدوین و اشاعت کا سلسلہ ہمیں دوسری صدی ہجری مطابق آٹھویں صدی عیسوی سے نظر آتا ہے جب اس علم نے ادبی اور تاریخی وراثت کی حیثیت سے شناخت پائی اور فخر و مباہات کے تنگ و ناپسندیدہ اور غیر مہذب دائرے سے نکل کر نسل انسانی کی بقاو بہبود کا ضامن ہوا۔''—(درہمہ چیز اثر کند انساب: مشمولہ خانوادۂ سیدہ زینب،ص:۵۱)

مندرجہ بالا اقتباس سے علم الانساب کی اہمیت و افادیت اور آغاز و ارتقا سے مکمل طور پر واقفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ عرب معاشرے میں اس فن کو ہمیشہ سے اہمیت حاصل رہی ہے اور اہل عرب اس پر فخر و استکبار کیا کرتے تھے۔اسلام کی آمد کے بعد ابتدائی ایام میں بھی اس کی روایت موجود ہے لیکن باضابطہ طور پر دوسری صدی ہجری سے علم الانساب کی تدوین و ترتیب اور اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا اور اس فن نے ادبی اور تاریخی حیثیت حاصل کی۔

خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت علامہ و مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ کی ایک اہم تصنیف ہے جس کا موضوع انساب ہے۔حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کتاب میں حضرت زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے آل و اولاد کی تفصیل تحقیقی شواہد کی مدد سے مدلل انداز میں بیان فرمائی ہے۔حضرت سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نسل کے منقطع ہونے کا کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں جو حقیقت کے خلاف ہے چنانچہ مؤلف علیہ الرحمۃ نے اس تشکیک و اعتراض کو رفع کرنے کے لیے تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل کتاب ''خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا ؓ'' تالیف فرمادی جو تحقیق و تنقید کا

اعلیٰ نمونہ ہے۔صاحب کتاب نے بہت ہی گہرائی و گیرائی سے مطالعہ فرمایا اور علم الانساب کی پچیس مستند و معتبر کتابوں کے حوالوں سے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے اس بات کو روز روشن کی طرح عیاں فرمادیا کہ آج بھی جعفری و زینبی خانوادے اسی تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہیں۔حضرت علیہ الرحمۃ خود کتاب کی وجہ تالیف بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہماری یہ کتاب ''خانوادۂ سیدہ زینب'' اتفاقی طور پر معرض تحریر میں آگئی،اس موضوع پر کچھ لکھنے کا کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔بہت پہلے سیدہ زینب کی نسل کے منقطع ہونے کی بات اٹھی تھی،بعض بزرگوں نے اس کے جواب میں کچھ حوالے جمع کیئے تھے،لیکن ان کی وہ تحریر ان کی یاداشت تک ہی محدود رہی،نہ کھل کر اس سلسلے میں کچھ لکھ کر پیش کیا گیا اور نہ جواب کے طور پر یہ بات منظر عام پر آئی،وجہ اس کی ظاہر تھی کہ ایک جانی پہچانی معلوم و متحقق بات پر کیا گفتگو کی جاتی اس لئے اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔سال گزشتہ کے رمضان المبارک کی بیس تاریخ کو جب کہ خانقاہ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الشریف کے عرس کی تقریب اور ان کے موئے مبارک کی زیارت کا اہتمام ہو رہا تھا،انقطاع نسل زینب کا وہی گھسا پٹا اعتراض ایک عزیز کے ذریعہ کانوں تک پہنچا،کس نے اعتراض کیا تھا اور اب تک کن لوگوں کے دلوں میں ہماری جعفریت و زینبیت ''تیر نیم کش'' کی طرح پیوست ہے؟ یہ نہ پوچھیے،سن کر رنج و ملال بھی ہوا اور غصہ بھی آیا...... محض معلومات کے ارادے سے شروع کیا جانے والا مطالعہ اس نہج پر پہنچا کہ یہ کتاب تیار ہو گئی،کتاب تحقیق کے کس معیار پر مرتب کی گئی ہے؟ اس کا اندازہ ناظرین کو کتاب پڑھنے سے ہوگا......''—(عرض مؤلف: مشمولہ خانوادۂ سیدہ زینب؛ ص: ۱۵،۱۴)

نسب کی اہمیت ہر عہد میں تسلیم کی گئی ہے اور اس سے واقفیت حاصل کرنے کی تلقین بھی موجود ہے۔دنیا کے تمام انساب میں سب سے افضل و امجد اور لائق تعظیم نسب رسول اکرم احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے جس کی افضلیت کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی روایت فرمائی ہے جسے بعد میں محدثین نے اپنی کتب احادیث میں تسلسل کے ساتھ رقم فرمادیا ہے۔رسول اکرم ﷺ کی نسل پاک حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی آل و اولاد سے جاری ہوئی کیونکہ صاحبزادگان رضی اللہ عنہم بچپن میں ہی وفات پاگئے تھے اور بقیہ تینوں صاحبزادیوں سے بھی نسل کا سلسلہ جاری نہیں ہوسکا اور صرف حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا ؓ کی اولاد یعنی حضرت امام حسن ؓ اور حضرت امام حسین ؓ اور صاحبزادی حضرت زینب ؓ سے نسل کا سلسلہ جاری ہوا۔حضرت مؤلف علیہ الرحمۃ رسول اکرم ﷺ کی نسل پاک کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں؛

''...... رسول اکرم ﷺ کی تمام اولاد حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہے سوائے ام المومنین ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے جن کے بطن مطہر سے سیدنا ابراہیم علی ابیہ وعلیہ الصلوۃ والسلام پیدا ہوئے مگر ایام رضاعت میں وفات پاگئے۔افضل امہات المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے رسالت مآب ﷺ کی چاروں صاحبزادیاں سن رشد کو پہنچیں اور کتخدا ہوئیں،لیکن سیدۃ نساء العالمین فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نسل نبوی کی امین ٹھہریں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی

اولاد ذکور سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین علیہما السلام سے نبی ﷺ کی نسل شریف جاری کی اور اس مبارک نسل میں بے حد برکت دی۔اور سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کی اولاد اناث ان کی چھوٹی صاجزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے جاری فرمائی اس میں بھی بڑی برکت دی.....''—(خانوادۂ سیدہ زینب؛ص:۷۳)

حسنین کریمین ؓ کی اولاد حسنی وحسینی سادات کہلاتی ہے جبکہ حضرت زینب بنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد زینبی جعفری کہی جاتی ہے اور یہ تمام سلسلے تسلسل کے ساتھ جاری ہوئے جن کا ذکر انساب کی اہم کتابوں میں موجود ہے۔ادھر بعض لوگوں نے حضرت سیدہ زینب بنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے سلسلے کے منقطع ہونے کی بات مشہور کرنا شروع کر دی جس کے جواب میں حضرت مخدومی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''خانوادۂ سیدہ زینب'' تصنیف فرمائی اور مدعی منقطع نسب زینب ؓ کے تمام دعوے مسترد فرمادیے۔سیدی شیخی ومرشدی جناب حضور زیب سجادۂ مجیبیہ حضرت علامہ ومولانا الحاج سید شاہ محمد آیت اللہ قادری دامت برکاتہم خانوادۂ سیدہ زینب کی وجہ تالیف اور اہمیت وضرورت پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں؛

''......عم محترم مخدوم گرامی حضرت مولانا الحاج سید شاہ ھلال احمد قادری متعنا اللہ بطول حیاتہ ونفع المسلمین بوفور برکاتہ کی مایۂ ناز تصنیف ''خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما'' ہے،جو وقت کی اہم ضرورت ہے،چوں کہ حضور اکرم ﷺ کی صاجزادی سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی اولاد ذکور اور ان کے اعقاب کے مقام ومنصب پر کسی کا اختلاف نہیں،البتہ اولاد اناث میں زینبی وجعفری خانوادہ کے متعلق بعض لوگوں کا شک یقین کی حد تک پہنچ چکا ہے،جیسا کہ ایک صاحب نے ''جن کو اپنی مشیخیت اور اعلیٰ نسبی کا دعویٰ ہے'' دوران گفتگو ہمارے ایک مخلص سے کہا کہ ''پھلواری والے اپنے کو زینبی کیسے لکھتے ہیں،حضرت زینب کی نسل باقی ہی نہیں رہی؟''......عم محترم عمت فیوضہ نے ایسے ہی لوگوں کے ذہنی خلجان اور وساوس قلبی کے دفع کے لئے یہ کتاب مرتب فرمائی......''—(تقریظ:مشمولہ خانوادۂ سیدہ زینب؛ص:۲۴)

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خانوادۂ سیدہ زینب کی تصنیف کا مقصد جعفری وزینبی خانوادے کے اجرا کی تفصیل بیان کرنا اور حضرت سیدہ زینب بنت فاطمہ الزہرا ؓ کی نسل کے انقطاع کی غلط بات جو مشہور ہو رہی ہے اس کا تدارک کرنا ہے۔مدارج النبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ کی ایک اہم کتاب ہے جس میں نسل حضرت زینب ؓ کے منقطع ہونے کی بات بیان کی گئی ہے۔حضرت علیہ الرحمۃ نے مدارج النبوت کے اس بیان پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ شیخ محدث دہلوی ؒ یہاں التباس کے شکار ہو گئے ہیں۔مدارج النبوت پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں؛

''......ابھی تک کسی مؤلف انساب کی ایسی تحریر نظر سے نہیں گزری جس میں انقطاع نسل زینب کی بات لکھی ہو سوائے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوت کے،وہ بھی نسب کی کتاب نہیں ہے اور شیخ کا شمار نسابہ میں نہیں ہوتا،

وہ سیرت نگار تھے......مدارج النبوت میں انقطاع نسل زینب کے ذکر میں شیخ کو عدم توجہ کے سبب اشتباہ ہوا، یہ ایک تاریخی تسامح ہے جس کا اندازہ اس وقت ہوگا جب آیندہ سطور میں دوسری صدی ہجری سے لے کر شیخ محدث کے عہد تک کی تاریخ وانساب کی کتابوں کے حوالے پیش کئے جائیں گے.....''—(خانوادۂ سیدہ زینب؛ص ۱۰۵-۱۰۶)

خانوادۂ سیدہ زینبؓ تحقیق وتنقید کا اعلیٰ نمونہ ہے اور حضرت مؤلف علیہ الرحمہ نے بہت ہی گہرائی وگیرائی کے ساتھ علم الانساب کی کتابوں کا مطالعہ فرمایا اور بہت ہی تلاش وجستجو کے بعد اپنے موقف کی وضاحت بڑی صراحت کے ساتھ فرمادی ہے۔حضرت علیہ الرحمۃ نے انساب الاشراف، انساب العرب، الانساب، تاریخ الکبیر، سیرت ابن اسحاق، المنتخب، الطبقات الکبریٰ، المعارف، دلائل النبوۃ، الشجرۃ المبارکۃ، عمدۃ الطالب، التحفۃ اللطیفہ وغیرہ جیسی علم الانساب سے متعلق پچیس مستند ومعتبر کتابوں کو بنیادی مآخذ کے طور پر استعمال فرمایا ہے اور ان کتابوں کے حوالوں سے حضرت زینبؓ کی نسل کے اجرا کی تصدیق وتوثیق فرمادی ہے۔حضرت علامہ ومولانا مفتی شاہ بدر احمد ندوی مجیبی مدظلہ العالی مؤلف علیہ الرحمۃ کے معیار تحقیق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ کتاب علم وتحقیق کا نمونہ ہے۔انھوں نے پوری تفصیل کے ساتھ پچیس کتابوں کے حوالوں سے اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے کہ حضرت زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی نسل نہ صرف باقی رہی بلکہ مختلف ملکوں میں بکثرت موجود ہے جس کی تاریخ کی کتابوں میں صراحت ملتی ہے......مصنف نے اس کتاب کی تحقیق میں کافی وسعت سے مطالعہ کیا ہے اور کافی گہرائی اور گیرائی کا ثبوت دیا ہے۔لیکن طوالت کے خوف سے انھوں نے صرف پچیس کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ بہت ساری کتابوں کا حوالہ نہیں دیا ہے حالانکہ مصنف کے مطالعہ میں وہ کتابیں بھی رہی ہیں......''—(حرف چند: مشمولہ خانوادۂ سیدہ زینب؛ص:۳۸-۳۹)

مؤلف علیہ الرحمۃ نے اجرائے نسب حضرت سیدہ زینب بنت فاطمہؓ کی تفصیل عہد بہ عہد بیان فرمائی ہے۔ حضرت زینب بنت فاطمہ الزہراؓ کی نسل مبارکہ ان کے صاجزادے حضرت سیدنا علی الزینبی کے دو صاجزادوں یعنی محمد الاریس اور اسحاق الاشرف کے ذریعے جاری ہوئی اور عرب وعجم کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئی۔ہندوستان میں حضرت زینبؓ کی نسل مبارکہ کا ورود چھٹی صدی ہجری میں حضرت شیخ نور الدین ملک یار پرّاں کی آمد سے ہوتا ہے۔پھلواری شریف میں نسل حضرت زینب بنت فاطمہ الزہراؓ کی آمد حضرت امیر عطاء اللہ جعفری زینبی قدس سرہ کے ذریعہ ہوئی اس کے بعد مؤلف علیہ الرحمۃ نے حضرت مخدوم زماں تاج العارفین مخدوم شاہ پیر مجیب اللہ قادری جعفری زینبی رضی اللہ عنہ کا اجمالی ذکر کیا ہے اور علم الانساب سے متعلق مستند ومعتبر کتابوں کو حوالے کے طور پر پیش فرمادیا ہے۔ برادر مکرم پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید ادام اللہ فیوضہم خانوادۂ سیدہ زینبؓ پر گفتگو کرتے ہوئے راقمطراز ہیں:

’’کتاب میں حضرت جعفر طیار، عبداللہ الجواد، سبطۃ الرسول حضرت سیدہ زینب کبریٰ اور حضرت ابو محمد علی الجواد بن عبداللہ الجعفر وغیرہ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس کتاب کی اہمیت و افادیت کو دو چند کر دیتا ہے۔ کتاب کو حضرت مصنف مدظلہ نے متعدد عناوین میں تقسیم کیا ہے اور اس کے تحت سبطۃ الرسول سیدہ زینب کی اولاد اور اجرائے نسل کے عنوان کے ذیل میں مذکورہ بالا پچیس مستند اور ثقہ کتب تاریخ و سیر و انساب سے وجود بقائے اعقاب حضرت سیدہ زینب کے اپنے دعوے کو ثابت و محقق کرنے کے بعد ’’اعقاب علی الجواد بن عبداللہ ابن جعفر طیار رضی اللہ عنہم‘‘ کے عنوان کے ذیل میں امام رازی کی الشجرۃ المبارکۃ فی انساب الطالبیۃ ، اسماعیل مروزی کی الفخری فی انساب الطالبیین اور عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کے اصل اقتباسات سے اعقاب زینب کی دلیل پیش کی ہے......‘‘—(درہمہ چیزاثرکند انساب: مشمولہ خانوادۂ سیدہ زینب؛ص:۶۵)

مذکورہ بالا گفتگو کے بعد خانوادۂ سیدہ زینب کی اہمیت و افادیت روشن ہو جاتی ہے۔ حضرت مؤلف علیہ الرحمۃ نے جس گہرائی و گیرائی کے ساتھ مطالعہ فرمایا اور تحقیق و تنقید کے جس اعلیٰ معیار کو اختیار کرتے ہوئے تلاش و جستجو کے بعد نسل حضرت سیدہ زینبؓ کی تفصیل جس وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے اس کی بنیاد پر خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہراؓ ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جس میں حضرت سیدہ زینبؓ کی آل و اولاد کی تفصیل اور جعفری و زینبی خانوادے کے اجرا کی تصدیق موجود ہے۔ حضرت مؤلف علیہ الرحمۃ نے دوسری صدی ہجری سے لے کر عہد حاضر تک جعفری و زینبی خانوادے کی تفصیل حوالوں کے ساتھ بیان فرمادی ہے۔ خانوادۂ سیدہ زینبؓ کی تالیف کا جو مقصد و مدعا مؤلف علیہ الرحمۃ کے مدنظر تھا یہ کتاب اس مقصد کی تکمیل میں فتح کامل حاصل کرتی نظر آتی ہے۔ مؤلف علیہ الرحمۃ نے جس طرح تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ حضرت زینبؓ کی نسل کے اجرا کے شواہد مہیا فرمادیے ہیں اس کے بعد جعفری و زینبی خانوادے کی موجودگی اور اجرائے نسب حضرت سیدہ زینبؓ پر کسی طرح کے شک و شبہے اور رد و قدح کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

’’خانوادہ سیدہ زینب‘‘ میں
علم الانساب کی اہمیت

● ڈاکٹر سید نورالہدیٰ شمسی — درگاہ گھیرا، پٹنہ۔ ۶

خانوادہ سیدہ زینب بنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مولف حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواری شریف ہیں اشاعت اول ۱۴۳۶ھ ہے۔ کتاب کے انتساب کی تحریر وعبارت سے ہی مولف کے موقف کا اظہار ہو جاتا ہے جس کی ابتدا ان سطور سے ہوتی ہے۔

’’حضرت امام حسین اور حضرت زینب کے ان نونہالوں پر اللہ کی بے حد رحمتیں اور برکتیں ہوں اور بے شمار سلام ہو جن کی کربلا میں شہادت اور بروقت جاں نثاری نے علی زین العابدین اور علی الزینبی کو اس مقتل بلا میں سلامت رکھا۔ آج ان ہی دونوں علی، علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اور علی بن زینب بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم سے امام حسین اور سیدہ زینب کی نسل جاری ہے‘‘—(صفحہ:۹)

عرض مولف میں علم الانساب کی اہمیت کی وضاحت کی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’علم الانساب مفید علم ہے۔ یہ باقاعدہ ایک فن ہے۔ علم الانساب کے ماہر عربوں میں نسّابہ (بروزن علامہ) کہلاتے تھے۔ حدیث میں علم انساب سے واقف رہنے کی ترغیب ہے۔

سمعانی لکھتے ہیں کہ علم الانساب عظیم النفع اور جلیل القدر علم ہے۔ قرآن کریم نے **وجعلنا کم شعو باً و قبائل لتعا رفوا** سے اس علم کی تفہیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے **تعلموا انسابکم ما تصلون به ارحامکم فا ن صلة الرحم محبة فی اهل مثراة فی المال منسأ ة فی الاثر.**

ترجمہ : اپنے نسب سے واقف رہو تا کہ صلہ رحمی کرو، اس لئے کہ صلہ رحمی رشتہ داروں میں محبت، مال میں برکت اور موت میں تاخیر یعنی (عمر میں اضافہ) کا سبب ہے۔

یہی حدیث حضرت عمرؓ کی بیان کردہ ابن حزم نے روایت کی ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم الانساب میں دنیوی فائدے کے ساتھ اخروی فائدہ بھی ہے۔عربوں نے اس فن شریف کی طرف بہت زیادہ توجہ کی ہے خود رسول اللہ ﷺ اپنا نسب عدنان تک بیان فرماتے تھے ابن حزم نے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم لوگ نضر ابن کنانہ کی اولاد میں ہیں۔ایک بار قریش کے خاندانوں کا ذکر کرتے ہوئے پہلے بنی نجّار، پھر عبد الاشہل کا پھر بنی حارث بن خزرج کا پھر بنی تمیم اور بنی عامر ابن صعصعہ اور عطفان کا ذکر فریایا۔قبائل عرب میں جہینیہ، مزینہ اور اسلم و غفار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ قیامت کے دن سب سے افضل ہوں گے—(جمہرۃ انساب العرب)

صحابہ کرام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ابو جہیم بن حذیفہ عدوی اور جبیر بن مطعم بن نوفل بن عبد مناف علم الانساب کے ماہر تھے۔اور تمام عرب کا شجرہ نسب جانتے تھے۔اسی طرح حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ علم الانساب سے بخوبی واقف تھے۔اس لیے حضرت حسان بن ثابت کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق سے قریش کا نسب جاننے کی ہدایت فرمائی—(ابن حزم حوالہ سابق)

سمعانی کا بیان ہے کہ حسان بن ثابت کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ قریش کا نسب حسب ضرور معلوم کریں اور اپنے اشعار میں ان کے نسب کے مطابق کفار کا رد کریں—(صفحہ:۱۳)

”نسب پر فخر کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا علو نسب کی بنیاد پر دوسروں کو خود سے کمتر سمجھنا عصبیۃ جاہلیہ ہے، اسی طرح جن لوگوں کو خانوادۂ نبوت سے نسبی تعلق کا شرف حاصل ہے یا جن کو ہاشمی نسبت حاصل ہے یا جو لوگ، حضرات صدیق و فاروق اور عثمان و علی (رضی اللہ عنہم) سے نسبت خاندانی رکھتے ہیں ان سے ان کے شرف نسب کی بنا پر نفرت و حسد کرنا، اللہ تعالیٰ کے ایک امر تقدیری کا استہزاء کرنا ہے، کیونکہ کسی کا کسی خاندان میں پیدا ہونا ایک امر تکوینی ہے، اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تقدیر ہے، اس میں کسی کا کچھ اختیار نہیں ہے۔البتہ رسول اکرم ﷺ کے حسب نسب کو دوسروں کے حسب نسب پر فضیلت حاصل ہے۔

شجرۂ نسب کو مرتب کرنا اور محفوظ رکھنا، فخر و مباہات کے لئے نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس سے رشتوں کی پہچان ہوتی ہے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کا موقع ملتا ہے (جیسا کہ حدیث میں ہے) اور ازدواجی تعلق قائم کرنے میں کفو کا خیال رکھنے والوں کو آسانی ہوتی ہے“—(صفحہ:۱۴)

انتساب کی یہ عبارتیں دیکھ کر وہ حضرات چونک پڑیں گے جو عون و محمد کی شہادت کے بعد حضرت زینب کی نسل کو منقطع سمجھتے ہیں اور خانوادہ پھلواری کو زینبی جعفری لکھنے پر متعرض ہوتے ہیں۔

مولانا ہلال احمد قادری نے اس اعتراض کے ٹھوس جواب میں مستند تاریخی حوالہ کے ساتھ یہ کتاب لکھ دی۔مولف موصوف نے یہ کتاب لکھ کر ان معترضین کا دندان شکن جواب دیا۔میرا خیال ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی بی بی زینب

بنت فاطمہ زہرا کی اولاد حضرت علی بن عبداللہ بن جعفر طیار پر انگلی نہیں اٹھا سکتا جن کی اولاد نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہے اور خود کو زینبی جعفری لکھتی ہے۔

انتساب کے بعد ’’عرض مولف‘‘ ہے جس میں مولف نے یہ بتایا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کی تحریک کیوں ہوئی۔ اس کے بعد حضرت مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری زیب سجادہ مجیبیہ کی تقریظ ہے۔ اس کے بعد حرفے چند کا عنوان ہے جو مولانا مفتی بدر احمد مجیبی کی تحریر ہے جو بہت جامع ہے۔ بعدہٗ پروفیسر سید اسد علی خورشید قادری شعبہ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا طویل مضمون ہے جس سے ان کی علمی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے انہوں نے قطعہ تاریخ بھی فارسی اور اردو میں لکھی ہے جو کتاب کے آخر میں درج ہے۔

تمہیدی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہار کی خانقاہوں میں قدامت میں چاہے جو بھی آگے ہوں مگر شہرت ومقبولیت میں جو مقام خانقاہ مجیبیہ کو حاصل ہے وہ کسی دوسری خانقاہ کو نہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہے کہ یہاں رشد وہدایت کے ساتھ علمی اور تحقیقی سفر بھی ہمیشہ رواں دواں رہا اور یہ بھی کہ خانقاہ ہمیشہ غیر متنازع اور متفق علیہ بنی رہی۔ ہر طبقہ کے لوگ اس سے وابستہ رہے، یہ بات سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس خانوادے کے افراد نے اپنی تحریر اور تقریر سے کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی اور جادہ اعتدال کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مسلکی تعصب کے معاملہ میں یہ خانقاہ مینار ہدایت کا کام دیتی ہے۔ اس خانوادے کے ہر فرد میں علم وعمل کی بلندی کے باوجود حلم بردباری، تواضع اور سادگی، نیز شرافت ونجابت کا کمال واضح طور پر محسوس ہوتا ہے انہیں پاکیزہ اطوار کے حامل اس کتاب کے مولف بھی تھے جو مایہ ناز صاحب قلم تھے اور کئی تحقیقی کتابیں ان کے قلم گہربار سے منصہ شہود میں آچکی ہیں۔

جہاں تک اس کتاب کا تعلق ہے تو پیش نظر رہے کہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے افراد کا خاندانی شجرہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی چھوٹی بیٹی حضرت زینب کی پاکیزہ شاخ سے ملتا ہے جو نواسی رسول ہیں اس نسبت کے باعث اس شاخ کی نسبت رکھنے والے زینبی جعفری کہلاتے ہیں مگر مشہور بزرگ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں یہ لکھ دیا کہ حضرت زینب بنت فاطمہ زہرا کی نسل منقطع ہوگئی یہ ایک تاریخی تسامح ہے جس کے رد میں بہت ہی عالمانہ محققانہ انداز میں پچیس سے زائد مستند کتابوں سے یہ ثابت کیا گیا کہ نواسی رسول کریم حضرت زینب بنت فاطمہ زہرا کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوا جن سے تین بیٹے ہوئے دو بیٹے عون اور محمد اپنے ماموں حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوگئے اور علی بن عبداللہ بن جعفر طیار سے نسل چلی جن کی ایک شاخ چھٹی یا ساتویں ہجری میں ہندوستان آئی۔ پھر ان کی اولاد میں سے ایک بزرگ امیر عطاء اللہ پھلواری شریف میں سکونت پذیر ہوئے یہ شیر شاہ سوری کا عہد تھا اب چار سو سال سے زیادہ گذر چکے کہ یہ خاندان یہاں آباد ہے۔ یہ قصبہ اس خاندان کے بڑے بڑے اولیاء کاملین اور حامل علم وفن کا آج بھی مرکز بنا ہوا ہے۔ اس خانوادے کے نسب کی ضروری کڑیوں کو ملانے کی اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک پیچیدہ کام تھا جس کو بڑی جانفشانی سے مدلل طور پر انجام دیا گیا، جو لوگ اس خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں یا اس سلسلے میں جانکاری حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب معیاری تاریخی تحقیقی نسب نامہ والی کتاب ہے جو ایک تاریخی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

سیرت پیر مجیبؒ — ایک مطالعہ

● ڈاکٹر سید شاہد اقبال — آستانہ حق، روڈ نمبر ۱۰، نیو کریم گنج، گیا

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت صوفیائے کرام کی مرہون منت ہے۔ ان صوفیائے کرام نے ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ شمالی ہندوستان میں اسلام کا چراغ روشن کرنے والے بزرگان دین خواجہ غریب نواز، خواجہ بختیار کاکی، محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت مخدوم علاء الدین صابر کلیر شریف کا ذکر سب سے پہلے آتا ہے۔

شمالی ہندوستان میں گیارہویں صدی میں سلطان محمد غزنوی کی فتوحات کے بعد صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان صوفیوں نے شمال ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ ان کے آستانوں کی اہمیت کسی بادشاہ کے دربار سے کم نہ تھی بلکہ شاہان وقت کے سر بھی ان کے آستانوں پر جھکے رہتے تھے۔

شہر عظیم آباد کے قریب میں واقع پھلواری شریف ہے اس جگہ حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری کا مدفن ہے۔ آج سے چار سو سال قبل حضرت تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری نے اس قصبہ پھلواری شریف کو اپنا مسکن بنایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا۔

حضرت شاہ ہلال احمد قادری نے مخدوم پیر مجیبؒ کی سیرت و احوال پر ایک مکمل اور جامع تذکرہ تحریر فرمایا ہے ایسا نہیں ہے کہ اس سے قبل مخدوم پیر مجیبؒ کے تذکرے نہیں لکھے گئے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سے قبل بھی کئی تذکرے لکھے گئے تھے۔ جن میں مخدوم شاہ مجیب اللہ قادریؒ کے پوتے شاہ نوار الحق تپاںؒ کی تصنیف انوار الطریقہ بھی ہے، یہ پہلا اور واحد ماخذ ہے جس سے حضرت امیر عطاء اللہ جعفری زینبی کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔

دوسرا تذکرہ حضرت کے دوسرے پوتے مولانا شاہ شمس الدینؒ نے عربی زبان میں لکھا تھا۔

تیسرا تذکرہ حضرت کے تیسرے پوتے مولانا شاہ ابوالحیات بن مخدوم شاہ نعمت اللہ قادریؒ نے تذکرۃ الکرام کے نام

سے لکھا تھا۔تذکرۃ الکرام جو اصلاً فارسی میں ہے اپنے زمانے کے مذاق ومعیار کے مطابق لکھی گئی ہے۔اس اعتبار سے کامیاب ہے بلکہ بزرگان پھلواری شریف کے حالات میں یہ واحد کتاب ہے تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل یہ تذکرہ لکھ کر مصنف نے آئندہ نسلوں پر احسان کیا ہے۔

۱۹۵۰ء میں حکیم سید محمد شعیب نیر رضویؒ نے اپنی مشہور تصنیف آثارات پھلواری شریف موسوم بہ اعیان وطن لکھی تھی، جس میں مخدوم پیر مجیب کے اولاد اور خانوادے کے حالات خانقاہ کی تاریخ و دیگر معلومات جمع کر دی ہے۔

حضرت سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کے سامنے مذکورہ بالا حالات و روایات تھے کیونکہ مخدوم پیر مجیبؒ کا تذکرہ عربی اور فارسی زبان میں لکھا ہوا تھا،اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت پیر مجیبؒ کا جامع اور مبسوط تذکرہ اردو اور عام فہم زبان میں لکھا جائے جس کو سب کوئی پڑھ اور سمجھ سکیں۔

حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ نے تذکرۃ الکرام (مولانا شاہ ابوالحیات) اور آثارات پھلواری (حکیم سید شعیب نیر رضویؒ) کے ساتھ ساتھ حکیم سید محمد شعیبؒ کے نامکمل تذکرہ "نفحۃ الطیب من انفاس المجیب" (مملوکہ کتب خانہ بدریہ مجیبیہ) کو بنیادی ماخذ بنایا ہے مذکورہ مآخذ کے علاوہ بزرگوں کے سفینوں یادداشتوں اور ملفوظات کے مجموعوں سے عین مدد لی ہیں جو بات جہاں سے لی گئی حاشیہ میں اس کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

مذکورہ کتاب "سیرت پیر مجیب" نو۹/ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول	:	وطن،خاندان ونسب
باب دوم	:	ولادت،تحصیل علوم،اکتساب،معارف،ریاضت ومجاہدہ تکمیل طریقت
باب سوم	:	بنائے خانقاہ،اصول ونظام،تجدید واحیاء،ارشاد وتربیت،تاثیر فیض وصحبت
باب پنجم	:	سیرت واخلاق،احوال وکیفیات،حلیہ مبارکہ
باب ششم	:	وصال،مرقد مطہر،اولاد واحفاد وسلسلہ جانشینی
باب ہفتم	:	تصرفات وکرامات
باب ہشتم	:	خلفاومجازین
باب نہم	:	معاصر علماء ومشائخ

......مراجع ومصادر

حضرت تاج العارفین کے اجداد دسویں صدی ہجری کے آغاز تک دہلی میں آباد تھے،حضرت شیخ نورالدین ملک یارپراں کی بیٹی اسی خانوادۂ زینبی وجعفری میں بیاہی گئی تھیں اور وہی خانوادہ ملک یارپراں کا جانشیں ہوا،شیخ نورالدینؒ

ایک کامل درجے کے ولی تھے آپ کا اصل وطن لار (یوپی) تھا وہاں سے اپنے شیخ کی اجازت سے دہلی تشریف لائے آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے کے شیخ وقت تھے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ آپ کے مزار پر کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے۔

شیخ نورالدین کا مزار دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے شیخ ابوبکر طوسی قلندر کی خانقاہ کے سامنے ہے جو نہایت خوبصورت اور باعظمت مقام ہے بعض لوگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ اس جگہ پریاں رہتی ہیں—(اخبارالاخیار صفحہ ۱۴۱-۱۴۰)

شیخ ابوبکر طوسی کا مقبرہ پرانے قلعے کے قریب ایک باغ میں ہے جو باغ بیدل سے مشہور ہے کیونکہ اس باغ میں ایک مقبرہ ہے جس کو کہتے ہیں کہ مزا عبدالقادر بیدلؔ کا مقبرہ ہے-مرزا غالبؔ بھی بیدل کے معتقد تھے۔

طرز بیدل میں ریختہ کہنا ۞ اسداللہ خاں قیامت ہے

حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ نے ان شاہی فرامین کی عبارتیں نقل کی ہیں جو عہد عالم گیری سے لے کر شاہ عالم وفرخ سیر کے عہد سلطنت تک مشائخ پھلواری کے نام وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہے تھے۔انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حکیم سید محمد شعیب رضویؒ کے زمانے تک سب محفوظ تھے جس کی عبارتیں انہوں نے نقل کرلی تھیں۔

ان دستاویز کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ شاہان دہلی کو مشائخ پھلواری سے عقیدت تھی۔

حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ نے باب دوم میں حضرت تاج العارفین کی ولادت، تحصیل علوم، اکتساب معارف، ریاضت ومجاہدہ، تکمیل طریقت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے انہوں نے حضرت تاج العارفین کے تلمذ کے سلسلے میں کچھ تاریخی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ پھلواری میں آپ کی تعلیم دو بزرگوں سے ہوئی ہے حضرت مخدوم برہان الدینؒ اور حضرت عمادالدین قلندرؒ،ایک اہم موضوع خانوادۂ پھلواری سے حضرت رسول نما کا ربط وتعلق کا ذکر تحقیقی انداز سے کیا ہے،حضرت مولانا رسول نما کی خدمت میں حاضری اور سلسلہ تعلیم اور علوم ومعارف کی تکمیل خواجہ قلندر سے بیعت اور اجازت وخلافت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ نے بہار میں سلسلہ قادریہ کے قادری نسب مشائخ (ص:۵ر پر) کا بھی ذکر کیا ہے،ان میں:

(۱) حضرت سید نعمت اللہ ولی قادری (متوفی ۸۳۴ھ)

(۲) حضرت سید عطااللہ بغدادیؒ (متوفی ۸۶۰ھ)

(۳) حضرت سید محمد غوث گیلانی قادری (متوفی ۹۳۳ھ)

(۴) حضرت سیدنا امیر محمد قادری اچھریؒ (متوفی ۹۶۰ھ)

(۵) حضرت سید بہاء الدین بہاول شیر قلندر (متوفی ۹۷۳ھ)

(۶) حضرت تاج الدین محمود قادریؒ (متوفی......) کے اسمائے گرامی شامل ہیں

حضرت شاہ ہلال احمد قادری نے صوبہ بہار میں مختلف سلاسل کے شجرہ طریقت کی تفصیل دی ہے۔ان میں

مندرجہ ذیل سلسلے کے شجرہ طریقت کی تفصیل درج ہے۔

(۱) شجرہ طریقت غوث اعظمؓ (۲) شجرہ غوث اعظم بواسطہ شیخ ہمدانی
(۳) شجرہ چشتیہ نظامیہ سراجیہ معزیہ مجیبیہ (۴) شجرہ طریقت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ
(۵) سلسلہ فردوسیہ (۶) سلسلہ نقشبندیہ مجدیہ ابوالعلائیہ
(۷) سلسلہ قلندریہ (۸) سلسلہ مداریہ
(۹) سلسلہ چشتیہ

باب چہارم میں خانقاہ مجیبیہ کی وجہ تسمیہ پھلواری میں قیام اور بنائے خانقاہ، خلوت، تعمیر حجرہ اربعین، مسجد کی تعمیر، قیام جمعہ وعیدین، ہفت درہ، عبادت وریاضت، اربعین وصوم وصال، خلوت گزینی، علومرتبت اور شان دیگر کے احوال والہانہ عقیدت اوراحترام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جس کے پڑھنے سے عشق رسولؐ کی محبت زندہ جاوید ہوجاتی ہے۔

اس سلسلے میں حضرت شاہ ہلال احمد قادری نے تحریر فرمایا ہے:

''......حضرت تاج العارفین کے سلسلے کی بنیاد عشق نبوی پر تھی اور آپ خود سوختۂ عشق نبوی تھے ذات رسالت سے قلبی رابطہ اور تعلق کے لیے آپ کے سلسلے کا درود بہت مؤثر ثابت ہوتا رہا ہے۔ آپ کی تعلیم وصحبت کے اثر سے وابستگان سلسلہ بھی دولت عشق سے مالا مال تھے۔ بعض خلفاء عشق رسول کی بدولت رفیع احوال وکیفیات کے حامل ہوئے''

—(سیرت پیر مجیب، ص: ۲۶۱، ۲۶۲)

باب پنجم میں سیرت واخلاق، احوال وکیفیات، حلیہ مبارکہ کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

باب ششم میں وصال، مرقد مطہر، اولاد واحفاد، سلسلہ جانشینی کے احوال درج ہیں۔

اس باب میں قطعات تاریخ وفات بھی درج ہیں جن میں (۱) حضرت تپاں پھلواروی (۲) مولانا غلام جیلانی سرشار (۳) حضرت فرد پھلواروی (۴) حیرت پھلواروی کے لکھے گئے قطعات شامل اشاعت ہیں۔

باب ہشتم میں مندرجہ ذیل خلفاء ومجازین کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) شمس العارفین حضرت مولانا شاہ غلام نقشبند قادری پھلوارویؒ (۲) حضرت شاہ انعام الدین قادریؒ
(۳) حضرت شاہ نظام الدین احمد قادریؒ (۴) حضرت شاہ لعل محمد قادریؒ
(۵) حضرت شاہ محمد اکرم ابدال قادریؒ (۶) حضرت شاہ غیاث الدین قادریؒ
(۷) حضرت شاہ غلام مرتضیٰ قادریؒ (۸) حضرت سید شاہ عصمت اللہ قادریؒ
(۹) حضرت مولانا شاہ محمد وحید الحق ابدال قادریؒ (۱۰) حضرت شاہ خدا بخش قادریؒ

(۱۱) حضرت شاہ جمال محمد جمن جنتیؒ
(۱۲) حضرت شاہ محمد کریم ابدالؒ
(۱۳) حضرت شاہ محمدی لکھنویؒ
(۱۴) حضرت شاہ غلام سرور جعفریؒ
(۱۵) حضرت شاہ مسیح اللہؒ
(۱۶) حضرت شاہ غلام رسول ہرلویؒ
(۱۷) حضرت شاہ محمد مظفر فکرت قادری بلخیؒ
(۱۸) حضرت شاہ میر محمد واسعؒ
(۱۹) حضرت شاہ میر بدلی شاہؒ
(۲۰) حضرت شاہ بدیع الزماں بیتھویؒ
(۲۱) حضرت شاہ سعد اللہ فریدی پھلوارویؒ
(۲۲) حضرت شاہ غلام جیلانی سرشارؒ
(۲۳) حضرت شاہ عبد المغنی جعفری پھلوارویؒ
(۲۴) حضرت شاہ محمد نعیم جعفریؒ
(۲۵) حضرت شاہ مظہر علی لکھنویؒ
(۲۶) حضرت شاہ رحمت اللہ فردوسی بہاریؒ
(۲۷) حضرت شاہ محمد احسنؒ
(۲۸) حضرت شاہ میر دوست علی داناپوریؒ
(۲۹) حضرت شاہ باب اللہ بیتھویؒ
(۳۰) حضرت شاہ میر یار علی منیریؒ
(۳۱) حضرت مولانا شاہ احمد عبد الحق ؒ
(۳۲) حضرت شاہ احمد عبد الحیٔؒ
(۳۳) حضرت شاہ نعمت اللہؒ
(۳۴) حضرت شاہ نور الحق تپاںؒ
(۳۵) حضرت شاہ شمس الدین ابولفرحؒ

باب نہم میں مندرجہ ذیل معاصر علماء ومشائخ کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) حضرت مولانا سید محمد غوث قادری غازی پوریؒ
(۲) حضرت سید محمد سعید المعروف بھیکھ چشتی انبالویؒ
(۳) حضرت سید عبد الرزاق قادری بانسوی
(۴) حضرت شیخ کلیم اللہ چشتی جہان آبادی
(۵) حضرت سید شاہ برکت اللہ قادری بلگرامی مارہرویؒ
(۶) حضرت شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادیؒ
(۷) حضرت محمد مبین جعفری زینبی پھلوارویؒ
(۸) حضرت مخدوم شاہ وجیہ الدین فردوسی بہاریؒ
(۹) حضرت نظام الدین فرنگی محلیؒ
(۱۰) حضرت شاہ صفت اللہ محدث قادری خیرآبادیؒ
(۱۱) حضرت شاہ پیر محمد اشرف چشتیؒ
(۱۲) حضرت شیخ ابوالفیاض قمر الحق غلام رشید جونپوریؒ
(۱۳) حضرت شاہ یٰسین چشتی داناپوریؒ
(۱۴) حضرت شاہ محمد مخدوم قادری پھلوارویؒ
(۱۵) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
(۱۶) حضرت شاہ محمد منعم پاکباز ابوالعلائی عظیم آبادیؒ
(۱۷) حضرت شاہ کریم الدین چشتی جیٹھلویؒ
(۱۸) حضرت شمس الدین حبیب اللہ
(۱۹) حضرت شاہ مرزا مظہر جان جاناں مجددی دہلویؒ
(۲۰) حضرت شاہ باسط علی قلندر الہ آبادیؒ

(۲۱) حضرت شاہ دولت علی خواجہ شاہ فردوسی (۲۲) حضرت شاہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامیؒ
(۲۳) حضرت شاہ محمد فاضل بن محمد صالح نقشبندیؒ (۲۴) حضرت شاہ عبداللہ بغدادیؒ
(۲۵) حضرت شاہ رکن الدین عشق عظیم آبادیؒ (۲۶) حضرت شاہ کمال علی دیوروی گیاوی

حضرت شاہ ہلال احمد قادری سے چند فروگذاشت بھی ہوئی ہیں انہوں نے مخدوم شاہ منعم پاکباز ابوالعلائی کے تذکرہ میں موضع پچنہ کو مضافات بہار شریف (ص: ۴۳۹) لکھا ہے، حالاں کہ موضع پچنہ کبھی مضافات بہار شریف (موجودہ نالندہ) کا حصہ نہیں رہا۔ موضع پچنہ ضلع مونگیر میں تھا اب یہ شیخ پورہ ضلع میں ہے۔ دوم یہ کہ مرزا مظہر جان جاناں (ص: ۴۴۴) کے مدفن کے سلسلے میں کوچہ میر قاسم لکھا ہے لیکن احاطہ خاص اندروں محلہ چتلی قبر کوچہ قاسم (دہلی) لکھا جانا چاہئے تھا۔

الغرض: حضرت شاہ ہلال احمد قادری کی گرانقدر علمی کارنامہ ’’سیرت پیر مجیبؒ ‘‘ حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ- بانی خانقاہ مجیبیہ کے مکمل حالات ان کے علمی وعرفانی خدمات کی تفصیل اور ان کے خلفاء ومجازین اور ہم عصر علماء ومشائخ کے تذکرے کے سلسلے میں مستند اور جامع کتاب ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی نے ’’سیرت پیر مجیب‘‘ پر تقدیم لکھتے ہوئے فرمایا ہے:

’’پیش نظر کتاب کے مؤلف اسی چمن کے گل نورستہ ہیں۔ عزیز موصوف (شاہ ہلال احمد قادری) نے اپنا ایک فرض ادا کیا ہے اور ہم جیسے ناکاروں کے سر سے ایک قرض اتارا ہے کہ حضرت تاج العارفین کی سوانح مرتب کر ڈالی جو ابھی تک نہیں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب بزرگوں کی کشف وکرامات اور محیر العقول داستان کی طرح واقعات کی کھتونی نہیں ہے یا سنی سنائی روایات کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ مستند حالات وواقعات کا مجموعہ ہے۔ جس کی حیثیت ایک کامیاب ریسرچ کی ہے۔ یہ ایک تحقیقی کتاب ہے جو حوالوں کے کام آئے گی‘‘— (سیرت پیر مجیب، ص: ۲، ۳)

سچ تو یہ ہے کہ (سیرت پیر مجیب) میں حضرت تاج العارفینؒ کی مکمل تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کا منبع وماخذ اب تک اس موضوع پر لکھی گئی عربی اور فارسی کتابیں ہیں جو عام لوگوں کی دسترس میں نہیں ہیں۔ حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ کو اللہ تبارک تعالیٰ نے سینوں اور سفینوں، دونوں قسموں کا علم عطا فرمایا تھا۔ حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ نے سجادہ نشینوں اور خانقاہ نشینوں کے ہر فرد بشر سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ نے خانقاہ مجیبیہ کی چارسو سالہ تاریخ کے پس منظر میں حضرت تاج العارفین کی تاریخ کے تمام گوشے کو چالیس سال کی شبانہ روز محنت کر کے سمیٹ لیا ہے۔

میری صمیم قلب سے خدائے لم یزل سے یہ دعا ہے کہ حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ کے اس کارہائے نمایاں کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور حضرت شاہ ہلال احمد قادریؒ پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻✻

مکاتیب و
پیغامات تعزیت

مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری کا انتقال خانقاہ مجیبیہ کا بڑا علمی خسارہ

● امارت شرعیہ پھلواری شریف

آج کی نشست میں بہار کی ایک اور قد آور علمی شخصیت خانقاہ مجیبیہ کے روح رواں اور صاحب طریقت عالم دین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری صاحب کے انتقال پر بھی اظہار تعزیت کیا گیا، حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری صاحب کا انتقال مورخہ ۳۱/ اگست ۲۰۲۰ء کو عصر اور مغرب کی نماز کے درمیان ہوا، اناللہ وانا الیہ راجعون ۔وہ کچھ ہفتوں سے کافی علیل تھے اور ایمس پٹنہ میں زیر علاج تھے ۔انتقال کی خبر جیسے ہی دفتر امارت شرعیہ پہونچی پورا ماحول سوگوار ہوگیا، فوری طور پر قائم مقام ناظم امارت شرعیہ مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب کی قیادت میں امارت شرعیہ کے علماء کا ایک وفد خانقاہ پہونچا اور زیب سجادہ حضرت مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری صاحب زید مجدہ سے مل کر اظہار تعزیت کیا اور حضرت امیر شریعت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر کا تعزیتی پیغام پہونچایا۔حضرت امیر شریعت مدظلہ نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کے انتقال سے مجھے بڑا صدمہ پہونچا، وہ، صاحب تحقیق، صاحب قلم، متواضع اور ملت کے لیے دردمند دل رکھنے والے عالم دین تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، وہ مجھ سے ذاتی طور پر بھی بہت قریب تھے، ان کا سانحہ ارتحال نہ صرف خانقاہ مجیبیہ کا بلکہ امارت شرعیہ سمیت پوری ملت کا بڑا علمی خسارہ ہے ۔حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری صاحب ایک موقر عالم دین، بڑی علمی شخصیت اور صاحب طریقت بزرگ تھے، آپ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری زید مجدہ کے خسر بھی تھے ۔امارت شرعیہ کے قائم مقام ناظم مولانا محمد شبلی القاسمی صاحب نے اظہار رنج کرتے ہوئے کہا کہ مولانا سید شاہ ہلال قادری کا امارت شرعیہ سے بھی تعلق تھا، جب بھی کسی ملی مسئلہ کے حل کے لیے مدعو کیا جاتا وہ دفتر تشریف لاتے اور بہت صائب رائے دیتے، دینی اور علمی لحاظ سے بھی ممتاز شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے خانقاہ مجیبیہ کے پیغام کو دور دراز علاقوں تک پہونچانے میں انتھک جد و جہد کی اور اللہ نے انہیں اس میدان میں بھی کامیابی عطا کی، وہ تحریر اور تقریر کے ذریعہ ملت کی آبیاری کرتے رہے، انہوں نے کہا کہ مولانا بڑے متواضع اور منکسر المزاج عالم دین تھے، ایسے روشن چراغ عالم دین کا اٹھ جانا صدمے کا باعث ہے ۔دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے ۔مولانا مرحوم کے سانحہ ارتحال پر مولانا مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نائب ناظم، مولانا مفتی سہیل احمد قاسمی صدر مفتی، مولانا ظفر عبدالرؤف رحمانی جنرل سکریٹری رحمانی فاؤنڈیشن مونگیر، مولانا سہیل احمد ندوی نائب ناظم، مولانا مفتی محمد سہراب ندوی نائب ناظم، مولانا محمد انظار عالم قاسمی نائب قاضی شریعت، مولانا مفتی وصی احمد قاسمی نائب قاضی شریعت، جناب سمیع الحق صاحب نائب انچارج بیت المال نے بھی اظہار تعزیت کیا، ان کے علاوہ دیگر ذمہ داران اور کارکنان امارت شرعیہ نے بھی دلی صدمے کے اظہار کے ساتھ مولانا کے لیے مغفرت و بلندی درجات کی دعا کی اور پسماندگان کے لیے صبر و ثبات کی تلقین کی ۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کا نعم البدل عطا کرے ۔آمین

****

علما اور خانقاہی بزرگوں کا وصال ملت اسلامیہ کا نا قابل تلافی نقصان

• تنظیم ''خانقاہی آواز''

گذشتہ چند ماہ میں جس تیزی کے ساتھ علما و مشائخ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوئے ہیں اس سے آقائے کائنات ﷺ کی پیشین گوئی آئینے کی طرح سامنے آ رہی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم آدمیوں سے چھینا نہیں جاتا لیکن علما کے مٹنے سے مٹ جاتا ہے یہاں تک کہ جب عالم باقی نہیں رہتے تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا اور سردار بنا لیتے ہیں، جو علم کے بغیر فتویٰ دیتے ہیں، اس طرح خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور مخلوق کو بھی گمراہ کر ڈالتے ہیں۔ (صحیح بخاری) بہار و جھارکھنڈ کے سب سے معمر بزرگ صاحب خانقاہ حضرت مولانا شاہ احمد علی عثمانی سملوی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ شرف جمشید پور کے وصال کا زخم ابھی ہرا ہی تھا کہ صوبہ بہار کی مشہور خانقاہ، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کی عظیم علمی شخصیت اور بزرگوں کی وراثتوں کے امین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی رحمۃ اللہ علیہ ۳۱/ اگست مطابق: ۱۱/ محرم الحرام کو بعد نمازِ عصر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے: انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شاہ ہلال احمد قادری مجیبی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقالِ پر ملال سے صرف خانقاہ مجیبیہ ہی نہیں بلکہ صوبہ بہار کی تمام خانقاہوں، صوفیانہ مشن اور ملت اسلامیہ کا نا قابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ اللہ جل شانہ نے حضرت شاہ صاحب کو گوناگوں خوبیوں اور مختلف خصوصیات سے نوازا تھا، وہ جہاں ایک عالم باعمل تھے وہیں ایک خوش فکر شاعر اور خطیب شیریں مقال تھے۔ سینکڑوں مقالات اور آدھے درجن سے زائد کتابوں کے مصنف، درس نظامی کے ماہر استاذ اور تفقہ فی الدین سے مالا مال منصب افتا پر فائز ایک ذمہ دار مفتی شرع متین تھے۔

ان سارے علم و فضل کے ساتھ ان کی بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کی ذات پندار علم سے بڑی حد تک محفوظ تھی۔ بڑے خوش اخلاق، منکسر المزاج اور مرنجاں مرنج قسم کے انسان تھے۔ اپنے سے کہیں چھوٹوں کے ساتھ بھی اس طرح پیش آتے کہ انھیں اپنے بڑے ہونے کا احساس ہونے لگتا۔ تنظیم خانقاہی آواز کے آپ ایک متحرک و فعال رکن بھی تھے، اس لیے بالخصوص آپ کی رحلت سے اس مشن کو زبردست زک پہنچا ہے اور تمام اہل خانقاہ نے آپ کی رحلت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ اللہ جل شانہ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین

****

موت العالِم موت العالَم

● خانقاہ عمادیہ قلندریہ منگل تالاب پٹنہ بہار

ستارے زمیں کے بجھے جا رہے ہیں
کہ نبیوں کے وارث اٹھے جا رہے ہیں

ایک طائرانہ نظر ہند پر ڈالیں تو آج کل علمائے کرام و مشائخ عظام کا اُفق پار جانے کا ایک سلسلہ سا بندھ گیا ہے، جس سے اہل السنت والجماعت اور بالخصوص اہل خانقاہ میں خلاء پیدا ہو گیا، اور اگر متحدہ بہار کی خانقاہوں کی بات کریں تو عظیم خسارہ ہوا جب بروز پیر ۲۷؍ جولائی ۲۰۲۰ء کو خانقاہ عمادیہ قلندریہ کے موجودہ سجادہ نشیں حضور رئیس المشائخ سید شاہ مصباح الحق عمادی کے چھوٹے ابی سید شاہ متین الحق متین عمادی عظیم آبادی مرحوم ہمارے درمیان سے رخصت ہوئے، پھر ۱۶؍ دن بعد ہی بتاریخ ۱۳؍ اگست ۲۰۲۰ء خبر موصول ہوتی ہے کہ مولانا شاہ احمد علی عثمانی سملوی فردوسی صاحب مرحوم (بانی خانقاہ شرف، ذاکر نگر، جمشید پور) رحلت فرما گئے اور آج ۱۹؍ دن بعد ہی (بروز بدھ ۲؍ ستمبر ۲۰۲۰ء) آپ کے چھوٹے بھائی مولانا شاہ امین عثمانی صاحب مرحوم بھی ہم سے رخصت ہو گئے، ان تسبیح کے موتیوں میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے فردِ عظیم خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری صاحب کے خسر مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری صاحب مرحوم کا انتقالِ پُر ملال بروز پیر ۳۱؍ اگست ۲۰۲۰ء کو ہوا، جہاں آپ کی غیر موجودگی بالعموم صوبہ بہار کی تمام خانقاہوں اور ملتِ اسلامیہ کا ایسا نقصان ہے جس کا تدارک ممکن نہیں وہیں بالخصوص خانوادۂ عماد و مجیب کا ناقابل تلافی خسارہ ہے؛ کیوں کہ دونوں ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں؛ یعنی خانقاہ عمادیہ قلندریہ اور خانقاہ مجیبیہ کے جدِّ اعلیٰ ایک ہی ہیں، دونوں خانقاہوں میں قدیم زمانہ سے بڑے اچھے مراسم رہے ہیں اور آج بھی دونوں خانقاہوں کے سجادہ نشینوں کے درمیان بڑے اچھے مراسم ہیں، آپس میں دونوں حضرات کی بذریعہ واٹس ایپ اکثر باتیں ہوتی رہتی ہیں اور دونوں خانقاہ کا اصول ہے کہ جب خانقاہ عمادیہ قلندریہ کے سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ تشریف لے جاتے ہیں تو خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں خلوت شریف سے باہر نکل کر استقبال کرتے ہیں جو کہ آج بھی قائم ہے اور رہی بات شاہ ہلال احمد قادری صاحب مرحوم کی تو خانقاہ عمادیہ کے موجودہ سجادہ نشیں حضور رئیس المشائخ سید شاہ مصباح الحق عمادی صاحب قبلہ کی گفتگو شاہ ہلال احمد قادری صاحب مرحوم سے مختلف عناوین (نسب و تذکرہ، فقہ و تفسیر و حدیث وغیرہ) پر فون کال کے ذریعہ گھنٹوں ہوا کرتی تھی۔

بروز پیر ۲۲؍ ستمبر ۲۰۱۴ء کو ایک عظیم الشان اور تاریخی تحفظِ گنبدِ خضریٰ کانفرنس منعقد کی گئی تھی جس کی میزبانی صوبہ بہار کی اکثر خانقاہیں اور پٹنہ کے دیگر اہل سنت کے ادارے اور مدارس کر رہے تھے جس کے روحِ رواں خانقاہ عمادیہ قلندریہ کے موجودہ سجادہ نشیں حضور رئیس المشائخ سید شاہ مصباح الحق عمادی صاحب قبلہ، خانقاہ مجیبیہ سے مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی صاحب مرحوم اور خانقاہ منعمیہ قمریہ کے موجودہ سجادہ نشیں تھے۔

خانقاہ عمادیہ قلندریہ مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی صاحب مرحوم، مولانا شاہ احمد علی عثمانی سملوی فردوسی صاحب مرحوم اور مولانا شاہ امین عثمانی صاحب مرحوم کے انتقال پر اظہارِ افسوس کرتی ہے اور خانقاہ مجیبیہ اور خانقاہ شرف کے ساتھ غم میں بالکل برابر کی شریک ہے۔

وہ جن سے تھی روشن فضائے طریقت
دیئے رفتہ رفتہ بجھے جارہے ہیں
انا للہ وانا الیہ راجعون

****

معروف عالم دین شاہ ھلال احمد قادری کی وفات عظیم سانحہ

- خانقاہ منیر شریف

معروف عالم دین وصوفی بزرگ سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی صاحب کی وفات اہل علم، اہل تصوف اور ہم سب لوگوں کے لئے عظیم سانحہ ہے۔انہوں نے ساری زندگی نیکی کے کاموں میں اور عوام کی خدمت کرتے ہوئے گزاری اور تمام مکاتب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی ہمہ تن کوشش کی۔

ان کو خانقاہ منیر شریف سے خاص لگاؤ تھا اور سید شاہ عنایت اللہ فردوسی منیری نور اللہ مرقدہ، سید شاہ مراد اللہ فردوسی منیری نور اللہ مرقدہ، شاہ نور الدین احمد فردوسی منیری نور اللہ مرقدہ، شاہ برہان الدین احمد سہروردی نور اللہ مرقدہ، اور شاہ تقی الدین احمد فردوسی ندوی منیری مدظلہ العالی کو بہت مانتے تھے۔

منیر شریف کے سجادہ سید شاہ طارق عنایت اللہ فردوسی پر بھی شفقت کی نظر رکھتے تھے۔ان کی رحلت ہمارے لیے ایک بڑا خسارہ ہے۔اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین!

****

آہ! مولانا سید ھلال احمد قادری مجیبی

● شاہ عمار احمد احمدی نیر میاں — سجادہ نشین خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف

اپنے جید اکابر علماء و مشائخ اور عزیزوں کے کھو جانے کا غم ابھی ہلکا بھی نہیں ہوا تھا کہ مزید ایک نہایت ہی افسوسناک اور اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ ہمارے درمیان اب حضرت علامہ مولانا سید ہلال احمد مجیبی قادری نہیں رہے، موصوف حضرت شاہ عون میاں پھلواروی کے بھتیجے تھے اور موجودہ سجادہ نشین سید شاہ محمد آیت اللہ مجیبی قادری کے خسر تھے کئی کتابوں کے مصنف تھے اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے بلند پایہ نمائندہ اور علمی شخصیت تھے موصوف کا شمار علمی حلقوں میں ایک صاحب تصانیف کثیرہ کے حوالے سے معروف اور مشہور ہے علمی دنیا میں آپ کے سیکڑوں مقالات اہم عنوان پر موجود ہیں۔

خانقاہ شیخ العالم ردولی شریف سے موصوف کا گہرا ربط تھا ان کا ہی نہیں بلکہ ان کے چچا جان شاہ عون میاں قبلہ کا ہمارے دادا حضرت شاہ آفاق احمد سے بڑا گہرا تعلق تھا میرا شاہ ہلال میاں سے خوش گوار ربط وضبط تھا ان کے ساتھ کئی سفر کرنے کا اتفاق ہوا خصوصیت کے ساتھ پاکستان کا سفر بڑا ہی یادگار تھا۔ موصوف نہایت ہی منکسر المزاج اور متواضع تھے ان کے عادات و اطوار میں دینداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

خانقاہ مجیبیہ اور خانقاہ شیخ العالم کے اکابرین کے درمیان قدیم زمانے سے قربت رہی اور تاہنوز وہی قربت قائم ہے اسی بنا پر میں اور خانقاہ شیخ العالم کے تمام اراکین وخدام اس غم کی گھڑی میں ان کے لواحقین کے ساتھ ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت ان کے درجات بلند کرے اور ان کے اہل خانہ کو اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے سجادگان و دیگر اراکین کو صبر جمیل عطا کرے اور اس کا جلد سے جلد نعم البدل عطا کرے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

● مولانا محمد ولی رحمانیؒ — امیر شریعت بہار جھارکھنڈ اڈیشہ

عزیز مکرم ومحترم ادام اللہ فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کے سانحۂ ارتحال کی خبر ملی، جس سے بڑا صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی خدمات وحسنات کو قبول فرمائے، درجات کو بلند کرے، اعلیٰ علیین میں جگہ دے، آپ اور تمام پسماندگان نیز خانقاہ کے مریدین و متوسلین کو صبر وقرار دے اور سبھوں کو بزرگوں کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین!

حضرت مرحوم کی ذات ملت کے لیے بڑی قیمتی تھی، اپنے علم وعمل، اپنی روایات سے وہ سبھوں کے لیے نمونہ تھے، ان کی ذات سے نہ صرف تصوف وسلوک کے میدان میں، بلکہ علم وحکمت دین کے میدان میں بھی بڑا افائدہ پہنچا، ان کی زبان اوران کے قلم نے دین کی مسلسل خدمت انجام دی، حضرت مرحوم امارت شرعیہ اور خانقاہ رحمانی سے بھی بہت تعلق خاطر رکھتے تھے۔ اب اللہ کے دین کا یہ خادم اللہ کے دربار حاضر ہے، اللہ تعالیٰ رحمت میں ڈھانپ لے اور مغفرت کا پروانہ مل جائے، (آمین) ہم جیسے گنہگاروں کی یہی دعا ہے۔

خاص طور پر خانقاہ مجیبیہ، آپ اور آپ کے خاندان کے لیے یہ بہت بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ خانقاہ میں علمی وروحانی شخصیتیں پیدا فرمائے اور آپ تمام حضرات کو صبر وقرار دے، آمین یارب العالمین۔

بظاہر حال میری بھی عمر جانے کی آچکی ہے، ۷۸ رسال میں چل رہا ہوں، کب جانا ہوگا کچھ پتہ نہیں، بس عرض یہ ہے کہ جب یاد آؤں، دعا حسن خاتمہ اور دعاء مغفرت کردیا کریں، تمام متعلقین موجودین سے سلام مسنون عرض ہے۔

والسلام

محمد ولی رحمانی

یکم ستمبر ۲۰۲۰ء

مطابق ۱۲ر محرم الحرام ۱۴۴۲ھ سہ شنبہ

****

مکتوب تعزیت بنام مولانا شاہ بدر احمد مجیبی مدظلہ

• مولانا سید حمزہ حسنی ندوی — نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

خانوادۂ مجیبیہ کے رکن رکین مشہور مورخ و مصنف اور خطیب مولانا شاہ ہلال احمد قادری کی وفات کی خبر آج اخبار کے ذریعہ ملی، یقیناً ان کی وفات خانوادہ کے لیے باعث صدمہ ہے، پوری ملت اسلامیہ کے لیے بھی باعث نقصان ہے اور صاحب سجادہ کے لیے خصوصی طور پر بڑے صدمے کی بات ہے۔

ندوۃ العلماء سے آپ کے خانوادہ کا جو قدیم تعلق ہے، اس کی بنا پر پوری ندوی برادری آپ کے غم میں شریک ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آپ پورے خانوادہ کو ندوۃ العلماء کی طرف سے تعزیت پیش فرمادیں، عنایت ہوگی۔

والسلام

محمد حمزہ حسنی ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۲ر محرم ۱۴۴۲ھ

****

شاہ ہلال احمد قادری کا انتقال ناقابل تلافی نقصان

• سید شاہ طارق عنایت اللہ فردوسی — خانقاہ منیر شریف

خانقاہ مجیبیہ کی عظیم شخصیت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری بڑے ہی مخلص، خوش مزاج، شیریں بیاں مقرر، مصنف، ادیب و شاعر تھے، ان کے اندر عاجزی، انکساری، تقویٰ پرہیزگاری کوٹ کوٹ کر بھری تھی، شاہ ہلال احمد قادری کا انتقال نہ صرف خانقاہ مجیبیہ بلکہ بہار کی تمام خانقاہوں اور ملت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حبیب کے صدقہ وطفیل میں جوار رحمت میں جگہ عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری خوبیوں اور عمدہ اوصاف وکمالات سے نوازا تھا، خوش اخلاقی وملنساری ایسی تھی کہ پہلی بار ملنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔

****

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

● **مولانا وارث ریاضی— کاشانہ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن**

مخدومنا المکرم حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری دامت برکاتہم — سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یکم ستمبر ۲۰۲۰ء روزنامہ فاروقی تنظیم پٹنہ کے ذریعے سے یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ حضرت مولانا ہلال احمد قادریؒ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے (انا للہ وانا الیہ راجعون) حضرت مولانا علیہ الرحمہ جیسے جلیل القدر، عالم دین اور شیخ طریقت کا سانحہ ارتحال نہ صرف خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، بلکہ ملت اسلامیہ ہند کے لیے نقصان عظیم ہے۔

پانچ سات دن پہلے محب گرامی جناب مولانا محمد مقصود عالم مجیبی صاحب نے فون پر حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی علالت کی اطلاع دی تھی کہ وہ ایمس میں زیر علاج ہیں اور حالت ٹھیک نہیں ہے، کیا خبر تھی کہ حضرت مولانا داغ مفارقت دے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا کرے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین!

۶/اگست ۲۰۱۹ء کو یہ ناچیز خانقاہ مجیبیہ میں پہنچا تھا تو معلوم ہوا تھا کہ حضرت مولانا ہلال احمد قادریؒ اپنے چند نیازمندوں کے ساتھ بغداد شریف کے دورہ پر تشریف لے گئے ہیں اور آج کل ہی میں واپسی ہوگی۔ افسوس کہ ان سے ملاقات نہیں ہوسکی۔

حضرت مولانا ہلال احمد قادریؒ بالغ نظر عالم دین اور بہت محتاط صاحب قلم تھے، پچھلے دنوں ناچیز نے اپنی کتاب ''نقوش آگہی'' ان کی خدمت میں پیش لفظ لکھنے کے لیے بھیجی تھی تو انہوں نے فون پر اس کتاب پر پیش لفظ لکھنے سے معذرت کردی اور فرمایا:

> ''کتاب میں تحقیقی مضامین ہیں، ان میں جن مآخذ کے حوالے دیئے گئے ہیں، تدریسی مشغولیت کے باعث ان مآخذ تک میری رسائی دشوار ہے، اس لیے اس کتاب پر میں کیسے اظہار خیال کرسکتا ہوں؟ بہتر ہے کہ آپ اس کتاب پر جناب مولانا عمیر الصدیق ندوی صاحب سے مقدمہ لکھوائیے، کیوں کہ اس کتاب میں کئی مضامین معارف میں شائع ہوئے ہیں۔''

حضرت مولانا نے ناچیز کی کتاب پر مقدمہ لکھنے سے معذرت کرتے ہوئے اس بات کی طرف واضح اشارہ فرمایا کہ کسی تحقیقی کتاب پر مقدمہ لکھنے والے اصحاب قلم کے لیے ضروری ہے کہ اس کتاب میں جو حوالے پیش کئے گئے ہیں، ان حوالوں کے مطالعے کے بعد ہی مقدمہ تحریر کریں، ورنہ مقدمہ لکھنے کا حق ادا نہیں ہوگا۔ یہ وصف آج کل کے اصحاب قلم میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔

بہ ہر حال حضرت مولانا ہلال احمد قادریؒ کی وفات حسرت آیات کے غم میں یہ ناچیز برابر کا شریک ہے۔ والسلام

عقیدت مند

وارث ریاضی

۲/ستمبر ۲۰۲۰ء

****

مولانا شاہ ھلال احمد قادری کا سانحۂ ارتحال

● سید شاہ سیف اللہ ابو العُلائی — سجادہ نشین: خانقاہ سجادیہ ابوالعُلائیہ، داناپور

مولانا شاہ ہلال احمد قادری کے سانحۂ ارتحال کی خبر سے انتہائی صدمہ ہوا ان کی عنایات اور کرم فرمائیاں یاد آ گئیں، یقیناً یہ صدمہ اہل بہار ہی نہیں ملت اسلامیہ کا ہے، یہ صدمہ ہمارا ہے، خاندان سوگوار ہے اور غمگین ماحول ہے، ان کی وفات حسرتِ آیات سے ایک شفیق بزرگ سے آج ہم لوگ محروم ہو گئے، واقعی وہ ایک عظیم انسان تھے، ان کی رحلت سے قوم وملت کا بڑا خسارہ ہوا ہے، انتہائی سادہ مزاج، عالی وقار اور ماہر علم وفن و یگانۂ عصر تھے، وہ ہر ایک سے بلا تکلف ملتے تھے اور خیریت دریافت کرتے تھے، انہیں مجھ سے بڑی محبت تھی، میرے دادا حضرت شاہ اکبرؔ داناپوری کے اشعار انہیں خوب یاد تھے۔

جو بنے آئینہ وہ تیرا تماشا دیکھے
اپنی صورت میں ترے حُسن کا جلوہ دیکھے

اس غزل پر ان کو کیفیت بھی آئی ہے، ایسی ہستی بار بار زمانے میں پیدا نہیں ہوتی، وہ قابل رشک انسان تھے دینی معاملات ہو یا دنیاوی معلومات ہر ایک پر مضبوط گرفت رکھتے تھے۔

****

مولانا شاہ ھلال احمد قادری خوش مزاج اور مہمان نواز تھے

● سید شاہ خالد امام ابو العُلائی — خانقاہ سجادیہ ابوالعُلائیہ، داناپور

مولانا شاہ ھلال احمد قادریؒ ایک دلچسپ، خوش مزاج اور مہمان نواز تھے، ان کی گفتگو اور تحریر دونوں میں لطیف، سنجیدہ اور بامعنیٰ مزاح کارفرما ہوتا، ان کی تمام خوبیوں کا احاطہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، انہیں کبھی اس کا خیال نہیں رہا کہ لوگ کیا کہیں گے، ہر حال میں مست اور ملت اسلامیہ کے کاموں میں ہر وقت تیار کھڑے رہتے، انہیں اپنے ماضی سے عشق تھا، ابتدائی عہد سے میں ان سے واقف ہوں وہ سبھی کے دوست تھے، چاہے کوئی مریض ہو کہ مولانا، عام انسان ہو کہ بڑا حاکم روحانی تعلیمات کا خوگر ہو کہ دینی تعلیم کا واقف کار، علم دوست ہو کہ ادب دوست کسی کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ آپ ان سے کسی سے کم پیار یا شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔

****

شاہ ہلال احمد قادری جید عالم عاشق رسول پیکر تصوف وتفقہ

● ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر — سجادہ نشین: خانقاہ ابوالعلائیہ، الہ آباد

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری نے دارفانی کو خیرباد کہہ کر نہ صرف بزم خانقاہ بلکہ تمام حلقۂ سنیت کو غمزدہ کر دیا، حضرت کی وفات پر تعزیت کرتے ہوئے قلم سکتے میں ہے، جید عالم دین، عاشق رسول اور پیکر تصوف وتفقہ کی جدائی خدمت دینی کا چراغ محفل مدہم ہوگیا، ان کی تمام تصانیف، تحقیقات وتوضیحات ان کی یادگاریں ہیں وہ زبان وقلم کے عظیم مجاہد اور ’موت العالم موت العالَم‘ کے سچے مصداق تھے، انسانیت نوازی اور بذلہ سنجی کے خوشگوار سرمایہ نے اپنے خیر خواہوں اور عوام الناس کو ہمیشہ متاثر کیا، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں حضرت شاہ صاحب کی دینی خدمات اور بے شمار نیکیوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور ان کی قبر پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔

****

اولادِ سیدہ زینب کو قرب سیدہ زینبؓ میسر ہو!

● پروفیسر حسین الحق — سجادہ نشیں دائرہ حضرت وصی سہسرام

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی نمائندہ شخصیت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کا انتقال خصوصاً خانقاہوں کا ایک ناقابل فراموش نقصان ہے، مولانا شاہ ہلال احمد قادری ایک عالم باعمل، منفرد مقرر، مایہ ناز مصنف، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے ترجمان اور نمایندہ خاص تھے، شاہ صاحب حضرت مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری مدظلہ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ کے خسر تھے، پھلواری شریف خانقاہ ہی نہیں، بہار کی تمام خانقاہوں کی علمی شخصیات میں ممتاز مقام کے حامل تھے، پچاسوں مقالات کے مقالہ نگار، نصف درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف، جن میں خانوادہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا، یزید حقائق کے آئینے میں، نغمات الانس فی مجالس القدس وغیرہ، کتابیں بہت مشہور ہوئیں۔ مولانا شاہ ہلال احمد قادری کے خانقاہ دائرہ حضرت وصی، سہسرام سے دیرینہ اور برادرانہ تعلقات تھے، حضرت مولانا مرحوم، دائرہ کے عرس میں بھی شریک ہوئے، فقیر اور دائرہ حضرت وصی، سہسرام کے تمام اہل خانوادہ، متعلقین اور وابستگان اس حادثہ عظیم پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں اور صاحب سجادہ خانقاہ مجیبیہ کے حضور اپنا جذبہ تعزیت اور پرسہ بہت دکھی دل کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اللہ تمام آل واولاد اور خصوصاً ان کی والدہ محترمہ کو صبر کی طاقت عطا فرمائے اور مولانا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ ماہ محرم کے صدقے میں اولاد سیدہ زینب کو قرب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا میسر ہو۔

****

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

• جناب نتیش کمار صاحب — وزیر اعلیٰ بہار

حضرت شاہ ہلال احمد قادری صاحب کے انتقال پر وزیر اعلیٰ نے گہرے صدمہ کا اظہار کیا:

پٹنہ ۳۱/ اگست ۲۰۲۰ء وزیر اعلیٰ جناب نتیش کمار نے خانقاہ مجیبیہ سے منسلک حضرت شاہ ہلال احمد قادری صاحب کے انتقال پر گہرے صدمہ کا اظہار کیا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ حضرت شاہ ہلال احمد قادری صاحب کے انتقال کی خبر سے بہت رنجیدہ ہوں، انہوں نے کہا کہ حضرت شاہ ہلال احمد قادری صاحب مستند اسلامی اسکالر اور بہار کے مشہور عالم دین تھے، حضرت صاحب بہار مدرسہ بورڈ اور بہار ریاستی حج کمیٹی کے سابق رکن بھی تھے۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں جنت میں اہم مقام عطا کرے اور ان کے اہل خانہ کو اس ناقابل تلافی نقصان کو برداشت کرنے کی قوت عطا کرے۔

****

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

• جناب قیام الدین صاحب مرحوم— کراچی

محترمی و مکرمی حضرت مولانا محمد آیت اللہ قادری صاحب مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی خبر ملی کہ حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمہ کرونا میں مبتلا ہو کر ہسپتال میں داخل تھے اور گذشتہ دنوں آپ خالق حقیقی سے جا ملے—اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارے اہل خانہ، اہلیان شہر کراچی اور اہلیان پاکستان پر یہ خبر بجلی بن کر گری، اللہ تعالیٰ ہمیں اور خصوصی طور پر آپ کو مع تمام وابستگان خانقاہ مجیبیہ کو صبر جمیل عطا کرے اور حضرت ہلال قادری قدس سرہٗ کے درجات بلند کرے۔آمین یارب العالمین!

حضرت قدس سرہٗ کی کلی کو تمام مریدان، متوسلین اور عقیدت مند بھلا نہ سکیں گے، آپؒ نے ہندوستان اور پاکستان میں رہنے والے سلسلہ مجیبیہ سے وابستہ افراد کو ایک لڑی میں پروئے رکھا، ہم جیسے بے سہاروں کے لیے ہمت اور طمانیت کا ذریعہ تھے، میری طرف سے تمام اہل خانہ خصوصیت کے ساتھ حضرت امین اللہ صاحب، سعد اللہ صاحب اور منہاج الدین بابو سے تعزیت فرمائیں۔فقط

غمگین دل کے ساتھ

قیام الدین عفی عنہ۔کراچی

۲۰۲۱/۹/۳ء

مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کی رحلت ایک پرکشش دور کا خاتمہ

• سید محمد خالد قادری— گریٹر نوئیڈا، دہلی

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ پھلواری شریف کے علمی، دینی اور روحانی خاندان کے چشم و چراغ تھے، آپ کے دادا حضرت امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ بلند فقیہ، بڑے محدث، جلیل القدر صاحب نسبت کشف و کرامت بزرگ تھے، ایام طفولیت سے ایام جوانی تک آپ نے اپنے دادا علیہ الرحمہ کی نگرانی و سرپرستی میں زندگی کے زریں ایام گزارے، حضرت علیہ الرحمہ نے کئی دفعہ اپنی تحریروں میں اس کا ذکر کیا ہے، اپنے دادا سے ہی اکتساب علم و فیض کیا اور دارالعلوم خانقاہ مجیبیہ سے درسیات کی تکمیل فرمائی۔

حضرت علیہ الرحمہ جہاں اپنے عہد کے مشہور و معروف خطیب و مقرر تھے، وہاں ایک نامور اور بلند پایہ مصنف و مؤلف بھی تھے، آپ کی تصانیف، اہم تحریریں اور نگارشات آپ کی یادگار ہیں، آپ کے خطابات و مقالات کانفرنسوں اور سیمیناروں میں بڑے انہماک و اہتمام سے سنے جاتے تھے۔

حضرت علیہ الرحمہ سے ناچیز راقم السطور کا قریبی عزیز رشتہ یہ تھا کہ ہماری منجھلی ہمشیرہ آپ کی زوجہ تھیں، قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری ہمشیرہ کے لئے صبر و استقامت کی دعا کریں جنہوں نے حضرت کی رفاقت کے تینتالیس سال گزارے، حضرت کی وفات حسرت آیات سے بہت غمزدہ رہنے لگی ہیں، بجھی سی گئی ہیں، افسردہ ہوگئی ہیں جس کا کافی احساس ہم گھر والوں کو شدت سے ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں خصوصیات سے نوازا تھا، حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی علمی وجاہت سے اپنے خاندانی فکر کو متعارف کرایا اور اکابرین پھلواری کے اعتماد کو بھی باقی رکھا، انہوں نے اپنا میدان خود بنایا تھا، لوگوں میں ان کا تعارف ان کی علمی و قلمی خدمات کی وجہ سے تھا، وہ امت کے لئے بہت مفید اور کارآمد شخصیت کے حامل انسان تھے، متنوع موضوع پر آپ کی تحریریں خاصے کی چیز ہیں لیکن سوانح حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس اللہ سرہٗ، سیرت پیر مجیب، خانوادہ سیدہ زینب، نغمات الانس فی مجالس القدس، آپ کے علمی باقیات اور لازوال علمی شاہکار ہیں۔

۱۱ر محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱ر اگست ۲۰۲۰ء کو میدان تصوف، علم و قلم کا یہ شہسوار ایک ماہ کی مسلسل علالت و معالجہ کے بعد دنیا کو الوداع کہہ گیا، مقبرۂ مجیبیہ میں آسودۂ خواب ہیں، خدا ان کی قبر کو نور سے بھر دے— آمین

****

پیغام تعزیت

● **مولانا ریاض احمد قادری** — خانقاہ سراجیہ، بنارس

شدید خواہش کے باوجود چہارم کے فاتحہ میں شرکت سے معذور ہوں، کہ گھٹنے کا درد اور نقاہت سفر میں مانع ہے۔

خانقاہ سراجیہ شریف میں فاتحہ اور ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔

حضرت صاحب سجادہ مدظلہ کی خدمت میں نیز مولانا بدر احمد قادری مجیبی اور مولانا مشہود احمد قادری مجیبی کی خدمت میں میری جانب سے تعزیت اور سلام پیش کر دیں۔ بہجت سلمہ کے لئے بھی میری جانب سے تعزیت پیش ہے۔ اللہ تعالی انھیں دینی و روحانی ترقی عطا فرمائے اور اپنے والد مرحوم کا صحیح جانشین بنائے۔

****

پیغام تعزیت

● **سید معصوم علی رحمانی** — خانقاہ رحمانی مونگیر

میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لئے روزانہ ایصال ثواب کر رہا ہوں اور مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کر رہا ہوں، اللہ تبارک وتعالی قبول فرمائیں، میں نے اپنے تمام متعلقین کو بھی تحریر لکھ کر مطلع کر دیا ہے اور ان سے مولانا مرحوم کے لیے مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کی درخواست کی ہے۔

مولانا مرحوم کی رحلت نہ صرف پوری ملت اسلامیہ کا بلکہ میرا ذاتی ناقابل تلافی نقصان ہے اور ان کا نعم البدل صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ برائے مہربانی آپ مولانا مرحوم کے تمام پسماندگان اور متعلقین کی خدمت میں میری اور میرے اہل خانہ کی جانب سے سلام ودعا پیش کر دیں اور دل کی گہرائی سے تعزیت کرلیں میں اور میرے اہل خانہ اس انتہائی غم واندوہ کی گھڑی میں ہر طرح ان کے ساتھ ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی قدم بہ قدم ساتھ رہیں گے، حضرت مولانا مرحوم کی والدہ، اپنی ہمشیرہ، مولانا مرحوم کے صاحبزادے عزیزی بہجت سلمہ اور صاحب سجادہ حضرت مولانا سید شاہ آیت اللہ قادری صاحب مدظلہ سے خصوصی طور پر میری اور میرے اہل خانہ کی جانب سے تعزیت فرمالیں، اللہ تبارک وتعالی آپ تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور مولانا کے رحلت فرمانے سے جو زخم لگا ہے اس سے جلد سے جلد شفاء کلی عطا فرمائیں۔ آمین

سید معصوم علی رحمانی

خانقاہ رحمانی مونگیر- حال مقام۔ نیوجرسی امریکہ

****

مشائخ صوفیہ کے سچے محب اور ان کے دافع و ترجمان

● مولانا محمد مجیب الرحمن علیمی — جامعہ عارفیہ سید سراواں الہ آباد

شاہ ہلال قادری علیہ الرحمہ سے اس فقیر کی متعدد ملاقاتیں تھیں ،آپ علم دوست ،خرد نواز ،خوش اخلاق اور نستعلیق شخصیت کے مالک تھے۔مشائخ صوفیہ کے سچے محب اور ان کے دافع و ترجمان تھے۔

شاہ صفی اکیڈمی کے علمی کاموں کے لئے مخطوطات کی فراہمی و جستجو کے سلسلے میں ہم نے آپ سے جب بھی رابطہ کیا آپ نے اپنی پوری توجہ سے نوازا اور ہر ممکن مدد فرمائی۔

خزانہ جلالی کے سلسلے میں جب رابطہ کیا تو کتمان علم کی عام روش سے ہٹ کر آپ نے ہماری علمی مدد کی آپ نے فرمایا کہ خزانہ جلالی خدا بخش میں موجود ہے کہ نہیں معلوم کرنا ہوگا لیکن خانقاہ شریف کی لائبریری میں ایک نسخہ موجود ہے اگر آپ کہیں تو اس کی کاپی بھیج دی جائے۔

پھر مرشد گرامی حضور داعی اسلام ادام اللہ ظلہ علینا کے حکم پر مخدوم گرامی مولانا حسن سعید صفوی کے ہمراہ کیمرے کے ساتھ ہم خانقاہ عارفیہ سے خانقاہ مجیبیہ پہنچے اور شاہ ہلال علیہ الرحمہ نے خزانہ جلالی کی عکس کشی میں ہماری ہر ممکن سہولت کا انتظام کیا اور مخدوم گرامی قدر حضرت شاہ آیت اللہ قادری دام فیوضہ نے اپنے الطاف کریمانہ سے نوازا۔

اس طرح خانقاہ مجیبیہ میں متعدد ملاقاتیں آپ سے رہی اور ایک ملاقات خانقاہ عارفیہ میں اس وقت ہوئی جب آپ جامعہ عارفیہ میں داخلہ کے لئے اپنے صاحبزادے کو لے کر تشریف لائے تھے۔آپ کی ساری ملاقاتیں خوش گوار اور ہمارے لئے یادگار ہیں۔

بہت سارے مسائل پر تبادلہ خیال کے لیے بلا تکلف فون رابطہ بھی رہا آپ کا مسکرانا اور پھر جی بھر کر ہنسنے کا لطف اٹھانا ہمیں اچھی طرح یاد ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت فرمائے آمین۔

آپ کی شخصیت اور خدمات پر ایک مقالہ تیار کرنے کا ارادہ تھا اور مزید حالیہ سفر میں جب آپ کے مزار پر حاضری کا موقع ملا تو مخدوم گرامی قدر حضرت شاہ آیت اللہ قادری دام ظلہ العالی کا حکم ہمارے ارادے کی پختگی کا سبب بنا۔لیکن چند ماہ سے سامان دنیا کی فراہمی یعنی آبائی وطن میں مکان کی تعمیر کی محبت نے ایسا غلبہ حاصل کر لیا ہے کہ سعادتوں سے مسلسل محرومی ہو رہی ہے۔حضرت صاحب سجادہ کے حکم کی خاطر خواہ تکمیل نہ کرنا بھی ان ہی محرومیوں میں سے ایک ہے۔اللہ پاک ہماری مغفرت فرمائے اور حضرت شاہ ہلال علیہ الرحمہ کے درجات بلند فرمائے اور ان کے وارثین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مشائخ صوفیہ کا سچا محب، جانشین و وارث بنائے آمین ثم آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

صوفیت وسُنیت کے ترجمان شاہ ہلال احمد قادری

• مولانا ناصر مصباحی رامپوری

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف ''علیہ الرحمہ'' ہو چکے ہیں، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو کروٹ کروٹ رحمت و نور عطا فرمائے، آمین۔

بلا شبہ جماعتِ علمائے اہل سنت کے بیچ حضرت علیہ الرحمہ قابل ذکر شخصیات میں شامل تھے اور خانقاہ مجیبیہ کی سب سے ذمہ دار نمائندہ شخصیت تھے ہم آپ کی تحریریں پڑھتے رہتے ہیں۔

کئی سال قبل ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب حضرت کی دو تین صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی تحریر ناچیز گناہ گار کے نام بھی آئی، یہ میرے لیے سعادت کی بات تھی، یہ تحریر آج بھی ناچیز کے پاس محفوظ ہے.

آج حضرت نہ رہے اور ناچیز اُن سے راست ملاقات و بات کرنے سے بھی محروم ہی رہا یقیناً حضرت علیہ الرحمہ صوفی سنی مسلک کے سنجیدہ اور ذمہ دار عالم تھے اور برصغیر کی فتنہ پرور مسلکی سیاست سے کلیتاً دور۔

آپ جیسے جری اور باحوصلہ علما کا دنیا سے رخصت ہونا ہمارا علمی نقصان تو ہے ہی اصل خسارہ اُن فولادی دیواروں کا کمزور پڑنا بھی ہے جو دیوبندی بریلوی خانہ جنگی کے خلاف بڑی مضبوطی سے اپنی جگہ کھڑی رہی ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ آپ کی مغفرت فرمائے آپ کے پس ماندگان وعقیدت مندان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ملتِ مسلمۂ ہندوپاک کے بیچ آپ کے امثال بڑھائے. آمین

****

عصرِ حاضر کی مشہور و معروف شخصیت

• جناب سید عمران غنی صاحب —— مخدوم راستی کالونی پھلواری شریف

عصر حاضر کی مشہور و معروف شخصیت رئیس القلم، مشہور و معروف خطیب، عارف و کامل بزرگ حضرت مولانا الحاج شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی، خانقاہ مجیبیہ پٹنہ، کا وصال ہو گیا انا للہ و انا الیہ راجعون، ابھی تدفین سے لوٹا ہوں دل یقین نہیں کر رہا ہے کہ آپ سے اب اس دنیا میں ملاقات نہیں ہوگی، جمعرات کو قل خانقاہ مجیبیہ میں ہوگا۔

****

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

• مولانا منتظم علی امانی مرحوم — کٹک اڈیشہ

معدن الجود والکرم مخدومی ومطاعی ادام اللہ فیوضہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ مع الخیر ہوں، خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو۔

گزشتہ ۳۱؍اگست کی شام کو اپنے لڑکے عزیزی مولوی محمد کامل کے فون سے اس سانحۂ عظیم کی اطلاع بجلی بن کر گری کہ حضرت شاہ ہلال احمد قادری اب اس دنیاء فانی میں نہ رہے — اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خدا رحمت کند آں عاشقان پاک طینت را

کیا بتاؤں اس حادثہ فاجعہ کا اپنے ذہن و دماغ پر کتنا گہرا اثر ہوا، کئی گھنٹوں تک اس کا یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ایسا ہوسکتا ہے، مگر مشیت ایزدی کے سامنے کس کی چل سکتی ہے، جہاں آدمی بالکل لاچار ہے، موصوف اپنے اعلیٰ اخلاقی قدروں، سنجیدہ مزاجی اور خداداد علمی صلاحیتوں کی وجہ سے خانقاہ مجیبیہ اور دارالعلوم مجیبیہ کی شان اور پہچان تھے، اس کم عمری میں آپ کی وفات خانقاہ کے لیے خصوصاً اور پورے حلقہ احباب، مریدین ومتوسلین کے لیے عموماً ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان ہے۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

ابھی چند ماہ قبل ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہاں کٹک بالوبیسی تشریف لاکر ہماری انجمن خدام تاج العارفین کے سالانہ تاج العارفین پیر مجیب کانفرنس کی صدارت فرماچکے تھے اور یہ سلسلہ حضرت علامہ شاہ عون احمد قادریؒ کی وفات کے بعد سے ہر سال جاری ہے، مگر کسے معلوم تھا کہ یہ سفر اور خطاب موصوف کا آخری خطاب ہوگا۔ نہ جانے کس بدبخت و بدنظر کی نظر ہلال عید کو لگ گئی کہ یہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ خدائے عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ رب تعالیٰ آپ کے تربت پر اپنی بے پایاں رحمتوں کی بارش فرمائے، آمین! یہاں اڑیسہ کے جملہ احباب، مریدین ومتوسلین سب ہی اس دلدوز حادثہ کی خبر سے بے حد محزون ومغموم ہیں، تقریباً ہر گھر میں قرآن خوانیاں، فاتحہ خوانیاں اور دعائیہ مجلسیں منعقد ہو رہی ہیں۔

یہ سب لکھتے ہوئے حضرت موصوف کا ہنستا مسکراتا پروقار چہرہ سامنے آجاتا ہے اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں، رب کائنات سے دعا ہے کہ حضرتؒ کے اہل وعیال اور خانقاہ میں جملہ متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین! فقط والسلام

خادم ناچیز
محمد منتظم علی امانی غفرلہ، کٹک (اڈیشہ)
۵؍ستمبر ۲۰۲۰ء، ۱۶؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ

****

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

● فرزندگان مولانا فضل القدیر ندوی — کراچی

السلام علیکم

سانحہ پرملال شاہ ہلال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خبر ملی یقین نہیں آتا کہ وہ اب ہم میں نہیں رہے، ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کے پر ہونے میں وقت لگے گا، یقیناً علمی دنیا بالخصوص خانقاہ کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے، ہم فرزندگان مولانا فضل القدیر ندوی آپ سے اوران کے اہل خانہ سے تعزیت کرتے ہیں، قبول فرمائیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا کرے۔آمین!

فرزندگان مولانا فضل القدیر ندوی

کراچی، پاکستان

****

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

● سید اخلاق احمد — علی گڑھ

محترم جناب شاہ محمد آیت اللہ قادری صاحب السلام علیکم!

نہایت غم و صدمہ ہوا محترم شاہ ہلال احمد قادری کے انتقال کا— اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہم لوگوں کو امید تھی اور روز دعا کی جاتی تھی کہ صحت یاب ہو کر واپس آجائیں گے، مگر اللہ کی مرضی۔

اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام دے اور ہم سبھوں کو صبر کرنے کی ہمت عطا کرے۔آمین!

فقط

سید اخلاق احمد— علی گڑھ

یکم ستمبر ۲۰۲۰ء

****

شاہ ہلال احمد قادری کا انتقال ملت کا عظیم خسارہ

● مولانا رضوان احمد اصلاحی

جماعت اسلامی ہند، بہار کے امیر حلقہ مولانا رضوان احمد اصلاحی نے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے جید عالم دین سید شاہ ہلال احمد قادری کے انتقال پر ملال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مرحوم ملت کے درد منداور پرانی قدروں کے امین تھے۔ مولانا رضوان احمد نے کہا کہ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، خانقاہ سے وابستہ ہونے کے باوجود جماعت اسلامی کے کارکنوں وافراد سے غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے اور جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، نیز حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ امیر حلقہ نے کہا ہلال احمد قادری صاحب کے انتقال سے جہاں خانقاہ مجیبیہ اور ملت اسلامیہ کا بڑا نقصان ہوا ہے وہیں میرا ذاتی خسارہ ہوا ہے، وہ میرے محسن تھے، ان سے ذاتی مراسم قائم ہو گئے تھے، وہ تعلقات نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین!——(قومی تنظیم، یکم ستمبر ۲۰۲۰ء)

****

مولانا شاہ ہلال احمد قادری علم وعمل کے پیکر تھے

● جناب امتیاز کریمی صاحب

نامور عالم دین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ کے سانحہ ارتحال پر امتیاز کریمی ممبر بہار پبلک سروس کمیشن نے گہرے صدمہ کا اظہار کیا ہے، انہوں نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری بڑے عالم دین تھے، علم وعمل، تقویٰ و پرہیزگاری، عاجزی وانکساری میں اسلاف کی روایتوں کی زندہ مثال تھے، اس کے ساتھ ہی وہ ایک شیریں بیاں مقرر، بہترین مصنف اور شفیق استاذ بھی تھے، وہ متنوع اوصاف وکمالات کے مالک تھے، ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا، انہوں نے اپنے علم وعمل سے بہتوں کو فیض پہنچایا، امتیاز کریمی نے مزید کہا کہ ان کا انتقال علمی و دینی حلقہ کا بڑا خسارہ ہے، موصوف عام وخاص میں مقبول تھے، وہ خانقاہ مجیبیہ کے زیب سجادہ سید شاہ آیت اللہ قادری کے خسر تھے، انہوں نے کہا کہ ان کے انتقال سے ملک خاص طور پر ریاست ایک جید اور بزرگ عالم دین سے محروم ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان ولواحقین کو صبر واستقامت عطا فرمائے، آمین!——(قومی تنظیم، یکم ستمبر ۲۰۲۰ء)

****

بعض اللمحات مع عمى الكريم

● على أحمد عثمانى أزهرى

كانت الزواية المجيبية أول مدرسة أينما بدأتُ حياتى العلمية، وشرعت بأيامى المعرفية، حيث لم يكن يتجاوز عمرى عن الإثنتى عشرة سنة. فكنت فى منتهز العمر لَمَّا أخذ بى أبى رحمه الله إلى الزواية المجيبية، فى تلك اللحظة كانت حالى منقسمة بين الضدين، كنت فى غاية من الحزن والقلق بسبب الابتعاد عن أهل بيتى، وفى نفس الوقت كنت فى شدة الفرح والغبطة بما سأطلب من العلوم الدينية، والمعارف الإسلامية، ولكن سرعان زال ما كان ألم بى من الحزن والقلق، حينما عرفت بأن أهل الزواية المجيبية من الأقرباء والأسر، وبيننا علاقة وطيدة بسبب ما تم عقد الزواج بين الأسرتين، وزدت بهجة وسرورا حينما عرَّفَنى أبى بعمى الكريم المشفق الرحيم السيد الشاه هلال أحمد القادرى المجيبى عليه الرحمة والرضوان فى بيته قائلا: "هذا عمك يا على" وطلب منه أبى مسؤلية إشرافى خلال مدة بقاء فى الزواية المجيبية فقبل هذا الطلب قبولا حسنا....

وكان هذا أول لقاء بينى وبين عمى الكريم، وجرى فى هذا المجلس بعض الكلام العلمى، فترك هذا اللقاء أثرا عميقا فى قلبى، وأخيرا أُسِرتُ به بما رأيت فيه من شدة التواضع، وعلمت فيه من كثرة العلم، وعرفت فيه من غزارة المعرفة، ولمست فيه من علو الخلق، و عثرت فيه من حسن السيرة، ووجدت فيه من جدارة التفهيم للمسائل المعقدة بأسهل الطرق، وأدركت فيه من لياقة الاستنباط من النصوص، وقلما تجد من يجمع بين هذه الصفات الحسنة، ويتصف بالأوصاف الجميلة، ويتخلق بالخلق الحميدة، ويتأسى بالفضل والكمال، والحسن والجمال....

كما أتذكر جيدا كان عمى الكريم أستاذا لى فى مادة النحو حينما كنت فى الصف الرابع، فوجدته أستاذا فالحا، ومدرسا ناجحا، وشارحا مفهما، درَّسَنى الكتاب المسمى بـ "هداية النحو" وكان رحمه الله يشرح شرحا وافيا حيث تسهل لنا الدروس النحوية إلى حد بعيد، ولم أدرس منه أى كتاب آخر غير هذا لأنه كان يدرس أمهات الكتب فى مختلف الفنون الإسلامية فى الصفوف العالية للطلاب الكبار، ويا ليت يوافقنى الحظ لثنى الركب أمامه أكثر من هذه المرة الوحيدة متعلما من معارفه الجمة، وطالبا لعلمه الزخار، ولكن بسبب ما لم أكمل دراستى فى هذه الزواية المجيبية، فانتقلت منها إلى مدرسة أخرى....

خلال تلك السنوات العديدة التى قضيتها فى الزواية المجيبية كنت أختلف إلى بيته كل يوم، فكان يستقبلنى فى أكثر الأوقات بالحفاوة البالغة، ويحسن إلى فى المعاملة، ويسأل عن حالى بالشفقة الكاملة، وينصحنى بالنصائح الغالية، كان حضرته عما كريما، ومشفقا رحيما، ومربيا فاضلا، وناصحا بليغا، وعالما

جليلا، وصوفيا صادقا، وأديبا بارعا، وكاتبا شهيرا، ومصنفا عظيما، ترك من درره العلمية المتواجدة فى مصنفاته العديدة، كالكتاب المشهور بـ " سيرت پير مجيب " .... وغيره من الكتب الممتازة، وخلّف جواهره النيرة المنتثرة فى مقالاته الكثيرة، التى كان يكرم حضرته بإعطائها للطباعة والنشر فى المجلة التى تسمى بـ "المجيب" التى يتم نشرها من إدارة النشر والتوزيع للزاوية المجيبية فى كل ثلاثة أشهر....

وأتذكر فى هذا المقام قول الشاعر العربي:

أولئك آبائى فجئنى بمثلهم ۞ إذاجمعتنا يا جرير المجامع

قبل أيام عديدة كنت فى السنة النهاية فى جامعة الأزهر الشريف الواقعة بـ "مصر " أعلى الله قدرها، نُعِيتُ بوفاة عمى، فملأ هذا الخبرُ قلبى حزنا وهما، لأنه كان خبرا مفاجئا ومفجعا، وما لنا إلا الصبر والسلوان، وليس لنا إلا الإمتثال بأمر الله، راضيا بقدره، ومتأسيا بأخلاق رسوله صلى الله عليه وسلم، صابرا على ما أصابنا من لوعة القلب، وحرقة الصدر...

وفى النهاية أتوجه إلى ربى الكريم الرحيم داعيا إليه أن يغفر عمى بعفوه، وينزل عليه شآبيب رحمته، ويعلو قدره عنده، ويسكنه فى الفردوس الأعلى، ويكرمه بجنات النعيم، ويدخله فى زمرة الصالحين، بحرمة سيدنا ومولانا محمد سيد المرسلين، وإمام المتقين، عليه أفضل الصلاة وأتم التسليم.....

– على أحمد عثمانى أزهرى

بعض لمحات عم مکرم کے ساتھ۔

خانقاہ مجیبیہ میری پہلی درسگاہ تھی، جہاں سے میں نے اپنی علمی زندگی شروع کی، اس وقت میری عمر بارہ سال سے زائد نہ تھی، میں بالکل فرصت کی عمر میں تھا، جب میرے والد صاحب رحمہ اللہ مجھے خانقاہ مجیبیہ لے گئے، اس وقت مری طبیعت دو متضاد صورت میں بٹ گئی تھی، اپنے گھر والوں سے دور ہونے کی وجہ سے ایک طرف میں بے حد مایوس تھا، تو دوسری طرف مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہو رہی تھی کہ میں جلد ہی اسلامی علوم کی طلب میں لگ جاؤں گا، لیکن جلد ہی میری مایوسی دور ہوگئی، جب مجھے یہ پتا چلا کہ خانقاہ مجیبیہ والے بھی رشتہ دار ہیں، میری خوشی اس وقت اور بڑھ گئی جب والد صاحب نے مجھے عمی الکریم مشفق رحیم سید شاہ ہلال احمد قادری مجیبی سے ان کے گھر پر یہ کہہ کر متعارف کروایا کہ علی! یہ تمہارے چچا ہیں، والد صاحب نے میرے خانقاہ مجیبیہ میں قیام کے دوران میری نگہداشت کی ذمہ داری کی فرمائش بھی عم مکرم سے کی، جسے انہوں نے بخوشی قبول کیا۔

عم مکرم سے یہ میری پہلی ملاقات تھی، اس مجلس میں بعض علمی گفتگو بھی رہی، جس نے میرے دل پر بڑا گہرا اثر چھوڑا، آخر کار ان کی انتہائی تواضع علمی کثرت، انتہائی معلومات، بلند اخلاق، سہل انداز میں مشکل مسائل کو سمجھا دینے کی صلاحیت، نصوص سے استنباط کی لیاقت وغیرہ کو دیکھ کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو اتنی ساری اچھی صفات کا جامع ہو، ان خوبصورت اوصاف سے متصف ہو، اتنے اچھے اخلاق کا حامل ہو اور جس کے فضل و کمال اور حسن و جمال کی مثال دی جائے۔

جیسا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے عم مکرم ''نحو'' میں میرے استاد تھے، جب میں عربی چہارم کا طالب علم تھا، میں نے ان کو ایک کامیاب استاد اور بہت ہی اچھی طرح سمجھا دینے والا ایک لائق شارح پایا، انہوں نے مجھے ''ھدایۃ النحو'' پڑھایا تھا، وہ بہت ہی اچھے انداز میں اس طرح شرح فرماتے تھے کہ بہت دور تک نحو کے اسباق ہمارے لئے آسان ہو جاتے تھے۔

میں اس کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب ان سے نہیں پڑھ سکا کیوں کہ وہ عالیہ درجوں میں سینئر طلبا کو مختلف علوم اسلامی کی اعلیٰ کتابوں کا درس دیا کرتے تھے، اے کاش مجھے ان سے زیادہ پڑھنے اور ان کے علمی زخائر سے اکتساب کا موقع ملتا! پھر کسی وجہ سے خانقاہ مجیبیہ میں تکمیل درسیات کا موقع نہ مل سکا اور میں دوسرے مدرسہ میں منتقل ہو گیا۔

ان کئی سالوں کے دوران جو میں نے خانقاہ مجیبیہ میں گذارے، ہر روز ان کے گھر جانے کا میرا معمول رہتا تھا، اکثر اوقات وہ بہت ہی خوشی کے اظہار کے ساتھ میرا استقبال کرتے، حسن معاملہ فرماتے، شفقت بھرے انداز میں خیریت دریافت کرتے، مجھے بڑے کام کی نصیحتیں فرماتے تھے، وہ بہت کرم کرنے والے، بڑی شفقت اور رحم کرنے والے ایک چچا، ایک فاضل مربی، ایک بلیغ ناصح، ایک جلیل عالم، ایک صوفئ صادق، ایک شاندار ادیب، ایک مشہور اہل قلم اور ایک عظیم مصنف تھے، ان کے علمی زیورات ان کی تصانیف کی صورت میں موجود ہیں جیسے کتاب ''سیرت پیر مجیب'' وغیرہ جیسی ممتاز کتابیں، ان کے نثری جواہر پارے ان کے مقالات کی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں، جسے انہوں نے خانقاہ مجیبیہ کے دارالاشاعت سے ہر تین ماہ میں شائع ہونے والے مجلہ المجیب میں نشر واشاعت کے لئے دے کر شرف بخشا، میں اس مقام پر (فخر کے ساتھ) عربی شاعر کا یہ مقولہ ذکر کرتا ہوں کہ

أولئك آبائی فجئنی بمثلهم ۞ إذاجمعتنا یا جریر المجامع

چند ایام قبل جب میں جامعہ ازہر مصر میں اخیر سال میں تھا، مجھے عم مکرم کے انتقال کی خبر ملی، اس خبر نے مجھے حزن وملال سے بھر دیا، کیونکہ یہ ایک چونکا دینے والی بہت ہی غمناک خبر تھی۔

ہم لوگوں کو سوائے صبر کے کوئی اور چارہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہتے ہوئے اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے تسلی حاصل کر کے اس دل سوز مصیبت پر صابر رہ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانے کے سوا ہم لوگوں کے لئے کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

میں آخری میں رب کریم کی طرف متوجہ ہو کر عم مکرم کے لئے مغفرت کی دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے، اپنے نزدیک انہیں بلند مقام عطا کرے، فردوس اعلیٰ میں انہیں جگہ دے، جنات نعیم سے انہیں مکرم فرمائے، اور زمرۂ صالحین میں ان کو شامل فرمائے۔ بحرمة سیدنا ومولانا محمد سید المرسلین و إمام المتقین علیه أفضل الصلاة وأتم التسلیم — (ترجمہ از ادارہ)

****

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

• حافظ نعیم الدین قادری امانی — حیدر نگر پلاموں

محترم المقام واجب الاحترام جناب حضور مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے۔

آج مورخہ ۱۱ر محرم ۱۴۴۲ھ بعد نماز مغرب میرے پوتے عرفان علی مجیبی کا فون آیا کہ حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کا وصال ہوگیا، سنتے ہی کلیجہ پھٹ کر رہ گیا، آسمان ٹوٹ کر گر پڑا، پلنگ پر بیٹھا تھا ضبط نہ ہوسکا زاروقطار بلند آواز سے رونے لگا، آواز سن کر گھر کے سب لوگ دوڑے آئے کہ ابا کو اچانک کیا ہوگیا، دادا کو کیا ہوگیا، پھوپھا کو کیا ہوگیا؟ سامنے ہی غلام حیدر صاحب بیٹھے ہوئے تھے، جو کہ میرے پیر بھائی بھی ہیں، ان کو فون سے خبر ہوگئی تھی، گھر والوں کو انہوں نے بتایا کہ حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کا انتقال ہوگیا— اناللہ وانا الیہ راجعون۔ پورا گھر رنج وغم میں ڈوب گیا، آہ! بابو نہیں رہے، اب کون میرے غریب خانہ کو زینت بخشے گا، جب بھی بابو یا خانقاہ کا کوئی فرد آتے تو میرے غریب خانہ پہ قدم رنجا فرماتے اس کے بعد ہی دوسری جگہ کا پروگرام بنتا، گویا میرا غریب خانہ خانقاہ مجیبیہ کے لیے وقف رہتا، جو لوگ آتے ملاقات کرتے اور فیضیاب ہوتے، میں نے اپنے پیر بھائی جناب غلام حیدر صاحب کو کہا کہ صبح گاڑی کا انتظام کیا جائے، جنازے میں شرکت بھی ہوجائے گی اور آخری دیدار ہوجائے گا، ان شاء اللہ۔ لیکن رات ہی کو ایک بجے پھر پوتا کا فون آیا، دادا سب کام رات ہی میں شرعی طور پر انجام پا گیا، یہ دوسرا جھٹکا لگا کہ آخری دیدار بھی نہیں ہوسکا، آہ رے قسمت! کیا خطا ہوئی کہ ہم لوگوں کو بغیر دیدار کرائے چل دئیے، حالاں کہ روز بروز خیریت دریافت کرتا رہتا تھا، کبھی حضرت منہاج بابو سے، کبھی مولانا سجاد صاحب سے، جواب ملتا رہتا کہ پہلے سے حالت بہتر ہے، اچانک وصال کی خبر نے دل کو جھنجھوڑ دیا، اس قدر صدمہ مجھ کو کبھی نہیں ہوا تھا، میرے سامنے والد کا والدہ کا بڑے بھائی کا، میری اہلیہ کا، میرے داماد کا، میری پانچوں بہن کا، بہنوئی کا انتقال ہوا، اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا، جیسا کہ حضرت کے انتقال سے ہوا، میرا ان سے دینی وروحانی رشتہ تھا، لیکن آپ حضرات پر کیا گزری ہوگی، جب کہ آپ حضرات کا خونی رشتہ تھا، بیان سے باہر ہے۔

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری حضرت مولانا سید شاہ محمد نظام الدین صاحب کے پوتے اور حضرت مولانا شاہ محمد قمر الدین صاحب امیر شریعت کے نواسہ تھے اور حضرت شاہ عون احمد قادری کے بھتیجے تھے، ان بزرگوں نے ان کو صرف پڑھایا ہی نہیں تھا بلکہ تمام علوم سے نواز بھی دیا تھا، ان کا اخلاق مقناطیسی تھا، جو ایک بار ملتا بار بار ملنے کی تمنا رکھتا، اپنے اور مخالف

سب ان کے گرویدہ تھے، گویا کہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، محترم ماسٹر عبد الرحیم صاحب مجیبی حضرت کی روانگی کے وقت پر تکلف ضیافت کا انتظام کرتے اور ہمیشہ تاکید فرماتے کہ حضرت کی روانگی میرے یہاں سے ہوگی، چنانچہ ہمیشہ اسی پر عمل ہوتا، مخلصی جناب ڈاکٹر امین الحق انصاری صاحب حضرت سے بڑی ہی محبت کرتے تھے، حالاں کہ مرید نہیں تھے، صرف عقیدت رکھتے تھے، جب بھی آتے سب کام چھوڑ کر ان سے ملتے اور فیضیاب ہوتے، جب تک حیدر نگر سے روانگی نہیں ہوتی۔ ۲ ر بجے رات تک حیدر نگر اسٹیشن پر موجود رہتے، کئی بار خانقاہ بھی جانا ہوا، حضرت اپنے ساتھ دسترخوان پر گھر میں کھانا کھلاتے اور بڑی محبت فرماتے اور اپنے بغل میں بٹھاتے، حیدر نگر، سنگھنا، بٹوا اور مضافات کے سبھی متوسلین و معتقدین میرے دست و بازو بن جاتے اور ہمارے کاموں میں اور مشورہ میں شریک رہتے، آہ! ہم لوگ ہمیشہ کے لیے بے سہارا اور یتیم ہو گئے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے، اعلیٰ سے اعلیٰ مقام جنت الفردوس میں عطا فرمائے، ہم تمام متوسلین و معتقدین خانقاہ مجیبیہ کو صبر جمیل عطا فرمائے، ان کے فیوض و برکات تا قیامت جاری و ساری رکھے، آمین!

خاکسار محمد نعیم الدین قادری امانی مجیبی

خادم مدرسہ امان ملت قادریہ

مسجد محلہ حیدر نگر، ضلع پلاموں، جھارکھنڈ

****

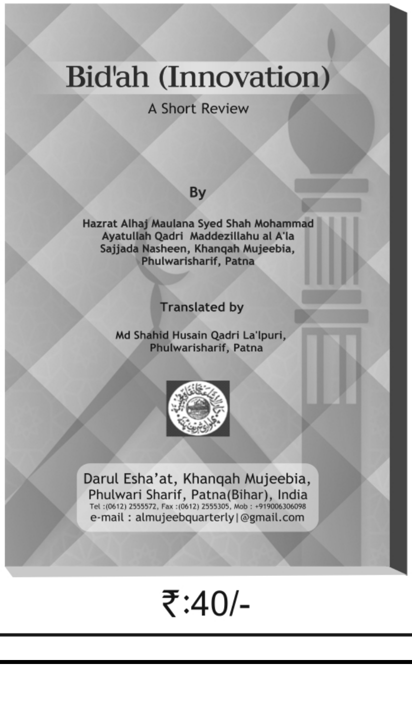

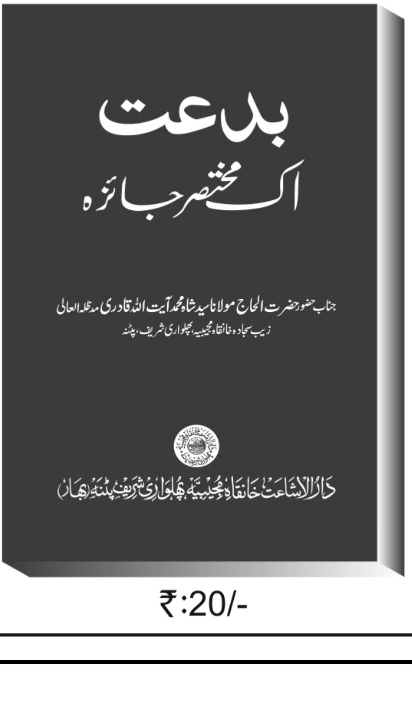

₹:40/- ₹:20/-

آہ! وہ علم و عمل کا شہسوار چل دیا

● **مولانا غلام مصطفےٰ نور القادری — سجادہ نشین، خانقاہ مجددیہ فریدیہ اشرفیہ، کھجور باڑی، کشن گنج**

خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کی ایک مایہ ناز شخصیت جو علم و عمل کے شہسوار اخلاق کے پیکر خاکساری و انکساری کے خوگر صاحب تصانیف کثیرہ پیر طریقت رہبر راہ شریعت حضور علامہ سید ہلال احمد قادری مجیبی طوّل اللہ مرقدہ کے متعلق میرے نواسے عزیزم مولوی کامل رضا فریدی نے ۳۱؍اگست ۲۰۲۰ء بروز پیر بعد نماز مغرب جیسے ہی یہ خبر دی کہ خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ایک المناک حادثہ پیش آیا وہ یہ کہ حضور علامہ سید ہلال احمد قادری رحلت فرما گئے یہ خبر سنتے ہی پورے جسم پر ایک عجیب سی رقت طاری ہوگئی اور کافی دیر محوِ حیرت رہا کہ ہماری جماعت کی عظیم شخصیت جو کہ ملت اسلامیہ کی رہنمائی شریعت وطریقت کی آبیاری اور خصوصی طور پر خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ کے پیغامات کو عام کرتے رہے وہ اتنی جلدی ہم سب کو کیوں چھوڑ گئے ابھی اور بھی ملت کے ساتھ ساتھ عظیم درسگاہ و خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ کو آپ کی سخت ضرورت تھی مگر کر بھی کیا سکتے کہ رب کی مشیت تھی اپنے محبوب کے محبوب سے لقا کی۔

علامہ سید ہلال احمد قادری مجیبی کی شخصیت بہت ہی خوش مزاج تھی مجھ فقیر کا جب بھی سلطان المشائخ حضرت حافظ شاہ فریدالدین آروی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقعے سے خانقاہ فریدیہ آرہ میر گنج جانا ہوتا تو واپسی میں خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ضرور حاضر ہوتا آستانے پر حاضری کے بعد علامہ کے گھر ملاقات اور کچھ معروضات کو لے کر حاضر ہوتا بعد از سلام مصافحہ و معانقہ فرماتے پھر خبر وخیریت پوچھتے اور فرماتے کہ پہلے آپ یہ بتائیں حضرت سلطان المشائخ آروی کا عرس کیسا رہا محفل سماع میں تو خوب حال وقال ہوا ہوگا۔ علامہ محفل سماع کے بہت بڑے دلدادہ تھے ایک بار خانقاہ عالم پناہ میں میری حاضری ہوئی اس روز کسی بزرگ کے عرس کی تاریخ تھی اور محفل سجی ہوئی تھی یار کی باتیں اشعار کے ذریعے قوال سنا رہے تھے ابھی قوال نے کلام کا ایک شعر پڑھا ہی ہوگا کہ آپ پہ رقت طاری ہوگئی اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جب اشعار کا پڑھنے والا یار کی سیرت کو بیان کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت خود بخود یار کی صورت سامنے آجایا کرتی ہے اور جب یار کی صورت نظر آجائے تو اس وقت کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، عرس کے چرچے سے فارغ ہو کر عالی دسترخوان سجواتے اور رب کی دی ہوئی نعمتوں سے فیضیاب فرماتے، بعدہ چند موضوعات پر خاص کر تمام خانقاہوں کے مابین اتحاد کے متعلق گفتگو ضرور ہوتی اور آپ فرماتے کہ یہ جو ہمارے کچھ لوگوں کے اندر شدت ہے انہیں حالات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے حکمت و مصلحت اور صوفیانہ روش اختیار کرنے کی ضرورت ہے اگر وہ حالات کا جائزہ لے لیں حکمت و مصلحت اور صوفیانہ روش کو اختیار کرلیں تو میرے خیال سے ان کی شدت ختم ہو جائے گی۔ تمام تر نفاق اتفاق میں تبدیل ہو جائیں گے، پھر آپ علاقائی دینی و ملی خبریں لیتے اپنی نصیحت آمیز کلمات اور دعاؤں سے نوازتے،

علامہ شیخ طریقت کے ساتھ اس فقیر کو بہت سارے علاقائی جلسوں میں شرکت کرنے اوران کے بیانات کو سننے کا موقع ملا حضرت کا اندازِ بیاں بہت ہی نرالا تھا، اصلاح معاشرہ پہ علامہ کی گفتگو اس قدر ہوتی کہ سامعین پہ فوراً وہ باتیں اثر کر جاتیں اور کرتیں بھی کیوں نہیں اس لیے کہ آپ قوم وملت کے نباض تھے جلسوں میں عوام کے حالات کو دیکھ کر پہچان جاتے کہ یہاں پر کس طرح کے بیان کی ضرورت ہے آپ اپنے بیان میں عشق حقیقی و محبت حقیقی کو بھی اہم جگہ دیتے جس کے ذریعے لوگ خالق کائنات اور اس کے محبوب کو پاسکے۔علامہ شیخ طریقت کے متعلق شرف تلمذ حاصل کرنے والے میرے بیٹے اور نواسے نے یہ بتایا کہ آپ تعلیم دینے کے وقت بہت ہی متانت وسنجیدگی کے ساتھ جماعت کے سارے طلباء سے کچھ کچھ عبارات اور ترجمے سنتے اگر کسی سے کچھ غلطیاں بھی ہو جاتیں تو حضرت بہت ہی محبت بھرے لہجے میں سمجھاتے کہ میاں آپ اتنی دوری کو طے کر کے اپنے والدین اور تمام خویش و اقارب کو چھوڑ کر اس جگہ پہنچے ہیں کوئی نہ کوئی مقصد تو ہوگا تو تمام طلبا یکساں جواب دیتے ،، جی حضور،، حضرت فرماتے کیا مقاصد ہیں بتائیں تو طلباء کا جواب ہوتا علم دین حاصل کرنا اس پر پہلے خود کو عمل کرنا پھر اس کو عام کرنا، تو اس پر حضرت مسکراتے ہوئے فرماتے کیا اس طریقے سے تعلیم حاصل کرنے سے آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں؟ اس پر سارے بچّے ندامت سے اپنے سروں کو خم کر دیتے،، حضرت کچھ دیر نصیحت فرماتے پھر آگے کے سبق کے ساتھ ساتھ پچھلے والے اسباق کو ازبر کرنے کی تلقین فرماتے، مدرسہ کے تمام طلباء سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، بقول میرے نواسے مولوی کامل رضا کہ میری ایک مرتبہ طبیعت خراب ہوگئی تو حضرت نے میری جماعت کے تمام افراد سے دریافت فرمایا کہ کامل کہاں ہے؟ تو میرے ماموں امان اللہ قادری (جو کہ ہم جماعت تھے) نے کہا کہ اس کی طبیعت خراب ہے حضرت نے فرمایا یہ موسم کی تبدیلی ہے یونہی طبیعت خراب ہوتی رہتی ہے ان شاء اللہ شفاء یابی مل جائے گی۔

پھر حضرت نے میرے ماموں کو ساتھ اپنے گھر چلنے کو فرمایا گھر جا کر حضرت نے کچھ رقومات دیکر فرمایا یہ لیجئے اور میاں کامل کو ڈاکٹر جمال صاحب سے دیکھا دیں۔اس قول مبارک پر عمل کرتے ہوئے مجھے ڈاکٹر جمال صاحب سے دکھایا گیا رب نے حضرت کی دعاء اور ڈاکٹر جمال صاحب کی دوا کو شفاء کا ذریعہ بنایا اور مجھے شفاء یابی مل گئی۔

اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت طلباء سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اوران پر شفقت بھی، اِنتقال پر ملال سے تمام لواحقین متوسلین ومعتقدین کو بہت ہی گہرا صدمہ وغم پہنچا ہے میں بھی بہت غمزدہ ہوں اور سبھوں کے ساتھ شریک غم ہوں اور رب کی بارگاہ میں دعاء گو ہوں کہ مولا اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صدقے شیخ طریقت علامہ کی بے پناہ مغفرت فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جلد ہم سب کو نعم البدل عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

❃❃❃❃❃❃❃❃❃❃❃❃❃❃

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

• محمد طلحہ مجیبی — کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

جناب حضور کی خدمت میں دست و قدم بوسی عرض ہے۔مرشدی سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خبر ملی کہ ہم سے رخصت ہو گئے تو ایک دم دماغ سن ہو گیا، یقین نہیں آرہا تھا کہ ہمارے حضرت نہیں رہے، عجیب کیفیت غم کی چھا گئی، ایسا لگ رہا ہے کہ ہماری دنیا اجڑ گئی، حضرت کے جب کراچی آنے کی خبر ملتی تھی تو حضرت کا شدت سے انتظار رہتا تھا، ہمیں اپنے بچوں کی طرح مانتے تھے، حضرت کے ساتھ لاہور سے کراچی کے سفر میں درگاہوں پر کئی بار حاضری کا موقع میسر آیا، وہ لمحات آنکھوں کے سامنے ہیں اور قلم اور آنکھ اشک بار ہیں، اب کراچی میں ہم کس کا انتظار کریں گے، اتنے محسن و شفقت کرنے والے کا سایہ ہم پر سے اٹھ گیا یقیناً یہ لمحہ بہت دکھ و غم کا ہے، خانقاہ کے اتنے بڑے عالم کا رخصت ہونا ایسا خلا ہے جس کا پر ہونا بہت مشکل ہے، جناب حضور مدظلہ العالی اور اہل خانقاہ کے لیے بہت عظیم سانحہ ہے، اللہ پاک صبر جمیل عطا فرمائے۔

محمد طلحہ مجیبی۔کراچی

****

مکتوب تعزیت بنام زیب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی

• محمد نوید الدین مجیبی — کراچی

جناب حضور کی خدمت میں دست و قدمبوسی عرض ہے۔جناب حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے درمیان نہیں رہنے کی خبر جب سے ملی ہے، شدید رنج و غم کی کیفیت میں مبتلا ہوں۔ہمارے حضرت کی شفقت اور محبت بہت یاد آتی ہے، یقین نہیں آرہا ہے، حضرت اب ہمارے درمیان نہیں رہے، حضرت کے جانے سے اہل کراچی یتیم ہو گئے ہیں، حضرت سے آخری بار کراچی سے روانگی کے وقت آخری ملاقات کے لیے گیا، حضرت نے بہت شفقت فرمائی تھی، اس دوران عاصی بیمار تھا، حضرت نے صحت کا خیال رکھنے کی تلقین کی تھی، پتہ نہیں تھا کہ حضرت سے آخری ملاقات ہو رہی ہے، عاصی اپنی قلبی کیفیت نہیں لکھ پا رہا ہے، شدید صدمے میں ہوں، آنکھوں سے آنسو جاری ہے، حضرت کے ساتھ سفر کا کئی بار موقع ملا، متعدد درگاہوں پر ساتھ حاضری بھی ہوئی ہے، عاصی نے اپنی پوری زندگی میں اتنے بڑے عالم کو اتنی سادگی میں کبھی نہیں دیکھا۔حضرت کے جانے کا یہ خلا کبھی پر نہیں ہو سکتا۔جناب حضور اور اہل خانقاہ کے لیے یہ بہت بڑا سانحہ ہے۔اللہ پاک صبر جمیل عطا فرمائے۔

خاکپائے پیر و مرشد
محمد نوید الدین مجیبی۔کراچی

****

قطعات تاریخ و
اظہار غم

فقرات وقطعات تاریخ بر وفات حسرت آیات

عم مکرم حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری نور اللہ مرقدہٗ

● محمد آیت اللہ قادری

فقرات تاریخی

عم مکرم ولی حق مولانا شاہ ہلال احمد قادری

۱۴۴۲ھ

زبدۂ مقبلاں رضی اللہ عنہ

۱۴۴۲ھ

شمع انجمن از جہانِ فانی رفت

۱۴۴۲ھ

سانحۂ ارتحال سیدنا مولانا شاہ ہلال احمد

۱۴۴۲ھ

جلیل القدر شہباز طریقت

۱۴۴۲ھ

صاحب وقار شہباز طریقت

۱۴۴۲ھ

آفتاب علم رو پوش شد

۱۴۴۲ھ

سانحۂ ارتحال سید ارباب حق مولانا شاہ ہلال احمد قادری

۲۰۲۰ء

عمی ومخدومی طالب حق خلد نشیں

۲۰۲۰ء

مخدومی ہلال احمد رضی اللہ عنہ

۲۰۲۰ء

قطعات تاریخ

آہ! فخر دین و ملت افتخار انجمن ❁ رحلت تو کرد ویران، علم و عرفان را چمن
آن ہلال خوش خصال و خوش مزاج و خوش ادا ❁ شاد بودند از ہمہ اوصاف تو اہل زمن
علم و تحقیق و ادب یا سلوک و معرفت ❁ درک حاصل بود آن مرد حق را در قرن
در حدیث و فقہ، تفسیر و ادب، علم کلام ❁ ماہر جملہ فنون و خسرو ملک سخن
اے کہ مارا در ہمہ شعبہ ہائے زندگی ❁ بود ذات تو معین و مصلح و مشکل شکن
از وجودت بود روشن محفل و مجمع تمام ❁ منتفع گشتند ہر طفل و جوان، پیر کہن
محسن و مشفق، مہربان، غم زدائے، عقدہ کشا ❁ بود آن عم مکرم آبروئے جان من
اک جہان را شاد کرد از برکت انفاس خود ❁ مکتسب بودند ایضاً صاحبان علم و فن

سال تاریخ وفاتش آیتِ غمگین بہ جان
۵۴
گوی حبیب مصطفیٰ محبوب رب ذو المنن
۵۴ + ۱۳۸۸ = ۱۴۴۲ھ

(۲)

عالم دین و شریعت عارف عرفان حق ❁ سرپرست علم بودہ ذات پاکش بے گماں
بود او مہر درخشاں در ہمہ ہا انجمن ❁ لمعۂ حسن علومش کرد تابندہ جہاں
خوش مقال و خوش مزاج و مالک خلق حسن ❁ گوشہ ہائے زندگیش از وجودش ضوفشاں
حیف کہ آں رہنما و مقتدائے مقتدر ❁ رفت از دنیا بہ گلزار جناں
یا خدا از بہر تاج العارفین ❁ خواب گاہش را بکن جنت نشاں
چوں نباشد بروے آیتِ صد دل و جانت فدا ❁ از وے زیادہ فخر وشاں شد در جنیدی خانداں
۱۲۳۷ + ۷۸۳
۲۰۲۰ء

جان جانان نظام و مظہر شان اماں ❁ شمع فیضان مجیبی نور بدر کاملاں

۲۰۲۰ء

(۳)

آں محقق مخزن تحقیق و علم ❁ ذات پاکش عالماں را سرپرست
کرد مارا غرق بحر رنج و ملال ❁ رخت چوں از عالم فانی بہ بست
ہفت اقلیم ادب تاراج شد ❁ در زمیں چوں شاہ والا جا گرفت
ماتمے گسترد در اہل صفا ❁ حیف کہ عقدہ کشائے ما گزشت
الوداع اے راہی ملک عدم ❁ حامی تو رحمت یزداں بس ست
گفت آیتؔ باادب سال وفات ❁ بود مقصود جہاں آں نیک بخت

۱۰   ۱۰ + ۱۴۳۲ = ۱۴۴۲ھ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

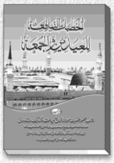

الخطبات النافعۃ للعیدین والجمعۃ

مرتبہ

زیب سجادہ حضرت تاج العارفین جناب حضور الحاج مولانا
سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ

خطبات جمعہ پر مشتمل ایک منفرد کتاب ہے جو عقائد اہل سنت کی ترجمان ہے، یہ کتاب حمد باری عز اسمہ، اوصاف نبوی، اہل بیت و اصحاب رسول کی محمدت، دعا و مناجات، استغاثہ اور حکمت و موعظت سے پُر ہے، زبان سلیس، الفاظ سہل تر، انداز جاذبانہ، رقت انگیز، روح پرور دلکش، عبارات مواقع اور حالات کے عین موافق ہیں۔

بحمدہ تعالیٰ یہ مہتم بالشان کتاب سال رواں عرس ربیع الاول شریف کے پُرنور موقع سے ملٹی کلر میں حسین و جاذب نظر ڈیزائن، خوبصورت طباعت، عمدہ کاغذ اور مضبوط جلد کے ساتھ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔

خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف سے مبلغ -/300 روپے میں حاصل کر سکتے ہیں۔

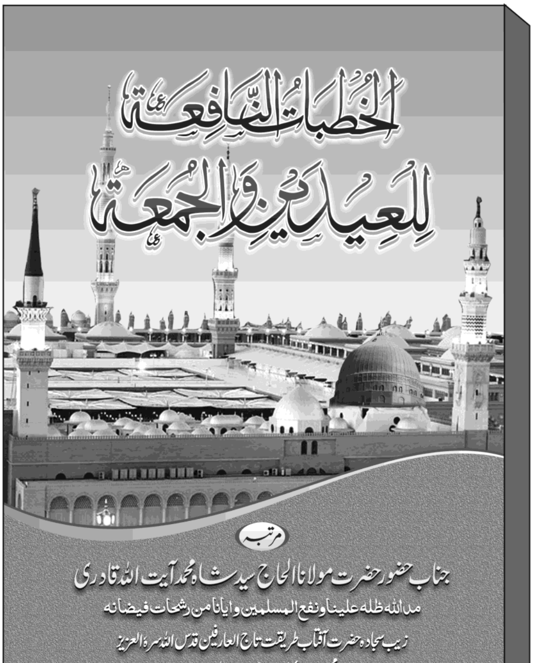

قطعۂ تاریخ وفات

برادر مکرم حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ

● مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

وادریغا! ندا آمد، کرد رحلت اخ اکرم ❁ درنظر تیرہ شد دنیا، دل مرا خون شد پیہم

آں ہلالے شہے احمد، قادری نسبتش باشد ❁ سیدی شہ نظام الدین، تربیت داد او اعظم

کرد تصنیف و ہم تحقیق، نے نظیرش بایں دارد ❁ عالمے بے بدل بودہ، فاضلے ذی کرم اعلم

درسخن شاعرے ماہر، در خطابش بہیں مصقع ❁ درشریعت بود اعلیٰ، در تصوف شود ادھم

سال وصلش بگو ہاتف، خسرو معرفت گم شد

۲۰۲۰ء

گشت گم گوہر یکتا، سال ہجری عیاں کردم

۱۴۴۲ھ

٭٭٭

آہ شہباز طریقت ہلال احمد از دنیا رود

۱۴۴۲ھ

جا، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

۲۰۲۰ء

شہ ہلال احمد قادری مجمع الحسنات

۱۴۴۲ھ

حبیب ایزد ہلال ملت رحلت کرد

۱۴۴۲ھ

ہلال طریقت در جنت

۱۴۴۲ء

چراغ معرفت بودید

۲۰۲۰ء

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

قطعہ تاریخ وصال

● مولانا محمد عاصم قادری — خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

علامۂ زمان نیک واعظ طریقت
۲۰۲۰ء

شیرین سخن خلیق
۲۰۲۰ء

....

اھل کمال جناب مولانا سید ھلال احمد قادری رضی اللہ عنہ
۲۰ ۲۰ء

....

بروز دوشنبہ یازدھم محرم مولانا سید ھلال احمد رحلت جاوید نمود
۲۰ ۲۰ء

....

باکلام حق نور اللہ مضجعہ
۱۴ ۴۲ھ

صاحب کرم عم مکرم نور اللہ مرقدہ
۱۴ ۴۲ھ

....

دریغا! نہان شد مہی برج علمی ❁ کزو بود تا بندہ گہوارۂ ما
محدث، مفسر، فقیہِ زمانہ ❁ ز دنیا روان گشت آن سوئے عقبیٰ
قضا کرد ناگاہ عم گرامی ❁ چسان فصل گل پیشتر رفت گویا

زہے پیکر علم و اخلاص و خوبی ۞ بطرزِ حیاتش بدہ ہمچو آبا

بسے کرد خدمات شرع و طریقت ۞ بخلدِ برین دہ مقامش خدایا!

نشان داد تاریخ با عمدہ تشبیہ ۞ زحب نبی بود قلبش مجلی

۸۳۶ ۞ ۶۰۶+۸۳۶=۱۴۴۲ھ

بسال وصالش زمن گفت ہاتف ۞ غروبِ مہی خانقاہ معلی

۲۰۲۰ء

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

★ خانقاہ مجیبیہ کی محافل سماع میں پڑھے جانے والے فارسی کلام جواب تک نادر و کمیاب کتابوں، بزرگوں کے سفینوں اور قوالان کے سینوں میں محفوظ تھے، حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی سعیٔ جمیل سے ان سب کا حسین مجموعہ ترجمہ و تشریح کے ساتھ نہایت دلکش پیرائے میں چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔

★ یہ کتاب بزرگوں کے خوابوں کی تعبیر اور محافل سماع میں شامل ہونے والے باذوق سامعین کی قلبی خواہشات کی تکمیل ہے۔

★ یہ کتاب دنیائے تصوف و عرفان کی برگزیدہ شخصیات کے عربی و فارسی اشعار کی لذتوں سے شادکام ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔

★ یہ کتاب سیدنا سرکار غوث اعظم سے لے کر اب تک کے اہل تصوف شعرا کے فارسی کلاموں کا گراں قدر و انمول خزانہ ہے۔

★ اس کتاب کے شروع میں سماع و مزامیر کے جواز و اباحت پر حضرت مصنف کا ایک مبسوط، جامع اور وقیع مقدمہ شامل ہے، جس میں مصنف علام نے مستند کتب احادیث و فقہ سے ناقابل تردید شواہد و بینات کے ذریعہ سماع صوفیہ کے جواز و اباحت کے مسئلے کو واضح کر دیا ہے۔

★ یعنی یہ کتاب ایک طرف مستند و مستحکم، دلائل و براہین کے ذریعہ سماع کی حلت و اباحت ثابت کرتی ہے تو دوسری طرف سماع میں پڑھے جانے والے سحر انگیز، وجد آفریں صوفیانہ کلام کی ترجمانی اور وضاحت بھی کرتی ہے، تاکہ بادہ خواران توحید و مئے خواران رسالت، مستیٔ شراب عشق و محبت سے خوب خوب سرشار ہوں۔

★ لہذا خواہش مند حضرات صرف -/350 روپے میں دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے حاصل کریں۔

رابطہ : +91-9006306098, 7250433562

₹:350/-

قطعۂ تاریخ وصال

شہید فایق مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ

۱۴۴۲ھ

● پروفیسر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برقؔ — سجادہ نشیں خانقاہ چشتیہ نظامیہ، دانا پور، پٹنہ

واحسرتا کہ شاہ ہلال احمد آہ آہ
بربست چشم، حیف زِ دنیا و درگذشت
صوفئ صافی، عالم دین وفقیہ عصر
شخصی کہ از او بود وطن مفتخر گذشت
مخدوم و شاہ زادہ و مقبول پنج پیر
عرفاں مآب، واقف و صاحب نظر گذشت
خون گشت دل ز حادثۂ فاجعہ ہلال
از آسمانِ قادریہ چون قمر گذشت
رفتند سوئے باغ جناں کلک برقؔ ہم
اطیب گذشت کرد رقم سالِ درگذشت
۱۴۴۲ھ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قطعہ تاریخ وصال

حضرت سیدی ومرشدی عمدۃ المتوکلین مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری نوراللہ مضجعہ

۱۱؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱؍اگست ۲۰۲۰ء دوشنبہ بوقت عصر

● پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید — ڈائریکٹر، مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ویلا! کہ مرگ گوی حیاتش زما ربود ۞ کو علم و فضل و معرفت حق بودہ آفتاب
حضرت ہلال قادری آن مرشد سلوک ۞ ہیہات! برکشیدہ بہ رخ از کفن نقاب
او شاہباز ساحت عرفان بُدہ عیان ۞ مرشد کہ بہر سالکان واکردہی او باب
حاوی علم نقلی و عقلی چنان او بود ۞ اشکال علم پیش او گردد مثیل آب
شیخ حدیث بود و مفسّر بہ طالبان ۞ انساب و شعر و رمز تصوف او مستطاب
او داشت پیش کہتر و مہتر ہم استناد ۞ نطقش ہمی مجاز و حقیقت بشد صواب
روشن ز نور صحبت علمیش گوشہ ھا ۞ در خانقاہ بودہ وجودش چو ماہتاب
او دستگیر جملہ مریدان خانقاہ ۞ در لطف و مہربانی بہ ہر کس بُدہ سحاب
عشق رسول گشتہ عیان از ادای وی ۞ عمر نبی رسید چون بگزیدہ انشعاب
”نایب“ سنش ”فروغ کمال“ است زادروز ۞ از ہر کمال بودہ شرفیاب وارزیاب
۶۳ ۱۳۷۷ھ

ھاتف زسال رحلتش درگوش من بگفت ❁ ''مرتاض'' باسر خودت اسدا کن احتساب

۱۴۴۱ + ۱ = ۱۴۴۲ھ

کن ''زاویہ'' جدا اسد تاریخ عیسوی ست

۲۹

''دردانہ زیر خاک و پوشیدہ شد شہاب''

۲۰۴۹-۲۹=۲۰۲۰

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

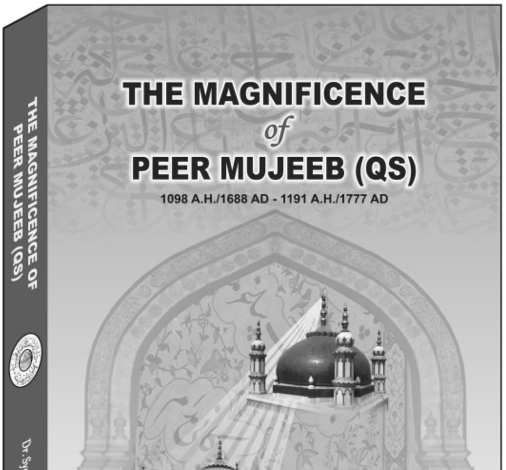

₹:400/-

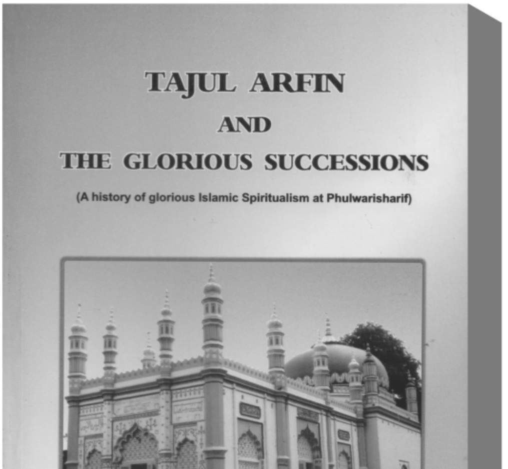

₹:120/-

تاریخ رحلت شاہ ہلال احمد پھلواروی مرحوم ومغفور

● عین تابش / سراج اجملی

خبر رسید کہ صاحب کمال رخصت شد
فقیہ وصوفی شیریں مقال رخصت شد
فسردہ گشت ازیں غم فضائے پھلواری
بمصرعہ شہِ عین الحق فقیر منش
بہ انقطاع سر و پائے بیم گفت سراج
شب سیاہ چو آید ھلال رخصت شد

۲۰۶۲ -۴۲= ۲۰۲۰

نوٹ: چار مصرعے حضرت شاہ عین الحق چشتی شہودی (عین تابش) کے نظر نواز ہوئے، ان کے آخری مصرعے پر غور کیا تو ۴۲ر کے تخرج کے ساتھ تاریخ رحلت برآمد ہو رہی تھی، سو حضرت عین تابش کے مصرعوں پر دو مصرعوں کا اضافہ کر کے شاہ ہلال صاحب مرحوم کی تاریخ وفات نظم کر دی۔

—— سراج اجملی

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قطعۂ تاریخ رحلت سید شاہ ہلال احمد قادریؒ

● پروفیسر عبدالمنان طرزیؔ —— دربھنگہ

ان پہ ہوگی رب کی رحمت
ان شاء اللہ زیب جنت
عالم بھی اک اعلیٰ، افضل
پاتے تقویٰ جن کی دولت
اللہ اللہ ان کی کتابیں
گنج معانی، رمز بصیرت
ایک خطیب شیریں بیاں بھی
مظہر رازِ علم و حکمت
سید شاہ ہلال احمد

۴۹۹

ہو گئے ہم سے ہیں جو رخصت

+۱۵۲۱=۲۰۲۰ء

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قطعۂ تاریخ بر ارتحال پُر ملال

مخدوم مکرم آقائے نعمت جامع علم وعرفان حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ

● مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی ـــــ استاذ دار العلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف

جوہر علم فخر بہار
۱۴۴۲ھ

عارف حق محبوب رب ذو الجلال مولانا شاہ ھلال
۲۰۲۰ء

زینت محفل مخزن احسان
۱۴۴۲ھ

غریق لطف کبریا شدند
۲۰۲۰ء

ماہ تاباں مولانا سید شاہ ھلال احمد قادری
۱۴۴۲ھ

حسرتا اے میر مجلس، شمع محفل حسرتا ۞ آہ! مخدوم مکرم، شیخ کامل حسرتا
ہوک سی اٹھتی ہے دل میں روز وشب، صبح ومسا ۞ بھول سکتے ہی نہیں ہم اب یہ مشکل حسرتا
رنج میں ڈوبا ہوا ہے اکبر واصغر کا دل ۞ ہے یہ دریائے الم، نہ تہہ نہ ساحل حسرتا
میرے سینے میں لگی ہے آگ فرقت سے تری ۞ ہورہا ہے درد ہجرت سم قاتل حسرتا
جامع علم شریعت، صاحب رمز سلوک ۞ تھے کتاب وسنت نبوی کے حامل حسرتا
رونق علم وادب تھے، زینت درس وخطاب ۞ وائے خالی مسندیں، سونی محافل حسرتا
خدمت دین خدا میں وقف تھی عمر عزیز ۞ قابل صد رشک تھے، علمی مشاغل حسرتا
کیوں نہ ہو سجادؔ رحلت پر تری گریہ کناں ۞ ہیں سراپا غم، زمانے کے افاضل حسرتا
''ماہ وسال رنج وغم'' اور زندگی کا ''اختتام'' ۞ داغ فرقت دے گئے فخر اماثل حسرتا
۱۴۴۲ھ ۱۴۴۲ھ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قطعۂ تاریخ بروفات حسرت آیات

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

● منیر سیفی ــــ سمن پورہ، ملک لین، پٹنہ

ایک شیریں مقال کی رخصت ❁ خوشبوئے لازوال کی رخصت
ہے ہے شاہِ ہلال کی رخصت ❁ عالم باکمال کی رخصت
ہر طرف خامُشی ہے گلشن میں ❁ نغمۂ بے مثال کی رخصت
ڈھونڈتے رہ گئے خلا میں سبھی ❁ ہوگئی یوں ہلال کی رخصت
ہے نمی سی سبھی کی آنکھوں میں ❁ نیک دل خوش خصال کی رخصت
منتظر جس کی آج بھی ہے ماں ❁ سیفیؔ اک ایسے لال کی رخصت
چاک کرتے ہی ''دل'' ملی تاریخ ❁ ''آہ! سیدی ہلال کی رخصت''
۳۴   ۱۴۷۶ - ۳۴ = ۱۴۴۲ھ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

مرثیہ

حضرت سیدی و مرشدی عمدۃ المتوکلین مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری نور اللہ مضجعہ

تاریخ وصال: ۱۱ر محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱ر اگست ۲۰۲۰ء دوشنبہ بوقت عصر

● پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید — ڈائریکٹر، مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حیف! رفت از میکدہ آن ساقیِ مینا بدوش ❁ رندگان محروم لطفش گشتہ می آرند خروش
مئی بنوشیدند دستش مئی گساران دم بدم ❁ پیالہ نوشان پُر خمار، از مہر آن بادہ فروش
یاد ایامی کہ بودہ ساقی و خم لعل ناب ❁ زہد و تقویٰ پارہ گشتہ از نگاہش، رفتہ ہوش
رندھا گردیدہ مست و دل ہمہ در باختند ❁ چون بہ بزم مئی پرستان گشت رقصان، مئی فروش
محرم اسرار بودہ ساقیِ رندان نواز ❁ کو سرورِ مئی بدونش؟ کو نشاطِ ناونوش؟
لذتِ نطق توای شیرین دہن، جان باختیم ❁ از تبسم ھای دلکش گوش مادارد نقوش
بادہ سنجان در فغانند و ہمہ گریان مدام ❁ نیست تنہا این اسدؔ، در ہجر آن پشمینہ پوش
در فراقش نیست دستم جز دعا، پس ربنا ❁ تربتش را سبز گردان، رحمتت وی را بپوش
عاقبت آرم دعا بہر بقای میکدہ ❁ خم بہ بادا ہم کدو پُر، باد بانگِ نوش، نوش
تا ابد میخانہ و پیر مغان آباد باد ❁ این دعای قلب محزون، باد آمین از سروش

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

مرثیہ

● امیمہ بنت ہلال احمد —— دار الشرف اوپر کلہی جھریا، دھنباد

آج مغموم ہیں گھر کے دیوار و در ❁ باغ جنت گئے میرے مشفق پدر
ٹکڑے ٹکڑے ہے دل پارہ پارہ جگر ❁ ہائے کیسے لکھوں غم کی یہ داستاں
کون رکھے گا ہر پل ہماری خبر ❁ کس کی باتوں سے دل کو سکوں آئے گا
کس کے کاندھے پہ رکھیں گے ہم اپنا سر ❁ کون چومے گا شفقت سے پیشانیاں
کس کے لطف و کرم ہوں گے پیش نظر ❁ کون دے گا ہمیں زندگی کا شعور
جس کی کرنوں سے روشن تھی یہ رہ گزر ❁ وہ تبسم کہ جو مثل مہتاب تھا
ان کو ڈھونڈیں گے اب ان کے لخت جگر ❁ جن کی خوش روئی سے شاد ہوتا تھا دل
عہد رفتہ ہوئے میرے عالی قدر ❁ مشعل راہ ہیں ان کے فکر و عمل
جن کے اوصاف تھے خوب سے خوب تر ❁ بالیقیں وہ تعارف تھے اسلاف کے
ان کو قدرت نے جنت میں بخشے ہوں پر ❁ ان کے اعقاب ہیں ذوالجناحین کے
جا کے تھاما ہے اب پیر و مرشد کا در ❁ چھوڑ کر اپنے پیاروں کو وہ بے اماں
بھوکے پیاسے روانہ ہوئے عرش پر ❁ ساری سنت ادا کردی شبیر کی
اک لٹا قافلہ چھوڑ اسجاد پر ❁ خود شہادت کے رتبے پہ فائز ہوئے

عشق آلِ نبی جن کی رگ رگ میں تھا ❁ ان کو نسبت نبی کی ملی سر بسر
ہوں گے جنت میں بھی اپنے جد کے قریں ❁ جن کی طاعت میں کی زندگانی بسر
نازشِ قمر دیں افتخار اماں ❁ آہ! رخصت ہوئے جان مادر پدر
ان کی تربت پہ ہو رحمت بیکراں ❁ بنت زہرہ کی نسبت سے ہیں بہرہ ور
درد فرقت میں ہیں آیت باصفا ❁ ان کے نور نظر ان کو محبوب تر

آئی کیسی قیامت کی مجھ پر گھڑی
والد ذی قدر کی میں ہوں نوحہ گر

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

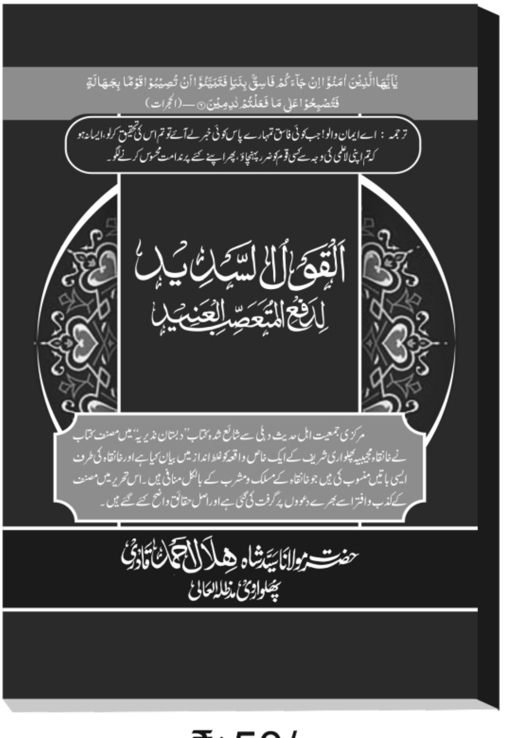

₹:50/-

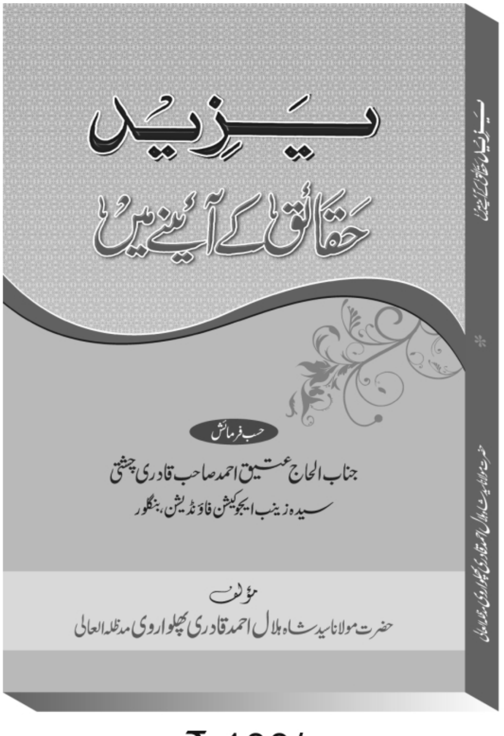

₹:100/-

نوحۂ غم

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا ہلال احمد قادری مجیبی رحمۃ اللہ علیہ

● وارث ریاضی ــــ کاشانۂ ادب، سکٹا (دیوراج)، ڈاک خانہ بسوریا، مغربی چمپارن

اے ہلالِ قادری، اے صاحب فضل و کمال ۞ تیری رحلت قوم و ملت کے لیے وجہِ ملال
اے کہ تو تھا عاشق دین رسول ہاشمی ۞ پیکر صدق و صفا اے نیک خو، ابن ولی
اے علم بردار حق، دین متیں کے راہ بر ۞ ہر ادا سے تیری ظاہر اُسوۂ خیر البشرؐ
تیری ہستی آسمانِ علم کی بدرِ منیر ۞ علم کی دنیا میں اب ملتی ہے کم تیری نظیر
عالم رشد و ہدیٰ میں مغتنم تیرا وجود ۞ اے کہ ہے بے کیف تجھ بن علم کی بزم سرود
تیری رحلت پر حزیں فتح و ظفر مشہود بھی ۞ آیت و بدر مجیبی، مولوی مقصود بھی

اے ہلال قادری، اے داعی امن و امان
دو ہزار و بست میں تو بھی گیا سوئے جناں

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

مرحوم شاہ ہلال احمد قادری صاحب کی نذر
چند تعزیتی اشعار

● شکیل سہسرامی — پٹنہ

اپنی دنیا کے شاہ گزرے ہیں ❁ صاحب خانقاہ گزرے ہیں
کیوں نہ چہرے پہ نور چھایا ہو ❁ محترم بے گناہ گزرے ہیں
اپنی بے داغ زندگی کے بعد ❁ شان سے عالی جاہ گزرے ہیں
کیوں نہ امڈے بھلا ہجوم نجوم ❁ صورت مہر و ماہ گزرے ہیں
کیوں نہ مایوس ہوں در و دیوار ❁ جان قرب و نواح گزرے ہیں
دار فانی سے رب کی وحدت کے ❁ سچے پکے گواہ گزرے ہیں
چھوڑ کر اپنی نیک نامی کو ❁ خوش نظر خوش نگاہ گزرے ہیں
خانقاہ مجیبیہ سے شکیلؔ
محترم کج کلاہ گزرے ہیں

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ کے

سانحہ ارتحال کے موقع پر

● جمال احمد جمالؔ — کراچی، پاکستان

علم و عرفاں کی تھی دستار فضیلت ان کے سر ❁ تابش ایماں سے تھا روشن سراپا کس قدر
ان کی ہستی خود مجسم نازشِ انوار تھی ❁ حسن ایماں کی حقیقت تھی بیاں میں پُر اثر
روشنی کا استعارہ بن کے وہ تاباں رہے ❁ ان کی صحبت علم کی صحبت تھی اور وہ دیدہ ور
تھی جو نسبت ان کو حاصل سرور کونینؐ سے ❁ رہبری ان کو ملی اس نور سے ہی سر بہ سر
آدمیت کے تقاضوں سے وہ تھے واقف تمام ❁ علم کی تھی روشنی جس میں تھے وہ مثل گہر
کیسی ہستی ہوگئی ہے اب تہہ فرش زمیں ❁ بالیقیں روشن رکھے یہ آئینہ آئینہ گر

سر بلندی ہو عطا یارب سر محشر اُنہیں
شبنمی ان کے جمالِ ناز کی ہو رہ گزر

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ کی رِحلت پر

● امان خاں دلؔ —— ہیوسٹن شمالی امریکہ

بڑے ہی مُخلص بڑے ہی دانا بشر تھے حضرت ہلال احمد ❁ علومِ دین نبیؐ سے بھی باخبر تھے حضرت ہلال احمد
زبان سادہ بیان عمدہ ادائیں اُن کی خلوص آگیں ❁ ادائے خُلق وسلوک میں معتبر تھے حضرت ہلال احمد
وہ دین مِلّت کے پیشوا تھے حضورِ حق سے تھی اُن کو نسبت ❁ نفیس عادت کے تھے وہ مالک، گُہر تھے حضرت ہلال احمد
علومِ دنیا پہ بھی نظر تھی علومِ دینی تھے دسترس میں ❁ رموزِ دین خدا سے بھی باخبر تھے حضرت ہلال احمد
وہ شمعِ دیں جو جلا گئے ہیں رہے گی تابندہ و درخشاں ❁ اُسی طرف ہوگا دین روشن جدھر تھے حضرت ہلال احمد
تھی اُن کے دم سے مجیبیہ میں نشاط آگیں فضائیں روشن ❁ کوئی نہیں اب وہ خُلق والا مگر تھے حضرت ہلال احمد
مجھے بھی ملنے کا شرف اک دن مجیبیہ میں ہوا تھا حاصل ❁ خلوص والے سلوک والے بشر تھے حضرت ہلال احمد

ہے خانقاہِ مجیبیہ میں ہر ایک جانب اُداس منظر
کہ رونقیں تھیں انہیں سے اے دلؔ قمر تھے حضرت ہلال احمد

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

رباعیاں

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نور اللہ مرقدہ کے نام

● ڈاکٹر شاہ التفات امجدی — خانقاہ امجدیہ اسٹیشن روڈ، سیوان

یہ دل میرا جو کرتا ہے ماتم ❁ آنکھوں سے بہتا ہے آنسو ہر دم
افسوس کہ رخصت ہوئے یوں شاہ ہلالؒ ❁ بے شک ”موت العالم موت العالَم“

تھے علم میں ایسے کہ ذہانت تھی نثار
عامل تھے وہ ایسے کہ متانت تھی نثار
صوفی تھے وہ ایسے کہ تصوف نازاں
پاکیزگی پر ان کے طہارت تھی نثار

شاگردوں عزیزوں کی بھی دل داری کی ❁ ہر وقت مریدین کی غم خواری کی
بس تذکرہ ہر شخص کے لب پر ہے یہی ❁ بات اور ہی تھی ان کی وفاداری کی

ہو رشک نہ کیوں شان تھے پھلواری کی
ہو فخر نہ کیوں جان تھے پھلواری کی
محسوس ہوا ان کے گزر جانے پر
واللہ وہ پہچان تھے پھلواری کی

ہر پھول ہے مغموم تو بلبل ہے اداس ۞ غنچہ جو ہے مایوس تو سنبل ہے اداس
ہر سمت نظر آئے خزاں کا موسم ۞ صد حیف کہ پھلواری کا ہر گل ہے اداس

تھے زینبی وہ ، باغِ مجیبی کی کلی
محتاجِ تعارف نہیں ، بے شک تھے ولی
ہر مکتبۂ فکر میں تھے وہ مقبول
تھی ان کی ہر اک بات ہی مصری کی ڈلی

محفوظ ہیں اس دل پہ جو عظمت کے نقوش ۞ الفت کے، مروّت کے وہ شفقت کے نقوش
جو دل پہ مرے ابھرے تھے اک ساعت میں ۞ باقی ہیں ابھی تک وہ محبت کے نقوش

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

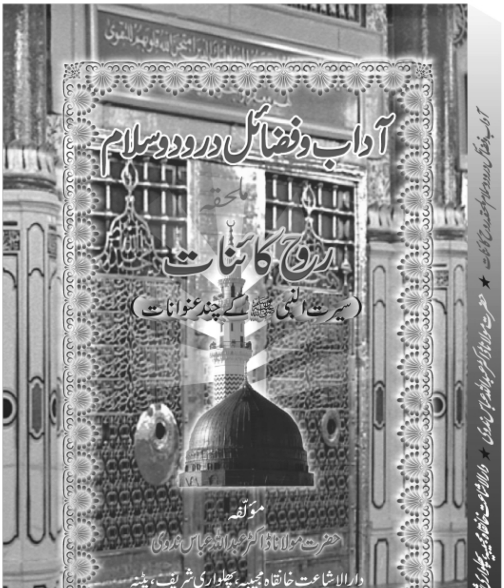

₹:90/-

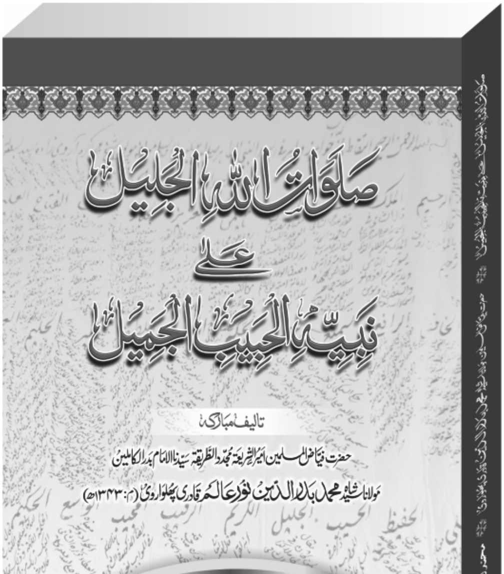

₹:500/-

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری نور اللہ مرقدہ کے نام

رباعیاں

● ظفر کمالی — اسماعیل شہید (ایم ایم کالونی) مل روڈ، سیوان

بے کیف مناظر ہیں نظر ہے سونی ❁ ہر شام اداس اور سحر ہے سونی
اے قلب حزیں تو ہی بتا دے مجھ کو ❁ کیوں آج تصوف کی ڈگر ہے سونی

دنیا کی، دین کی تھیں راہیں روشن ❁ اس دل کی زمیں کی تھیں راہیں روشن
اس ماہِ طریقت کی تابانی سے ❁ ایمان و یقیں کی تھیں راہیں روشن

مشہورِ جہاں تھا جو دلداری میں ❁ اخلاص میں اپنی نرم گفتاری میں
کیوں رختِ سفر باندھ لیا دنیا سے ❁ کہرام مچا ہوا ہے پھلواری میں

وہ علم کے میدان کا غازی نہ رہا ❁ موجود ہیں سب "مردِ حجازی" نہ رہا
ہم کس کے لیے اس کو بچھائیں آخر ❁ اس دل کے مصلے کا نمازی نہ رہا

اپنے بھی پرائے بھی غمناک ہوئے ❁ دل ٹوٹ گئے سب کے جگر چاک ہوئے
وہ نیرِ تاباں ہی جب ڈوب گیا ❁ آنکھوں میں بسے خواب سبھی خاک ہوئے

کیا بزم سجے زینتِ محفل نہ رہا ❁ اب جائیں کہاں حاصلِ منزل نہ رہا

سب ہاتھ ملیں اپنی محرومی پر ❁ افسوس کہ وہ مومن کامل نہ رہا

کیوں آج معالج کی دوا روتی ہے ❁ سر پیٹ کے یہ کس کی قضا روتی ہے
دنیا میں پڑا ہوا ہے کیسا ماتم ❁ کیوں باغِ تصوف کی ہوا روتی ہے

نیکی و شرافت کا پیکر نہ رہا ❁ اے زیست جو تیرا تھا محور نہ رہا
تھی جس سے ہزاروں کی دنیا روشن ❁ صد حیف کہ وہ ماہِ منور نہ رہا

دنیا تو ہوئی میرے لیے جیسے قفس ❁ اے ہجر کی ناگن مجھے دل کھول کے ڈس
تجھ کو جو تڑپنا ہے تڑپ اے دل ❁ اے آنکھ برسنا ہے تجھے جتنا برس

ویراں ہوئیں آنکھیں دل ہے بھاری ❁ ہر چیز پہ کیسا ہے سکتہ طاری
اس زخم نے بخشی ہیں ٹیسیں ایسی ❁ چل جائے کلیجے پر جیسے آری

اربابِ حقیقت کی اداسی مت پوچھ ❁ اصحابِ طریقت کی اداسی مت پوچھ
تھامے ہوئے بیٹھے ہیں کلیجے کو سبھی ❁ اقطابِ شریعت کی اداسی مت پوچھ

جب جائے اماں پر ہی بجلی گر جائے ❁ جب تاب و تواں پر ہی بجلی گر جائے
کہنے کے لیے کچھ بھی بچتا ہے کیا ❁ جب خرمن جاں پر ہی بجلی گر جائے

✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲

منقبت

● غلام سعدیؔ قادری ـــ کلکتہ

پھول، پھلواری کا مہکا خوب، مولانا ھلالؒ
عالم دیں بن کے چمکا خوب، مولانا ھلالؒ
اپنے اسلافِ گرامی کا نمونہ، شاہکار
اہلِ دل میں خوب جچتا، خوب مولانا ھلالؒ
اہلِ بیتِ پاکؓ کی اولاد میں ہوتا شمار
اس لیے سیراب کرتا خوب، مولانا ھلالؒ
پیر و مرشدؒ کی نگاہِ ناز ہی کا فیض تھا
جلوۂ مرشد دکھاتا خوب، مولانا ھلالؒ
آج پھر باغِ مجیبی کا ہوا جو تذکرہ
سعدیؔ، خوشبو بن کے آیا خوب مولانا ھلالؒ

✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲

منقبت

● غلام سعدیؔ قادری ـــ کلکتہ

دارِ فانی چھوڑ کر رخصت ہلال احمد ہوئے
اب مسافر گلشن جنت ہلال احمد ہوئے

خانوادۂ مجیبی کے تھے وہ چشم وچراغ
واصل حق، صاحب عظمت ہلال احمد ہوئے

استراحت گاہ اُن کا بن گیا باغِ مجیبؒ
زیرِ رحمت، زینتِ تربت ہلال احمد ہوئے

یاالٰہی! کر بلند اُن کا مقام و مرتبہ
فاتحانہ طور پر رحلت ہلال احمد ہوئے

یاد ہے سعدیؔ، زمانے بعد ملنے کی ادا
جب سراپا شفقت و حیرت ہلال احمد ہوئے

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

My Beloved Grandfather

● Wafiatur Rasool Shahba

Never have I seen
A man so keen
Knowing about his rights and duties
What a fun-loving grandfather
He was
What a punctual and restpectful
man he was
What a obedient and loving son
he was
Respected by all
loved by all
OH, dear you will never
know
What a great and amazing
Grandfather I used to have

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

گوشۂ کلامِ عمدۃ المتوکلین

تضمین بر کلام حسان ثانی علامہ جامیؒ رحمہ اللہ

توئی مولائے ما سلطان عالم ❁ تو جمع مرسلاں را مہر خاتم
توئی روح روان عالم و آدم ❁ ”زمہجوری برآمد جان عالم“
”ترحم یا نبی اللہ ترحم“

تو بہر ما ہمہ ایمان و دینی ❁ توئی ہم صادق الوعد الامینی
زخلوت بہر ما جلوت گزینی ❁ ”تو آخر رحمۃ للعالمینیؐ“
”زمحروماں چرا فارغ نشینی“

کنوں اے گوہر نایاب برخیز ❁ کہ رویت مہر عالمتاب برخیز
دلم در ہجر تو خوں ناب برخیز ❁ ”زخاک اے لالۂ سیراب برخیز“
”چو نرگس خواب چند از خواب برخیز“

صبا در حضرتش حاضر بمانی ❁ پیام مبتلا ایں ہم رسانی
امیدم از تو اے جان جہانی ❁ ”بروں آور سر از برد یمانی“
”کہ روئے تست صبح زندگانی“

رسم چوں من باں ارض تہامہ ❁ بسازم از دل پر خون خامہ
نویسم اندراں پر شوق نامہ ❁ ”بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ“
”بہ سر بر بند کافوری عمامہ“

خدارا از کرم حاجت روا کن ❁ بخاک پاک طیبہ جائے ما کن

بجائے خاک رہ چشمان ماکن ۞ ''ادیم طائفی نعلین پاکن''
''شراک از رشتۂ جانہائے ماکن''

بہ زلفت سایہ افگن عاشقاں را ۞ بہ محشر ہم بدارایں سائباں را
اسیر زلف کن اہل جہاں را ۞ ''فرود آویز از سر گیسواں را
''فگن سایہ بپا سروراں را''

بمشتاقاں نگاہے از کرم نہ ۞ بحال ما ہمہ اہل عجم نہ
برآجاناں بہ سرتاج کرم نہ ۞ ''ز حجرہ پائے در صحن حرم نہ''
''بہ فرق خاک رہ بوساں قدم نہ''

زعشقت سینہ ام پرسوز گرداں ۞ رموز عشق ہم آموز گرداں
بہ فردائے مرا امروز گرداں ۞ ''شب اندوہ مارا روز گرداں''
''ز رویت روز ما فیروز گرداں''

کہ پرسد حال زار بندگاں را ۞ براہ مقدمت جاں دادگاں را
بہ کویت جادہی بے چارگاں را ۞ ''بدہ دستے زپا افتادگاں را''
''بکن دلداری دل دادگاں را''

بہ پائے سرکند پرشوق راہے ۞ غریبے تشنہ لب ہم پر گناہے
بنالد بر در ایوان شاہے ۞ ''تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے''
''کنی بر حال لب خشکاں نگاہے''

بسینہ تا بکے پرسوز آہیم ۞ گرفتار بلاو پر گناہیم
ولے امیدوار لطف شاہیم ۞ ''اگرچہ غرق دریائے گناہیم''
''فتادہ خشک لب بر خاک راہیم''

نہ حاصل عزت و نے جاہ مارا ۞ بایں خواری ما، صد آہ، مارا

خدا خود کے کند گمراہ مارا ۞ ''قضا من افگند از راہ مارا''
''خدا را از خدا درخواہ مارا''
بہ دامان حبیب اللٰہی ما ۞ کہ دربانی او ہم شاہی ما
ز رحماں کے شود بدخواہی ما ۞ ''کند با ایں ہمہ گمراہی ما''
''ترا اذنِ شفاعت خواہی ما''
بہ ابن عینؔ کن فیض گرامی ۞ ''کہ دارد بر جبیں داغ غلامی''
مرا بس ایں دعائے اختتامی ۞ بحسن اہتمام کار جامیؔ
''طفیل دیگراں باید تمامی''

****

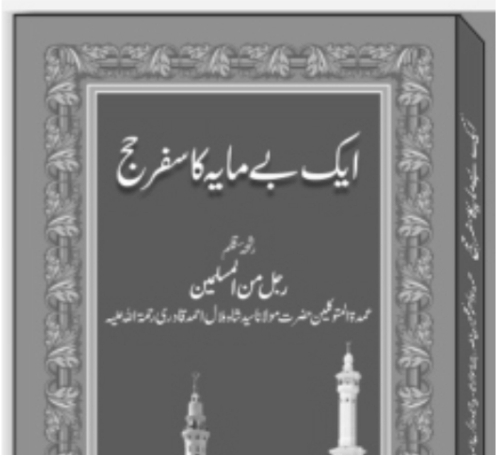

₹:300/-

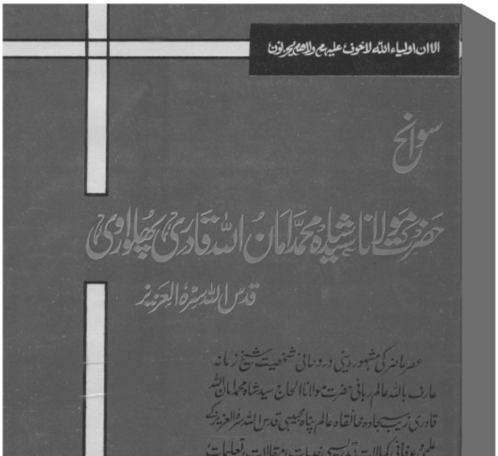

₹:100/-

نعت شریف

مرا دل ہی نہیں قرباں، مری جاں ہی نہیں صدقے ❁ دو عالم آپ پر یا رحمۃً للعالمیں صدقے
ترے الفقر فخری پر شہا میں ہی نہیں قرباں ❁ جنید و شبلی و عطار تاج العارفیں صدقے
جہانِ حسن و خوبی میں نہیں تم سا حسین کوئی ❁ ترے اس روئے روشن پر تو یوسف سے حسیں صدقے
سوادِ موئے گیسو پر ترے قرباں شبِ ہجراں ❁ بیاضِ رخ پہ تیرے صبح کی روشن جبیں صدقے
معطر جن کی خوشبو سے مشامِ جاں ہے اس بو پر ❁ گلاب و عود و صندل نافہ ہائے عنبریں صدقے
لبِ لعلیں کا صدقہ ہے یہ اعجازِ دمِ عیسیٰ ❁ مسیحائی ہو قرباں تم پہ ہوں روح الامیں صدقے
قدِ زیبا پہ ہے آقا ترے سروِ چمن قرباں ❁ ہے طوبیٰ بھی قدِ دلجو پہ تیرے بالیقیں صدقے
عنادل ہیں چمن میں خوش بیانی پر ترے شیدا ❁ لبِ شیریں پہ ہیں قند و نبات و انگبیں صدقے
تری اس بوریائے خواب راحت پر شہِ عالم ❁ ہزاروں کشور و تختِ شہاں تاج و نگیں صدقے
تری اس شان عالی کے مناسب ہی نہیں کچھ بھی ❁ کہ ہو تم پر مرے سلطاں مرے اے دلنشیں صدقے
ترا علم لدنی باعث صد رشک ہے شاہا ❁ کہ ہیں جس پر علوم اولین و آخریں صدقے

ہلالِ کمتریں جس کی عبادت ہے ثنا تیری
ہوا قربان تم پہ کرکے یہ قلبِ حزیں صدقے

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

نعت شریف

ثنا تیری جو کرسکتا ہے وہ بس ہے خدا تیرا ❁ حقیقت میں یہ حق ہوتا نہیں سب سے ادا تیرا
تری ذاتِ گرامی فکر انسانی کا محور ہے ❁ ہے ترسٹھ سال کا ہر ایک لمحہ معجزہ تیرا
دلوں میں جلوہ گر جب تک نہ ہو حب نبی مومن ❁ نہ ایماں ہی مکمل ہے، نہ ہی نقش وفا تیرا
ہے سلطانی بھی دربانی ترے در کی مرے آقا ❁ یہ سچ ہے بادشاہوں سے بھی افضل ہے گدا تیرا
جمالِ یوسفی قطرہ ہے بحرِ حسن کا تیرے ❁ کمالِ حسن و خوبی میں نہیں ہے ماسوا تیرا
بدل جائیں جو تیور چشم و ابرو کے معاذ اللہ ❁ زمیں سے آسماں تک ہے جلال و دبدبا تیرا
ملائک نے کئے سجدے جو حکم رب سے آدم کو ❁ ظہورِ نور وہ آدم میں تھا اے دلربا تیرا
شراب عشق تیری کس قدر پُر جوش ہے ساقی ❁ ہوا اک جرعہ میں فرزانہ بھی دیوانہ سدا تیرا
ترے مستوں پہ پابندی کہ پی کر ہوش میں رہنا ❁ ادب لازم ہے اس پر جس نے پیمانہ پیا تیرا
عجب آئین میخانہ عجب دستورِ مئے نوشی ❁ نرالی شان کا ہے میکدہ اے ساقیا تیرا
مئے وحدت کا تو ساقی مئے عرفاں کا تو قاسم ❁ ہے محتاجِ کرم عالم سبھی کو آسرا تیرا
نہ پوچھیں گر ترے رندوں کو دنیا میں تو کیا غم ہے ❁ جو تو کہہ دے کہ میں غمخوار ہوں روز جزا تیرا
جو ہو طیبہ گذر تیرا مرا بھی حالِ دل کہنا ❁ بہت ممنون ہوں گا میں بھی اے بادِ صبا تیرا

تمنا ہے نہ چھوٹے تیری چوکھٹ تا دمِ آخر
سگِ دربارِ عالی ہے ہلالؔ احمد شہا تیرا

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

نعت شریف

وہ رسولِ ختمی مرتبت کوئی ان سا رتبہ رسا نہیں ۞ وہ خدا نہیں بخدا مگر وہ خدا سے اپنے جدا نہیں

وہ بشر بھی ہیں وہی نور بھی، ہے انہی سے سب کا ظہور بھی ۞ جو بشر کہیں تو خطا نہیں، کوئی ہم سا کہدے روا نہیں

وعلیمِ غیب وخبیر ہیں، وہی شانِ رب قدیر ہیں ۞ ہیں یہ رب کی ان پہ عنایتیں کوئی شک بھی اس میں ذرا نہیں

وہ تمام جلوۂ ذات حق، وہ صفات رب کا کمال ہیں ۞ کسے ہمسری کی مجال ہے، کوئی ہمسر ان کا ہوا نہیں

جو نبی کہیں وہ خدا کرے، یہ عجیب شانِ حبیب ہے ۞ ہو قضا کا تیر بھی بے اثر جو کماں سے ان کے چلا نہیں

وہ کبھی مَلک وہ کبھی بشر، وہ کبھی ہیں دونوں سے ماورا ۞ وہ عیاں بھی ہیں وہ نہاں بھی ہیں، یہ حقیقت ان کی پتا نہیں

وہ دوامِ ذاتِ حبیب ہے کہ فنا کا اس میں گذر نہیں ۞ جو فنائے عشق حبیب ہے، تو بقا ہے اس کو فنا نہیں

جو ادب کی حد سے گذر گیا، نہیں دین اس کے نصیب میں ۞ یہ وہ فضل خاصِ کریم ہے، کسی بے ادب کو ملا نہیں

وہی کم نظر وہی در بدر وہی دین حق سے ہے دور تر ۞ جو نبی کے رتبے سے بے خبر، جو درِ نبی پہ جھکا نہیں

یہ کرم حضور ہے آپ کا کہ گذر رہی ہے یہ زندگی ۞ ذرا غمزدوں پہ نظر رہے، کوئی غم بھی ہم سے جدا نہیں

یہ ہلالؔ کشتۂ عشق ہے، یہ قتیل ہجر و فراق ہے
وہ حبیب اِس کے طبیب ہیں، کہیں اور اِس کی شفا نہیں

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭

نعت شریف

دلِ مضطرب تو ہے نا سمجھ یہاں حاضری کا اصول ہے ❁ یہاں کام ہوش و ادب سے لے کہ یہ بارگاہ رسول ہے

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ عیاں ہے اس سے جمال حق ❁ دلِ مصطفیٰ وہ مقام ہے جہاں وحیِ حق کا نزول ہے

جسے مصطفیٰ سے نہ عشق ہو نہ نصیب ان کی ہو پیروی ❁ کوئی زندگی ہے وہ زندگی، ہے یہ زندگی تو فضول ہے

ترا آستاں ہے وہ آستاں کہ اسی سے سب کی ہے آبرو ❁ وہی زندگی میں ہے کامراں جسے یاں سے شرفِ قبول ہے

یہ طریق و سنت مصطفیٰ یہی دین حق کا نظام ہے ❁ ہے نشانِ منزل حق یہی، یہی راہِ قرب و وصول ہے

یہ کرشمہ ان کی نظر کا ہے کہ دل و نگہ بھی شکار ہیں ❁ جو خزف بھی ہو تو بنے گہر وہ نگاہِ پاکِ رسول ہے

تو حبیب ربِ غفور ہے تری یاد مقصد زندگی ❁ مری چشم تر کی ہے روشنی ترے رہ گزر کی جو دھول ہے

یہ دیار پاک نبی ہے یاں جو چلو تو پاسِ ادب رہے ❁ جو یہاں کہیں پہ بھی خار ہے تو نظر نظر میں وہ پھول ہے

تو ہلالِ خستہ جگر تری جو یہ آرزوئے وصال ہے
تری حد سے بڑھ کے طلب ہے یہ تری ضد ہے تیری یہ بھول ہے

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

نعت شریف

ہمارا دل مدینے کی زمیں ہے ❁ کہ محبوب خدا اس میں مکیں ہے
فلک رکھتا جہاں اپنی جبیں ہے ❁ وہ ان کے در کی بس خاک زمیں ہے
نہ پوچھو رتبہ ختم الانبیا کا ❁ لگی قدموں سے فردوس بریں ہے
یہ کس گیسو کی خوشبو کِھل رہی ہے ❁ کھُلی شاید وہ زلف عنبریں ہے
یہ دل آئینۂ حسن ازل ہے ❁ کہ تصویر محمد دل نشیں ہے
محبت دل لگی ہے اک وہ لیکن ❁ یہ عشق مصطفیٰ ایمان و دیں ہے
وہی ہیں باعث ایجاد عالم ❁ انہی کے دم سے قائم یہ زمیں ہے
غلاموں سے نہیں اپنے وہ غافل ❁ شفاعت اس کی اس دن بالیقیں ہے

ہلالؔ کمتریں پر بھی کرم ہو
گدائے درگہ سلطان دیں ہے

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

نعت شریف

محمد مصطفیٰ جن کو کہ حق کا مدعا کہیے ❁ نبوت کی انہیں کو ابتدا و انتہا کہیے
وہ آئے بن کے عالم میں نویدِ حضرت عیسیٰ ❁ وہی آئے خلیل اللہ کی جن کو دعا کہیے
وہی احمد محمد حامد و محمود ہیں بے شک ❁ جنہیں سر ظہور کنت کنزا مخفیا کہیے
مکمل دین ہے ان کا، مکمل ہے شریعت بھی ❁ ہدایت کو یہ کافی ہے الیٰ یوم الجزا کہیے
عجب ہے شان محبوبی محمد کی دو عالم میں ❁ محب احمد مختار ہے خود بھی خدا کہیے
انہیں کی پیروی رب کی عبادت ہے بلاشبہہ ❁ نقوش پائے احمد کو ہی حق کا راستہ کہیے
انہیں کے دم سے قائم ہیں جہاں کی رونقیں ہر دم ❁ انہیں کی ذات کو نور خدا حق کی ضیا کہیے
وہی غم خوار امت ہیں وہی ہادی وہی رہبر ❁ انہیں کو کشتئ امت کا اپنی، ناخدا کہیے
ادب ان کا ہے شرط اولیں تکمیل ایماں میں ❁ محبت جزو دیں ہے دین کی جس کو بنا کہیے
نہیں کوئی پھرا ہے در سے ان کے مانگنے والا ❁ سخاوت ان کی عادت ہے کرم ان کی ادا کہیے
وہ مالک ہیں ملا ہے اختیار کل جہاں ان کو ❁ بنایا ان کو مالک نے ہی مالک ہے تو کیا کہیے
جبین شوق ہو اپنی، ہو سنگ آستاں ان کا ❁ کبھی تو اے شہ عالم اِسے بھی در پہ آ کہیے

ثنا خوانی پہ نازاں ہے ہلالؔ قادری جس کو
غریب آوارہؔ کوئے محمد مصطفیٰ کہیے

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

سلام

تم شہ کون و مکاں ہو　　تم ہی رازِ کن فکاں ہو
تم نبی ہر زماں ہو　　تم ہی تاج مرسلاں ہو

....

تم انیس بے کساں ہو　　تم امان بے اماں ہو
تم شفیع عاصیاں ہو　　ہم پہ تم بھی مہرباں ہو

....

تم ہی تاج عارفاں ہو　　نعمت ہر دو جہاں ہو
تم ہی بدر کاملاں ہو　　تم امان بے اماں ہو

....

حشر کی جب بے کسی ہو　　جب خطا سب کی عیاں ہو
ہم گنہگاروں پہ یارب　　ان کی رحمت سائباں ہو

....

حوض پر پوچھیں جو تم سے　　کون ہو آئے کہاں ہو
ہم وہیں جائیں گے کہنا　　ساقی کوثر جہاں ہو

....

حشر میں ان کے کرم سے　　ساری امت شادماں ہو
آل پر زینب کے یارب　　ان کی رحمت بے کراں ہو

....

جب لبوں پر اپنی جاں ہو　　سامنے وہ جان جاں ہو
دیدہ و دل شادماں ہو　　اور میرے ورد زباں ہو

....

تم مرے جانان جاں ہو　　تم پر یہ قربان جاں ہو
بر ہلالؔ خستہ جاں ہو　　اک نگہ آرام جاں ہو

✲✲✲✲✲✲✲✲✲✲

تضمین برکلام جناب حضور مدظلہ العالی

داستان سرفروشاں داستان کربلا ۞ کارزارِ حق و باطل ہے جہانِ کربلا
مرکزِ عشقِ نبی ہے سرزمینِ کربلا ۞ سایہ افگن دینِ حق پر آسمانِ کربلا
جذبِ صادق عزمِ محکم صبر و تسلیم و رضا ۞ شرح اس اجمال کی ہے داستانِ کربلا
خون سے جن کے ہوا سرسبز نخلِ دینِ حق ۞ آبروئے دیں تھے وہ سرورانِ کربلا
معنئ ذبحِ عظیم بن خلیل اللہ ہیں ۞ ذبحِ اعظم ہیں حسین کشتہ جانِ کربلا
جزو و کل کا فلسفہ ملحوظ ہو تو دیکھئے ۞ تھا نبی کے خوں سے رنگیں خاکدانِ کربلا
انتہا کربل میں تھی اس ذبح اسماعیل کی ۞ یہ حرم ہی کی ہے رنگیں داستانِ کربلا
رمزِ قرآں آشکارا رسمِ شبیری سے ہے ۞ حوصلے قائم ہیں تم سے کشتگانِ کربلا
نورِ چشمِ سیدہ خاتونِ جنت مرحبا ۞ ہو کے قرباں بن گئے عظمت نشانِ کربلا
چشمِ گریاں ہے نبی کے غم میں ہر سو آج تک ۞ خندہ لب ہیں آج بھی کچھ دشمنانِ کربلا
تو چلے سبطِ نبی پر واں تڑپ اٹھیں نبی ۞ رخ بدل اے تیر و شمشیر و سنانِ کربلا
چاہتے اعدا تھے مٹ جائے نبی کا یہ چمن ۞ لہلہاتا ہی رہا ہے گلستانِ کربلا
ساقئ کوثر کی آل پاک پر ہو یہ ستم ۞ خشک لب کشتہ ہوئے ہیں تشنگانِ کربلا
اے زمینِ کربلا افلاک سے اونچی ہے تو ۞ تجھ میں آسودہ ہیں میرِ کاروانِ کربلا
اے امامِ عاشقاں اے قبلۂ اہلِ وفا ۞ تاقیامت ہو سلام دوستانِ کربلا
شاہ آیت کا یہ مصرع خوب ہی مقبول ہے ۞ ”خون سے لکھی گئی ہے داستانِ کربلا“

حشر ہو اپنا بھی یارب ساتھ اہلِ بیت کے
اپنا سر ہو زیرِ سنگِ آستانِ کربلا

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

نذرِ عقیدت بہ بارگاہِ امام علیہ السلام

جن پہ قرباں ہو کے ملتی ہے حیات سرمدی ❁ قتل وہ ہوتے رہے اور زندگی روتی رہی
کربلا میں یوں ہوئی خوں ریزیٔ آلِ نبی ❁ خاک کربل از رہ شرمندگی روتی رہی
قتل اہل بیت پر انسانیت بھی شرم سے ❁ مصطفیٰ کی دیکھ کر آزردگی روتی رہی
نرغۂ اعدا میں تھے ابن رسول اللہ جب ❁ نم تھی چشم مصطفیٰ بے چارگی روتی رہی
اس نبیٔ مقتدر کو دیکھ لے تقدیر بھی ❁ صبر کی تو حد نہ تھی افسردگی روتی رہی
بندگیٔ حق میں تھا ابن علی کا معرکہ ❁ سر ہوا تن سے جدا اور بندگی روتی رہی
زیب دوش مصطفیٰ افتادہ بر روئے زمیں ❁ یہ قیامت دیکھ کر افتادگی روتی رہی
گرمیٔ آغوش میں پروردۂ ناز نبی ❁ آج ہے غلطاں بخوں غم خوارگی روتی رہی
خود نبی نے خوں شہیدوں کے سمیٹے وا اسف ❁ دیکھ کر یہ بے بسی درماندگی روتی رہی
آخری تھے آیت تطہیر کے پیکر حسین ❁ پاک تر انسان تھا پاکیزگی روتی رہی

شمع وہ تابندہ تر زہرا کے گھر کی بجھ گئی
اے ہلالؔ غم زدہ تابندگی روتی رہی

✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵

منقبت

در شان حضرت تاج العارفین رضی اللہ عنہ

شیخ عالم قطب دوراں حضرت پیر مجیب ❁ قبلۂ دل کعبۂ جاں حضرت پیر مجیب
تاجدار فقر و عرفاں حضرت پیر مجیب ❁ نور عالم ماہِ تاباں حضرت پیر مجیب
جانِ جانانِ نبی و آل زہراء و بتول ❁ نور چشم شاہ مرداں حضرت پیر مجیب
کشتئ امت کے نگراں نائب خیر الانام ❁ ناخدائے قادریاں حضرت پیر مجیب
ہو مجیبی میکدہ ہاتھوں میں ہو عرفاں کا جام ❁ جرعہ کش ہوں بادہ خواراں حضرت پیر مجیب
اک نگاہِ لطف ہو اے ساقی پیمانہ نوش ❁ تیرے قرباں مئے پرستاں حضرت پیر مجیب
رشتۂ داغِ جبیں ہو سنگ در سے استوار ❁ ہے یہی اب عہد و پیماں حضرت پیر مجیب
فتنۂ کافر گروں سے ہم پریشاں ہیں حضور ❁ خوار ہوں یہ فتنہ ساماں حضرت پیر مجیب
کیسے ہوں محروم فیضان و کرم سے ہم غلام ❁ آپ کا تھامے ہیں داماں حضرت پیر مجیب
حرمت قطب بنارس صدقۂ خواجہ عماد ❁ کیجئے مشکل کو آساں حضرت پیر مجیب

جرعۂ عرفاں کا سائل ہے ہلال تشنہ کام
آبروئے مئے گساراں حضرت پیر مجیب

✲✲✲✲✲✲✲✲✲

منقبت

در شان حضرت تاج العارفین رضی اللہ عنہ

نکہت گل چمن بوئے شہ مجیب سے
عارض گل کی تازگی روئے شہ مجیب سے

رنگت گل اڑی اڑی رنگ رخ مجیب سے
قامت سرو ہے خجل قد شہ مجیب سے

رکھتے جہاں یہ ہیں قدم جھکتی ہے واں جبین دل
اہل نظر کی سجدہ گہ پائے شہ مجیب سے

فیض شہ مجیب سے جذبۂ عشق بے کراں
سوز نفس شرر فشاں ہوئے شہ مجیب سے

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قطعہ تاریخ وفقرات تاریخی

بروفات حسرت آیات حضرت اخی ومخدومی فخر المشائخ عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری

زیب سجادۂ خانقاہ عالم پناہ مجیبی پھلواری شریف قدس اللہ سرہٗ ورضی عنہ

فقرات تاریخی

رضی اللہ عن مجمع البرکات
۲۰۰۳ء

مونس اولیاء آفتاب طریقت
۱۴۲۴ھ

ہائے آفتاب رہ طریقت
۱۴۲۴ھ

درطریقت بودہ آفتاب
۱۴۲۴ھ

رضواں بفردوس آید
۱۴۲۴ھ

فردوس برضوان آباد باد
۱۴۲۴ھ

یاد رضواں بفردوس
۱۴۲۴ھ

آہ وراث بہشت بے مثال
۲۰۰۳ء

وارث بہشت انار اللہ برہانہ ابداً
۲۰۰۳ء

قطعہ فارسی

زیب سجادۂ خانقاہِ مجیب ۞ فیض او در جہاں بسکہ مشہور ہست
حضرت شاہ رضواں پیر طریق ۞ رخت از دار دنیا بہ عجلت بہ بست
مرشدِ مہربانم اخی کریم ۞ آہ صد آہ رو کردہ از ما برفت
چشم خوں ناب دل می چکاند ز غم ۞ از فراقش چہ گویم قیامت گزشت
طالب وصل حق بود و عجلت گزید ۞ آں سبک بار مردم سبک تر برفت
پیکر خلق و احسان وجود و کرم ۞ آہ از لطف او کس نہ محروم گشت
یارب از لطف خود دایماً فضل کن ۞ بہر فرزند عالی بہ جایش نشست
شصت و یک عمر شد از فضیلت مآب ۞ درچنیں عمر خود راہ جنت گرفت
۱۳۶۳ھ

فکر تاریخ کردہ چو حرماں نصیب
مہبط فیض رضوان ہاتف بگفت
۲۰۰۳ء

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

قطعہ تاریخ اُردو

حضرت رضوان عارف جانشین پاک ذات ❁ آہ یوں رخصت ہوئے وہ پیکر عالی صفات
مصدر فیضان پیران طریقت تھے حضور ❁ فیض تاج العارفیں تھا ان سے جاری شش جہات
رہنمائی خلق کی کرتے رہے وہ بیس سال ❁ طالبان حق کو ان سے مل گئی راہ نجات
محترم بھائی مرے محبوب دل مخدوم جاں ❁ ان کی رحلت سے ہوئی محروم کتنی میری ذات
بے قراری تھی شب رحلت مگر دل پر سکوں ❁ انتظار وصل حق کی تھی وہی بس ایک رات
اہتمام آخرت تھا ماہ رمضان میں عیاں ❁ موت حضرت کے لیے تھی بس لقاء رب کی بات
زندگی کس کی رہی ہے اس جہاں میں پایدار ❁ اک تغیر ہی کو اس دنیا میں حاصل ہے ثبات

سال رحلت پر کہا دل نے مرے اک بھر کے آہ
۶

آفتابے در طریقت ان کا ہے سال وفات
۱۴۲۴ھ

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

قطعہ تاریخ سجادہ نشینی

صاحبزادۂ گرامی قدر، مکرمت نشاں، عزیز از دل و جاں، شمع دودمان مجیبی حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری کہ بتاریخ ۱۱؍ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۴؍ جنوری ۲۰۰۳ء بروز یکشنبہ بہ سجادۂ ہدایت پناہ مجیبی متمکن شدہ و بہ خرقہ وکلاہ پیران شرف یافتہ سلمہ اللہ تعالیٰ وحفظہ عن کل مکروہ وابقاہ علی مسند الہدایت والارشاد ورقاہ علی مدارج الکمال بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

فقرات تاریخی

مسند نشین عز وجاہ وارث مجیب
۱۴۲۴ھ

صدر نشین مجلس پیران طریق
۱۴۲۴ھ

صدر نشینی پیران صاحب نگاہ مبارکباد
۱۴۲۴ھ

تاج رفعت مبارکباد
۱۴۲۴ھ

پیرزادہ آیت اللہ جانشیں شد
۱۴۲۴ھ

جانشیں شد مولانا آیت اللہ صاحب
۱۴۲۴ھ

جانشینی پیر مجیب آباد گشتہ
۱۴۲۴ھ

قطعہ تاریخ جانشینی

بعد از وفات حضرت رضوان عارف جانشیں ❁ چوں خلق را پاکیزہ طینت جانشیں مطلوب شد
برمسند پاک مجیب اللہ تاج العارفیں ❁ در ہر نظر خوش خلق آیت لایق و مرغوب شد
اے نام تو خوش خوئے تو خوش ہم سراپائے تو خوش ❁ برجادۂ پاکاں نشستی بارک اللہ خوب شد
عمرِ درازت می دہد محفوظ دارد حق ترا ❁ ہر مخلصے را ایں دعا برلوح دل مکتوب شد

تاریخ تمکینش براں مسند ز ہاتف خواستم
گفتا کہ او برجائے تاج العارفیں محبوب شد
۱۴۲۴ھ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قطعۂ تاریخ وفات

عمی مکرم حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری قدس سرہ

فغانِ دلم را چہ گویم سبب
کہ حادث شدہ آہ امرِ صعب
عمی مکرم تقی و ذکی
بہ سیرت مماثل باجداد و اب
فقیہ زماں، واقف سرحق
بدار بقا رفت شاداں بہ شب
ز فوتش چہ پرسی کہ رخصت شدہ
علوم و معارف، فنون و ادب
بخوں ناب دل شد رقم سال فوت
بفردوس رفت عون محبوب رب

۱۴۱۸ھ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قطعۂ تاریخ وفات

حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ
معتمد تعلیمات ندوۃ العلماء، لکھنؤ

آہ! رحلت کرد مولانائے عبداللہ ندوی
فخر دین و فخر ملت فخر اعلام زمانہ
کاشف اسرار قرآں شارح قول رسول
خدمت دین قویمش شغل او روز و شبانہ
ظاہرش جز قیل و قال مدرسہ شغلے نداشت
از مئے عرفاں ولے دارد مذاق عارفانہ
در کمال علم و تقویٰ مجمع البحرین بود
از وفور حب نبوی مستیش چوں عاشقانہ
عالمانہ وضع دارد در ہمہ طرز حیات
باطنش درویش بود و فکر و طبعش زاہدانہ
پیکر خلق و مودت مصدر لطف عمیم
حسن خلقش بے نہایت بر ہمہ خویش و یگانہ

بے سر و پا چوں ادب شد بر وفاتش گفت ہاتف
۱+ ۲
آہ عبداللہ عارف رفت و علام زمانہ
۱۴۲۶ھ = ۳- ۱۴۲۹

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

قطعہ تاریخ وفات

حضرت مولانا سید شاہ عماد الدین قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

دریغا رفت آن کز سرِّ حق آگاہ بود
عماد دین وملت عارف باللہ بود
مجاز محی ملتؒ پور بدرالدیں امام
بزرگ خاندانش محترم ذی جاہ بود
بہ علم باطنی جزاو نباشد رہنمائے
دریں عہدم بایں رہ مرشدے واللہ بود
زشہرت بے نیاز وگوشۂ عزلت گزید
قناعت وصف و دل فارغ زحب جاہ بود
وفاتش راچو جستم سال ہاتف گفت ہائے
۱۶
عماد الدیں قلندر معرفت آگاہ بود
۱۴۲۳+۱۶=۱۴۳۹ھ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قطعۂ تاریخ

بموقع تکمیل دورۂ دس سال سہ ماہی ''المجیب'' خانقاہ پھلواری شریف

فیض تاج العارفیں ہے المجیب ❁ بہر نفع سالکیں ہے المجیب
از صریرِ کلک بدرالدیں امام ❁ شارح دین متیں ہے المجیب
فیض روح القدس ہے جاری یہاں ❁ شک نہیں کہ محی دیں ہے المجیب
مرکز علم و ادب ہے خانقاہ ❁ مظہر افکار دیں ہے المجیب
زمرۂ ارباب حق میں بالیقیں ❁ دل پذیر و دل نشیں ہے المجیب
ظاہر و باطن میں ہے یہ بے مثال ❁ چشم حق بیں میں حسیں ہے المجیب
مسلک و مشرب میں راہ اعتدال ❁ تیرا وصف اولیں ہے المجیب
مسلک ارباب حق کا ترجمان ❁ مصدر صدق و یقیں ہے المجیب

بس ادب کا سر جھکا کر یوں کہیں
ترجمان شرع و دیں ہے المجیب

۱۴۳۴ھ

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

مبارک یمیں تم کو حج سی عبادت

چلے سوئے طیبہ یہ ٹکڑے جگر کے ❁ یمین و وقیّہ ہیں عازم سفر کے
ضیوف شہنشاہِ دنیا و دیں ہیں ❁ اَب و اُم بھی ان کے یسار و یمیں ہیں
یمین جگر گوشہ و نور دیدہ ❁ نہال چمن سبزۂ نو دمیدہ
جبیں پر سعادت کے انوار لائح ❁ ہدایت کے تجھ میں ہیں آثار واضح
ابھی تھے رضاعت کے ایام تیرے ❁ کہ آگئے حضوری کے پیغام تیرے
یہ منظور حق تھا کہ آئے یہاں تو ❁ فیوض نبی پہلے پائے یہاں تو
حضوری میں آقا کے حاضر ہو پہلے ❁ نبی کے شہر کا مسافر ہو پہلے
نہ حج فرض تجھ پر نہ کعبے کو جانا ❁ تھی مرضی سرکار حج کا بہانہ
ریاض جناں میں ثبات قدم ہو ❁ سہارے کو حضرت کا دست کرم ہو
توجہ ہو بے حد رسولِ امیں کی ❁ بڑھے شان دنیا میں میرے یمیں کی
تو مہمان معصوم اللہ کا ہو ❁ جو سایہ ہو تجھ پر تو اللہ کا ہو
تو کعبے کے سایے میں جا کر گزارے ❁ وہ دن جس میں حق کے ہوں ہر سو نظارے
طواف وسعی اور حج کی بدولت ❁ دے اللہ تجھ کو ہمیشہ فضیلت
حرم کے صحن میں تو چلنا بھی سیکھے ❁ خدا کی طرف ہی تو بڑھنا بھی سیکھے
حرم کی زمیں پر جو بڑھتے قدم ہوں ❁ تو انوار قدسی زسر تا قدم ہوں
مقام وحجر ملتزم طوف کعبہ ❁ بڑھائیں گے تجھ میں اطاعت کا جذبہ

ہو ارکان کعبہ سے فیض ہر آنی ❁ عراقی و شامی و رکن یمانی
وقوف عرَف تجھ کو عارف بنائے ❁ تو مشعر تجھے حق سے واقف بنائے
قیام منیٰ میں ہو یزداں سے قربت ❁ رمی سے ملے نفس و شیطاں سے نفرت
مبارک یمیں تم کو حج سی عبادت ❁ یہ بچپن میں پائی ہے تم نے سعادت
تمہارے سفر کی بدایت مبارک ❁ تمہارے سفر کی نہایت مبارک
الٰہی تو آباد رکھ اس چمن کو ❁ یمیں قدوۂ دین و جان چمن کو
الٰہی نواسے کو عمر خضر دے ❁ حسود و عدو سے تو محفوظ کر دے
الٰہی یہ قدوہ ہو دین مبیں کا ❁ یہ خادم ہو شرع رسول امیں کا
ہو آباء کی علمی فضیلت کا حامل ❁ ہو سیرت میں آباء کا اپنے مماثل
معارف کی دنیا ہو سیراب تم سے ❁ حقایق کا گلشن ہو شاداب تم سے
مجیبی چمن کا گل نو دمیدہ ❁ ہو محبوب عالم مرا نور دیدہ

بہ فضل خداوند جاں آفریدہ
بہ یمن و سعادت یمینم رسیدہ

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

نظم ــــ خودنمائی

عجب چیز ہے لذت خودنمائی ۞ گرفتار اس میں ہے ساری خدائی
نمود و نمایش کی سب کو تمنا ۞ سمجھتے ہیں سب اس میں اپنی بڑائی
جسے دیکھیے وہ ہے شہرت کا طالب ۞ دلوں میں یہ خواہش ہے سب کے سمائی
ہوں عالم کہ پیرانِ مسند نشیں ہوں ۞ نمایش کی دوکان سب نے سجائی
مواعظ خطابت یہ پیری مریدی ۞ ملے گی انہی میں چھپی خودنمائی
یہ جُبّہ یہ دستار و تسبیح و مسند ۞ یہ مال تجارت نہیں میرے بھائی
نمایش کی دنیا میں ان کو نہ لاؤ ۞ کہ ہے معتبر آخرت کی کمائی
جو شہرت کا طالب ہو دنیا میں اپنی ۞ ابھی اس میں باقی ہے خوئے گدائی
تصوف کی راہوں میں چلنا جو چاہیں ۞ نہیں ان کے شایان شاں خودستائی
جو شہرت سے بچتے ہیں صوفی و عالم ۞ پہاڑ ان کی عظمت کے آگے ہے رائی
دکھاوے سے بچنا ہے توحید خالص ۞ ہے شرک خفی جس میں آئی ریائی
ہیں مقبول حق کو بس اعمال خالص ۞ نفاق عمل میں ہے از حد برائی
وسایل ہیں شہرت کے ہاتھوں میں سب کے ۞ موبایل نے کیسی کرامت دکھائی
دکھاوے سے اللہ محفوظ رکھے ۞ نہیں اس سے عقبیٰ میں کچھ بھی بھلائی
گرفتار حرص و ہوا ہوں، الٰہی ۞ کمند ہوا سے تو دیدے رہائی

ہلالؔ حزیں کچھ تو ضبط سخن کر
سنائی بھی تو نے تو کیسی سنائی

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

تضمین

برنعت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ

● ڈاکٹر شاہ التفات امجدی — خانقاہ امجدیہ اسٹیشن روڈ، سیوان

فلک صدقے، زمیں صدقے، گلستانِ حسیں صدقے
نظر صدقے، زباں صدقے، یہ رخ صدقے جبیں صدقے
شجر صدقے، حجر صدقے، مکانوں کے مکیں صدقے
”مرا دل ہی نہیں قرباں، مری جاں ہی نہیں صدقے
دو عالم آپ پر یا رحمۃ للعالمیں صدقے“
فضائے گلستاں قرباں، گل تازہ تریں قرباں
توکّل آپ پر قرباں، قناعت بالیقیں قرباں
علی قرباں، ولی قرباں، ولایت کی جبیں قرباں
”ترے الفقر فخری پر شہا میں ہی نہیں قرباں
جنید و شبلی و عطّار تاج العارفیں صدقے“
نہیں صادق کوئی تم سا نہیں تم سا امیں کوئی
تمہارے مِثل دنیا میں، نبی آیا نہیں کوئی
تمہارے روئے روشن سا، کہاں تاج و نگیں کوئی

''جہانِ حُسن وخوبی میں نہیں تم سا حسیں کوئی
تمھارے روئے روشن پر تو یوسف سے حسیں صدقے''

اداؤں پر فدا سو جاں سے ہے ہر آیتِ قرآں
ترے طرزِ تکلّم پر اک مخلوق ہے قرباں
زمانے میں نہیں، تجھ سا کرے جو مشکلیں آساں
''سوادِ گیسوئے مشکیں پہ ہے قرباں، شبِ ہجراں
بیاضِ رخ پہ تیرے صبح کی روشن جبیں صدقے''

وسیلے سے انھیں کے پہنچے کوہِ طور پر موسیٰ
انھیں کے فیض سے تو سرخ رو تھے حضرتِ یحییٰ
مگر کس نے نبھایا فرض اپنا شاہِ دیں جیسا
''لبِ لعلیں کا صدقہ ہے یہ اعجازِ دمِ عیسیٰ
مسیحائی ہو قرباں، تم پہ ہوں روح الامیں صدقے''

رخِ پُرنور پر شمس و قمر کی ہر کرن قرباں
مقدس کالی کملی پر تو ہیں کوہ و دمن قرباں
مجسّم رحمتِ حق پر اک اک شاہِ زمن قرباں
''قدِ زیبا پہ ہے آقا ترے سروِ چمن قرباں
ہے طوبیٰ بھی قدِ دلجو پہ تیرے بالیقیں صدقے''

کہاں آیا پیمبر کوئی دنیا میں بھلا ایسا
لقب حاصل ہوا رب سے جسے قرآن میں اتنا
کسے رب نے بلایا عرش پر اس شان سے تنہا
''عنادل ہیں چمن میں خوش بیانی پر ترے شیدا
لبِ شیریں پہ ہیں قند و نبات و انگبیں صدقے''

ترے پاکیزہ لفظوں کی فصاحت پر شہِ عالم
ترے فیضان پر تیری سخاوت پر شہِ عالم
ترے انداز پر تیری صداقت پر شہِ عالم
''تری اس بوریائے خوابِ راحت پر شہِ عالم
ہزاروں کشور وتختِ شہاں تاج ونگیں صدقے''

بھروسا رکھتا ہے تیری شفاعت پر ہر اک عاصی
ترے در سے فقیروں کو ملی سلطانی وشاہی
ثناخوانی میں تیری محو ہے ہر مرغ وہر ماہی
''تری اس شانِ عالی کے مناسب ہی نہیں کچھ بھی
کہ ہو تجھ پر مرے سلطاں مرے اے دلنشیں صدقے''

خدا نے دونوں عالم میں ترا ثانی نہیں رکھا
کسے حاصل؟ شبِ معراج جو اعزاز ہے بخشا
زمین وآسماں میں نور تیری ذات سے پھیلا
''ترا علمِ لدنی باعثِ صد رشک ہے شاہا
کہ ہیں جس پر علومِ اولین وآخریں صدقے''

تری تقلید اور تیری اطاعت ہے ثنا تیری
تری محفل ترا ذکرِ ولادت ہے ثنا تیری
خیالوں میں ترے گزرے جو ساعت، ہے ثنا تیری
''ہلالِ کمتریں جس کی عبادت ہے ثنا تیری
ہوا قربان تجھ پہ کرکے یہ قلبِ حزیں صدقے''

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

آہ! میری قدسیہ پھوپھی

● امیمہ بنت ہلال احمد ـــــ دارالشرف اوپر کلی جھریا، دھنباد

گزشتہ سال خانوادۂ مجیبی کے لئے عام الحزن ثابت ہوا یکے بعد دیگرے خانوادے کی متعدد عزیز ہستیوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ابھی عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کو چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ ان کی چچازاد بہن اور زیب سجادۂ مجیبی حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی کی خالہ، حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری علیہ الرحمۃ کی پانچویں صاحبزادی، امام المتقین حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادری قدس سرہ العزیز کی پوتی اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔

مرحومہ مولانا سید شاہ بدر احمد مجیبی اور مولانا سید شاہ مشہود احمد قادری کی ہمشیرہ تھیں جو ایک طویل عرصے سے مدینہ طیبہ میں مقیم تھیں۔ یکم رجب المرجب ۱۴۴۲ھ مطابق: ۱۳ر فروری ۲۰۲۱ء کو ان کا انتقال ہوا تھا۔ قارئین المجیب کو یہ اطلاع تاخیر سے دی جارہی ہے، پچھلے شمارے میں نہیں آسکی تھی۔

مرحومہ کی شادی ڈاکٹر سید ریاض احمد صاحب مصلح پور پٹنہ سے ہوئی تھی، ڈاکٹر سید ریاض احمد صاحب اپنی ملازمت کی وجہ سے عرصہ سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں۔

مرحومہ بہت نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں، اللہ جل شانہ نے جس پاک و مطہر شہر کی رہائش ان کا مقدر کی ویسا ہی قلب بھی عطا کیا تھا، نہایت خوش خلق و مہمان نواز تھیں، طبیعت میں سادگی اور منکسر المزاجی تھی، سعودی عرب میں قیام پذیر خاندان کی لڑکیوں کے لئے ان کا گھر میکے کا درجہ رکھتا تھا۔

حج و عمرہ کے لئے آنے والے زائرین سے قرابت داری کا بھرپور خیال رکھتی تھیں، انھیں اس سے غرض نہیں ہوتی تھی کہ آنے والا خاص ان کے خانوادے سے تعلق رکھتا ہے یا نہیں۔ ان کے لئے برصغیر پاک و ہند سے آنے والا ہر عزیز ان کا قرابت دار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوتا تھا جس کی وہ بھرپور ضیافت کرتی تھیں اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی تھیں۔

خانوادے کی خواتین کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے لئے لے کر جاتی تھیں، بہت خوش اخلاق اور محبت دار تھیں، اس لئے مدینہ طیبہ میں ان کا اچھا حلقۂ احباب تھا۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسجد نبوی شریف میں اعتکاف ان کا معمول تھا۔ ان کے پسماندگان میں شوہر، پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا کرے اور دین و دنیا میں ان کی ترقی وخوشحالی کا ضامن ہو۔

مسجد نبوی میں عصر کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہوئی اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ جل شانہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ جس طرح شہر حبیب کی خاک ان کا مقدر کی اسی طرح روز حشر اہل بیت کی قربت ان کا نصیب ہو۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

جنت میں نہ کھینچو نہیں جاتا نہیں جاتا ❁ میں چھوڑ کے آقا کا مدینہ نہیں جاتا
اے ضعف مدد کر در احمد پہ گرادے ❁ دربان کہے اٹھ کہوں اٹھا نہیں جاتا

✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵ ✵

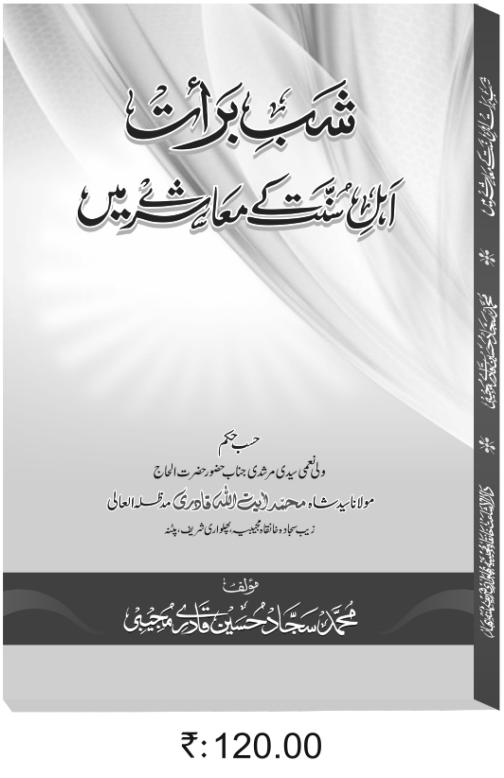

₹:120.00

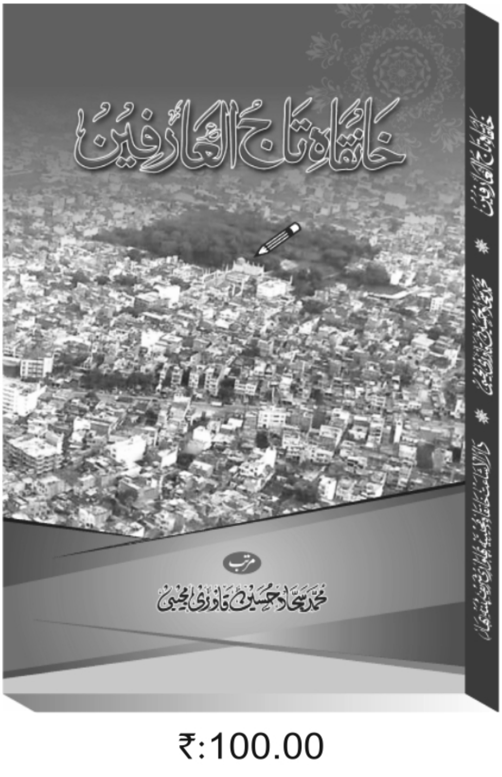

₹:100.00

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ۞ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی.......................کچھ دوسروں کی

صراحت فاتحہ چہلم :

عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فاتحہ چہلم کا اہتمام آپ کے پرداد ابدر الکاملین فیاض المسلمین امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہ کے عرس سراپا قدس کے موقع پر کیا گیا اور آپ کے شایان شان نہایت ذوق وشوق اور تزک واحتشام کے ساتھ جناب حضور مدظلہ العالی کی خواہش ومرضی کے مطابق تمام امور انجام پذیر ہوئے، یہ مہتم بالشان پروگرام دو حصوں پر مشتمل تھا، پہلا حصہ بوقت صبح قرآن خوانی وقل اور میلاد شریف کا تھا، جس میں پٹنہ اور گردونواح کے کثیر مشائخ ودانشوران نے شرکت فرمائی، ان میں درج ذیل اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں:

(۱) جناب سید شاہ طارق عنایت اللہ فردوسی صاحب سجادہ نشین خانقاہ منیر شریف

(۲) جناب سید شاہ لئیق الحق عمادی خانقاہ عمادیہ منگل تالاب، پٹنہ

(۳) جناب سید شاہ طالب الحق عمادی صاحب خانقاہ عمادیہ منگل تالاب، پٹنہ

(۴) جناب پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برقؔ صاحب سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ نظامیہ دانا پور

(۵) جناب سید شاہ سیف اللہ ابوالعلائی صاحب سجادہ نشین خانقاہ سجادیہ دانا پور

(۶) جناب مولانا شاہ تقی الدین فردوسی ندوی صاحب منیر شریف

(۷) جناب ڈاکٹر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی صاحب سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ، پٹنہ

(۸) جناب مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق صاحب سجادہ نشین خانقاہ بشیریہ پیر بیگھہ

(۹) جناب سید شاہ مظفر بلخی صاحب سجادہ نشین خانقاہ بلخیہ، پٹنہ

(۱۰) جناب ڈاکٹر سید شاہ التفات امجدی صاحب، خانقاہ امجدیہ سیوان

(۱۱) جناب پروفیسر سید شاہ ظہیر حسین جعفری صاحب خانقاہ کریمیہ سلون لکھنؤ

(۱۲) جناب سید شاہ خلیق اشرف اشرفی الجیلانی صاحب کچھوچھہ شریف

(۱۳) جناب مولانا سید شاہ نورین علی حق صاحب دہلی

(۱۴) جناب شاہ محمد مبشر حسنین عثمانی صاحب خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ سملہ

(۱۵) جناب ڈاکٹر سید محمد اسد علی خورشید مجیبی صاحب ڈائریکٹر مرکز تحقیقات فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

(۱۶) جناب ڈاکٹر سید ریحان غنی صاحب روزنامہ پندار، پٹنہ

اس کے علاوہ دیگر علما ومشائخ بالخصوص خانقاہ مجیبیہ کے تمام بزرگوں کے محضر میں فاتحہ چہلم کا انعقاد ہوا اور حضرت علیہ الرحمہ کی مغفرت و بلندی درجات کے لیے دعا کی گئی۔

حضرت عمدۃ المتوکلین رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے وصال اور فاتحہ چہلم کا زمانہ لاک ڈاؤن کا تھا، اس لیے عمومی طور پر علما ومشائخ اور دانشوران کی شرکت نہیں ہوسکی، لاک ڈاؤن کا زمانہ نہیں ہوتا تو ملک اور بیرونی ممالک سے عقیدت مندوں کا ہجوم امڈ آتا اور مشائخ واہل علم کی معتد بہ تعداد جلوہ افروز ہوتی، اس کے باوجود حکومت کے اصول وقوانین اور حفاظتی اقدامات کو مدنظر رکھتے ہوئے علما ومشائخ کی کثیر تعداد اور متوسلین ومعتقدین کے جم غفیر کی شرکت وشمولیت سے حضرت علیہ الرحمہ کی محبوبیت ومقبولیت اور آپ کی اہمیت وانفرادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس قدر قبولیت عطا فرمائی تھی، لوگوں کی نگاہوں میں آپ کی کیا قدر واہمیت تھی اور آپ کی ذات گرامی عام مسلمانوں کے لیے کتنی معزز ومقتدر تھی۔

دوسرا حصہ بعد نماز مغرب تعزیتی جلسہ پر مشتمل تھا، جس میں حضرت عمدۃ المتوکلین علیہ الرحمہ کے سلسلے میں تاثرات و مقالات کے ذریعہ ان کو خراج عقیدت پیش کیا گیا، اس کی تفصیل المجیب اور اردو اخبارات میں شائع ہو چکی ہے، بہ طور یادداشت یہاں بھی سپرد قرطاس کی جارہی ہے:

عمدۃ المتوکلین حضرت الحاج مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا فاتحہ چہلم اور تعزیتی جلسہ نہایت حسن وخوبی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، بعد نماز فجر قرآن خوانی کا اہتمام اور ۱۰ ربجے صبح قل ہوا قل کے بعد حضرت زیب سجادۂ مجیبی جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے ولادت نبوی کا مفصل تذکرہ کیا۔

بعد نماز مغرب تا عشا حضرت عمدۃ المتوکلین رحمۃ اللہ کی یاد میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جس کی سرپرستی خانقاہ مجیبیہ

کے زیب سجادہ جناب حضور حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی اور صدارت حضرت مولانا مفتی سید شاہ بدر احمد مجیبی خانقاہ مجیبیہ نے فرمائی، اس تعزیتی جلسے کی نظامت کے فرائض مولانا محمد سجاد حسین قادری نے انجام دیے۔ جلسے میں متعدد علما و مشائخ اور دانشوران صوبہ و بیرون صوبہ سے شریک اجلاس ہوئے اور حضرت علیہ الرحمۃ سے اپنے اپنے دیرینہ مراسم و تعلقات کے بارے میں اظہار خیالات فرمایا۔

سب سے پہلے تلاوت، نعت ومنقبت کے بعد جناب حضور مدظلہ العالی کا مقالہ صاحب زادہ گرامی سید محمد یمین اللہ قادری نے پیش کیا، انھوں نے اپنے والد گرامی کا مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمۃ و الرضوان کی شخصیت اور علمی و عرفانی وجاہت مسلّم اور اظہر ہے۔ آپ نے اپنی ترسٹھ سالہ حیات میں علم و عرفان، سلوک و تصوف، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں وہ سب پر عیاں ہیں۔ آپ کی ذات میں ایک بہترین مرشد، ایک متبحر عالم، ایک مشفق استاد، ایک مستند محقق، ایک معتبر مصنف اور ایک بے مثال مقرر کے تشخّص کا حسین امتزاج تھا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے آباء و اجداد کی طرح حب نبوی ﷺ کی دولت بے بہا سے آپ کو حصہٗ وافرہ ملا تھا مختلف فنون مثلاً تاریخ، سیرت، انساب اور فقہ و حدیث میں آپ نے متعدد گراں قدر اور پرارزش تصنیفات اور گراں بہا اور نفیس تحقیقی و علمی مقالات اپنی یادگار چھوڑے ہیں اس کے علاوہ شعر گوئی و سخن سنجی میں بھی آپ کو ملکۂ خداداد حاصل تھا۔

حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمہ کے منجھلے خویش شاہ مبشر حسنین عثمانی نے اپنی گفتگو میں کہا کہ حضرت کی ذات والاصفات محتاج تعارف نہیں انھوں نے علمی و فکری اعتبار سے نئی نسل کو ہی نہیں اپنی نسل کے افراد کو بھی متاثر کیا ہے۔ ان کی علمی و فکری خدمات اور اخلاق و محبت ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ مجھے لگتا ہے کہ اب بھی اور ہمیشہ ہمیں ان کی ضرورت کا احساس ہوتا رہے گا۔ خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ، سملہ سے ان کے تعلقات و مراسم ہمیشہ خوش گوار اور مضبوط و مستحکم رہے۔

دہلی یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے پروفیسر اور خانقاہ کریمیہ، سلون شریف یوپی کے نمائندہ پروفیسر سید شاہ ظہیر حسین جعفری نے کہا کہ حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری اس دور کے معتبر علما اور دانش وران میں سے تھے۔ ان کی تصنیفات اعتبار کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ اس خانقاہ میں پہلے بھی میری آمد ہو چکی ہے۔ اس وقت شاہ صاحب بقید حیات تھے۔ مجھے ان کی ضیافت کا شرف حاصل رہا ہے۔ خانقاہوں اور خاندانوں سے ان کے تعلقات ہمیشہ خوش گوار رہے۔ متعدد بار مجھے ان سے شرف نیاز حاصل ہوا اور میں ہمیشہ ان سے متاثر ہوا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مرکز تحقیقات فارسی کے ڈائرکٹر پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید مجیبی نے کہا کہ میں نے انھیں سفر و حضر میں دیکھا اور ان کے ساتھ رہا۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کربلا، نجف اشرف اور بلاد عرب کے دیگر مقدس شہروں میں ان کی ہم سفری رہی، میں نے ہمیشہ دیکھا کہ ہر اہم مقام پر ان کے اندر ایک کیفیت طاری ہوتی تھی۔ وہ گریہ کرتے تھے۔ روضہ نبوی

میں ان کے ساتھ سلام بھی میں نے پیش کیا ہے۔ گریہ کے دوران ان کی جو حالت ہوتی تھی وہ ناقابل بیان ہے۔ تصنیفی وتالیفی سلسلے میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشوروں سے دریغ نہیں کرتے تھے اور چھوٹوں کے مشوروں کو لائق اعتنا سمجھتے تھے۔

انتظامیہ کمیٹی درگاہ مخدوم اشرف سمنانی، کچھوچھہ شریف کے سکریٹری سید شاہ خلیق اشرف اشرفی جیلانی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ حضرت شاہ ہلال احمد قادری کی وفات ہم سب کا خسارہ ہے۔ ان کی یادیں ہمیں ہمیشہ ستاتی رہیں گی۔ ان کے حسن اخلاق سے ہم سب متاثر ہیں۔ ان کے جیسا حامل اخلاق خانقاہوں میں خال خال ہی ملے گا۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی، پٹنہ کے پرنسپل حضرت مولانا سید شاہ مشہود احمد قادری نے کہا کہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری اپنے اسلاف کے نقش قدم پر تھے۔ بزرگوں کی وراثت کے امین تھے۔ پیرومرشد، جد مکرم اور عم مکرم وخال مکرم رحمہم اللہ کی تعلیمات کا ان پر بھرپور اثر تھا۔ صلاحیت وصالحیت کی بنا پر اپنے عہد میں خانقاہ مجیبیہ کے لیے نیر تاباں بن کر چمکے۔ ایک زمانہ ان کی علمی وجاہت وروحانیت سے مستفیض ہورہا تھا۔ اللہ رب العزت ان کے حسنات کو قبول فرماتے ہوئے اجرعظیم عطا کرے۔

دہلی یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر سید شاہ نورین علی حق نے کہا کہ حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری کی وفات صرف خانقاہ مجیبیہ کا خسارہ نہیں، ہندوستانی خانقاہیت کا خسارہ ہے، تصوف کا خسارہ ہے۔ حضرت انتہائی معتدل ومتوازن شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی ہر تحریر میں تحقیقی روش کا غلبہ ہوتا تھا۔ سفرناموں میں لوگ شستہ اور شگفتہ اسلوب کو اہمیت دیتے ہیں۔ لیکن شاہ صاحب کے سفرنامے بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ شگفتگی کے ساتھ انھیں تحقیقی روش انتہائی عزیز تھی۔ اکیسویں صدی کی خانقاہی نسل کو انھیں اپنا نمونہ بنانا چاہیے۔ ایسی شخصیات ہر روز پیدا نہیں ہوتیں۔ انھیں اصل خراج عقیدت یہ ہوگی کہ نئی نسل ان کی ہر تحریر کو پڑھے اور ان سے نظریاتی اور عملی سطح پر سیکھے۔

حضرت مولانا منہاج الدین مجیبی، خانقاہ مجیبیہ نے اپنے مقالے میں کہا کہ اللہ نے حضرت علیہ الرحمہ کو مختصر زندگی دے کر دنیا میں بھیجا، مگر آپ نے اسی قلیل عمر میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے، جو رہتی دنیا تک نگاہ رشک سے دیکھے جائیں گے، آپ کی زندگی کے تمام کام، خواہ ان کا تعلق علم وادب سے ہو، یا دین ومذہب سے، خواہ قومی وملی ہو، یا سماجی و معاشرتی، قابل صد رشک ہیں، تحریر وتقریر اور تصنیف وتحقیق میں آپ کو امتیازی مقام حاصل تھا، آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اشاعت دین اور اس کی نصرت وحمایت میں لگایا۔

مولانا سید محمد فصیح الدین عاصم قادری، خانقاہ مجیبیہ نے اپنے مقالے میں کہا کہ مولانا محترم خانقاہ مجیبیہ کے فعال نمائندہ تھے۔ اپنی علمی لیاقت اور قائدانہ صلاحیت کی بنیاد پر انھوں نے اس خانقاہ کی بہترین نمائندگی فرمائی ہے۔ ان کے قلم کی سیاہی شوقیہ صرف نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ خانقاہی ضرورت کے لیے مخصوص تھی۔ موجودہ وقت میں جب جب خانقاہ مجیبیہ کو ایک علمی وعرفانی تحریر یا خانقاہ کی طرف سے کسی زبردست دفاعی تحریر کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری کے قلم کی سیاہی اور ان کی فکری توانائیاں ان ضرورتوں کو پورا کرنے میں ہمیشہ صرف ہوئیں۔

حضرت مولانا مفتی سید شاہ بدر احمد مجیبی، خانقاہ مجیبیہ نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ آج علماء صالحین میں سے ایک اہم ہستی برادر گرامی قدر اور فخر اہل تصوف و معرفت حضرت مولانا شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر تعزیت کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ان کی خوبیاں، ان کے حسنات، ان کی علمی و تحقیقی خدمات، ان کی تصوف و سلوک سے متعلق خدمات، ان کے حسن اخلاق و حسن معاملات، الغرض ان کے تمام اوصاف و کمالات ہمارے پیش نظر ہیں۔ انہوں نے سلسلہ مجیبیہ کے لئے خصوصی طور سے اور تمام خانقاہوں اور اہل تصوف کے لئے عمومی اعتبار سے جو کام کئے ہیں وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ چند سال پہلے رسالہ معارف اعظم گڑھ میں تصوف کے کسی شدید مخالف کا مضمون تصوف کی تنقید و تنقیص پر شائع ہوا تھا تو وہ بے چین ہو گئے تھے۔ کسی نے اس کا جواب نہیں لکھا تو خود انہوں نے ایک تفصیلی مضمون تصوف کی حقیقت اور اس پر اعتراضات کے جواب میں تحریر کیا، جو معارف میں شائع ہوا اور اہل علم میں بہت پسند کیا گیا۔

معمولات خانقاہ بماہ جمادی الاولیٰ :

۲۹ ر جمادی الاولیٰ، اعراس حضرت محی الملۃ والدین امیر شریعت مولانا الحاج سید شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ، حضرت امان المستجیرین عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہ و حضرت رضوان من اللہ رب العالمین عارف باللہ مولانا الحاج سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ، ۲۸ ر دن گزار کر شب ۲۹ ر و روز ۲۹ ر کو قل و مجلس سماع ہوتی ہے۔

۲۹ ر جمادی الاولیٰ اعراس حضرت شمس العارفین امیر شریعت مولانا سید شاہ محمد قمر الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ و حضرت استاذ العلماء امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۲۹ ر کو بعد نماز عشاء قل و مجلس سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ جمادی الثانی :

۱۹ ر جمادی الثانی عرس صاحب المقام الاویسیہ حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اولیاء قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹ ر تاریخ کو نماز عصر کے بعد قل ہوتا ہے۔

۲۰ ر جمادی الثانی عرس بانیٔ خانقاہ و دار العلوم مجیبیہ حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹ ر دن گزار کر شب ۲۰ ر اور روز ۲۰ ر کو قل و مجلس سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ رجب المرجب :

۶ ر رجب کو فاتحہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ ــــ بعد نماز عصر قل ہوتا ہے۔

رجب کی ستائیسویں شب میں معراج کی مناسبت سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک ہوتا ہے اور شب میں چراغاں ہوتا ہے۔ خانقاہ اور آستانہ اس رات شب معراج کی یاد میں چراغوں سے بقعۂ نور بنا رہتا ہے۔ بعد نماز عشاء قل اور بعدہٗ محفل سماع ہوتی ہے۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی موجودہ اہم مطبوعات

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف / مرتب / مترجم	قیمت
01	الباقیات الصالحات	بدرالکاملین فیاض المسلمین حضرت مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہٗ	50/-
02	سوانح حضرت محی الملۃ والدین	حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ	100/-
03	سوانح حضرت امان المستجیرین	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	100/-
04	صحیفۂ امان	ڈاکٹر سید شاہ فتح اللہ قادری	50/-
05	آداب وفضائل درود وسلام ملحقہ روح کائنات	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	90/-
06	اسلام میں بدعت کا مفہوم	حضرت مولانا شاہ محمد عزالدین قادریؒ	30/-
07	عرس اور اس کی معنویت وحقیقت	حضرت مولانا محمد شفیع اللہ سہسرامیؒ	30/-
08	سفرنامۂ حیات (خودنوشت سوانح)	حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ	150/-
09	بستان الاکرام اُردو ترجمہ تذکرۃ الکرام	حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیات قادریؒ / مترجم: پروفیسر سید اسد علی خورشید	300/-
10	رسالہ نماز برائے اطفال	جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	50/-
11	حضرت مریم علیہا السلام	مولانا سید لطف اللہ قادری	60/-
12	احوال مولائے کائنات	حضرت فیاض المسلمین قدس سرہٗ / تحشیہ وتخریج: جناب حضور مدظلہ العالی	140/-
13	سیرت پیر مجیب (جدید ایڈیشن مع اضافہ)	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	400/-
14	خانوادۂ سیدہ زینب بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	200/-
15	نغمات الانس فی مجالس القدس	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	350/-
16	یزید حقائق کے آئینے میں (جدید ایڈیشن مع اضافہ)	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	100/-
17	خانقاہ تاج العارفین	مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی	100/-
18	The Magnificence of Peer Mujeeb	Dr. Syed Shamim Ahmed Quadri Amani	400/-
19	Tajul Arfeen and the Glorious……	Prof. Syed Aziz Ahmed	120/-
20	رسالہ قنوت نازلہ	حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادریؒ	20/-
21	صلوات اللہ الجلیل علی نبیہ الحبیب الجمیل	حضرت فیاض المسلمین قدس سرہٗ / ترتیب وترجمہ: جناب حضور مدظلہ العالی	500/-
22	شب برأت اہل سنت کے معاشرے میں	مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی	120/-
23	القول السدید لدفع المتعصب العنید	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	50/-
24	بدعت اک مختصر جائزہ (اردو)	جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	20/-

25	بدعت اک مختصر جائزہ (انگریزی)	مترجم : جناب محمد شاہد حسین قادری	40/-
26	الخطبات النافعة للعيدين والجمعة	جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	300/-
27	ایک بے مایہ کا سفر حج	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	300/-
28	خلافت وملوکیت اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ	جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	400/-
29	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد اور تحریک امارت	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادریؒ	50/-
30	عرفان وآگہی کی شمع فروزاں	ڈاکٹر سید شمیم احمد قادری امانی	350/-

مذکورہ کتابیں حاصل کرنے کے لیے ان نمبرات: 7903953313 ,7250433562 ,9006306098-91+ پر رابطہ کریں۔

****

چھ ورقی المجیب کیلنڈر 2022

Rs.80/- Size : 17x22.5

2022ء کے لیے واضح اور جلی حرفوں میں قمری و انگریزی تاریخوں اور خوش نما تصاویر سے مزین خوب صورت و خوش منظر چھ ورقی المجیب کیلنڈر منظر عام پر آگیا ہے۔ جس میں سرکاری تعطیلات اور مذہبی تہواروں کے علاوہ مشہور ومعروف بزرگان دین کے اعراس و تاریخ وصال کی مکمل نشاندہی کی گئی ہے، خصوصاً خانقاہ مجیبیہ کے سالانہ وماہانہ سبھی قل و اعراس کی تاریخیں سرخ حرفوں میں لکھی گئی ہیں۔

کیلنڈر کا انداز انوکھا، کاغذ نہایت عمدہ اور طباعت پرکشش و دیدہ زیب ہے، خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے صرف -/80 روپے میں جلد طلب فرما کر بھرپور فائدہ اٹھائیں اور اپنے گھروں کی خوبصورتی میں اضافہ کریں۔

بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا

عمی ومخدومی عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی منبع فضل وکمال تھی۔ تصنیف وتالیف کی طرف ان کا جو فطری میلان تھا، قارئین کرام اس کے دلائل المجیب کے اس خصوصی شمارے کے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ کا اکابرین خانقاہ مجیبیہ سے والہانہ شغف بھی اظہر من الشمس ہے۔ اس سلسلے میں حضرت علیہ الرحمہ کے اشہب خامہ کی جولانیوں کے نتیجہ میں معرض وجود میں آچکیں تصنیفات یعنی سیرت پیر مجیب، سوانح حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ اور القول السدید لدفع المتعصب العنید وغیرہ براہان جلی ہیں۔

حضرت عمدۃ المتوکلین قدس سرہ کا مرکب قلم کسی موضوع پر خستگی وعاجزی سے دو چار نہیں ہوتا، بلکہ ہر وقت نئے ولولوں اور جوش وجذب کے ساتھ پویا ومتحرک رہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مختلف موضوعات پر اپنے قلم کے جواہر ریزے بکھیرنے کا کئی خاکہ تیار کر رکھا تھا، لیکن صد حیف! پیک اجل کی عجلت پسندی کے سبب وہ سب کا سب ناتمام رہ گیا۔ ان ہی میں سے حضرت علیہ الرحمہ کی شدید خواہش حضرت اقدس سیدنا الامام بدر الکاملین فیاض المسلمین مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری پھلواروی جعفری زینبی قدس اللہ سرہ العزیز کے سیرت واحوال پر ''بدر کامل'' کے عنوان سے ایک مفصل ومدلل اور جامع تصنیف منصۂ شہود پر لانے کی تھی اور حضرت علیہ الرحمۃ والغفران نے اس کا نقش اول بھی مرتب فرما لیا تھا، لیکن واحسرتاہ! وہ عظیم کارنامہ نامکمل رہ گیا۔

راقم سطور حضرت کے اس بے رنگ کو المجیب کے اس خصوصی شمارے میں محفوظ کر دینا چاہتا ہے، تاکہ آنے والے وقت میں اگر کوئی اس عزم جزیل پر کمر بستہ ہو اور اس بے رنگ میں رنگ آمیزی کا ارادہ کرے تو وہ متعین کردہ خطوط اس کے ممد ومعاون ہو سکیں:

گمان مبر کہ بہ پایان رسید کار مغان
هزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

محمد آیت اللہ قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بدر کامل

سیرت و احوال حضرت اقدس غیاث المستغیثین

فیاض المسلمین سیدنا الامام بدر الکاملین مولانا سید شاہ

محمد بدر الدین قادری پھلواروی جعفری زینبی قدس اللہ سرہ

ورضی عنہ

رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

فہرست کتاب کہ مقصودِ تحریر از آں است

انتساب

فہرست

تقدیم

باب (۱) خاندانی حالات (حسب نسب، آبائے کرام۔
والدہ مکرمہ کا سلسلہ نسب، نانا محترم کا ذکر، حضرت تاج العارفین
سے نسبی تعلق، شیخ و مرشد سے رشتے کا ذکر۔ حضرت غوث پاک
سے نسبی شجرہ

باب (۲) ولادت و نشو و نما، تعلیم و تربیت (اساتذہ کا ذکر،
والد ماجد کے علمی و عرفانی مقام کا ذکر، کون کون سی کتابیں زیرِ درس
رہیں، نیز پھلواری شریف اور خانقاہ جنیدیہ و مجیبیہ کے بزرگوں کے ذوق و
رجحان کا ذکر)

باب سوم ۳ – بیعت، تزکیہ و سلوک، مشقِ اذکار، اجازت و خلافت اور
نیابتِ مرشد میں مستفیدین کی تربیت۔

باب چہارم ۴ – خانقاہ جنیدیہ کی جانشینی (سلسلہ جنیدیہ کا مختصر تعارف
والد ماجد اور اجدادِ کرام کا صاحبِ ارشاد ہونا، ایک قدیم روایت کا ذکر)

باب پنجم ۵ – مرشد کا وصال، مسئلہ جانشینی کا بر وقت فیصلہ اور مرشد زادے کی بیعت
تربیت

باب ششم ۶ - سفر حج، زیارت حرمین شریفین اور بعض مشائخ سے استفادہ

باب ہفتم ۷ - خانقاہ مجیبیہ کی جانشینی اور طریقہ مجیبیہ کی تجدید نے (ایک انقلاب عظیم مکتوبات کے حوالے سے محی الدین صاحب کے ترک سجادہ کی تفصیل اور انتخاب جانشین، خانقاہ کی تعمیر، کتب خانہ کی تجدید، بعض عرس کا انعقاد)

باب ہشتم ۸ - سلسلہ رشد و ہدایت، امت کی چارہ گری و دستگیری، سرگرمی تطہیر قلوب و تزکیہ نفوس (مستفیدین اور خاص مریدین کا ذکر)، درس قرآن و درس تصوف، ملی قیادت، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک امارت، فرامین امیر شریعت، ہفت روزہ اخبار جریدۂ امارت، امیر شریعت اول کے عہد کا ایک جائزہ)

باب نہم ۹ شجر علمی، تحقیقات علمیہ افادات بابرکات، (لمعات بدریہ اور مکتوبات کی روشنی میں) ذوق شعر و سخن، فارسی کلام

باب دہم ۱۰ سلاسل طریقت اور احادیث شریفہ کی اجازتیں

باب یازدہم ۱۱ خلفائے ذی الارشاد اور مسترشدان باختصاص

باب دوازدہم ۱۲ اولاد و احفاد

باب سیزدہم ۱۳ سفر آخرت کا اہتمام و انتظار اور وصال (لعل کا تیارہ، امور خانقاہ اور تجہیز امور کی انجام دہی میں عجلت

باب چہاردہم ۱۴ - قطعات تاریخ وفات

باب پانزدہم ۱۵ - تکملہ عمر مبارک

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

ISSN 2320-8600 The **ALMOJIB** Quarterly

Vol.No. :61

April & December 2021

Sl.No. : 02-04

The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar

Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)

Cell : +91-7250433562, 9006306098, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

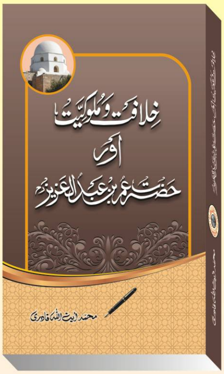

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی فخریہ پیش کش

خلافت وملوکیت اور حضرت عمر بن عبدالعزیز

تالیف منیف

جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

نہایت مستند، محقق اور عصر حاضر کی یکتا ویگانہ تصنیف ہے، خلافت وملوکیت اور امارت اسلامی پر نہایت چشم کشا تحریر ہے اور اہل سنت والجماعت کے موقف ومنہج کی طرف مکمل رہنمائی کرنے والی تالیف ہے۔

یہ معرکۃ الآراء کتاب دس ابواب پر منقسم ہے، ابتدائی چار باب بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں خلافت کی حقیقت، خلافت کی تعریف، خلیفہ کے لئے ضروری اوصاف وکمالات، انعقاد خلافت کے لئے قریشیت کی شرط، نصب خلیفہ کے اسلامی طریقے، خلافت وملوکیت میں فرق، خلیفہ کے اختیارات، خلافت کے فرائض اور ذمہ داریاں، خلافت علی منہاج النبوۃ کے خاتمے کی وجوہات، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگیں، حضرت امیر معاویہ کا اقتدار اور ان کا یزید کو جانشین منتخب کرنا وغیرہ جیسے عناوین وموضوعات پر حضرت مؤلف گرامی مدظلہ العالی نے بھرپور داد تحقیق دی ہے۔

بقیہ چھ ابواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح اور ان کے مقام ومرتبت کو حسین ودلکش پیرایے میں مستند ومعتبر حوالوں کے ساتھ منصۂ شہود پر لایا گیا ہے، اس طرح سے یہ کتاب سوانح نگاری کے اعلیٰ اصول پر گامزن ہو کر ایک مکمل تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔

یہ کتاب ۴۲۴ رصفحات پر مشتمل ہے جس کی قیمت مبلغ -/400 روپے ہے، خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کرکے استفادہ کریں۔

رابطہ : +91-7250433562, 9006306098

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)